اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

عِنَايَةُ البَارِى

لِطَلَبَةِ البُخَارِى

تالیف لطیف

حضرۃ مولانا قاری محمد ادریس ہوشیارپوری مدظلہ

رئیس جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان شہر (مرتب خطبات حکیم الاسلام جلد ۱۲)

بنظر تحقیق واعتماد

حضرت محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن جامی زید مجدہم

طریق انتخاب

(۱) مدار تحقیق .... کشف الباری

(۲) معیار تفقہ .... انعام الباری

(۳) طرز تدریس .... الخیر الساری

(۴) انداز تسہیل .... نصر الباری

(۵) ربط بین الابواب .... دلیل القاری

اِدَارَۂ تَالِیفَاتِ اَشْرَفِیَہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240

تقدیم

حامداًللہ العظیم و مصلیاًعلی رسولہ الکریم

(اضافہ ونظر ثانی شدہ ایڈیشن)

وبعد

"عنایت الباری لطلبۃ البخاری" کا پہلا ایڈیشن ہمارے مخدوم محترم قاری محمد اسحاق صاحب ملتانی کی اشاعت سے حضرات طلبہ کرام تک پہنچا ـــــ اسی طرح بڑے بڑے حضرات مشائخ کی بارگاہ میں بھی رسائی ہوئی ـــــ تاہم مجھے اپنے طور پر تشنگی کا احساس تھا ـــــ اس لئے اپنی بساط وہمت کے مطابق اس پر نظر ثانی کی اور مندرجہ ذیل کتب سے جو مزید نکات مل سکے اور سامانِ تشریح دستیاب ہوا اسے مسودہ میں شامل کردیا گیا۔

۱...درس بخاری حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

۲...فضل الباری حضرت العلام مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ

۳...امداد الباری حضرت مولانا عبد الجبار اعظمی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

۴...تحفۃ القاری حضرت العلام مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ حال شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند انڈیا

۵...درس بخاری حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

۶...انوار الباری

۷...ارشاد القاری حضرت العلام مفتی رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

اس لئے اس کو اگر ملحوظ رکھ لیا جائے کہ [۱] دار العلوم دیوبند (درس بخاری، فضل الباری اور تحفۃ القاری)

[۲] مظاہر العلوم سہارن پور (نصر الباری)

[۳] جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد (امداد الباری)

[۴] جامعہ فاروقیہ کراچی (کشف الباری)

[۵] دار العلوم کورنگی (انعام الباری)

[۶] جامعہ خیر المدارس ملتان (الخیر الساری)

[۷] جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (درس بخاری شامزئی)

[۸] جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا (دلیل القاری)

[۹] دار العلوم نعمانیہ ڈی آئی خان (الہام الباری)

ان بلند پایہ جامعات ومدارس اسلامیہ کے حضرات محدثین کرام نے اپنی تصنیفات میں جو کچھ تشریحات وتقریرات فرمائیں ـــــ ان کے نکات آسان پیرایہ میں جمع کرنے کی بھرپور سعی کی گئی ہے۔

اللہ کی ذات عالی سے امیدوارِ کرم ہوں کہ وہ محض اپنے فضل بے پایاں کے صدقے اور بتصدق جناب رسول اکرم خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور ذوقِ حدیث رکھنے والے ہر طالب کے لئے نافع بنائے۔آمین

اس ناکارہ،میرے والدین ماجدین،حضرات اساتذہ ومشائخ کے لئے ذریعہ صلاح وفلاح اور نجاتِ اخروی بنائے۔ آمین

اہل علم کو جہاں غلطی نظر پڑے مطلع فرما کر احسانِ عظیم فرمادیں۔کرم بالائے کرم ہوگا۔

سپردم بتومایۂ خویش را
تودانی حساب کم وبیش را

والسلام

محمد ادریس ہوشیار پوری غفرلہ

۹۔۶۔۱۴۳۸ھ

9-3-2017ء

الاھداء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس عظیم برگزیدہ شخصیت کی خدمت مبارکہ میں جس نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو ضبطِ قرآن حکیم کے اعلیٰ و بے مثال معیار کے لئے وقف رکھا۔

اور

بعد از وصال آج بھی اپنے ہزاروں شاگردان کے خواب میں آکر معیار قائم رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

میری مراد مجدد القراآت شاطبیٔ وقت حضرت اقدس شیخ القراء مقریٔ اعظم رحیم بخش نور اللہ مرقدہ خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے ہے۔

والسلام

بندۂ ناکارہ

محمد ادریس ہوشیار پوری غفرلہ

یوم الجمعہ ۱۷/۸/۱۴۳۶ھ

5/جون 2015ء

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[1] اپنے والد گرامی قدر حضرتِ محترم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب المرحوم نور اللہ مرقدہ (شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) جنہوں نے مجھے بے حد محبت وتوجہ سے کتب پڑھائیں اور ان کی خواہش تھی کہ یہ نابکار شعبۂ حفظ کے ساتھ کتبِ حدیث میں بھی سبق لے۔

اور

اپنے روحانی مربی حضرتِ اقدس امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت محدث جلیل حکیم العصر مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ جن سے مشکوٰۃ شریف پڑھ کر محبتِ حدیث دل میں جاگزیں ہوئی اور بندہ کے بخاری جلد ثانی پڑھانے پر ان کی طرف سے دستار بندی کے بعد جلد اول ان کے حسبِ ایماء پڑھانی نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ قدس سے ان نفوس قدسیہ کیلئے اس ذرہ بے مقدار کو صدقہ جاریہ بنائے۔ جو اس جملۂ قرآنی کا مصداق ہے۔

جئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا

والسلام

از مؤلف غفرلہ

---

[1]: آپ صدر وفاق حضرت محترم شیخ مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ، حضرت محترم مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت العلام مولانا عبدالستار تونسویؒ کے رفقاءِ درس حدیث شریف میں سے ہیں۔

ہرست مضامین



پیش لفظ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

پیشِ نظر یہ چند اوراق الجامع الصحیح للبخاریؒ سے متعلق ہیں۔ اس میں نہایت سادہ طریق سے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلباء کرام کے طرزِ تکرار کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے ـــــ فی نفسہٖ اکابر متقدمین کرام کی عربی شروح نیز آج کے حضرات محدثین کرام اور مشائخ عظام کی اردو شروح کے ہوتے ہوئے کسی امتیازی شرح کا قطعاً اضافہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی بندۂ نابکار یہ سوچ ہی سکتا ہے۔

اس لئے کہ راقم الحروف سلسلۂ رحیمیہ سے وابستہ ہے اور اپنے عہدِ شباب سے ہی تحفیظ القرآن الکریم سے بحمدہ تعالیٰ شب و روز ایک کر کے اپنے اکابر سے نسبت کی بقاء کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ غالباً ۱۳۹۴ھ میں مسجد غفوریہ ملتان میں قاعدہ نورانی اور پارہ عم ۳۰ کا مدرس بنا تھا۔ اور یہ خواب و خیال میں نہ تھا کہ کبھی درجۂ کتب میں بھی اسباق پڑھانے کی نوبت آسکتی ہے۔ کیونکہ یہاں کے ماحول میں حفظ قرآن کریم کے چہ جائیکہ گردان کرنے والے طلبہ کرام بھی آجائیں۔ دور دور تک اس کا نشان و گمان نہ تھا۔

حضرت والد گرامی مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ فاضل دار العلوم دیوبند و شاگردِ معتمد حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ مجھے باصرار ارشاد فرماتے درسِ قرآن کریم دیا کرو۔ درسِ حدیث دیا کرو۔ پڑھا ہوا علم بھول جائے گا۔ مگر بندہ اس کو اس وجہ سے اہمیت نہ دیتا، اب کہاں موقع آسکتا ہے کہ کتب کے طلبہ کو پڑھانے کی نوبت آئے گی ـــــ کسل و سستی مزید ہوتی۔ کچھ نسبت رحیمی کا اثر بھی تھا کہ ہر وقت توجہ قرآن کریم کی درس گاہ کی طرف رہتی ـــــ

ماضی کی اس مختصر روئیداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا، جامعہ دار العلوم رحیمیہ کا قیام عمل میں آیا۔

اور بفضلہٖ تعالیٰ والد گرامی مرحوم کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا جو اس وقت وہ بیداری میں دیکھا کرتے تھے کہ اتنی بڑی تعداد میں شعبۂ حفظ کے طلباء کرام فارغ ہو کر ملک بھر کے مدارس و جامعات میں چلے جاتے ہیں اور ہمارے پاس ان کو علمی حوالہ سے مزید لیکر آگے چلنے کی صورت نہیں ہے۔

بہر حال ہمارے پاس ایک بڑی تعداد شعبۂ کتب کے طلبہ کرام کی بھی ہونے لگی۔ سال بسال نئی جماعت آگے بڑھتی اور ابتدائی جماعت شعبۂ حفظ سے فراغت و تکمیل کرنے والے والے طلبۂ کرام کی شکل میں آجاتی۔

خیر و برکت سے اور اللہ تعالیٰ کی جناب رحمت سے فضل خاص ہوا کہ جامعہ میں حسب ارشاد و حکم حضرت حکیم العصر مولانا عبد المجید لدھیانویؒ ہمارے ہاں دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا۔ جو حضرت موصوفؒ نے حکماً کرایا تھا اور بسم اللہ بھی خود ہی کرائی۔

بندہ اہتمام کی اضافی ذمہ داری کے ساتھ شعبۂ تحفیظ میں ''استقامت'' کے ساتھ چل رہا تھا۔

حضرت حکیم العصر نے فرمایا: آپ بھی شعبۂ کتب میں سبق پڑھایا کرو۔ کم از کم ایک سبق ہونا ضروری ہے۔ بندہ کئی سال عذر کرتا رہا ـــــ پھر حضرت شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت محترم مفتی سعید احمد جلالپوری شہیدؒ کے ہاں بندہ کراچی حاضر تھا۔ مدرسہ کے حال احوال کے سلسلہ میں گفتگو تھی۔ فرمانے لگے: آپ خود کونسا سبق پڑھاتے ہو ـــ؟ بندہ نے نفی میں جواب دیا ـــــ فرمانے لگے: اس وقت تک مہتمم کی انتظامی گرفت مضبوط نہیں ہوتی جب تک طلبہ کرام میں اس کا علمی وقار نہ ہو۔ بلکہ مہتمم کو چاہیے ادق اور مشکل ترین سبق کا اپنے لئے انتخاب کرے۔

بہرحال ان مذکورہ اکابر کے حسب ارشاد و حکم بندہ نے ابتدائی طور پر شمائل ترمذی شریف پڑھائی۔ اس لئے زیادہ مشکل نہ آئی کہ طلبہ کرام میں ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو شعبۂ تحفیظ سے میرے پاس سے تکمیل گردان کر کے آئی تھی ـــــ الحمد للہ بفضلہ تعالیٰ کام چل گیا۔ ازاں بعد مشکوٰۃ شریف ج ۲ وہ حصہ جو احکام و مباحث سے متعلق نہ تھا وہ لیا۔

یہ حصہ چونکہ بطور خاص الحمد للہ حضرت حکیم العصرؒ کے پاس دار العلوم کبیر والا میں پڑھا تھا۔ ذہن میں کچھ بھولی بسری علمی یادیں تھیں اور آپ کے ساتھ مسلسل ربط کے باعث کام بن گیا ـــــ سالہا سال یہ معمول رہا۔

جامعہ میں ایک بہت بڑے استاذ محترم جناب مولانا حفیظ اللہ صاحب مدظلہ جو بخاری شریف جلد ثانی پڑھاتے تھے ان کے والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک مدرسہ چھوڑ گئے۔ جو انہوں نے اپنی اولاد کو دینے کی بجائے کسی اور معتمد کے حوالہ کر رکھا تھا ـــــ لیکن وہ اس کو صحیح معنیٰ میں لیکر نہ چل سکے تو علاقہ کے اہل حل وعقد اور مدرسہ کے ذمہ دار حضرات نے ان کو مجبور کیا کہ آپ ملتان سے چھوڑ کر یہاں اپنے علاقہ کروڑ لعل عیسن واپس آئیں اور اپنے والد ماجد مرحوم کے ادارہ کو سنبھالیں۔ ہم کسی اور کو نہیں دیں گے۔

ان کے اس طرح غیر متوقع طور پر جانے کے باعث بخاری شریف جلد ثانی تمام حضرات مدرسین کرام کے اجماع سے میں نے لے لی۔ لیکن اس میں اپنے ساتھ حضرتِ محترم مولانا عبد الستار صاحب ناظم تعلیمات دار العلوم رحیمیہ کو معاون رکھا کیونکہ اہتمام کے لئے اسفار لازم ہیں ـــــ بہرحال خدائے پاک نے کرم فرمایا ـــــ اس بلند مقام مجموعۂ حدیث کا حق تو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا۔ پرانے اساتذہ کرام اور جامعات کی نسبت ایک نئے استاذ کے پڑھانے میں زمین آسمان کا فرق ہونا چاہئے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے ستاری فرمائی۔ جلد ثانی سے وفاق المدارس کے پرچۂ امتحانات میں اس سال چار سوال آئے اور طلبہ کرام نے دیگر کتب کی نسبت دورۂ حدیث شریف کی کتب میں بخاری شریف میں بہت اچھے نمبرات حاصل کئے۔ جامعہ میں اچھی فضا بن گئی۔ اور بندہ کو بھی حوصلہ ہو گیا۔

ایک دفعہ یہی بخاری شریف جلد ثانی کو پڑھایا تھا۔ ہمارے جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت محترم مولانا عبد الرحمن جامی زید مجدہم ان کے والد گرامی حضرت محترم مفتی مولانا محمد صدیق المرحوم ایک حادثہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے ادارہ میں بہت بڑا

خلا پیدا ہو گیا۔ ان کے جامعہ کو سنبھالنے کے لئے ان کے تمام برادران واڈ محمود کوٹ کے تمام اہل علاقہ اور جامعہ کے ارباب حل وعقد نے ان کو اتنا مجبور کیا، انہیں بھی دار العلوم رحیمیہ ملتان چھوڑ کر اپنے والد گرامی کی قائم کردہ درسگاہ جامعہ امداد العلوم اڈ محمود کوٹ جانا پڑا ــــــ اس سلسلہ میں انہوں نے تفصیلی استعفیٰ میں لکھا جو میرے پاس محفوظ ہے۔ اس میں تحریر فرمایا:

ا۔۔۔ بحمدہ تعالیٰ جامعہ اس نہج پر پہنچ چکا ہے کہ کسی استاذ کے آنے جانے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (بفضلہ تعالیٰ) مدرسہ کا اپنا ایک ذاتی تشخص بن چکا ہے۔ ۲۔۔۔آپ کے پاس اساتذہ کرام کی بہترین ٹیم موجود ہے۔ جن کے لئے تین (میرے والے) اسباق سنبھالنا مشکل نہیں ہے ــــــ میرا ذاتی مشورہ بھی ہے کہ بخاری شریف جلد اول آپ خود سنبھال لیں۔ آپ کی قابلیت، صلاحیت واستعداد مولانا زبیر احمد صدیقی، مولانا محمد نواز، مولانا محمد عابد صاحبان اور مجھ سے کم نہیں ــــــ (اگرچہ یہ ان کا حسن ظن ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا کردے۔ آمین) میں یقین دلاتا ہوں طلبہ میں اجتماعیت قائم رہے گی۔

ان تیرہ سالوں میں جامعہ کے ماحول میں بندہ کے ساتھ جس والہانہ شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا گیا۔
بندہ اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کا بدلہ اپنی شایان شان عطا فرمائیں ــــــ آمین

اس کے ساتھ جامعہ کے تمام اساتذہ کرام کا متفقہ فیصلہ تھا کہ آپ جلد اول لیتے ہیں تو ہم سب مطمئن ہیں۔ ورنہ اس کے دعویدار کم از کم دو بھی ہو جائیں تو تمام اسباق کے ردوبدل سے کافی مسائل سامنے آسکتے ہیں ــــــ اس لئے لرزاں وترساں فیصلہ کرلیا گیا ــــــ یہ جو کچھ تھا بلا طلب تھا۔ اس کے پس منظر میں الحمد للہ عجب ودعویٰ نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کی توقع وامید بھی تھی ــــــ

الحمد للہ حضرات اکابر نے تشریح وتسہیل کے لحاظ سے اتنا کچھ لکھ دیا ہے بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

آج۔۔۔ یہ علم ایک پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ کتاب عمدہ طباعت اعلیٰ جلد کے ساتھ چھپی ہوتی ہے اور اس کتاب کو حاصل کرنے کے لئے آپ کو کوئی محنت، کوئی پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ کتب خانہ سے کتاب مل گئی۔ پڑھانے کیلئے استاذ موجود۔ اور استاذ مباحث کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہے تو ایک پکی پکائی روٹی کی صورت میں یہ علم آپ کے سامنے ہے۔ (انعام الباری ص 41 ج 1)

پکی پکائی روٹی سے پہلے کے متعدد مراحل گندم اگانے زمین بنانے سے لیکر لقمہ بننے تک۔ اس میں کھپنے کی ضرورت نہیں۔

بہر حال بندہ نے اس کی تدریس کیلئے توکلا علی اللہ جس جہت کو اختیار کیا اس کی کچھ نوعیت اس طرح سے ہے:

ا۔۔۔ بندہ کو چونکہ فاضل خیر المدارس ہونے کی سعادت حاصل ہے اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم جو حضرت بانی جامعہ خیر المدارس کے اجلہ وممتاز شاگردان میں سے ہیں۔ ان کی الخیر الساری کو طرز تدریس کے لحاظ سے سامنے رکھا اور اس سے بنیادی استفادہ کیا۔ اسی طرح برادر محترم مولانا قاری محمد امیر صاحب (جامعہ رحیمیہ فتح العلوم ملتان) کی مرتب

کردہ امالی از حضرت اقدس خیر العلما بانی خیر المدارس مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ سے متعدد مقامات پر بھر پور راہنمائی حاصل کی۔

۲..حضرت صدر وفاق المدارس محدث جلیل شاگردِ خاص شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی کشف الباری کو قول آخر کی سطح پر تحقیق و تخریج کے حوالہ سے پیش نظر رکھا ــــــ بالخصوص اسماء الرجال کے حوالہ سے جس قدر پر مغز مواد حضرت والا کی کتاب میں ہے دیگر کتب اردو میں اپنے محدود مطالعہ کے لحاظ سے نہ مل سکا۔

مطالب حدیث کے مصادیق کے لحاظ سے جو جامعیت حضرت والا کی کتاب میں دیکھنا نصیب ہوئی دیگر اردو شروح میں نظر نہ آئی۔(اگر چہ وہ ایک فرد کی ہی نظر ہے۔) حقیقت یہ ہے اگر آدمی اس ایک ہی شرح کو دیکھ کر پڑھا لے تو بہت کچھ ہے ــــــ تاہم بعض مقامات پر شرح اتنی طویل ہو جاتی ہے جو کسی ابتدائی استاذ کے لئے اس کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۳..انعام الباری حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس میں راقم کو ان کی شان تفقہ سے بحمدہٖ تعالیٰ بہت فائدہ ہوا۔

اگر چہ آپ محدثانہ شان و بصیرت بھی بہت اونچے درجہ کی رکھتے ہیں ــــــ بندہ نے اپنے فائدہ کیلئے فقیہانہ نکات کا مدار انعام الباری کو بنایا ــــــ اور الحمد للہ اس سے بھر پور فائدہ اٹھانے کی امکانی کوشش کی۔

۴..نصر الباری کو بھی مسلسل نظر میں رکھا۔اسمیں طرزِ تسہیل سے فائدہ اٹھایا۔

۵..ربط بین الابواب کے سلسلہ میں حضرت حکیم العصر محدث جلیل استاذ نا المحترم مولانا عبد المجید لدھیانویؒ کی دلیل القاری کو سامنے رکھا۔احادیث بخاری کا ترجمہ و اعراب بھی دلیل القاری سے لئے گئے۔

مجھ ایسے طالب علم کو آپ کا یہ امتیاز نظر آیا کہ آپ نے ربط بین الابواب میں جس گہری نظر سے احادیث کو باہم مربوط کیا وہ آپ کی طبع خاص کا ذوق، اخذ نتائج اور طرزِ مصداق کا آئینہ دار ہے ــــــ اس ربط میں سابقہ حدیث کے متن کے الفاظ آنے والی حدیث کے متن کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر یاد کرنے کی سہولت بھی نظر آئی ــــــ

اختصار سے یادداشت کیلئے الحمد للہ یہ بھی خاصے کی چیز ہے ــــــ

ــــــ شعبہ تحفیظ کی تدریس اور انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ اہم ترین سبق بخاری کو لیکر چلنا بہت ہی مشکل تھا۔تقریباً پینتالیس سال کے بعد دوبارہ بخاری شریف سامنے تھی ــــــ اس لئے سبق کی تیاری کے سلسلہ میں صرف ذاتی مطالعہ پر اکتفا کرنے کی بجائے اس کی ہیئت ترکیب اور بعد از ترتیب میں میری معاونت میرے بہت ہی قابل احترم شاگرد رشید عزیز محترم حافظ مولوی مفتی محمد عنایت الکریم میرے شریک مطالعہ و شریک تفہیم رہے جس سے ماٰخذ و مصادر کی مراجعت کے لحاظ سے آسانی رہی ــــــ آپ شعبہ تحفیظ کے حوالہ سے ہمارے جامعہ میں زیر تعلیم رہے۔اور الحمد للہ بندہ کے پاس گردان اور ضبط اس درجہ کا حاصل کیا تھا کہ بشری تقاضے سے نسیان، بھول چوک کی وجہ سے غلطی آجائے تو الگ بات ہے ورنہ پورے قرآن کریم میں ان کی غلطی نہیں آیا کرتی تھی ــــــ ازاں بعد بہت سی کتب دار العلوم کبیر والا اور تکمیل جامعہ خیر المدارس سے کی۔اپنے دورہ حدیث کے سالانہ امتحان میں خیر المدارس میں اول پوزیشن حاصل کی ــــــ پھر افتاء کا کورس جامعہ دار العلوم رحیمیہ سے کیا اور اس کے سالانہ امتحان میں بھی اول پوزیشن حاصل کی۔اب ہمارے جامعہ

کے شعبۂ کتب میں تدریسی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔

ان کی بھر پور معاونت حاصل رہی اور ہمہ وقت ان کو اپنے ساتھ میں جوڑے رکھتا تھا ـــــ اس لئے طلبہ کرام کے سامنے گفتگو کرنے کیلئے جو اعتماد مطلوب تھا تا کہ ان کے دل سے یہ بات نکل جائے کہ خدانخواستہ ہمیں سبق سمجھ نہیں آتا یا مشکل مباحث قابو نہیں آتیں ـــــ مجھے یہ احساس بہت دامن گیر رہتا تھا ـــــ اس لئے شب وروز کا وافر وقت مجھے بخاری شریف کے سبق تیار کرنے پر لگ جاتا تھا۔ اس لئے ان کا تذکرہ نہ کرنا اعتراف حقیقت نہ کرنے کے مترادف ہے۔ بندہ شرح صدر کے ساتھ ان کے اس علمی احسان کے بدلہ کیلئے بارگاہ خداوندی میں دست بدعاء ہے اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ وجزائے خیر عطاء فرمائے۔ ان کے علم وعمل اور عمر میں بے انتہاء برکات عطا فرما کر ان سے خوب سے خوب دین کی خدمت لے۔ اور ہم سب کو اپنی رضا مبارک سے سرفراز فرمائے۔ آمین

صورتِ حال کچھ اس کی مظہر ہوگئی کہ ابتداءً وہ میرے شاگرد تھے ـــ لیکن بعد میں وہ میرے علمی محسن ہوگئے ـــ

ان ھذا من اعاجیب الزمن کان مملوکی فاضحیٰ مالکی

اسی لئے اس مجموعہ کا نام عنایۃ الباری رکھا جس میں ذات باری تعالیٰ کی طرف انتساب کے ساتھ ظاہر حال کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

راقم الحروف جب تک شمائل ومشکوۃ شریف پڑھاتا رہا شعبۂ تحفیظ میں کافی وقت بیٹھا کرتا تھا ـــ لیکن بخاری شریف جلد اول نے اس معمول میں کافی تغیر پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے جو کچھ بھی جیسا بھی معیار ہمارے یہاں دار العلوم میں تھا ـــ اس میں فرق آیا۔ آنے والے طلبہ کرام نے اسے برداشت کرلیا اس لئے کہ اس وقت زیر تعلیم طلبہ کی اکثریت ایسی ہے جن کے والد یہاں پڑھتے رہے یا ان کے استاذ محترم جامعہ سے تکمیل کئے ہوئے ہیں اور اب تعلیمی طور پر زیر نگرانی تدریس کر رہے ہیں۔

میری شعبۂ تحفیظ سے توجہ کی کمی کی وجہ سے بندہ کو ایک روز حضرت اقدس مقرئ اعظم قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ کی خواب میں زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

آپ ہمارے مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم میں تشریف لائے۔ محراب کے قریب تشریف فرما ہیں۔ اور طلبہ کرام کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں۔ میں نیازمندی کے ساتھ سامنے بیٹھا ہوا ہوں ـــ ایک طالب علم جس کا نام محمد عبداللہ ہے۔ اس کے والد عزیزم حافظ محمد وریام صاحب بھی بندہ کے ہاں بہت اچھا قرآن کریم یاد کر گئے تھے۔ فرضوں میں ترتیب سے پڑھنے کی قدرت کے حامل تھے ـــ حضرتؒ ان کے بیٹے کا سن رہے ہیں۔ چہرے پر بشاشت نہیں۔ کچھ ناگواری کے اثرات ضرور ہیں۔ لیکن زبان سے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس نے سنانے میں کوتاہی کی اور غلطیاں کیں۔ تو حضرتؒ کے ہاتھ میں گز

(کپڑا ناپنے والا) ہے اور بہت صاف شفاف ہے وہ مجھے دیا ـــــ خواب ختم ہوگیا۔

بندہ صبح بیدار ہوا تو پریشان تھا اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ حضرتؒ فرمانا یہ چاہتے ہیں معیار تعلیم وضبط صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا معیار پیدا کرو۔ صبح سے عصر تک مسلسل سوچنے کے نتیجے میں وہی تعبیر معلوم ہوتی رہی لیکن عصر بعد یہ تعبیر ذہن میں آئی۔ اور اس لئے آئی کہ آپ کے بہت شاگردان جو درجہ کتب کے بہت اچھے استاذ اور محدث بھی بن سکتے تھے۔ اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو سکتے تھے ـــــ مگر حضرتؒ کے ذوق اور تعلق کی وجہ سے شعبۂ تحفیظ اور خدمت قرآن کریم سے منسلک ہوئے ـــــ اس لئے بول کر زبان سے آپ کسی کو بھی خدمت حدیث سے روکیں ایسا تو نہیں کر سکتے ـــــ لیکن ذوقاً خواہش یہ غالب ہے کہ میرا ہر عزیز شب و روز قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں زندگی کھپادے۔ مجھے جو گز (پیمانہ دیا) اس کا مطلب یہ ذہن میں آیا کہ حضرتؒ فرمانا یہ چاہتے ہیں" آپ بخاری شریف کا سبق پڑھا رہے ہیں اس سے مقصود تو حصول ثواب ہے یہ گز لیکر پیمائش کرلو قرآن کریم پڑھانے میں ثواب زیادہ ہے یا حدیث شریف کے پڑھانے میں" ـــــ اس کے بعد دل میں ایک ڈر ضرور بیٹھ گیا۔ لیکن الحمدللہ اب بھی شعبۂ تحفیظ کی درسگاہ میں تین سے چار گھنٹہ بیٹھ لیتا ہوں اور طلبہ کرام اس سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ خدا کرے اس کے دربار میں حضرتؒ کی برکت سے کسی نہ کسی شمار میں آجائے۔

میرے والد ماجد حضرت اقدس مولانا محمد شفیع صاحب المرحوم فرمایا کرتے تھے:

آجکل عمومی طور پر تخلیقی مضامین کا دور کم ہے۔ عام طور پر جدید نکات، نیا اسلوب بیان، حسن تعبیر کے حوالہ سے قلم اٹھانے والے بہت کم لوگ ہیں۔ اکابر کے ارشادات میں سے "جمع وتفریق" کر کے مضمون یا کتاب تیار کر لی جاتی ہے ـــــ

اس کا خارجی مصداق کہیں اور ہو نہ ہو بہر حال یہ "عنایت الباری" اس کی بہترین مثال ہے۔ اس لئے قارئین باتمکین سے درخواست ہے کہ یہ مجموعہ عنایت الباری لطلبة البخاری ـــــ اس کا انداز تکرار بالاختصار ہے۔ تاکہ مضامین کے ضبط میں آسانی ہو۔

ع گر قبول افتد زہے عزوشرف

مندرجہ بالا وضاحت کے باوجود مجھے اپنی ترتیب پر اعتماد کلی نہ تھا اس لئے جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان کے سابق استاذ بخاری شریف حضرت اقدس مخدوم محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن جامی دامت برکاتہم کی خدمت میں ان کے درِ دولت پر حاضری دیکر تمام مسودہ پیش کیا اور انہیں مجبور کیا کہ تکلف بلکہ تواضع برطرف ازراہِ کرم اس مجموعہ پر ایک علمی تنقیدی گہری نظر ڈال کر مفید مشاورت اور اصلاحی ہدایات سے نوازیں۔ آپ چونکہ عالم اسلام کی عظیم درسگاہ جامعہ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا میں ایک طویل عرصہ حدیث شریف پڑھا چکے، دارالعلوم رحیمیہ میں بھی تقریباً تیرہ سال صحیح بخاری کا درس دیتے رہے۔ کتابی زندگی کے ساتھ آپ کو خصوصی شغف و امتیاز حاصل ہے۔ نیز آپ کے طرزِ تدریس کو طلبۂ درس نظامی میں مقبولیت حاصل ہے ـــــ آپ کی پارہ عم کی تفسیر عنبر الیم اور توضیح تلویح کی شرح مسک الملیح اور شرح جامی کی شرح "تحفۂ جامی" مدارس میں پذیرائی حاصل کر چکی

ہیں۔اس لئے مدارس کے طلبہ کرام کی تفہیم کی سطح پر تسہیل مضمون اور علمی غلطی نہ رہ جائے ــــ اسے بنظر غائر دیکھ لیجئے۔

حضرت محترم جامی صاحب زید مجدہم نے اپنی تمام تر علمی ومطالعاتی مصروفیت چھوڑ کر اسے حرف بحرف سطر بسطر دیکھا اور حسب امید بہت کرم فرماتے ہوئے بعض مقامات پر تبدیلی اور تکرار کو حذف کرنے کا کہا اور کچھ مقامات پر الفاظ کی نشست و برخواست کو بدلا گیا ــــ

بارگاہ باری تعالیٰ میں روں روں اور لحہ لحہ شکر گذاری کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رقت پیدا فرمائی، میری درخواست کو درخور اعتنا سمجھا۔من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ کے مصداق دل وجان سے ان کی نظر تحقیق واعتماد پر شکر گذار وممنون احسان ہوں۔اللہ تعالیٰ ہر قاری عنایت الباری کی نظر سے گذرنے والے ہر لفظ لفظ کو ان کے لئے ثواب وقرب کا ذریعہ بنائے۔آمین

ان کے طرز تعلق نے مجھے یہ لکھنے پر مجبور کردیا کہ مقدرات کے تحت انہوں نے دار العلوم رحیمیہ سے ترک تدریس تو کی ــــ مگر ہمیں نہ چھوڑا اور الحمد للہ ہمارے قلوب کی بھی یہ کیفیت ہے کہ

ع رفتید۔ولے نہ از دل ما۔

حضرات اکابر کی تالیفات مبارکہ سے خوشہ چینی کر کے یہ مسودہ مرتب کیا گیا ــــ دور دور تک یہ بات حاشیہ خیال میں نہیں کہ یہ بخاری شریف کی شرح کے درجہ کی کوئی چیز ہے ــــ اس لئے عنایت الباری کے بعد "لطلبة البخاری" اس کے نام کا حصہ ہے۔یعنی یہ اپنی طلبہ برادری کیلئے تکرار وضبط کے طریق کار کی تسہیل کی کوشش ہے کہ دورۂ حدیث شریف کے سال میں دورانیہ کے لحاظ سے اسباق کی ہمہ وقت مشغولیت کے ساتھ ان مندرجات عنایت الباری کو کم وقت میں دیکھ کر مطالعہ بھی آسان ہوسکتا ہے کہ دو صفحات کو پانچ منٹ میں بغور دیکھ لیا جائے تو سبق کے سمجھنے میں آسانی ہوجائے گی۔اور دیگر کتب کے تکرار کے ساتھ متعلقہ مباحث بخاری بھی کم وقت میں اتنی یاد ہوجائیں کہ وفاق المدارس کے امتحانات میں ان مباحث کے حوالہ سے جید جداً تک پہنچ سکے۔امید ہے کہ طلبہ برادری اس ناکارہ مرتب کو اپنی برادری کا ایک فرد سمجھیں گے۔جو ان کی طرف سے "عنایت باری" ہوگی۔

اس لئے شیوخ وقت اور اساتذہ حدیث کی کسی موقع پر نظر پڑ جائے اور یہ چند بے ترتیب نقوش ان کی نگاہ شرف سے نوازے جائیں تو غلطی کی اصلاح وستاری کی درخواست ہے یاد فرما کر سمجھادیں گے تو

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

کا مصداق سمجھوں گا۔کیونکہ حدیث اور متعلقات حدیث کی اصلاح محمد ﷺ سے وفا ہے۔

دستور زمانہ ہے یوسف مصر کے خریدار تو ایک ہی بن سکے لیکن خریدار بہت تھے ــــ مگر ان میں ایک بڑھیا ایسی بھی خریدار تھی جسے اپنی متاع کائنات سے یہ یقین تھا کہ وہ ناکام ہی واپس جائے گی کہاں وہ "متاع عزیز" اور کہاں وہ میری "بے مائیگی" ــــ لیکن اس کے حصول یوسف (علیہ السلام) کیلئے اپنے جذبہ اظہار کو لیکر بازار مصر میں آنے نے دنیا کے "بے مایہ و بے سرمایہ" افراد کیلئے راہ کھول دی اور روایت قائم کردی کہ تیرے خریداروں میں میرے نام کا لکھا جانا کیا یہ کم خوش نصیبی ہے۔

اس لئے آج تک خریدارانِ یوسف کا جہاں تذکرہ تاریخ کا حصہ ہے وہاں اس جذبہ صادقہ کو بھی تاریخ فراموش نہ کرسکی۔

لیجئے اب اس مجموعۂ الفاظ کے مرتب نابکار کو کسی بڑے علمی درجہ پر فائز نہ سمجھتے ہوئے ایک طالب علم سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ دعوی وعجب سے بچا کر اس کو بارگاہِ نبوت کے مہمانانِ مکرم کیلئے نافع بنادے۔ اور قبولیت تام عطا فرمادے۔

ع ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

اس کتاب کی ترتیب کے متعدد مراحل میں جن میرے عزیز محسنین کرام نے محنت ومعاونت فرمائی ان کیلئے بارگاہِ خداندی میں دست بدعاء ہوں انہیں اللہ تعالیٰ دارین میں بہترین جزائے خیر کے ساتھ شغف بالحدیث کی نعمت عظمیٰ اور اجر حدیث سے مالامال فرمائے۔ بالخصوص عزیز محترم جناب مفتی محمد عمر فاروق صاحب، عزیزم مفتی عزیز الرحمن سلمہ، مولنا محمد معاویہ عابد صاحب اور مولانا محمد طارق صاحب (مدرسین جامعہ) نے جنہوں نے رسم الخط اور کتاب میں جابجا درستگی میں عرق ریزی سے کام لیا اور از سر نو کمپوزنگ سے کتاب کو حسن بخشا۔ نیز عزیز محترم مولانا قاری محمد احمد ادریس سلمہ جو بخاری شریف جلد ثانی کے استاذِ حدیث بھی ہیں نیز عزیز محترم مولانا قاری مفتی اسعد ادریس مدنی سلمہ جو بخاری جلد اول میں میرے رفیق درس ہیں میری اہتمام کی ذمہ داریوں کے دوران وہ اسباق کی تکمیل کراتے ہیں۔ اس جلد اول کی ترتیب میں دل سوزی وجانفشانی اور عرق پاشی کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں بھی شغل بالحدیث کے ذریعہ صحبت نبوی ﷺ عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

نیز میرے عزیز محترم مولانا عبدالستار صاحب ناظم تعلیمات جامعہ دار العلوم رحیمیہ نے تشکیل نظام تعلیم میں میری بہت معاونت کی جس سے مجھے اور میری اولاد سلمھم کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوئے کہ حدیث مبارک پڑھانے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوسکی۔

فجزاھم اللہ خیرا

والسلام

محمد ادریس ہوشیارپوری غفرلہ

۲۹ رمضان کریم ۱۴۳۶ھ

حرفِ سپاس

ان مقتدر علمی شخصیات اور مسندِ علم کی آبروئے عظمت کے حوالہ سے جنہوں نے عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری پر نگاہِ کرم فرمائی اور اپنے خزینۂ علم سے چند حروف گرانمایہ تصدیق وتوثیق اور تائید وتحسین کے پس منظر میں رقم فرمائے ــــــ جس نے اس بندۂ نابکار کو علمی دنیا میں آگے بڑھنے کا اعتماد وحوصلہ بخشا۔

ـــــ ان کا شکر گذار وممنونِ احسان ہوں ـــــ اس اعترافِ حقیقت کے ساتھ کہ ان کے احسانِ عظیم کا بدلہ مادی دنیا کی کوئی چیز نہیں بن سکتی ــــــ اور روحانی درجہ کی کوئی ایسی چیز جو ان کے مراتبِ علیا میں نہ ہو، اس سے یہ عاجز تہی دامن ہے ـــــ اس لئے جس ذات بابرکات جنابِ سرورِ کائنات ﷺ کے حوالہ سے یہ کرم فرمایا ــــــ انہی کی نسبت سے بندہ بھی ان کیلئے بارگاہِ باری تعالیٰ میں دست بدعاء ہے۔

واجرھم علی اللہ

والسلام

ازمؤلف غفرلہ

سلسلۂ تقریظات

بسم اللہ الرحمن الرحیم



Jamia-Uloom-Islamiyyah
(University of Islamic Sciences)
Allama Muhammad Yousuf Banuri Town
Karachi - Pakistan.

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراتشی ۷۴۸۰۰ - باکستان

Ref. No. ______

Date. ۲۵-۶-۱۴۳۸ھ
۲۵-۳-۲۰۱۷ء

کلماتِ دعاء

الحمد للہ رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آلہ وصحبہ أجمعين.

أما بعد!

''غـايـة البـاری لطلبة البخـاری ''مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری حفظ اللہ کی تالیف ہے، موصوف نے مختلف دروسِ بخاری اور امالی سے انتخاب وانتقا کرتے ہوئے یہ مجموعہ ترتیب دیا ہے، مبادیاتِ علمِ حدیث، کتاب الایمان اور کتاب العلم کے متعلق اکابر کے افادات کو اپنے انداز میں یکجا فرمایا ہے۔

میری دعا ہے کہ یہ تالیف بخاری شریف پڑھنے والے طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو، دیگر اہل علم بھی مستفید ہوں اور یہ محنت مؤلف اوران کے اساتذہ ومشائخ کے لیے صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین!

وما ذلك على الله بعزيز.

وصلى الله وسلم على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

والسلام

(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر (مدظلہ)
مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
وقائم مقام صدر وفاق المدارس العربیہ

P.O. Box: 3465 Karachi Code No. 74800, Phone: (0092-21) - 34913570 - 34912683 - 34915966 - 34123366 - 34121152
Fax: (0092-21) - 34919531, Karachi Pakistan URL: www.banuri.edu.pk E-mail: info@banuri.edu.pk

وقیع رائے

از

جانشین حضرت حکیم العصر جناب محترم مولانا منیر احمد صاحب منور دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا لودھراں

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

اس وقت ہندوپاک میں صحیح بخاری کی اردو زبان میں بہت سی شروحات معرض وجود میں آچکی ہیں۔ بعض اتنی طویل اور حشو و زوائد کی اتنی بھرمار کہ ان سے استفادہ مشکل، جبکہ بعض اتنی مختصر کہ ان سے درسی ضرورت بھی پوری نہیں ہوتی اور بعض شروح معتدل ہیں۔ میں نے شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیارپوری دامت برکاتہم کی شرح عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری کی مبادیات کا اور باب بدء الوحی سے باب من اعاد الحدیث ثلاثاً (کتاب العلم) تک تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔
الحمدللہ صحیح بخاری شریف کی یہ شرح:-

(۱) حشو و زوائد سے مبرا اور تدریسی ضرورت کے ضروری مواد سے مزین ہے۔
(۲) بقدر ضرورت رواۃ حدیث کا تعارف اور متن حدیث کی عمدہ تشریح ہے۔
(۳) تشریح حدیث کے ضمن میں حدیث پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔
(۴) لطف یہ کہ طویل عبارت کے بجائے مختصر اور سہل و جامع تعبیر کا انداز ہے۔
(۵) ربط ابواب اور احادیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت کو خوب بیان کیا گیا ہے۔
(۶) حسب موقع بقدر ضرورت عقائد اہلسنت والجماعت اور فقہی اختلافی مسائل کو بھی مدلل طور پر واضح کیا گیا ہے۔

اتنی خوبیوں کی عمدہ شرح؛ یہ صلہ اور ثمرہ ہے حضرت قاری صاحب مدظلہ کے اخلاص و تقویٰ کا اور استاذ مکرم حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کی دعاؤں اور قلبی توجہات کا۔ دعا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عنایت خاص سے عنایۃ الباری شرح بخاری کو عنداللہ و عندالناس شرف قبولیت کی نعمت سے نوازیں۔ آمین ثم آمین

منیر احمد غفرلہ
جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا
۲۱ رمضان کریم ۱۴۳۶ھ
(09-07-2015)

تقریظ

استاذ العلماء محبوب الطلباء حضرت اقدس مولانا عبدالرحمن جامی صاحب مدظلہ

سابق شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کا تمغہ حاصل کرنے والی الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو حق تعالیٰ شانہ نے جو قبولیت عامہ نصیب فرمائی ہے اہل علم ودانش پر مخفی نہیں ہے۔ دنیا کے ہر کتب خانہ کی زینت اور ہر مدرسہ میں بلا امتیاز مسلک پڑھائی جاتی ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں اس کی عربی، فارسی اور دیگر زبانوں میں شروح منظر عام پر آچکی ہیں اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی حسب تقاضا اور ضرورتِ ازمنہ لکھی جاتی رہیں گی۔

ان شروح میں تازہ ترین خوبصورت اضافہ استاذ القراء والعلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیف کردہ شرح ہے جو عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری کے نام سے موسوم ہے۔

بلا شک وشبہ حضرت قاری صاحب میدانِ تصنیف کے شہسوار ہیں۔ اس سے قبل خطبات حکیم الاسلام جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے تحریر کر کے اہل علم وفکر سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات ومحاسن سے مالا مال فرمایا ہے۔ آپ بیک وقت 'شعبہ تحفیظ کے باکمال معلم، بے مثال شیخ الحدیث، جید مدرس، ہوشیار ومتیقظ منتظم، شہسوار قلم وتحریر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت قاری صاحب زید مجدہم میں پنہاں اور مستودعہ صلاحیتوں کے اظہار کے مواقع بھی عنایت فرمائے۔ خدمتِ قرآن ہو یا خدمتِ حدیث، تصنیف وتالیف ہو یا اہتمام وانتظام ہر میدان میں اللہ تعالیٰ نے خوب کام لیا ہے۔

بندہ ناچیز بھی حضرت کے جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان میں حضرت کے زیر تربیت وزیر سایہ تقریباً ۱۳ سال درس

بخاری دیتا رہا، حضرت والد گرامی نور اللہ مرقدہ کی نا گہانی وفات کے بعد بادل نخواستہ دار العلوم چھوڑ کر والد صاحبؒ کے ادارہ میں منتقل ہونا پڑا۔ میرے چلے آنے کے بعد حضرات اکابرین خصوصاً حکیم العصر استاذنا المعظم حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ کے اصرار و حکم پر حضرت نے خود مسند حدیث کو سنبھالا اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور ایسی مصروف ترین شخصیت کا صرف دو سال کے عرصہ میں بیسیوں عربی اردو شروح میں غوطہ زن ہو کر ان کا ''عرق گلاب'' و''عصر شیریں'' نکال کر ان کو خوبصورت اردو شہ پاروں میں منتقل کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش کرنا ''حدیث نبوی کا معجزہ'' اور حضرت قاری صاحب زید مجدہم کی کرامت اور قابل رشک کارنامہ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ علم و عمل، ذہانت و فطانت و عمر کے لحاظ سے بندہ عاجز سے بہر حال لائق و فائق ہیں۔ حضرت کی خصوصی شفقت و محبت اور اصاغر نوازی ہے کہ مجھ جیسے علم سے تہی دامن شخص کو حکم فرمایا کہ عنایۃ الباری پر نظر کرو۔

حضرت کے حکم پر بندہ نے بالاستیعاب شرح کا مطالعہ کیا۔ الحمد للہ ہر لحاظ سے شرح کو کامل و مکمل پایا۔ تمام ضروری مباحث تحت الحدیث ذکر کر دی گئیں۔ لغوی تحقیقات، مشکل تراکیب کا حل، فنی مباحث، راویوں کے حالات بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ شرح کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے جا بجا دور حاضر کے جدید فتنوں اور باطل مذاہب کا خوب تعاقب فرمایا اور مدلل انداز میں ان کا رد فرمایا ہے۔

دعاء ہے حق تعالیٰ شانہ حضرت شیخ الحدیث کا سایہ عطوفت تا دیر صحت و عافیت کے ساتھ قائم و دائم رکھے اور شرح عنایۃ الباری (جو واقعۃً باری تعالیٰ کی طرف سے طلبۂ حدیث پر بہت بڑی عنایت و فضل ہے۔) کو قبولیت تامہ و عامہ نصیب فرمائے۔

(آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔)

عبد الرحمن جامی
مدیر جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ شہر و جامعہ حفصہ للبنات مظفر گڑھ
۱۸/۸/۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی رشد وہدایت کے لئے سلسلہ نبوت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے فرما کر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر تکمیل فرمادی۔ لیکن ظاہر ہے محفوظ پیغام الٰہی آخری فرد بشر تک پہنچانا ضروری تھا، تا کہ تکمیل حجت ہوسکے تو اس کے لئے خالق کائنات نے قرآن وسنت جیسی عظیم الشان اور محفوظ چیزیں عطا فرما کر نبی ﷺ زبان مبارک سے تو کت فیکم امرین الخ کہلوا کر خبردار کر دیا کہ یہ پیغام الٰہی امت کا اثاثہ ہیں۔

پھر ان کی حفاظت کی ذمہ داری لیکر ایسے نبھائی کہ قرآن کریم پر کسی کے لئے بھی ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں چھوڑی اور حدیث نبوی علی صاحبہا الف الف سلام کو بھی محدثین، محققین، حادلین، منصف تفتیش کاروں کے ذریعہ ایسے محفوظ ترین بنادیا کہ من گھڑت باتیں گلدستۂ احادیث نبویہ سے نکل کر بیچ چوراہے میں طشت ازبام ہوگئیں۔ نہ صرف یہ کہ سلسلہ حدیث کو محفوظ ترین بنایا بلکہ اس کی ترویج واشاعت کے لئے ایسے عظیم رجال کار تیار فرمائے کہ جن کی جہد مسلسل نے اس علم کو مخدوم ترین علم بنادیا۔

چنانچہ اسی مخدوم ترین علم کی اشاعت کی ایک کڑی الجامع الصحیح للبخاری بھی ہے جسے قرآن کریم کے بعد مستند اور صحیح ترین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ امت نے بھی اس کے اصح الکتب کے اعزاز کا حق ادا کردیا کہ ہزاروں سلاطین وجبال علم نے اس کتاب کے ایک ایک لفظ میں غوطہ زن ہو کر گویا بقول حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب "پکی پکائی روٹی امت کے سامنے پیش کردی۔" کہ اب بس تناول فرمانے ہی کی دیر ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان بھی اس خدمت سے تہی دامن نہ رہی اور سینکڑوں شروحات کے ذریعہ اس سعادت کو سمیٹ کر اپنا سینہ منور کیا۔

لیکن درس نظامی کا طالب علم جس کے "الجامع الصحیح" میں عرق ریزی کے لئے آٹھ، نو ماہ کا مختصر وقت ہوتا ہے اس بات کا متحمل نہیں ہوسکتا کہ تمام عطریات کی خوشبو سے الگ الگ لطف اندوز ہو۔ اس کے لئے مرکب کی ضرورت تھی جو مشہور عطور کا خلاصہ، تمام ذائقوں کو سموئے ہوئے، ادنیٰ طالب علمانہ ذہن بھی جس کا متحمل، حل متن، میں معاون اور سادہ سہل انداز میں مرتب ہو۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں مخدومنا المکرم حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری دامت برکاتہم کو جنہوں نے دین متین کی اساس اول قرآن عظیم کی قریباً نصف صدی خدمت کرنے کے بعد اساس ثانی کی خدمت کی طرف توجہ فرمائی اور "طلبہ کو "عنایۃ الباری" کی صورت میں ایسا مجموعہ دیا جو مشہور ومعروف محدثین، مدرسین، محققین کی شبانہ روز کی محنتوں، عرق ریزیوں، شب بیداریوں سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے ماخوذ عنہ کی مثل محقق، معتمد، مدلل، مسہل اور مربوط ہے۔" بندہ نے فی الحال مختصراً چیدہ چیدہ مقامات سے ہی حضرت کی کاوش سے استفادہ کیا، مذکورہ بالا خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ماشاء اللہ حضرت کی صلاحیتیں پہلے ہی آشکارا تھیں، اس کے بعد مزید یقین ہوگیا کہ دو تین سال کے مختصر عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی خدمت لے لی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول ومنظور فرمائیں۔ اساتذہ وطلبہ کے لئے نافع تر بنائیں۔ آمین

ارشاد احمد عفی　　خادم جامعہ دار العلوم عیدگاہ کبیر والا　　۶ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

تقریظ

صاحب علم وقلم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ

الحمدلحضرۃ الجلالۃو الصلوۃو السلام علی خاتم الرسالۃ

''الجامع الصحیح للبخاری'' کی عربی شروحات کی طرح اردو شروحات بھی کثیر تعداد میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا اور ایک سے ایک شرح بہتر' برتر اور عمدہ تر آتی رہے گی . . .

ع　ہر گلے را رنگ و بوئے دگر است

اور یہ حضرت خاتم النبیین ﷺ اعجاز ہے ''وللآخرۃ خیر لک من الاولی '' کے مظاہر علم حدیث کے حوالے سے بھی قیامت تک نمایاں ہوتے رہیں گے ان مظاہر میں دورِ جدید کے تقاضوں کے عین مطابق شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری مدظلہم کی ''عنایۃ الباری لطبہ البخاری '' کی ترتیب وتالیف اور اپنے منہج کے حوالے سے منفرد خصوصیات کی حامل شرح کا منظر عام پر آنا ہے۔ مصنف ومرتب ایک بلند پایہ مدرس' ایک مانے ہوئے محقق' ایک منجھے ہوئے مرتب اور قابل رشک اتالیق ہیں ان کا سب سے پہلا بڑا شاہکار کارنامہ ''خطبات حکیم الاسلام'' کی ترتیب وتالیف اور اشاعت ہے بارگاہِ رب میں مؤلف کی یہ ادا پسند آئی کہ انہیں تکوینی طور پر مرحلہ وار تصنیف وتالیف کی راہ پر بھی چلایا جاتا رہا، آج ''عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری'' کی تالیف کی عظیم سعادت سے سرفراز ے جارہے ہیں۔

اسلام کی صداقت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ایک شخص میں متنوع قسم کی صلاحیتیں جمع کردی جاتی ہیں ہمارے مخدوم ومکرم ایک کامیاب مدرس بھی ہیں کامیاب منتظم بھی، کامیاب مہتمم بھی اور کامیاب ترین مصنف بھی۔ صحیح بخاری کے درس کے دوران جب بھی موصوف نے مجھ سے رابطہ کیا تو میں نے انہیں علم تحقیق' تدقیق علمی افادات اور درسی تفصیلات کے حوالے سے رطب اللسان پایا۔ ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　الا حدیث یار کہ تکرار مے کنیم

''عنایۃ الباری کا انداز بڑا سلیس' رواں دواں' معلمانہ اور مدرسانہ ہے بلکہ اپنے اہداف کے حوالے سے خالص طالبعلمانہ ہے اصلاً حل متن اس کا ہدف ہے استاد ہو یا طالب علم غیر حاضر ہو تو وہ خود بھی مطالعہ کر کے حدیث کی مراد تک پہنچ سکتا ہے' میں سمجھتا ہوں دورِ حاضر کے استعداد وصلاحیتوں کو مدنظر رکھ کر شیخ الحدیث ہوشیار پوری سے تکوینی طور پر یہ کتاب لکھوائی جارہی ہے۔ ؎

یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں

گزشتہ چار روز سے شرح کے بعض حصے میرے مطالعہ میں ہیں سفر وحضر میں استفادہ کر رہا ہوں شارح نے طالب علمانہ ذہنی سطح کے مطابق نزول فرما کر سہل ترین منہج میں گویا علوم ومعارف گھول کر پلانے کی قسم اٹھا رکھی ہے۔ اندازِ بیان حددرجہ نرالا' دلچسپ اور مفہمانہ ہے، علمی طمطراق' فنی جاہ وجلال' تحقیقی' اور تدریسی کمال کے باوصف مطالعاتی ذوق رکھنے والے دورۂ

حدیث کے تمام طلباء اور علم حدیث سے شغل رکھنے والے ادبی سے ادبی سوجھ بوجھ والے قارئین بھی جب مطالعہ کریں گے وہ ادنیٰ تامل سے حدیث کی مراد پالیں گے۔ طرز بیان اور شرح کے منہج سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح کے دل میں محبت اور عشق رسول موجزن ہے جو قلم کے راستے شرح کے سطور میں چھلک پڑا ہے شرح کا ہر پیرا گراف 'شارح کی والہانہ اور عاشقانہ ادائیں ہیں۔ جو بھی پڑھے گا عشق رسول ﷺ دولت سے مالا مال ہوجائے گا اس وقت میرے سامنے جلد اول کے مسودات ہیں جب آغاز کار کا یہ عالم ہے تو رفتار کار اور انجام کار تو اس سے بھی کروڑ چند بہتر ہوگا ان شاء اللہ۔

فاضل شارح چونکہ تصنیف و تالیف کے جدید تقاضوں سے بھی واقف ہیں اور ان کا ذوق مطالعہ قدیم موضوعات کے علاوہ عصری مسائل اور دور جدید کے حالات کا بھی احاطہ کیئے ہوئے ہے اس لیے اپنی وقیع شرح میں انہوں نے مناسب مواقع پر بیان مذاہب' ادلہ اور مذہب راجح کی حمایت میں کمال ادب واحترام اور اعتدال کی زبان استعمال کی ہے اور ایک کامیاب شارح کی طرح اپنے موضوع سے انصاف کر گزرے ہیں۔ فاضل شارح نے کمال خوبی سے فنی اصطلاحات اور نظری مباحث کے قدیم اور دقیق طرز میں الجھے بغیر انہیں دور جدید کے اسلوب جدید کے مطابق شگفتہ انداز میں پیش کردیا ہے اس سے ایک طرف تو طالب علم کو کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات کی سہولت ہوگئی ہے اور دوسری طرف انداز بیان پیرایہ ادب اس قدر لطیف اور علمی چاشنی سے بھرپور ہے کہ پڑھنے والا کسی بھی قسم کی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

شارح اپنی ذات' مشن' کام اور دینی خدمات کے حوالے سے پورے ملک میں اور دنیا بھر کے علمی ادبی حلقوں میں متعارف ہیں وہ ایک صاحب قلم وعلم درد مند مسلمان اور بلند پایہ انسان ہیں ان سے ملاقات اور مشافہۃ تعارف بعد میں ہو اگر ان کے قلم کی آواز "خطبات حکیم الاسلام" کی صورت میں بہت پہلے سے سن رکھی تھی خواہش تھی کہ صریر خامہ کے پیچھے کار فرمایدِ بیضاء سے مصافحہ ہو دو سال قبل جب ان کے قائم فرمودہ جامعہ دار العلوم رحیمیہ ملتان میں ان سے ملاقات ہوئی تو دیکھا ایک نحیف و نزار جسم مگر "بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر" کا مصداق سامنے تھا جب ان کی خدمات' تواضع' فنائیت اور عبدیت دیکھی تو ایسے لگا گویا قدیم سے متعارف اپنے ایک مخلص ساتھی سے ملاقات ہو رہی ہے۔

جب ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا، کہ قلم کے ساتھ ساتھ زبان بھی جوش اظہار اور تعبیر جذبات پر یکساں قادر ہے۔ قلم ولسان کے دو آتشے کا نام "شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری" ہے۔ جن کی تازہ ترین عالمانہ' فاضلانہ' محدثانہ اور محققانہ شرح صحیح بخاری "عنایة الباری لطلبة البخاری" نذر قارئین ہے یقیناً آپ بھی پڑھ کر حظِ وافر حاصل کریں گے میری ذاتی تمنا بھی ہے اور مخلصانہ دلی دعا بھی کہ باری تعالیٰ حضرت شارح کو عافیت اور صحت کے ساتھ اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرماویں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

۱۷ رشعبان ۱۴۳۶ھ، ۴ رجون ۲۰۱۵ء

تقریظ

حضرت اقدس مولانا نور البشر (۱) محمد نور الحق صاحب مدظلہ

سابق استاذ الحدیث وعلوم جامعہ فاروقیہ کراچی
مدیر معہد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمد النبی الأمی الأمین و علی آلہ

و صحابتہ و تابعیھم و من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔ أما بعد:

زیر نظر کتاب "عنایۃ الباری" ہمارے مخدوم ومکرم، معظم ومفخم استاذ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس اللہ روحہ کے بڑے صاحبزادہ مخدومی ومکرمی حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیارپوری دامت فیوضہم کی صحیح بخاری کی تدریس کے دوران ضبط کردہ کاوش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب کو موفق من اللہ بنایا ہے۔ایک طرف تو انہوں نے اپنے والد محترم کے حکم سے قرآن کریم کی براہ راست خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین اور اوڑھنا بچھونا بنایا، تو دوسری طرف اب درس نظامی کی کتابوں کی تدریس اور خاص طور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کی تدریس کا حق ادا فر رہے ہیں، اکابر اہل علم سے استفادہ کر چکے ہیں، اکابر کی علمی وتحقیقی تحریرات اور کتب سے دلی تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نہایت سادہ اور شگفتہ قلم عطا فرمایا ہے کہ انہیں مافی الضمیر کو نہایت شستہ انداز میں نکھار کر رکھ دینے کا ملکہ حاصل ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اکابر کی تحقیقات وتدقیقات

---

(۱) حضرت محترم جناب مولانا نور البشر صاحب دامت برکاتہم

محتاج تعارف نہیں کہ ان کی متعدد علمی خدمات پر اس دور کے محقق علماء کرام کا بھرپور اعتماد ہے۔آپ جامعہ دار العلوم کورنگی میں تدریسی خدمات سرانجام دے چکے ہیں جامعہ فاروقیہ میں تدریس کے ساتھ کشف الباری کے مرتبین کرام میں آپ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ان کی بہترین ترتیبی کاوش اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔

ہمارے والد ماجد رحمہ اللہ کے علمی جانشین ان کے خاندان میں نہ ہو سکے ــــــ لیکن الحمد للہ سرزمین برما سے آنے والے اس "طالب علم" نے اپنی دور طالب علمی کا بیشتر حصہ حضرت والد گرامی مرحوم سے استفادہ میں گذارا ــــــ اور ان کے "علمی جانشین" قرار پائے۔فالحمد للہ علی ذلک

سے سرِمو انحراف کو قبول کرتے ہیں نہ برداشت کرتے ہیں۔

ان تمام خصوصیات کا نتیجہ آپ کے سامنے "عنایۃ الباری" کی شکل میں نمودار ہوا۔

صحیح بخاری شریف پر عربی شروحات کے علاوہ اردو میں ہمارے اکابرین کی شروحات بھی کم نہیں، اور پھر ہر شرح اپنی جگہ دلچسپ، علمی معلومات اور تحقیقات سے پُر ہے، حضرت قاری صاحب مدظلہم العالی نے تدریس کے دوران اپنے انہی اکابر کی خوشہ چینی کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شروح میں ایک اور خوش نما اور بیش بہا رنگ کا اضافہ فرمایا جس میں مربوط علمی تقریر بھی ہے، حل کتاب بھی، راویوں کا مختصر تعارف بھی ہے اور متن حدیث پر واضح کلام بھی، علمی نکات بھی ہیں، سوالات مقدرہ کے جوابات بھی، پھر تفنن کے لئے کبھی تسلسل کے ساتھ عبارت ہے تو کبھی سؤال وجواب کے انداز میں طلبہ کی تشحیذِ ذہنی ہے۔

"پھر حدیث کی تشریح میں نہ تو طولِ ممل سے کام لیا اور نہ اختصار مخل سے، ماشاء اللہ نہایت اعتدال کے ساتھ کتاب کے مقصد کو حل کیا ہے اور علومِ نبوت کے شائقین کے لئے ایک نہایت میٹھا عسلِ مصفّٰی کا منبع، یا سبِ خرام شفاف نہر نکال کر پیش کردی۔"

کتاب کے جستہ جستہ مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ کس قدر محنت اور جدوجہد سے انہوں نے بخاری شریف پڑھائی اور پھر کس سلیقہ مندی سے ان موتیوں کو پرویا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ قاری صاحب کے دیگر اساتذہ کرام کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ آپ کے بزرگ والدِ محترم کی جو خصوصی توجہات آپ کو حاصل رہیں، ان سب کا نتیجہ اور کرشمہ ہے کہ قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہتی خدمات کی توفیق عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا اور درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کو ان کی دیگر تصنیفات ومضامین کی طرح اپنی بارگاہ میں قبولیت کے ساتھ ساتھ، علومِ نبوت کے حاملین کے لئے اس کو بہترین سوغات بنائے اور قاری صاحب کے لئے، قاری صاحب کے اساتذہ کے لئے اور خاص طور پر حضرت استاذ محترم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

کتبہ

نور البشر محمد نور الحق

احد تلامذۃ العلامۃ محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۲/۹/۱۴۳۶ھ

30/6/2015ء

تقریظ

جامع شریعت وطریقت استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا محمد عابد مدنی صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث والتفسیر جامعہ خیر المدارس ملتان

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

حضرت امام بخاری کی تالیف ''صحیح بخاری'' مخدوم فن کی مخدوم ترین کتاب ہے۔ صحیح بخاری کی جس قدر شروح وحواشی لکھے گئے ہیں اسلامی کتب خانہ اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ یوں یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے ساتھ حجۃ اللہ علی الخلق بھی بن گئی۔ اصل وجہ تو مالک کی نگاہِ کرم ہے جس کو چاہے قبول کرلے اور پھر جس درجہ کی قبولیت نصیب فرمادیں۔

مگر ظاہری طور پر اس میں حضرت امام بخاریؒ کا کمالِ اخلاص وتقویٰ اور بارگاہِ نبوی ﷺ قرب واختصاص ہے اوراس کے ساتھ کتاب کی ترتیب میں اعتماد علی الوحی، اہمیت عقیدہ وایمان اور عظمت علم دین کو بڑے جاندار اور شاندار تراجم ابواب کے ذیل میں بیان کیا۔ ان تراجم میں پنہاں اسرار ورموز سے اہل علم صدیوں سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔

کتاب العلم کے بعد حضرت امام بخاریؒ ابواب الوضوء سے ابواب قائم کرکے دین کے تمام شعبوں اور ہر شعبہ کے ہر گوشہ سے متعلق تعلیمات ِنبوت کو بڑے جامع، جاندار اور جاذب انداز میں مرتب فرمایا یوں امت کے ہاتھوں میں ایک دستاویز نبوی ﷺ دی۔

آخری باب ''ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ'' قائم کرکے اشارہ فرمایا کہ فکر آخرت کے بغیر دین پر عمل صحیح طور پر ممکن نہیں۔ یوں مسلمانوں کیلئے ایک جامع دستورِ حیات مرتب کردیا۔ فجزاہ اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیراً۔

صحیح بخاری شریف کی اسی اہمیت کیوجہ سے پورے عالم اسلام میں اس کی درس وتدریس بڑی اہمیت کے ساتھ جاری ہے۔ مدرسین حضرات شارحین کرام کی علمی کاوشوں سے بہرہ ورہو کر اپنے اپنے انداز واسلوب سے طالبین وسامعین کو فیضیاب کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کا درس دینے والا جب اس کی شروح کے مطالعہ میں مشغول ہوتا ہے تو ھل من مزید، ھل من مزید کا کیف ہوتا ہے مگر دوسرے لمحہ جب طالبین کیلئے ذہن میں مواد مرتب کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو انتخاب مواد میں کچھ عجیب سے الجھن پیش آتی ہے۔

حبیب محترم حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری مدظلہ کو اللہ پاک نے توفیق عطاء فرمائی 'بخاری شریف

پڑھنے والے طلبہ کیلئے دورِ حاضر کے ممتاز شیوخ حدیث اور صف اول کے صاحب بصیرت محدثین کرام کی مساعی مشکورہ میں سے ہر ایک کی خصوصیت کو لے لیا اور یوں یہ عجیب گلدستہ علم وحکمت، "العطور المجموعة" بن گیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

حضرت قاری صاحب مدظلہ نے جن حضرات اکابر کے فیض کو جمع کیا، پوری فراخ دلی کے ساتھ اس کا تذکرہ کر دیا۔ تقبل اللہ سعیہ و جعلہ مشکوراً

احقر کیلئے تو یہ سعادت کی بات ہے کہ طالب علمی سے حضرت قاری صاحب مدظلہ کی رفاقت کا شرف حاصل رہا موصوف نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کر کے اپنے محبوب استاذ حضرت قاری رحیم بخش صاحب کے نام نامی سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام "دار العلوم رحیمیہ" رکھا۔ بہت تھوڑے عرصہ میں ماشاء اللہ اس ادارہ نے ترقی کی اور اس میں دورہ حدیث شریف کا اجراء ہو گیا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہ نے خدمتِ قرآن کریم کے ساتھ خدمتِ حدیث شریف کا عزم بھی کیا۔

پہلے چند سال مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی پڑھاتے رہے۔ پھر بخاری شریف جلد ثانی پڑھائی اور آج سے تقریباً تین سال قبل کی بات ہے کہ ختم بخاری شریف کے موقع پر محدث جلیل حضرت الاستاذ مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار اعتماد کے طور پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی دستار بندی بھی کرائی۔ چنانچہ اسی کی برکت سے اگلے سال بخاری شریف جلد اول کا درس دیا بلکہ اب موصوف کی یہ تحریری کاوش آپ کے سامنے ہے۔ اس موقع پر رب کریم کا شکر گذار ہوں کہ آج سے تقریباً پینتالیس سال قبل کے ہم رفقاء کو اللہ پاک نے محض اپنے کرم سے خدمت حدیث کی توفیق بخشی جن میں حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب مدظلہ، مولانا محمد یٰسین صابر صاحب مدظلہ، مولانا محمد نواز صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری مدظلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ احقر کو بھی اللہ پاک نے اس شرف سے محروم نہیں فرمایا۔ فللہ الحمد علی ذلک۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ کی علمی کاوش "عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری" آپ کے ہاتھوں میں ہے امید ہے کہ اس کا مطالعہ اولاً دورحاضر کے اکابر اور ثانیاً پہلے حضرات گرامی کے علوم سے فیض یاب ہونے کا بہترین ذریعہ بنے گا۔

دعاء ہے کہ اللہ پاک اس کو قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد عابد عفی عنہ

یکے از خدام حضرت بہلوی نور اللہ مرقدہ

مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

بانی مدرسہ وخانقاہ اسلامیہ مدنیہ ہیڈ نو بہار ملتان

جمعہ۔ ۲۴ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب مدظلہ

خلیفۂ مجاز حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے حق تعالیٰ کا لیا ہوا عظیم کام ''الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سننہ و ایامہ'' المشہور صحیح بخاری کی تالیف وتدوین، انتخاب احادیث، تراجم ابواب اور تراجم میں ذکر کردہ آیات واحادیث وآثار کا انتخاب، حسن استدلال' اس سب میں بہترین ترتیب وجودتِ وضع اور جامعیت بس انہیں کا خاصہ ہے۔ تقریباً بارہ سو سال قبل کے غیر متمدن دور میں تصنیف تالیف، انتخاب احادیث وآثار کی جملہ متمدن، عمومی، قشیری صورتیں سبھی امام بخاری کے کمال کے سامنے بے بس ہیں۔ بس رب نے ان سے کام لیا تھا انہیں اس عظیم خدمت کے علم، تقویٰ، ذہانت، فقاہت، ثقافت محنت اور مجاہدے جیسے جملہ اوصاف ودیعت فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ تب سے اب تک یہ کتاب ہر طبقۂ علم میں مروج ومتداول ہے۔ امت میں اسے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے۔ امت کی اکثریت کو حضرت امام بخاری سے چند مندرجات پر علمی تحفظات کے باوجود کتاب کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ اور فنی حسن وجودت میں ذرا بھی تردد نہیں۔

اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ (۱) یہ کتاب دینی نصاب کی سب سے آخر میں پڑھائی جانے والی کتاب ہے، اس کتاب کے ختم کو علوم دینیہ کے حصول کا ایک لحاظ سے اختتامی مرحلہ جانا جاتا ہے۔

(۲) کتاب کی تدریس کے لئے کہنہ مشق، جید عالم، متقی اور علم وعمل سب میں فائق شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

(۳) اس کتاب کے معلم ومدرس کو اصطلاح میں شیخ الحدیث کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے اور تعلیمی اور تدریسی ماحول میں ایسی شخصیت کی قدر کی جاتی ہے۔

(۴) اس کتاب کے ختم پر ادعیہ کی قبولیت اور دفع بلاء ومصائب' صدیوں سے ایک مجرب وآزمودہ عمل ہے اور خاصانِ خدا کا اس کتاب کی تلاوت کا عمل بھی رہا ہے۔

(۵) یہ کتاب اپنے قاری میں فکری، علمی اور عملی انقلاب بپا کر دیتی ہے۔

کتاب عظیم ہونے کے ساتھ نہایت دقیق ومشکل ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کتاب میں وہ اسرار ورموز پنہاں کرادیے کہ اسے پڑھانے والے کو ہر بار نئی لذت واسرار حاصل ہوتے ہیں۔ کتاب کی دقت کی وجہ سے اس کتاب کی ہر دور میں شروح وحواشی تحریر کئے گئے ان شروح وحواشی کی تعداد بیسیوں تک پہنچتی ہے۔ بقول محدثین امت پر صحیح بخاری کی شرح ایک قرض ہے جسے کسی حد تک امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے چکانے کی کوشش بھی کی ہے۔ تاہم یہ قرض ابھی مکمل اترا نہیں۔

ہمارے مخدوم، استاذ العلماء شیخ القراء مولانا قاری محمد ادریس ہوشیارپوری زیدمجدہم کوحق تعالیٰ نے تقریباً نصف صدی تک بے مثال خدمتِ قرآن کریم کی سعادت نصیب فرمائی۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی قرآنی خدمات پر رشک کیا جاسکتا ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان سے ملتان میں ایک بہترین ادارہ کے قیام کا کام بھی لیا رفتہ رفتہ یہ ادارہ جامعہ بن گیا اور اس میں دورہ حدیث کی تدریس شروع ہوئی۔ یہ تدریس مختلف اساتذہ کرام وشیوخ حضرات فرماتے رہے۔ لیکن عرصہ تین سال سے خدمتِ قرآن کے ساتھ صحیح بخاری کی تدریس کا ہما بھی ان کے سر پر آبیٹھا۔ یوں وہ شیخ التجوید والقراآت کے ساتھ شیخ الحدیث ٹھہرے۔ ''ان کے قلمی ذوق نے انہیں یہ حوصلہ بخشا کہ صحیح بخاری کے اسرار ورموز کے وہ بکھرے موتی جو مختلف شروح وحواشی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں یکجا کر کے صحیح بخاری کی شرح ترتیب دیں______''

حق تعالیٰ کی ان کے ساتھ اعانت ہوئی کہ باوجود شعبہ حفظ کی تدریس ودیگر مشاغل کے انہوں نے عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری تالیف فرمائی۔ احقر نے یہ کتاب متعدد مقامات سے پڑھی ہے۔ اگرچہ بالاستیعاب دیکھنے کا ہنوز شرف حاصل نہیں ہوا تاہم یہ کتاب طلبہ حدیث کے لئے ایک بہترین دستاویز ہے۔ حق تعالیٰ اس کتاب کو نافعیت وقبولیت نصیب فرمائیں اور اس کے مؤلف، ناشر، قارئین اور مجھ جیسے محبین کے لئے شفاعتِ رسول ﷺ مغفرت کا ذریعہ فرمائیں۔

والسلام

زبیر احمد صدیقی

خادم حدیث جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

ناظم وفاق المدارس العربیہ جنوبی پنجاب

۲۵ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت اقدس مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

بندہ سابقہ حضرات کی تحریرات سے حرف بحرف متفق ہے۔ حق تعالیٰ مصنّف اور مصنَّف کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

والسلام

بندہ منظور احمد

خادم الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

شیخ طریقت حضرت اقدس مولانا حافظ محمد ناصر الدین خاکوانی دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم خاتم النبیین سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

”عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری“ کا مسودہ لحضرۃ الاستاذ العلام حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری دامت برکاتہم فقیر کے سامنے ہے۔ تقاریظ مشائخ عظام اور علماء کرام بھی ساتھ ہیں۔ فقیر نے مسودہ کو ہاتھ میں لیکر ان اکابر کی تقاریظ کو سرسری طور پر پڑھا۔ میں ان تمام تقریظ کو صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ قائل کے مقام سے قول کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ فقیر کو مؤلف دامت برکاتہ کا حکم تھا کہ چند دعائیہ کلمات لکھ دوں۔ لہٰذا حکم کے امتثال کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس جانکاہ کاوش کو اپنے دربار عالیہ میں قبولیت سے نوازے، طلبہ، جملہ معاونین اور خود مؤلف کے درجات میں بلندی کا سبب بنائے اور بروز قیامت میدان محشر میں زمرۂ وارثان علم نبوت اور خدام حدیث کی صف میں کھڑا کرے۔ رضائے حق تعالیٰ اور سید المرسلین ﷺ خوشنودی کا باعث بنائے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ (اللہ اس کو بھی اس کا فیض نصیب فرمائے جو آمین کہے۔) اور اس سیہ کار کو بھی محض ان چند سطور کو شامل شرح ہونے کی وجہ سے تبرکاً و تبرعاً خدام علم میں شامل فرما کر اپنی رحمت خاصہ کا مورد بنائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔

بجاہ سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

الراقم: العبد الجانی محمد ناصر الدین خاکوانی عفر لہ و لو الدیہ

نائب امیر عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

شاہینِ ختم نبوت حضرت محترم مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

(مرکزی رہنما عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان)

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

اللہ رب العزت نے ہر دور میں ایسے مخلص عالم ربانی پیدا کئے جو دین اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے ایسے طور پر سرگرم عمل رہے کہ آنے والی نسلوں کے لئے عمدہ نمونہ قرار پائے۔ انہی مقبولانِ بارگاہ الٰہی حضرات میں سے ہمارے ممدوح حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو قرآن وحدیث کی نمایاں اور سنہری خدمات کے لئے شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ آپ اس وقت اپنے معاصر رفقاء میں سے ایسے نمایاں اور ممتاز مقام پر سرفراز اور طلباء واساتذہ میں برابر درجہ محبوبیت پر فائز ہیں۔ آپ کا وجود اس دھرتی پر انعام الٰہی کا درجہ رکھتا ہے۔

آپ قرآن مجید پڑھانے بیٹھے تو اپنے استاذ مجدد القراآت حضرت قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کی یادوں کے گلستان کو صدا بہار بنا دیا۔ آپ اپنے استاذ حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ کے حکم پر درجہ کتب پڑھانے کے لئے بڑھے تو بس بڑھتے ہی چلے گئے۔ درس نظامی کے آخری درجہ کی سب سے ممتاز کتاب بخاری شریف پڑھانی شروع کی تو آپ نے جہاں اپنے حدیث کے شیخ جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہؒ کے اختصار وایجاز کی یادوں کو تازہ کر دیا۔ وہاں آپ نے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ایسے محدث کی تفہیم، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے تفقہِ فقہ، حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ کے انداز، نفسِ کتاب کے فہم کو گھول کر پلانا، ان تمام حضرات کی ان خصوصیات کو یکجا کر دیا۔

ہمارے حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری کے درس بخاری میں ان تمام حضرات کی تدریسی شان آپ کو ضوفگن نظر آئے گی۔ انہی خوبیوں کو کتابی شکل میں جمع کیا "عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری" کے نام سے گلہائے رنگارنگ کا حسین گلدستہ تیار ہو گیا۔

کوئی صاحب ذوق استاذ اور طالب علم اپنے یومیہ سبق کے حصہ کا اس کتاب سے مطالعہ کر لے تو سینکڑوں صفحات کے مطالعہ کا جوہر اسے مل جائے گا۔ اللہ رب العزت حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کی اس کاوش کو بھی شرف سے سرفراز فرمائیں۔

"دریا کو کوزہ میں بند کرنا" اگر محاورہ کی جیتی جاگتی حالیہ دور میں عملی تفسیر دیکھنی ہو تو وہ یہ کتاب ہے۔ حق تعالیٰ شانہ بیش از بیش خدمت حدیث کی توفیق سے ممنون فرمائیں۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم ﷺ وعلی آلہ وصحبہ

محتاج دعا فقیر اللہ وسایا

مؤرخہ ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

تقریظ

حضرت اقدس ابومحمد عمار قاری محمد عبداللہ عبدالرحمن صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم العالیہ

المدرس بالمسجد النبوی الشریف ﷺ مدینہ منورہ

تلمیذ رشید شیخ القراء حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش نور اللہ مرقدہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و صحبہ

وبعد! برادر محترم جناب مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوری زید مجدہم کے رمضان مبارک ۱۴۳۶ھ کی مدینہ طیبہ حاضری کے موقع پر بندہ نے ”عنایۃ الباری لطلبۃ البخاری“ کا مسودہ اجمالی طور پر دیکھا ــــ قلبی مسرت اور روحانی انبساط حاصل ہوا۔

ہمارے مخدوم استاذ مقرئ اعظم قاری رحیم بخش نور اللہ مرقدہ کے تلامذۂ کرام پر ذوقاً شعبہ تحفیظ و قراآت کی تدریس کا غلبہ ہے۔

ــــ لیکن میرے علم کے مطابق حضرت قاری صاحبؒ کے علمی جانشین حضرت محترم مولانا قاری محمد طاہر رحیمی مہاجر مدنیؒ تدریسِ قرآن کریم کے ساتھ حدیث مبارکہ کا بھی شوق رکھتے تھے الحمدللہ ایک کامیاب مدرس عالی تھے ــــ اب ہمارے بھائی محترم مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری صاحب زید مجدہم بخاری جلد اول دو سال سے پڑھا رہے ہیں جبکہ تحفیظ میں بھی پڑھاتے ہیں۔

بندہ حرم نبوی ﷺ میں ان کیلئے دعا گو ہے اللہ تعالیٰ ان کے علم و فضل اور شغف بالقرآن والحدیث کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ اپنے اور اپنے محبوب ﷺ کی بارگاہِ قدس میں نظر قرب واختصاص سے نوازے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم و علیٰ آلہ و صحبہ والسلام

تقریظ

حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اما بعد:

زیر نظر کتاب "عنایت الباری لطلبۃ البخاری" الحمد للہ مطالعہ میں رہی، اگرچہ بالاستیعاب نہ دیکھ سکا، اور اس کی ضرورت اس لئے بھی نہ تھی کہ جن علماء کرام نے اس کی علمی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے وہ سب مستند و معتمد حضرات محدثین کرام ہیں ____ اور طالبانِ حدیثِ رسول اللہ ﷺ ان کی طرف رجوع و اعتماد ہے۔

کتاب اپنی چند در چند خوبیوں کے ساتھ زیر مطالعہ تھی، بار بار وجدانی طور پر احساس ہوا جیسا میں اپنے والدِ ماجد شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں موجود ہوں، ان کی علمی درفشانیاں اور علوم و معارف کی گتھیاں آسان اور عام فہم انداز میں میرے قلب و دماغ کو مسحور کر رہی ہوں۔

میں نے اپنے مخدوم محترم صاحبِ کتاب سے پوچھا کیا آپ والد گرامی مرحوم کے شاگرد ہیں ___؟ ان کے بتلانے پر میرے وجدان کو باطنی آگاہی ملی کہ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ماموں کانجن (فیصل آباد) میں سند تلمذ حاصل کئے ہوئے ہیں ____

حضرت والد گرامی چونکہ حضرت محترم شیخ الجامعہ خیر المدارس ملتان مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ کے رفیق درس ہیں، جنکی الخیر الساری کو عنایت الباری میں طرزِ تدریس کے لحاظ سے بنیادی و اساسی حیثیت میں پیشِ نظر رکھا گیا ہے، تو میرا یقین مشاہدہ کے طور پر سامنے آ گیا:

یہ دراصل والد گرامی کے حضرت اقدس خیر العلماء مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے اخذ کردہ طرزِ تعلیم کے دھانے سے مختلف سوتوں کے ذریعہ حاصل شدہ نظر و فکر اور عقیدت و محبت کا ثمرہ ہے۔ کیونکہ الحمد للہ صاحب کتاب کو دونوں حضرات سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے۔

یہ میری حیثیت نہ تھی کہ شرح بخاری کی اپنے مطالعہ کے لحاظ سے ایسی وقیع و پرمغز کتاب پر کچھ حروف بے مایہ سپرد قلم

کروں ـــــ لیکن مرتب کتاب کی جب بھی کراچی آمد ہوتی ہے تو خانقاہ شہیدِ اسلام کو ضرور رونق بخشتے ہیں، اپنے ادب واحترام اور حضرت والد گرامی کی نسبت سے اپنے طرزِ عمل سے حق محبت ادا کرتے رہنے میں مجھے ندامت کا احساس دامن گیر رہتا ـــــ لیکن بہرحال مجھے ان کے فرمان کو زیرِ عمل لانا "زندگی بھر مقروض محبت" رہنے سے بہتر معلوم ہوا ـــــ میرا لکھا ہوا علمی دنیا کی نظر میں تو کوئی قیمت نہیں رکھتا ـــــ لیکن میں اس مسلک کا اسیر ہوں:

ع اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا۔

صاحب کتاب کے حسن ظن اور ان کے خوش مقدر کے پیش نظر بارگاہِ خداوندی میں دست بدعاء ہوں اور رہوں گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہِ عالی میں اس خدمت حدیث کو سعیِ مشکور میں تبدیل فرمائے اور مژدۂ جانفزا ان کو حاصل ہو:

ان ھٰذا کان لکم جزاء و کان سعیکم مشکورا۔

ـــ نیز بارگاہِ نبوت علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام میں ان کا نامِ نامی بھی خدامِ حدیث کی مبارک فہرست میں شامل ہو اور ذریعہ نجات بنے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلاۃ و التسلیم و علی آلہ و صحبہ

والسلام

محمد یحییٰ لدھیانوی

خانقاہ شہیدِ اسلام گلشن اقبال کراچی




مباديات

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طلبۂ بخاری کیلئے چند پُر مغز نصائح

حضرت امام بخاریؒ سے چند نصیحتیں منقول ہیں جو انہوں نے طلبۂ کرام کو کامیاب طالب علم اور باعمل عالم بننے کے حوالے سے تلقین فرمائیں۔ ان نصیحتوں کا اسلوب بڑا دلچسپ اور متاثر کن ہے۔ یہ چار ضرب چار کی شکل میں ہیں۔ یعنی انہوں نے طالبانِ علم سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ تم کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک چار کام، چار حالتوں میں، چار جگہوں میں، چار باتوں کو برداشت کرتے ہوئے، چار مقاصد کیلئے نہ کرو۔ "چار ضرب چار" کی یہ فہرست بڑی طویل اور دلچسپ ہے۔

یہاں نمونہ کے طور پر چند ایک باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ اصل الفاظ آپ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

"قاضی ولید بن ابراہیم امام بخاریؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ رے (شہر کا نام) کی قضا پر مامور تھے۔ کہتے ہیں جب عمر عزیز کا بہت سا حصہ گزر چکا تو مجھے علم حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت امام بخاریؒ کا غلغلہ تھا۔ میری نگاہ بھی امام صاحب کی درسگاہ کی طرف اٹھی۔ میں نے حاضر ہو کر اپنے دلی مقصد کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے میری درخواست سن کر فرمایا:

"کسی کام میں اسوقت تک ہاتھ نہ ڈالو جب تک اس کی حدود اور اس کی مقادیر سے واقفیت نہ حاصل کر لو۔" پھر کہا: "بغیر ان بارہ رباعیات کے انسان کامل نہیں بن سکتا۔ جس کو یہ بارہ رباعیات حاصل ہو جائیں اس کیلئے فلاح دارین ہے۔"

قاضی صاحب کہتے ہیں میں ان بارہ رباعیات کو سن کر گھبرا گیا، عرض کیا کہ آپ اس اجمال کی تفصیل فرمائیے۔" امام صاحب نے فرمایا: "پہلی رباعی: یعنی چار چیزیں لکھیے: اول احادیث رسول ﷺ ثانی: حالات صحابہ کرامؓ اور ان کی تعداد۔ ثالث: تابعینؒ اور ان کے حالات۔ رابع: بقیہ علمائے امت اور ان کی تواریخ۔ دوسری رباعی: "چار کے ساتھ لکھیے: اول، رجال حدیث کے نام۔ ثانی، ان کی کنیت۔ ثالث، ان کی جائے سکونت۔ رابع، ان کے سنوات ولادت ووفات۔ تیسری رباعی: چار کی طرح لکھیے: جس طرح خطیب کے لئے حمد لازم ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ درود لازم، سورتوں کے لئے بسم اللہ اور نماز کے لئے تکبیرات۔ ایسے ہی رجال کے نام، ان کی کنیت، ان کی جائے سکونت اور ان کے سنوات ولادت ووفات لکھنے کو لازم جانیے۔ چوتھی رباعی: چار کے مثل لکھیے: مسندات، مرسلات، موقوفات، مقطوعات، ہر قسم کی حدیث کا استقصاء کرے۔ پانچویں رباعی: چار وقتوں میں لکھیے: کمسنی میں، جوانی میں، سن کہولت میں، بڑھاپے میں۔

چھٹی رباعی: چار حالتوں میں لکھیے: عدیم الفرصتی، فرصت، فراغ دستی، تنگ دستی۔ ساتویں رباعی: چار میں لکھیے: پہاڑ، سمندر، آبادی، جنگل۔ آٹھویں رباعی: چار چیزوں پر لکھیے: پتھر، چمڑے، ہڈی، سیپ۔ جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔ نویں رباعی: چار سے لکھیے: جو سن میں بڑے ہوں۔ جو سن میں کم ہوں۔ جو سن میں برابر ہوں۔ اپنے والد کے خط سے بشرطیکہ خط کا یقین ہو۔ دسویں رباعی: چار کاموں کے لئے لکھیے: اللہ کی رضا کیلئے۔ عمل کے لئے بشرطیکہ کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو۔ طالبین حدیث میں اشاعت کیلئے۔ تالیفات میں جمع کرنے کیلئے۔ دوسری دو رباعیاں: پہلی کسبی ہے: فن کتابت، لغت، صرف ونحو میں ماہر ہونا۔ دوسری وہبی اور اللہ کی عطاء، یعنی صحت، قدرت، شوق اور حافظہ۔" (ضرب مومن، یکم تا ۷ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ لاھلہا وعلی آلہ وصحبہ

علم حدیث شروع کرنے سے پہلے "اساتذۂ حدیث" چند مبادیات ذکر فرماتے ہیں، تاکہ اس علم کا آغاز علی وجہ البصیرت ہو۔

علم حدیث کی تعریف

۱: حدیث کے لغوی معنیٰ "گفتگو" کے ہیں، اصطلاحی معنیٰ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

ھو علم یعرف بہ اقوال رسول اللہ ﷺ وافعالہ واحوالہ۔

۲: علامہ سخاویؒ نے "فتح المغیث" میں علم حدیث کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

مَا اُضِیفَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ قَوْلاً اَوْ فِعْلاً اَوْ تَقْرِیْراً اَوْ صِفَۃً حَتَّی الْحَرَکَاتِ وَالسَّکَنَاتِ فِی الْیَقْظَۃِ وَالْمَنَامِ۔

۳: محققین کی پسندیدہ اور علماء حدیث کے نزدیک مشہور تعریف یہ ہے:

ھو علم یعرف بہ احوالہ ﷺ قولاً وفعلاً وتقریراً وصفۃً

قولاً کا مصداق آپ ﷺ قولی حدیث ہے جس میں صحابی قال الرسول ﷺ یا قال النبی ﷺ کہے۔ قولی حدیث چونکہ "وحی غیر متلو" ہے اس لئے واجب العمل ہے، کما فی القرآن الکریم: ان ھو الا وحی یوحی۔

فعلاً کا مصداق وہ حدیث ہے جس میں صحابی اپنا مشاہدہ بیان کرے اور یوں کہے: رایت النبی ﷺ ھکذا لہٰذا افعال نبی حجت ہیں اور ان کا اتباع ضروری ہے دلیل: ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔

تقریراً کا مصداق وہ حدیث ہے جس میں صحابی اپنا عمل بیان کرے مثلاً کنا نفعل بین یدی رسول اللہ ﷺ کذا جیسے ایک حدیث میں ہے: عن جابر رضی اللہ عنہ کنا نعزل والقرآن ینزل۔

تقریرات رسول اللہ ﷺ حجت ہیں ان پر بھی عمل ضروی ہے۔

قرآن کریم میں ہے: یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔

اگر آپ ﷺ کو کسی صحابی کا فعل پسند نہ ہوتا تو آپ ﷺ سکوت نہ فرماتے، سکوت' دلیل صحتِ فعل ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کسی برے فعل سے ڈر کر سکوت نہیں فرماسکتے۔ کیونکہ آپ کی سیکورٹی منجانب اللہ ہے۔ واللہ یعصمک من الناس اسی لئے آپ ﷺ کے ذمہ تبلیغ درجۂ فرض میں ہے۔ اور کسی منکر پر خاموشی فریضۂ تبلیغ میں کوتاہی کے زمرے میں آئے گی۔ نیز یہ مفہوم ہوگا کہ وہ فعل امتی آپ ﷺ کو محبوب وپسند ہے۔

صفۃ کامصداق وہ حدیث ہے جس میں صحابی آپ ﷺ کے احوال وصفات کو بیان کرتے ہیں، خَلقاً یا خُلقاً۔
چنانچہ صفت کی دو اقسام ہیں،۱: جسمانی، ۲: روحانی
جسمانی: آپ ﷺ حلیۂ مبارک، جسم مبارک کی ساخت و پرواخت وغیرہ دوسری صفت نفسانی ہے جس کا تعلق نفس کے ساتھ ہو، جیسے کان اجود الناس، کان اشجع الناس، کان احسن الناس، وغیر ذلک۔
یہ بھی ہمارے لئے حجت ہیں۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حتی الامکان آپ ﷺ مشابہت کی کوشش فرماتے تھے، اس لئے آپ ﷺ صفات بھی مبحوث عنہا ہوئیں، لہٰذا وہ بھی حدیث میں داخل ہوئیں۔

سابقہ تعریفاتِ علم حدیث کا تجزیہ

1 علامہ عینیؒ کی تعریف کی روشنی میں تین چیزیں متحقق ہوں گی:
ایک: عارف، دوسرے: شیءِ معروف (یعنی حدیث) تیسرے: وہ ذرائع اصول وضوابط جن کے ذریعہ حالتِ قولی، حالت فعلی یا کوئی بھی حالت ہو اس کی نسبت کا ''ثبوت'' ذاتِ نبوی ﷺ ہو جائے۔ ان ''اصولِ ثبوت نسبت'' کا نام علم حدیث ہے۔
(یعنی عارف کو معرفتِ قولی وفعلی اور حالی حاصل ہو جائے۔ ''احوال'' میں وہ تمام امور واشیاء داخل ہیں جن کا تعلق حرکات، سکنات، یقظہ ومنام کے کسی لمحہ کی حالت کے ساتھ ہو ــــ لفظ ''احوال رسول اللہ ﷺ'' اسی کی طرف مشعر ہے۔)
2 علامہ سخاویؒ نے تعریفِ علمِ حدیث میں لفظ احوال لانے کی بجائے تمام احوال رسول اللہ ﷺ بالتصریح ذکر فرمادیا ہے جو حتی الحرکات والسکنات سے واضح ہے۔
3 حضراتِ محققین کی تعریف کا مدار بھی ''حصولِ معرفتِ احوال'' کے ذرائع پر ہے۔ گویا حدیث اور چیز ہے معرفتِ حدیث کے ذرائع اور چیز ہیں۔ علامہ عینیؒ، علامہ سخاویؒ اور حضرات محققین کا اختلاف صرف الفاظ کی حد تک نظر آتا ہے کیونکہ اصل مدار حالتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔ خواہ حالتِ قولی، حالتِ فعلی، حالتِ تقریری، حالتِ حرکات وسکنات، حالتِ یقظہ ومنام ہو۔ چونکہ یہ تحت ''احوال رسول اللہ ﷺ'' ہے اس لئے تینوں میں مابہ الاشتراک حالتِ رسول اللہ ﷺ کے ثبوت کے ''اصول وذرائع اور ضوابط کا نام'' گویا علمِ حدیث ہے۔

فائدہ:

ان ذرائع وضوابط سے مراد راویانِ حدیث کے متعلق درایت کے میزان پر اطمینان ہے۔ تاکہ ''ثبوتِ حالتِ نبوی ﷺ'' میں استحکام آسکے۔ اسی کا نام ''علمِ حدیث'' ہے۔

علم حدیث کی انواع

علم حدیث بہت سی انواع واقسام پر مشتمل ہے۔ حضرت حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے علم حدیث کی پچاس، علامہ نوویؒ اور ابن صلاحؒ نے ۶۵ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں ۹۳ اقسام علوم بیان کی ہیں۔

ان میں سے مشہور (۲) دو علم ہیں، ۱: علم روایت الحدیث، ۲: علم درایت الحدیث۔
علامہ جزائریؒ نے ہر قسم کی الگ الگ تعریف کی ہے:
تعریف علم روایت حدیث ہو علم بنقل اقوال النبی ﷺ وافعالہ بالسماع المتصل وضبطھا وتحریرھا۔
تعریف علم درایت حدیث: ہو علم یعرف منہ انواع الروایۃ واحکامھا وشروط الرواۃ واصناف المرویات واستخراج معانیھا۔ (مقدمہ فتح الملہم)

حدیث، اثر اور خبر کا فرق

بعض حضرات فرماتے ہیں حدیث اور اثر مترادف ہیں، چنانچہ انہوں نے علم حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے:
ہو علم یبحث فیہ عن اقوال النبی ﷺ وافعالہ واحوالہ واقوال الصحابۃ والتابعین وافعالھم واحوالھم۔
ان حضرات کا یہ ارشاد کہ حضرات صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت تامہ ومناسبۃ کاملہ حاصل ہوگئی ہے۔ لہٰذا صحبت ومعیت طویلہ کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی ایک گونہ معصومیت حاصل ہے۔ لیکن جمہور محققینؒ کے نزدیک صحابیؓ کے قول وفعل اور تقریر کو اثر کہتے ہیں، نہ کہ حدیث ـــ اس لئے اثر و حدیث کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی۔
البتہ کبھی کبھی توسعاً آثار کا لفظ احادیث مرفوعہ پر بھی بول دیتے ہیں، جیسے امام طحاویؒ نے اپنی کتاب (جس میں احادیث مرفوعہ بھی ہیں) کا نام معانی الآثار رکھا ہے۔

الفرق بین الحدیث والخبر

(۱)۔۔ بعض حضرات نے مترادف قرار دیا ہے۔ تو نسبت تساوی کی ہوگی، (۲)۔۔ بعض نے خبر کی تعریف یوں کی ہے۔
ما یبحث فیہ ما نسب الی النبی ﷺ وغیرہ، اس لئے اس صورت میں حدیث اور خبر کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔ خبر عام مطلق اور حدیث خاص مطلق ہے۔ یعنی حضور ﷺ خبر ہو یا عام بادشاہوں کی خبر ہو، خبر سب کو شامل ہے اور حدیث خاص ہے آپ ﷺ کے ساتھ۔ (۳)۔۔ بعض حضرات نے خبر کی تعریف یہ کی ہے:
ہو علم یبحث فیہ ما نسب الی غیر النبی ﷺ، اس صورت میں حدیث اور خبر میں تباین کی نسبت ہوگی۔ متاخرین کا مسلک بھی یہی ہے۔ کیونکہ تاریخ کا شغل رکھنے والے کو عام طور پر مؤرخ کہتے ہیں اور حدیث میں مشغول ہونے والے کو محدث کہتے ہیں۔

الفرق بین الحدیث والسنۃ

بعض حضرات نے مترادف قرار دیا ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے سنت خاص ہے اور حدیث عام ہے۔ سنت آپ ﷺ کے اقوال وافعال کے ساتھ خاص ہے، اور حدیث صفات کو بھی شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا اس میں فرق ہے۔ اس میں عام خاص کی نسبت ہے، ہر سنت تو حدیث ہوگی مگر ہر حدیث کا سنت ہونا ضروری نہیں۔

سنت اور حدیث میں "وجوہِ فرق"

ا...حدیث مبارک کا مفہوم آپ ﷺ قول و فعل یا تقریر ہے۔

جبکہ سنت مبارک کی تعریف:

الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر افتراض و وجوب۔ (کتاب التعریفات، ص ۸۸)

دین کا وہ مشروع راستہ جس پر درجۂ فرض و وجوب سے کم حیثیت میں امت کو چلنا ہے۔ دونوں میں فرق ہو گیا۔

۲...سنت منسوخ نہیں ہو سکتی مگر حدیث منسوخ ہو سکتی ہے۔ مثلاً نماز میں باہمی گفتگو کی روایات بخاری و مسلم میں ہیں لیکن منسوخ ہونے کی وجہ سے ان پر عمل جائز نہیں۔

۳...بعض اوقات حدیث کسی عذر پر محمول ہوتی ہے لیکن سنت بلا عذر دائمی عمل کو کہتے ہیں۔ جیسے آپ ﷺ بول قائماً بالعذر ثابت ہے۔ یہ حدیث ہے مگر سنت نہیں ہے۔ (بخاری، ص ۳۵، ۳۶)

۴...آپ ﷺ خصوصیت پر محمول احادیث جیسے بیک وقت نو عدد ازواج مطہرات کا نکاح میں ہونا۔ (بخاری 41/1) امت کے لئے یہ حرام ہے۔ یہ حدیث ہے مگر سنت نہیں ہے۔

۵...حدیث خبر واحد ہو تو اس کے رواۃ پر بحث ہو سکتی ہے لیکن سنت چونکہ دائمی عمل ہوتا ہے وہاں روات پر بحث نہیں ہوتی۔

۶...حدیث ضعیف بلکہ بسا اوقات موضوع بھی ہوتی ہے مگر سنت ضعیف یا موضوع نہیں ہو سکتی اس لئے ہم اہلسنت کہلاتے ہیں۔ اہلحدیث نہیں کہلاتے۔ (از افادات حضرت محترم مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی زید مجدہم)

موضوعِ علمِ حدیث

حضرات محققین کرام کی آراء مختلف ہیں:

(1) علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں علمِ حدیث کا موضوع: ذات الرسول ﷺ من حیث انہ رسول اللہ ﷺ ہے ___ لیکن اس قول کی وجہ سے آپ ﷺ کے قبل از نبوت چالیس سال کے افعال و اقوال اور احوال "علمِ حدیث" کا موضوع بننے سے نکل گئے ___ حالانکہ وہ بھی علم حدیث کا موضوع ہیں۔

(2) دوسرا قول: ذات النبی ﷺ من حیث اقوالہ وافعالہ واحوالہ وتقریراتہ وصفاتہ۔

علامہ سیوطیؒ کے استاذ مکرم علامہ محی الدین کافیجیؒ فرماتے ہیں مجھے تعجب ہے کہ ذات النبی ﷺ سے علم حدیث کا موضوع قرار دیا گیا ___؟ ___ کیونکہ ذات النبی بہرحال بدنِ انسانی ہے۔ جو طب کا موضوع تو ہو سکتا ہے مگر علم حدیث کا نہیں۔

___ لیکن سب حضرات محدثین کو ان کے تعجب پر تعجب ہے کیونکہ بدنِ انسانی کی دو حیثیتیں ہیں:

ا...من حیث صحت و مرض، جو طب کا موضوع ہے۔ ۲... اور من حیث انہ رسول ___ غرض علم حدیث کا موضوع ذات النبی ﷺ مطلقاً نہیں بلکہ من حیث انہ رسول ہے۔

(۳) تیسرا قول نالفاظ الرسول ﷺ من حیث صحۃ صدورھا عنہ وضعفہ الی غیر ذلک (یعنی شذوذ یا علت خفیہ یا کسی راوی کی طرف سے ادراج وغیرہ)

(۴) چوتھا قول المرویات والروایات من حیث الاتصال والانقطاع۔

غایت علم حدیث

غایت کو بیان کرنے کے مختلف عنوانات ہیں:

(۱) الفوز بسعادۃ الدارین، دارِ دنیا کی کامیابی توفیق اعمال صالحہ ہیں، اور دار آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اعمال مقبول ہو کر جنت کے مقام کریم تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائیں۔

(۲) حصول دعاء النبی ﷺ اسلئے کہ آپ ﷺ ارشاد گرامی ہے:

نَضَّرَ اللہُ امرأ (عبداً) سمع مقالتی فحفظھا فوعاھا واداھا۔ (یہ جملہ دعائیہ یا خبریہ ہے [کشف ج ۱ ص 12])

(۳) محبوب ﷺ کلام عالی سے حصول لذت۔

(۴) معرفۃ العقائد والاخلاق والاحکام الفرعیہ برضاء اللہ تعالیٰ۔

(۵) تکمیل انسانیت بذریعہ تکمیل علم وتکمیل عمل اور بذریعہ تکمیل اخلاق، یعنی جہاں سے آیا وہاں جانے کے دوبارہ قابل ہوجائے، اور جاتے ہوئے یہ خطاب نصیب ہو:

ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

فائدہ:

علم حدیث کی دو غرض وغایت ہیں: تاسّی اور تشریع۔ تاسّی کا معنی ہے اسوہ بنانا، نمونہ عمل بنانا اور تشریع کا معنی ہے قانون سازی کرنا، دستور وآئین بنانا۔ احادیث شریفہ انہیں وجوہ سے پڑھنی چاہئیں۔ طلبہ کو چاہئے کہ حدیث پڑھتے ہوئے ان مقاصد کو کبھی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

حدیث کی وجہ تسمیہ

(۱) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں حدیث بمقابلہ قدیم ہے، اور قدیم کلام اللہ ہے، یہ اسی کے مقابل میں حادث اور جدید ہے، اس لئے اس کو حدیث قرار دیا گیا۔ (فتح الباری)

(۲) بعض محدثین کرامؒ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ حدیث بات چیت کو کہتے ہیں، اس کا مصداق بھی آپ ﷺ گفتگو اور بات چیت ہے۔ اور اس پر اصطلاح قائم ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ "عظمتِ شان" کی وجہ سے صرف آپ ﷺ کی

کلام کو حدیث کہا جائے گا اور دوں کے کلام کو حدیث نہیں کہا جائے گا ــــــ

سوال: حدیث تو بات چیت کو کہتے ہیں جبکہ احادیث مبارکہ میں افعال واحوال وغیرہ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

جواب: حدیث میں زیادہ تر ذکر اقوال ہی کا ہوتا ہے فعل اور تقریر کو حدیث کہنا تغلیباً ہے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو کو خود "حدیث" سے تعبیر فرمایا:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال قیل یارسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتک عنک یوم القیامۃ قال رسول اللہ لقد ظننت یا اباھریرۃ ان لا یسئل عن ھذا الحدیث احد اول منک لما رأیت من حرصک علی الحدیث الخ (باب الحرص علی الحدیث بخاری، ج1)

(۴) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مقدمہ فتح الملہم میں ذکر کیا ہے کہ لفظ حدیث "تحدیث نعمت" سے لیا گیا ہے۔ اور نعمت سے مراد ہدایت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سورۃ الضحیٰ میں حق تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کی تین حالتیں ذکر کی ہیں اور تینوں حالتوں کے مطابق تین انعامات کا ذکر فرمایا ــــــ پھر ان کے مقابلہ میں تین احکام جاری فرمائے۔

پہلی حالت یُتم (یعنی یتیم ہونے کی) بیان کی ہے ــــ الم یجدک یتیماً فاوی۔ تو یُتم کے مقابلہ میں نعمت ایواء (ٹھکانہ دینا) کا ذکر کیا ہے، اور حکم فاما الیتیم فلا تقھر ارشاد فرمایا ہے۔

دوسری حالت "عائل" (محتاج ہونا) ذکر فرمائی، اس کے مطابق اغناء کی نعمت کا ذکر کیا ہے اور حکم و اما السائل فلا تنھر ارشاد فرمایا ہے۔

تیسری حالت ضالاً کا ذکر کیا اس کے مقابلہ میں انعام ہدایت ہے اور حکم و اما بنعمۃ ربک فحدث ہے۔ جس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے آپ ﷺ جو بھی بیان فرمائیں گے وہ ہدایت ہوگی ــــ اس لئے آپ ﷺ کے ہر بیان کا نام حدیث رکھ دیا گیا ہے۔ جو اسی آیت میں ذکر کردہ "تحدیث نعمت" سے لیا گیا۔ کبھی کبھی ثلاثی مزید سے ثلاثی مجرد لیا جاتا ہے، یہاں اگرچہ تحدیث کا لفظ ثلاثی مزید فیہ ہے تاہم ثلاثی مجرد "حدیث" مراد لیا گیا ہے۔

فائدہ: "ضالاً" کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ فرمایا: راہ کا متلاشی یعنی ناواقف۔

(۲) جنگل میں بیری کا درخت جو اکیلا کھڑا ہوتا ہے اسے ضال کہتے ہیں ــــ اس صورت میں یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے۔ مراد "تنہا" ہونا ہے ــــ یعنی آپ ﷺ تنہا پایا پھر راہنما بنا دیا۔

ضرورتِ علمِ حدیث

(۱) دلیل اول: اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجود و عقل کی نعمت سے نوازا، اسی بنیاد پر اس کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ کما قال تعالیٰ ولقد کرمنا بنی آدم الخ، خلق لکم ما فی الارض جمیعاً، سخر لکم ما فی السمٰوٰت و الارض، ہزار ہا دلائل اشرفیت موجود ہیں، ان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان کا شکریہ ادا کرے۔ اور شکر نعمت کے لئے "اسوۂ شکر" کون ہے؟ یہ مسلم بات

ہے کہ آپ ﷺ شاکر وشکور اور سید الشاکرین ہیں، اسی لئے کثرتِ عبادۃ سے آپ ﷺ کے اقدام عالیہ متورم ہوجاتے تھے، کما قال: افلا اکون عبداً شکوراً۔ گویا غایت عبادت تشکر ہے۔

لہٰذا تشکر وامتنان کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ کے اقوال وافعال کی اتباع ضروری ہے۔ اس کے لئے ہمیں حدیث کے دروازے پر دستک دینا ہوگی ____

فائدہ: ایک سطحی سا اشکال ہے کہ انسان اشرف المخلوق ہے جب کہ یہ ہمہ جہت احتیاجات میں گھرا ہوا ہے، بڑے سے بڑے کروں سے لے کر ادنی اشیاء تک کا یہ محتاج ہے۔ یہ ہمہ گیر احتیاج شانِ اشرفیت کے خلاف ہے ____؟

جواب: عقل کے ذریعہ تسخیر کائنات کے بعد اس میں تعلّی وکبر اور رعونت کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسلئے اس سے بچانے کیلئے اس کو حاجات کا پابند کر دیا تا کہ عبدیت کے مقام پر استقامت دکھا سکے۔ اور انسان سے بھی مقامِ عبدیت ہی مطلوب خداوندی ہے۔

(چاند، سورج سے تو انسان متاثر ہوتا ہے، اور اگر انسان نہ ہے تو ان اشیاءِ عالم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے احتیاج یک طرفہ ہے)

دلیل ثانی: تکمیلِ انسانیت، تکمیلِ اخلاق سے تعلق رکھتی ہے، اور تکمیل اخلاق، اسوۂ اخلاق کے سامنے ہوئے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے حدیث کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ (کما قال ﷺ اَمَا لَکَ فِیَّ اُسْوَۃٌ)

دلیل ثالث: حکمت کی دو قسمیں ہیں، ۱: حکمت علمیہ، ۲: حکمت عملیہ، تمام حکماء کا اتفاق ہے کہ حکمت عملیہ میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دوسرا بشر فائق نہیں، اس لئے حکمت عملیہ کی انسانی ضرورت کے لئے آپ ﷺ کے اقوال وافعال کا علم اور اتباع ضروری ہے۔

دلیل رابع: عقلی کلیہ ہے کہ عدل واعتدال محمود ہے، اور ظلم وجور اور حدود سے تجاوز مذموم ہے، (گویا بیلنس ضروری اور ان بیلنس نہ ہونا چاہیے) ____

باطنی ملکات اور ان میں نقطۂ اعتدال

وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کے باطن میں تین قسم کے ملکات ہیں:

۱: علمیہ، ۲: شہویہ، ۳: غضبیہ، ان ملکات کو افراط وتفریط کی حدود سے بچا کر وسط واعتدال میں رکھنا عدل کہلاتا ہے ____

چنانچہ قوتِ علمیہ کا اعتدال حکمت ہے۔ قوتِ شہویہ کا اعتدال عفت ہے، اور غضبیہ کا اعتدال شجاعت ہے ____ تو صفت محمود یعنی عدل اور اعتدال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ایسی ذات بابرکات کی اقتداء کی جائے جو ان تینوں کے اعتدال کی حامل ہو۔ وہ صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہے ____ اعتدال واتباع کے لئے احوال کا معلوم ہونا ضروری ہے، اور وہ بغیر علمِ حدیث کے معلوم نہیں ہوسکتے ____

(۱) علم میں افراط جزبذہ ہے بعض اوقات عقل انکارِ خدا تک لیجاتی ہے، اور تفریط حماقت، اعتدال حکمت ہے۔ شہوت کا افراط فجور، اور تفریط خمود ہے، اس کا اعتدال عفت ہے، غضبیہ کا افراط تہور اور بے باکی اور تفریط جبن وبزدلی ہے اور اس کا

اعتدال شجاعت و بہادری ہے ــــــ

(اعتدال مظلوم ہے، کبھی افراط اور کبھی تفریط اس سے زیادتی کرتے ہیں۔ کما قال الشیخ محمد تقی عثمانی مدظلہ)

دلیل خامس: مسلمات عقلیہ میں سے ہے کلام الملوک ملوک الکلام بلوک کے کلام کو سمجھنے کے لیے مقربانِ ملوک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب آپ ﷺ تو آپ ﷺ حدیث کلام خداوندی کی تفہیم و تعبیر کے لئے ضروری ہوئی۔

دلیل سادس: انسان جن عناصر اربعہ سے مرکب ہے ان میں سے آگ اور مٹی میں خشکی، پانی اور ہوا میں تری ہے، نیز پانی اور مٹی پستی کی طرف جاتے ہیں، آگ اور ہوا بلندی اور علو کی طرف۔ تو انسان کے باطن میں تضادات ہیں ان اشیاء کے ہوتے ہوئے انسان اخلاقی تضادات کا بھی شکار ہوسکتا ہے ان میں توازن و اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

مٹی سے بخل اور آگ سے کبر پیدا ہوتا ہے اور ہوا کا پھیلاؤ شہرت کا متقاضی ہے اور پانی میں پھیلنے کی صفت موجود ہے جو حرص کا بھی آئینہ دار ہے۔ یہ چاروں اخلاق ذمیمہ ہیں، ان کو اگر کسی دائرہ میں اور اعتدال و توازن کی راہ پر رکھا جائے تو یہی اخلاق ذمیمہ حسن و خوبصورتی میں بدل جائیں گے۔ اسلئے آپ ﷺ ذات بابرکات اسوۂ کامل اور ''ورلڈ آئیڈیل'' ہے۔

فضیلت علمِ حدیث

(۱) حصول دعاء نبوی ﷺ کما قال نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا فاداھا الخ۔ (مشکوۃ)

(۲) روایت حضرت ابن عباسؓ ــــــ اللھم ارحم خلفائی، قلنا: من خلفائک یا رسول اللہ!

قال: الذین یاتون من بعدی ویروون احادیثی ویعلمونھا الناس (اوجز المسالک)

(۳) روایت حضرت ابن مسعودؓ:

ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علیّ صلوۃً۔ (ترمذی)

نقل بالروایت سے کثرۃ درود شریف کی دولت نصیب ہوگی جو کسی دوسرے علم کی تعلیم و تعلم میں نہیں۔

(۴) ضروریات انسانیہ دو قسم پر ہیں: دینی اور دنیوی۔ دینی ضرورت مقدم ہے۔ دینی ضرورت کے لحاظ سے عقائد حقہ، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ فاضلہ اور معاملاتِ عادلہ یہ مطلوب ہیں اور یہ بذریعہ حدیث ہی معلوم ہوسکتے ہیں۔

(۵) بحث کے ضمن میں ایک عقلی دلیل سے فضیلت حدیث:

وہ یہ کہ علم حدیث بالاجماع دیگر تمام علوم پر فائق و فاضل ہے۔ تاہم علمِ تفسیر کے حوالہ سے اس کی کیا نوعیت ہے؟

(۱) علماء جمہور کا مذہب یہ ہے علمِ حدیث، علم تفسیر سے بھی افضل ہے ــــــ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی بھی علم کا افضل و برتر ہونا اس کے موضوع کے تناظر میں متعین کیا جاسکتا ہے۔ علمِ حدیث کا موضوع ذات النبی ﷺ من حیث النبی ﷺ ہے ــــــ جبکہ علم تفسیر کا موضوع وہ الفاظ قرآن ہیں جو حادث ہیں اور مخلوق کے لکھنے پڑھنے میں آتے ہیں۔ اس لئے الفاظِ قرآن

کریم مخلوق ہیں، اور مخلوقات میں سے سب سے برتر آپ ﷺ ذات بابرکات ہے۔ لہٰذا علمِ حدیث اشرف العلوم ہوا۔

(۲) بعض حضرات نے علمِ تفسیر کو افضل قرار دیا ہے کیونکہ علمِ تفسیر کا موضوع کلامِ نفسی ہے جو قدیم ہے ـــــ تاہم جمہور حضرات یہ فرماتے ہیں علمِ تفسیر میں بحث بہر حال کلامِ لفظی سے ہے، اگرچہ وہ کلام نفسی پر دال ہے ـــــ مگر کلامِ نفسی کا عین نہیں ہے۔

اس لئے کہ دال اور مدلول ایک نہیں ہوا کرتے، ورنہ پورا عالم اور اس کی اشیاء دال ہیں ذات خداوندی پر، اگر ایک قرار دیا جائے تو اشیاءِ عالم اور ذات خداوندی کو ایک قرار دینا لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔

فائدہ:

(۱) علمِ حدیث اور علمِ تفسیر کا باہمی مقابلہ مذکورہ وہ ہے جو خالص علمِ تفسیر ہو ـــــ وہ علمِ تفسیر جس میں اسرائیلیات اور دلائل عقلیہ وغیرہ مخلوط ہوں وہ علمِ حدیث کے مقابلہ میں زیرِ بحث ہی نہیں لایا جاسکتا ہے۔

(۲) علمِ حدیث سارے علومِ دینیہ کی اصل ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر فقہ کی اصل اور تصوف کا ماخذ بھی ہے۔

حجیتِ حدیث

خیر القرون میں انکارِ حدیث کے فتنہ کے کچھ خدوخال ضرور ظہور پذیر ہوئے۔

اور حضرات اہلِ حق نے اس کا حسبِ ضرورت دفاع بھی کیا، تاہم اس مبارک دور میں صلاح وفلاح کے غلبہ نے اس فتنہ کو پنپنے اور امت میں جڑیں قائم کرنے کا موقع نہیں دیا ـــــ

حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں اہل السنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے احادیث کو برابر "قابل حجت" سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد متکلمین معتزلہ آئے انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا ـــــ

حافظ ابن حجرؒ نے ابوعلی جبائی معتزلی سے نقل فرمایا ہے کہ حدیث کی حجیت کیلئے عزیز ہونا شرط ہے۔ (اس لئے خبرِ واحد حجت نہ ہوگی۔) اس سے ان کا مقصود دین سے سبکدوشی نہ تھا بلکہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں بیٹھ گئی تھی ـــــ

آج کل انکارِ حدیث کی بنیاد خواہشات کی تکمیل ہے۔ قرآن کریم کی من مانی تشریح وتفسیر میں حدیث رکاوٹ ہے اس لئے انکارِ حدیث کرتے ہیں۔ (نصر الباری ج ۱ ص 15)

آج سے نصف صدی قبل پہلے انکارِ حدیث کے فتنہ نے سر اٹھایا اور اس کی بھرپور سرکوبی کی ضرورت پیش آئی۔ طالب علمانہ انداز میں اس کی حجیت کی تعبیرات کچھ اس طرح سے ہیں۔

آپ یوں سمجھئے کہ شئونِ نبوت مختلف ہیں، جن کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں جابجا ارشاد فرمایا، ان میں سے ہر شانِ عالی کا تقاضا ہے کہ اس کی تعظیم اور اتباع کی جائے، اور آپ ﷺ کے ہر قول وفعل کو حجت تسلیم کیا جائے۔

شئونِ نبوت:

(۱) شان اول: نبی ومرسل ہونے کی شان: انک لمن المرسلین۔
(۲) شان ثانی: مطاع ہونے کی شان: لیطاع باذن اللہ۔ قل اطیعوا اللہ والرسول۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتھوا۔
(۳) شارح قرآن ہونے کی شان: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس۔ ثم ان علینا بیانہ۔
(۴) شارعِ احکام ہونے کی شان: ویحل لھم الطیبات۔ ویحرم علیھم الخبائث۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ۔
(۵) حکم یعنی فیصل ہونے کی شان: حتی یحکموک فیما شجر بینھم الخ۔ لیحکم بین الناس۔ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔
(۶) عظمت کی شان: لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ۔
(۷) شانِ محبت: النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔
(۸) واسطہ محبتِ خداوندی ہونے کی شان: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الخ۔
(۹) شانِ عصمت: جماعتِ انبیاءؑ کے بارے میں ارشاد ہے: وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔
(۱۰) موحیٰ الیہ ہونے کی شان: یوحیٰ الیَّ۔ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔
(۱۱) مؤمَن بہٖ ہونے کی شان: لتومنوا باللہ ورسولہ الخ۔
(۱۲) خلقِ عظیم کے حامل ہونے کی شان: وانک لعلی خلق عظیم۔
(۱۳) معلم انسانیت ہونے کی شان: ویعلمھم الکتب والحکمۃ۔
(۱۴) متبَع ہونے کی شان: فاتبعونی یحببکم اللہ الخ۔
(۱۵) مبلغ ہونے کی شان: یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔
(۱۶) معلم حکمت ہونے کی شان: وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں حکمت سے مراد سنت ہے۔ جیسے کتاب کو مانے بغیر ایمان نہیں اسی طرح حکمت (سنت) کو مانے بغیر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ دونوں کا نزول من جانب اللہ ہے۔

حضور ﷺ کے حقوق

سابقہ شئونِ مبارکہ سے یہ مفہوم سامنے آگیا کہ آپ ﷺ کے تین حقوق امت کے ذمہ ہیں۔ حق محبت، حق عظمت، حق اطاعت۔ تینوں کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قول وفعل بلکہ تقریر کو بھی حجت قرار دیا جائے ــــــ
اس کی آسان تعبیر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اس طور پر فرماتے ہیں ــــــ میرے لئے یہ باعث تعجب

ہے کہ مسلمان کو یہ سمجھایا جائے کہ جس نبی پر تم ایمان لائے ہو جس کو تم سید الانبیاء ﷺ سنتے ہو ___ اس کا قول وفعل بھی حجت ہے۔ یہ بھی استہزا کی بات ہے کہ کسی کو مقتدا اور راہنما سمجھا جائے پھر کہا جائے کہ اس کی بات حجت نہیں جیسے کسی کو بادشاہِ قوم مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ تیری بات قابلِ عظمت، قابلِ حجت اور قابلِ اتباع نہیں ہے۔

حفاظتِ حدیث

حفاظت کے دو طریقے ہیں۔

(۱) ضبطِ کتابت: یعنی حفظ الحدیث بالکتابۃ۔ حفظ بمعنی محفوظ ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ ضبطِ صدر ___ یعنی حفظ الحدیث فی الذهن بغیر کتابۃ۔

حفاظتِ حدیث کا ابتدائی دور "ضبطِ صدر" کا ہے۔

اس کی چند وجوہ ہیں:

(۱) حفظِ حدیث عرب کی طبیعت اور مزاج کے عین مطابق ہے جبکہ لکھنے سے ان کو مناسبت نہیں۔ عربی شاعری کے مشہور راوی حماد کے بارے میں ہے کہ وہ حروفِ تہجی کے ہر لفظ کے تحت ایک سو طویل قصائد زبانی سنا سکتا تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے تین ہزار اڑتیس قصائد زبانی یاد تھے۔ (حجیت حدیث شیخ تقی عثمانی مدظلہ ص 71)

عرب کابڑ و کتابوں کا طومار دیکھ کر مذاق کرتا تھا اور ان کا عام فقرہ تھا: حرف ما فی صدرک خیر من عشرۃ فی کتبک۔ نیز ان کا خیال تھا کہ تحریر میں تحریف ممکن ہے جبکہ ذہنوں میں محفوظ شدہ الفاظ کو کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔

(۲) اہتمامِ حفظ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے:

نتذاکر کتاب اللہ و سنۃ نبیہ ﷺ (مستدرک حاکم)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

کنا نحفظ الحدیث۔ (صحیح مسلم) ___ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے تذاکروا الحدیث فان حیاتہ مذاکرتہ۔ نیز کان ابو سعید ؓ یمنع عن الکتابۃ یامر بالحفظ۔ (دارمی)

___ آپ ﷺ جب بیان فرماتے تو حفظ حدیث کا صحابہ کرام کو حکم فرماتے۔ فرمایا: احفظوهن و اخبروهن مَن ورائکم۔ (یہ مَن موصولہ ہے مِن جارہ نہیں ہے)

(۳) قوۃ الحفظ: اللہ تعالیٰ نے اس امت اور بالخصوص اہل عرب کو قوتِ حافظہ سے سابقہ امتوں کی نسبت زیادہ نوازا ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: اعطی اللہ هذه الامۃ من الحفظ ما لم یعط احدا من الامم خاصۃً خصهم بها کرامۃ اکرمهم بها

حضرت قتادہؓ کا واقعہ ہے ان کا پیالہ گم ہو گیا، دس سال بعد فقیر آیا اس نے آواز لگائی تو پہچان گئے یہ وہی فقیر ہے جس کے آنے پر پیالہ گم ہوا تھا تو آواز تک کو حافظہ میں محفوظ رکھا۔ ہو سکتا ہے بظاہر اس کا اہتمام بھی نہ کیا گیا ہو۔

امام ابوزرعہ رازیؒ ایک محدث گذرے ہیں ان کے بارے کسی نے قسم کھالی اگر انہیں ایک لاکھ حدیث یاد نہ ہوتو میری بیوی کو طلاق۔ پھر حضرت امام ابوزرعہ سے پوچھا تو ارشاد فرمایا:

تمسک بامراتک: توان کو ایک لاکھ حدیث یاد تھیں۔

امام بخاریؒ شہرت کے بعد بغداد پہنچے تو محدثین کرام نے ان کا امتحان لیا چنانچہ دس محدثین کرام نے دس دس احادیث منتخب کر کے ان کی اسناد اور متون میں تغیر وتبدل کیا اور مذاکرہ کی درخواست کی چنانچہ سب نے احادیث پڑھیں تو آپؒ فرماتے گئے لا اعرف، الغرض سب نے اختلاف متون واسناد کے ساتھ اپنی احادیث سنائیں محدثین کرام نے کہا اس کو کچھ نہیں آتا غلطی نہیں پکڑ سکا۔

تاہم جب سب نے روایات ختم کردیں پھر امام بخاریؒ نے فرمایا الاول قرأ ھکذا والصحیح ھکذا، والثانی قرأ ھکذا والصحیح ھکذا الغرض تمام روایات اسی مجلس میں سنیں اور بتادیں۔

اسی طرح طالب علمی کے زمانہ میں اپنے ہم درس طلبہ کے اعتراض پر کہ تم لکھتے نہیں ہو؟ ایک ہی مجلس میں پندرہ ہزار احادیث سنادیں۔ (تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی)

(۴) حصول اجر تبلیغ: اس لئے بھی اہتمام حفظ تھا۔

الف: چنانچہ وفد عبدالقیس کو آپ ﷺ نے فرمایا:

احفظوھن واخبروھن من ورائکم

ب: بلغوا عنی ولو آیۃ۔

ت: فلیبلغ الشاھد الغائب۔

ث: حصول دعاء: نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فحفظھا الخ ــــــ

(۵) ضرورت حفظ:

علامہ ابن الحجرؒ نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا: اس وقت ضبط صدر کی ضرورت تھی کہ اسباب کتابت خال خال تھے، عام نہ تھے۔

(۶) عدم کفایت کتابت: حفاظت حدیث کے لئے صرف کتابت کافی نہیں۔ جو اقوام اپنے علوم کے سلسلہ میں کتابت پر قناعت کرتی ہیں تو ان کا علمی سرمایہ محفوظ نہیں رہتا، اور اس میں اغلاط جاری ہوجاتی ہیں، "خر موسیٰ" کی جگہ "خر عیسی" لکھا جائے ــــ توحفظ ویاد نہ ہونے کی صورت میں اس غلطی کے جاری ہونے کا امکان ہے۔

(۷) حب النبی ﷺ حضرات صحابہؓ وتابعینؒ کو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ قاعدہ ہے کہ کلام المحبوب محبوب الکلام۔ اسی طرح من احب شیءا اکثر ذکرہ ــــ

سوال جب ضبط صدر مبنیٰ حفاظت ہے تو پھر ضبط کتابت کو اختیار کیوں کیا گیا ــــ؟

جواب: ممنوع وسائل کو چھوڑ کر وسیلہ کے درجہ میں دونوں کو اختیار کیا جاسکتا ہے وسائل بدلتے رہتے ہیں، مگر مقاصد میں تبدیلی نہیں آتی۔

(۸) قال ابو هریرة ﷺ جزأت اللیل ثلاثة اجزاء ثلثاً اصلی وثلثا انام وثلثا اذکر فیه حدیث رسول اللہ ﷺ

(حجیت حدیث ص 72)

حفاظتِ حدیث بصورۃِ کتابت

یہ آپ ﷺ کے دور مبارک سے ہی شروع ہوگئی تھی ــــ اگرچہ زیادہ تر مدار تو ضبطِ صدر ہی تھا ــــ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کتابت کلیۃً مفقود تھی۔

کتابتِ حدیث کے مختلف ادوار

کتابتِ حدیث کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) بصورۃِ صحف ورسائل۔ (۲) بصورۃِ کتب۔

حفاظت بصورۃِ صحف ورسائل یہ آپ ﷺ کے دور مبارک سے شروع ہوگئی تھی ــــ چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب العلم کا باب قائم کرکے اس میں چار احادیث ذکر کی ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ سے ابو جحیفہؓ نے دریافت کیا:

هل عندکم کتاب ــ قال لا ــ الا کتاب اللہ او فهم اعطیه رجل مسلم او مافی هذه الصحیفة۔ (مسائل دیت وغیرہ)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے کچھ مسائل بیان فرمائے۔ فجاء رجل من اهل الیمن فقال اکتب لی یارسول اللہ فقال اکتبوا لابی فلان ای لابی شاه۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ: یقول مامن اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنه منی الا ما کان من عبداللہ بن عمرو فانه کان یکتب ولا اکتب۔

(تاہم ان کا مجموعہ عام نہ ہوا اس لئے کثیر الروایۃ حضرت ابو ہریرہؓ ہی مشہور ہیں۔)

(۴) اسی طرح مرضِ وفات میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لاتضلو ابعده ابداً۔ (ثبوتِ کتابت ہے اگرچہ کتاب لکھی نہیں گئی۔)

(۵) ابوداؤد کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ آپ ﷺ حدیث مبارکہ لکھا کرتے تھے اور ہر بات لکھ لیتے تھے۔ بعض صحابۂ کرامؓ نے کہا ہر بات نہ لکھا کرو جب یہ بات آپ ﷺ پہنچی تو فرمایا:

اکتب فو الذی نفسی بیده مایخرج منه الا الحق۔

قرآن کریم عہدِ صدیقی میں جمع ومرتب ہوا لیکن احادیث نبوی ﷺ مجموعہ کتابی صورت میں باجازتِ نبوی ﷺ کے سامنے آ گیا تھا جس میں سند کا کوئی واسطہ بھی نہیں تھا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی شہادت ہے کہ وہ کتابتِ حدیث کیا کرتے

تھے ـــــ انہوں نے اس مجموعہ کا نام "صادقہ" رکھا تھا ـــــ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

اما الصادقة فصحيفة كتبتها عن رسول الله ﷺ۔

جس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی تدوین تو دورِ صدیقی میں ہوئی مگر حدیث پاک کی کتابی شکل (صادقہ) میں تدوین تو دورِ نبوی ﷺ میں بلاواسطہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرما چکے تھے۔

(۷) مجمع الزوائد میں حضرات رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

انا نسمع منك اشياء افنكتبها؟ قال اكتبوا ولا حرج۔

(۸) حضرت انسؓ سے روایت ہے قال رسول اللہ ﷺ **قيدوا العلم بالكتاب۔** (بخاری)

---

(۱) صحیفہ صادقہ از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جو ان کے پڑپوتے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے کتب احادیث میں مرویات موجود ہیں۔ (۲) صحیفہ علی رضی اللہ عنہ۔ (۳) کتاب الصدقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا املاء کرایا ہوا۔ (۴) صحیفہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، عامل نجران بنے تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے لکھوایا۔ (۵) صحیفہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ۔

فائدہ: ضمرہ بن جندب ہے یا کوئی اور اس سلسلہ میں ۹ نام ذکر کیے گئے ہیں۔ (کشف الباری ج ۱ ص ۲۶۳)

(۶) صحف ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ جو خود ان کے پاس موجود تھا۔ اشتباہ کے وقت صحت حدیث کا ان سے تقابل فرماتے ـــــ اولاً حدیث کو حفظ کیا آخر عمر میں لکھ بھی لیا۔

الف: مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد عبدالعزیز بن مروان کے پاس آپ کی مرویات مکتوب شکل میں موجود تھیں۔

ب: مؤلف بشیر بن نہیک۔ مرویات لکھ کر سنائیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صاد فرمایا۔

ج: صحیفہ عبدالملک بن مروان ـــــ امتحاناً آپ سے سنکر لکھیں۔

د: صحیفہ ہمام بن منبہ کشف الظنون میں اس کا نام الصحيفة الصحيحة ہے جو مسند امام احمد میں موجود ہے۔

حسن اتفاق سے چند سال پہلے اس صحیفہ کا اصل مخطوطہ مل گیا۔ جرمنی برلن لائبریری میں موجود ہے۔ نیز دوسرا نسخہ دمشق کے کتب خانہ مجمع علمی میں ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے دونوں میں تقابل کیا ایک حرف بلکہ ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں ـــــ (نصر الباری 27,28/1)

ضبطِ کتابت بصورۃِ کتب

دورِ اوّل

امام مالکؒ، امام سیوطیؒ، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو خط لکھے تھے :انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ۔

تدوین حدیث کا پہلا دور: عبداللہ بن ابن حزمؒ کو خصوصی تاکید تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ان کے دو شاگرد قاسم بن محمد اور عمرہ بنت عبدالرحمن سے لکھ کر جمع کرو۔ (درس شامزائی، ص 9)

حضرت ابن شہاب زہریؒ کو لکھا کہ آپ ﷺ کی احادیث وارشادات منتشر صورت میں جو حضرات صحابہ کرامؓ کے پاس ہیں۔ آپ انہیں کتابی شکل میں جمع کرنے کا اہتمام کریں۔

سوال: موطا امام محمد کے مقدمہ میں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت ابوبکر بن حزمؒ کو احادیث لکھنے کا حکم فرمایا تھا____؟ تو مدون اول میں اختلاف ہو گیا ابن شہاب زہری ہیں یا ابوبکر بن حزم؟

جواب: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مختلف حضرات کو اس کا حکم دیا تھا لیکن جن کی محنت کامیاب ہو کر شہرت پذیر ہوئی وہ یہ دونوں حضرات ہیں۔

یہ حفاظتِ حدیث بصورۃِ کتب کا پہلا دور ہے____

اس میں ابن شہاب زہری کی وفات 125ھ میں ہے اور ابوبکر بن حزم کی وفات 120ھ میں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات 101ھ میں ہوئی۔

تدوین حدیث کا پہلا دور: عبداللہ بن ابن حزمؒ کو خصوصی تاکید تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ان کے دو شاگرد قاسم بن محمد اور عمرہ بنت عبدالرحمن سے لکھ کر جمع کرو۔ (درس شامزائی، ص 9)

”دورِ ثانی“

جب یہ احادیث مبارکہ کا مجموعہ بغیر کسی قید وباب بندی کے جمع ہو گیا تو بنیاد پڑ گئی جبکہ یہی مشکل ترین مرحلہ تھا____ تو دورِ ثانی دوسری صدی کے نصف اخیر سے شروع ہوا۔

دورِ ثانی میں حضرات مصنفینؒ نے احکام کے لحاظ سے ”باب بندی“ کی۔ چنانچہ دورِ ثانی میں تصنیف کرنے والے یہ حضرات ہیں:

نمبرشمار	نام محدث	نام شہر	سن وفات
1	ربیع بن صبیحؒ	بصرہ	160ھ
2	حماد بن سلمہؒ	بصرہ	167ھ
3	مالک بن انسؒ	مدینہ طیبہ	179ھ
4	سعید بن عروبہؒ	مدینہ طیبہ	156ھ
5	ابن جریج عبد الملک بن عبد العزیزؒ	مکہ مکرمہ	150ھ
6	امام اوزاعیؒ	شام	157ھ
7	سفیان ثوریؒ	کوفہ	161ھ
8	عبداللہ بن مبارکؒ	خراسان	181ھ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، ان کا لقب امیر المومنین فی الحدیث ہے۔ کہا جاتا ہے اگر ان کی احادیث کو ذخیرۂ حدیث سے نکال لیا جائے تو احادیث بہت کم رہ جائیں۔

”دورِ ثالث“

شیوخ کی طرف اسناد کا دور

یہ دور تیسری صدی سے شروع ہوتا ہے اس کو مسانید کا دور کہتے ہیں ـــــ اس میں حضرات مصنفین نے ایک شیخ کی طرف نسبت کر کے احادیث لکھی ہیں۔ جیسے

نمبرشمار	نام		سن وفات
(۱)	مسند عبداللہ بن موسیٰ	یہ اول من صنف المسند ہیں۔	213ھ
(۲)	مسند عثمان بن ابی شیبہ		239ھ
(۳)	مسند اسحاق بن راہویہ		238ھ
(۴)	مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ		241ھ

”دور رابع“ (صحاح کا دور)

یہ صحاح کا دور کہلاتا ہے جو تیسری صدی کے آخر میں ہے ـــــ

نمبر شمار	نام	سن وفات
۱	اول من صنف الصحیح المجرد الامام البخاری	256ھ
۲	امام مسلم کی صحیح مسلم	261ھ
۳	امام ابوداؤد کی سنن ابی داؤد	275ھ
۴	امام نسائی کی سنن نسائی	303ھ
۵	امام ترمذی کی جامع ترمذی	279ھ
۶	اور امام ابن ماجہ کی سنن ابن ماجہ	373ھ

ان سب کو صحاح تغلیباً کہا جاتا ہے ورنہ سنن زیادہ ہیں۔

مرحلہ وار تدوین کی نوعیت

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کچھ صحابہ کرامؓ نے احادیث کے مجموعے بطور یادداشتوں کے اپنے پاس تحریر کئے ہوئے تھے۔

(۲) سب سے پہلے کتابی شکل کے مجموعے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے سرکاری طور پر مرتب کئے گئے۔

(۳) پھر ان کتابی شکل کے مجموعوں کو قابل عمل بنانے کیلئے فقہی ترتیبیں قائم کی گئی۔ ان کی ابتداء کا سہرا ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سر ہے۔

(۴) اگلا دور مرفوعات، موقوفات، آثار صحابہؓ وتابعین میں امتیاز قائم کرنے کا ہے۔ اور مرفوع احادیث کی تائید میں آثار صحابہؓ وتابعینؒ کے جمع کرنے کا ہے، جیسے موطا امام مالکؒ۔

(۵) اگلا دور صحیح، حسن، ضعیف میں امتیاز قائم کر کے صحیح احادیث کے الگ مجموعے قائم کرنے کا ہے۔ اس میں صحیح بخاری، مسلم وغیرہ مرتب ہوئیں۔

حدیث وتاریخ میں امتیاز

اس امتیاز کی روشنی میں حدیث کو حجت ماننا ضروری ہے بالخصوص اس طبقہ پر بے انتہا تعجب ہے جو تاریخ کو حجت مانتا ہے اور حدیث کو رد کرتا ہے۔ اس لئے ان وجوہ ترجیح کو ذکر کیا جاتا ہے جس کی بنا پر حدیث پاک اپنے اعتماد وحفاظت کے لحاظ سے اس مقام پر ہے کہ تاریخ اس کے گرد راہ کو بھی نہیں پاسکتی۔

(۱) اولین شرط: روایت حدیث کے لئے راوی کا مسلمان ہونا شرط ہے مگر تاریخ کے لئے مورخ کا مسلم ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۲) ''وحدتِ ذات'' حدیث لکھنے والوں کا تعلق ایک ہی ذات سے ہے۔ ایک ہی ذات کے اقوال وافعال اور احوال

جمع کرنا یہ زیادہ قابل وثوق ہوسکتا ہے جبکہ مختلف ذوات کے احوالِ مختلفہ کو جمع کرنا یہ اعتماد کا وہ پایہ نہیں رکھ سکتا۔

(۳) ''حصولِ اجر'' کاتبانِ حدیث کا مقصد روایت حدیث سے اجر عظیم کا حصول ہوتا ہے اس لئے وہ غلطی سے بچنے کا اہتمام زیادہ کریں گے ــــــ جبکہ تاریخ کے حوالہ سے زیادہ سے زیادہ شہرت مقصود ہوتی ہے اس میں احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔

(۴) تعلق مشاہدہ: کاتبانِ حدیث اور راویانِ حدیث کا باہمی تعلق مشاہدہ کا ہوتا ہے کیونکہ جس سے روایت لے رہا ہے وہ واسطہ در واسطہ صحابہ اور آپ ﷺ پہنچا دیتا ہے۔

(۵) ''وعید علی الکذب'' من کذب علیّ متعمداً فلیتبو أمقعدہ من النار۔

(۶) ذمہ داری تبلیغ: محدث جو بیان کرتا یا لکھواتا ہے اس کی تبلیغ بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ احوال وافعال صحیحہ پیش کرے۔

(۷) عہد اطاعت اور تعلق محبت وعظمت:

آپ ﷺ ذات سے چونکہ عہد اطاعت ہے اور ساتھ محبت وعظمت کا تعلق بھی ہے اس لئے احوال صحیحہ نہایت محتاط ہو کر بیان کرے گا جبکہ تاریخ خود ان بلند معیارات سے نابلد ہے۔

خلاصہ یہ کہ حدیث مبارک تاریخ عالم کا مستند ترین اور بہت بلند پایہ قابل اعتماد حصہ ہے۔ کما قال شیخ عبد المجید انور رحمہ اللہ۔ آپ نے اسٹیج پر بیان فرمایا تو حضرات طلبہؑ کرام سے ارشاد فرمایا میں اسٹیج پر ہوں میرا سراپا آپ کے سامنے ہے اور حرکات وسکنات بھی آپ دیکھ رہے ہیں۔ جبکہ میں آپ میں سے کسی کا کان، کسی کی ناک، کسی کا صرف کپڑا وغیرہ دیکھنے کی قدرت رکھتا ہوں۔ آپ کا مجھے دیکھنا یہ حدیث ہے اور میرا آپ کو دیکھنا یہ ''تاریخ'' ہے۔

منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات

(۱) الشبهة الاولیٰ

آپ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے: لاتکتبوا عنی غیر القرآن۔ ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ۔

ــــــ ممانعتِ کتابت کی وجہ سے لکھنا ہی منع ہے۔ لہٰذا حدیث حجت نہ ہوگی۔

جوابات: جن احادیث میں لکھنے سے منع کیا گیا ہے انمیں مختلف وجوہ سے تطبیق ہے:

(۱) یہ نہی اس دور سے متعلق تھی جب قرآن کریم لکھوایا جا رہا تھا تاکہ امتیاز باقی رہے اور خلط لازم نہ آئے۔

(۲) آغاز کار میں یہ ممانعت تھی ــــ تاہم بعد میں لکھنے پر جواز کا اجماع ہو گیا اور مختلف لکھے ہوئے رسالے سامنے آئے۔

(۳) یہ ممانعت ان حضرات کے لئے تھی جن کو لکھنے پر کامل عبور نہ تھا کہ کچھ کا کچھ لکھ لیں ــــ اس لئے جنہیں عبور کامل تھا انہیں اجازت تھی۔

(۴) لکھنے سے منع کرنا عدم حجیت کی دلیل نہیں۔ جبکہ حجت کے لحاظ سے آپ ﷺ نے اسے آگے پہنچانے، یاد کرنے نیز لکھنے کا بھی حکم دیا ہے۔

(۵) آپ عدم حجیت حدیث کو حدیث ہی سے ثابت کر رہے ہیں تو آپ نے خود حدیث پاک کا حجت ہونا تسلیم کرلیا ورنہ اس حدیث کو بھی چھوڑ دیں۔

(۲) الشبهة الثانیه

(۲) احادیث میں روایات صحیحہ، غیر صحیحہ اور موضوع ضعیف بھی ہیں لہٰذا مجموعہ حدیث کیسے حجت ہوسکتا ہے ____؟

جواب: یہ سوال صحاح ستہ کے دور سے پہلے ہوسکتا تھا اب ائمہ کرام نے صحاح مرتب کر کے احادیث صحیحہ وغیر صحیحہ نیز ضعیف وموضوع میں امتیاز کر دیا لہٰذا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

حضرات محدثینؒ نے احادیث کی روایت میں جو احتیاط برتی ہے، ان کی شرائط اتنی سخت ہیں ان کے پیش نظر یہ ممکن نہیں کہ کوئی راوی شیعہ، کاذب، یا متہم بالکذب یا فاسق سند میں آگیا ہو اور انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہو ایسا نہیں ہے۔

(۲) ضعاف کا شمول اس بات کی دلیل نہیں کہ صحاح کو بھی ترک کر دیا جائے جیسے سونے میں کھوٹ مل جائے تو کوئی بھی عاقل یہ نہیں کہتا کہ اصلی سونا چھوڑ دیا جائے۔ ہاں کھوٹ کو الگ کرنا ہر ذی شعور سمجھتا ہے۔

(۳) الشبهة الثالثه

سوال: آپ ﷺ کے ذمہ صرف تبلیغ قرآن کریم تھا، سمجھنا سمجھانا امت کے اوپر موقوف ہے۔ یہ لوگ نبی کی حیثیت کو محض ایک ڈاکیا کی حیثیت قرار دیتے ہیں، اور یہ استدلال کرتے ہیں کہ آیت قرآنی میں بلاغ کا حصر ہے۔ ان علیک الا البلاغ: گویا قرآن فہمی کو امت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جواب: حصر دو قسم پر ہے: حصر اضافی جو اپنے بعض ماعدا سے ہو۔ اور حصر حقیقی جو جمیع ماعدا کے لحاظ سے ہو۔ یہاں حصر اضافی مراد ہے ____ اگر حصر حقیقی تسلیم کرلیں تو آیات قرآنیہ میں تضاد پیدا ہوجائے گا ____ وہ اس طور پر کہ سابق میں آپ ﷺ کی جو شئون مختلفہ بیان کی ہیں کہ آپ ﷺ معلم الکتاب والحکمۃ ہیں، آپ ﷺ مطاع ہیں، یہ سب بے فائدہ ثابت ہوجائیں گی، اس لئے کہ تعلیم حکمت آپ ﷺ کے ذمہ ہی نہیں عیاذاً باللہ۔

(۴) الشبهة الرابعة

سوال آپ ﷺ صرف اس بات کے مامور تھے کہ قرآن کریم کی اتباع کریں واتبع مایوحی الیک من ربک۔ اس لئے ہم بھی اتباع قرآنی کے مامور ہیں ____ حدیث کی ضرورت نہیں۔

جواب: حدیث پاک بھی مایوحی الیک من ربک میں شامل ہے۔ اس لئے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی جلی اور وحی خفی، حدیث وحی خفی ہے اور قرآن کریم وحی جلی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی۔

(۵) الشبهة الخامسة

سوال: قرآن کریم میں بعض مقامات پر آپ ﷺ کو منجانب اللہ تنبیہ فرمائی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال حجت نہیں ورنہ تنبیہ نہ ہوتی، کما قال تعالیٰ: عبس و تولی، یاایها النبی لم تحرم ما احل الله لک، ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ وغیر ذلک۔

جواب: جس چیز کو آپ لوگ آپ ﷺ حدیث کی عدم حجت کی دلیل بنا رہے ہو یہی حدیث کی حجیت کی دلیل ہے، ان تمام مقامات پر تنبیہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی مواقع پر تنبیہ کی بھی ضرورت نہیں، وہ منشاء خداوندی کے مطابق ہیں ___ تو وہ حجت بھی ہوئے۔ نیز اجتہادِ نبوی علیہ السلام پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔

(۶) الشبهة السادسة

سوال: اکثر روایات بالمعنیٰ ہیں، الفاظ پوری طرح محفوظ نہیں، اور معنیٰ کے بیان کرنے میں غلطی کا احتمال غالب ہے، اسلئے جب الفاظ ہی محفوظ نہیں تو پھر ان کا مدلول ومعنیٰ کیسے محفوظ قرار دیے جاسکتے ہیں؟

جواب: یہ مفروضہ ہی سرے سے غلط ہے کہ اکثر روایات بالمعنیٰ ہیں، اس لئے کہ افعال واحوال اور تقریرات باللفظ روایت نہیں کی جاسکتیں، اور روایاتِ قولی میں احادیث قدسیہ، جوامع الکلم، ادعیہ مسنونہ وغیرہ یہ تمام روایات باللفظ کے زمرے میں آتی ہیں اب تھوڑا سا حصہ رہ گیا جس میں روایت بالمعنیٰ ہوتی ہے۔ تو قاعدہ عقلیہ للاکثر حکم الکل کے تحت اعتراض باقی نہیں رہتا۔

تاہم روایت بالمعنیٰ کرنے والے حضرات صحابہ کرامؓ عرب العرباء، فصحاء، بلغاء اور عربی محاورات پر مکمل عبور رکھنے والے ہیں اور باخبر ہیں، ان کی روایت بالمعنیٰ کو مسترد کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں ہوسکتے ___

(۷) الشبهة السابعة

سوال: اکثر احادیث میں تعارض نظر آتا ہے اور قاعدہ عقلیہ اذا تعارضا تساقطا ___ یہ کلیہ فقہ میں بھی جاری ہوتا ہے۔

جواب: تمام احادیث میں تعارض صوری بھی نہیں چہ جائیکہ حقیقی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ احادیثِ صفات باری تعالیٰ، عقائد، ابواب البر والصلۃ، احادیث جنت وجہنم ودیگر مغیبات ان میں باہمی کوئی تعارض نہیں ہے ___ البتہ چند احکام کی احادیث ہیں ان میں تعارض صوری ہے لہٰذا خارجی دلائل سے ان میں تطبیق وترجیح قائم کی جائے گی ___ اگر محض صوری تعارض ہی کو تساقط کا باعث تسلیم کرلیا جائے تو یہ تعارض قرآن کریم میں بھی ہے ___ تو کیا آیاتِ قرآنیہ کو ترک کردیا جائے گا ___؟

مثلاً بعض آیات کے بارے میں فرمایا کتٰب احکمت ایاته الخ، اور دوسری جگہ فرمایا کتٰباً متشابهاً ___ بعض جگہ آیات محکمات اور اسی جگہ آیت و اخر متشابهات ___ لہٰذا تطبیق کا راستہ اختیار کیا جائے گا نہ کہ ترکِ آیات واحادیث کا ___

(۸) الشبھۃ الثامنۃ

سوال: اکثر احادیث "اخبار آحاد" ہیں، اور خبر واحد ظنی ہے، ظنی چیز کا دین و شریعت میں اعتبار نہیں، قرآن کریم میں ہے اجتنبوا کثیراً من الظن، ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً وغیر ذلک۔

جواب (۱): اس شبہ میں افہام و تفہیم کی بجائے مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے کہ احادیث میں جس ظن کو قابل اعتبار تسلیم کیا گیا ہے وہ قریب من الیقین ہوتا ہے اسی کا حضرات محدثین کے ہاں اعتبار ہے ___ اور قرآن کریم میں جو قابل مذمت ظن ہے وہ اٹکل اور بے دلیل بات ہے۔

جواب (۲): جن حضرات محدثین نے اخبار آحاد کو ظن قرار دیا ہے انہوں نے ہی اس کو حجت بھی قرار دیا ہے۔ تو ان کی یہ بات قابل تسلیم ہے تو دوسری بات کیوں تسلیم نہیں ___؟

(۹) الشبھۃ التاسعۃ

سوال: اکثر احادیث خلاف عقل ہیں۔ (عیاذاً باللہ) مثلاً محل بول و براز و خروج ریح اور ہے اور طہارت کے لئے جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں وہ اعضاء دیگر ہیں یا مثلاً نماز میں قہقہہ لگایا یہ نہیں سمجھ آتا کہ اسے ناقض وضو قرار دیا جائے۔ یہ کوئی نجاست تھوڑی ہے ___؟

جواب: (۱) خلاف عقل اسے کہتے ہیں جس کے محال ہونے پر عقل دلیل قائم کر سکے۔ اور جس کے محال ہونے پر عقل دلیل قائم نہ کر سکے اور ادراک نہ کر سکے نیز عقل کی گرفت سے باہر ہو وہ چیز خلاف عقل نہیں ہوتی ___ بلکہ فوق العقل ہوتی ہے۔ کہ عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔ ظاہر ہے وحی کے ذریعہ جو علم دیا جائے گا وہ خلاف عقل نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ وہ فوق العقل ہو سکتا ہے۔ نیز دین کی ہر بات عقل کے مطابق ہونے کی بجائے عقل کی ہر بات دین کے مطابق ہونا چاہیے۔ کما قال شیخ نانوتوی رحمہ اللہ

نیز علم کے حصول کے دو ذریعے ہیں۔ عقل اور وحی۔ عقل کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم حواس خمسہ کا محتاج ہے۔ اور حواس غلطی کرتے ہیں تو ان کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم بھی غلط ہو جائے گا۔

___ اور وحی کے ذریعہ سے حاصل ہونے والا علم غلطی سے مبرا و پاک ہوتا ہے اس لئے کامل ذریعہ سے حاصل ہونے والے علم پر ناقص (عقل) کے ذریعہ اعتراض بالکل بے معنی ہے۔

جواب (۲) ارباب علم و دانش کے ہاں یہ مسلم ہے کہ عدم علم عدم وجود کو مستلزم نہیں ___ اس لئے اگر کسی حدیث و مسئلہ کی حکمت آپ کو سمجھ نہ آئے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نفس الامر میں بھی اس کی کوئی حکمت نہیں۔ اسلئے یہ بجائے خود بے عقلی کی بات ہے۔

جواب (۳) احادیث موافق عقل ہوں ___ لیکن اس پر اشکال ہے کہ کس کی عقل کے مطابق ہوں ___ آپ کی، زید کی، خالد، یا غلام احمد پرویز کی ___ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ عقول انسانی متفاوت ہیں۔ انبیاءؑ کی عقول سمندر کی طرح ہیں ایک عام انسان کی عقل بہت چھوٹے ظرف کی طرح ہے۔ لہٰذا کس عقل کا اعتبار کیا جائے ___؟ اس لئے معیار حضرات انبیاءؑ کی عقول ٹھہریں گی۔ اگر ان کی عقل کے مطابق ہیں تو بس کافی ہے۔ اعتراض کرنے والے اپنی عقل کو ناقص سمجھ کر صرف اتباع کریں۔

(۱۰) الشبهة العاشرة

سوال: قرآن کریم اپنے بارے میں کہتا ہے تبیانا لکل شیء، اس آیت مبارکہ میں لفظ کل استغراقی ہے ___ معلوم ہوا کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔ اگر حدیث کو اس کے باوجود مانتے ہو تو آیت کی نفی لازم آتی ہے۔

جواب ۱: یہ کل استغراقِ حقیقی پر محمول نہیں۔ اگر حقیقی پر محمول ہوتا تو کوئی بات بھی قرآن کریم سے خارج نہیں ہونی چاہیے تھی یہ کل استغراقِ عرفی پر محمول ہے۔ جیسے تدمر کل شیء بامر ربها، کل شیء میں زمین وآسمان بھی داخل ہیں جبکہ وہ تباہ نہ ہوئے۔
آپ ﷺ نے بھی اس کو استغراقِ حقیقی پر محمول نہیں فرمایا، چنانچہ حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا:

کیف تقضی اذا عرض لک قضاء؟

قال اقضی بکتاب الله، قال فان لم تجد فی کتاب الله قال بسنة رسول الله۔

اس سے حدیث کا حجت ہونا خود بخود ثابت ہو گیا۔

جواب ۲: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کل میں استغراقِ حقیقی ہے ___ لیکن یہ استغراق کلیات کے بیان کرنے کے لحاظ سے ہے نہ کہ جزئیات کے اعتبار سے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ام یعقوب آئیں اور آ کر کہا:

میں نے سنا ہے آپ یہ کہتے ہیں: لعن الله الواشمات والمستوشمات۔ اس نے کہا اللہ کی لعنت کا تذکرہ قرآن کریم میں تو نہیں، میں نے اس کو اچھی طرح پڑھا ہے۔

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اگر تو دھیان سے پڑھتی تو تجھے لعنتِ خداوندی قرآن کریم میں ملتی ___ اس لئے میں بھی لعنت کروں گا۔ چنانچہ فرمایا قرآن کریم میں ہے وما آتاکم الرسول فخذوه الخ، جب رسول اللہ ﷺ لعنت فرمائیں گے تو لعنتِ خداوندی بھی اس کے ذیل میں آ گئی، تو اس سے بھی حجیتِ حدیث ثابت ہو گئی۔

جواب ۳: ہمیں تسلیم ہے کہ تبیان لکل شیء میں کل استغراقِ حقیقی پر محمول ہے۔ یہ محمول ہونا بواسطۂ رسول ہے یا بلاواسطۂ رسول ___؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ بواسطۂ رسول ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے خود کہا ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس، اور ثم ان علینا بیانه وغیرہ۔

فائدہ: منکرینِ حدیث عام طور پر ایک مغالطہ دیتے ہیں کہ ہم ان احادیث کو مانتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہیں عام آدمی اس سے دھوکا کھا جاتا ہے کہ یہ حجیتِ حدیث کے منکر نہیں ___ حالانکہ اس میں بھی تلبیس اور حجیتِ حدیث کا واضح انکار ہے اور سنت کے مستقل حجت ہونے کا انکار ہے کیونکہ قرآن کریم کے مطابق کوئی بھی بات کہہ دے وہ حجت ہے۔ اس میں رسول ہونا ضروری نہیں۔ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ رسول کوئی بات کہے وہ حجت ہے یا نہیں گویا منصبِ رسالت کی کیا حیثیت ہے؟ کما قال الشیخ محمد تقی عثمانی۔

منکرینِ حدیث کا حکم

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ احادیث کی تین قسمیں ہیں، ۱: متواتر، ۲: مشہور، ۳: خبر واحد۔
متواتر کا منکر بالاجماع کافر ہے۔ مشہور کا منکر عند الجمہور کافر ہے خبر واحد کا منکر فاسق ہے۔ نیز حدیث کا استہزاء کرنے والا بھی کافر ہے ـــــــ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو کوئی حدیث سنائی گئی اس نے بطور استخفاف کہا:
بہت حدیثیں سنی ہیں ـــــــ تو... صار کافراً۔

خبر واحد کی حجیت

منکرینِ حدیث چونکہ خبر واحد کے رد کے سلسلہ میں اپنی توانائیاں لگاتے ہیں اور بڑا زور صرف کرتے ہیں اس لئے اس کو مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا جا رہا ہے، تا کہ اس کی حجیت واضح ہو جائے۔

خبر واحد کی تعریف:

خبر واحد متواتر کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی جو روایت حد تواتر کو نہ پہنچے، وہ خبر واحد ہے۔ خبر واحد سے مراد "فردِ واحد" کی خبر نہیں۔ بلکہ مذکورہ بالا اصطلاحی معنیٰ مراد ہے کہ جو حدِ تواتر کو نہ پہنچے۔ اسلئے خبر مشہور، خبر عزیز، خبر غریب یہ خبر واحد کے افراد ہیں۔
یہی اس کی اقسام ہیں:-
۱... سند کے کسی درجہ میں تین راوی رہ جائیں تو اسے مشہور کہتے ہیں، ۲... دو رہ جائیں تو اسے عزیز کہتے ہیں،
۳... اگر ایک رہ جائے تو اسے غریب کہتے ہیں۔
خبر واحد کی حجیت امر مسلم ہے۔ اس کی حجیت قرآن کریم، حدیث رسول اللہ ﷺ، انبیاء سابقینؑ اور عقل وعرف سے بھی ثابت ہے۔

اثبات الحجیۃ من القرآن

(۱) اذ ارسلنا الیھم اثنین... اگر دو کی بات ہی حجت نہیں تھی تو دو کو بھیجنا ہی نہیں چاہیے تھا۔
(۲) فعززنا بثالث: ہم نے تیسرے کے ساتھ قوت دی۔ جب کہ ایک کی خبر حجت ہی نہ ہو تو قوت کیسے حاصل ہوگی ـ؟
(۳) مرد وعورت کے تنازع کو حل کرنے کے لئے قانونِ خداوندی ہے:
فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا
اگر ایک کی خبر حجت ہی نہ ہو تو دونوں فیصلے پر کیسے پہنچیں گے؟ اور اس فیصلہ کی خبر باقی معاشرہ پر کیسے حجت ہوگی ــ؟
(۴) ہر دور میں ایک نبی اور ایک ہی فرشتہ خبر لایا ہے ــــ حجت ہے نہیں اور فردِ واحد کو بھیجا جائے؟

اثبات الحجیۃ من الحدیث

خبر واحد آپ ﷺ کے نزدیک بھی حجت ہے۔ چنانچہ امراء وسلاطین عالم کو خطوط لکھے تو ایک فرد کو اور کہیں دو کو روانہ فرمایا۔

اثبات الحجیۃ من الانبیاء سابقین علیہم السلام

☆ وجاء رجل من اقصی المدینۃ یسعیٰ قال یٰموسیٰ الخ۔

۱... موسیٰؑ خبر واحد مان کر مصر سے نکل پڑے۔

۲... قالت ان ابی یدعوک۔

ایک عورت کی خبر پر حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ کے پاس تشریف لے گئے۔

۳... اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے معتمد بنا کر روانہ فرمایا۔ حالانکہ وہ صرف دو تھے۔

اثبات الحجیۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم

حضرات صحابہ کرامؓ فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے اسی دوران ایک شخص نے آ کر آواز لگائی:

الا ان القبلۃ قد حوِّلَتْ

توسب نے دورانِ نماز ہی بیت اللہ شریف کی طرف منہ پھیر لیا حالانکہ خبر واحد تھی۔

شراب پی رہے تھے۔ اعلان ہوا الا ان الخمر قد حُرِّمَتْ۔

یہ سن کر مٹکے توڑ دئے گئے۔ حالانکہ خبر واحد تھی۔ یعنی غریب تھی۔

اثبات الحجیۃ من العقل

عقلاً بھی اس کی حجیت ثابت ہے، ایک سچا آدمی خبر دیتا ہے اور وہ عقلاً محال بھی نہیں ہے تو اس کی وجہِ تکذیب آخر کیا ہے؟ اس کو کیوں جھٹلاتے ہو؟ دلیل تو آپ کے پاس نہیں۔ لہٰذا خبر واحد کو حجت تسلیم کرنا چاہیے۔

اثبات الحجیۃ من العرف

عرفاً بھی اس کی حجیت کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ پورے عالم کا نظام اسی پر چل رہا ہے۔ عدالت میں دو گواہ مشروط ہیں۔ قتل وقصاص کے فیصلے کے بارے میں قرآن کریم میں ہے: واشھدوا ذوی عدلٍ منکم

کل فوج کا نظام "خبر واحد" پر ہے۔ ایک آدمی کے اشارے پر ساری فوج حرکت میں آجاتی ہے۔

جبکہ محدثین کرام نے خبر واحد کی قبولیت وحجیت کے لئے کچھ شرائط بھی لگادی ہیں۔ اس کے باوجود آپ کو ان میں اشکال ہے۔ خود عقل وعرف کی بنا پر بلا شرط خبر واحد کو حجت تسلیم کئے جا رہے ہو؟

(اصطلاحاتِ حدیث: یہ آپ تمام خیر الاصول میں پڑھ چکے ہیں۔ وہی دہرالیں۔)

آدابِ علمِ حدیث

تعریفِ ادب: (۱) مایحمد من القول و الفعل۔ (۲) علامہ سیوطیؒ کے نزدیک: الاخذ بمکارم الاخلاق۔

ضرورتِ ادب: کسبِ فعل اور کسبِ علم میں ادب بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ ادب کی انواع میں ایک تعظیم بھی ہے ــــ جو شخص ادب اختیار کر کے تعظیم کرتا ہے تو یقیناً وہ متواضع ہے۔ اس سے انفعالیت پیدا ہوگی۔ اور جب انفعالیت ہوگی تو اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ کیونکہ بغیر انفعالیت کے اثر نہیں ہوتا ــــ اور "تعلم" بھی ایک اثر ہے۔ لہٰذا اس کے لئے تعظیم اور ادب ضروری ہے۔

نیز ادب کا مقام یہ ہے کہ آدمی ترکِ فعل سے کافر نہیں ہوتا۔ تاہم ترکِ حرمت سے کافر ہو جاتا ہے۔ اسی تناظر میں فرمایا گیا:

ما وصل من وصل الا بالحرمة۔ و ما سقط من سقط الا بترک الحرمة ــــ

الادب الاول:

تصحیحِ نیت ــــ اگر نیت صحیح نہیں تو توہینِ حدیث لازم آئے گی ــــ حدیث کی قیمت تو فقط اور فقط "رضائے الٰہی" ہے۔ جو آدمی اس کے بدلے میں چند ٹکے لے لے تو ایسا ہے کہ سونے کی ڈلی پینگنی کے بدلے میں فروخت کی جو سونے کی توہین ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة یعنی ریحھا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

امام احمدؒ کی مجلس میں ایک بزرگ فرماتے تھے: یا اصحاب الحدیث ادوا زکوۃ علمکم، علم کی زکوٰۃ یہ ہے چالیس میں سے کم از کم ایک حدیث پر عمل کیا جائے۔ (درس شامزئی، ص 7)

الادب الثانی:

ادب الاستاذ: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ۱: طاعت، ۲: خدمت۔ ۳: عظمت، ۴: عدمِ استنکاف علی التادیب۔

الادب الثالث:

ادب الکتاب: ٹیک نہ لگائے۔ لیٹ کر نہ پڑھے، اس کی طرف پاؤں نہ کرے۔ مختلف فنون کی کتب ہوں تو ترتیب کا لحاظ کرے۔

الادب الرابع:

ادب المدرسہ۔ مدرسہ کے ملازمین اور عملہ کا ادب ملحوظ رکھے۔ کھانے پینے میں معترض نہ ہو۔

الادب الخامس:

الادب بالائمة الفقہاء۔ حدیث کے سبق کے دوران کوئی حدیث کسی امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے، تو دوران

بحث کسی بھی امام کی بے ادبی نہ کرے۔

الادب السادس:

آپ ﷺ کے نامِ نامی کے ساتھ درود شریف، حضراتِ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ترضیہ اور ائمہ دین کے ساتھ ترحیم کا خیال کرے۔

الادب السابع:

استعانت من اللہ تعالیٰ، اپنی محنت پر عدم اعتماد کرتے ہوئے مددِ خداوندی کا خواہاں رہے۔

الادب الثامن:

کتبِ حدیث کو حتی الامکان باوضو پڑھے۔

الادب التاسع:

استکبار نہ ہو ____ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: مستحیی اور متکبر علم سے محروم رہتے ہیں۔

الادب العاشر:

آدابِ مذکورہ میں قصداً یا بلا قصد کوتاہی صادر ہو جائے تو قلبی ندامت کے ساتھ مغفرت کا خواہاں ہو۔
مطلق علم حدیث کے بارے میں جو مبادیاتِ ضروریہ ہیں۔ وہ یہاں تک الحمد للہ تکمیل کو پہنچیں ____ تاہم الجامع الصحیح للبخاری ؒ اور حضرتِ امام بخاریؒ کے احوال کے سلسلہ میں آگے گفتگو کی جاتی ہے۔

ترجمۃ المؤلَّف

یعنی صحیح بخاری پر ایک اجمالی نظر برائے عمومی تعارف
مؤلَّف سے مراد الجامع الصحیح للبخاریؒ ہے ____ صحیح بخاری شریف کا پورا نام:
الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سننہ و ایامہ ____
یہ حدیث شریف کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں صرف مرفوع روایات اور صحیح روایات ہی اصل مقصود ہیں۔ اس کی کل احادیث 7275 مع التکرار ہیں اور بلا تکرار تقریباً 4000/. ہزار ہیں۔
صحیح بخاری کے مکمل اور حقیقی تعارف کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کتبِ احادیث کا تعارف ہو، تا کہ پھر اس روشنی میں صحیح بخاری کا مقام واضح ہو سکے۔

کتبِ حدیث کی اقسام

چنانچہ کتبِ حدیث کی متعدد اقسام ہیں۔ چند مشہور یہ ہیں:-

۱: جامع، ۲: سنن، ۳: مسند، ۴: معجم، ۵: جزء، ۶: مفرد، ۷: غریب، ۸: مستخرج، ۹: مستدرک، ۱۰: مسلسلات، ۱۱: مراسیل، ۱۲: اربعینات، ۱۳: تعلیقات۔

(۱)۔۔ جامع: وہ کتاب جس میں تفسیر، عقائد، آداب واحکام، مناقب وسیر، فتن اور علاماتِ قیامت وغیرہ ہر قسم کے مسائل کی احادیث درج ہوتی ہیں جیسے بخاری وترمذی۔

(۲)۔۔ سنن: وہ کتاب ہے جس میں احکام کی احادیث ابوابِ فقہ کی ترتیب کے مطابق بیان ہوں۔ جیسے سنن ابی داوٗد، سنن ابن ماجہ۔

(۳)۔۔ مسند: وہ کتاب ہے جس میں حضراتِ صحابہ کرامؓ کی ترتیب رتبی یا حروفِ تہجی کی ترتیب یا تقدم وتاخر اسلامی کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں۔ جیسے مسند احمد ومسند دارمی۔

(۴)۔۔ معجم: وہ کتاب ہے جس میں وضعِ احادیث میں ترتیب اساتذہ کا لحاظ ہو لیکن ترتیب کی مندرجہ بالا اقسامِ ثلاثہ کو ملحوظ رکھا گیا ہو، جیسے معجم طبرانی۔

(۵)۔۔ جز: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک ہی مسئلہ کی احادیث جمع کی گئی ہوں۔ جیسے جزء القراءۃ للبخاری ﷺ، جزء رفع الیدین للبخاری۔

(۶)۔۔ مفرد: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک محدث کی کل مرویات مذکور ہوں۔

(۷)۔۔ غریب: وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک محدث کے متفردات جو کسی شیخ سے ہوں وہ مذکور ہوں۔

(۸)۔۔ مستخرج: وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی حدیثوں کی زائد اسناد کا استخراج کیا گیا ہو جیسے مستخرج ابی عوانہ۔

(۹)۔۔ مستدرک: وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی شرط کے موافق اس کی چھوٹی ہوئی احادیث کو پورا کردیا گیا ہو جیسے مستدرک حاکم۔

(۱۰)۔۔ مسلسلات: وہ کتب ہیں جن میں صرف احادیثِ مسلسلہ کو جمع کیا گیا ہو۔ اور حدیثِ مسلسل اس حدیث مبارکہ کو کہتے ہیں جس کی سند کے تمام رواۃ کسی وصف میں شریک یا متفق ہوں۔

(۱۱)۔۔ مراسیل: وہ کتب جن میں صرف مرسل احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے مراسیل ابی داوٗد۔

(۱۲)۔۔ اربعین: جن کتب میں چالیس کے عدد کو ملحوظ رکھ کر احادیث جمع کی گئی ہوں جس کو ہمارے ہاں چہل حدیث کہتے ہیں، جیسے اربعین نوویؒ۔

(۱۳)۔۔ تعلیقات: وہ کتب جن میں مرویات کو بلاسند ذکر کیا جائے۔ خواہ صحابی مذکور ہو یا نہ ہو۔ جیسے مصابیح السنہ اور مشکوٰۃ المصابیح۔

اس تفصیل کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ بخاری شریف اور ترمذی شریف جامع ہیں، البتہ مسلم شریف کے جامع ہونے میں

اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ یہ جامع نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں کتاب التفسیر نہایت ہی مختصر ہے۔ بہرحال ان سب میں صحاح ستہ سب سے زیادہ مقبول ہیں جو ایک عرصے سے عالم میں زیر درس ہیں ـــــ

مراتبِ صحاح ستہ

مراتب معلوم ہونے سے پہلے اصحاب صحاح ستہ کی شرائط معلوم ہونی چاہئیں۔ چنانچہ رواۃِ حدیث کی اجمالی طور پر پانچ اقسام ہیں۔

۱ . . . کامل الضبط و الاتقان و کثیر الملازمۃ للشیوخھم۔

۲ . . . کامل الضبط و الاتقان و قلیل الملازمۃ۔

۳ . . . ناقص الضبط و کثیر الملازمۃ۔

۴ . . . ناقص الضبط و قلیل الملازمۃ۔

۵ . . . ناقص الضبط و قلیل الملازمۃ مع الجرح۔

۱ . . . امام بخاریؒ پہلی قسم کے راویوں سے بالاستیعاب حدیث لیتے ہیں اور دوسری قسم سے انتخاب کرتے ہیں۔

۲ . . . امام مسلمؒ پہلی دو اقسام سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور تیسری قسم سے انتخاب فرماتے ہیں۔

۳ . . . امام نسائیؒ پہلی تین قسموں سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور چوتھی قسم سے انتخاب فرماتے ہیں۔

۴ . . . امام ابوداوٗدؒ پہلی چار قسموں سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور پانچویں قسم سے انتخاب فرماتے ہیں۔

۵ . . . امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ سب قسم کی روایات لیتے ہیں ـــــ لیکن فرق یہ ہے کہ امام ترمذیؒ روایت و حدیث کا درجہ بتادیتے ہیں کہ یہ کس قسم کی حدیث ہے ـــــ لیکن امام ابن ماجہؒ درجۂ روایت نہیں بتاتے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ پہلا درجہ و مقام بخاری شریف کا ہے۔ دوسرا مسلم، تیسرا مرتبہ نسائی اور چوتھا مرتبہ ابوداوٗد، پانچواں مرتبہ ترمذی شریف اور چھٹا ابن ماجہ کا ہے۔

فائدہ:　طحاوی شریف کا مرتبہ ابوداوٗد کے برابر ہے۔

فائدہ:　امام بخاریؒ پانچ طبقات سے روایت لیتے ہیں۔

(۱) تبع تابعین سے جیسے مکی بن ابراہیمؒ اور ابو عاصم النبیلؒ اس طبقہ سے امام بخاریؒ کی سند عالی ہوجاتی ہے۔

(۲) تبع تابعین کے ہم عصر حضرات سے، تبع تابعین کے زمانے میں پیدا ہوئے ان سے روایت کی۔ تو یہ اتباع تابعین شمار ہوئے۔

(۳) تبع تابعین کے شاگرد جو کبار تابعین سے روایت کرتے ہیں۔

(۴) امام بخاریؒ کے ہم عصر اقران میں باہمی معمولی فرق کے باوجود ان سے روایت لے لی جیسے حضرت محمد بن یحییٰ ذہلی (کیونکہ وہ روایت پاس نہ تھی)

(۵) شاگردوں سے بھی روایت لے لی اس کو عار نہ سمجھا۔ جیسے امام ترمذیؒ یہ حضرت امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں مگر دوسرے مشائخ سے یہ جو روایات لیکر آئے جو امام بخاریؒ کو نہیں پہنچی تھیں وہ لے لیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اپنی جامع میں اس کو بطور فخر ذکر فرماتے ہیں: هذا مما سمع محمد بن اسماعيل منی۔ (انعام الباری 66/1)

مقاصدِ اصحابِ صحاح ستہ

(۱) امام بخاری احادیث سے مسائل استنباط فرماتے ہیں چنانچہ ایک ہی حدیث سے بے شمار مسائل کا استخراج فرماتے ہیں۔

(۲) امام مسلمؒ احادیث کی تائید میں کثرت سے اسناد لاتے ہیں تا کہ ضعیف حدیث درجۂ حسن، اور حدیث حسن درجہ صحیح لغیرہ تک پہنچ جائے۔

(۳) امام ترمذیؒ بیان مذاہب کے ساتھ انواعِ حدیث بیان فرماتے ہیں۔

(۴) امام ابوداوٗد ائمہ مجتہدین کے دلائل جمع فرماتے ہیں۔

(۵) امام نسائیؒ عللِ حدیث بیان فرماتے ہیں۔

(٦) امام ابن ماجہ سب احادیث لاتے ہیں حتی کہ ضعیف بھی لاتے ہیں تا کہ ذخیرۂ حدیث سامنے آجائے۔ اور کچھ چھپا نہ رہ جائے۔

فائدہ: حضرات اساتذہ کرام کے ہاں راجح ترتیب یہ ہے کہ پہلے ترمذی شریف پڑھائی جائے تا کہ مذاہب کا علم ہوجائے پھر ابوداوٗد شریف پڑھائی جائے تا کہ دلائل کا علم ہوجائے پھر بخاری شریف تا کہ طرزِ استنباط کا علم ہوجائے۔ پھر مسلم شریف تا کہ مزید احادیث سے تائید حاصل ہوجائے۔ پھر نسائی شریف تا کہ عللِ احادیث سامنے آجائیں پھر ابن ماجہ تا کہ نوادرات کا بھی علم ہوجائے۔ پھر موطا امام مالکؒ تا کہ آثار سے بھی تائید ہوجائے پھر حنفیہ کیلئے ان سے پہلے موطا امام محمدؒ اور طحاوی شریف کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔

بلکہ آثار السنن بھی مستحضر ہونی چاہیے۔ (اگر ہوسکے تو مستدلات الحنفیہ (للشیخ الامام عبد اللہ بہلوی ﷫) جو مختصر ہے کم از کم ایک نظر اسے بھی دیکھ لیا جائے۔)

اقسامِ محدثین کرامؒ

حضرات محدثینؒ کی پانچ قسمیں ہیں:

۱... طالب: جو حدیث کے حصول میں بالفعل لگا ہوا ہو۔

۲... شیخ: استاذ اور محدث کو بھی کہتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ محدث یا شیخ الحدیث اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کو بیس ہزار احادیث مع سند و متن یاد نہ ہوں۔

۳... حافظ: جس کو ایک لاکھ احادیث مع سند و الفاظِ متن یاد ہوں۔

۴۔ ۔حجت: وہ محدث جس کا علم تین لاکھ احادیث پر محیط ہو۔

۵۔ ۔حاکم: وہ محدث کہ جتنا ذخیرۂ احادیث میسر ہوسکتا ہے وہ سب کا سب اس کو مع سند و متن و مع احوالِ رواۃ یاد ہو، کاامام احمد، یحیی ابن معین وغیرہ۔

مذاہبِ اصحاب صحاح ستہ

(۱) حضرت امام بخاریؒ کا فقہی مسلک:

اس میں اختلاف ہے:

(۱) عند البعض شافعی ہیں ___ مشہور غیر مقلد عالم جناب محترم نواب صدیق حسن خان نے امام بخاریؒ کو شوافع میں شمار کیا ہے۔

(۲) علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ وغیرہ حضرات نے امام بخاریؒ کو حنبلی قرار دیا ہے۔

(۳) عند البعض حضرت امام بخاریؒ مجتہد تھے ___ پھر اس میں اختلاف ہے کہ مجتہد مطلق تھے یا مجتہد منتسب (یعنی وہ مجتہد جو اپنے امام و مقتدیٰ کے اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کرتا ہے)

ہمارے اکابر علمائے دیوبند میں سے حضرت العلام انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے مجتہد مطلق ہونے کا قول اختیار فرمایا ہے۔

(حضرت شیخ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

ہمارے اکابر میں سے علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی مثال امام بخاریؒ کی طرح ہے اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مثال امام مسلمؒ کی طرح ہے ___)

___ لیکن دورِ حاضر کے عظیم محقق شیخ الحدیث حضرتِ محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں:

ہماری تحقیق میں حضرت امام بخاریؒ شافعی المذہب تھے۔ نہ وہ مجتہد مطلق تھے نہ وہ مجتہد منتسب۔

بلکہ وہ شافعی المسلک مقلد تھے ___ مگر اس طور پر مقلد تھے جو اہلِ علم کی شان کے مناسب ہے۔

بہر حال یہ ایک حقیقتِ مسلمہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ تارکِ تقلید اور منکرِ تقلید نہ تھے۔ (ماخوذ از الہام الباری، ص 75,76)

اس لئے آج کے ترکِ تقلید اور منکرِ تقلید کے مدعیان کا امام بخاریؒ کو اپنی صفوں میں شامل کر کے اپنے علمی قد و قامت کو بلند کرنا نہ صرف تاریخ کو جھٹلانا ہے بلکہ اپنی خواہش نفسانی کی تکمیل میں حضرت امام بخاریؒ کی جلالتِ شان سے استہزاء و تخفیف ہے ___ اور علمی دنیا میں ایک بڑے مغالطے کو پھیلانا بھی ہے ___ جو فنِ حدیث اور روایتِ حدیث کے سلسلہ میں ملحوظ احتیاط کو بھی مجروح کرنا ہے ___ ایسے غیر مقلد کو منصبِ حدیث زیب نہیں دیتا۔

(۲) امام مسلمؒ شافعی ہیں۔ (۳) امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ بھی شافعی ہیں، البتہ امام ابوداؤد کے متعلق راجح یہ ہے کہ وہ حنبلی ہیں (بہر حال حنفی کوئی نہیں ___ حضرات احناف کرام نے درایتِ حدیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جو بلا عبورِ روایات ممکن نہیں ___)

مراتب بخاری ومسلم

اس میں بحث ہے کہ ان میں سے افضل کونسی کتاب ہے ــــــ؟

جمہور ائمہ ومحدثین کرام بخاری شریف کو درجہ اول دیتے ہیں ـــ لیکن بعض حضرات نے مسلم شریف کو افضل کہا ہے ــــ چنانچہ ابوعلی نیشاپوری کہتے ہیں: ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم ــــ جمہور اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی تقدیم کی نفی ہوتی ہے مسلم شریف کا فائق ہونا ثابت نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ تساوی معلوم ہوتی ہے۔

اس جملہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ امام مسلمؒ اپنی کتاب میں بالاصالۃ ہی مرفوع اور صحیح احادیث لاتے ہیں تعلیقات وموقوفات سے انہوں نے احتراز فرمایا ہے ــــ جبکہ امام بخاریؒ مرفوعات کے علاوہ موقوفات وتعلیقات کثرت سے لاتے ہیں کئی جگہ ترجمۃ الباب کا جز بھی بنایا ــــ اس تناظر میں مسلم شریف زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح مسلم بن قاسم قرطبی کا قول ہے: لم یصنع احد مثلہ، اس سے بھی مسلم شریف کی فوقیت معلوم ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول بھی جمہور کے قول کے معارض نہیں ہے کیونکہ جمہور کا بخاری شریف کو درجہ اولیت قرار دینا باعتبارِ صحت ہے اور مسلم بن قاسم کا قول حسن صناعت کے لحاظ سے ہے فلا تعارض۔

چنانچہ حافظ عبدالرحمن بن علیؒ ربیع یمنی شافعی فرماتے ہیں: ؎

تنازع قوم فی البخاری ومسلم لدیّ یقال ایّ ذین یقدّم
فقلت لقد فاق البخاری صحۃً کمافاق فی حسن الصناعۃ مسلم

خلاصہ یہ کہ بعض وجوہ سے اگرچہ مسلم شریف کو فضیلت حاصل ہے، تاہم کلی طور پر تلقی بالقبول کے لحاظ سے بخاری شریف کو فوقیت ومقام حاصل ہے۔

مسلم شریف کی فضیلت کے دلائل

(۱) امام مسلمؒ دو استاد کا ذکر کر کے ہر ایک کے الفاظ الگ الگ بیان فرماتے ہیں، جبکہ امام بخاریؒ صرف ایک کے الفاظ ذکر کرتے ہیں کیونکہ معنوی لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا دونوں جائز ہیں ــــ لیکن امام مسلم کا طرز اولیٰ ہے۔

(۲) امام مسلمؒ ایک ہی حدیث کے مختلف الفاظ یکجا بیان کر دیتے ہیں ــــ امام بخاریؒ اس کو ابواب متفرقہ ومختلفہ میں بیان کرتے ہیں ــــ بلکہ بعض دفعہ تو امام بخاریؒ ایک حدیث کو ایسی جگہ بیان فرماتے ہیں جہاں اس کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اس لئے تلاش کرنے والے کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے ــــ جبکہ حدیث کتاب میں موجود ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی فضیلت کے دلائل

(۱) جمہور کے نزدیک افضلیت کے دلائل میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ بخاری شریف کے اندر متکلم فیہ صرف اسّی (۸۰)

راوی ہیں جبکہ مسلم شریف میں ۱۶۰ راوی ہیں، اگر چہ ان پر ایسے اعتراضات نہیں ہیں کہ حدیث معیارِ صحت سے نکل جائے تاہم پھر بھی غیر متکلم فیہ راوی اولیٰ وارجح ہے متکلم فیہ راوی سے۔

(۲) بخاری شریف کے جو متکلم فیہ راوی ہیں وہ امام بخاری کے بلاواسطہ استاذ ہیں، ان کے حالات امام بخاریؒ پر بالکل واضح تھے، جبکہ مسلم شریف کے جو متکلم فیہ راوی ہیں وہ امام مسلم کے بلاواسطہ استاذ نہیں بلکہ درمیان میں واسطے ہیں۔

(۳) امام بخاریؒ کے نزدیک عن والی روایات میں راوی اور مروی عنہ کا لقاء ضروری ہے اگر چہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو ــــ جبکہ امام مسلمؒ کے نزدیک دونوں کے زمانہ کا ایک ہونا اور ہمعصر ہونا اتصالِ سند کے لئے کافی ہے، بالفاظِ دیگر امکانِ لقاء کافی ہے اگر چہ ثبوتِ لقاء نہ بھی ہو۔

ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے طرزِ روایت میں احتیاط زیادہ ہے اس لئے یہ بھی ایک وجہ ترجیح ہے۔

(۴) چوتھی دلیل: بخاری شریف میں استنباطاتِ فقہیہ بکثرت ہیں جبکہ یہ چیزیں مسلم شریف میں نہیں ہیں۔

(۵) بخاری شریف میں ایسے عجیب وغریب علمی نکات ہیں جو بہر حال مسلم شریف میں نہیں ہیں۔

(۶) امام بخاریؒ نے اس درجہ عمدہ ونفیس تراجم قائم کئے ہیں جو صحیح معنیٰ میں محیر العقول اور انتہائی عمیق ہیں جبکہ مسلم شریف میں اس طرز کا فقدان ہے۔ (۷) علومِ سنت کی جو جامعیت صحیح بخاری میں ہے وہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔

فائدہ جلیلہ

صحیح بخاری شریف کے تمام کتبِ حدیث پر فائق ہونے یا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ صحیح بخاری شریف کی ہر ہر حدیث دوسری تمام کتبِ حدیث کی ہر ہر حدیث پر فائق ہے کہ اس کی وجہ سے ان کو مرجوح سمجھا جائے۔

اس لئے کہ بخاری شریف کے علاوہ دیگر کتب میں بہت سی احادیث ایسی موجود ہیں جن کی سند عند المحدثین بخاری کی سند سے بھی زیادہ قابلِ وثوق ہے۔ صحاح ستہ میں سے آخری درجہ کی کتاب ابن ماجہ میں مولانا عبد الرشید نعمانیؒ نے ماتمس الیہ الحاجہ میں بہت سی ایسی روایات پیش کی ہیں جن کی سند بخاری شریف کی نسبت زیادہ قابلِ وثوق ہے۔

خلاصہ یہ کہ بخاری شریف کی تمام احادیث اگر چہ صحیح ہیں لیکن تمام صحیح حدیثوں کا مجموعہ بخاری میں جمع نہیں ہو گیا۔ بلکہ دیگر کتبِ حدیث میں بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں ــــــ

اسی طرح بعض لوگ لفظ "صحیح" کا لغوی معنیٰ لیکر یہ سمجھتے ہیں کہ بخاری کی ہر حدیث نفس الامر اور واقعہ کے مطابق ہے ــــ جبکہ امام بخاری کی مراد محض سند کی صحت کو اپنے معیار کے مطابق بنانا ہوتا ہے جو کہ صحیح کی تعریف پر پوری اترتی ہو کہ وہ متصل بھی ہے، رواۃ عادل اور تام الضبط بھی ہیں کوئی علت اور شذوذ اس میں نہیں ہے ــــ اس تعریف پر پورا اترنے کے باجود آپ ﷺ کی طرف اس کی نسبت ظنی ہوتی ہے جب کہ وہ حد تواتر کو نہ پہنچے۔ حدیث کا بڑا ذخیرہ تو اخبار آحاد ہی کا ہے جو مفید ظن ہے۔ جو یقین کے قریب ہو۔ لہٰذا اس کے معارض کوئی ایسی چیز آجائے جو عقلاً، نقلاً روایۃً ودرایۃً صحیح حدیث سے کچھ

زیادہ ہو یعنی اصح ہو تو اس صحیح حدیث کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے اگر چہ وہ بخاری شریف ہی کی کیوں نہ ہو__!

____اسی طرح بخاری شریف کی سند قوی کے ساتھ روایت ہے مگر محتمل الدلالۃ ہے اور اس کے مقابل ایک روایت سنداً اس سے کم درجہ کی ہے مگر قطعی الدلالۃ اور قابل استدلال بالیقین ہے تو اس کو راجح قرار دیا جائے گا۔ مثلاً بخاری میں حدیث مل جائے گی: **لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب** جو محتمل الدلالۃ ہے اگر چہ تمام رجال ثقہ ہیں مگر **من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ** یہ مقتدی کے بارے میں قطعی الدلالۃ ہے۔ اگر چہ صحاح ستہ میں بھی نہیں مگر سند اس کی مضبوط ہے۔ جو مسند احمد بن مَنیع اور مسند عبد ابن حُمید میں ہے۔

اب حقیقت شناس صرف یہ نہیں دیکھے گا کہ روایت صحاح ستہ میں نہیں آئی بلکہ وہ صحتِ سند کے ثبوت کے بعد قطعی الدلالہ ہونے کو دیکھے گا____

خلاصہ یہ کہ ہر صحیح حدیث کا قابلِ استدلال ہونا ضروری نہیں۔ اس میں 'محتمل الدلالۃ' یا 'وہم راوی' یا 'تعارض' کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اس لئے عمل واستنباط میں صرف صحیح ہونا کافی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ حنفیہ کا جرم یہ ہے کہ وہ محض سند کی صحت کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کے مجموعی پسِ منظر قرآن وحدیث سے ثابت شدہ اصول اور دوسرے دلائل کو مدِ نظر رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔

مگر یہ بدنامی ان کے سر تھونپ دی جاتی ہے کہ انہوں نے صحیح حدیث چھوڑ دی____ حالانکہ انہوں نے ترکِ حدیث نہیں کیا بلکہ دوسری احادیث یا شریعت کے دیگر اصولوں پر عمل کیا ہے۔ جیسے دخول فی المسجد کے نوافل صحیح حدیث سے ثابت ہیں لیکن اوقاتِ مکروہہ سے تصادم نہ ہو، دیگر دلائل سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ اہلِ حدیث نہیں بننا چاہیے بلکہ اہل سنت بننا چاہیے۔ سنت میں ان باتوں کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہ فقہاء کرام کی نگاہِ دوربین سے پرکھی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ **فافہم وتدبر!**

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: حضرت میمونہؓ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ سنداً یہ روایت صحیح ہے____ مگر امت کا اجماع ہے کہ وفات مقام سرف میں جو مکہ کے قریب ہے وہاں ہوئی۔ تو کسی حدیث میں وہمِ راوی ہوجانا صحتِ حدیث کے منافی نہیں____ صحیح ہونے کے یہ معنیٰ نہیں کہ نفس الامر کے مطابق ہے____ غلطی کا احتمال بہر حال باقی رہتا ہے____

اسی طرح تعارض کی مثال یہ ہے: حضرت زینبؓ، ان کے خاوند حضرت ابو العاص کی حالتِ شرک کی وجہ سے تفریق ہوگئی تھی____ پھر چھ ماہ بعد اسلام قبول کیا۔ اب دو روایات ہیں (۱) ایک یہ کہ حضرت زینب بلا نکاح واپس کردی گئیں، یہ روایت سنداً صحیح ہے، ترمذی شریف میں ہے اور دوسری بھی ترمذی میں ہی ہے کہ نکاح جدید اور مہر جدید طے پایا تھا۔ امام ترمذیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا **وعلیہ عمل اہل العلم**، یہ محدثینؒ فرماتے ہیں، حنفیہ نہیں۔ صحیح کے مقابلے میں ایک ضعیف حدیث کو عملی لحاظ سے ترجیح دی گئی ہے۔ کیونکہ 'شرک' باعثِ تفریق ہے یہ ایک مسلمہ ومتفقہ اصول ہے۔ (از انعام الباری 1/122)

کیا بخاری شریف صرف حدیث کی کتاب ہے؟

حضرت امام بخاریؒ کو مجتہد مطلق کے درجہ پر فائز مانا جاتا ہے اگرچہ ان کا مذہب ومسلک باضابطہ مدون ومرتب نہیں۔ تاہم تجزیاتی طور پر یہ کہنا بھی قرین قیاس ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے مستنبطہ مسائل کو تراجم وابواب میں سمو دیا ہے ــــــ ترجمہ بطور دعویٰ ذکر فرماتے ہیں جو ایک مسئلہ فقہی ہوتا ہے اور آنے والی حدیث اس کی دلیل ہوتی ہے ــــــ اپنے اسی فقہی ذوق کی وجہ سے بعض اوقات بقدر ضرورت دلیل (حدیث) ذکر فرماتے ہیں۔ روایت کا پورا متن بھی ذکر نہیں فرماتے۔ بخاری شریف میں بحذفِ تکرار احادیث کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے ــــــ جبکہ تراجمِ ابواب کی تعداد ساڑھے چھ ہزار سے زیادہ ہے۔

اسی تناظر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بخاری شریف میں احکام ومسائل کی تعداد زیادہ اور احادیث کی تعداد کم ہے۔ یہ فقہی ترتیب کی علامات ہیں۔

قرآن وفقہ یا حدیث وفقہ الگ چیز نہیں۔ قرآن وحدیث متن ہیں ان سے مستنبط مسائل فقہ ہیں ــــــ ان میں تضاد سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دہی اور گھی کو دیکھ کر اس کو دودھ کا متضاد مان لے۔ حالانکہ وہ دودھ کی صورت میں پہلے درجہ پر ایک ہی چیز ہے۔

ترجمة المؤلِّف

حضرت امام بخاریؒ کا نام نامی محمد بن اسماعیل، کنیت: ابوعبداللہ ہے اور سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

محمد بن اسماعیل بن ابراهیم بن مغیرہ بن بَرْدِزْبَہ جعفی بخاری۔ بردزبہ[1] فارسی کا لفظ ہے، اس کا معنیٰ کاشتکار کے آتے ہیں۔ ان کے متعلق تصریح ہے کہ یہ مسلمان نہیں ہوئے، مجوسیت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ پھر ان کے بیٹے مغیرہ، یمان جعفی جو بخارا شہر کے والی تھے۔ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اور ان سے عقد موالات بھی کیا۔ اس لئے امام بخاریؒ کو جعفی بھی کہتے ہیں۔ جعفی کی نسبت امام بخاری کی اپنے قبیلے کی طرف نہیں ہے۔

امام بخاریؒ کے دادا حضرت ابراہیم کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

واما ولده ای ولد المغیرہ: ابراهیم بن المغیرہ فلم نقف علی شیءٍ من اخبارہ ــــــ البتہ امام بخاریؒ کے والد ماجد حضرت اسماعیلؒ (ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔) جید علماء میں سے تھے ــــــ چنانچہ ابن حبانؒ نے ان کا کتاب الثقات

---

[1] حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ فرماتے ہیں: عام طور پر مؤرخین وشارحین نے یہ لفظ اسی طرح ضبط کیا اور اس کے معنیٰ "کسان" تحریر فرمائے ہیں لیکن روس کے ایک مشہور عالم سے میری مکاتبت ہوئی تو انہوں نے اس لفظ کی صحیح تعریب "بردازبہ" قرار دی یعنی دال کے بعد الف ہے اور اس کے معنیٰ صیقل اور ماہر کے بتائے ہیں۔ یہ عالم صرف ونحو کے بہت بڑے عالم ہیں اور ان بلاد کی زبانوں سے بھی پورے طور پر واقف ہیں اس لئے ان کی تحقیق قابل اعتماد ہے۔ (تذکرہ ائمہ اربعہ ومشہور محدثین ص 38 حاشیہ 2 بحوالہ صحیح بخاری شریف کا آخری درس از مولانا مفتی محمد عمر فاروق لوہاروی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم لندن ص 20)

میں ذکر کیا ہے اور فرمایا: اسماعیل بن ابراہیم والد البخاری یروی عن حماد بن زید و مالک۔ حضرت اسماعیلؒ کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ اپنی وفات کے وقت فرمایا: لا اعلم فی جمیع مالی درھما من شبھۃ
نیز موجود حضرات محدثین سے فرمایا: میرے اسی مال سے میرے بچے کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے۔
حضرت اسماعیلؒ طبقہ رابعہ کے راوی ہیں قالہ ابن حجرؒ (درس شامزئی، ص 11)

ولادت ووفات:

امام بخاریؒ کی ولادت جمعۃ المبارک ۱۳ شوال المکرم ۱۹۴ھ نماز جمعہ کے بعد بخاریٰ میں ہوئی اور وفات خرتنک[1] جو سمرقند کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ اتوار کی رات جو عید الفطر کی بھی رات تھی ۲۵۶ھ میں وفات ہوئی۔ کل عمر ۶۲ سال تھی۔
ان کے والد ماجد بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ آبائی وطن بخاریٰ ہے۔ امام بخاریؒ کی بینائی بچپن میں جاتی رہی۔ والدہ محترمہ ان کے لئے بڑی آہ وزاری سے دعائیں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ خواب میں حضرت سیدنا ابراہیمؑ کی زیارت ہوئی ــــــ تو فرمایا: اللہ نے آپ کی دعا کی وجہ سے آپ کے بچے کی آنکھیں واپس کردی ہیں۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو بینائی واپس آچکی تھی۔ (سبحان اللہ)

طلب علم:

ابوجعفر وراق نے امام بخاریؒ سے سوال کیا: کیف کان بدء امرک۔ جواب میں فرمایا: میں مکتب جاتا تھا۔ اسی وقت مجھے حفظِ حدیث کا الہام کیا گیا۔ اس وقت میری عمر دس سال کے قریب تھی۔ سولہ سال کی عمر میں امام بخاریؒ نے ابن مبارک، وکیع، اور اصحاب الرائے کی کتب یاد کرلی تھیں۔ اور ۲۱۰ھ میں جبکہ امام بخاریؒ کی عمر شریف ۱۶ برس کی ہوئی تو اپنے والد ماجد کی پاکیزہ کمائی سے اپنے بھائی احمد اور اپنی والدہ کے ہمراہ حج مبارک کو تشریف لے گئے۔
حج مبارک کے بعد اساتذہ حجاز سے حدیث حاصل کرنے کے لئے وہیں ٹھہر گئے۔ محترمہ والدہ اور بھائی واپس آگئے۔
جس جگہ تعلیم تھی وہاں کھانے کا انتظام نہیں تھا۔ طلبہ کرام باری باری مزدوری کرتے اور مل کر کھاتے۔
ایک روز امام صاحب نے فرمایا "جس روز مزدوری کی باری ہوتی ہے اس روز تکرار میں مزہ نہیں آتا۔ لہٰذا میں باری نہیں کروں گا۔" دوسرے طلبہ کرام نے کہا پھر کھانا بھی نہیں ملے گا ـــ چنانچہ کئی روز بھوکے رہے۔ اس وقت کے خلیفہ کو آپ ﷺ کی زیارت ہوئی کہ میرے مہمان بھوکے ہیں۔ وہ خلیفہ بیدار ہوا تو بہت پریشان ہوا۔
تلاش کے بعد کسی نے بتلایا کہ فلاں جگہ طلبہ کرام پڑھتے ہیں وہاں پتہ کرو۔ تفتیش کی تو پتہ چلا محمد بن اسماعیلؒ بھوکے ہیں۔
چنانچہ خلیفۂ وقت نے تمام طلبہ کرام کا وظیفہ مقرر کردیا۔
آپ نے ایک ہزار اسی اساتذۂ کرام سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو محدث نہ ہو۔

---

[1] اس بستی کا پہلا نام کچھ اور تھا اصل کے وقت بطور سواری گدھے لائے گئے ان کے لئے جگہ تنگ تھی تو اس جگہ کا نام اسی مناسبت سے خرتنگ ہو گیا۔

تلامذہ بخاریؒ:

علامہ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؒ کے تلامذہ کرام کی تعداد کم وبیش نوے ہزار (90,000) ہے۔

تصانیف:

۱۸ سال کی عمر میں ایک کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین تحریر فرمائی۔ اس کے بعد تاریخ کبیر تصنیف فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں جزء رفع الیدین فی الصلوٰۃ، جزء القراءۃ خلف الامام، اور کتاب الادب، کتاب الضعفاء وغیرہ اور سب سے اہم کتاب بخاری شریف ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب عرصہ سولہ سال میں تکمیل کو پہنچی ۲۱۷ھ میں شروع ہوئی ۲۳۳ھ میں ختم ہوئی۔

بخاری شریف کے محل تصنیف میں تعارض اور اس کی تطبیق

تعارض: ایک روایت میں ہے کہ ریاض الجنۃ میں غسل ونوافل کے بعد بخاری شریف تصنیف فرمائی۔ دوسری یہ کہ حطیم کعبہ میں لکھی۔ نیز یہ بھی آتا ہے کہ سولہ سال میں تصنیف پایۂ تکمیل کو پہنچی حالانکہ سولہ سال قیام مکہ یا قیام مدینہ ثابت نہیں ہے ــــ

تطبیق: ان روایات میں تطبیق اس طور پر ہے کہ تراجم بخاری مکمل ایک ہی مرتبہ روضۂ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے قریب بیٹھ کر لکھے ــــ اس کے بعد جتنی احادیث ملتی رہیں، ان کو انتخاب کر کے درج فرماتے رہے ــــ باقی حطیم والی روایت اس پر محمول ہے کہ حطیم کعبہ میں بیٹھ کر نظر ثانی فرمائی ہو ــــ چونکہ امام بخاریؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی الصحیح تین مرتبہ تصنیف کی ہے۔

بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ احادیث پہلے لکھیں اور ابواب وتراجم بعد میں قائم کئے ہیں، پھر مسودہ سے تبییض فرمائی ہو۔

حضرت امام بخاریؒ پر دورِ ابتلاء

جو عموماً امت کے محسنین کے ساتھ روشِ زمانہ کے طور پر ہوتا چلا آیا ہے۔

امام بخاریؒ پر ان کی زندگی میں مختلف ابتلاء بھی آئے، تاہم دو ابتلاء مشہور ہیں۔

ابتلاء اول

پہلا ابتلاء یہ ہوا کہ مسئلہ خلق قرآن کریم امام احمد بن حنبلؒ کو پیش آیا تھا انہوں نے کہا تھا:

کلام اللہ غیر مخلوق: اس پر انہیں کوڑے کھانے پڑے ــــ لیکن ان کے شاگردوں نے غلو سے کام لیا اور کہنے لگے کہ قرآن کریم کے کاغذ، گتے، نقوش شدہ مصحف اور جو ہم پڑھتے ہیں یہ سب قدیم ہیں۔

ادھر امام بخاریؒ نے فتویٰ دیدیا کہ لفظی بالقرآن مخلوق۔یعنی جو ہم زبان سے قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں یہ الفاظ مخلوق ہیں قدیم نہیں ہیں ـــــ البتہ کلام اللہ جو صفت باری تعالیٰ ہے وہ قدیم ہے ـــــ یعنی کلام نفسی قدیم ہے ـــــ اس لئے حنابلہ ان کے مخالف ومقابل آ گئے۔حضرت امام بخاریؒ کو گالی گلوچ کرتے تھے ـــــ اس صورتِ حال سے نیشاپور سے نکلنا پڑا۔

ابتلاء ثانی

بخاریٰ کے امیر خالد بن ذہلی نے امام بخاریؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے بچے آپ کے پاس حدیث پڑھنا چاہتے ہیں کسی وقت آ کر انہیں حدیث پڑھادیا کریں۔حضرتؒ نے جواباً کہلا بھیجا کہ میں حدیث کی تذلیل نہیں کرسکتا۔جس نے یہ بلند علم حاصل کرنا ہو دروازہ کھلا ہے طالب بن کر آئے قدردانی سے پڑھے۔امیر بخاریٰ نے اس کو منظور کرلیا تاہم کہا کہ بچوں کے ہمراہ میں شرف باریابی حاصل کروں گا ـــــ لیکن شرط یہ ہے اس وقت دیگر لوگ تعلیم کے لئے موجود نہ ہوں۔صرف میرے بچوں کو ہی بطورِ خاص حلقۂ خاص میں تعلیم دی جائے۔

حضرت امام بخاریؒ نے اسے بھی رد فرمادیا اور کہا بحیثیتِ طالب علمِ حدیث سب برابر ہیں۔اس پر اس نے دوبارہ پیغام بھجوایا ـــــ کہ ممتاز طور پر عام حلقے سے ہٹ کر خصوصیت کے ساتھ پڑھایا جائے۔اس پر حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا آپ عام طلبہ کرام کے حلقۂ درس پر بحیثیتِ امیر و گورنر پابندی لگادیں۔میں اللہ کے ہاں معذور ہوجاؤں گا ـــــ اس کے بعد میں خاص وقت آپ کے بچوں کے لئے نکال لوں گا۔یہ بھی اس کو ناگوارِ خاطر گذرا ـــــ امیر کو اس بات پر غصہ آیا اور وہ سیخ پا ہو گیا۔اس نے حضرت امام بخاریؒ کو بخاریٰ سے نکل جانے کا حکم دیدیا ـــــ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے بخاریٰ کو الوداع کہا اور نکلتے وقت دعا کی:

اے اللہ! جس طرح اس امیر نے مجھے نکالا ہے تو بھی اس کو اسی طرح ذلیل ورسوا کرکے یہاں سے نکال دے۔

چنانچہ ایک ماہ سے پہلے اس امیر سے حاکمِ اعلیٰ کسی غلطی پر ناراض ہوگیا اور حکم دیا کہ اسے معزول کرکے گدھے پر سوار کرایا جائے۔اور منہ کالا کرکے پورے شہر میں گھمایا جائے ـــــ اور پھر شہر بدر کردیا جائے۔

صدق رسول اللہ ﷺ: من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب (او کما قال ﷺ)

سانحۂ ارتحال امام بخاریؒ

حاکم بخاریٰ نے جب بخاریٰ سے نکل جانے کا حکم دیدیا اور اہل سمرقند کو اطلاع ہوئی انہوں نے حضرت امام کو سمرقند تشریف آوری کی دعوت دی جس کو قبول کرلیا گیا۔

تاہم جب سمرقند سے تین فرسخ کا فاصلہ رہ گیا تو ایک بستی خرتنگ پہنچ کر امام بخاریؒ کو معلوم ہوا کہ اہل سمرقند تذبذب کا شکار ہیں ـــــ لہٰذا امامؒ نے مستحکم فیصلہ ہونے تک اسی بستی میں غالب بن جبریل کے ہاں بطور مہمان پورا رمضان گذارا۔اسی تناظر میں یہ دعاء فرمائی:

اللھم ضاقت علی الارض بما رحبت، فاقبضنی الیک غیر مفتون

آخری دن اہلِ سمرقند نے بالاتفاق دعوت دی اور ایک قاصد روانہ کیا ــــــ جس نے چاندرات میں اطلاع دی۔

حضرت امام تیار ہو کر سواری کی طرف چلے۔ اچانک ضعف محسوس ہوا زمین پر بیٹھتے ہی مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ یکم شوال المکرم ۲۵۶ھ کو وفات ہوئی۔

غالب کا کہنا ہے بعد از وفات جسم اطہر سے اس قدر پسینہ جاری ہوا جیسے غسل کا پانی جمع ہو گیا۔ دفن کے بعد آپ کی قبر مبارک سے مشک و عنبر سے بھی زیادہ عمدہ خوشبو آنے لگی۔

اس کرامت کے ظہور کے بعد دشمن بھی پشیمان ہونے لگے اور مزار مبارک پر آ کر توبہ و استغفار کرتے رہے۔

ع ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہو جانا

خطیب بغدادی نے حضرت عبدالواحد بن آدم کے حوالہ سے نقل کیا: ایک روز میں ظہر بعد سو گیا ــــ خواب میں آپ ﷺ مع صحابہ کرامؓ راستہ میں منتظر پایا۔ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا: محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہا ہوں۔

بعد میں امام بخاریؒ کی وفات کی خبر ملی۔ تو یہ بعینہ وہی وقت تھا جب حضرت امام کو دفن کیلئے لے جایا جا رہا تھا۔ ؎

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

(متعلقاتِ دورہ حدیث شریف)

امام بخاریؒ کی قوتِ حافظہ کا کمال

امام بخاریؒ اپنے بچپن میں محدث داخلیؒ کی مجلس میں جایا کرتے تھے۔ یہ مجلس نہایت وسیع ہوتی تھی جس میں اکابرینِ وقت اور جلیل القدر اصحابِ علم شرکت کرتے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ صغرسنی کی وجہ سے ایک کونے میں جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے ــــ تاہم فرماتے ہیں کہ ایک بار محدثِ داخلی نے سند روایت بیان کرنا شروع کی۔ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم ــــ تو میں نے جسارت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ابو زبیر حضرت ابراہیمؒ سے روایت نہیں کرتے۔

انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا ــــ میں نے پھر عرض کیا: آپ اپنی بیاض و کاپی دیکھ لیں ــــ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کیف ھو یا غلام! اے بچے پھر یہ سند کس طرح ہے ــــ میں نے عرض کیا: ابو زبیر کی بجائے زبیر بن عدی صحیح ہے ــــ استاذ محترم محدثِ داخلیؒ نے یہ سن کر میرا ہی قلم لے کر اسے اپنی بیاض میں درست فرمالیا اس وقت میری عمر کل گیارہ سال تھی۔

اسی طرح بغداد میں دورانِ تعلیم دیگر رفقاء کرام لکھتے تھے اور یہ نہ لکھتے تھے۔ پھر رفقاء کرام نے کہا یہ آپ وقت ضائع کرتے ہو ــــ! تو انہوں نے کہا میں تمہیں وہ تمام احادیث سنا دیتا ہوں جو تم نے لکھی ہیں۔ چنانچہ ایک ہی مجلس میں پندرہ ہزار

احادیث سب کی سب سند ومتن کے ساتھ سنادیں۔ نیز بغداد پہنچنے پر وہاں کے حضرات محدثینؒ نے امتحان کے لئے دس حضرات کا انتخاب کرکے ان کے سامنے احادیث پڑھیں اور آپ فرماتے گئے لا اعرف: اور بعد میں پوری ترتیب کے ساتھ اولاً غلط حدیث پڑھتے تھے اور بعد میں صحت روایت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ پھر ان لوگوں کو آپ کے حافظہ پر بہت تعجب ہوا ــــــ

آپ کے یاسمین رخسار پر ابھی غدود نہ ابھرا تھا کہ سفر بصرہ پیش آیا چونکہ سارے عالم پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی اس لئے مشہور ہوگیا کہ امام بخاریؒ بصرہ آرہے ہیں۔ اہل بصرہ نے پرزور استقبال کیا، بہت کچھ منت سماجت کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اہل بصرہ! اگرچہ میں جوان ہوں اور تم میں سے بہت سے شیوخ بھی بیٹھے ہوئے مگر میں آج وہ حدیثیں بیان کروں گا جو اہل بصرہ نے تمہیں سنیں باوجودیکہ ان کے راوی اہل بصرہ ہی ہیں ــــ ازاں بعد بغداد کا سفر کیا۔ (ارشاد الباری 35)

وجۂ تالیف

حضرت امام بخاریؒ کو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت مبارک نصیب ہوئی۔ اور دیکھا کہ:

میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور دستی پنکھے کے ذریعہ آپ ﷺ کے جسم مبارک سے مکھیاں اڑا رہا ہوں ــــ

اپنے استاذ محترم حضرت اسحاق بن راہویہؒ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

آپ کسی وقت آپ ﷺ کے ذخیرہ احادیث سے موضوع اور ضعیف روایات کو الگ کروگے ــــ

چنانچہ اس کے بعد حضرت امام بخاریؒ نے اپنی یہ کتاب بخاری شریف تالیف فرمائی اور یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور خوب ہوا۔

امام بخاری کا ذوق اسلوب

جو آج بھی مشعل راہ ہے۔

امام بخاریؒ نے جب "لفظی بالقرآن مخلوق" کا واضح مسلک اختیار کیا تو ان کے استاذ امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ نے ان پر "ضال ومضل" کا فتویٰ لگادیا۔ ردعمل میں امام ابوزرعہ اور ابوحاتم نے امام بخاریؒ کی روایات کا بائیکاٹ فرمادیا۔

اس کے نتیجے میں امام بخاریؒ کو نیشاپور چھوڑنا پڑا۔ امام بخاری کی یہ عظمت کی دلیل ہے امام ذہلیؒ کے فتویٰ کو قبول نہیں فرمایا۔ مقابلہ بھی نہیں کیا اور اس درجہ احترام فرماتے رہے کہ بخاری شریف میں اپنے استاذ محترم سے تیس (۳۰) کے لگ بھگ روایات لی ہیں۔ جو آج بھی بخاری شریف میں درج ہیں۔

آج کے دور میں علمی، دینی، سیاسی اور ذوقی اختلافات ہیں۔ مگر ہم سب کو بے ادبی سے بچنا اور اختلاف رائے کو برداشت کرنا جو حضرت امام بخاریؒ کا ذوق ومشرب ہے ــــ یہ ہمارے لئے لائحہ عمل ہے۔

عدد احادیث بخاری شریف

امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے بخاری شریف کو مرتب فرمایا ___ اس کے بعد منتخب روایات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں: مکررات سمیت کل تعدادِ روایات سات ہزار دو سو پچھتر (7275) ہیں اور حذفِ مکررات کے بعد ساڑھے تین ہزار ہیں۔ (3500) ____

جبکہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کل احادیث 9082 (نو ہزار بیاسی) ہیں۔ مکررات کے حذف کے بعد 2500 (پچیس سو) ہیں ___ اس لئے کہ امام بخاریؒ نے ایک ایک حدیث پر پندرہ پندرہ اور سولہ تک ابواب و تراجم قائم فرمائے ہیں۔

سوال: تکرار عیب ہوتا ہے تو ایسی مہتم بالشان کتاب میں اس کا نہ ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

جواب: ایک تکرار صوری ہوتا ہے ایک تکرار حقیقی ہوتا ہے۔ تکرار حقیقی اسے کہتے ہیں جو بلا فائدہ ہو ___ اور جو تکرار تاکید یا تاسیس کے لئے ہو اور اونیٰ فائدہ پر مشتمل ہو وہ تکرار صوری ہوتا ہے، حقیقی نہیں ہوتا ___ جبکہ ممنوع تکرارِ حقیقی ہے نہ کہ صوری ____

ثلاثیاتِ بخاری

ثلاثیات: بخاری شریف کی وہ روایات ہیں جن میں امام بخاریؒ اور آپ ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ایک صحابی، ایک تابعی، اور ایک تبع تابعی کا ___ بخاری شریف میں ایسی ثلاثیات کل بائیس (22) ہیں۔ جن میں سے بیس ثلاثیات کے راوی جو حضرت امام بخاریؒ کے استاذ ہیں وہ حنفی ہیں۔ جن کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:

۱... الضحاک بن مَخلَدْ ابو عاصم النبیل: المتوفی: ۲۱۲ھ، ان سے چھ ثلاثیات مروی ہیں۔

۲... مکی بن ابراھیم البلخی المتوفی ۲۱۵ھ ان سے گیارہ ثلاثیات مروی ہیں۔

۳... محمد بن عبد اللہ المثنی الانصاری المتوفی ۲۱۵ھ ان سے تین ثلاثیات مروی ہیں۔

بہر حال ثلاثیات کی بڑی تعداد رواۃ میں حضرات احناف ہیں۔

فائدہ: ا ثلاثیات کے رواۃ کے علاوہ حضرت امام بخاریؒ کے اساتذہ کرام میں بے شمار اور استاذ الاساتذہ حضرات احناف بہت زیادہ ہیں۔

فائدہ: ۲ ان ثلاثیات کو کتاب بخاریؒ میں بڑا مقام حاصل ہے۔ حضرات علماء کرام نے ثلاثیات پر مستقل کتب اور شروحات لکھی ہیں۔ جب ثلاثیات کا یہ مقام ہے تو ثنائیات کا رتبہ و درجہ ان سے بھی کہیں بڑا ہوگا ___ جبکہ فقہ حنفی کا مدار ہی ثنائیات پر ہے۔ تو فقہ حنفی کی جلالت شان اور ضبط و اتقان کا کیا عالم ہوگا۔

اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں۔ تو براہِ راست روایت صحابی یا تابعی سے فرماتے ہیں۔ فافهم ____

قال بعض الناس کا تعارف

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں "قال بعض الناس" کے عنوان سے اکثر حضرات احناف پر اعتراضات کئے ہیں ـــــ ان اعتراضات کی وجہ سے بعض حضرات یہ تاثر دیتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے نام بھی نہیں لیتے۔ کیونکہ قال بعض الناس کا عنوان تنقیصِ شان کے لئے معلوم ہوتا ہے ـــــ

تاہم یہ بات حقائق کے خلاف ہے ـــــ بلکہ حضرت امام بخاریؒ غایتِ تقویٰ کی بنا پر نام نہیں لیتے تا کہ غلط نسبت لازم نہ آئے۔ شخصیت متعین نہ ہونے کی وجہ سے نام نہیں لیتے۔ اس لئے کہ حضرت امام اعظمؒ کے ساتھ فقہ حنفی کی تدوین میں چالیس آدمیوں پر مشتمل ایک علمی جماعت تھی تو کس کس کا نام لیا جائے۔

سوال: حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تردید اتنے زوردار طریقہ سے کیوں فرماتے ہیں؟

جواب: یہ بھی غایتِ تقویٰ کی بنا پر ہے۔ جب کوئی بات ان کی طرف منسوب ہو کر پہنچی اور ان کے علم کے مطابق دین وشریعت کے خلاف نظر آئی تو فوراً تردید کر دی۔

تاہم کتاب کے ان مقامات پر پہنچ کر یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اکثر اعتراضات سطحی قسم کے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ کو احناف کا صحیح مذہب پہنچا نہیں یا وہ صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے ـــــ

فائدہ: قال بعض الناس کہہ کر امام ابوحنیفہؒ کا ہی نہیں بلکہ بعض مقامات پر شوافع کا بھی رد فرمایا۔ (درس شامزئی، ص 16)

نسخ بخاری

امام بخاریؒ کے نوے ہزار تلامذہ ہیں۔ جنہوں نے حضرت امامؒ سے بخاری شریف سماعت کی۔ بخاری شریف کے نسخے انیس (19) کے قریب ہیں۔ جن میں سے مشہور نسخے مندرجہ ذیل حضرات اکابر کے ہیں:

(۱)... محمد بن یوسف فربری۔ (یہ گاؤں ہے) (۲)... ابراہیم بن معقل نسفی۔ (۳)... حماد بن شاکر۔ (۴)... بزدوی۔ (۵)... حافظ شرف الدین۔ (۶)... اَلْاَصِیلی۔ (۷)... کریمہ بنت احمد۔

زیادہ مشہور اور متداول نسخہ اول ہے۔ اس کے راوی کا پورا نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح فِرَبْرِی ہے۔

فربر: یہ بخارا سے تقریباً بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے فربری کہا جاتا ہے ـــــ ان کی ولادت ۲۳۱ھ کی ہے۔ اور وفات ۳۲۰ھ کی ہے۔ انہوں نے حضرت امام بخاریؒ سے آخر عمر میں دو مرتبہ صحیح بخاری پڑھی ہے۔ ایک ۲۴۸ھ میں اور ایک مرتبہ ۲۵۲ھ میں۔ اور خود ۶۴ مرتبہ انہوں نے صحیح بخاری پڑھائی۔ اس لئے ان کا روایت کردہ نسخہ مشہور اور متداول ہے۔

”شروح صحیح بخاری“

صحیح بخاری شریف کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱)… فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانیؒ: حافظؒ نے زمزم نوش کر کے بارگاہِ حق میں دعاء کی تھی کہ اے اللہ! مجھے حافظ شمس الدین ذہبیؒ جیسا حافظہ عطا کر دیجئے۔ (انعام الباری 139/1)

یہ ایسی عظیم شرح ہے جس کی علمی دنیا میں کوئی نظیر نہیں جو مقام و مرتبہ اس شرح کو نصیب ہوا ہے شاید و باید۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر حافظ الدنیا ہیں۔ اور ان کے سامنے ذخیرۂ احادیث اس طرح ہے جس طرح ہاتھ کی باریک خطوط اور لکیریں ہیں۔ یہ حضرت امام بخاریؒ کے سب سے زیادہ مزاج شناس ہیں۔ امام بخاری کے جو تصرفات، مدارک اور اسالیب ہیں۔ جتنا اور جس انداز میں یہ ان کو سمجھتے ہیں۔ اہل علم کا اتفاق ہے کہ اتنا کوئی نہیں سمجھا۔ تاہم شافعی المسلک ہیں۔ اس لئے بعض اوقات ان کی شرح میں ”عصبیت شافعیت“ کے اثرات نمایاں ہیں۔ جس کی وجہ سے شافعی مسلک کی حمایت اور اثبات میں بعض اوقات حدود کا بھی پاس نہیں رکھ پاتے۔ (انعام الباری 35/1-138)

جمع طرق میں حافظ ابن حجرؒ کی بلندی کاوش کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

”آپ یہ تصور کیجئے آج ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ احادیث کی زبردست فہرستیں اور انڈیکس موجود ہیں اور ایسے کمپیوٹر پروگرام آ گئے ہیں کہ ڈسک ڈال دیجئے اور تلاش کے خانہ میں کوئی ایک لفظ لکھ دیجئے تو سینکڑوں کتابوں میں جہاں جہاں وہ لفظ آیا ہوگا وہ کمپیوٹر پروگرام نکال دیتا ہے۔

میں جب مسلم شریف کی شرح (تکملہ فتح الملہم جو کہ چھ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔) لکھ رہا تھا تو کسی ایک حدیث کے طرق کو جمع کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس طرح ایک حدیث کے طرق جمع کرنے کے لئے بعض اوقات کئی کئی دن لگ جاتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فہرستیں تیار تھیں۔ مثلاً مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثیں چلی آ رہی ہیں۔ اگر پانچ ہزار حدیثیں مروی ہیں تو پانچ ہزار احادیث دیکھو تب جا کر مطلوبہ حدیث ملے گی۔ معاجم میں جیسے معجم طبرانی، معجم صغیر، معجم اوسط اور معجم کبیر، ان میں شیوخ کی ترتیب پر احادیث ہیں۔ ان سے احادیث نکالنا مشکل ہے۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ جب کسی حدیث کی تشریح کرتے ہیں تو اس کے جتنے طرق جہاں جہاں مذکور ہیں، کہاں کہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، مسند احمد میں یہ لفظ کہاں استعمال ہوا، وغیرہ وغیرہ، وہ سارے کے سارے ڈیڑھ سطر میں بیان کر دیتے ہیں۔ آدمی حیران ہوتا ہے کہ آج اتنی سہولتیں میسر ہیں پھر بھی وہ تمام طرق تلاش نہیں کر سکتا لیکن اس دور میں جبکہ نہ فہرستیں تھی نہ ترقی یافتہ آلات، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تمام طرق کس طرح لکھ ڈالے!

مسلم شریف کی شرح لکھنے کے دوران میں نے اس بات کی کوشش کی کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث کے جتنے طرق نقل کئے

ہیں ان میں کچھ اضافہ کرسکوں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی نئی بات کہہ سکوں۔ انیس (۱۹) سال کام کیا لیکن انیس سالوں میں بمشکل دس بارہ جگہیں ایسی ہوں گی جہاں حافظ ابن حجرؒ کے نکالے ہوئے طرق پر کوئی چھوٹا سا اضافہ کرسکا ہوں۔

آپ اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس بندے نے کتنی محنت کی، اور کیا اس کا مقام ہوگا۔ تو یہ مقولہ غلط نہیں کہ "لا هجرة بعد الفتح" آج بھی بہت سے لوگ اجتہاد کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ھم رجال و نحن رجال، یہ کہنا آسان ہے مگر توفیقِ ایزدی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ (انعام الباری 1/35-138)

دراصل یہ حدیث مبارک ہے جو فرضیت ہجرت کے نسخ پر دال ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں اسی سے اقتباس فتح الباری کے بارے میں مقصود ہے کہ فتح الباری کے معرض وجود میں آنے کے بعد کسی اور "شرح" کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ سے شرح بخاری لکھنے کی درخواست کی گئی آپ نے فرمایا لا ھجرۃ بعد الفتح اور معذرت کی۔ (حدیث اور فہم حدیث صفحہ 155 انڈیا)

(۲)... دوسری شرح عمدة القاری ہے۔ المعروف "شرح عینی" یہ علامہ حافظ بدرالدین عینیؒ کی عمدہ کاوش ہے۔ فتح الباری کے بعد یہ عظیم شرح بخاری ہے۔ بعض خصوصیات کے لحاظ سے "فتح الباری" پر بھی امتیاز وفوقیت رکھتی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی بہر حال فتح الباری کو زیادہ مقام حاصل ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی المسلک عالم ہیں۔ جن کے احسانات علمیہ سے امتِ مسلمہ خصوصاً حضراتِ احناف کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ ان کی شرح بخاری عمدة القاری، شرح ہدایہ "البنایہ" شرح کنز، شرح مسند امام اعظم وغیرہ فقہ حنفی کا بڑا ماخذ شمار ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں ہر علم وفن میں ان کی تصانیف اتنی زیادہ ہیں کہ حافظ سخاویؒ جیسے مردم شناس اور کسی کی تعریف کے معاملہ میں بہت محتاط بزرگ نے فرمایا میری معلومات میں ہمارے شیخ حافظ ابن حجر کے بعد علامہ عینی سے زیادہ کثیر التصانیف اور کوئی نہیں۔ ان کی سرعت تحریر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ پوری مختصر القدوری ایک ہی رات میں نقل کردی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: صرف ابن حجرؒ نے فتح الباری لکھ کر شرح بخاری کا حق ادا نہیں کیا۔ اس میں تراجم پر کلام نہیں کیا گیا، البتہ علامہ عینیؒ نے عمدة القاری لکھی تو دونوں نے مل کر حق ادا کیا۔ (درس شامزئی، ص 14)

(۳)... ارشاد الساری از علامہ قسطلانیؒ۔ علامہ چونکہ سب سے متاخر ہیں۔ اس لئے انہوں نے حافظ ابن حجر، علامہ عینیؒ وغیرہ کی شروح کو سامنے رکھ کر خلاصہ اور لب لباب جمع کردیا ہے۔ انہیں "خلاصہ" لکھنے میں خصوصی ید طولیٰ اور مہارت تامہ حاصل تھی۔ اس لئے حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فرمان ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ میں اپنی آخر عمر میں صرف علامہ قسطلانیؒ کی شرح دیکھتا ہوں۔

(۴)... مقدمہ تیسیر القاری: از مولانا نور الحق صاحب یہ شیخ عبدالحقؒ محدث دھلوی کے صاحبزادے ہیں۔ یہ تقریر فارسی زبان میں ہے۔

(۵)... ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے بخاری شریف کی شروح کے سلسلہ میں جو علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان میں سے چند کتب کا اجمالی تعارف یہ ہے۔

۱... فیض الباری از علامہ انور شاہ کشمیریؒ یہ حضرتؒ کی تقریر بخاری ہے جو ان کے معتمد شاگرد حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی

ثم مہاجر مدنیؒ نے قلمبند فرمائی اور چار جلدوں میں مرتب فرمائی۔ اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے اس پر کچھ حواشی بھی تحریر فرمائے اور اس کی اشاعت فرمائی۔ اور اس کے ساتھ حضرت میرٹھیؒ نے "البدر الساری" کے نام سے اپنی تعلیقات کا بھی اضافہ فرمایا۔

فیض الباری میں بخاری شریف کے ایک ایک لفظ کی شرح تو نہیں ہے۔ لیکن اس میں بہت سی ایسی مباحث جن میں لوگ سالہا سال سرگرداں رہے حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک جملہ یا ایک فقرہ سے ان کی گتھی سلجھ جاتی ہے ــــــ نیز حضرت شاہ صاحبؒ کے اپنے علوم و معارف جو بڑے گہرے مطالعہ اور بیسیوں کتب کے چھاننے کے بعد حاصل ہوتے۔ اس کا خلاصہ اور عطر ہے جو کہ دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔

۲... لامع الدراری: حضرت قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی بخاری شریف کی درسی تقریر ہے۔ جس کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ نے دوران درس عربی میں ضبط فرمایا تھا۔ اور حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کو مرتب فرمایا اور بڑے ہی مبسوط حواشی تحریر فرمائے۔ حواشی میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، اور علامہ قسطلانیؒ، ان سب کے علمی ارشادات و نکات کو دیکھ کر ان کا خلاصہ اور مجموعہ بھی ذکر فرمایا۔ جس کی وجہ سے اس کی افادیت دوچند ہوگئی۔

ہمارے اکابر علماء دیوبند خصوصاً حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ کی شان یہ ہے کہ ایسی جگہ بعض اوقات کلام فرماتے ہیں جہاں متقدمین میں سے بھی دور دور تک کسی نے کلام ہی نہیں فرمایا اور اس تشنہ گوشہ کو سیراب فرما دیتے۔ مثلاً حدیث ام سلیمؓ جس میں بچہ کی وفات کو چھپایا اور علی الصباح اپنے خاوند حضرت ابو طلحہؓ کو بتایا ــــ اس پر اشکال ہے کہ جنازہ میں تاخیر تو پسندیدہ عمل نہیں ہے ــــ حضرت گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی قولی احادیث موجود ہیں کہ تاخیر نہ کرنی چاہیے ان پر عمل ہوگا۔ یہ صحابیہ کا اپنا عمل ہے۔ لہٰذا ترجیح قولی حدیث کو ہوگی۔ بہر حال یہ شرح عرب و عجم میں اس دور کی جامع ترین شرح کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کا علمی پایہ بہت بلند ہے۔

۳... انوار الباری: یہ علامہ انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد حضرت مولانا احمد رضا بجنوریؒ کی تالیف ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو فنا فی الشیخ ہیں جیسے حضرت اقدس بنوری اور حضرت میرٹھیؒ۔ بنیادی طور پر یہ کتاب حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات اور تشریح پر مشتمل ہے۔ جو بڑی مفصل شرح ہے۔ اس میں بہت علمی مواد اور بڑی قیمتی مباحث ہیں لیکن غیر منضبط۔ بات سے بات نکالی گئی اور نکلتی ہی چلی گئی ــــــ

البتہ سعودیہ کے سلفی حضرات کے متشددانہ رویے کے رد میں بعض مرتبہ حافظ ابن حجرؒ، امام دار قطنیؒ وغیرہ حضرات کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کر گئے ہیں جو علمی دنیا میں مناسب نہیں ہوتے۔ اور رتبہ تقدم کا احترام اور علمی جلالت شان کے مناصب کے لحاظ سے "کسی متاخر" کے لئے یہ اسلوب قرینۂ ادب سے میل نہیں کھاتا۔ اس کے علاوہ حضرات اکابر علماء دیوبند کی معتمد تقریرات و شروح بخاری کے اسماء مبارکہ یہ ہیں:-

1: درس بخاری: شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ صدر مدرسین دار العلوم دیوبند

2: فضل الباری: دو جلد از شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند

3: تقریر بخاری: از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ

4: کشف الباری: از حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

5: نصر الباری: حضرت مولانا محمد عثمان غنی نور اللہ مرقدہ تلمیذ رشید شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ

6: الخیر الجاری: حضرت مولانا محمد سرور صاحب مدظلہم شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور (جو سالہا شرح حدیث لکھنے کے بعد مرتب کی گئی)

7: الخیر الساری: حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

8: انعام الباری: حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

9: دلیل القاری: حضرت حکیم العصر مولانا عبد المجید لدھیانوی صاحب نور اللہ مرقدہ

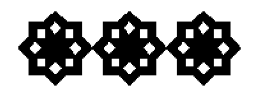
حکم البخاری

اگر کسی جگہ صرف صحیح بخاری ہو تو پھر اسی کا پڑھنا واجب ہے اور اگر دوسری کتب بھی موجود ہوں تو اس کا پڑھنا وجوب کفایہ ہے۔ بخاری شریف پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ اس کے معارض کوئی آیت اور روایت نہ ہو ۔۔۔۔۔ اور اگر موجود ہو پھر عمل ضروری نہیں پھر ترجیح قائم کر کے عمل کیا جاتا ہے جیسا کہ حضراتِ احناف کا طرزِ عمل ہے۔

طریقۂ تدریسِ حدیث

ابتداء طریق تدریس بالاختصار تھا مختصر تقریر نہایت جامع اور پُر مغز ہوتی تھی ۔۔۔۔۔ پھر ہندوستان میں غیر مقلدین نے سر اٹھایا تو انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ فقہ حنفی حدیث کے مدمقابل اور خلاف ہے۔ اس لئے ضرورت پیش آئی کہ علماء مجتہدین کے دلائل پیش کر کے موازنہ کیا جائے اور فقہ حنفی کو ترجیح دی جائے۔

چنانچہ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت العلام مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے یہ طریقۂ تدریس شروع فرمایا کہ ہر مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب، دلائل اور فریق مخالف کے جوابات ذکر کیے جائیں گویا فقہ حنفی کی ترجیح کا طریقہ بھی اکابر علماء دیوبند کا ہوا۔



ضرورت اجتہاد

اس پرفتن دور میں آئے روز کے نئے مسائل وحوادث کی وجہ سے پہلے سے زیادہ اجتہاد کی ضرورت ہے اس لئے غیر مقلدین بھی حقیقت میں اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔لیکن اپنے اجتہاد کو عمل بالحدیث کہتے ہیں چنانچہ کسی غیر مقلد سے پوچھ لیا جائے نکاح کے سلسلہ میں "نانی کی حرمت" کہاں سے ثابت ہے تو جواب میں کہے گا قرآن کریم کے پارہ 4 کی آخری آیت میں آیا ہے: حرمت علیکم امھٰتکم تو یہاں ام الام کو ام پر قیاس کیا گیا ہے۔

تعریف اجتہاد

اجتہاد کا لفظ جہد سے لیا گیا ہے۔اس کا لغوی معنیٰ "صرف الھمۃ و بذل الجھد" ہے اصطلاحی معنیٰ "صرف الھمۃ فی الکتاب و السنۃ لاستنباط المسائل" ہے۔

اجتہاد کا ثبوت:

قرآن وسنت اور اجماع سے بھی ہے۔

(۱) فاعتبروا یا اولی الابصار۔ عبرت کا معنیٰ ہے ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کر کے حکم لگانا۔

(۲) لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم:

"البتہ ان میں سے وہ لوگ جان لیتے ہیں جو اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں" مراد استنباط و استخراج ہے____ معلوم ہوا کچھ لوگ منصب اجتہاد کے قابل ہیں سب نہیں۔منھم میں من تبعیضیہ ہے۔

(۲) حدیث معاذ بن جبلؓ ،قال معاذ ﷺ اجتھد برأیی۔

آپ ﷺ نے اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا:

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ ﷺ لما یرضی بہ رسول اللہ ﷺ۔

۲:طلق بن علیؓ کی روایت ہے آپ ﷺ سے مس ذکر کے بارے میں پوچھا: تو ارشاد فرمایا:

هل هو الا بضعۃ منہ

یہ بھی ایک عضو کا باقی اعضاء پر قیاس ہے کہ جیسے دیگر اعضا کے مس سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس عضو کا بھی یہی حکم ہے۔

۳:قبیلہ جھینہ کی ایک عورت آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہوئی ،عرض کیا: میری والدہ صاحبہ نے حج کی نذر مانی تھی اور بلا حج مر گئی۔کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں____؟ ارشاد فرمایا:

اس کی طرف سے حج کرو۔ پھر سمجھانے کے لئے فرمایا اگر آپ کی والدہ صاحبہ پر قرض ہوتا تو اس کی طرف سے ادائیگی کرتی۔ پس اللہ کا قرضہ بھی ادا کرو۔

پس اللہ کا قرض ادائیگی کے زیادہ قابل ہے۔ بندہ کے قرض پر قرض خداوندی کو "قیاس" کر کے مسئلہ سمجھایا۔

(۳) (اجماع سے ثبوت)

فقہاء امت نے اجتہاد کیا۔ کسی محدث اور مستند عالم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

اجتہاد کے بارے میں کچھ سطحی شبہات کا جائزہ

(۱) سوال: قرآن کریم میں تبیانا لکل شیء ہے تو قرآن کریم سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں۔

جواب: لکل شیء کا تعلق اصول وکلیات سے ہے نہ کہ جزئیات سے اور اجتہادی معاملات میں جزئیات زیر بحث ہوتی ہیں۔

جواب ۲: علی سبیل التسلیم کہ تبیانا لکل شیء قرآن کریم کی خصوصیت ہے ــــــ مگر طرق تبیان مقدر ہیں۔ کبھی یہ صراحۃً ہوتا ہے اور کبھی دلالۃً اور کبھی اقتضاءً اور کبھی اشارۃً جو تبیان دلالۃً اور اشارۃً ہو اس کے اظہار کا نام اجتہاد ہے۔ اس لئے کہ ہر کس وناکس اشارہ خداوندی سمجھنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ کما قال تعالی: وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الخ (پ ۱۸) سے وعدۂ استخلاف تو عبارۃ النص سے ثابت ہے اور حضرات خلفاء راشدین ؓ کا مومن ہونا عبارۃ النص سے ثابت ہے۔ اور موعودہ خلیفہ ہونا اقتضاء النص سے ثابت ہے ــــ کیونکہ آیت شریفہ میں "منکم" سے مومنین موجودین کو مخاطب کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان مومنین موجودین میں سے جو خلفاء بنے ان کا ایمان اور عمل صالح نص قرآنی سے ثابت ہے ان اوصاف سے موصوف چار خلفاء راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت حسن ؓ اور حضرت معاویہ ؓ اس وعدۂ خداوندی کا مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت حسن ؓ انتہائی کمسن تھے اور حضرت معاویہ ؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے، البتہ توسعاً حضرت حسن ؓ کی چھ ماہ کی حکومت پر خلافت راشدہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور لغوی اعتبار سے حضرت معاویہ ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ وغیرہ کی حکومتوں پر بھی اطلاق ان حضرات کے ذاتی رشد وہدایت کی بنا پر ہو جاتا ہے۔

فائدہ 1۔ اس آیت کی تفصیل سمجھ لی جائے تو مودودیت، رافضیت، خارجیت، سب کا رد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ چاروں خلفائے راشدین کا انتخاب مرضئ الٰہی سے ہے۔ اور چاروں کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے۔ لہٰذا مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسائل بھی اسی سے حل ہو جاتے ہیں۔ رافضیوں کا رد اس طرح ہوتا ہے کہ اگر وہ واقعی قرآن مجید کو مانتے ہیں تو پھر اس آیت کی روشنی میں انہیں چاروں خلفاء کے ایمان اور ان کی خلافت کو نبوت کا تکملہ اور تتمہ ماننا ہوگا۔ اسی طرح مودودی صاحب کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ اگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ موعودہ خلیفہ مانتے تو کبھی اقرباء پروری کا الزام نہ

لگاتے اور خارجیوں کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ موعودہ خلافت کے چوتھے تاجدار ہیں۔ تو پھر معاملہ خلافت میں وہ برحق ہیں اور ان کی خلافت عبوری یا ہنگامی نہیں ہے۔ جن حضرات حکمین (حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) نے انہیں معزول کرنا چاہا۔ یا جن حضرات نے ان کے مقابلہ میں خلافت کا اعلان کیا ان کی اجتہادی خطا تھی۔ جو حق کے دائرے میں ہے اور عند اللہ ماجور بھی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں تاریخ کی بجائے سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (از افادات وکیل صحابہؓ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ:

2۔ اکابر دیوبند کے شیخ و مربی قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ کی برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اعتدال اور شرح صدر نصیب ہوتا ہے۔

(۲) سوال: قرآن کریم میں ہے: فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت ہی فقط حجت ہیں۔ اور اجتہاد اس سے ہٹ کر ہے۔ لہٰذا وہ حجت نہ ہوا۔

جواب: یہ آیت کریمہ تو دلیل اجتہاد ہے نہ کہ اس کی مخالف۔ اس لئے کہ جو احکامات قرآن وسنت میں صراحۃً موجود و مذکور ہیں اس میں ایک ادنیٰ مسلمان بھی تنازع کا نہیں سوچ سکتا۔ چہ جائیکہ مجتہد۔

تنازع تو ایسی چیز میں ہوگا جو کتاب وسنت میں صراحۃً یا بالکل مذکور نہیں ہے۔۔۔۔ اب اجتہاد کی روشنی میں اسے کتاب وسنت کے مطابق حل کیا جائے گا اور ان دو کی طرف اسے راجع کیا جائے گا۔

فائدہ:

قرآن وسنت اصل الاصول ہیں۔ اور اجماع وقیاس ان کی فرع اور حکماً وحی ہی میں داخل ہیں۔ نیز قرآن وسنت مثبت احکام ہیں۔ اجماع اور قیاس مُظہر ہیں۔ اگر ظاہر شدہ مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو اجماع کی حجت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے اور اختلاف ہے تو پھر قیاس ہے۔۔۔۔ تاہم نفسِ ثبوت حکم میں چاروں مقام حجیۃ میں ہیں۔ (کما فی اصول الفقہ)

اشکال: جب اجتہاد کے قائل ہیں تو آج آپ نے اس کا دروازہ تقلید کر کے کیوں بند کر دیا۔۔۔۔؟

جواب: ہر شخص مجتہد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس کی شرائط ہیں۔

۱: آیات احکام اور احادیثِ احکام تمام کی تمام بیک وقت مستحضر ہونا ضروری ہیں۔ آیاتِ احکام تقریباً پانچ سو اور احادیثِ احکام تین ہزار ہیں۔

۲: علوم عربیہ صرف ونحو اور لغات میں کمال مہارت رکھتا ہو۔ ۳: قیاس کی تمام انواع سے بہرہ ور ہو۔

۴: اقوال صحابہؓ وفاقاً وخلافاً سے مکمل شناسا ہو۔ ۵: ناسخ ومنسوخ پر گہری نظر ہو۔

۶: صاحبِ تقویٰ ہوتا کہ اجتہاد کرتے ہوئے خواہشاتِ نفسانیہ سے بالاتر ہو کر سوچ سکے۔

دورِ حاضر میں بیک وقت ایک ہی شخصیت میں ان تمام شرائط کا پایا جانا عرفاً محال ہے ــــ اس لئے اجتہاد شدہ مسلک پر چلنا اور تقلید ضروری ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے بلکہ شرائطِ اجتہاد مفقود ہیں۔

سوال: سلف صالحین میں ہزاروں مجتہدین کے ہوتے ہوئے یہ اصرار کرنا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کی حدود اور دائرہ سے نہ نکلا جائے۔ یہ کیوں ضروری ہے ــــ؟

جواب: مقتدیٰ و متبع ہونے کی کچھ شرائط ہیں۔ ان کے بغیر عامۃ المؤمنین کو کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

۱: جس کی تقلید کی جائے اس کا مذہب کامل طور پر مدون ہو۔ ائمہ اربعہ کو منجانب اللہ وہبی طور پر یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوا کہ ان کو ایسے اجلّہ شاگردان مل گئے انہوں نے ان کے مذاہب کو مکمل طور پر مدون کر کے پیش کر دیا۔

اگر مذہب مدون نہ ہو تو ایک شخصیت کی تقلید ناممکن ہے۔ اس لئے ایک عام مقلد مسلمان نماز میں حنفیت پر چلے اور کتاب الصوم میں کسی اور طرف جائے۔ اس طرح کے تمام مسائل کا احاطہ ایک مسلک میں نہ ہو تو آدمی الجھن کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ فافہم ــــ

فائدہ:

مقتدیٰ ایک ہی امام کو ہونا چاہیے یعنی ایک متعین مسلک اختیار کیا جائے۔ تلفیقِ مذاہب درست نہیں ــــ کیونکہ اس کا نتیجہ "تمام نفس" کے پیچھے چلنا ہے۔ اور مذہب کے رنگ میں تکمیل خواہشات کا دروازہ کھلتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے وضو کیا اس نے مس ذکر وامرأۃ کیا تو وہ کہتا ہے کہ اگرچہ میں شافعی ہوں تاہم چونکہ حنفیہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا میرا وضو ہے ــــ ازاں بعد اس کا خون نکل آیا تو اب کہتا ہے اب بھی میرا وضو ہے اس لئے کہ شوافع کے ہاں دم جاری سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ گویا تقلیدِ شخصی نہ ہو تو مذہب بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔ حالانکہ احناف و شوافع دونوں کے ہاں بالاتفاق وضو ٹوٹ چکا ہے۔ تو یہ تقلید نہ ہوئی، خواہشِ نفس کا اتباع ہوا۔

اثباتِ تقلید من القرآن الکریم

۱... فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون

ذکر سے مراد افرادِ مسائل شرعیہ ہیں۔ اور "اہل" کی "ذکر" کی طرف اضافت اختصاص کیلئے ہے ــــ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو لوگ تمام مسائل جزئیہ شرعیہ کو قرآن وسنت سے اخذ کر سکتے ہیں۔ ان سے دریافت کر کے راہِ عمل اپنائی جائے۔ اور اس مقامِ بلند کے مالک حضرات ائمہ مجتہدین ہیں۔

۲... واتبع سبیل من اناب الی۔ منیب الی اللہ کی اتباع کی جائے۔ اس سے تقلید مطلق ثابت ہوتی ہے۔ اور مطلق من حیث الفرد ہی پایا جا سکتا ہے اس لئے کہ محض اعتباری وجود کا کوئی فائدہ نہیں۔

سوال: مندرجہ بالا ترجیحات پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کن افراد کی تقلید کی جائے؟

جواب: اسلامی ہجری کے مطابق علم و عمل کے بھرپور دور میں دوسری اور تیسری صدی کے علماء نے جن کو قابلِ تقلید قرار دیا ہے۔ اور ان کا مذہب ہمہ گیر سطح پر عالمی مسائل کو سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ان کی تقلید کی جائے۔ وہ حضرات ائمہ اربعہ ہیں۔ ان میں سے جس کی چاہے تقلید کر لیں۔ ہم چونکہ حنفی ہیں۔ اس لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں۔

وجوہِ ترجیح "فقہ حنفی"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا طریقہ اجتہاد دیگر ائمہ کرام کی نسبت راجح ہے۔

وجہ ترجیح (۱) ترتیب ماخذ میں حسنِ معیار

اس لئے کہ حضرت امام شافعیؒ اصح مافی الباب کو اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے شوافع کا مدار صحتِ حدیث ہے اور اسی پر انہوں نے اپنا سرمایۂ حیات لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین کرام میں ایک بڑی تعداد شافعی المسلک نظر آتی ہے۔

حضرت امام مالکؒ تعامل اہلِ مدینہ کو اپنی فقہ کا مدار قرار دیتے ہیں ــــــ باقی روایات کی توجیہ فرماتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ ظاہر حدیث پر عمل فرماتے ہیں اس لئے ایک گونہ اصحاب ظواہر کی موافقت میں چلے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی فقہ و مسلک میں تعارض ہونا امر لابدی ہے۔

ان مذاہب کے علاوہ ایک اصحاب ظواہر ہیں جو سرے سے اجتہاد ہی نہیں کرتے۔ ظاہر الفاظ حدیث پر عمل کرتے ہیں ــــ چنانچہ لا یبولن احدکم فی الماء الدائم سے مسئلہ اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ماء دائم یا راکد میں وضو نہ کرو ورنہ وضو صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر کنارے پر کسی نے پیشاب کر دیا اور پیشاب ماء راکد میں پہنچ گیا تو اس سے وضو کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس میں محض روایت کے الفاظ کو تو پیشِ نظر رکھا گیا ہے لیکن مقصدِ حدیث سے التفات نہیں برتا گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ ابتداءً حدیث کو نصِ قرآنی کے موافق کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ دونوں پر عمل ہوجائے ــــ اگر موافقت کی کوئی صورت نہ ہو تو نصِ قرآنی کو ترجیح دیتے ہیں ــــ اس کے بعد حدیث مبارکہ کو لیتے ہیں، پھر اجماع پھر قولِ صحابی کو لیتے ہیں البتہ قولِ تابعی کے مقابلہ میں اجتہاد فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت امام صاحبؒ خود بھی تابعی ہیں اور مرتبۂ اجتہاد پر بھی فائز ہیں۔

قولِ تابعی کے مقابلہ میں اجتہاد کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں حضرت امام صاحبؒ کا ارشاد گرامی ہے:

هم رجال و نحن رجال

اسلئے کہ دونوں اطراف میں تابعی حضرات ہیں ــــــ آج کے دور میں یہ فتنہ سر اٹھا رہا ہے کہ اکابر کی تحقیقات پر اصاغر کی طرف سے عدمِ اعتماد کے لئے حضرت امام اعظمؒ کی طرف منسوب کرکے اس قول: هم رجال و نحن رجال، کو دلیل بناتے ہیں جو بالکل صحیح نہیں۔ حضرت امام صاحبؒ چونکہ خود تابعی ہیں اس لئے تابعین کے مقابلہ میں قبولیتِ قول کے سلسلہ میں فرمایا:

"هم رجال و نحن رجال"

تو قولِ تابعی کے مقابلہ میں اجتہاد بے ادبی نہیں کہ مجتہد خود تابعی ہے۔

حاصل یہ کہ فقہ حنفی ایسی شانِ فقاہت رکھتی ہے جس میں قرآن وحدیث دونوں معمول بہ بن جاتے ہیں۔

وجہ ترجیح ۲: شورائیت:

فقہ حنفی فردِ واحد کی شخصی رائے نہیں بلکہ ان چالیس افراد پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ اور اجتماعی ادارہ کی رائے ہے، جن پر اساطین امت کا اطلاق علمی حوالہ سے ہوسکتا ہے ___ پھر ان میں تمام علوم کے ماہرین ہوتے تھے۔ بلا قید وقت مسئلہ زیر بحث آتا، متفق علیہ یا باختلاف مسئلہ کی تشکیل ہوتی پھر اسے فقہ حنفی کا مسئلہ قرار دیا جاتا ___ حتیٰ کہ مسئلہ کے حکم میں اگر حضرت امام صاحبؒ کے قریبی اور معتمد شاگرد بھی آپ سے اختلاف کرتے تو اسے معتبر سمجھا جاتا۔ فقہ حنفی کی تمام کتب اور ذخیرہ اس کے حوالہ کے لئے شاہد عدل اور کافی ووافی ہے۔

چنانچہ اس شورائیت کی تائید ایک حدیث نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے ___ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:

قلت یارسول اللہ! ان ینزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نھی فما تامرنی ___؟

قال: تشاوروا الفقہاء والعابدین، ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ ___ (طبرانی اوسط)

حضرت امام صاحبؒ کی مجلس شورائیت اس کا عملی مصداق ہے ___

وجہ ترجیح ۳: شرفِ اولیت:

فقہِ حنفیت کو تقدم واولیت کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے کہ بعد میں آنے والے ہزاروں اختلاف بھی کریں مگر "نقوشِ راہ" تو فضیلت اولیت کا حامل ہی متعین کرتا ہے اگرچہ جہت اختلاف کا حق بعد والے کو بھی ہے۔

وجہ ترجیح ۴: جلالتِ امام اعظمؒ:

حضرت امام اعظمؒ کی جلالت شان اس بات کی متقاضی ہے کہ فقہ حنفی کی امتیازی طور پر تقلید کی جائے اس لئے کہ حضرت امام صاحبؒ نے چار ہزار اساتذہ ومشائخ سے علم حاصل کیا، آپ کے تلامذہ میں بے شمار بلند پایہ محدثین کرام ہیں جن میں خصوصیت سے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے نام نامی کو ذخیرۂ حدیث سے حذف نہیں کیا جاسکتا۔ آپؒ کی کل مرویات کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے ___ حضرات اصحاب صحاح ستہ کے اساتذۂ کرام بیشتر حضرت امام صاحبؒ کے حلقۂ تلامذہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگر صحاح ستہ میں سے آپؒ کے تلامذہ کی روایات نکال دی جائیں تو ناقابل بیان حد تک مرویات باقی رہ جائیں۔

حضرت امام صاحبؒ کی تعریف وتوصیف میں تقریباً ۶۷ مستقل کتب تحریر کی گئی ہیں۔ جن میں شافعی، مالکی اور حنبلی مصنفین کرام بھی شامل ہیں۔ ۶۷ سے زائد کتب میں آپ کا ضمنی تذکرہ خیر وبرکت ہے ___

سب سے پہلے آپ کو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے آپ کو "امام اعظم" فرمایا اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

نحن عیال فی الفقه عند ابی حنیفه رحمه الله۔

وجہ ترجیح ۵: تقدم ذاتی: حضرت امام صاحبؒ کو باقی ائمہ کرام پر تقدم ذاتی حاصل ہے اس لئے کہ ان کی احادیث ومرویات میں واسطے بہت کم ہیں اور ان احادیث پر ان کی فقہ کا مدار ہے۔ تو جیسے وہ احادیث قوی ہیں وہ فقہ بھی قوی ہے ــــ بہت سے حضرات نے آپ کے تابعی ہونے کا قول کیا ہے۔ بالخصوص حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ ابن حجر مکیؒ ان دونوں حضرات نے آپ کا تابعی ہونا تسلیم کیا ہے۔ جبکہ ہر دو حضرات شافعی ہیں۔

وجہ ترجیح ۶ فقاہتِ ذاتی:

حضرت امام صاحبؒ کی فقہ ودانش کی کبار ائمہ نے شہادت دی ہے کمامر قول الشافعی رحمه الله۔ وقال ابن مبارک رحمه الله: کان افقه الناس۔ ابن راہویہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت امام صاحبؒ جیسا کوئی فقیہ پیدا نہیں کیا۔

وجہ ترجیح ۷: اوفق بالحدیث:

حضرت امام صاحبؒ کی فقہ اوفق بالحدیث ہے۔ اس لئے کہ حضرت امام صاحب کوشش کرتے ہیں کہ کوئی حدیث زیرِ عمل آنے سے رہ نہ جائے۔ یہاں تک کہ حدیث متواتر یا مشہور سے نسخ قرآن کریم بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ (شاید اس حد تک دیگر ائمہ کرام میں سے کوئی نہیں گیا لیکن پھر بھی ترکِ حدیث کا الزام آپ پر ہے۔) نیز حدیث مرسل کو بھی حجت قرار دیتے ہیں جس میں تابعی صحابی کو ساقط کرتے ہیں اسی طرح حدیثِ ضعیف اور قولِ صحابی کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت العلام مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے بیس سال تک اپنی علمی زندگی میں فقہ حنفی کو حدیث پر منطبق کرنے کی سعی بلیغ کی میں نے فقہ حنفی کا کوئی قول یا جزئیہ مخالفِ حدیث نہیں پایا۔

وجہ ترجیح ۸: مقبولیتِ عامہ:

فقہ حنفی کو منجانب اللہ قبولیتِ عامہ حاصل ہوئی ہے۔ حضرت ملا علی قاریؒ کا ارشاد ہے ہر دور میں دو ثلث مسلمان حنفی رہے ہیں ــــ خلیفہ واثق باللہ عباسی نے چاہا کہ سدِ سکندری کا حال معلوم کریں چنانچہ ۲۲۸ھ میں اس کی تلاش کے سلسلہ میں سلام نامی شخص جس کو چند زبانوں پر عبور حاصل تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامانِ وفد دیکر روانہ کیا ــــ بالآخر تلاش بسیار کے بعد وہاں پہنچے جہاں سد سکندری تھی ــــ اس کے قریب چیدہ چیدہ بستیاں تھیں۔ سد سکندری کے جو محافظ وہاں موجود تھے وہ سب مسلمان تھے اور مذہب حنفی پر عمل پیرا تھے۔ زبان عربی وفارسی بولتے تھے۔ الغرض جہاں بادشاہوں کی بادشاہت نہ پہنچی وہاں بھی فقہ حنفی کا شہرہ تھا۔

وجہ ترجیح ۹: جامعیت

حضرت امام صاحبؒ کے تلامذۂ کرام اور بعد میں آنے والے فقہاء حنفیہ نے فقہ حنفی کی تدوین وتشریح میں گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔ حتیٰ کہ کوئی جزئیہ ایسا نہیں ہوگا جو فقہ حنفی میں نہ ہو اور اس کا حکم موجود نہ ہو۔ اس لئے کہ صرف پیش آمدہ مسائل کا ہی

حکم نہیں لکھا بلکہ تقریباً گہرائی سے سوچ کر علی سبیل الفرض والتقدیر جزئیات بنا کر ان کا حکم تلاش کیا گیا۔
چنانچہ ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی جزئیات اور ان کا حکم مدوّن کیا گیا۔(انوار الباری)

وجہ ترجیح ۱۰ قانونِ مملکت بننے کی صلاحیت:

اکثر زمانوں میں فقہ حنفی نافذ رہی۔ حضرت امام صاحبؒ کے شاگردِ رشید حضرت امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے اور فقہ حنفی کے مطابق عدالتی امور نمٹائے جاتے تھے۔ یہ خلیفہ ہارون الرشید کا دورِ حکومت تھا جس کی جغرافیائی طور پر عرب سمیت برما سے لیکر افغانستان تک حدود تھیں۔
ہندوستان (برصغیر) میں جن اسلامی سربراہان نے عنان اقتدار سنبھالی انہوں نے بھی قانونی طور پر فقہ حنفی ہی کو مدار بنایا ____ چنانچہ حضرت عالمگیرؒ نے فتاویٰ عالمگیریہ لکھوائی جسے فتاویٰ ہندیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور خود عالمگیرؒ نے برصغیر پر پچاس برس تک حکومت کی جبکہ مملکت کی قانونی بنیاد فقہ حنفی ہی تھی۔

وجہ ترجیح ۱۱ بشارتِ نبوی ﷺ

حضرت علامہ سیوطیؒ نے حضرت امام صاحبؒ کے فضائل ومناقب میں ایک کتاب لکھی حالانکہ وہ خود شافعی المسلک ہیں۔ جس کا نام "تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ رحمہ اللہ" ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں ____ یہ روایت
لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس۔ او کما قال ﷺ
اس سے مراد حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں۔
حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وہ علوم ومکاشفات جو روضہ اطہر کے قریب مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ ان میں یہ بھی ہے کہ فی الحنفیۃ طریقۃ انیقۃ ____ حنفیت میں عمدہ طریقہ ہے۔ یعنی زندگی کا لائحہ عمل بہت عمدہ ہے۔

(وجہ ترجیح ۱۲) علاقائی ترجیح:

وجہ ظاہر ہے ہندوپاک میں ہمیشہ حنفیت کا غلبہ رہا اور عامۃ الناس اسی پر عمل پیرا رہے۔ اس لئے دیگر مسالک کو بھی اس عمومی فقہ سے ہٹ کر نئی راہ اپنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اجتماعیت کے ساتھ چلنا چاہیے۔ بڑی حیرت ہی کی بات ہے کہ دو ثلث دنیا کے علماء صوفیہ وعباد نے تو امام صاحبؒ ایسے کم علم اور حدیث رسول ﷺ سے ناواقف شخص کی تقلید کرلی اور باقی ایک ثلث نے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اتباع کیا ____ حمیدیؒ وامام بخاریؒ جیسے ارباب علم وفضل کی کسی نے بھی تقلید نہ کی۔ (انوار الباری 23/1)

الامور المتعلقۃ بسند الحدیث

سند حدیث مبارکہ بیان کرتے وقت چند اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) الاسناد: فھو الحکایۃ عن طریق المتن۔ (یعنی سند بیان کرنا)

(۲) السند: الطریق الموصل الی متن الحدیث۔ (یعنی راویان کا بیان)

(۳) المتن: ھو الفاظ الحدیث التی یتقدم منھا السند۔

(۴) ح ـــ بیان سند میں کبھی ح آجاتی ہے۔ اس سے مقصود محدث کا تحویل ہونا ہے یعنی سند میں تبدیلی کا مرحلہ ہے۔
ح ـــ کی شرح میں چار قول ہیں۔ ا:یہ ح صح سے مخفف ہے کہ اس طریق سے بھی سند صحیح ہے۔ ۲:انہ ماخوذ من التحویل کہ تحویل سے مخفف ہے۔ ۳:الحائل سے مخفف ہے۔ ۴:الحدیث سے مخفف ہے کہ اب حدیث دوسرے طریق سے شروع ہو رہی ہے۔

لفظ ابن کا قاعدہ:

اگر لفظ ''ابن'' دو علمین متناسلین کے درمیان میں ہو یعنی پہلے بیٹا اور بعد میں باپ ہے تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر شروعِ سطر میں ہو تو ہمزہ لکھنے میں آئے گا اور پڑھنے میں نہیں آئے گا۔ جیسے محمد ابن عبد اللہ، اگر درمیان کلام میں ہو تو نہ لکھنے میں آئے گا نہ پڑھنے میں۔ نیز اس وقت ابن پہلے اسم کیلئے صفت اور آنے والے اسم کیلئے مضاف ہوگا۔
اگر علمین متناسلین نہیں ہیں پھر لکھنے اور پڑھنے دونوں میں آئے گا مثلاً بیٹے کے بعد دادا کا نام آجائے راوی اپنے دادا سے روایت کرے جیسے محمد بن یزید ابن ماجہ۔ (ماجہ والدہ ہے، دادا نہیں) عبد اللہ بن ام مکتوم (اعمیٰ و موذن) عبد اللہ ابن ابی ابن سلول [منافق]

الفاظِ سند کی تشریح

العَلَم: جو ذاتِ معین پر دلالت کرے۔
لقب: وہ اسم جو ذاتِ معین پر دلالت کرے مع صفتِ مادحہ یا ذامہ، جیسے اعمیٰ (بمعنیٰ نابینا) اخفش بمعنی چندھا، فرزدق بمعنی گول گپا۔
کنیت جو ابن اور اب کی صفت کے ساتھ ذکر کی جائے کبھی یہ اضافت کی نسبت مبنی بر حقیقت ہوتی ہے جیسے ابن عمرؓ اور کبھی مجاز پر مبنی ہوتی ہے جیسے ابوہریرہؓ، ابوترابؓ۔ اور کبھی محض برکت کے لئے ہوتی ہے جیسے ابوالفتح، ابوالبرکات، ابوالحسنات وغیرہ۔
نسبت: علاقے یا قبیلہ کی طرف نسبت بیان کرنے کے لئے کسی اسم کے آخر میں یاءِ نسبت لگائی جاتی ہے جیسے مدنی، مکی۔
العرف: جو نام کسی کی تعیین کیلئے مشہور ہو جائے جیسے قلمی نام۔
التخلص: اس مختصر نام کو کہتے ہیں جو شاعر کلام ختم کرتے وقت استعمال کرتا ہے جیسے

ع　　اے سراپا نفیسؔ انفسِ دو جہاں

فائدہ: کئی اسماء کے بعد یائے نسبت والا اسم آجائے تو وہ پہلے علَم کی صفت بنے گا جیسے یحیی بن وقاص اللیثی، البتہ اگر کسی جگہ نسبت بیان کرنا مقصود ہو اور بیانِ سند مقصود نہ ہو تو جس علَم کے ساتھ یائے نسبت والا اسم ذکر کیا جائے تو وہ اسی علَم کی صفت شمار ہوگی۔
حدثنا و اخبرنا: حدثنا کا مخفف ''ثنا'' آتا ہے اور اخبرنا کا مخفف ''أنا'' ہے۔

الفرق بین التحدیث والاخبار:

حضرات متقدمین جیسے حضرت امام زہریؒ، اکثر اہل حجاز اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں دونوں الفاظ کے استعمال میں کوئی فرق نہیں البتہ متاخرین کے نزدیک فرق ہے۔

اگر شاگرد پڑھے، استاذ سنے تو ایک ہونے کی صورت میں اخبرنی اور زائد ہونے کی صورت میں اخبرنا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اگر استاذ پڑھے اور شاگرد سنے تو حدثنی اور حدثنا استعمال ہوگا۔

فائدہ: امام ذہبیؒ نے 'میزان الاعتدال' میں لکھا ہے: 300 ہجری سے قبل متقدمین اور اس کے بعد متاخرین کا دور ہے۔ (درس شامزئی، ص 6)

فائدہ: جن حضرات کے نزدیک ان دو الفاظ میں فرق نہیں ان کے نزدیک یہ دونوں لفظ برابر ہیں۔ اور جو حضرات فرق کرتے ہیں ان کے نزدیک پھر یہ بحث چلی کہ ان میں سے کونسا افضل ہے، عند البعض اخبار افضل ہے کیونکہ اس میں تلمیذ کا تیقظ ہے اور بعض کے نزدیک تحدیث افضل ہے کیونکہ صحابہ واسلاف کا طریقہ یہی ہے۔

قراءۃ علیہ: قراءۃ مصدر مبنی للفاعل یا مبنی للمفعول ہے، قاریا علیہ یا مقروًّا علیہ۔ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب جماعت حدیث میں ایک پڑھنے والا اور باقی سننے والے ہوں۔

وبہ قال: جب سند شروع کی جاتی ہے تو وبہ قال کے الفاظ کہے جاتے ہیں یہ مخفف ہے وبالسند المتصل من القاری الی المصنف قال کا۔ اس قال کا فاعل مصنف ہے، جس کا معنیٰ ہے: سند متصل کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ مصنف نے فرمایا:

سلسلۂ سند: سند کے تین حصے ہیں۔ ۱: حضرت شیخ الحدیث (مدرس حدیث) سے لیکر حضرت اقدس مسند ہند شاہ ولی اللہؒ تک۔

بندہ محمد ادریس ہوشیارپوری کی صحیح بخاری کی درسی سند اس طرح ہے:

بندہ محمد ادریس ہوشیارپوری عن جامع المعقول والمنقول علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان عن مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ عن شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ عن حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وقطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کلاھما عن شیخ عبد الغنی مہاجر مکیؒ عن شاہ محمد اسحاقؒ محدث دہلوی عن شیخ وقت شاہ عبد العزیزؒ محدث دہلوی عن مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

۲: دوسرا حصہ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لیکر مصنف کتاب تک۔ (یہ حصہ صحیح بخاری کے شروع میں درج ہے)

۳: تیسرا حصہ حضرت امام بخاریؒ یا مصنف کتاب سے لیکر صحابیؓ یا رسول اللہ ﷺ جو کتاب میں ہر حدیث کے ساتھ موجود ہے۔

❁❁❁

آغازِ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب بدء الوحی

بسم اللہ سے متعلق بحث:

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی عظیم کتاب کو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع فرمایا:

وجہ: حدیث شریف میں ہے کل امر ذی بال لا یبدا فیہ بذکر اللہ (تعالیٰ) وببسم اللہ الرحمن الرحیم فھو اقطع۔

(معارف السنن وعمدة القاری)

سوال: حضرت مصنفؒ نے حدیثِ تسمیہ پر تو عمل کیا حالانکہ حدیث یہ بھی ہے کل امر ذی بال لا یبدا فیہ بالحمد فھو اقطع۔ (ابن ماجہ) اسی طرح ایک اور حدیث: کل کلام لا یبدا فیہ بحمد اللہ فھو اجزم [کوڑھی مراد بے برکت] (ابوداوٗد)

ان دو احادیث پر عمل نہ ہوا ہاں اگر خطبہ ذکر فرما دیتے تو ان پر بھی عمل ہو جاتا؟

جواب ۱: ضعفِ حدیث ___ حضرت امام بخاریؒ نے تحمید والی حدیث کو ضعیف سمجھا اسلئے عمل نہیں فرمایا ___ تاہم یہ جواب خود ضعیف ہے اسلئے کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی قابلِ اعتبار ہے۔

جواب ۲: کتابتِ حمد کا حکم نہیں اس لئے ممکن ہے قراءت پر عمل کیا ہو کیونکہ حدیث میں ابتداء بالحمد کا حکم ہے کتابت کا نہیں۔

جواب ۳: حدیث کا متن دو طرح ہے، بالحمد کا لفظ بھی ہے اور ببسم اللہ بھی ہے ___ کتاب کی سنت بصورتِ خط، رسالہ کتاب، اس کی سنت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ اور خطبہ و بیان، منبر و محراب کے حوالہ سے سنت حمد باری تعالیٰ ہے۔ یہ دونوں حدیثوں میں تطبیق ہے۔ ایک کا محل کتاب اور دوسری کا محل خطبہ ___ یہی علماء کے نزدیک پسندیدہ ہے ___

جواب ۴: تاسّی بالقرآن یعنی ترتیب نزولی جو قرآن کریم کی ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے۔ پہلی وحی اقرا باسم ربک الخ، ہے اور فترت کے بعد سورۂ مدثر مع بسم اللہ نازل ہوئی، دونوں کے ساتھ حمد نہیں ہے۔

ج ۵: تسمیہ و حمد سے ابتداء کرنے سے مقصود "ذکر اللہ" ہے تو بسم اللہ سے ابتداء کرے یا حمدِ باری تعالیٰ سے دونوں حدیثوں پر ذکر اللہ کے حوالہ سے عمل ہو گیا۔

ج ۶: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنے مسودہ میں بعد از تسمیہ تحمید لکھی تھی ـــــ لیکن سہو کتابت سے کتاب میں نہیں لکھی گئی ـــــ تاہم یہ جواب اس لئے کمزور ہے اگر یونہی سہو کتابت کا سہارا لیا جائے تو بخاری کے نسخے پر ہی اعتماد اٹھ جائے گا ـــــ

فائدہ: بخاری شریف میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 132 مرتبہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں تمام آسمانی کتب بسم اللہ سے شروع کی گئی ہیں۔ مگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ قرآن کریم کی خصوصیت ہے۔ بسم اللہ درحقیقت شاہی مہر ہے۔ دستور ہے حکومت کو جب کوئی چیز پسند آجائے تو وہ شاہی مہر لگا کر خزانہ میں داخل کردی جاتی ہے۔ جو حکومت کے پاس محفوظ ہوجاتی ہے۔ اسلئے مومن کو حکم ہے ہر کام کی ابتداء بذریعہ بسم اللہ کرے تا کہ عند اللہ مقبول اور بابرکت ہو۔ (نصر الباری ص74 ج1)

ج ۷: حضرت شیخ الحدیثؒ نے ۱۳۸۴ھ میں حج مبارک کے موقع پر خواب دیکھا کہ مجھے مدینہ طیبہ میں بخاری شریف پڑھانے پر مامور کیا گیا اور کوئی معذرت قبول نہ کی گئی جبکہ میں نے کہا میرے پاس کتب حدیث نہیں ہیں ـــــ اس پر امام بخاریؒ نے جو ساتھ تھے فرمایا میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں مدد کروں گا۔ چنانچہ میں نے آغازِ درس میں جو خطبہ نہ ہونے کی توجیہات تھیں، وہ ذکر کیں جو ہم ذکر کیا کرتے ہیں۔ اس پر حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا:

جتنی توجیہات آپ نے خطبہ نہ لکھنے کی ہیں ان میں سے ایک وجہ بھی نہیں ہے ـــــ بلکہ اصل وجہ یہ ہے میں نے اپنی اس کتاب کو جز' جز لکھا تھا اور ترتیب نہ دے پایا تھا کہ میں دنیا سے چلا آیا تو اصل میں تحمید نہ لکھنے کی وجہ موقع نہ ملنا ہے نہ کہ وہ جو آپ بتا رہے ہو ـــــ

تراکیبِ نحویہ

بسم اللہ با جارہ اسم اللہ مضاف، مضاف الیہ ملکر مجرور ہے۔ اس کا متعلق یا اسم ہے علی مذهب البصريين یا فعل ہوگا علی مذهب الكوفيين۔ پھر اس کا متعلق یا مقدم ہوگا یا مؤخر ہوگا بعض حضراتؒ فرماتے ہیں اسم مقدم محذوف ہوگا، ابتدائی، یا عام فعل ہوگا، أبتدأ یا اشرع وغیرہ۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خاص فعل ہوگا، مثلاً کھانا کھا رہے ہیں تو آکل، پانی پی رہے ہیں تو اشرب ـــــ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ بسم اللہ فعل مؤخر مانا جائے یعنی بسم اللہ الخ ـــ اشرع ـــ اس وقت معنیٰ یوں ہوگا کہ اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں گویا حصر کا معنیٰ پایا جائے گا ـــــ اور راجح بات بھی یہی ہے کہ متعلق کو مؤخر مانا جائے۔

اس لئے کہ بسم اللہ الخ مشرکین کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ ان کی بسم اللہ یوں تھی: بسم اللات والعزیٰ ـــــ اور مشرکین کا صحیح رد تب ہی ممکن ہے جب معنیٰ حصر حاصل ہو وہ تبھی حاصل ہوگا جب متعلق کو بسم اللہ کے بعد مانیں یعنی اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں، لات وعزیٰ کی نفی مقصود ہے۔

حصر کے معنیٰ کا سبب یہ ہے: التقديم ما حقه التاخير يفيد الحصر۔

دراصل فعل پہلے اور جار مجرور بعد میں آتے ہیں لیکن تقدیم کی وجہ سے حصر کا فائدہ حاصل ہوگیا۔

نیز مشرکین کی بسم اللہ الخ سامنے آنے سے بسم اللہ کے بعد الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ کی دو صفات لانے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی ـــــ

سوال: لفظ اللہ کے ساتھ دو صفات ''الرحمن الرحیم'' کی تخصیص کی وجہ کیا ہے ـــــ؟

جواب: انسان کے تین ادوار ہیں۔ ابتدائی، ابقائی، انتہائی۔ ابتداء میں صفتِ ربوبیت کی ضرورت ہے، لفظ اللہ سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ابقاء کیلئے صفتِ رحمن مشعر ہے۔ اور لفظ الرحیم صفتِ انتہاء کیلئے لایا گیا ہے۔ معلوم ہوا رحمن سے مقصود دنیوی رحمت اور الرحیم سے رحمتِ اخروی مطلوب ہے ـــــ

الفرق بین الرحمٰن و الرحیم

الرحمٰن میں کثرۃ الفاظ اور الرحیم میں قلتِ الفاظ ہے۔ قاعدہ ہے کہ کثرۃ المبانی تدل علی کثرۃ المعانی۔ اس لئے رحمٰن کے معنیٰ بھی زیادہ ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ رحمٰن کی رحمت سے تمام کفار و مشرکین، مسلم و غیر مسلم مستفید ہوتے ہیں (دنیا میں) مگر صفتِ رحیم سے صرف مسلم آخرت میں مستفید ہوں گے۔

سوال: رحمٰن و رحیم لفظ رحمت سے مشتق ہیں رحمت رقتِ قلب کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اس صفت کا اطلاق صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہ قلب، رقتِ قلب (انفعالیت) دونوں سے پاک ہے۔

جواب ۱: رحمت کا ایک مبدا اور ایک منتہیٰ ہے۔ مبدا 'رقتِ قلب' اور منتہیٰ 'احسان' 'جود' ہے۔ تو اللہ تعالیٰ شانہ پر رحمت کا اطلاق باعتبار غایت اور مجازاً ہے ـــــ

فائدہ: یہ جواب پسندیدہ نہیں اس لئے کہ وہ سو (۱۰۰) رحمت کا خالق ہے اس نے مخلوق کو اس کا ایک حصہ عطا فرمایا۔ اس کا ایک حصہ پوری مخلوق پر ہو تو رحمت کا اطلاق حقیقۃً ہو اور جس نے سو حصے پیدا فرمائے اس پر مجازاً ہو ـــــ؟ یہ عجیب منطق ہے ـــــ

جواب ۲: صحیح جواب یہ ہے کہ رحمت کی دو اقسام ہیں صفتِ خالق، صفتِ مخلوق مذکورہ بالا تعریف (رقتِ قلبی) یہ صفت مخلوق کی ہے۔ فلا اشکال، خالق کی جو صفتِ رحمت ہے اس کی تعریف صرف اور صرف الاحسان و الجود ہے۔ تو باری تعالیٰ پر اطلاق رحمت حقیقۃً ہے نہ کہ مجازاً ـــــ

الاسم عند الکوفیین اس کی اصل وَسْمٌ ہے جس کے معنیٰ علامت کے ہوتے ہیں و شارح کے قاعدہ سے واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اِسْمٌ کر دیا۔ اور عند البصریین اس کی اصل سموٌ ہے آخر سے تخفیف کیلئے واؤ کو حذف کیا اور اس کے بدلے میں شروع میں ہمزہ لایا گیا تو اسم ہو گیا جس کے معنیٰ بلندی کے ہیں۔ یہ بھی اپنی مقابل قسمیں (فعل و حرف) سے اونچا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ترکیب میں مسند اور مسند الیہ دونوں بن سکتا ہے۔

لفظ اللہ یہ مبارک لفظ عربی لغت کا ہے یا عجمی کا، اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ عربی کا لفظ ہے ـــــ اسکے بعد یہ اختلاف ہے کہ یہ علم ہو اسم ہے یا مشتق ہے۔ راجح بھی ہے کہ یہ علم ہو اسم ہے ـــــ اگر مشتق مانا جائے پھر اس کا مشتق منہ الہ ہے یا وَلَہٌ ہے ـــــ

الرحمن الرحیم اسمان بنیا للمبالغۃ ـــــ

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ {إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ}

1 - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

ترجمہ: باب اس بارے میں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی ابتداء کیسے ہوئی

اور اللہ جل شانہ کے قول: بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسا کہ ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد کے انبیاءؑ کی طرف کی۔

حدیث (۱): حضرت علقمہ بن وقاصؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ آدمی کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے پس جس شخص نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کام کے لئے ہوگی۔

باب: حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب شہیر میں جو ابواب قائم فرمائے ہیں ان میں لفظ باب لکھ کر جو عبارت اپنی طرف سے ذکر فرماتے ہیں اس کو "ترجمۃ الباب" سے تعبیر فرماتے ہیں ــــ ترجمہ کا معنیٰ یہاں "عنوان" ہے۔

امام بخاریؒ نے مختلف اقسام پر مشتمل تراجم قائم فرمائے ہیں۔

تراجم ابواب کی بحث

محدثین کرام سے یہ مقولہ چلا آرہا ہے "فقه البخاری فی تراجمه" امام بخاریؒ نے امتیازی طور پر جو ابواب و تراجم قائم کئے ہیں وہ ان کی فقیہانہ گہری نظر پر دال ہیں ــــ دیگر اصحاب صحاح ستہ نے اس بارے میں مختلف اہداف پیش نظر رکھے۔ چنانچہ امام مسلمؒ احتیاط کو ملحوظ رکھ کر صرف حدیث نقل کرتے ہیں مگر از خود اس کا عنوان قائم نہیں کرتے (اور اب جو تراجم قائم ہیں یہ بعد میں قائم کیے گئے) امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے اپنے تراجم میں آنے والی حدیث فی الباب کے جز کو ترجمہ بنا دیا۔ جو گہرا کوئی مسئلہ ثابت ہو رہا ہے تو اس کی ذمہ داری اپنے سر نہ لی۔ البتہ امام نسائیؒ نے جو تراجم قائم کئے وہ استخراج و استنباط کی شان رکھتے ہیں ــــ لیکن امام بخاریؒ کے تراجم حضرت امام نسائیؒ سے کہیں زیادہ فائق اور فقیہانہ مہارت پر مشتمل ہیں۔ اسلئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی شانِ تفقہ انہی تراجم سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اسلئے مسائل فقہیہ پر امام بخاریؒ نے مستقل کتاب نہ لکھی اور یہی تراجم ہی ان کی فقہ پر دال ہیں۔

فائدہ:

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں تراجم ابواب امام بخاریؒ کے علوم کے مظاہر ہیں۔ ان کے مجتہد ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ فقہ البخاری فی تراجمہ میں فقہ کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ــــ بلکہ مطلق تفقہ مراد ہے۔ (فضل الباری ص 118 ج۱ ملخصاً)

مقاصد تراجم: شراح بخاری نے مختلف تعداد میں مقاصد کے سلسلہ میں سعی فرمائی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ستر (۷۰) تک مقاصد ذکر فرمائے ہیں ــــ

ہر ترجمہ سے متعلقہ گفتگو اپنے مقام پر آئے گی، جو مقاصد عمومی طور پر تراجم سے متعلق ہوتے ہیں ان کو نمبروار بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) الترجمة آیت من الآیات:

ترجمہ میں آیت یا متعدد آیات ذکر فرماتے ہیں۔ جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ عنوان کے بعد آنے والی حدیث دراصل اس کی تفسیر وتشریح ہے۔ گویا آیات قرآنیہ کو حدیث کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا ــــ (ایک گونہ یہ منکرین حدیث پر ردبھی ہے۔)

(۲) الترجمة بحدیث مرفوع لیس علی شرطه (ای البخاری)

چونکہ شرط بخاری کے مطابق حدیث مرفوع نہیں تھی تو وہ حدیث ترجمۃ الباب کے بعد لانے کی بجائے عنوان میں ہی لے آئے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ حدیث بھی قابلِ استدلال ہے اگرچہ شرط کے مطابق نہیں ہے۔

(۳) الاشارة الی بعض طرق الحدیث:

ترجمۃ الباب بطور دعویٰ ہے اور آنے والی روایت بطور دلیل ہوتی ہے۔ بعض اوقات روایت بطور دلیل دعویٰ سے مطابقت نہیں رکھتی تو امام بخاریؒ دیگر طرق کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں کہ اس روایت کے تمام طرق کو دیکھیں گے تو کسی نہ کسی طریق میں ایسا لفظ موجود ہوگا جو دعویٰ کے مطابق دلیل بن جائے گی ــــ

اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ اپنی خالہ کے ہاں رات کو قیام فرمایا تا کہ آپ ﷺ کے رات کے اعمال دیکھیں۔ اس کا ترجمہ امام بخاریؒ باب السمر باللیل یعنی رات کی گفتگو کے طور پر لائے۔ لیکن اس کی دلیل کے طور پر روایت تہجد باللیل کی ذکر فرمائی۔ تو دعویٰ ودلیل میں مطابقت نہ ہوئی۔ دلیل گفتگو کی چاہیے تھی نہ کہ تہجد کی ــــ تو ترجمہ میں اشارہ فرمادیا کہ وہ روایت جو کتاب التفسیر میں دوسرے طریق سے آرہی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صبح تہجد میں اٹھ کر پہلے گفتگو فرمائی تھی پھر قیام تہجد فرمایا ــــ گویا ترجمہ حدیث الباب کی بجائے دوسری روایت سے ثابت ہوگا۔

(۴) اثبات بالاولویت:

یعنی ترجمہ میں یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ آنے والی روایت سے جب ادنیٰ فعل ثابت ہوسکتا ہے تو اس کا اعلیٰ فعل بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ جیسے باب البول قائماً و قاعداً ترجمہ قائم فرمایا آگے جو حدیث بطور دلیل لائے ہیں اس سے صرف بول قائماً ثابت ہورہا ہے تو فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ جب قائماً بول جائز ہے تو قاعداً بطریق اولیٰ جائز ہوگا ــــ

(۵)　الترجمۃ بھل ــــــ

بعض اوقات کسی مسئلہ کے حکم کے بارے میں امام بخاریؒ کو قطعی اور بالجزم حکم کا علم نہیں ہوتا تو اس کا ترجمہ 'ھل' استفہامیہ کے ساتھ قائم فرماتے ہیں ــــــ اسی طرح بعض جگہ حتمی اور بالجزم حکم کا علم ہوتا ہے ــــــ لیکن پھر لفظ ھل لاتے ہیں تاکہ لوگوں کے دل میں جو شبہ ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ ازالہ شبہ حدیث الباب سے مقصود ہوتا ہے۔

(۶)　الترجمۃ للرد علی احد:

کسی علمی شخصیت کا مذہب یا اس کی طرف کوئی بات منسوب ہوتی ہے جو امام بخاریؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی تو اس کے رد کیلئے ترجمہ قائم فرماتے ہیں ــــ مثلاً عمومی مسئلہ یہ ہے کہ امام فرائض کے بعد جگہ بدل کر نوافل پڑھے۔ مگر عند البخاریؒ یہ پسندیدہ نہیں ہے اس لئے باب قائم فرمایا: باب یتطوع الامام فی مکانہ

(۷)　الترجمۃ لتعیین احد الاحتمالات:

بعض اوقات حدیث میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ ترجمہ سے کسی ایک احتمال کی تعیین کرنے کیلئے ترجمہ قائم فرماتے ہیں ــــ کما قال النبی ﷺ:

اِئْتَمُّوا بِی وَلْیَأْتَمَّ بِکُم مَنْ بَعْدَکُم۔ (تم میری اقتدا کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتدا کریں)

اس میں دو احتمال ہیں کہ بعد مکانی مراد ہے یا بعد زمانی۔ اگر مکانی ہو تو مراد نماز میں اقتداء و اتباع ہے ــــ اور اگر زمانی ہو تو عمومی زندگی میں اتباع مراد ہے، محض نماز مراد نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے ذوق سے ترجمہ میں ایک احتمال کو متعین فرمایا کہ یہاں میرے نزدیک اتباع فی الصلوۃ مراد ہے۔ (چونکہ کتاب الصلوۃ میں یہ روایت لائے ہیں۔ تو یہ معنی بھی نکلتے ہیں ــــ لیکن اگر عمومی اتباع کے حوالے سے دیکھیں اس حدیث سے دوسرے معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔)

(۸)　الترجمۃ لرفع تعارض:

بعض اوقات ترجمہ سے ان دو احادیث سے رفع تعارض مقصود ہوتا ہے جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جیسے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا ــــــ جس سے دونوں یعنی استقبال واستدبار کی ممانعت معلوم ہوتی تھی ــــ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء حاجت کرتے وقت آپ ﷺ کی پشت قبلہ کی طرف تھی۔ تو امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم فرمایا: باب یستقبل القبلۃ فی بناء۔

بتا دیا کہ حدیث عبداللہ بن عمرؓ بنا پر محمول ہے، اور حدیث ابی ایوب انصاریؓ صحراء و جنگل پر محمول ہے ــــــ

(۹)　الترجمۃ بدون حدیث:

ترجمہ محض قائم فرماتے ہیں۔ اور اسمیں سابقہ باب کے لحاظ سے نیا مسئلہ نکل رہا ہوتا ہے اس کا ذکر فرما دیتے ہیں۔ مگر جس روایت سے وہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ ماقبل میں نقل کر چکے ہیں۔ اب اگر سند و متن میں کوئی تبدیلی ہو تو پھر وہ روایت لے آتے ہیں اور اگر سند میں بالکل تبدیلی نہ ہو تو تکرار محض سے بچنے کیلئے اسکو دوبارہ ذکر نہیں فرماتے بس طلبۂ کرام کے اعتماد پر چھوڑ دیتے ہیں۔

(۱۰) باب فی الباب:

بعض حضرات فرماتے ہیں: باب لکھا تھا ترجمہ لکھنے کی نوبت نہ آئی اور وصال ہو گیا ___ لیکن یہ بات اس لئے درست نہیں کہ امام بخاریؒ نے تراجم پہلے قائم کیے ہیں اور احادیث بعد میں لائے۔ اسلئے زیادہ صحیح بات وہ ہے جو علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمائی کہ باب کے بعد ترجمہ قائم نہیں کرتے۔ گویا یہ باب ماسبق کی فصل اور تتمہ ہے ___ تاہم حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: یہ وجہ بعض اوقات منطبق ہی نہیں ہوتی کہ حدیث ماسبق اور باب بلا ترجمہ کی احادیث کا آپس میں کوئی مضمون نہیں ملتا تو تتمہ کیسے کہا جائے۔

اس لئے اصل مقصود یہاں تشحیذ اذہان ہے کہ طلبہ کرام بھی اپنی استعداد سے خود ترجمہ قائم کریں۔ حاصل یہ ہے کہ دونوں احادیث میں مطابقت ہو تو ماسبق کا تتمہ ہے اگر مطابقت نہ ہو تو تشحیذ اذہان ہے۔

(۱۱) باب بمنزلۃ الفائدہ:

کبھی ایسے موقع پر باب قائم فرما دیتے ہیں کہ باب اور اس کے ذیل میں آنے والی حدیث کا ماسبق اور مابعد سے کوئی ربط نہیں بنتا لیکن فائدہ کے طور پر عنوان قائم فرما کر حدیث الباب لے آتے ہیں۔ جس کی توجیہ کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ بمنزلۃ فائدہ کے ہے۔ جیسے کتاب بدء الخلق میں اچانک باب قائم فرمایا:

باب خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال ___ اس باب کا کتاب بدء الخلق سے کوئی ربط نہیں لیکن فائدہ کے طور پر لے آئے۔ (ملخص از انعام الباری)

شرح بخاری کا قرض

علامہ ابن خلدونؒ کا قول ہے کہ امام بخاریؒ کا قرض "تشریحات بخاری" کے لحاظ سے امت پر باقی ہے ___ حافظ ابن حجرؒ کے فنانی الشیخ شاگرد علامہ شمس الدین سخاویؒ کا قول ہے ___ میرے شیخ نے قرض اتار کر امت کو سبکدوش کر دیا ___

علامہ عثمانیؒ کی رائے ہے: شرح بخاریؒ کا کسی حد تک قرض اتر گیا ___ مگر تراجم کا باقی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تراجم بخاری لکھا ___ اور تیس تک مقاصد تراجم لکھے ___ پھر حضرت شیخ الہندؒ نے لکھنا شروع کیا اور پینتیس تک مقاصد تراجم لکھے۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھ دیتے تو یہ قرض بھی ادا ہو جاتا ___

البتہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے "لامع الدراری" میں ستر تک مقاصد تحریر فرمائے ہیں ___ قرض سے سبکدوشی ہوئی یا نہیں ___ وقت اور اکابر کے فیصلہ کا انتظار ہے۔ (متعلقات دورہ، وفضل الباری ص 118 ج ا)

تاہم نصر الباری میں ہے: علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے عمدۃ القاری اور فتح الباری لکھ کر قرض اتار دیا ___ لیکن آخر میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے تحقیقات اکابر کے ساتھ ساتھ مزید جدید تحقیقات سے مزین کر کے "الابواب والتراجم لصحیح البخاری" کے نام سے مکمل فرمایا ___ جو قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں۔ (نصر الباری 81/1)

لفظ باب کی تحقیق

اس کو تین طرح سے پڑھا گیا ہے۔(۱) مرفوع مع التنوین تقدیر عبارت ھذا باب" ہوگی۔ کیف کان الخ یہ باب سے بدل ہوگا(۲) باب پر وقف کردیں بغیر تنوین اور بغیر اعراب کے اسماء معدودہ کی طرح پڑھا جائے گا۔ یعنی وہ اسماء ترکیب میں واقع نہ ہوں جیسے زید، دار۔ اہل عرب شمار کردہ اشیاء پر سکون پڑھتے ہیں۔ (۳) اضافت کے ساتھ باب کیف کان الخ پڑھا جائے گا۔

سوال: یہ مندرجہ بالا نمبر ۳ اضافت صحیح نہیں اس لئے کہ لفظ باب کی جملہ کی طرف اضافت ہے اور لفظ باب ان الفاظ میں سے نہیں جن کی جملہ کی طرف اضافت ہو۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں: (۱) یہ اضافت اس وقت منع ہوتی ہے جب اضافت معنوی ہو اگر لفظی اضافت مراد لی جائے تو جائز ہے۔ اضافت معنوی اس کو کہتے ہیں کہ مضاف ایسا صیغہ صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے غلام زید۔ اور اضافت لفظی وہ ہے جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ضارب زید۔

جواب ۲: اصل اضافت کیف کان بدء الوحی کی طرف نہیں ہے بلکہ مضاف الیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے: باب جواب قول القائل کیف کان بدء الوحی الخ۔ اب اضافت جملہ کی طرف نہیں بلکہ جزء جملہ کی طرف ہے۔

فائدہ: باب کے بعد اگر جملہ تامہ ہو جیسے یہاں ہے تو تنوین کے ساتھ اور اگر جملہ تامہ نہ ہو تو مضاف بنا کر رفع کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے جیسے باب السمر باللیل۔

<u>تعلیل:</u> (یعنی باب کی صرفی تحقیق) باب اصل میں بَوَب تھا قال والے قانون کے تحت واؤ کو الف سے بدل دیا۔

سوال: حضرت امام بخاریؒ نے دیگر مصنفین کی طرح اپنی صحیح کو کتاب کے عنوان سے کیوں شروع نہیں فرمایا____؟ (یعنی باب کے عنوان سے کیوں شروع فرمایا؟)

جواب: کتاب کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں مختلف الانواع مسائل ہوں اور جہاں متفق النوع مسائل ہوں وہاں باب بولا جاتا ہے____ یہاں ایک ہی نوع یعنی وحی کے مسائل تھے اس لئے باب کا لفظ اختیار کیا گیا۔

جواب ۲: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ اصل کتاب "کتاب الایمان" سے شروع ہوئی اور آغازِ کتاب تمہید و دیباچہ ہے اس لئے لفظ کتاب لانے کی ضرورت نہیں۔

سوال: حضرات مصنفین اپنی کتب کو کتاب الطہارۃ یا کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں____ امام بخاریؒ نے سب سے الگ انوکھی ترتیب اختیار فرمائی____؟

جواب: قارئین کرام کو بتلانا چاہتے تھے کہ دین وہ معتبر ہے جو مستند الی الوحی ہو اس لئے کہ بہر حال دین کا مدار وحی پر ہے خواہ وحی جلی ہو یا خفی۔

کیف کی بحث

حضرت امام بخاریؒ نے لفظ کیف سے تیس ابواب شروع فرمائے ہیں ۲۰ جلد اول میں اور ۱۰ جلد ثانی میں ــــ ان تیس میں سے یہ پہلا ہے۔

سوال: حضرت مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں لفظ کیف استعمال فرمایا ہے اس استفہام کا منشا کیا ہے؟

جواب: کس موقع پر لفظِ کیف کا استعمال کیا جاتا ہے حضرات محدثینؒ نے اس کی مختلف توجیہات ارشاد فرمائی ہیں:

۱: کبھی مصداق میں اختلاف ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے ــــ (۲) اور کبھی کیف سے مقصود تعظیم و تفخیم ہوتی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا کیا عظیم الشان تھی ابتدائی وحی (۳) کبھی مصداق پر تردد ہوتا ہے، خود اپنا تردد ظاہر کر کے فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔

کیف کان کی ترکیب

اگر کیف جملہ پر داخل ہو تو حالت بتانے کیلئے ہوتا ہے ــــ ورنہ خبر مقدم ہوتا ہے۔ جیسے کیف جاء زید۔ یہاں کیف حال کیلئے ہے کہ زید کس حالت پر آیا اور کیف زید میں کیف خبر مقدم ہے۔ کیف استفہامیہ ہو تو صدارتِ کلام کو چاہتا ہے۔

سوال: کیف صدارتِ کلام چاہتا ہے تو آپ نے باب کی اضافت کی ترکیب میں کیف کو مضاف الیہ بنادیا تو صدارتِ کیف ختم ہوگئی؟

جواب ۱: صحیح یہ ہے کہ کیف صدارتِ کلام کو چاہتا ہے مگر اس کلام کی صدارت چاہتا ہے جس کا وہ جز ہو ــــ تو یہاں کان سے پہلے جملہ کے لحاظ سے صدارتِ کلام پائی گئی اگرچہ ماقبل کیلئے پورا جملہ مضاف الیہ ہے۔

ج ۲: بعض نسخوں میں باب کا لفظ منقول نہیں جیسے کہ ابوذر اور اصیلی کی روایت میں نہیں تو صدارت پائی گئی۔ (درس شامزئی، ص 23)

فائدہ: کیف سے سوال وہاں ہوتا ہے جہاں نفس شی ء کا یقین اور علم ہو لیکن نسبت معلوم نہ ہو جیسا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: رب ارنی کیف تحی الموتی۔ (درس شامزئی 30)

کان کی ترکیب

اگر کان ناقصہ ہو تو بدء الوحی اس کا اسم (مرفوع) ہوگا اور کیف اسکی خبر مقدم ہوگی ــــ اور اگر کان تامہ ہو تو کیف بمنزلہ حال کے ہوگا اور بدء الوحی اس کا فاعل ہوگا۔

بدء: ہفت اقسام کے لحاظ سے یہ مہموز بدء یا پھر یہ ناقص واوی بَدْوٌ ہے ــــ اگر ہمزہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ابتداء ہے۔ اگر بدو ناقص واوی ہو تو اس کا معنیٰ ظہور کے ہیں۔ پہلی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ وحی کی ابتداء کیسی تھی ــــ؟ دوسری

صورت میں: وحی کا ظہور کیسے تھا؟ ــــ راجح ہمزہ کے ساتھ ہے کیونکہ دیگر نسخوں میں ہمزہ ہے ــــ نیز آنے والے ابواب میں بدء ہے کیف بدء الاذان، کیف بدء الخلق، کیف بدء الحیض۔

فائدہ: کیف کان بدء الوحی الخ یہاں ایک ترجمہ ہے دوسرا مقصود بالترجمہ ہے۔ مقصود بالترجمہ کے لحاظ سے صرف حدیث عائشہؓ کے جزاول "اول مابدئ من الوحی" کی ترجمہ سے ہی مناسبت نہیں ــــ بلکہ اس سے زیادہ مناسبت اس ترجمہ سے حدیثِ عائشہؓ کے ان اجزاء کی ہے جن میں سرورِ کائنات ﷺ کے اوصاف اخلاق اور دوسرے کمالات کا ذکر ہے اور حدیث ہرقل جو بظاہر مناسبت سے عاری تھی اس کی مناسبت بھی واضح ہوگئی کیونکہ اس میں موحی الیہ ﷺ خوبیوں کا تذکرہ دو (۲) دشمنوں کی زبان سے موجود ہے۔ جس سے وحی اور صاحب وحی کی عظمت وصداقت ثابت ہوتی ہے۔ (فضل الباری ص 126 ج 1)

فائدہ ۱:

امام بخاریؒ جب لفظ بدء استعمال فرماتے ہیں:

اس سے صرف نقطۂ آغاز ہی مقصود نہیں ہوتا ــــ بلکہ مابعد کے تمام حالات وکیفیات بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ جیسے باب بدء الاذان قائم فرمایا ــــ اس سے صرف اذان کی ابتداء ہی نہیں بلکہ جملہ متعلقات اذان مراد ہیں۔

اسی کو یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ایک ابتداء حقیقی ہے اور ایک ابتداء اضافی ہے ــــ بدء کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

گویا صرف بدء الوحی فی الغار بیان کرنہیں چاہتے بلکہ تمام پیش آمدہ احوال بیان کرنا مقصود ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ یہ بات ہم نے آپ کو سبق کے شروع میں بتائی اس سے نقطۂ آغاز مراد نہیں بلکہ سبق کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

(۲) بدء سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے انقطاع وحی مراد ہے۔ اس کے بعد جب بدء وحی مقصود ہوا تو وہ آخر وحی تک تمام تر احوال بتلانا مقصود ہیں۔ (انعام الباری)

بدر واحد کی لڑائیاں کفار کی طرف سے ہیں یہ مغالطہ ہے کہ بدر کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہے ابوسفیان کا شام کا سفر مدینہ طیبہ پر حملہ کے لیے تھا۔ ۔ مکہ مکرمہ میں چندہ جمع کیا گیا، مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد مدینہ طیبہ پر حملہ ہوتا ہے۔ ۔ اصول جنگ کے لحاظ سے آپ ﷺ نے سوچا کہ یہ سامان حرب مکہ معظمہ پہنچنے ہی نہ پائے، قافلہ پر حملہ کر دیا جائے۔ ۔ ۔ احد میں مسلمانوں کا استیصال مقصود تھا۔ ۔ غزوہ خندق کے وقوع سے قبل ہی کفار مکہ نے مدینہ طیبہ کے باغات تقسیم کر لیے تھے۔ یہود مدینہ صلح کے باوجود سازشوں سے باز نہیں آئے تھے۔ ۔ ۔ یہ احوال غربت اسلام پر دال ہیں۔ ۔ ۔ البتہ صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد اسلامی غربت ختم ہوئی۔

یہ سب غربت ابتداء اسلام میں داخل ہے، جو عرفی امتدادی ہے۔ ۔ اس لیے کہ آج مسلمانوں کو قریش مکہ کے مقابل مذہبی حیثیت سے فریق مصالحت تسلیم کرلیا گیا۔ ۔ ۔ اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے ہوتے ہی یہود خیبر کی خبر لینا ضروری سمجھا اور سلاطین دنیا کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔ ۔ بہرحال غربت اسلام کی بدء سے مراد ابتداء ممتدی عرفی ہے جو صلح حدیبیہ تک ہے۔

خود حضرت امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کیف کان بدء امرک تو جواب میں دس برس سے لے کر اٹھارہ برس کی عمر تک

اپنی تعلیمی و تصنیفی زندگی کا نقشہ سامنے رکھا۔۔ جس سے معلوم ہوا بدء سے صرف سے حقیقی ابتداء مراد نہیں ہوتی۔۔۔ پس انما الاعمال بالنیات کو حقیقی ابتداء کے لیے بیان کیا تو حدیث ہرقل کو اس ابتداء کی انتہا بنانے کے لیے لائے۔

دوسری بات:

حافظ نے اگرچہ بدء والے نسخہ کو راجح قرار دیا ہے مگر بدو کو غلط بھی نہیں فرمایا۔۔ لہٰذا ظہور کے معنی سے قطع نظر کی گنجائش نہیں۔۔۔ پس بدء کے لفظ میں بہت تعمیمات ہوئیں ایک اضافہ اور سہی یعنی ابتداء عام ہے مکانی یا زمانی ہو صفات موحیٰ الیہ کے لحاظ سے ہو۔۔۔ وہ نزول کے اعتبار سے ابتداء ہو یا ظہور کے لحاظ سے اب اس حیثیت سے حدیث ہرقل کا ہونا اس باب میں کتنا ضروری ہے خود ظاہر ہے۔

گویا امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وحی کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس کا ظہور کیسے ہوا؟ (ایضاح ج۲ ص ۵۹ ملخصاً)

فائدہ ۳:

ترجمہ کے جب دو جز تسلیم کریں ایک بدء الوحی اور دوسرے آیت شریفہ انا اوحینا الخ ــــــ تو بدء الوحی کیلئے دوسری حدیث کیف یاتیک الوحی ترجمہ کے جز بدء الوحی سے متعلق ہے اور باقی احادیث ''انا اوحینا الیک'' کی تشریح کے طور پر آئی ہیں۔ تو ترجمہ کا جزاول تیسری حدیث ہے اور باقی احادیث کا تعلق آیت شریفہ سے ہے۔ (انعام)

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الوحی مضاف الیہ پر زیادہ توجہ فرمائی مگر بدء جو مضاف ہے اس پر قدرے توجہ فرمائی۔ کیف بداء و من این جاء و من ایِ جھۃ وقع

جس میں تعمیم کی طرف اشارہ ہے پوری وضاحت نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام کو بعینہ باقی رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت شاہ صاحبؒ نے جس طرح لفظ وحی کو عموم پر محمول کیا ہے اسی طرح لفظ بدء کو بھی عموم پر محمول کیا جائے۔ تو کیف بدء کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا مبداء کیا ہے اور ظاہر ہے ایک ہی چیز کے بہت سے مبادی ہو سکتے ہیں۔

۱: مبداء فاعلی یہ کس نے کیا۔ ۲: مبداء مفعولی کہ سب سے پہلے کس پر واقع ہوئی۔ ۳: مبداء زمانی کہ کب سے شروع ہوئی۔ ۴: مبداء مکانی کہاں سے شروع ہوئی۔ ۵: مبداء باعتبار اسباب کہ کن کن اسباب کی بناء پر ابتداء ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس ایک ہی چیز کے مبادی بکثرت ہو سکتے ہیں، مثلاً فن تفسیر کے مبادی پندرہ (۱۵) علوم ہیں۔ (فضل الباری ص 121 ج 1)



وحی کالغوی معنیٰ

وحی کے لغوی معنیٰ بہت ہیں۔ ۱: الاعلام فی خفاءٍ مخفی خبر دینا۔ ۲: اشارہ۔ او حیٰ الیہ ای اشار الیہ۔ ۳: کتابت ما وحی بیدہ ای کتبہ۔ ۴: رسالۃ بمعنیٰ پیغام کو بھی لغۃً وحی کہہ دیتے ہیں۔ ۵: القاء فی الروع یعنی الہام کو بھی وحی کہتے ہیں۔ ۶: کل ما القیتہ الی غیرک کو بھی وحی کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے القاءِ شیطان کو بھی وحی قرار دیا گیا ہے۔ وان الشیطٰن لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم۔

علامہ ابن القیمؒ وحی کی تعریف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: الاعلام الخفی والسریع اور امام راغب ؒ الاشارۃ السریعۃ فی خفیۃ ــــ یعنی وسیع ومبسوط مضمون کو بالاختصار بالسرعۃ نازل کردیا جائے۔ الفاظ ومعانی کا افہام وتفہیم بیک وقت اس درجہ مخفی ہو کہ غیر نبی کو اس کا علم وخبر ممکن نہ ہو۔ (فضل الباری ج 1)

وحی کا اصطلاحی معنیٰ اور اس کی اقسام

کلام اللہ المنزل علی نبی من الانبیاء خفیا کان او جلیا متلوا کان او غیر متلو۔

اقسام وحی: مشہور سات اقسام ہیں۔ عند البعض آٹھ اور عند البعض چھیالیس ہیں۔ البتہ علامہ سہیلیؒ نے سات اقسام لکھی ہیں۔ بعض علماء حق نے اس کو مزید اختصار کر کے انہیں چار بنا دیا، تاہم مشہور سات ہیں۔

۱: وحی منامی: حق تعالیٰ شانہ خواب میں کوئی بات دکھائیں۔ وہ تمام خواب جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو بعد از نبوت آتے ہیں۔

۲: مثل صلصلۃ الجرس: گھنٹی کی آواز جیسے آجکل ٹیلیگرام۔

۳: حق تعالیٰ شانہ پسِ پردہ کلام فرمائیں: نبیؐ کو علمِ حضوری سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ آوازِ خداوندی ہے جیسے لیلۃ المعراج یا کوہِ طور پر گفتگو کا انداز۔

۴: القاء فی الروع جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ان روح القدس نفث فی روعی ــــ یہ اگر نبی کیلئے ہے تو وحی اور اگر ولی کیلئے ہو تو الہام ہے۔

۵: حضرت جبرائیلؑ اپنی اصلی شکل میں بنفسِ نفیس نظر آئیں اور گفتگو کریں۔

۶: فرشتہ انسانی شکل میں آکر گفتگو کرے جیسے حدیث جبرائیل۔

۷: وحی اسرافیلی: کہ فرشتہ تبدیل ہوجائے حضرت جبرائیلؑ کی بجائے حضرت اسرافیلؑ ہوں۔ فترت وحی کے تین سال یہ متعین تھے کوئی کلمہ آپ کو بتادیتے۔

حضرات محققین آخری چار اقسام کو ایک ہی قسم مانتے ہیں یعنی وحی بواسطہ ملک۔ اگرچہ اس کی شکل مختلف ہو۔

۸: وحی کی آٹھویں قسم بھی ہے اس کو وحی سکوتی کہا جاتا ہے۔ کہ نبی کوئی کام اپنی سمجھ ودانش سے کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو برقرار رکھا جائے نکیر نہ ہو تو یہ وحی ہے اور اس کا نام ''وحی سکوتی'' ہے۔

(فائدہ: وحی قلبی، وحی کلامی اور وحی ملکی بھی ایک تعبیر ہے۔ جس کی روشنی میں وحی کی تین اقسام گذشتہ سات کی جامع ہوں گی، وحی قلبی کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: جس میں وجدان قلب سے استماع ہو۔ ۲: جس میں حاسۂ ظاہر استعمال ہو۔)

امام حلیمی نے وحی کی چھیالیس اقسام بتلائی ہیں۔ روی عن ابی سعید الخدری الرؤیا جزء من ستۃ و اربعین جزئً من النبوۃ (بخاری ج۲ ص ۱۰۳۵)

وحی کے بارے میں علامہ ابن القیم کا دعویٰ ہے:

اللہ تعالیٰ ہمکلام ہو اور پیغمبر دل کے کان سے سنے یہ الا وحیا کا مصداق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمکلام ہو پیغمبر ظاہر کے کان سے سنے: یہ من وراء حجاب کا مصداق ہے ___ یہ دونوں صورتیں حضرات انبیاءؑ کے ساتھ خاص ہیں۔ (فضل الباری)

''وحی کا مجازی معنیٰ'' وحی کا مجازی معنیٰ تسخیر ہے جیسے واوحیٰ ربک الی النحل الخ، میں ___ کبھی وحی کا اطلاق موحیٰ یعنی الفاظ وحی پر بھی ہوتا ہے گویا تسمیۃ المفعول باسم المصدر ہے۔

فائدہ ۱: وحی اصطلاحی موقوف ہو چکی ہے جس کا تعلق حضرات انبیاءؑ سے تھا ___ مرزا لعین نے وحی کے لغوی معانی لیکر دجل وفریب کا سہارا لیا۔ سارے دعوے القاء پر کیے جبکہ وہ شیطانی القاء تھا۔

فائدہ ۲: وحیؐ مصدر خاص ہے حضرات انبیاءؑ کے ساتھ اور ایحاءؐ عام ہے نبی غیر نبی کے ساتھ۔

فائدہ نمبر ۳: الہام: یہ نبی وغیر نبی کے درمیان مشترک ہے۔ دعاء نبوی ﷺ اللھم الھمنی رَشداً اور فالھمھا فجورھا وتقویھا اسی اشتراک کی طرف مشعر ہے۔ البتہ حضرات انبیاءؑ کا الہام قطعی اور معصوم ہے، اولیاء کا نہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: کسی فرشتے کا توسط نہیں ہوتا۔ لیکن شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے مگر نظر نہیں آتا اور وہ ''روح القدس'' بھی نہیں ہوتا۔ اس کی آمد حضرات انبیاءؑ کے ساتھ خاص ہے ___ یہ عمومی ضابطہ ہے۔

رہی یہ بات کہ ولی کو فرشتہ نظر آتا ہے یا نہیں؟

اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ ولی کیلئے رویت والہام ثابت تو ہے مگر دونوں بیک وقت نہیں الہام ہے تو رویت نہیں۔ رویت ہے تو الہام نہیں جیسے حضرت عمران بن حصینؓ کا واقعہ، حضرت حنظلہؓ سے فرمایا: آپ کی مطلوبہ کیفیت برقرار رہے تو ملائکہ چلتے راستوں پر مصافحہ کریں۔ جس سے غیر نبی کیلئے امکان رویت فرشتہ واضح ہے۔ (فضل الباری ص 131)

نیز یہ بھی فرق ہے کہ ولی کے الہام میں امر ونہی نہیں ہوتا خطاب صرف نبی کو ہوتا ہے۔ ولی کیلئے تعریفات وتفہیمات ہیں ___ یعنی اوامر ونواہی کو کھول کر بتا دینا۔ (فضل ص 156 ج1)

ضرورۃ الوحی۔۔۔اجمالی دلیل:

جو دلائل ضرورتِ حدیث کے ذیل میں صفحہ نمبر ۶۴ پر بیان کئے گئے ہیں، وہ ضرورت وحی کے بھی ہیں۔

تفصیلی دلائل۔۔۔

دلیل نمبر ۱: انسان کو علم کی بنیاد پر خلافت ملی ہے۔ اور وہ علم وہی ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی ہو۔
اس لئے کہ انسان کیلئے ذرائع علم چار ہیں وحی، کشف، عقل و حواس اور الہام۔ وحی کے علاوہ باقی ذرائع علم ناقص ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ حاصل کردہ علم مدارِ خلافت نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ یہ تینوں علوم جو وحی کے علاوہ ہیں باہم متعارض ہیں۔
نیز عقل کے ناقص ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ عقل کا مبلغ حواس خمسہ ہیں اور حواس خمسہ محدود بھی ہیں اور غلطی بھی کرتے ہیں آنکھ ایک میل سے زیادہ نہیں دیکھ سکتی، یرقان والے کو ہر چیز پیلی نظر آتی ہے، سواری پر سوار کو درخت گھومتے بھاگتے نظر آتے ہیں، زمین و آسمان دور سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔
الحاصل وحی کے علاوہ علم کے تمام وسائل ناقص ہیں جبکہ انسان اللہ کا خلیفہ ہے اور اس خلافت کا مدار علم ہے خلافتِ انسانی کیلئے ضروری تھا کہ جس کا خلیفہ بننا ہے اسی کی طرف سے اسے علم سے بھی نوازا جائے۔
دلیل نمبر ۲ یعنی دلیل غذائی: انسان روح و جسم سے مرکب ہے۔ دونوں کو ابقاء کیلئے غذا کی ضرورت ہے جسم خاکی ہے اس کی غذا خاکی ہے، اور روح آسمانی چیز ہے اس کی غذا بھی آسمانی ہے، جو وحی ہے۔
دلیل نمبر ۳: یعنی دلیل شفائی: روح و جسم دونوں کو امراض لاحق ہوتے ہیں روح کی امراض کا علاج بذریعہ وحی ہے۔
دلیل نمبر ۴: انسان "اُنس" سے لیا گیا ہے، مدنی الطبع ہے تنہائی پسند نہیں ہے۔ مخلوط معاشرہ میں لین دین بھی ہوتا ہے، لین دین کے لحاظ سے جو چیزیں پیدا کی گئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔
لہٰذا اس کے استعمال کا طریقہ منجانب اللہ بتلایا جانا عین حکمت ہے وہی طریقہ وحی ہے۔ مثلاً ہبہ کے طور پر لینا دینا صحیح ہے مگر غصب کے طور پر صحیح نہیں ہے۔ اس لئے قیامِ امن کیلئے ضروری ہے کہ لین دین، باہمی حقوق کے تعین کے ساتھ ہو اور اس کا کوئی لائحہ عمل ہو۔ وہ منجانب اللہ طے کردہ لائحہ عمل ہی وحی ہے۔
فطرت پرست لوگوں کا دعویٰ ہے کہ رہبری و ہدایت، رد حق و باطل کی معرفت کے لیے نور عقل ہی کافی ہے وحی و رسالت کی ضرورت نہیں ہے۔
دلیل نمبر ۵: روزمرہ کا مشاہدہ ہے بجلی کی روشنی کے لیے بھی دو تاروں کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ عقل نہیں تو مکلف نہیں کتاب ہدایت کا فائدہ نہیں۔۔۔۔۔ عقل ہو کتاب ہدایت سے تعلق نہ ہو۔۔۔۔۔ پھر بھی فائدہ نہیں۔ (امداد 2/321)
دلیل نمبر ۶: یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دی ہے روح پر آمدہ بیماریوں کے ازالہ کے لیے ہمیں وحی و رسالت کی ضرورت

نہیں ایسا ہی دیوانہ پن ہے جیسے کوئی جسم کی بیماری پر کہے کہ ہمیں اللہ تعالٰی نے عقل دی ہے ہمیں ڈاکٹر وطبیب کی ضرورت نہیں۔(امداد 220,221/2)

دلیل نمبر ۷: زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء انسان کی غذا اور لباس، سواری سب کچھ جسم کے لیے موجود ہے روح جو انسان کا اعلیٰ حصہ ہے اس کے لئے کچھ نہ ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے غلام کو نوازا جائے اور بادشاہ کو نہ پوچھا جائے۔۔۔۔۔اس لیے حکمت کا تقاضہ ہے کہ اعلیٰ کے لیے اعلیٰ انتظام ہو وہ روحانی نظام، وحی و رسالت ہے۔

دلیل نمبر ۸: اصول ہے انسان کی آنکھیں بھی روشن ہوں اور باہر بھی سورج نکلا ہو تو کام چلتا ہے چنانچہ رات کے وقت باہر کی روشنی نہیں ہوتی تو ذاتی بینائی کام نہیں دیتی۔روشنی کرنی پڑتی ہے۔دن کے اجالے میں اگر اپنی آنکھ نہیں تو اندھے کے لئے سورج کی روشنی بے کار ہے۔اسی طرح باطنی عقل اور خارجی وحی کی روشنی ملے گی تو منزل مقصود حاصل ہو سکے گی۔(امداد الباری)

دلیل نمبر ۹: صداقتِ وحی وحی کے صدق و کذب کا مدار مخبر کے صدق و امانت پر ہے، اور مخبر کے صدق و امانت کے بارے میں اپنے پرائے سب یک زبان تھے نیز اعلانِ وحی سے پہلے دور میں کبھی جھوٹ ثابت نہ ہوا فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ الخ ___ تو اب مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔بقول علامہ اقبال مرحوم جس نے چالیس سالہ دور میں کبھی مخلوق کے سامنے اور اس کے بارے میں جھوٹ نہ بولا ہو اس کو چالیس سال کے بعد کیا ضرورت پیش آگئی کہ وہ خدا پر جھوٹ بولے ___

دلیل نمبر ۱۰: حفاظتِ وحی وحی کی سچائی تو ثابت ہوگئی ___ مگر کج فہم لوگ اب بھی کہہ سکتے تھے کہ وہ حقیقت اور سچائی آج تک محفوظ بھی ہے ___؟ اس کی کیا دلیل ہے؟

دلیل اول: قولہ تعالٰی: انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون۔(الذکر سے مراد قرآن کریم ہی ہے جو وحی محفوظ ہے دیگر کتاب سماویہ نہیں، اس لئے کہ تنزیل [نزول بالتدریج] صرف قرآن کریم کا خاصہ ہے دیگر کتب یکبارگی دی گئیں۔)

نظام اصلاح و تربیت کا تقاضا یہ ہے کہ نزول کتاب بالتدریج ہو۔یہ صورت اوقع فی النفس اور اس میں انشراح قلب زیادہ ہے۔

دلیل ثانی: وحی روح کائنات ہے جو ذات کائنات کی حفاظت فرما رہی ہے وہ روح کائنات کی بھی محافظ ہے ___

دلیل ثالث: ہر دور میں اور ہر علاقہ میں تسلسل کے ساتھ قرآن کریم کی کثرۃ حفظ دلیل حفاظت ہے، الفاظ، معانی، کیفیت و طرز ادا، رسم الخط تک محفوظ ہے۔

دلیل رابع: ''ختمِ نبوت'' بھی دلیل حفاظت ہے۔(جب کوئی نبی نہیں آسکتے، کمالات نبوت کی تکمیل ہو چکی، نئی وحی کی ضرورت ہی نہیں)

دلیل نمبر ۱۱: عظمتِ وحی۔ کسی بھی چیز کی عظمت اس کی نسبت سے معلوم ہوتی ہے، وحی کی عظمت اس کے وسائط سے معلوم ہوتی ہے۔مرسِل اللہ تعالٰی کی ذات بابرکات ہے، لانے والے سید الملائکہ حضرتِ جبرائیل امینؑ اور مرسل الیہ افضل

الانبیاء والمرسلین ﷺ۔ تو یہ امانتوں میں گھرا ہوا کلام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی بہت باعظمت ہے۔

دلیل نمبر ۱۲: اعجازِ وحی۔ قرآن کریم میں تحدی چیلنج آج تک مخالفین کے سامنے موجود ہے اور اس کے مدارج ہیں۔ اول کامل قرآن کریم کا چیلنج ہے بمثل ھذا القرآن ــــ دوسرا نمبر فاتوا بعشر سور مثلہ پھر فاتوا بسورۃ مثلہ پھر فلیاتوا بحدیث مثلہ۔

آج تک اس کے سامنے کوئی شخص دعویٰ لیکر نہ آسکا۔ جو وحی کے اعجاز کی دلیل ہے ــــ

دلیل نمبر ۱۳: اعجاز وحی کی مشاہداتی دلیل:

ان تمام مندرجہ بالا دلائل کے علاوہ صدیوں کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ دنیائے تہذیب وتمدن اور انسانی ارتقائی مدارج میں کیا کیا اور کس کس جہت سے تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ماضی کے احوال وضوابطِ حیات کو انسانوں نے ہی فرسودہ قرار دیکر ٹھکرا دیا ــــ مگر قرآن کے الفاظ، اسلوب، صحت، بلاغت وادب اور دیگر تمام پہلوؤں کے لحاظ سے انسانی طبائع میں اس کی تبدیلی کا تقاضا ہی پیدا نہ ہونا اور اس کی شان آن کا برقرار رہنا یہ بھی دلیل اعجاز ہے۔ مثلاً ایک آدمی روز فاتحہ پڑھتا ہے اور دن بھر کی بیسیوں رکعات میں پڑھتا ہے، کروڑوں انسان صدیوں سے ہر روز اربوں دفعہ تلاوت کرتے ہیں مگر اس کی لذت، چاشنی میں کوئی کمی نہیں اور متبادل کا کوئی تصور کسی ایک انسان کے ذہن کے کسی خانے میں نہیں ہے ــــ جبکہ زندگی کے تمام گوشوں میں ہزار ہا ہزار تبدیلیاں قبول کر چکا ہے جو اس کا مزاج ہے۔

فائدہ:

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ نے فرمایا: کہ کائنات میں غور کرو تو اشیاء دو قسم پر ہیں۔ (۱) براہِ راست خالق کی پیدا کردہ اشیاء۔ (۲) مخلوق کی پیدا کردہ اشیاء۔ مخلوق کی پیدا کردہ اشیاء مثلاً کار، اے سی، ریل گاڑی وغیرہ اس کی نقل ہوسکتی ہے اور ہو رہی ہے۔ براہِ راست خالق کائنات کی پیدا کردہ اشیاء سورج، چاند، ستارے وغیرہ ان کی نقل نہ ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے۔ اگرچہ دنیا بھر کے سائنس دان، عالی دماغ، صنعت کار اکھٹے ہو جائیں۔ اب سمجھو یہی حال کلام اللہ کا ہے۔ اس کی نقل نہیں ہوسکتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف چیلنج فرمائے ہیں۔

الی رسول اللہ ﷺ منصب رسالت

فائدہ: الی رسول اللہ... رسول ونبی بشر ہی ہوتے ہیں... اس لیے ان کے متعلق ابنیت وحلولیت کا عقیدہ رکھنا اور بشریت سے ان کو نکالنا غلط ہے... نبی ورسول کا قول وعمل نمائندگی خدا کا مظہر ہوتا ہے اس لیے مستشرقین کی زبان میں مصلح لیڈر یا ریفارمر کی تعبیر بھی غلط ہے کیونکہ لیڈر، ریفارمر خود بھی بن سکتا یا اس کی قوم بھی بنا سکتی ہے حتیٰ کہ اس کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔ اس کا حکم مذہب نہیں ہوتا صرف اخلاقی درجہ میں ہوتا ہے۔ اسی فرق کے تناظر میں ابوجہل نے کہا ہم اور بنی ہاشم میدان میں برابر سرابر رہے کھانا کھلانے اور گھوڑ دوڑ وغیرہ میں... آج بنی ہاشم میں سے ایک شخص نے اعلان نبوت کیا... اگر ہم اس کو

تسلیم کرلیں تو ہمارا خاندان پیچھے رہ جائے گا۔۔۔اگر ہم بھی نبی بنا سکتے تو ان کی نبوت تسلیم کرلیتے۔(امداد ج ۲ ص ۳۴۸)

"رسول" کی تعریف: انسان بعثه الله تعالی لتبلیغ الاحکام مع کتاب و شریعة۔

سوال: اس کی روشنی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول ثابت نہیں ہوتے اس لئے کہ نئی کتاب وشریعت نہیں لائے اور قرآن کریم میں انہیں کان رسولا نبیا فرمایا گیا۔

جواب ۱: یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔ جواب ۲: "نبی" عام ہے چاہے کتاب جدید اور شریعت ہو یا نہ ہو۔ گویا دونوں حالتوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر رسول تو نبی ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ جواب ۳: رسول تین سو تیرہ (۳۱۳) ہیں البتہ حضرات انبیاءؑ کی تعداد تقریباً مشہور روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش ہے۔

جواب ۴: راجح یہی ہے کہ نبی ورسول ہم معنی نہیں۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الخ عطف مغایرت کی دلیل ہے۔ رسول کے سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے کتاب النبوات میں بہترین فرق کیا ہے۔ نبی "مصلح" ہوتا ہے۔ جبکہ رسول وہ ہے جسے دشمنوں سے مقابلہ کا بھی حکم ہو۔ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ حاصل یہ کہ نبی اور رسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ لیکن عام طور پر کہا جاتا ہے: نبی عام ہے چاہے کتاب جدید اور شریعت ہو یا نہ ہو۔

فائدہ ۱: منصب رسالت

ایاک نعبدو ایاک نستعین دونوں جگہ مفعول مقدم ہے جو مفید حصر ہے، تیری ہی عبادت کرتے اور صرف تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ صرف اس لیے کہا گیا کہ ہر شخص کے ذہن میں یہ بات منقش وجاگزیں ہوجائے کہ پیغمبرؐ کی عبدیت اور رسالت کا اعتقاد اسلام کی اساس وبنیاد ہے۔۔عبدیت کی جگہ معبودیت والوہیت اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا نہ ہو (اوتار۔۔خدا جس میں حلول کرآئے۔ یہ عیسائیوں کا فرقہ حلولیہ یا براھمہ کا عقیدہ ہے۔) [امداد 2 / 344]

فائدہ ۲: رسول۔۔۔وکیل ومختار عام نہیں ہوتا

رسالت ووکالت دونوں کا تصرف دوسرے کے لیے ہوتا ہے، اپنے لیے نہیں ہوتا۔۔ لیکن وکیل مطلق کا تصرف بہ نسبت رسول کے زیادہ وسیع، زیادہ قوی ہوتا ہے، چنانچہ وکیل مطلق اپنے مؤکل کی طرف سے مختار ہوتا ہے، جو چاہے بطور خود بھی کرسکتا ہے خصومت وجوابدہی کا بھی حق رکھتا ہے۔۔۔رسول صرف امانت پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اپنی طرف سے تبدل وتغیر اور نسخ کا اختیار نہیں رکھتا۔۔۔اسی طرح کسی کے دل میں اتارنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا۔۔(کما کان ابو طالب)۔۔۔حاصل یہ کہ وکیل حسب محل وموقع خود گفتگو کرسکتا ہے، ترمیم وتنسیخ بھی کرسکتا ہے۔۔۔ مگر رسول کو یہ حق نہیں وہ بے کم وکاست پہنچانے کا ذمہ دار ہے،

اس تناظر میں وکیل کی حیثیت گو بلند ہے مگر بلحاظ ذمہ داری بہت سخت بھی ہے۔۔۔اس لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ہمارے فرستادہ لوگ رسول ہوں گے وکیل نہیں ہوں گے۔۔۔بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ہی سب کا وکیل ہے، اس کا کوئی اور وکیل کیسے ہوسکتا ہے۔۔۔نیز کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اس ذمہ داری کا بار اٹھا سکے جو خدا نے اپنے ذمہ لی ہے۔۔(یاد رہے کہ جہاں احادیث میں کتاب اللہ کا نسخ معلوم ہوتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی غیر متلو کے ذریعہ ہے۔ قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی آیت ۱۱)

فائدہ ۳: رسالت وبشریت میں تضاد کفار مکہ کرتے تھے کہتے تھے بشر ہو کر رسول نہیں ہوسکتا مفاد مالی اور اقتدار کا تقاضا اس وقت بھی تھا۔ آج بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ہو کر بشر نہیں ہوسکتا۔ آج کے مفاد کا تقاضا یہی ہے۔

اسی روشنی میں سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔آپؑ کی بعثت سے قبل مخاصمت نہیں تھی۔ کان الناس امۃ واحدۃ ___ اول اختلاف آپ کے دور سے شروع ہوئے۔انتوا نوحاً اول رسول بعثہ اللہ میں اسی تناظر میں آپ کو "اول رسول" فرمایا گیا ___ (نصر الباری ص 87 ج1)

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"رسول" سے مراد جناب نبی اکرم ﷺ بوجہ المطلق اذا یطلق یراد بہ الفرد الکامل۔

٢: اضافت عہدی ہے مراد آپ ﷺ۔

٣: رسول وقت مراد ہیں۔سابقہ ادیان منسوخ ہو چکے ہیں (سکہ رائج الوقت کا اعتبار ہے۔)

٤: بخاری شریف آپ ﷺ جمع احادیث کیلئے لکھی گئی ہے تو آپ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔(نصر الباری ص ج1 ص 86)

صلی اللہ علیہ وسلم (درود شریف)

صلوٰۃ کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد رحمتِ خداوندی ہے، اگر ملائکہ کی طرف ہو تو استغفار، اگر بندوں کی طرف ہو تو دعاء مراد ہوتی ہے ___ اگر چرند پرند کی طرف ہو تو تسبیح مراد ہوتی ہے۔قائل اور فاعل کے بدلنے سے ایک لفظ کے معنیٰ تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم۔جملہ خبریہ ہے مراد اس سے انشاء ہے تفاء لاً (درس بخاری 80)

حکم الصلوٰۃ علی النبی ﷺ

علامہ کرخیؒ کی رائے یہ ہے کہ عمر میں ایک دفعہ صلوٰۃ پڑھنا واجب ہے پھر مستحب۔

حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مرتبہ نام نامی آنے پر درود شریف سن کر پڑھنا واجب ہے۔

امام کرخیؒ فرماتے ہیں صلوا علی النبی امر ہے۔یہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کا حکم دراصل ایک سبب پر مبنی ہے۔اور ضابطہ یہ ہے کہ سبب کے تکرار سے حکم کا تکرار ہوگا ___ جیسے اقیموا الصلوٰۃ امر ہے تاہم فرضیتِ نماز کا سبب وقت ہے۔اور اس کا تکرار ہے تو نماز کا بھی تکرار ہوگا ___

اسی طرح درود شریف کا سبب آپ ﷺ کے نام نامی کا سننا ہے تو جب سبب کا تکرار ہوگا تو حکمِ صلوٰۃ پر عمل بھی مکرر ہوگا۔ تاہم جمہور کے نزدیک زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے پھر جس مجلس میں آپ ﷺ نام نامی آئے ایک دفعہ واجب ہے بعلاوہ ازیں مستحب ہے۔

فائدہ: صلوا وسلموا کے حوالے سے نام نامی آنے پر صلوٰۃ وسلام کو جمع کرنا بہت بہتر ہے۔ .صرف صلوٰۃ یا صرف سلام بھی جائز ہے۔ .کیونکہ آیت قرآنیہ میں واؤ مطلق جمع کے لیے ہے۔البتہ صرف صلوٰۃ یا سلام پر اکتفا کرنے کی عادت بنانا مکروہ ہے۔

وقول اللہ عز وجل

یہ بحالت رفع وجر پڑھا گیا ہے۔ اگر مرفوع پڑھا جائے تو ترجمۃ الباب کی دلیل ہوگی ___ اور واؤ استینافیہ ہوگی۔ اور اگر مجرور پڑھا جائے تو ترجمۃ الباب کا جز ہوگا اور لفظ باب اس کی طرف مضاف ہوگا۔ اس وقت یہ چونکہ جزو ترجمہ ہے تو ترجمۃ الباب کی دلیل حدیث الباب ہوگی۔

سوال: ترجمۃ الباب ہو یا ترجمۃ الباب کی دلیل ہو ہر دو صورت میں اشکال ہے:

اگر ترجمۃ الباب کا جز ہو تو دونوں اجزاء میں مناسبت ہونی چاہیے جبکہ یہاں دونوں میں عدم مناسبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ جز اول میں بدء الوحی کا ذکر ہے اور جز ثانی میں مطلق وحی کا ذکر ہے ___؟ اور اگر قول اللہ عز و جل کو دلیل تسلیم کرلیا جائے تو بھی مطابقت نہیں اس لئے کہ ترجمۃ الباب کے حوالے سے بدء الوحی کا دعویٰ ہے اور دلیل میں مطلق وحی کا ذکر ہے۔

جواب: (۱) دونوں اشکالات کے جواب کا مدار اس پر ہے کہ غور کیا جائے بدء الوحی کے دعویٰ سے غرض کیا ہے تو:

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں بدء کی اضافت الوحی کی طرف اضافت بیانیہ ہے اور بدء الوحی کا معنی ہے وہ ابتداء جو کہ بعینہ وحی ہے اور آیت کریمہ میں بھی وحی کا بیان ہے تو مطابقت کامل ہوگئی۔

(۲) بدء الوحی سے غرض عظمت وحی کا بیان ہے اور آیت کریمہ میں بھی عظمت وحی کا بیان ہے تو مطابقت ہوئی۔ آیت میں عظمت کا بیان یہ ہے کہ اِنَّا جمع کا صیغہ لائے ہیں۔ حضرت نوحؑ اور دیگر انبیاءؑ کے ساتھ اشتراک وحی میں تشبیہ دی ہے ___

اشکال ۲: ترجمۃ الباب میں کیف کان بدء الوحی ہے اور باب کے عنوان کے تحت جو روایات لائے ہیں ان میں سے صرف ایک صلصلۃ الجرس کے سوا کوئی بھی روایت ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں رکھتی؟

جواب ۱: باب کی غرض بیان وحی ہے۔ عام ہے کہ متلو ہو یا غیر متلو۔

جواب ۲: حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ سے منقول ہے کہ بدء کبھی انتہا کے مقابلہ میں بھی آتا ہے اور کبھی عدم کے مقابلہ میں: اللہ یبدء الخلق ثم یعیدہ ___ اس لئے کان بدء الوحی میں جو بدء ہے یہ عدم کے مقابلہ میں ہے۔ بدء الوحی کا مطلب وجود الوحی ہے اور آگے روایات میں کہیں نہ کہیں وحی کا ذکر ہے لہٰذا مناسبت ہوگئی۔

جواب ۳: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں: بدء بمقابلہ انتہاء کے ہے اور انتہاء سے مراد مرض الوفات کی وحی ہے اس سے پہلے کی تمام کی تمام وحی خواہ متلو ہو یا غیر متلو وہ بدء میں داخل ہے۔

جواب ۴: حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں بدء الوحی سے مراد وسائل وحی کا تذکرہ مقصود ہے کہ موحی کون ہے موحی الیہ کون ہے خود وحی کیا ہے۔ تو ان تین میں سے کسی بھی چیز کا ذکر ہو جائے تو مناسبت کیلئے کافی ہے۔

کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ

آیت کریمہ میں آپ ﷺ وحی کو حضرت نوحؑ اور دیگر انبیاءؑ کی وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

سوال: ابتداءِ وحی کو حضرت نوحؑ کی وحی کے ساتھ تشبیہ دی کیا ان سے قبل وحی نہیں اترتی تھی ___؟ خاص طور پر حضرت نوحؑ کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی تکوینی اور وحی تشریعی۔ حضرت نوحؑ سے پہلے جو وحی آتی تھی وہ تکوینی یا چند معاشرتی طریق بتلانے تک محدود تھی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام پر مکان بنانے اور حضرت شیث علیہ السلام پر زراعت اور حضرت ادریس علیہ السلام پر خیاطت کی وحی نازل ہوئی۔ تشریعی حضرت نوحؑ سے شروع ہوئی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس لئے وحی تشریعی میں مماثلت و تشبیہ مقصود ہے۔

جواب ۲: حضرت نوحؑ کی وحی کے ساتھ تشبیہ اولوالعزم پیغمبر ہونے کے لحاظ سے ہے۔ فاصبر کما صبر اولو العزم الخ۔

جواب ۳: دراصل تشبیہ صفتِ صبر کے لحاظ سے ہے کہ جیسے ان پیغمبر حضرات نے صبر کیا تو آپ ﷺ نے بھی کمال درجہ صبر فرمایا۔

جواب ۴: تشبیہ اس بات میں ہے کہ حضرت نوحؑ کو منکرِ معظّم کا واسطہ و سامنا ہوا ان سے پہلے کوئی منکر معظّم نہیں تھا۔ اور یہی صورتِ حال جناب رسول اللہ ﷺ پیش آئی اور وہ شرک کا مقابلہ ہے۔ نیز "امورِ آخرت" کی وحی میں اشتراک ہے۔

سوال: تشبیہ مساوات کا تقاضا کرتی ہے جبکہ آپ ﷺ وحی میں ختم نبوت، تکمیل دین جیسے اہم عناصر موجود ہیں جو بہر حال حضرت نوحؑ کی وحی میں نہیں ہے۔ تو تشبیہ درست نہ ہوئی۔

جواب: تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوا کرتی، وصفِ خاص میں ہوتی ہے۔ منکر کے معظّم ہونے کے لحاظ سے مساوات تشبیہ کیلئے کافی ہے۔

سوال: حضرت نوحؑ کی وحی کو مشبہ بہ بنانے سے حضرت نوحؑ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کیونکہ تشبیہ میں مشبہ بہ اصل ہوتا ہے۔

جواب: مشبہ بہ کیلئے اشہر و اعرف ہونا شرط ہے افضل ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ لہٰذا تشبیہ درست ہے۔

سوال: حضرت امام بخاریؒ نے فضائل قرآن میں ترجمۃ الباب اول ما نزل کا قائم کیا ہے ___ جس سے بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔ جواب: یہاں کیف کان بدء الوحی میں ابتدائی حالت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مطلق وحی کا بیان مقصود ہے۔ اور اول ما نزل سے ابتدائی احوال بیان کرنا مقصود ہے۔ تکرار نہ ہوا۔

جواب ۲: اول ما نزل کا باب فضائل قرآن کیلئے ہے اور یہاں فضائل وحی مقصود ہیں۔

جواب ۳: ابتداء بخاری میں عمومی وحی کا ذکر ہے خواہ آپ ﷺ ہو یا دیگر انبیاءؑ اور اول ما نزل میں صرف اور صرف آپ ﷺ وحی کا ذکر مقصود ہے۔

فائدہ: کعب بن اشرف اور فخاص بن عاذوراء یہودی نے ___ آپ علیہ السلام کی تسلیم نبوت کیلئے یکبارگی کتاب کا ملنا شرط لگایا ___ آیت شریفہ کے ذریعہ جواب دیا گیا من حیث الوحی فرق نہیں چاہیے یکبارگی یا متفرق طور پر دی جائے۔ (انعام منصر)

فائدہ: آیت انا اوحینا الیک الخ کے انتخاب کی وجہ:

اس آیت سے لیکر الیہ صراطاً مستقیماً تک ایسے امور وحی کا ذکر ہے جن کا ذکر دوسری جگہ کم از کم ایک ساتھ نہیں۔مثلاً (۱) وحی کی تشبیہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی کے ساتھ۔(۲) کلم اللہ موسیٰ سے انواع وحی کی طرف اشارہ ہے۔(۳) آگے ماننے اور نہ ماننے والوں کے انجام کا ذکر ہے۔(درس شامزئی ص 26)

والنبیین من بعدہ

ان الفاظ سے اشارہ کردیا کہ آپ ﷺ کی وحی تمام حضرات انبیاءؑ کیلئے جامع ہے جیسے کہ آپ ﷺ ذات جامع ہے تو آپ کی وحی بھی ان تمام خصوصیات کی جامع ہے جو ان کی وحی میں تھیں۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تعارفِ رواۃ

حدثنا الحمیدی:

حضرت حمیدی حضرت امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، حمیدی کی نسبت دادا کی طرف ہے۔اصل ان کا نام نامی عبداللہ بن زبیر ہے ۲۱۹ھ میں ان کی وفات ہے۔سعید حمیدی کے نام سے بھی یہ معروف ہیں اور یہ مکی ہیں۔

قال حدثنا سفیان:

اسناد میں عام طور پر دو سفیان ہوتے ہیں۔۱: سفیان ثوری۔۲: سفیان بن عیینہ (یہ تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں۔فضل الباری 1/136) جب مطلق سفیان ذکر کیا جائے تو سفیان بن عیینہ مراد ہوتے ہیں۔چونکہ دونوں ثقہ ہیں۔اس لئے ابہام مضر نہیں۔متوفی ۱۹۸ھ یہاں ابن عیینہ مراد ہیں۔

(۱) دونوں حضرات کی تعیین کی صورت یہ ہے اونچے طبقے میں نام آئے سفیان ثوریؒ، اگر نیچے میں آئے تو سفیان بن عیینہؒ مراد ہیں، (۲) تتبع طرق سے کسی سند میں کسی ایک کی تصریح مل جائے۔یہاں سفیان بن عیینہ مراد ہیں، حمیدی کا راوی ہونا قرینہ ہے۔.سفیان ثوریؒ طبقہ سابعہ یعنی تبع تابعین کے طبقہ علیا میں ہیں اور سفیان بن عیینہ آٹھویں یعنی تبع تابعین کے طبقہ وسطیٰ میں ہیں...نیز تبع تابعی ہیں تابعی نہیں۔(امداد ج۲ ص ۳۸۱)

یحییٰ بن سعید انصاری المدنی:

مشہور تابعی ہیں، ائمہ مسلمین میں سے ہیں، مدینہ طیبہ کے قاضی رہے ہیں۔م ۱۴۳ھ

ایک شخص کو انصاری معنی کی طرف نظر کرتے ہوئے فرمادیا گیا، انصار کا ہر فرد گویا جماعت کے قائم مقام ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان ابراہیم کان أمۃً قانتاً۔(امداد ج۲ ص ۳۸۳)

محمد بن ابراھیم التیمی: تیم قریش کا قبیلہ ہے اس کی طرف نسبت ہے م ۱۲۰ھ
اوساط تابعین میں سے کثیر الحدیث ہیں، ان کی نسبت تیم بن مرہ کی جانب ہے اور یہ تیم قریش کہلاتے ہیں، حضرت انسؓ کو دیکھا اور ابن عمرؓ سے شرف سماع حاصل ہے۔ علم وحلم میں کامل حفظ وضبط میں فاضل تھے۔ (امداد ج ۲ ص ۳۸۴)

علقمہ بن وقاص اللیثی: تابعی ہیں اگرچہ عند البعض صحابی ہیں۔ عبدالملک بن مروان کے دور میں رحلت ہے۔
صحاح ستہ میں علقمہ بن وقاص دوسرا راوی نہیں۔۔۔ ابن منذر نے ان کو صحابی لکھا ہے اگرچہ جمہور کے نزدیک تابعی ہیں۔ (امداد ج ۲ ص ۳۸۴)

حضرت عمر بن خطابؓ:

نام مبارک عمر، فاروق لقب، حضرات صحابہؓ میں اس نام کے واحد صحابی ہیں ــــ آپ پہلے انسان ہیں جو امیر المومنین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کی موافقات وحی ۱۹ ہیں۔ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو دوران نماز فجر ایک مجوسی غلام ابولولو نے خنجر سے وار کیا جس سے شدید زخمی ہو کر یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ عمر مبارک تریسٹھ برس اور دور خلافت دس برس چھ ماہ پانچ دن ہے۔

فائدہ: صحابہ میں عمر بن خطابؓ صرف آپ ہیں اگرچہ عمر نام کے تیئیس حضرات صحابہؓ ہیں اور بعض کے صحابی ہونے میں اختلاف بھی ہے۔ البتہ ذخیرہ حدیث میں آپ کے علاوہ چھ عمر بن خطاب ہیں، ولادت واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد ہے، قبولیت اسلام کے وقت آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر معانقہ فرمایا اور تین مرتبہ سینہ پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔
اے اللہ! ان کے سینہ سے کینہ وعداوت نکال دے اور ایمان سے بھر دے۔ جبرائیلؑ نے تبریک پیش کرتے ہوئے کہا۔ ہم باہم دیگر حضرت عمرؓ کے اسلام کی خوش خبری سنا رہے ہیں۔

آپ سے پہلے تینتیس مرد اور چھ عورتیں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا اسلام ہی فارق بین الحق والباطل ہے۔ نیز آپؐ نے بھی انکو فاروق لقب عطا فرمایا۔

پانچ سو سینتیس (۵۳۷) احادیث مرفوعہ ان سے منقول ہیں، صحیحین میں ۸۱ ہیں، ان میں ۳۴ روایات ایسی جو مسلم میں نہیں، اور مسلم شریف میں ۲۱ روایتیں ہیں جو بخاری میں نہیں۔ ۲۶ متفق علیہ ہیں۔ (امداد ج ۲ ص ۳۹۰)

فائدہ: قبل از اسلام حضرت عمر ابن الخطاب نے سب سے زیادہ بڑی برائی کی نیت کا ارتکاب کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اور عملاً تلوار لیکر تکمیل نیت وارادہ کیلئے چل بھی نکلے۔
اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کے طفیل وتصدق میں پوری امت کو تا قیامت حسن نیت کے درس کیلئے انتخاب فرمایا اور نیت معتبرہ کی حدیث انہی کے ذریعہ امت تک پہنچائی ــــ

فائدہ نمبر ۲ بعض اوقات اسناد میں کچھ لطائف قدرتی طور پر بلا ارادہ پیدا ہوجاتے ہیں اور بعض اوقات خود محدث پیدا کرتے ہیں۔ اس حدیث مذکور میں بھی متعدد لطائف ہیں:-

(۱) اول سند میں حمیدی اور سفیان مکی ہیں بقیہ رجال مدنی ہیں جس سے اشارہ مقصود ہے کہ ابتداء وحی کا تعلق مکہ سے ہے۔(الائمۃ من القریش اور قدموا قریشا کو مدنظر رکھا۔کشف ص ۲۳۷ ج ۱) اور دوسری حدیث امام مالکؒ کی ذکر فرمائی جو مدنی ہیں جس سے اشارہ ہے کہ وحی کا پھیلاؤ مدینہ طیبہ میں ہے۔

(۲) محدث جو بیانِ سند میں الفاظ ذکر کرتے ہیں وہ تمام اس اول سند میں جمع فرمادیئے ہیں تحدیث، سماع اور اخبار۔(امداد 2/392)

(۳) ایک ہی سند میں ایک ہی صفت کے کئی راوی آجائیں تو یہ بھی لطائف سند میں سے ہے۔چنانچہ یہاں حمیدی کے سوا باقی چاروں تابعی ہیں۔یہ بھی گویا سند کا حسن ہے۔

علی المنبر:

حضرات محدثین کرام کو اس پر تعجب ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ حدیث مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر سنائی اور ان سے روایت کرنے والے صرف علقمہ بن وقاص ہیں اور ان سے نقل کرنے والے بھی صرف ایک راوی محمد بن ابراہیم التیمی ہیں آگے یحیٰی بن سعید الانصاری ہیں یہ بھی اکیلے ہیں اس کے بعد پھر یہ حدیث مشہور ہوتی ہے۔حضرات محدثین کرامؒ کی اصطلاح میں یہ حدیث یحیٰی بن سعید کے تین واسطوں تک غریب ہے۔

(۴) حضرت امام بخاریؒ اپنی صحیح میں پہلی اور آخری حدیث غریب لائے ہیں تا کہ معلوم ہوجائے کہ غریب حدیث بھی قابلِ استدلال اور صحیح ہے۔غیر مقلدین کہہ دیا کرتے ہیں یہ حدیث "غریبی" ہے تو امام بخاریؒ نے ان کا رد فرمایا۔

نیت کی حدیث متواتر المعنی ہے، انما الاعمال کی حدیث لفظاً متواتر نہیں، تواتر کے لیے کثرت ہر طبقہ میں ضروری ہے، اس حدیث میں کثرت یحیٰی بن سعید کے بعد ہے۔(امداد ج ۲ ص ۳۹۳)

تشریح الفاظ حدیث:

انما الاعمال بالنیات

یہ حدیث شریف مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ، ۲: الاعمال بالنیات، ۳: العمل بالنیۃ، ۴: انما الاعمال بالنیۃ، ۵: الاعمال بالنیۃ۔

انما کلمہ حصر ہے نحوی علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ مرکبہ ہے یا بسیطہ ہے۔جو مرکبہ کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ان حرف مشبہ بالفعل ہے اور ما زائدہ ہے ــــــ البتہ اس پر اجماع ہے کہ کلمہ حصر ہے۔

دلیل اول: کلمہ حصر ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ انما کا استعمال ان مواقع پر ہوتا ہے جہاں ما اور الا کا استعمال ہوتا ہے اور ما اور الا حصر کیلئے ہوتے ہیں۔جیسے ما قام الا زید کی جگہ انما قام زید بھی کہہ سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ماعلی الرسول الا البلاغ، جبکہ دوسری جگہ فانما علیک البلاغ المبین، معنیٰ حصر کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں۔

شبہ ہوسکتا ہے کہ انما الاعمال بالنیات کا مطلب اگر چہ یہ ہے کہ نیت سے ایک درجہ میں عمل کا وجود ہوجاتا ہے تو پھر انما کلمہ حصر کے کیا معنیٰ؟ حالانکہ جوارح سے بھی عمل کا وجود ہوجاتا ہے اس کو ''حصر قلب'' کہا جاتا ہے اس سے حصر مقصود نہیں ہوتا محض مبالغہ اور تاکید مقصود ہوتی ہے مخاطب چونکہ یہی سمجھا ہوا ہے کہ عمل کا وجود فقط جوارح سے ہی ہوتا ہے حالانکہ نیت سے بھی عمل کا وجود ہوتا ہے اسی بات کو بتاکید ثابت کرنے کیلئے مخاطب کے اس حصر کو متکلم الٹ کریوں کہتے کہ عمل کا وجود محض نیت سے ہی ہوتا ہے۔(فضل الباری ص147ج1)

علامہ سندھی کی تحقیق یہ ہے: انما الاعمال بالنیات نہی مقدم عقلی ہے جسے حکم شرعی کے لیے بطور تمہید آپ ﷺ نے بیان فرمایا۔ عمل، مکلف کے فعل اختیاری کو کہتے ہیں جو نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔۔اب حکم شرعی سنو

انما لکل لامرئ مانوی۔۔آدمی کو اس کے عمل سے اس کی نیت ہی ملے گی۔ نیت ہی عمل کا پیمانہ اور معیار ہے۔۔یعنی اعمال کا خیر وشر ہونا، ان پر ثواب وعقاب کا ترتب اسی طرح کبھی ایک ہی عمل کا خیر وشر بن جانا ایک ہی عمل کا نیت کے تعدد کی وجہ سے متعدد بن جانا یہ سب کچھ نیت کے تابع ہے۔۔جتنی اور جیسی نیت ویسا پھل۔۔۔البتہ نیت ایسی معتبر ہے جس کی عمل میں صلاحیت ہو، بے محل کوئی چیز درست نہیں ہوتی، اسی طرح نیت بھی محل ہی میں معتبر ہوگی۔۔مسروقہ مال میں خدمت غرباء کی نیت معتبر نہیں۔۔(اس کو حلال جاننا تو مفضی الی الکفر بھی ہے)

حضرت علامہ فرماتے ہیں آنے والا جملہ اس پر مرتب ہے یعنی اس کا نتیجہ ہے۔ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ ای قصداً او نیۃً فھجرتہ الی اللہ ورسولہ اجراً او ثواباً

اسی طرح جملہ ثانیہ ہے۔ فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا قصداً او نیۃً فھجرتہ الی ماھاجر الیہ ای منصرفۃ الی الفرض الذی ھاجر الیہ فلا ثواب لہ او فھجرتہ قبیحۃ او غیر مقبولۃ۔

علامہ سندھی کی توجیہ کی خوبی یہ ہے الف لام استغراقی کی پوری رعایت ہے نہ کوئی تخصیص ہے نہ استثناء۔۔۔اسی طرح قاعدہ عربیت ہے کہ جار مجرور کا متعلق افعال عامہ میں سے ہونا چاہیے، اس کی بھی رعایت ہے کسی خاص تقدیر کی ضرورت نہیں۔

اسی ذیل میں امام بخاریؒ کا یہ واقعہ ہے کہ امام صاحب کی خدمت میں کچھ ہدایا پیش کئے گئے ایک تاجر نے خریدنا چاہا اور 5000 (پانچ ہزار) نفع دینا چاہا۔ حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا: کل آجاؤ سوچ کر جواب دوں گا۔ اپنے دل میں اس معاملہ کو قبول کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک اور تاجر نے دس ہزار (10,000/-) نفع دیکر انہیں لینا چاہا ظاہر ہے فتویٰ کے لحاظ سے امام صاحب پر کوئی پابندی نہیں لیکن امام صاحب نے فرمایا: گو پہلے تاجر سے صراحۃً کوئی معاملہ طے نہیں پایا تھا تاہم میں نے دل میں اس کی پیشکش کو قبول کرلینے کی نیت اور ارادہ کرلیا تھا میں اپنی نیت کو اللہ کے سامنے توڑنا نہیں چاہتا۔(فضل الباری ج1 ص65)

حاصل یہ اس حدیث میں نیت اور عدم نیت کا فرق بتانا مقصود نہیں بلکہ اس حدیث میں نیت صحیحہ اور فاسدہ کا فرق بتایا گیا ہے۔ کیونکہ ہجرت الی اللہ ورسولہ بھی نیت ہے اور ہجرت الی الدنیا بھی نیت ہے۔۔ فرق یہ ہے کہ ایک نیت صالح اور درست ہے اور دوسری نیت فاسد وقبیح ہے پس جب اس حدیث میں نیت، عدم نیت کا فرق نہیں بتایا گیا تو ثابت ہو گیا کہ اس حدیث کو نیت فی الوضوء سے کوئی تعلق نہیں۔ (امداد ج۲ ص ۴۰۰)

__الاعمال:__ یہ عمل کی جمع ہے۔ اس کے مقابلہ میں فعل کا لفظ ہے۔

سوال: الاعمال کا لفظ استعمال فرمایا الافعال کیوں نہیں فرمایا____؟

جواب: یہاں عمل کا لفظ ہی مناسب ہے اس لئے کہ عمل اور فعل میں متعدد وجوہ سے فرق ہے۔

(۱) عمل خاص ہے اور فعل عام ہے ہر عمل فعل ہوگا مگر ہر فعل کو عمل نہیں کہہ سکتے۔ عمل میں نیت شرط ہے جبکہ فعل میں نیت شرط نہیں۔

(۲) ہر عمل اختیاری ہوتا ہے ہر فعل کا اختیاری ہونا ضروری نہیں۔

(۳) عمل کیلئے دوام شرط ہے نہ کہ فعل کیلئے، جیسے ادائیگی نماز یہ عمل ہے فعل نہیں کیونکہ اس میں دوام ہے۔

(۴) عمل کیلئے صحت بھی ملحوظ ہے جبکہ فعل کیلئے ضروری نہیں۔ مثلاً ایک شخص بے وضو نماز پڑھتا ہے یہ فعل تو ہے مگر عمل نہیں۔ الغرض عمل مکلف کے فعل اختیاری کو کہتے ہیں۔

(۵) عمل کا لفظ ذوالعقول کے ساتھ خاص ہے فعل نہیں۔

__بالنیات:__ نیات، نیۃ کی جمع ہے، لغوی معنی توجہ القلب نحو الفعل یعنی بالقصد کسی کام کو سرانجام دینا۔ اصطلاح شرع میں: قصد العمل لوجہ اللہ تعالیٰ۔

__نیت اور ارادہ میں فرق:__ ارادہ میں اپنی غرض ذاتی داخل نہیں ہوتی، نیت میں نیت کنندہ کی اپنی غرض داخل ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پر ارادہ کا اطلاق تو ہے مگر نیت کا نہیں اس لئے کہ وہ اغراض سے پاک ہے۔

__اقسام نیت:__ (۱) تمییز العبادۃ عن العبادۃ، جیسے فرائض واجبات اور نوافل وغیرہ کہ اشتراک افعال کے باوجود محض نیت سے انمیں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ (۲) دوسری قسم: تمییز العبادۃ عن العادۃ جیسے کھانا پینا وغیرہ امور مباحات میں سنت کی نیت کرنا۔

(۳) قرآن وحدیث کی نصوص اور تصوف میں لفظ نیت معبود کو غیر معبود سے اور فقہاء کے اقوال میں ایک عبادت کو دوسری عبادت سے اور عبادت کو غیر عبادت سے اور عبادت کو عادت سے تمیز میں مستعمل ہوتا ہے۔ (فضل الباری ص145 ج1)

اس روایت کے تمام طرق پر نظر کریں تو اکثر روایات میں اعمال کا لفظ جمع اور نیت کا واحد ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا تعلق جوارح سے ہے اور وہ بہت ہیں اس لیے اعمال کو جمع لایا گیا۔۔ نیت کا تعلق قلب سے ہے اور وہ واحد ہے تو نیت کو بھی واحد لایا گیا۔۔۔ البتہ حدیث الباب میں اعمال اور نیات جمع ہیں۔۔۔ نیات کو جمع لانے میں اشارہ ہے جس طرح اعمال کی مختلف انواع ہیں اسی طرح نیت بھی مختلف ہوتی ہے۔۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے خوف جہنم سے عبادت مزدوری ہے اور طمع جنت میں عبادت تجارت ہے۔ اصل عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے، اس نیت سے جہنم سے تحفظ اور دخول جنت بھی حاصل ہوگا۔۔۔ اعمال کی طرح نیت میں بھی تنوع ہے اس لیے نیات لایا گیا۔ (امداد ج۲ ص ۳۹۸)

انما لکل امرئ مانوی

لفظ امرء کا اطلاق مرد پر ہے لیکن عورت حکم کے لحاظ سے تبعاً داخل ہو جائے گی۔

امرء کے لفظ میں ایک لطیفہ ہے ــــــ وہ یہ کہ اس را کی جو حرکت ہے وہ اس کے ہمزہ کے تابع ہوتی ہے جیسے لکل امرِئٍ منھم یومئذ شأن یغنیہ، یہ کسرہ کی مثال ہے اگر ہمزہ پر ضمہ ہے تو را پر بھی ضمہ ہوگا جیسے ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد، یہ ضمہ کی مثال ہے۔ اگر ہمزہ پر فتحہ ہے تو را پر بھی فتحہ ہوگا جیسے ما کان ابوک امرأ سوء۔

سوال: انما الاعمال بالنیات کے بعد جو ارشاد مبارک انما لامرء مانوی ہے یہ معنوی طور پر تکرار ہے اس لئے کہ دونوں کا مطلب ایک ہی بنتا ہے۔

جواب: عند البعض یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے ــــ لیکن جمہور کے نزدیک یہ تاسیس ہے تاکید نہیں۔ دونوں جملوں میں فرق ہے۔

(۱) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہلے ایک عرفی جملہ بول دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد شرعی بولا جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے: لکل شیء زینۃ وزینۃ القرآن سورۃ یٰسین۔ اسی طرح لکل امۃ امین وامین ھذہ الامۃ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں احادیث میں پہلا جملہ عرفی ہے اور دوسرا شرعی ہے۔

(۲) دوسرا فرق: پہلے جملہ میں عمل کا ذکر ہے اور دوسرے میں حاملین کا ذکر ہے۔

انما لکل امرء مانوی

حاصل مفہوم یہ ہے کہ جیسی نیت یا جتنی عبادت کی نیت ہوگی وہی مل جائے گا اگر انسان ایک عمل میں متعدد نیات جمع کر لیتا ہے مسجد میں جاتے ہوئے نماز، سلام، ملاقات احباب، مزاج پرسی مریض تو سب کا ثواب مل جائے گا یہ مانوی کی برکت ہے۔

اشکال: رمضان میں فرض روزہ رکھتے ہوئے نفل کی نیت کرے تو مانوی حاصل نہیں ہوتا روزہ فرض ہی ہوگا۔

جواب: محل نفل نہیں تھا اس لیے نفل نہ ملا۔

جواب ۲: فرض بھی عبادت نافلہ مع شیء زائدہ ہوتا ہے اس لئے یہ تو زیادہ مل رہا ہے گویا فرض کے اندر نفل داخل ہوتا ہے اس صورت میں مانوی مع شیء زائد مرتب ہوا۔ (نصر ۹۹ ج۱)

<u>انما الاعمال بالنیات سے متعلق دو اہم بحثیں اور ہیں۔</u>

البحث الاول:

الاعمال: الف لام استغراقی ہے یا عہد خارجی ــــ؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استغراقی ہے۔

ــــ لیکن استغراقی مراد لینے سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ اعمال صالحہ اور اعمال مباحات کے ساتھ اعمال معصیت بھی مراد لیے جائیں جبکہ ان کے بلا ارادہ کرنے سے بھی گناہ مرتب ہو جاتا ہے اور اچھی نیت سے وہ جائز نہیں ہو جاتے، جیسے چوری

کرتے وقت مال مسروقہ کو صدقہ کرنے کی نیت کرے تو ان اعمال میں نیت خیر نہیں ہو سکتی۔ اسلئے لام استغراقی کی بجائے عہد خارجی مراد لیا جائے گا جس کے ذیل میں خاص افراد عبادت اور مباحات بنیت سنت مراد لئے جائیں گے۔

البحث الثانی

فقہاء کرام کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے کیونکہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر نیت اعمال کا وجود نہیں ہوتا یہ ظاہر البطلان ہے۔ کیونکہ آدمی ہر وقت عمل کرتا ہے اور عمل کو وجود بھی مل رہا ہے لیکن نیت نہیں کرتا۔

اس لئے اس میں تاویل کا راستہ اختیار کیا جائے گا تاویل اختیار کرنے میں فقہاء کے دو گروہ ہیں۔ ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک لفظ صحت محذوف ہے۔ یعنی صحۃ الاعمال بالنیات۔ ہر عمل کے صحیح ہونے کیلئے نیت شرط ہے خواہ مقاصد میں سے ہو یا وسائل میں سے ہو۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں لفظ ثواب محذوف ہے کہ ثواب کیلئے تو نیت شرط ہے لیکن عمل کے صحیح ہونے کیلئے نیت شرط نہیں ہے۔ (وسائل میں)

لفظ صحت و ثواب کے محذوف ہونے کا ثمرۂ اختلاف

اگر بغیر نیت کے وضو کر لیا تو عند الاحناف وضو ہو جائے گا اگرچہ ثواب نہ ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وضو نہیں ہوگا۔

مبنیٰ اختلاف

یہ اختلاف دراصل ایک اور اختلاف پر مبنی ہے۔ کہ وضو عبادت ہے یا نظافت ہے ____ عند الجمہور عبادت ہے لہٰذا نیت ضروری ہے۔ حضرات احناف کے ہاں نظافت اور نماز کیلئے وسیلہ ہے۔ اس لئے نیت ضروری نہیں اور صحت وضو اس پر موقوف نہیں۔ اگرچہ وضو کا ثواب نہ ملے۔

دلیل جمہور:

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب متوضی وضو کرتا ہے تو گناہ ساقط ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ وضو عبادت ہے ____ کیونکہ گناہوں کا سقوط عبادت کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ ایک جمعہ آنے والے جمعہ تک سقوط گناہ کا سبب ہے۔

حنفیہ کی دلیل:

مفتاح الصلوٰۃ الطہور۔ وضو (طہارت) نماز کیلئے چونکہ وسیلہ ہے تو وسیلہ کیلئے نیت شرط نہیں جیسے کپڑے یا چٹائی کیلئے دھوتے وقت نیت شرط نہیں۔

اس بحث کے بعد تشریح حدیث کے سلسلہ میں اکابر کی رائے: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں نیت کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ نیت حسنہ اور نیت سیئہ اگر نیت اچھی ہو تو پھل اچھا آتا ہے بری ہو تو نتیجہ برا ہوتا ہے۔ فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ میں نیت حسنہ اور و من کانت ھجرتہ الی دنیا

یصیبھا او امراۃ ینزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ میں نیت سیئہ کا بیان ہے۔

ــــــ ابن کثیرؒ نے اعتبار مقدر مانا ہے انما اعتبار الاعمال عند اللہ تعالیٰ بالنیات۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے وجود کو مقدر مانا ہے مگر وجود حسی کے ساتھ وجود "عند اللہ" اور "وجود شرعی" مراد لیا جائے۔ چنانچہ اچھے برے عمل کی نیت کر لینے سے عند اللہ اس کا وجود متحقق ہو جاتا ہے اور ظاہر میں نہ ہونے کے باوجود عذاب وثواب کے فیصلے مرتب ہوتے ہیں ــــــ چنانچہ مریض ومسافر کو بلا عمل ثواب مل رہا ہے گویا وجود عمل ہے ــــــ نیز حضرت ضمرہ بن جندبؓ مکہ میں شدید بیمار تھے، بنیت ہجرت نکلے مگر تنعیم میں انتقال ہو گیا وجود ہجرت کو تسلیم کر لیا گیا اور فقد وقع اجرہ علی اللہ کی آیت شریفہ نازل ہو گئی۔

چنانچہ علامہ عثمانیؒ اسی کو مثال سے سمجھاتے ہیں: جنین؛ ہم اس کو موجود اس وقت سمجھتے ہیں جب وہ بطن مادر سے باہر آ جائے ــــــ حالانکہ اس کے اندر روح ولادت سے بہت پہلے ہی پھونکی جاتی ہے ــــــ مگر چونکہ ہماری نظروں میں نہیں آیا ہم اس کو موجود نہیں مانتے۔ مگر اللہ تعالیٰ جو یعلم ما فی الارحام ہے اس سے تو مخفی نہیں۔ اس لئے عند اللہ اس کا وجود اسی وقت سے شمار ہے۔ (فضل الباری ص 145 ج ۱)

(چنانچہ جنین کا اگر قبل از نفخ روح اسقاط کرایا جائے تو گناہ ہے اور بعد از نفخ قتل کے مترادف ہے۔ نیز جنین بھی وراثت میں حصہ دار ہوتا ہے۔ حالانکہ وجود خارجی نہیں مگر وجود عند اللہ ہے اس پر احکام فقہیہ بھی جاری ہیں۔)

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں وجودِ عمل قلب میں ہوتا ہے پھر ظہور عمل اعضاء سے ہوتا ہے ــــــ

تاہم وجود قلبی کا جہان لطیف ہے خارجی ذرائع کا محتاج نہیں ــــــ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ وجود قلبی وذہنی کے بعد ہی ظہورِ عمل ممکن ہے۔

دیکھا جائے تو انسان کے اپنے اختیار میں صرف "وجود قلبی" ہی ہے ــــ ظہور کیلئے صحت وحیات اور قدرۃ علی العمل کے تمام لوازم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ــــ چنانچہ اگر وہ صحت، حیات اور قدرت علی العمل کو باقی رکھے تو اس کا کرم ہے ــــ اور عذر، عدم قدرت وحیات کی صورت ہو جائے تو محض "وجود نیت" پر اجر اخروی مرتب فرما دیں گے۔ اس لئے کہ اسباب پر عمل کا ترتب اللہ کے ہاتھ میں ہے ــــ بندہ کی حیثیت ثانوی ہے۔

اسی طرح بروز قیامت نیت معتبرہ کے وجود پر قبولیت ہو گی۔ وہ اعمال جو نیتِ حسنہ کے ساتھ نہ ہوں گے ان پر عتاب وعقاب ہو گا۔

چنانچہ دوام علی الایمان کی نیت کی وجہ سے دواماً جنت اور دواماً کفر پر قائم رہنے کی نیت سے دواماً جہنم میں جانا ہو گا۔

اسی طرح ایک شخص کے پاس مال وعلم ہے۔ اُسے صحیح خرچ کرتا ہے وجود اعمال ہے۔ دوسرے کے پاس دونوں نہیں مگر نیت کرتا ہے میرے پاس ہوتا تو میں خرچ کرتا اس کو آخرت میں وجود اعمال دیدیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے کے پاس نہ مال ہے نہ علم، وہ ارادہ کرتا ہے کہ میرے پاس ہوتا تو میں بھی نام ونمود کرتا اس کو عذاب ہو گا گویا نیتِ محضہ سے وجود عمل ہو گیا ــــــ حاجی حج سے پہلے، معتمر عمرہ سے پہلے، غازی جہاد سے پہلے مرجائے تو صرف نیت کی وجہ سے عند اللہ ماجور ہو گا۔ یہاں ثواب "وجود

فی النیۃ" پر ہے ـــــ نیۃ المومن خیر من عملہ اسی کی دلیل ہے۔

سوال: وضو کے لئے آپ ایک لفظ ثواب محذوف مانتے ہیں اور نماز کیلئے لفظ صحت محذوف مانتے ہیں کیونکہ نماز کیلئے آپ بھی نیت ضروری قرار دیتے ہیں ـــــ؟

جواب: نماز کیلئے ہم نیت کو اس حدیث سے ثابت نہیں کرتے جس کی وجہ سے لفظ صحت محذوف ماننا پڑے، نماز کیلئے نیت ہم قرآن کریم سے ثابت کرتے ہیں و ما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ مخلصین لہ الدین میں دو چیزیں ہیں: (۱) خالص اعتقاد (۲) حسن نیت ہو تو وہ عبادت صلوۃ بنے گی۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز کے بارے میں استدلال اسی حدیث سے ہے لفظ صحت کی بجائے لفظ ثواب محذوف مانتے ہیں ـــــ چونکہ نماز سے مقصود ثواب ہے وہ نیت پر موقوف ہے اس لئے اگر نیت نہ کی تو ثواب نہیں ہوگا جب ثواب نہیں ہوگا تو مقصدِ صلوۃ حاصل نہ ہوگا اس سے صلوۃ کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ جس طرح انتفاء لازم سے انتفاء شی (ملزوم) ہوجاتا ہے اسی طرح انتفاء مقصد سے انتفاء شی لازم ہوجائے گا یعنی انتفاء ثواب سے انتفاء صلوۃ ہوجائے گا ـــــ لہٰذا نماز میں نیت ضروری ہے ورنہ ثواب ہی نہ ہوگا۔

مہاجر ام قیس نے بغرض نکاح ہجرت کی

اس پر آپ ﷺ نے انما الاعمال بالنیات فرمایا چونکہ ہجرت اور وضو وسیلہ اور آلہ ہونے میں یکساں ہیں تو آپ ﷺ نے ہجرت کو باطل قرار نہیں دیا اور واپس نہیں فرمایا بلکہ احکام ہجرت جاری فرمائے، جبکہ اس دور میں ہجرت فرض تھی، صل فانک لم تصل کی طرح کہ مکہ لوٹ جاؤ دوبارہ ہجرت کرو نہیں فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت پائی گئی مگر ہجرت کا ثواب نہیں ہوگا بالکل اسی طرح بلا نیت وضو ہوجائے گا مگر ثواب نہیں ہوگا اگرچہ وہ آلہ صلوۃ بن سکے گا۔

تو جس دلیل سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہو رہا ہے کہ ہجرت بلا نیت پائی گئی دلیل حنفیہ ہے۔ شوافع اس کو اپنی دلیل بنا رہے ہیں۔

الغرض ہجرت اور وضو دونوں عبادت غیر مقصودہ ہیں اس لئے اس ہجرت میں نیت شرعیہ نہ ہونے کے باوجود ہجرت ہوگئی، اسی طرح وضو میں بلا نیت وضو ہوجائے گا۔ البتہ ثواب نہ ملے گا اور وضو صحیح ہوجائے گا۔

ـــــ نیز وضو میں نیت فرض قرار دینے سے خبر واحد محتمل المعانی الکثیرہ کے ذریعہ نص قرآنی پر زیادتی لازم آتی ہے لہٰذا فرضیت نیت وضو میں ثابت نہیں ہوتی۔ بخلاف تیمم، اس میں نیت فتیمموا کے لفظ سے لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ نیز پانی مطہر بالذات ہے نیت ضروری نہیں اور مٹی مطہر بالذات نہیں ہے اس لئے قصد و نیت طہارت ضروری ہے۔

حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ نیت کے بغیر کوئی حنفی وضو نہیں کرتا، کیونکہ نیت سے توجہ قلبی اور ارادہ قلبی مراد ہے نہ کہ تلفظ بالنیۃ جو ثابت ہی نہیں۔ بلکہ حنابلہ کے ہاں بدعت ہے۔ افعال اختیاریہ سرانجام دینے سے پہلے ارادہ ضروری ہوتا ہے جس میں

حنفیہ وشافعیہ تمام برابر ہیں وضو کا عمل متوضی کے ارادہ ونیت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ اسلئے وضو بلا ارادہ کا خارج میں وجود ہی نہیں تو اس پر بحث کا کیا فائدہ ـــــــ؟

البتہ چلتے راہ کوئی آدمی نہر میں گر جائے تو اس کا وضو اور غسل بلا ارادہ متحقق ہو جائے گا اور شوافع کے ہاں صحیح نہ ہوگا یہ ایک شاذ صورت ہے اس کو زیر بحث لاکر ایک امر بدیہی کو امر نظری بنا دینا کچھ اچھا نہیں۔

نیز پانی ایک حقیقت ہے جو اپنی تاثیر میں نیت کا محتاج نہیں، آگ پر ہاتھ پڑے گا تو جلے گا برف سے ٹھنڈک محسوس ہوگی، کوئی نیت کرے یا نہ کرے، پانی کی حقیقت میں تطہیر داخل ہے پانی کے استعمال کے بعد حصول طہارت ہو جائے گا۔ (امداد ج ۲ ص ۴۰۶)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وضو میں نیت فرض ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، زفر، ثوری، اوزاعی، حسن بن علی کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت فرض نہیں البتہ مسنون ہے۔۔۔ امام مالکؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، امام اوزاعی، حسن بصری کے نزدیک تیمم میں بھی نیت فرض نہیں۔۔ گویا یہ دونوں حضرات حنفیہ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔

حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی کے گھر قرآن کریم کو چھونا چاہا۔ ان لوگوں نے منع کر دیا کہ تم ناپاک ہو اللہ کا پاک کلام نہیں چھو سکتے۔۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا، ان کو قرآن کریم دے دیا گیا۔۔ حضرت عمرؓ کافر تھے، کافر کی نیت معتبر نہیں ہوتی تو ان کا غسل کیسے صحیح ہوا؟

بہن بہنوئی دونوں مسلمان تھے گویا دو صحابیوں کا فتویٰ ہو گیا۔۔ حضرت خبیبؓ تیسرے گواہ تھے اگرچہ وہ مخفی تھے۔ لیکن ظاہر ہونے کے بعد نکیر نہیں فرمائی، اور حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کی حضور ﷺ ضرور خبر ہوئی ہوگی اس لیے من وجہ حضور اقدس ﷺ کی تقریر بھی تھی۔۔۔ جب غسل بدوں نیت (وہ بھی کافر کا) صحیح ہو گیا تو وضو (مسلمان کا) بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔۔۔ کیونکہ حدث اصغر کا معاملہ بہر صورت حدث اکبر سے اخف ہے۔۔ جو لوگ نیت کی فرضیت کے قائل ہیں ان کے پاس ایسی کوئی صریح روایت کسی صحابی سے اس کے خلاف نہیں۔۔ صریح کے مقابلے میں مجمل ومہمل سے استدلال درست نہیں۔

پھر بھی حنفیہ نے لکھا ہے: **ان المامور به المسنون هو الوضوء المنوى ولاخلاف فيه كما نقله فى البحر الرائق۔** (الدر المختار وغیرهما) [امداد ج ۲ ص ۴۱۲]

"فائدہ انوریہ"

دین کا مجموعہ، ۱: اعتقادات، ۲: اخلاق، ۳: عبادات، ۴: معاملات اور ۵: عقوبات ہیں۔ فقہ میں اعتقادات واخلاق سے بحث نہیں ـــــ عبادات میں بالاتفاق نیت شرط ہے ـــــ معاملات میں مناکحت، مالی معاوضات، خصومات، ترکات اور امانات میں بالاتفاق نیت شرط نہیں ـــــ صرف نفاذ ہے ـــــ

اسی طرح عقوبات میں حد ردت، قذف، سرقہ وقصاص میں کسی نے نیت کی شرط نہیں لگائی ـــــ حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں جس طرح ان حضرات نے معاملات وعقوبات کو نیت کے دائرے سے خارج کیا ہے ہم بھی وضو کو ان اعمال سے خارج

کرتے ہیں کیونکہ وہ عبادت محضہ نہیں بلکہ ایک وسیلہ ہے۔ اگر وضو میں عدم اشتراط نیت کا اعتراض ہمارے ذمہ آتا ہے تو ان حضرات کی طرف اسی حدیث سے معاملات وعقوبات میں عدم اشتراط نیت کا اعتراض متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ (کشف ج۱ ص۲۶۸)

(فائدہ: حضرت ام سُلیمؓ نے حضرت ابوطلحہؓ سے مشروط بالاسلام نکاح کیا تھا جو ہجرت سے بڑی چیز ہے کیا وہ معتبر ہوگا___؟

اس وقت کی فضا میں اس کا چھپا رہنا ممکن نہیں اور آپ ﷺ کی طرف سے نکیر سامنے نہیں آئی تو اعتراض نہیں ___ مہاجر ام قیس پر نکیر ہے تو ثواب ہجرت نہیں ہوگا۔)

سوال: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نکاح جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ مشروط بالاسلام تھا۔ کیا ان کا اسلام حدیث ہجرت کی روشنی میں قابلِ اعتبار ہوگا یا نہیں ___؟

جواب: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اسی دوران نکاح کی بات چل پڑی ___ لہٰذا اسلام کا قبول کرنا "حصول منکوحہ" ہی کیلئے نہ تھا۔ (فضل الباری ص150 ج۱)

بہر حال حدیثِ ام سلیم رضی اللہ عنہا میں اسلام پہلے اور نکاح بعد میں ہے ___

حضرت مہاجر ام قیس رضی اللہ عنہ کی شانِ صحابیت سے بعید ہے کہ انہوں نے ہجرت فقط حصولِ زوجہ کیلئے کی ہو۔ بلکہ ثواب ہجرت مع حصولِ زوجہ کیلئے کی ___ مگر حسنات الابرار سیئات المقربین کے تناظر میں اس پر بھی انکی بلندئ شان کی وجہ سے لطف بھرا عتاب ہوا۔ (فضل الباری ص139 ج۱ ملخصاً)

یہ حضرات صحابہ کرام کا کمال احتیاط ہے کہ مہاجر ام قیس کا نام مخفی ہی رکھا۔ (امداد ج۲ ص۲۲۷)

(۱) مواہب لطیفہ اور طبرانی کی روایات ملانے سے پتہ چلتا ہے مہاجرِ ام قیس کے واقعہ پر تو آپ ﷺ نے نکیر فرمائی ہے۔۔۔ حضرت ابوطلحہؓ کے معاملہ میں مکمل سکوت ہے آپ ﷺ اور حضرات کی طرف سے کوئی نکیر نہیں۔۔۔ اس لیے ایک کو مہاجر ام قیس کہا دوسرے کو مسلم ام سلیمؓ نہیں کہا، چنانچہ استیعاب میں فحسن اسلامہ کے الفاظ بھی اس کو مؤید ہیں۔

(۲) لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن۔۔۔ یہ آیت شریفہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان نازل ہوئی۔۔۔ گویا ابھی مشرکہ سے تحریم نکاح کے بارے میں ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی فلا اشکال (امداد ج۲ ص۲۲۸)

فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ

ہجرت دو قسم پر ہے۔ ظاہری، باطنی۔ ہجرت ظاہری دار الفساد سے دار الامن یا دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف آنا ہے۔

ہجرت باطنی یہ ہے: المھاجر من ھجر مانھی اللہ عنہ ___ اور ایک روایت میں ہے: والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب ___ جس نے کامل منہیات کو ترک کیا وہ کامل مہاجر اور جس نے بعض کو ترک کیا وہ ناقص مہاجر ہے۔

الی دنیا: دنیا کا لفظ دُنُوّ یا دنائۃ سے ماخوذ ہے، اگر دنوّ سے مشتق ہو تو اس کی اصل دنوی ہے جو فُعلیٰ کے وزن پر ہے۔ یہاں واؤ کو "ی" سے بدل دیا گیا ہے۔ اس کا معنی نزدیک ہونے والی ہے۔ چونکہ دنیا بھی آخرت کے مقابلہ میں قریب اور نزدیک ہے اسلئے اس کو دنیا کہا جاتا ہے۔

اور اگر دنائۃ سے مشتق ہو تو اصل دنئی تھا چونکہ مہموز اللام کے قاعدہ کے تحت ہمزہ ی سے بدل گیا ہے اس لئے دنیا ہو گیا اس کا معنی "کمینی" ہے۔ یہ بھی آخرت کے مقابلہ میں کمینی ہے۔ پس طالب دنیا طالب کمینی ہے۔

یہ اسم تفضیل ہے تانیث اور لزوم تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے یہ ایک سبب دو کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کام کو کرنا نیت ہے جو امر مخفی ہے۔۔ تو امام بخاریؒ نے ہجرت الی اللہ کے لفظ کو حذف کر دیا۔ اور ہجرت الی الدنیا ظاہر ہو جانے والی چیز ہے۔۔۔ پس ہجرت الی اللہ کے جملہ کو حذف کر دیا۔۔۔ اس بات کو اللہ کے حوالہ کر و اس تالیف سے میری نیت خالص ہے۔۔ تم صرف اتنا سمجھو کہ میری نیت فاسد نہیں۔

کتاب میں کسی کا مذہب لیا اور کسی کا ترک کیا، کسی کی تائید کی اور کسی کی تردید کی۔۔۔ اس سے اپنی علمی عظمت یا دنیوی غرض مقصود نہیں۔۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے ہجرت الی الدنیا کے جملہ کو نقل فرمایا۔۔ میری نیت میں برائی نہیں۔ (امداد ج۲ ص ۴۲۰)

حدیث مبارکہ کا شان ورود

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے ایک آدمی نے ام قیس نامی عورت جس کا نام قیلہ ہے کی طرف پیغام نکاح بھیجا اس نے کہلا بھیجا کہ اسی شرط پر نکاح کر سکتی ہوں کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجاؤ ــــــ چنانچہ اس شخص نے اسی تناظر میں ہجرت کر لی اس وجہ سے ان کو مہاجر ام قیس کہا جانے لگا ان کا نام گرامی معلوم نہ ہو سکا۔ اس پر آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امراة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه۔

سوال: دوسرا جملہ میں فهجرته الی الله و رسوله صراحۃً بولا ہے۔ اور یہاں فهجرته الی ما هاجر الیه فرما کر ابہام کر دیا اس کی کیا وجہ ہے ــــ؟

جواب ۱: بیان حقارت دنیا و عورت کیلئے کہ یہ دونوں اس قابل نہیں کہ بار بار ذکر کیا جائے۔

جواب ۲: یہ دونوں مستہجن ہیں اور مستہجن چیزوں میں ابہام ہی تہذیب کا تقاضا ہے ــــ ما ترکت فتنة اضر علی الرجال من النساء (بخاری مسلم)

اگر نیک بودے ہمہ کار زن	زناں مزن نام بودے نہ زن
اکبر دبے نہ تھے کبھی برٹش کی فوج سے	لیکن شہید ہو گئے بیگم کی ایک لوچ سے

سوال: حضرت امام بخاریؒ نے حدیث میں کیوں اختصار فرمایا اور فمن کانت هجرته الی الله و رسوله فهجرته الی الله و رسوله ــــ کیوں ترک کیا؟

جواب ۱: امام بخاریؒ کا یہاں اختصار اپنے اساتذہ کرام کے اتباع میں ہے۔ چونکہ حضرات اساتذہ کرامؒ نے اختصار کیا تھا آپؒ نے بھی کیا۔

جواب ۲: حضرت امام بخاریؒ نے تواضعاً ایسا کیا تا کہ یہ دعویٰ نہ ہو کہ میرے عمل میں بہت اخلاص ہے۔

یہ دونوں جواب اس بنا پر کمزور ہیں کہ یہی حدیث اور جگہ بھی آئی ہے وہاں تو تواضع کو یا اتباع اساتذہ کو پیش نظر نہیں رکھا۔

جواب ۳: ایک ہے جلب منفعت اور ایک ہے دفع مضرت۔ دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہوتی ہے ــــ اسی تناظر میں سمجھیں کہ ایک حسن نیت ہے اور ایک بدنیتی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے پہلا جملہ حذف کر دیا تا کہ یہ سامنے رہے کہ حسن نیت اگر مستحضر نہ ہو، تاہم بدنیتی سے بچنے کا اہتمام دفع مضرت کے حوالہ سے ضرور کرنا چاہیے۔

خرم فی الحدیث کا حکم

امام بخاریؒ نے یہاں حدیث میں اختصار کر کے بتلایا: "خرم فی الحدیث" میرے نزدیک جائز ہے۔ مطلب یہ کہ حدیث کے بعض جملوں کو ذکر کیا جائے اور بعض کو حذف کر دیا جائے۔ (کشف ص274 ج1)

حدیث الباب کا ترجمہ سے ربط

سوال: اس حدیث کا باب سے کیا ربط ہے ــــ؟

جواب: حضرات محدثین کرامؒ نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔

(۱) اس حدیث کو حضرت امام بخاریؒ نے بطور خطبہ ذکر کیا ہے۔ ترجمۃ الباب کی دلیل کے طور پر ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے مناسبت باہمی تلاش کرنا بے معنی ہے۔ بطور خطبہ ذکر کرنے کی کئی وجوہ درج ذیل ہیں۔

۱: طالب علم کو چاہیے کہ اگر حسن نیت نہ حاصل کر سکے تو بدنیتی سے تو اپنے کو بچائے۔

۲: تحدیث نعمت کے طور پر یہ حدیث لائے ہیں کہ اپنی کتاب اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے شروع کر رہا ہوں اور کوئی غرض پیش نظر نہیں۔

۳: ہجرت کا ذکر کر کے اشارہ فرمایا کہ طالب علم کو نوع من الھجر ضروری ہے۔

ج(۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بطورِ خطبہ کے نہیں۔ اس لئے ترجمۃ الباب سے مناسبت تلاش کرنے کی ذمہ داری باقی ہے۔ چنانچہ مناسبت کو مختلف طُرق سے حضرات محدثین کرامؒ نے بیان فرمایا ہے۔

(۱) وحی سے مقصود احکام و اعمال ہیں تو وحی مبدأ احکام ہے، اور نیت مبدأ اعمال ہے۔ تو ترجمۃ الباب میں مبدا العلوم "وحی" کا ذکر ہے اور حدیث میں مبدا الاعمال "نیت" کا ذکر ہے تو مبدأ کے لحاظ سے دونوں میں مناسبت ہو گئی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں وحی کی ابتداء ہوئی اور جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سب سے پہلے یہ حدیث بیان فرمائی تو ابتداء، ابتداء کے لحاظ سے مناسبت پائی گئی۔

(۳) حدیث میں ہجرت کا ذکر ہے اور ترجمہ میں بدء الوحی کا ذکر ہے۔ ہجرت کا معنیٰ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال ہے اور شرعی ہجرت معصیت سے طاعت کی طرف انتقال ہے۔ اور یہ ہجرت فرض ہے۔ (المهاجر من هجر مانهى الله عنه) تو شرعی ہجرت وحی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۴) آپ ﷺ کے دور میں مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرض تھی آپ ﷺ نے گھر سے ہجرت غارِ حرا کی طرف کی جو تقریباً چھ ماہ تھی، یہ ہجرت نزولِ وحی اور ہدایتِ وحی کا ذریعہ بنی۔ دوسری ہجرت ظہورِ وحی اور فروغ وحی کا ذریعہ بنی تو ترجمہ بدء الوحی اور حدیث ہجرت میں مناسبت واضح ہے۔

(۵) عمل کی دو جانبیں ہیں ایک ورود منجانب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلف بنایا جانا دوسری جہت مکلف سے اس کا صدور ــــ ورود عمل بذریعہ وحی ہوتا ہے اور صدور عمل بذریعہ نیت ہوتا ہے، ترجمۃ الباب میں وحی کا ذکر ہے جو عمل کی جانب اول ہے اور حدیث میں نیت کا، جو جانب آخر ہے۔

(۶) وحی اسرار الٰہیہ میں سے ہے اس کے لئے بندوں کا انتخاب ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ، اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس ــــ اسی طرح اخلاصِ نیت سر من اسرار اللہ ہے۔ اس کیلئے قلوب کا انتخاب ہوتا ہے اس طرح وحی اور اخلاص کے لحاظ سے انتخاب کی مناسبت ہوگئی ــــ

(۷) وحی سے علوم واسرار کے بعد انشراح نصیب ہوتا ہے اخلاص کی وجہ سے انشراح حاصل ہوتا ہے۔

(۸) وحی کے ذریعہ تعیین عمل ہے اور نیت کے ذریعہ تکمیل و تصحیح عمل ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ ڈگری کیسی ہوتی ہے منصب وہبی ہوتا ہے۔ ڈگری کے حامل بہت ہوتے ہیں، مگر افسر ایک بنتا ہے ــــ جس شخص کو نبوت عطا ہوتی ہے اس میں صفات اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہئیں، صفات میں سب سے بڑی صفت ''اخلاص کا کمال'' ہے تو امام بخاریؒ بدء الوحی کے ذریعہ بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ طرف جو وحی بھیجی گئی تھی وہ اس لئے بھیجی گئی تھی تو اسی اخلاص کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے اور اس کے حاصل کرنے کی تلقین۔ گویا نبی اعلیٰ درجہ کا مخلص ہوتا ہے ــــ اس لئے بدء الوحی اور حدیث کے لحاظ سے آپ ﷺ مرکز اخلاص'' ہیں۔

ربط نمبر ۹: نزولِ وحی کے وقت سب سے پہلی چیز جو قلب نبوت میں آئی وہ یہ نیت ہے کہ انجذاب وحی کر کے اسے جزو نفس کر لوں ــــ (اسی تناظر میں لاتحرک بہ لسانک فرمایا جانا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔) دوسری نیت مخلوق کو پہنچا کر اس امانت کو ادا کروں ــــ تو بدء الوحی کے ترجمہ کے بعد حدیث الباب انما الاعمال الخ لانا کامل مناسبت ہے ــــ بہر حال ''بدء الوحی'' اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کہ کس طرح سے بھیجی ــــ نبی کا فعل یہ ہے کہ وحی آئی تو نبی نے کیا نیت کی ــــ؟ تو وہ یہ تھی تحمل وحی بھی کروں اور ادائیگی بھی کروں۔ تو بدء الوحی کو نیت سے اتنی مناسبت ہے کہ درجہ اول میں انجذاب وحی کی نیت اور حدیث الباب میں امانت کی ادائیگی کی نیت ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج 6)

فائدہ نمبر ۱: کوئی بھی عمل صالح واجب، سنت یا مستحب ہو اس وقت تک موجب اجر و ثواب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت نہ ہو۔ چنانچہ حصول شہرت یا نام و نمود کی نیت پر ثواب ہی نہیں گرفت بھی ہوگی۔ ہمارے پڑھنے پڑھانے، تقریر و وعظ، دعوت و تبلیغ اور جہاد و سیاست سے مقصود اللہ کی رضا ہو۔ یہ فکر نہیں ہونی چاہیے کہ مخلوق کیا کہے گی۔

فائدہ نمبر ۲: جو مباح اعمال ہیں ان کو حسن نیت سے عبادت بنایا جائے۔ (انعام)

حدیث الباب کی جامعیت

امام شافعیؒ سے نصف علم کا قول ہے اور ثلث اسلام کا قول امام احمدؒ کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

انما الاعمال بالنیات کی حدیث ثلث اسلام ہے اس لئے کہ عمل دل سے؛ زبان سے یا اعضاء سے ہوتا ہے۔ ان تینوں قسموں میں سے ایک قسم نیت ہے بلکہ ان تینوں میں سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے کہ یہ مستقل عبادت ہے اور دوسری دو قسمیں عبادت بننے میں اس کی محتاج ہیں۔

فائدہ: "الجامع الصحیح للبخاری" اہل علم اور امت کے کبار محدثین کی نظر میں نکات کا ہدف رہی ہے۔ یہاں تک کہ اگر راویان سب مدنی ہیں فقہاء ہیں اور طبقہ و استاذ شریک ہیں تو انہیں نکتہ بعد الوقوع کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

اسی تناظر میں بخاری شریف کی ابتداء میں صحابیات کے لحاظ سے جو صورتِ حال سامنے آئی ہے اس سے اسلام، شریعت اور روایت و درایتِ حدیث کے لحاظ سے عورت کے مقام بلند پر روشنی پڑتی ہے ــــــ جس سے یہ پروپیگنڈا فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے کہ عورت کو اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔

عام طور پر قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں خطاب وامر مردوں کو کیا ہے مگر انہی احکام کی عورت بھی مکلف ہے۔ بعض امور میں اس کی تخلیق وساخت کے لحاظ سے قادرِ مطلق نے اسے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

الصحابة کلهم عدول میں صحابیات بھی شامل ہیں۔ مرسل صحابی کی طرح مرسل صحابیہ بھی حجت ہے۔ عورت مقام افتاء حاصل کر سکتی ہے۔ فتویٰ کے لحاظ سے اس سطح پر ہے کہ صحابہ کرامؓ بعض اوقات اپنے فتویٰ سے رجوع فرما لیتے جب ام المومنین سیدہ عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا قول سامنے آتا ہے۔ اب صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے:

بخاری شریف کی پہلی روایت حضرت عمرؓ سے ہے جس سے "مدارِ عمل نیت ہے" کے ذریعہ بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب ظاہری آپ کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ کی وہ قربانی ہے جس سے حضرت عمرؓ کا غیض وغضب ٹھنڈا ہوا اور وہ مائل بہ اسلام ہوئے۔ تو بخاری شریف کے پہلے راوی کا سبب اسلام بذریعہ عورت ہے۔

ــــــ نیز مہاجر ام قیس (حضرت قیلہ نام ہے) امت کے اندر مقاصد و وسائل میں نیت کی کیا حیثیت ہے اس میں انہوں نے مشروط بالهجرت نکاح کر کے مقاصد و وسائل میں حدِ فاصل اور حدودِ امتیاز کھینچنے کا ذریعہ بنیں یہ بھی عورت ہیں ــــــ

بخاری شریف کی وحی کے سلسلہ میں پہلی روایت جس ذاتِ عالیہ سے ہے وہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں ــــــ

غار حرا ہیں جب سلسلۂ نبوت کا آغاز اور وحی کی آمد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس منظر وحی سے واسطہ کے بعد آپ ﷺ کے اندرونی احساسات کا اظہار آپ کی زبان مبارک سے اس طرح ہے:

لقد خشیت علی نفسی

اس موقع پر آپ کو حوصلہ وتسلی دلانے والی اور آپ کو اخلاقی اقدار کے حوالہ سے بھرپور عزم کے ساتھ دلاسہ دلانے والی حضرت ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

پھر عملاً ورقہ بن نوفل کے پاس لیجا کر علمی طور پر مطمئن کرانے کا ذریعہ بننے والی بھی عورت ہے۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ابتدائی طور پر ''عورت'' کی اتنی خدمات علمیہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صنف کی بنیاد پر حصول علم کے دروازے بند نہیں ـــــ عورت بھی اپنے دائرے میں رہتی ہوئی علم کی بلندیوں کو چھو سکتی ہے ـــــ دین وشریعت کا مزاج عورت کو علم سے محروم کرنا اور اس کو ثانوی درجہ پر رکھنا نہیں ہے ـــــ

یاد رہے کہ نکات بعد الوقوع ہوتے ہیں۔

حدیث ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

حدیث رقم ۲ : - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِي الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ انداز وحی میرے اوپر سب سے زیادہ شاق گزرتا ہے جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو میں اس کے کلمات محفوظ کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت سردی کے دن اس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی نازل ہوتی تھی اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی مبارک سے پسینہ جاری ہوتا تھا۔

تعارفِ رواۃ

عبداللہ بن یوسف التینسی

نسبت الی التینسی بکسر التاء ونون المشددہ المکسورۃ۔ بلدۃ بمصر، ساحل البحر، الیوم خربان، ان کی وفات ۲۱۸ھ۔ مصر میں مدفون ہیں۔ مصری اور دمشقی کے نام سے مشہور ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

اخبرنا مالک

امام مالکؒ صاحبِ مذہب؛ امام دار الہجرہ مراد ہیں ۱۷۹ھ میں وفات ہے، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ امام مالکؒ کے شیوخ 900 ہیں جن میں سے تین سو تابعی اور چھ سو تبع تابعی ہیں۔

هشام بن عروہ عطاللہ: ہشام حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پوتے ہیں۔ ان کی وفات ۱۴۵ھ ہے۔

عن ابیه: سے مراد عروہ بن زبیرؓ ہیں۔ جو فقہاء مدینہ سے ہیں، ان کی وفات ۹۴ھ میں ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن یوسفؒ کے علاوہ تمام رواۃ مدنی ہیں۔ یہ بھی محسّنات سند میں سے ہے۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا:

حضرت ام المومنینؓ آپ ﷺ اہلیہ محترمہ اور رفیقۂ حیات ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ ﷺ بیوی ہونے کی وجہ سے تعظیماً و ادباً ام المومنین کہلاتی ہیں۔ احکام میں بعض جگہ ماں ہیں مثلاً نکاح جائز نہیں، اور بعض میں نہیں مثلاً پردہ ہے معلوم ہوا کہ ماں نہیں۔ حضرت عائشہؓ کی مرویات ۲۲۱۰/۲۲۰۰ ہیں۔[کشف الباری 1/291] چون (۵۴) روایات کی صرف امام بخاریؒ نے اور اٹھاون (۵۸) روایات کی صرف امام مسلمؒ نے تخریج کی ہے۔174 متفق علیہ ہیں۔ ان کی نماز جنازہ سیدنا ابوہریرہؓ نے پڑھائی، جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ صحابیات میں عائشہؓ کے نام کی دس عورتیں تھیں۔ ام المومنین کا لقب قرآنی آیت و ازواجه امهاتهم کی بنا پر ہے۔

کیا ازواج مطہرات ام المومنات بھی ہیں؟

(۱) علامہ عینیؒ، ابن عربی، ابن کثیر نے نفی کو ترجیح دی ہے۔ دلیل: ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا یا امہ فرمایا لستُ بامکِ انا ام رجالکم (طبقات ابن سعد)

(۲) حافظ ابن حجرؒ کا رجحان: ام المومنات کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

مبنیٰ اختلاف: خطاب رجال میں نساء داخل ہوتی ہیں یا نہیں؟

جن کے نزدیک داخل ہوتی ہیں ان کے ہاں ام المؤمنات کہنا درست ہے۔ اور جن کے ہاں داخل نہیں ان کے ہاں درست نہیں۔

عن عائشة انا ام رجالکم لا ام نسائکم

ازواجه امهتهم میں تحریم نکاح مقصود ہے اور تحریم وہاں ہوتی ہے جہاں حلت کا امکان ہو رجال میں حلتِ نکاح متوقع ہوسکتی ہے۔ عورتوں میں باہمی حلت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔۔۔ اس لیے ام المؤمنین کہنا تو برمحل اور ام المؤمنات کہنا خلاف مقصود ہے۔ (امداد ج ۲ ص ۴۵۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو خالۃ المؤمنین کہنا سلف سے منقول نہیں۔ (درس شامزئی 29)

ابوالمومنین کا اطلاق آپ ﷺ ؟

استاذ ابواسحاق سے صراحۃً وارد ہے کہ "ماکان محمد ابا احد من رجالکم"، اسی طرح ایک حدیث میں "انا بمنزلۃ الوالد" ہے اس لئے 'ابونا' نہیں کہہ سکتے۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ابوالمومنین کا اطلاق درست ہے۔ ابن عباس ؓ، ابی بن کعب ؓ "وازواجہ امھاتھم" کے آخر میں "وھو اب لھم" کا اضافہ فرماتے۔ معاویہ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور حسنؒ سے بھی مروی ہے۔

ابا احد من رجالکم کی نفی کا تعلق ابوتِ صلبیہ سے ہے مطلق ابوت کی نفی نہیں۔

فضیلتِ خدیجہ وعائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ سے افضل ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ البتہ علامہ عینیؒ کی رائے ہے کہ دنیا میں حضرت فاطمہؓ اور آخرت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔

بعض حضرات نے مدارِ فضیلت اوصاف کو رکھا ہے کہ زہد و ترک دنیا کے لحاظ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علم و تفقہ اور کمالِ درایت کے لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔

فائدہ: مقدرات سے ڈرتے رہنا چاہیے عمرو بن ہشام ابوجہل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ـــــ اسی باپ کا ایک بیٹا حارث بن ہشام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دونوں کے مقدر کے فرق کو دیکھ کر بہت ڈرنے کی ضرورت ہے۔ بخاری شریف کے حوالہ سے وحی کا پہلا سوال اسی ہشام کے بیٹے حضرت حارثؓ نے کیا جس کے دوسرے بیٹے نے ساری زندگی رسول اللہ ﷺ ایک بات نہ مانی۔ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر۔

حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ

حارث بن ہشامؓ ابوجہل کے حقیقی اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے چچازاد بھائی ہیں، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے... حنین کے موقع پر آپ ﷺ نے ان کو سو اونٹ دیے... دور فاروقی میں یرموک کی جنگ میں ۱۵ھ کو شہید ہوئے، ۳۲ اولاد چھوڑی۔ (امداد ج ۲ ص ۴۵۷)

سوال: یہ سند متصل ہے یا مرسل صحابی ہے؟

جواب: حارث بن ہشام جس وقت رسول اللہ سے روایت کر رہے ہیں، حضرت عائشہؓ پاس موجود ہیں یا نہیں ـــــ؟ پاس ہیں تو یہ حدیث متصل ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو خود یہ واقعہ سنایا ہے تو بھی سند متصل ہے۔ اور اگر یہ باتیں نہیں تو پھر یہ مرسل صحابیہ ہے۔ اور مرسل صحابیہ بھی بالاجماع حجت ہے۔ مرسل تابعی میں اگرچہ اختلاف ہے، عند الجمہور حجت ہے صرف امام شافعیؒ کے ہاں حجت نہیں۔

تشریحِ حدیث

فقال یارسول اللہ:

آپ ﷺ بالمشافہ یارسول اللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر سامنے نہ ہوں تو اس وقت کیسا ہے؟

دوحالتوں میں جائز ہے ایک میں نہیں۔(۱) کہنے والے کے دل میں ہو کہ جب یہ میرا کلام پہنچے تو اس وقت میرا خطاب ہے جیسے خط میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بصیغہ خطاب لکھتے ہیں۔(۲) دوسری حالت یہ ہے کہ حالتِ تصور، میں آپ ﷺ کے سامنے ہوں یا آپ ﷺ میرے سامنے ہیں تو اس صورت میں بھی جائز ہے۔(۳) تیسری حالت یہ ہے کہ حاضر ناظر کا عقیدہ رکھے جہاں درود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں آپ ﷺ تشریف لے آتے ہیں؛ ناجائز ہے ــــ اصل اختلاف "یارسول اللہ" کہنے نہ کہنے میں نہیں۔ "حاضر ناظر" کا ہے۔

فائدہ: آجکل اکثر ناجائز صورت کا التزام ہے۔اسلئے اس کو ترک کرنا چاہیے ــــ البتہ تنہائی میں بصحت عقیدہ گنجائش ہے۔

فائدہ ۲: یارسول اللہ اگر دورانِ عبارت آئے اور صحابی مخاطِب ہو تو وہاں ﷺ نہیں کہنا چاہیے کہ نقل روایت میں زیادتی ہے جو صحیح نہیں ہے۔

فائدہ ۳: یہ سوال کیف یأتیک الوحی محض اشتیاق کی بناپر ہے، جو یقین کے بعد بھی ہوسکتا ہے۔ تردد کی بناپر نہیں۔ نیز معلوم ہوا خصائص نبوی ﷺ کے بارے میں بھی سوال جائز ہے۔ آپ ﷺ جواب دینا اسی کی طرف مشعر ہے۔ (فضل الباری ج1 ص152)

مثل صلصلة الجرس

لغوی معنیٰ:(۱) زنجیر کو اگر کسی چٹان پر مارا جائے اس سے جو آواز مسلسل پیدا ہوتی ہے اس کو صلصلۃ الجرس کہتے ہیں۔

(۲) صلصلہ اس آواز کو کہتے ہیں جو دو دھاتوں کو ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں توسعاً ہر جھنکار کو صلصلہ کہنے لگے۔

مرادی معنیٰ:

(۳) فرشتہ کی آواز ہے۔(۴) رصد کی آواز یعنی جبرائیل امین کے ساتھ فرشتوں کی بڑی جماعت آتی تھی اس کے پروں کی آواز جیسے پرندوں کی بڑی ڈار گزرتے وقت "شاں شاں" آواز دیتی ہے۔

(۵) جبریلؑ کے آنے کی دور سے آواز جیسے جہاز یا ریل کے آنے سے پہلے فضا میں ایک خاص آواز ہوتی ہے باوجود اس کے کہ ابھی ریل اور جہاز نظر نہیں آتے۔

ہر انسان محسوس نہیں کرتا، کشف سے متعلق چیز ہے اہل کشف اور نبی ہی کو معلوم ہوسکتی ہے۔

(۶) نبی کی ساری قوتوں کو مجتمع کرنے کیلئے وحی سے پہلے یاددہانی (ریمائنڈر) برائے متیقظ۔

(۷) قدرۃ باری تعالیٰ سے "موحیٰ الیہ" کے اندر کی صوت مراد ہے۔
(۸) فرشتے کی اصل آواز۔
(۹) شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں "حواس میں تعطل کے بعد اس حاسّہ میں یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ مختلف چیزوں کا ادراک کرتا ہے مثلاً حاسہ بصر بعد از خرابی مختلف رنگوں کا ادراک کرتا ہے تو یہ صلصلۃ الجرس تعطل حواس سے کنایہ ہے، نزول وحی کے وقت حاسّہ سمع کو عالم شہادت کی مسموعات سے معطل کر کے دوسرے عالم کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں تا کہ تلقی وحی کر سکیں۔"
(۱۰) جانور کے گلے میں گھنٹی کی آواز کو بھی صلصلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح گاڑی (ٹرین) کی آواز کو بھی کہہ سکتے ہیں۔
الجرس: جانور کے گلے میں گھنٹی کو کہتے ہیں۔

وجوہِ تشبیہ

سوال: اس حدیث میں وحی کی آمد کو صلصلۃ الجرس سے تشبیہ دی گئی ہے دوسری حدیث میں کَأَنَّہٗ سِلسلۃٌ علی صفوان اور ایک روایت میں دَوِیٌ نحل سے تشبیہ ہے ــــــ تضاد ہے؟
جواب: آپ ﷺ کو جو آواز آتی تھی وہ صلصلۃ الجرس کی ہے۔ فرشتے سلسلۃ علی صفوان سمجھتے تھے اور حضرات صحابہؓ دَوِیٌ نحل کی طرح محسوس کرتے تھے ــــــ متعلقات کا فرق ہے تضاد نہیں ہے۔
سوال: الجرس مزامیر الشیطان، لاتصحب الملائکۃ رفقۃ فیھا کلب ولا جرس، وحی جیسی چیز جو محمود بارگاہِ الٰہی ہے اس کو ایسی مذموم چیز کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟
جواب ۱: کفار پر رات کو حملہ کے وقت جَرَس سے دشمن بیدار ہوجاتا تھا اس خاص بنا پر مذمت ہے۔ ورنہ فی نفسہٖ قابل مذمت نہیں، تشبیہ میں حرج نہیں۔
جواب ۲: تشبیہ ہر وصف میں نہیں ہوتی، یہاں صرف "جنسِ صوتِ جرس" میں تشبیہ دینا مقصود ہے، جس سے سامعین مانوس ہوتے ہیں اس سے وہ سمجھ سکتے ہیں۔
جواب ۳: تشبیہ المحمود بالمذموم میں وجہ شبہ ظاہر اور معروف ہو تو مضائقہ نہیں یہاں "وجہ شبہ" صوت کا مسلسل اور متدارک ہونا ہے۔ آواز کے اندر "حروف و مخارج" جدا جدا نہیں ہوتے۔ گویا وحی یا فرشتہ کی آواز کو تسلسل و اتصالِ صوت میں تشبیہ دی گئی ہے اور وہ معروف ہے قباحت نہیں۔
جواب ۴: حدیث میں ایمان کو مدینہ کی طرف عود کرنے کو سانپ کے بل میں آنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگرچہ وہ ایسا موذی ہے کہ حرم میں بھی آئے تو اسے مارا جاسکتا ہے۔ تاہم تشبیہ صرف "رجوع الی المستقر" میں ہے ــــــ اسی طرح حضرت حسانؓ نے عرض کیا: میں آپ کو ہجو قریش کے اشعار میں نسب کی حیثیت سے ایسے نکال لوں گا جیسے آٹے کے اندر سے بال نکالا جاتا ہے اور اس پر آٹے کا اثر نہیں ہوتا۔ تو تشبیہ میں بال پر آٹے کے اثر کے نہ ہونے کو ہجو قریش کرتے ہوئے آپ ﷺ کے نسب مبارک پر اثر نہ ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ بھی اشہر و معروف میں ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی اونٹنی ''قصویٰ'' حدیبیہ میں بیٹھ گئی اور چل کے نہ دی۔ صحابہ کرامؓ نے کہا یہ ضد پر آ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ضد اس کی عادت نہیں بلکہ جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو روکا اسی اللہ نے اسے روکا ہے۔ یہاں وجہ شبہ صرف اور صرف مشیت خداوندی میں اشتراک ہے ــــــ ورنہ اس اونٹنی میں اور ابرہہ کے ہاتھیوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ (کشف ج ا ص ۳۰۵) لہٰذا مشبہ بہ کے مذموم ہونے سے مشبہ کی محمودیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

ثقلِ وحی

هو اشده عليّ

زیادہ شدید ہونے کی دو وجہ ہیں:

(۱) حواس بشریہ کے تعطل کی وجہ سے آپ کو مشقت زیادہ ہوتی تھی۔

(۲) اگر جبرائیلؑ اپنی اصلی شکل میں آ کر کلام کریں تو اس کو اخذ کرنا بنسبت شکل بشریت کے آنے کے زیادہ مشکل ہے۔ ان دو وجہوں سے وحی کے تحمل میں بہت زیادہ شدت معلوم ہوتی تھی۔ اس کا تحمل صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔ كماقال الله تعالىٰ، انا سنلقي عليك قولاً ثقيلاً، لو انزلنا هذا القرآن علي جبل الخ محض تفہیم کیلئے آپ ﷺ نے صلصلۃ الجرس سے تشبیہ دی ہے۔

سوال: آخر کس چیز کی آواز تھی ــــــ؟

جواب: اس میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) صوت کلام نفسی ہے اور یہ صوت بلا کیف ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کیلئے صوت ثابت ہے؟

جواب: کلام باری تعالیٰ ثابت اور اللہ تعالیٰ پر متکلم کا اطلاق ہے۔

اہل سنت میں اختلاف ہے کہ یہ کلام بحرف وصوت ہے یا بلا صوت وحرف؟ متکلمین بلا حرف وصوت ہونے کے قائل ہیں اور محدثین کلام بحرف وصوت کے۔

امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں صوت ثابت کی ہے۔ اذا تکلم الله بالوحی تسمع اهل السمٰوٰت شيئاً۔ فاذا فزع عن قلوبهم و سكن الصوت عرفوا انه الحق۔ یہاں مسموع کا اثبات ہے اور وہ صوت ہے ــــــ اسی طرح امام بخاریؒ نے روایت فرمائی: يحشر الله العباد فيناديهم بصوت الخ میں ینادی کا مرجع اللہ ہے۔ صوت صراحۃً ثابت کی ہے۔

واضح رہے کہ یہ صوت مخلوق کے مشابہ نہیں، اس لئے یوں کہیں گے: له صوت لا كصوتنا جیسے له يد لا كايدينا وغیرہ۔

الغرض باری تعالیٰ اپنی تمام صفات میں مخلوق سے بالاتر ہیں۔ اور اس کی کیفیات کو احاطۂ الفاظ میں لانا ممکن نہیں، ہماری عقول سے وراء ہیں۔ اسی طرح صوت کی کیفیت میں بھی وہ مخلوق سے بہت زیادہ علوِّ شان رکھتے ہیں۔

جواب (۲) سرعت سیر ملک یعنی فرشتہ کی تیزی سے چلنے کی آواز ہے۔

(۳) حضرت جبرائیلؑ کے پروں کی آواز ہے۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ وحی نازل فرماتے ہیں تو فرشتے عظمت کی وجہ سے پر مارتے ہیں تو ان کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز ہے۔

(۵) حضرت شاہ ولی اللہؒ سے منقول ہے اس وحی میں آپ ﷺ کو شانِ بشریت سے نکال کر عالم قدس سے ملا دیا جاتا ہے اس سے حواس بشریہ معطل ہو جاتے ہیں یہ آواز حواس بشریہ کے تعطل کی ہے۔ جیسے کانوں میں انگلی ڈالیں اور حاسۂ سمع کو معطل کرنے کی کوشش کریں تو ان کے اندر ایک آواز پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال: وحی کی یہ قسم آپ ﷺ پر اشد و مشکل کیوں تھی ____؟

ج: فرشتہ اگر انسانی شکل میں آجائے تو بات کرنا آسان ہے اور صوتِ محض بلا حرف سے کلام سمجھنے میں دشواری ہے۔

قد وعیت عنہ اور فاوعی مایقول میں فرق:

کسی شخص کا کلام دوسرے کی طرف دو طریقے سے پہنچتا ہے۔

۱: کان کے راستہ سے دل تک پہنچے یہ عام اور متعارف ہے۔

۲: دوسرے یہ: کلام اولاً دل پر پہنچے اور الفاظ خیال میں حاضر ہو جائیں۔ اس کے یاد کرنے کے لئے تکرار کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے وعیت عنہ فرمایا۔ پہلی قسم میں کان کے ذریعہ بات دل تک پہنچی تو فاعی مایقول فرمایا۔ وہ فرمائے جاتے ہیں میں یاد کرتا جاتا ہوں۔ گویا آپ ﷺ نے وحی قلبی اور وحی ملکی کے مطابق جملے ارشاد فرمائے۔ (درس بخاری از شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ ص 106)

حدیث الباب میں دو اقسام کی وحی کی وجہ

یتمثل لی الملک رجلا:

ترکیب رجلاً: (۱) رجلاً یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر عبارت: ای یتمثل لی الملک رجلاً کی تمثلَ رجلٍ۔ تمثل مضاف کو حذف کر کے مضاف والا اعراب رجلٍ کو دیدیا یعنی رجلاً۔

(۲) منصوب بنزع الخافض ہے۔ یعنی 'ب' محذوف ہے اصل میں برجل ہے۔ تقدیر عبارت یتمثل لی الملک برجل ہے ب کو حذف کر کے رجلاً کو منصوب کر دیا۔

(۳) حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ ای حال کونہ رجلاً۔

(۴) اکثر شراح کا کہنا یہ ہے کہ یہ تمییز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

فیکلمنی بعض روایات میں اضافہ ہے: و ھو اخفہ علی (انعام ص 203 ج 1)

<u>سوال:</u> گذر چکا ہے کہ وحی کی متعدد اقسام ہیں جبکہ روایت میں صرف دو اقسام کا ذکر ہے۔ اور قرآن کریم میں صرف تین کا ذکر ہے۔ دو جو حدیث الباب میں مذکور ہیں ایک من وراء الحجاب، یہ تعارض ہے۔

جواب: کثیر الوقوع اقسام کا بیان ہوا ہے۔ اس لئے کہ سائل کا مقصود بھی یہی تھا۔ نادر الوقوع اقسام کا سوال بھی نہیں تھا۔ قرآن کریم میں تین صورتوں کا ذکر ہے۔ ۱: الا وحیا مراد بلا واسطہ فرشتہ یعنی باطن نبی کو عالم قدس کے تابع کر دیا جاتا ہے یعنی وحی قلبی۔ ۲: او من وراء حجاب مراد حاسہ سماعت اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کا سماع براہِ راست کرتا ہے جیسے کوہِ طور پر یا واقعۂ معراج میں ۳: ارسالِ رسول: دو صورتیں ہیں: الف: تمثل بشریت، حضرت مریمؑ کے پاس تمثل لھا بشرا، یا حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آنا۔ ب: بشکل انسانی کے بغیر قلبِ نبی پر فرشتہ القا کرے اور قلب نبی احساس کرے۔ (کشف ۱۳۸ ج ۱)

احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس: یاتینی کا فاعل وحی ہے۔

قالت عائشہ رضی اللہ عنہا: اگر بسند سابق ہو تو یہ حدیث مرفوع متصل یا پھر مرسل ہے اور اگر سند سابق کے ساتھ نہ ہو تو یہ تعلیق ہے۔
حکم تعلیقات بخاریؒ اگر صیغۂ معروف کے ساتھ ذکر کریں تو حکماً حدیث متصل ہو گی۔ اور اگر صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کریں تو متصل کے حکم میں نہیں ہو گی۔ لیکن پھر بھی قابلِ احتجاج ہو گی ___ البتہ دوسرے دلائل کے مقابلہ میں مرجوح ہو گی۔ جبکہ وہ دلائل اس تعلیق سے زیادہ قوی ہوں مثلاً کسی روایت میں معلق اور متصل روایت میں تعارض آجائے تو متصل کو ترجیح ہو گی۔

ربطِ حدیث ۲:

(۱) اس حدیث میں عظمت وحی کا بیان ہے۔ لیتفصد عرقاً سے عظمت وحی معلوم ہوتی ہے۔ نورِ رسول، نور فرشتہ اور نور وحی کے جمع ہونے سے گرمی ہو جانا واضح ہے۔ گرمی سے مسام کھل کر پسینہ آنا امر طبعی ہے۔ پھر مسام کے کھلے ہونے سے ہوا لگے تو سردی لگے گی جس سے فرمایا زملونی زملونی۔

(۲) اس حدیث کے اندر بھی احوالِ وحی ہیں۔

(۳) اس حدیث میں وحی کا ذکر ہے اور ترجمۃ الباب میں بھی آیتِ وحی کا ذکر ہے۔ تو وحی ہونے کے اشتراک سے ربط ہو گیا۔

(۴) اس حدیث سے قبل از وفات کی وحی مراد ہے۔ تو بدء میں داخل ہے۔

نزولِ وحی کے وقت کرب لذالک و تربد وجھہ بدنِ اطہر وحی کے وقت نچڑ جاتا تھا۔ عمر کا بیشتر حصہ اسی کو برداشت کرتے گذرا۔

حضرت آدمؑ پر پوری عمر میں دس مرتبہ، حضرت نوحؑ پر پچاس مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت ابراہیمؑ پر اڑتالیس مرتبہ، حضرت عیسیٰؑ پر صرف دس مرتبہ۔ اور خاتم الانبیاءؐ پر 24000 مرتبہ نزولِ وحی ہوا اور یہ شدت کیفیت اٹھانا پڑی۔

وھو اشدہ علیّ:

آپ ﷺ متکلم جبرائیل کی صفت کو غالب کیا جاتا تو یہ شدید تروحی ہوتی ___ اس لئے کہ اس میں جبرئیلؑ کا نزول آپ ﷺ کے قلب پر براہِ راست ہے۔ اور حق تعالیٰ شانہ سے صرف ایک واسطہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ ___ اس لئے قلب محمدی پر نزولِ وحی بصورتِ ملک اور آپ ﷺ حواس بشریہ کے تعطل کے بعد وحی کی کیفیت بہت ثقل و اشدیت کی

ہوگی۔ نیز کم وسائط سے وزن وثقل زیادہ ہوجاتا ہے۔ جیسے سورج کی کرنیں اور گاڑی کی کمانی وغیرہ حسی مثال ہے۔
وحی کی عظمت وجلالت کے بقا اور آپ ﷺ کے درجات واجر میں اضافہ کیلئے مشقت رکھی گئی واللہ اعلم (انعام ص205 ج1)
ممکن ہے کہ فرشتہ کو بھی شکل انسانی میں آنے پر اشدیت وثقل کا احساس ہوتا ہو ــــــ لیکن عند المحققین جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مختلف اشکال میں متشکل ہونے کی فطری طاقت دی ہے تو ان کے لیے اس میں کسی دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ (امداد ج۲ ص۳۶۶)

رقم حدیث ۳:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ قَالَ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ {اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ}

فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ وَكَانَ امْرَأً قَدْ تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ

فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللَّهُ عَلَى مُوسَى يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ.

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا پہلی وہ چیز جس سے حضور ﷺ پر وحی کی ابتداء ہوئی رؤیا صالحہ تھے جنہیں آپ ﷺ خواب میں دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ روشن صبح کی طرح سامنے آتا۔ پھر خلوت آپ ﷺ کے نزدیک محبوب کردی گئی۔ اور آپ ﷺ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے۔ اور اپنے اہل کی طرف لوٹنے سے پہلے کئی کئی راتیں عبادت فرماتے تھے۔ اور اس کے لئے سامان اکل وشرب ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس تشریف لاتے اور اتنی ہی راتوں کے لئے پھر سامان مہیا فرماتے۔ حتی کہ حق آگیا اور آپ ﷺ غار حرا میں تھے۔

چنانچہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا "اقرأ" (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے فرشتے سے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "اقرأ" (پڑھیے) پھر میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر اس نے مجھے پکڑا اور دوسری مرتبہ دبایا یہاں تک کہ اس کا دبانا میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "اقرأ" (پڑھیے) میں نے اس سے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ دبایا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا "اقرء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرء وربک الاکرم" (اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے)

یہ آیات لے کر حضور اکرم ﷺ واپس آئے اور آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا مجھے کمبل اڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو۔ تو انہوں نے آپ ﷺ کو کمبل اڑھادیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خوف ختم ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ کیفیت حضرت خدیجہؓ کے سامنے بیان فرمائی اور پورے واقعہ کی اطلاع دی اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوگیا تھا۔ حضرت خدیجہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم! اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ بے شک آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی ان کے مصائب پر مدد کرتے ہیں جو حق ہوتے ہیں۔

پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ ﷺ کو ساتھ لے کر چلیں اور ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں جو اسد بن عبد العزیٰ کے بیٹے اور خدیجۃ الکبریٰؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور یہ ورقہ ایسے آدمی تھے جو جاہلیت کے زمانہ میں دین نصرانیت اختیار کرچکے تھے اور وہ عبرانی خط کے کاتب تھے، وہ انجیل عبرانی زبان میں جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا لکھا کرتے تھے۔ بہت عمر رسیدہ تھے جن کی بصارت بھی جاتی رہی تھی۔ ان سے حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنو! چنانچہ ورقہ نے آپ ﷺ سے کہا میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو وہ تمام واقعات سنادیئے جن کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ ورقہ نے کہا یہ تو وہی رازدان ہیں جو اللہ کی جانب سے حضرت موسیٰ پر وحی لاتے تھے۔ کاش میں تمہارے پیغمبری کے زمانہ میں نوجوان وطاقتور ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا (وہ میری قوم کے لوگ) مجھ کو نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں۔ کبھی کوئی شخص قوم کی طرف اس طرح کی دعوت لے کر نہیں آیا جس طرح کی تم لائے ہو مگر یہ کہ لوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا اور اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو آپ کی مضبوط مدد کروں گا۔ پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی بھی موقوف ہو گئی۔

تعارفِ رواۃ

حدثنا یحیی بن بکیر

بکیر دادا ہیں۔ والد کا نام "عبداللہ" کنیت ابوزکریا ہے۔ امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ وفات ۲۳۱ھ ہے۔

لیث بن سعد رحمہ اللہ: تابعی ہیں، ان کی وفات ۱۴۱ھ ہے، یہ حنفی ہیں، تلمیذِ امام ابوحنیفہؒ ہیں، امام صاحبؒ کے شریک حج ہو کر مسائل پوچھتے اور سرعتِ جواب سے تعجب کرتے۔ (کشف 325/1)

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ:

یہ مدون اول ہیں۔ ان کا نام محمد بن مسلم ہے شہاب ان کے والد نہیں بلکہ جد اعلیٰ کا نام ہے۔ کنیت ابوبکر ہے زہرا قبیلہ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کا نسب اس طرح ہے: ابو بکر محمد بن مسلم بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزھری۔

آغاز وحی سے قبل کی کیفیت

سوال: غارِ حرا میں ابتداء وحی کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ سے جو احوال منقول ہیں اس وقت حضرت عائشہؓ کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی تو وہ اس حدیث کی راویہ کیسے بن سکتی ہیں؟

جواب: محدثینؒ فرماتے ہیں کہ سیدہ حضرت عائشہؓ جب آپ ﷺ کے عقد میں آگئیں تو عین ممکن ہے کہ صاحبِ وحی ﷺ سے ہی سنا ہو اگرچہ سننے کا ذکر نہیں فرمایا تو اس صورت میں یہ روایت متصل ہو گی۔ اور اگر کسی صحابی سے سنکر ہے تو پھر روایت مرسل صحابیہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے اس کی سند یا متصل ہے یا مرسل ہے۔ بہر دو صورت حجت ہے۔

اول ما بدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی:

پہلی وحی جو شروع ہوئی وہ رویاءِ صالحہ من النوم ہے ـــــ لیکن وحی کا یہاں جو معنیٰ مراد ہے وہ القاء فی الروع ہے۔ جو ولی کو بھی ہوتی ہے، وحی تشریعی نہیں تھی ـــــ اس لئے کہ اس وقت نبی اکرم ﷺ بنے نہیں تھے۔ یہ چھ ماہ قبل کا قصہ ہے۔ اس لئے یہ القاء فی الروع ہے جو اولیاء کرام کو بھی ہوتا ہے جس کو "الہام" بھی کہتے ہیں ـــــ (وہ خواب جو بعد از نبوت حجت ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے۔)

رویاء صالحہ وہ ہے جو سچا بھی ہو اور بھلائی والا بھی ہو۔ رویاء صادقہ کا سچا ہونا ضروری ہے اس کا بھلائی والا ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی ہے اس کی تعبیر غزوۂ احد میں شکست ہے یہ صادقہ ہے مگر صالحہ نہیں ہے۔

مثل فلق الصبح:

یہ تشبیہ خواب کے سچے ہونے میں ہے جیسے صبح کے روشن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اسی طرح اس خواب کے سچ ہونے میں بھی شک نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے خوابوں کی تین صفات تھیں۔ صالحہ، صادقہ، واضحہ۔ مفہوم پر دلالت بے غبار ہوتی۔

فلق الصبح استعمال فرمایا ـــــ ضیاء الشمس نہیں۔

رویاء کا تعلق عالم مثال سے ہوتا ہے ـــــ دنیا کے اندر جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں وہ سب عالم غیب میں موجود ہیں۔ پھر بحکم خداوندی عالم مثال میں منتقل کردی جاتی ہیں ـــــ اس کے بعد عالم شہادۃ دنیا کا درجہ ہے۔ عالم مثال میں اشیاء کی صورتیں عالم شہادت سے مختلف ہوتی ہیں جیسے علم کی صورت دودھ، دشمن کی صورت سانپ اور دنیا کی پاخانہ۔ (درس بخاری 111)

انتخاب حرا و عبادت

ثم حبب الیہ الخلاء و کان یخلو بغار حرا:

حرا کا لفظ بقعہ کی تاویل میں ہو کر مونث اور غیر منصرف ہے حرا کو ممدود، مقصور، منصرف، غیر منصرف، مذکر اور مؤنث سب طرح پڑھنا جائز ہے۔ (درس شامزئی 35) ـــــ چونکہ دل میں اللہ کی محبت ڈالی گئی اس لئے خلوت سے محبت ہوئی جس سے یکسوئی بھی حاصل ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یکسوئی حاصل کرنے کیلئے جو مشائخ کبھی خلوۃ کی تلقین کرتے ہیں وہ نہ تو رہبانیت ہے اور نہ ہی مذموم ہے۔

سوال: آپ ﷺ نے خلوۃ کیلئے غار حرا کا انتخاب کیوں کیا؟ جواب: اس کی چند وجوہ ہیں:-

(۱) جیسے آپ ﷺ خلوۃ سے محبت تھی ایسے ہی بیت اللہ الشریف کی زیارت کیلئے بے چینی تھی اس لئے جہاں سے بیت اللہ شریف پر نظر پڑتی اسی جگہ کی تلاش کی۔

(۲) آپ ﷺ کے جد امجد حضرت عبد المطلب و دیگر انبیاء علیہم السلام یہاں خلوۃ اختیار فرمایا کرتے تھے اس لئے بھی آپ کی نگاہِ انتخاب کا باعث تھی۔

(۳) موزونیت کی وجہ سے۔ کیونکہ اس میں قیام کے ساتھ بلا تکلف عبادت ہوسکتی ہے۔ نیز گھر سے زیادہ دور نہ ہونے اور مقصد (خلوت) حاصل ہوجانے کی وجہ سے بھی یہ مقام موزوں ترین تھا۔ تین عبادتیں جمع تھیں۔ ذکر، فکر اور نظر الی الکعبہ۔

فیتحنث فیہ و ھو التعبد:

تحنث بمعنی تعبد ہے۔ اور یہ راوی کی طرف سے تفسیر ہے۔ اصل میں حنث گناہ کو کہتے ہیں۔ یہاں سلب ماخذ ہے جو باب تفعل کا خاصہ ہے۔

(۲) یتحنث اصل میں یتحنف ہے۔ کلام عرب میں 'ف' کو 'ث' سے بدلنے کا رواج رہا ہے۔ تحنث کا معنی دین حنیف یعنی دین ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنا۔

اللیالی ذوات العدد

ذوات العدد ـــ اللیالی کی تاکید ہے ـــ بعض روایات کے مطابق ایک ایک ماہ اور بعض روایات کے مطابق چالیس روز رہنا بھی ثابت ہے۔ جس سے صوفیاء کرام نے چلے کی اصل نکالی ہے۔

سوال: جب وحی نازل نہیں ہوئی تھی تو عبادت کا طریق کیا تھا ـــ؟

جواب ۱: ملت ابراہیمی کے کچھ صحیح متوارث طریقے باقی تھے، اس کے مطابق عبادت کرتے تھے ـــ

جواب ۲: بعض نے کہا: حضرت موسیٰؑ وعند البعض حضرت عیسیٰؑ کے طریقے پر عبادت کرتے تھے ـــ

جواب ۳: بعض فرماتے ہیں کہ نبی قبل از نبوت مقام ولایت پر ہوتا ہے۔ جو طریقہ انہیں الہام ہوا اسی طریقے پر عبادت کرتے تھے۔

قبل ان ینزع الی اھلہ: اشتیاق کے ساتھ گھر لوٹتے تھے ـــ یعنی مطلق تجرد ہی نہیں تھا اس لئے کہ تجرد حکمت خداوندی کے خلاف ہے، بقاء نسل، نزع الی اہل پر موقوف ہے اور فطرت انسانی کے بھی خلاف ہے کیونکہ انسانی قوتوں کی تخلیق عبث ہوگی۔

فیتزو دلمثلھا ـــ از خود زاد راہ لے جاتے تھے۔ (جو منافی توکل نہیں بلکہ طریق توکل ہے ورنہ تعطل ہے۔)

غارِ حرا میں آپ ﷺ مختلفہ رہے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ ثابت ہے۔ جاورت بحراء شھرا (مسلم) محمد بن اسحاقؒ نے رمضان کا مہینہ نقل کیا ہے بعض روایات میں چالیس دن ہیں۔ (درس بخاری 115)

سوال: بعض روایات میں ہے کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ پہنچاتی تھیں۔ لہٰذا تعارض ہے۔

جواب: کوئی تعارض نہیں مختلف احوال پر محمول ہے۔

جاءہ الحق: اس سے مراد وحی ہے۔

آغازِ وحی

فقال اقرأ:

سوال: فرشتہ کہہ رہا ہے اقرأ! آپ ﷺ فرما رہے ہیں: ما انا بقارئ کیا آپ ﷺ عربی سے ناواقف تھے ـــ؟ بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ ما اقرأ میں کیا پڑھوں؟ (ما استفہامیہ ہے) جبکہ آپ ﷺ پڑھنے سے انکار فرما رہے ہیں؟

سوال ۲: جب آپ ﷺ نے یہ اظہار کردیا کہ مجھے قدرت علی القراءت نہیں ہے پھر حضرت جبرائیلؑ کیوں اصرار فرما رہے ہیں، نیز دبانے سے مشقت سے بھی گذار رہے ہیں ـــ یہ تکلیف مالایطاق ہے ـــ؟

جواب ۱: بعض روایات میں تختی مکتوب کا ذکر ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مکتوب میں نہیں پڑھ سکتا ـــ اس کی قدرت نہیں ہے۔

جواب ۲: اس کہنے کی مثال ایسے ہے جیسے استاذ بچہ سے کہتا ہے کہ بیٹا پڑھو ـــ تو آپ ﷺ یہ فرمان عالی کہ میں

''قاری'' نہیں ہوں یہ بھی صحیح ہے اور حضرت جبریلؑ کا اصرار کہ آپ پڑھیں یہ بھی صحیح ہے کیونکہ یہ سکھلانے کیلئے کہتے ہیں۔ امر تکلیفی نہیں بلکہ تلقینی ہے۔

جواب ۳: اقرأ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ پر مستقبل کی ذمہ داری ڈالی جارہی ہے اور آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں یہ ذمہ داری نہیں اٹھاسکتا ___ اور دبانا اصل میں توجہ ڈالنا ہے تاکہ آپ ﷺ اس ذمہ داری کے تحمل کی قوت پیدا ہوجائے اور ما انا بقاری کا مطلب یہ ہے کہ مجھ میں اس ذمہ داری کا تحمل نہیں ہے۔

جواب ۴: تنہا عبادت فرمارہے تھے اچانک فرشتہ کی آمد اور اقرأ کا مطالبہ بھی ساتھ۔ نیز خود وحی کی عظمت کا بوجھ۔ ان وجوہ کی بناء پر مرعوبیت کی کیفیت بشری طاری ہوگئی۔ اور فرمایا: میری زبان نہیں چلتی میں نہیں پڑھ سکتا۔ (کشف ص349 ج1)

ایک توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مستقبل میں پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے فوری طور سے پڑھنے کا مکلف نہیں بنایا گیا اس لئے کہ امر فوراً ادائیگی کو نہیں چاہتا۔ (درس بخاری 119)

فائدہ: اقرأ میں حکم ذات نبی ﷺ ہے ابلاغ کا حکم ابھی نہیں آیا۔

وحی لانے والے فرشتوں میں واقعہ طائف میں ملک جبال بھی داخل ہیں۔ (درس شامزئی 37)

دشوار گذار مرحلہ ''غط''

حتی بلغ منی الجهد:

الجهد کو آخر میں رفع وفتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے ___ رفع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مشقت میرے لئے انتہاء کو پہنچ گئی ___ یعنی بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ دبانے والا فرشتہ تھا۔ جب کہ آپ ﷺ بشر تھے۔

___ اگر الجهد دال کے فتحہ کے ساتھ ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ حضرت جبریلؑ میری طرف سے مشقت کو پہنچ گئے یعنی انہوں نے اس زور سے بھینچا کہ خود ان کو بھی مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔

سوال: فرشتہ کے ایک مرتبہ دبانے سے ساری دنیا ختم ہوجائے یعنی فرشتے نے پوری طاقت سے دبایا تو آپ ﷺ کیسے بچ گئے؟

جواب: فرشتہ جب انسانی شکل میں آئے تو اس کی طاقت بھی انسان کی طاقت کی طرح ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے دبانے کا کوئی نقصان نہیں ___

سوال: باربار دبانے اور چھوڑنے کا کیا منشا تھا ___؟

جواب: اس بارے میں اصل حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ روایات میں اس بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ لہٰذا قطعیت ویقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔

[۱] عند البعض تین مرتبہ دبانے میں تین آنے والی شدتوں کی طرف اشارہ ہے: (1) شعب ابی طالب میں محصور ہونا (2) ہجرت از مکہ (3) موقع احد۔ کما قال الحافظ

[۲] عند البعض (1) تعلیم القرآن (2) تعمیل القرآن (3) تبلیغ القرآن ہیں۔ (کشف 1/357)

[۳] ایک: اُنس مع الملک کے لئے۔ دوم: اُنس مع الوحی کے لئے اور سوم اُنس باری تعالیٰ کے لئے۔

اقسام نسبت

____ حضرات صوفیاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ یہ "دبانا" درحقیقت "تصرف وتوجہ" ہے یعنی حضرت جبریلؑ نے آپ ﷺ پر توجہ ڈالی تاکہ آپ ﷺ میں تلقی بالوحی کی استعداد پیدا ہوجائے۔ حضرات صوفیاء کرام بعض اوقات توجہ ڈالتے ہیں اس توجہ کی چار اقسام ہیں۔

۱: انعکاسی۔ ۲: القائی۔ ۳: اصلاحی۔ ۴: اتحادی۔

پہلی کی تعریف یہ ہے کہ شیخ نے اپنے مرید کو اپنے پاس بلا کر مجلس میں بٹھایا اور اسکو کچھ باتیں سکھلانی شروع کیں۔ جب شیخ اس کی طرف متوجہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس طالب میں ایک صلاحیت پیدا کردی کہ اس کو کچھ سرور حاصل ہونے لگا کہ میں اپنے شیخ کی بات سن رہا ہوں۔ لہٰذا اس "مجلس کی حد تک اس کا دل متوجہ الی اللہ ہوجاتا ہے۔" جب مجلس سے اٹھ جاتا ہے تو وہ کیفیت بھی ختم ہوجاتی ہے۔ یہ بڑی معمولی اور کمزور توجہ ہے۔ جیسے سردی زدہ آگ کے پاس بیٹھ کر سردی دور کرے تو جب تک بیٹھے گا سردی نہ لگے گی۔ اصل علاج یہ ہے کہ موٹے کپڑے پہن لے تاکہ ہر جگہ سردی سے محفوظ رہ سکے۔

(۲) القائی کی تعریف یہ ہے کہ اس میں شیخ اس طرح توجہ ڈالتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں مرید کے دل پر "انابت الی اللہ" کی کیفیت کچھ عرصہ تک برقرار رہتی ہے ____ اور اگر وہ اس کی حفاظت نہ کرے تو پھر بالتدریج زائل ہوجاتی ہے۔ جیسے جیسے معصیت کا ارتکاب کرے گا ویسے ہی توجہ زائل ہوگی۔

(۳) اصلاحی کی تعریف یہ ہے کہ مرید کسب فیض کیلئے اپنے دل ودماغ کو گناہوں سے بچانے اور نیکی سے روشن کرنے کی کوشش کرتا ہے ____ اور اس بات کی بھی کوشش کرتا ہے کہ شیخ میری طرف متوجہ رہے۔ اور اپنے دل کو شیخ کی طرف متوجہ کئے رہتا ہے تو جب شیخ متوجہ ہوتا ہے تو معصیت کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے ____ "جب تک یہ چیزیں حال نہ بنیں تو کچھ فائدہ نہیں۔" اس کی مثال ایسے ہے کہ نہر کے پاس کھالہ کھود دیا جائے تو اسی طرح توجہ اصلاحی میں حسب ضرورت کامل شیخ کے ذریعہ آپ ﷺ کے انوار و برکات حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کامل اصلاح اور مفید طریقہ ہے۔ اس طریقہ کا نام "جوڑ" ہے۔ (یعنی ربط مع الشیخ)

(۴) توجہ اتحادی کی تعریف یہ ہے کہ شیخ مرید پر اتنی توجہ دیتا ہے کہ اعمال کے ساتھ علم وفہم میں بھی اتحاد پیدا ہوجاتا ہے حتی کہ بسا اوقات شکل وصورت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے کہ مرید کی شکل بھی شیخ کی شکل میں بدل جاتی ہے۔ اس کو نسبت اتحادی کہا جاتا ہے۔

انطباق اس طور پر ہے کہ جبریل علیہ السلام کی آمد توجہ انعکاسی، اول غطہ القائی اور ثانی اصلاحی اور ثالث اتحادی ہے ____ چنانچہ بعد ازیں جبریل علیہ السلام کے آنے پر آپ ﷺ کو سب الفاظ ومعانی اور مفہوم تک یاد ہوجاتا تھا گویا علم وفہم میں مکمل اتحاد ہوتا تھا۔

چھ ماہ کی خلوت وانابت الی اللہ کے باوجود ابھی عالم ناسوت میں ہونے کی وجہ سے ملاء اعلیٰ اور عالم قدس کی چیزوں کو قبول کرنے کی استعداد پیدا نہیں ہوئی تھی ___ تو جہ جبریلی سے یہ استعداد پیدا کرنا ہی مقصود تھا۔

عالم قدس سے تعلق قائم کرنے کی ہیبت کا یہ خوف تمام انبیاءؑ میں مشترک ہے۔ تو آپ ﷺ کو بھی اول وہلہ میں خوف پیش آنا یہ امر طبعی اور شانِ بشریت کے خلاف نہیں۔

دوسرا خوف احساسِ ذمہ داری کا ہے۔ پیغمبر اگر ایک قوم کی طرف مبعوث ہو تو ایک ہی قوم کی اصلاح کی ذمہ داری ہے ___ اس کو یہ بھی اطمینان ہے کہ میرے بعد اور نبی آنے والے ہیں ___ لیکن جس شخص کو سابقہ انبیاءؑ کی نسبت سے عمر انتہائی کم اور ذمہ داری تا قیامت صحت عقائد، اعمال واخلاق اور معاملات سونپ دی جائے اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ بھی فرما دیا جائے کہ آپ کے بعد کوئی اور رسول وپیغمبر بھی نہیں آئیں گے ___ اتنی بڑی ذمہ داری کے جوابدہی کے احساس سے اگر وہ لقد خشیت علی نفسی نہ کہتے تو آخر اور کیا کہے ___ (انعام ص218 ج1)

آپ ﷺ تسلی کیلئے ذاتی عبادات کا حوالہ نہیں دیا۔ بلکہ ان اوصاف کا ذکر کیا جسکا نفع متعدی ہے اور اللہ کی مخلوق اسی سے سرشار ہوتی ہے۔ جبکہ خود کو مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اسی تناظر میں سیدہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے اطمینان مستقبل کیلئے متعدد تاکیدات کے الفاظ کے ساتھ قسم کھائی۔ یہ بات واضح ہوتی ہے نبی کو تسلی ذاتی الفاظ کے اختراع سے نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الفاظ کہلوائے گئے کہ میرے نبی کو ان الفاظ سے تسلی واطمینان دلایا جائے۔

نیز حضرت خدیجہؓ کے الفاظ پر آپ ﷺ کا سکوت یہ "تقریر نبوی" ہے کہ عبادات میں سب سے افضل عبادت "اللہ کے بندوں کی خدمت" ہے۔ (انعام ص221-222 ج1)

چنانچہ اس گھبراہٹ کے عالم میں آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ کے اس جملہ لقد خشیت علی نفسی کے حوالہ سے سیدہ خدیجہؓ نے یہ فرمایا: کلا و اللہ لا یخزیک اللہ ابداً

اس ذمہ داری کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو سرخرو فرمائیں گے۔ اور اس کی نصرت ومدد شامل حال ہوگی ___ یہ نہیں فرمایا: آپ موت سے نہ گھبرائیں وغیرہ ___ بنیاد اس کی یہ فرمائی: جن اوصاف کمال پر اللہ کی مدد ونصرت آیا کرتی ہے وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ ﷺ سے "نسبت اتحادی" حاصل تھی ___

سوال: اس حدیث مبارکہ کی رو سے حضرت جبریلؑ کا آپ ﷺ کیلئے معلم ہونا ثابت ہو گیا اور حدیث جبریلؑ سے بھی کچھ تائید ہوتی ہے۔ اتاکم یعلمکم دینکم۔ اگر چہ یہاں متعلم صحابہؓ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب: حضرت جبریلؑ واسطہ ہیں معلم خود باری تعالیٰ ہیں۔ جیسے قلم، کاغذ، تختی؛ یہ واسطہ ہیں اور ذی واسطہ واسطہ سے افضل ہوتا ہے۔

آیات مذکورہ سے مستنبطہ فوائد ونکات

اقرا باسم ربک:

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے ہم نابلد ہیں۔ صرف اسماء الٰہیہ سے جانتے؛ پہچانتے ہیں۔ انہی اسماء کو ہم خالق ومخلوق؛ قدیم وحادث اور عابد ومعبود کے درمیان واسطہ اور رابطہ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اقرأ بربک کے بجائے اقرا باسم ربک فرمایا۔ اسم کی اضافت ربک کی طرف ہے جس سے آپ ﷺ بتلانا مقصود ہے کہ وہ جو بالتدریج سموٰت وارض اور آپ کو چالیس سال تک پہنچاسکتا ہے تو آپ کو پڑھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ اپنی صلاحیت کے بارے میں فکر مند کیوں ہیں؟

الذی خلق: مفعول ذکر نہیں کیا۔ تمام مخلوق کا خالق ہے تو قراءت کا بھی خالق ہے۔

خلق الانسان من علق: منی کا ذکر نہیں کیا کہ اس کی پاکی وناپاکی میں اختلاف ہے؛ علق متفق علیہ ناپاک ہے۔ جب علق جیسے کریہہ مادہ کو عمدہ ترین انسان بناسکتا ہے تو امی کو بھی وہ بہت کچھ سکھاسکتا ہے۔

اقرا وربک الاکرم: جب مستفید میں استعداد ہے اور مفید میں بخل نہیں ہے تو ربک الاکرم ہے اس لئے افاضہ وافادہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

الذی علم بالقلم: قلم بےحس وبےجان ذریعہ علوم ہوسکتا ہے تو آپ کیوں نہیں ہوسکتے۔ نیز قلم ذریعہ ہے؛ کاتب سے افضل نہیں ہوسکتا اس لئے فرشتہ کا القلم ہے۔ ڈیوٹی سرانجام دیتا ہے؛ نبی سے افضل نہیں ہوسکتا۔

علم الانسان مالم یعلم: منجانب اللہ علوم عطا ہوں گے جو فی الحال نہیں ہیں۔

آیات مذکورہ خلاصہ مضامین قرآن کریم ہیں۔ تین قسم کے مضامین ہیں:-

۱: توحید یعنی ذات وصفات۔ ۲: احکام۔ ۳: اخبار بالغیب۔ تو اقرأ باسم سے لیکر وربک الاکرم تک ذات وصفات کی طرف اشارہ ہے یعنی رب اور خلق سے یہ مضمون اخذ ہوا ____ پھر اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک ذات باری تعالیٰ ہے دوسری صفات۔ یہ دو طرح کی ہیں۔ صفات ذات جو سات ہیں، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور حیات۔ باقی صفات افعال ہیں۔ جیسے خالق، رازق وغیرہ۔ پھر صفات کی ان دو قسموں میں فرق یہ ہے کہ مذکورہ صفات ذات کے ساتھ متصف ہیں مگر ان کی اضداد کے ساتھ متصف نہیں جیسے بصیر تو ہیں اعمیٰ نہیں۔ حی ہیں مردہ نہیں۔ اور صفات افعالیہ میں اضداد کے ساتھ بھی متصف ہوتے ہیں۔ جیسے احیاء واماتت، قبض وبسط اور نفع وضرر وغیرہ۔ تو لفظ رب میں صفات ذاتیہ کی طرف، خلق میں صفات افعالیہ کی طرف اشارہ ہے ____ دوسرا اقرأ دو مرتبہ فرمایا جو صیغہ امر ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام احکام پر مشتمل ہوگا۔

آگے علم الانسان مالم یعلم سے اخبار بالغیب کی طرف اشارہ ہے۔ تو تینوں مضامین؛ توحید (یعنی ذات وصفات) احکام اور اخبار بالغیب اجمالاً آگئے۔ (کشف 1/364)

اقرا باسم ربک: یہ جوآیات مبارکہ آپ ﷺ پڑھائیں بواسطہ حضرت جبریلؑ، انمیں دلائل تحمل ہیں کہ آپ ﷺ قاری ہوسکتے ہیں۔ یعنی اس بارنبوت کا تحمل کرسکتے ہیں ____

ربک: رب اس ذات بابرکات کا نام ہے جو بالتدریج تربیت سے کمال عروج تک پہنچادے۔ تو وہ کیا قرآن کریم پڑھنا نہیں سکھاسکتا۔

خلق: جس نے تمہیں پیدا کیا۔ کیاوہ اس امانت کے تحمل کی قوت پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

اول وحی میں تطبیق: اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے سورۃ علق بعض نے سورۃ مدثر اور بعض نے سورۃ الفاتحہ کو کہا۔

جواب: تطبیق یہ ہے کہ اولیت حقیقی تو سورۃ علق ہی کی ہے۔ جو پانچ آیات ہیں جیسا کہ حدیث ہذا کا مدلول ہے۔ اور بحیثیت کامل سورت نازل ہونے کے یہ اولیت سورت فاتحہ کو حاصل ہے۔ عبید بن عمیرؓ کی مرسل روایت میں ہے: آیات خمسہ علق پڑھنے کے بعد پوچھا: "ماذا اقرأ؟" تو جبرئیلؑ نے کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الخ تا کہ "امر اقرأ" کے بعد "مقروء" متحقق ہوجائے۔ (فضل ص184 ج1) حاصل یہ کہ اسی مجلس حراء میں فاتحہ نازل ہوئی تمام محدثین کرام کا اتفاق ہے اسلام میں کوئی دور فاتحہ اور نماز کے بغیر نہیں گذرا۔ (فضل ص186 ج1)

اور فترت کے تین سال طویل مدت کے بعد سورت مدثر نازل ہوئی۔ اس لحاظ سے اس کو اولیت اضافی حاصل ہے۔

فواد اور قلب میں فرق:

یرجف فوادہ: یعنی دل کانپ رہا تھا:۔

فواد وہ گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے اس میں ایک محل اور اک ہے جس کو قلب کہتے ہیں۔ ان کا باہمی ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

قال یونس و معمر بوادرہ:

بعض روایات میں فؤادہ کی بجائے بوادرہ کے الفاظ ہیں اس کا معنی گردن اور کندھے کے درمیانی حصے کے ہیں۔

تزمیل وتدثیر

زملونی: تزمیل اور تدثیر کا ایک ہی معنی ہے یعنی کپڑا اوڑھنا۔

زملونی زملونی:

سوال: نزول وحی کے دوران آپ کو پسینہ آتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی محسوس کرتے تھے۔ اور زملونی زملونی سے متبادر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ سردی کا احساس فرمارہے ہیں۔

جواب: عین نزول وحی کے وقت تو گرمی اور اس کی وجہ سے پسینہ خوب آتا تھا ____ تاہم نزول وحی کی کیفیت ختم ہونے کے بعد پسینہ صاف فرمانے کے بعد ہوا کی وجہ سے سردی کا احساس ہوتا تھا تو زملونی کے وقت کا اختلاف ہے فلا اشکال۔

سوال ۲: زملونی کیوں فرمایا: مخاطب تو حضرت سیدہ خدیجہؓ ہیں تو زملینی مونث کا صیغہ ارشاد فرمانا چاہیے تھا۔
جواب: ایسے موقع پر محاورات میں تذکیر وتانیث کا فرق نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ گھر جا کر بیوی سے کہا جاتا ہے کہ "کھانا لاؤ" یہ مذکر کا صیغہ ہے مگر لغوی بحث کی بجائے کھانا مل بھی جاتا ہے اور کھایا بھی جاتا ہے۔ یہ جواب راجح ہے۔

فزملوہ

ضمیر حضرت خدیجہؓ کی طرف لوٹتی ہے جمع اعزازاً وتفخیماً لائے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کی حکایت نقل کرتے ہوئے فرمایا: اذرای نارا فقال لاھله امکثوا۔ انی انست نارا ساتیکم منھا الخ، تو امکثوا کا خطاب تو اپنے گھر والوں کیلئے ہے جو تانیث کا تقاضا کرتا ہے لیکن اعزازاً وتفخیماً ایسا خطاب عین فصاحت وبلاغت ہے۔

سببِ خشیت اور آثارِ خشیت

لقد خشیت علی نفسی: آپ ﷺ کے اس ارشاد میں تعیین سببِ خشیت وخوف کے بارے میں مختلف اقوال بطور تشریح ذکر کیے جاتے ہیں:-

۱۔۔۔ حضرت امام ربانیؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ خوف اس وجہ سے ہوا کہ عباء نبوت کا تحمل ہو سکے گا یا نہیں۔
۲۔۔۔ چونکہ حضرت جبریلؑ نے دبوچا اس لئے آپ ﷺ کو یہ خوف ہونے لگا کہ پھر دوبارہ دبوچا تو موت واقع نہ ہو جائے۔ ان دونوں صورتوں میں خشیت کے لفظ ماضی کو مستقبل کے معنیٰ میں کیا گیا ہے۔
۳۔۔۔ خشیت کو اگر ماضی پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ گذشتہ خوف ابھی تک زائل نہ ہو سکا۔
۴۔۔۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ فرماتے ہیں کہ جبریلؑ کی آمد سے آپ ﷺ پر اپنی حیثیت اچانک واضح ہوئی کہ میں ایسی ملکوتی طاقت رکھتا ہوں جس کا اب تک علم نہیں تھا؛ مکے کے مشرکانہ ماحول میں اپنے پر کبھی نظر نہ پڑ سکی۔ تو ادراکِ نفس سے خشیت پیدا ہوئی۔
۵۔۔۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ عمل غطّ کے نتیجہ میں آثار خشیت جسد محمدی پر تھے۔ ورنہ روح محمدی تو اتنی بلند چیز تھی کہ معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر چلی گئی اور حقیقتِ جبرائیلؑ آگے نہ جا سکی۔
۶۔۔۔ ملحدین نے اس کا غلط معنیٰ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ خوف اس تردد کی بنا پر تھا کہ آنے والا جن یا شیطان تو نہیں؟ واقعی حضرت جبرائیلؑ ہیں؟ یا یہ کہ میں رسول ہو گیا ہوں یا نہیں؟ حالانکہ انسان کو جیسے اپنے انسان ہونے کا علم حضوری ہوتا ہے ایسے انبیاءؑ اور ہر نبی کو اپنے نبی ہونے کا علم حضوری ہوتا ہے اور ہر نبی کو اپنے اوپر ایسے ہی ایمان لانا ضروری ہے جیسے امت کو اپنے نبی پر ایمان لانا ضروری ہے۔

لقد خشیت علی نفسی: آپ ﷺ نے بہت زیادہ گھبراہٹ کا اظہار مصلحۃً کیا ہو اس لئے کہ اگر آپ دفعۃً حضرت خدیجہؓ کے سامنے اپنی نبوت کے بارے میں فرماتے تو وہ انکار کر دیتیں ظاہر ہے جب گھر والے ہی بات کا انکار کر دیں تو دوسروں کو ایمان لانے میں دشواری ہو گی۔ (درس بخاری 127)

مکارم نبوت

انک لتصل الرحم وتحمل الکل الخ

گویا دوسرے لوگوں سے حسن سلوک کی تمام انواع کو جمع فرمادیا جو متعدی اعمال واخلاق ہیں ــــ چنانچہ رشتہ دار غیر رشتہ دار فقیر غیر فقیر اور جو مستقل بالامر یا غیر مستقل بالامر ہیں تو حضرت خدیجہؓ کے حدیث شریف میں آمدہ الفاظ انسانی نہیں بلکہ من جانب اللہ القاء والہام ہیں ــــ معلوم ہوا کہ حقوق العباد کی بلا امتیاز ادائیگی رحمت الٰہی کو متوجہ کرتی ہے۔

یہاں امور اربعہ کا ذکر ہے۔ جلد ثانی میں تصدق الحدیث کا بھی تذکرہ ہے اور بعض روایات میں الامانۃ کا بھی اضافہ ہے۔ اسی طرح آپ کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں ــــ یہ مکارم اخلاق کے اصول ہیں۔ اس لئے کہ مکارم اخلاق کا تعلق نفس سے ہوگا یا غیر نفس سے۔ اگر نفس سے ہے وہ کلام کے قبیل سے ہوگا یا مال سے اگر کلام سے متعلق ہوگا تو تصدق الحدیث میں داخل ہوگا ــــ اگر مال ہے تو تؤدی الامانۃ میں داخل ہے۔

اگر اس کا تعلق غیر سے ہے تو وہ غیر قرابت دار ہے یا نہیں۔ اگر وہ قریب وعزیز ہے تو اس کو تصل الرحم سے بیان فرمایا۔ اگر وہ عزیز نہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں جس شخص پر احسان کیا وہ اپنا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں ــــ اگر طاقت نہیں رکھتا تو تحمل الکل وتکسب المعدوم میں داخل ہے اور یہ اعانت بالمال ہے یا بالبدن ہے اگر وہ شخص اپنا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ نوائب الحق میں داخل ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے ان چند جملوں کو مضارع سے تعبیر کر کے ان اوصاف کے دوام واستمرار کی طرف اشارہ فرمادیا۔ نیز یہ دعوی الشیء بالبینۃ کے قبیل سے ہے۔ (درس بخاری 130)

فائدہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم، مزاج شناس، یار غار ومزار حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی بعینہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ والے الفاظ ابن الدغنہ نامی کافر نے اس وقت استعمال کیے جب اہل مکہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآت قرآن سے روکا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے روانہ ہوئے۔ ابن الدغنہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی امان میں واپس لے آیا ــــ تاہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کی امان سے نکل کر اللہ کی امان میں آتا ہوں۔ (فضل الباری 178/1)

تحمل الکل: ترجمہ: ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں یعنی جو لوگ معاشرے میں معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں ان کی مدد وتعاون فرماتے ہیں۔

کسب معدوم کی چار صورتیں

وتکسب المعدوم: بفتح التاء من باب ضرب۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ھو المشھور الصحیح فی الروایۃ المعروف فی اللغۃ۔ (عمدہ 51/1) قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: وھذہ الروایۃ اصح (فتح 20/1) پھر کسب کبھی متعدی بیک

مفعول ہوتا ہے اور کبھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ مجرد میں یہ لفظ دونوں طرح مستعمل ہے متعدی بیک مفعول ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ آپ نادار یعنی فقیر کو کماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ ناداروں اور محتاجوں پر ایسے احسانات فرماتے ہیں کہ گویا وہ آپ کے مکسوب ومملوک ہوجاتے ہیں نادار محتاج کو معدوم اس لئے کہا کہ وہ بمنزلہ میت کے ہے کہ اپنی معیشت ضرورت کا انتظام نہیں کرسکتا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ مال معدوم کو کماتے ہیں یعنی ایسا نایاب مال جسے عام لوگ نہ کما سکتے ہوں وہ آپ کما لیتے ہیں مشہور تھا کہ آپ تجارت میں بڑے بانصیب تھے کان محظوظا فی التجارۃ پھر ایسا مال حاصل کرکے خود جمع نہیں کرتے بلکہ تحمل الکل و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق یعنی دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔

اور اگر تکسب متعدی بدو مفعول ہو تو ایک مفعول محذوف ہوگا: ای تکسب غیرک المعدوم یعنی نادر ونایاب چیزیں دوسروں کو عنایت کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تکسب المعدوم میں معدوم مفعول اول ہے بمعنی نادار اور مفعول ثانی محذوف ہو ای تکسب المعدوم المال یعنی آپ نادار اور محتاج لوگوں کو مال عطا کردیتے ہیں چنانچہ بعض نسخوں میں بجائے معدوم کے بصیغہ معلوم اسم فاعل ہے بمعنی محتاج، نادار۔ بعض نسخوں میں بضم التاء، باب افعال سے بمعنی اعطاء ہے اس صورت میں ترجمہ وہی ہوگا جو مجرد متعدی بدو مفعول کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

نوائب الحق:

نوائب نائبۃ کی جمع ہے وھی الحادثۃ والنازلۃ خیرا او شرا ــــــ یہ پہلے سب کلمات کا اجمال ہے۔

الحق کی قید لگا کر اشارہ فرمادیا کہ جو حوادثات واقعی نازل ہورہے ہیں اس سے مراد آفات سماویہ ہیں۔ جیسے کثرۃ باراں کے سبب مکانات کا منہدم ہوجانا۔

۲: حق پر قائم رہنے کے سلسلہ میں جو حوادثات پیش آسکتے ہیں ان میں آپ ﷺ پورمدد کرتے تھے۔

مخلوقات کے ساتھ ہمدردی گویا خدا کی خدمت ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ہرگز رسوا نہیں کرے گا یہ دعوی الشیء ببینۃ کے قبیل سے ہے۔ (درس بخاری 128)

ورقہ کی تصدیق

فائدہ: حضرت خدیجہؓ کا ارشاد: استدلال عقلی ہے عطائے قوت تحمل پر۔ کیونکہ یہ قوت ثمرہ ہے تائید حق کا اور یہ افعال جالب ہیں تائید حق کے۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا اس غرض سے تھا کہ یہی مقصود دلیل نقلی سے بھی ثابت ہوجائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جسکا حاصل اس تحمل کی ایک نظیر بتلانا تھا۔ (امداد الباری ص 181/3)

کان یکتب: کتب سابقہ کی حفاظت بذریعہ کتابت تھی جبکہ قرآن کریم کی بالحفظ ہے۔

العبرانیہ: بعض جگہ العربیہ کا لفظ ہے۔کیونکہ بعض کو انجیل عبرانی اور بعض کو عربی میں لکھ کر دیتے تھے اس لئے کہ انجیل سریانی زبان میں تھی۔ حضرت آدمؑ سریانی اور حضرت ابراہیمؑ عبرانی اور حضرت اسماعیلؑ عربی بولتے تھے۔

سریانی زبان کو اس لئے سریانی کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سراً تعلیم دی گئی ــــ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان تھی ــــ لیکن نمرود کے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم سے نکلنے پر لوگ دوڑ پڑے کہ فلاں آدمی سریانی زبان بولنے والا ہے پکڑ لاؤ تو دریائے فرات عبور کرنے پر خود بخود عبرانی ہو گئی۔(درس شامزئی 42)

ابن عم خدیجہ ؓ: یہ حقیقت پر محمول ہے۔

نسبی لحاظ سے ورقہ آپ کے چچا بنتے ہیں۔محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن عبدمناف بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب ــــ اور ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب۔(درس شامزئی 42)

ابن اخی: عرب کے محاورے میں چھوٹے کو بھتیجا کہتے ہیں۔

الناموس: اس کا لغوی معنیٰ ہے صاحب سر، بھیدی، راز داں۔اچھی بات معلوم کر کے پہنچانے والے کو ناموس کہتے ہیں اور اس کے برعکس کو جاسوس کہتے ہیں۔ناموس سے مراد یہاں حضرت جبریل امینؑ یا حضرت اسرافیلؑ ہیں۔

نزل اللہ علی موسیٰ ــــ

سوال: ورقہ بن نوفل خود عیسائی مذہب رکھتے تھے تو انہیں علی موسیٰ کی بجائے علی عیسیٰ کہنا چاہیے تھا نیز بعض روایات میں "علی عیسیٰ" بھی آیا ہے؛ اس پر کوئی اشکال نہیں۔

جواب ۱: چونکہ حضرت موسیٰؑ پر یہودی اور عیسائی دونوں متفق تھے اس لئے ان کا نام لیا۔

جواب ۲: بنا بر شہرت حضرت موسیٰؑ کا نام لیا۔

جواب ۳: یہ تخصیص بالذکر شد امد کی بنا پر کی گئی ہے۔ جواب ۴: تشبیہ دراصل وحی کی جامعیت پر ہے:۔

اَوَ مُخرِجِیَّہُم ــــ ورقہ بن نوفل نے تورات وانجیل کی روشنی میں یہ بتایا جیسے قرآن کریم میں ہے ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔

سوال: او مخرجیھم : سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ کو تعجب ہو رہا ہے کہ اہل مکہ کا یہ طرز عمل ہوگا ــــ سبب تعجب کیا ہے؟

جواب: اسلئے ہوا کہ چالیس سال تک محبوبیت کی زندگی گذاری کیا صادق وامین ہونے کے اعتراف کے باوجود یہ انتہائی اقدام کریں گے ــــ؟

اہل مکہ کی عداوت کا سن کر آپ نے کچھ نہیں فرمایا: جب بیت اللہ (مکہ مکرمہ) سے نکالنے کا سنا تو مادر وطن کی محبت سے تعجب آمیز جملہ زبان پر جاری ہو گیا۔(کشف ص416ج1)

أو مخرجی: استعجاب اخراج مکہ مکرمہ کے بلدِامین اور اہلِ مکہ کے قرابت داری کا خیال باعث تھا۔(درس بخاری 132)

فترۃ الوحی ـــــ تین سال تک یہ سلسلہ وحی موقوف رہا، اور پختگی ہوتی رہی کہ واقعی میں اللہ کا رسول ہوں۔

سوال: فترت کے دور میں کیا وحی بالکل منقطع تھی؟

جواب: وحی تو منقطع تھی لیکن جبریل علیہ السلام آپ کو تسلی دینے کے لئے تشریف لاتے تھے۔(درس شامزئی 42)

حدیث الباب کا ترجمہ سے ربط:

۱: عظمت وحی کا ذکر۔ اگر وحی باعظمت نہ ہوتی تو فترت سے آپ بے تاب نہ ہوتے کلام باری تعالیٰ کی لذت وعظمت آپ ﷺ کے لئے وفورِ اشتیاق کا سبب تھی حصولِ نعمت کے بعد اس کے بقاوقیام کا تقاضا امر طبعی ہے۔

۲: احوال وحی کا ذکر ہے، اور فترۃ وحی بھی ایک حال ہے۔ ۳: رویاء صالحہ وحی کی ایک قسم ہے جو آپ ﷺ دیکھتے تھے حدیث الباب میں اس کا ذکر ہے۔

مسائل مستنبطہ

۱: اللہ تعالیٰ کیلئے خلوۃ اختیار کرنا جائز ہے۔

۲: رویاء صالحہ حصۂ نبوت ہیں۔

۳: سفر میں زادراہ رکھنا منافی توکل نہیں۔

۴: اصلاح نفس کیلئے توجہ باطنی بھی ثابت ہے۔

۵: غیر مانوس چیز کو دیکھ کر ڈر جانا شانِ نبوت کے منافی نہیں، یہ تقاضائے بشریت ہے۔

۶: نامناسب واقعہ کا اظہار اہلیہ محترمہ کے سامنے جائز ہے۔

۷: گھبراہٹ بڑھانے کی بجائے تسلی دینی چاہیے۔

۸: یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ باقی انبیاءؑ بعد از دعوت مصدَّق یا مکذَّب ہوئے۔ لیکن آپ ﷺ از دعوت مصدَّق ہوگئے۔ ۹: حاملِ مکارمِ اخلاق کو منجانب اللہ ضائع نہیں کیا جائیگا۔ ۱۰: اہلِ خانہ کے حقوق متاثر نہیں ہونے چاہئیں۔

تحمل الکلّ وتُکسِب المعدوم (فلاحی اور رفاہی کام)

یہ حضرات انبیاءؑ کی سیاست کی بنیاد ہے۔ علماء کرام انبیاءؑ کے وارث ہیں اس سیاست پر وہ بھی عمل کریں۔ حدیث شریف میں بھی ہے: کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء۔ لیکن سیاست فرنگ منع ہے ـــــ

اسلام ورقہ

سوال: ورقہ بن نوفل نے کہا: اگر میں زندہ رہا تو مدد کروں گا۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ حالانکہ مشہور تو یہ ہے کہ مردوں میں سے اول المسلمین حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ بچوں میں سے حضرت علیؓ اور عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ ہیں ـــــ ورقہ کا کوئی نام نہیں لیتا۔

جواب: ان کے اسلام کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) بعض حضرات فرماتے ہیں ان کو درجۂ معرفت حاصل تھا اور معرفت سے مسلمان نہیں ہوتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے ـــــ اس مذہب پر اشکال ہوگا کہ پھر یہ اول المسلمین کیوں نہیں کہلائے؟

جواب ۱: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ان کے مومن ہونے پر تو اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں مومن تھے لیکن انہیں صحابہؓ میں شمار کرنا محل تردد ہے کیونکہ یہ ظہور دعوت سے قبل ہی انتقال فرما گئے تھے۔

جواب ۲: ان کا ایمان لانا کنایۃً واشارۃً تھا اور حضرت ابوبکرؓ کا صراحۃً تھا اس لئے وہ اول المسلمین کہلائے۔

فائدہ: ورقہ بن نوفل کے پاس ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانا بھی ہے، ممکن ہے دو دفعہ جانا ہو۔ (درس شامزئی 41)

حکمتِ فترۃ وحی

فترۃ کے بعد چونکہ وحیِ دعوت آپ ﷺ نازل کرنا مقصود تھا تو کچھ عرصہ پختگی پیدا کرنے کی غرض سے وحی کو موقوف رکھا ـــــ نیز ازالۂ گھبراہٹ اور مانوس کرنے کیلئے یا استعدادِ دعوت کیلئے وحی کو موقوف رکھا۔

حدیث نمبر ۴

4- قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُونِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ إِلَى قَوْلِهِ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ} فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ تَابَعَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ وَأَبُو صَالِحٍ وَتَابَعَهُ هِلَالُ بْنُ رَدَّادٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ بَوَادِرُهُ.

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا اور مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے وحی کے موقوف ہو جانے کے ایام کا حال بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ میں ایک مرتبہ غارِ حرا سے اعتکاف کے بعد جا رہا تھا پہاڑ سے اتر کر وادی کے بیچ میں پہنچا اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں

میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے، میں اس منظر سے خوفزدہ ہو کر واپس ہوا اور (گھر والوں سے) میں نے کہا: مجھے کمبل اڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ اِلٰی قَوْلِہٖ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ اے کملی والے کھڑے ہو جائیے اور لوگوں کو ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور بتوں کو چھوڑے رکھیے۔ اس کے بعد وحی پے درپے آنے لگی۔

حدیث نمبر ۴ کا ترجمہ سے ربط نمبر ا

آغاز وحی بذریعہ "رؤیا صالحہ" پھر "خلوت گزینی کا اشتیاق" پھر پہلی وحی سے لیکر جبرائیلؑ کی آمد کیف کان بدء الوحی کے بالکل مطابق ہے۔

ربط نمبر ۲: نیز جبرائیلؑ کی آمد؛ تین مرتبہ دبانا پھر آپ ﷺ تکلیف برداشت کرنا اور آپ ﷺ کے اوصاف عالیہ کاذکر کیف کان بدء الوحی کے ساتھ بذریعہ عظمت باہمی مربوط ہے۔ (کشف ص432 ج1)

تشریح حدیث ۴

یا ایھا المدثر سے واضح ہو گیا کہ اصل نام یا محمد سے پکارنے کی بجائے حال اور حالت کے مطابق مخاطب فرمایا نیز اشارہ فرمایا مُبلّغ اور داعی کو کپڑا اوڑھ کر لیٹ نہیں جانا چاہیے بلکہ عمل میں مصروف رہے۔

لوگوں کو آپ ﷺ سے دور رکھنے کیلئے آپ کو کاہن، مجنون اور ساحر کے نام دینے کے مشورے کا علم ہوا تو غم سے چادر لپیٹ لی تو یا ایھا المزمل۔۔۔۔۔۔۔۔ اور جبرائیلؑ کو دیکھ کر گھبراہٹ سے چادر لپیٹی اور یہ بھی فرمایا: صبوا علی ماء بارداً تو یا ایھا المدثر سے محبت وملاطفت کا خطاب فرمایا۔ (کشف ص425 ج1)

بعض روایات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں فقد سدا فقاً کے الفاظ ملتے ہیں۔ (درس بخاری 133)

قُمْ: قُمْ فرمایا بَلِّغْ اور اَرْسِلْ نہیں فرمایا اس میں ہمت باندھنے اور چستی کی طرف اشارہ ہے۔

فَاَنْذِرْ: انذار اس ڈرانے کو کہتے ہیں جس میں دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ' آنے والے خطرات سے ڈرایا جائے چونکہ انذار' تبشیر' سے زیادہ مفید ہے اس لئے ابتداء وحی میں انذار کو لائے تبشیر کا موقع ابھی نہیں تھا۔

وربک فکبر ای فعظّم: اپنے رب کی عظمت بیان کیجئے۔ اپنے دل میں بھی اور لوگوں کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت ڈالیے۔ اس میں داعی کو ترغیب ہے کہ غیر اللہ کا رعب اور بڑائی دل میں نہیں آنی چاہیے۔ اگر چہ بڑی بڑی رکاوٹیں آئیں۔

وَثیابک فطھر: اپنے کپڑے پاک رکھئے۔ یوں ترجمہ نہ کرنا کہ اپنے کپڑے پاک کیجئے۔ گویا ثیاب' ذات عالی سے کنایہ بن جائے گا معلوم ہوا اپنے سینہ میں علوم نبوت کو لینے کیلئے تقویٰ وطہارت شرط ہے۔

والرجز فاھجر یہ امر بھی دوام کیلئے ہے کہ بتوں کو چھوڑے رکھئے۔ رجز کا معنی گناہ بھی آتا ہے گناہ چھوڑے رکھئے

اقسامِ تحویل

قال ابن شهاب واخبرنی ابو سلمه الخ۔

امام بخاریؒ نے پچھلی سند کا انقطاع نہیں کیا بلکہ اس کو برقرار رکھتے ہوئے دوسرا واسطہ یعنی واخبرنی ابو سلمہ الخ، ذکر کیا ہے۔ واؤ عاطفہ لائے ہیں جس کا مطلب سابق سند کا حذف نہیں ہے بلکہ امام زہریؒ کے بعد ابو سلمہ سے راوی تبدیل ہو رہے ہیں تو جب سابق سند حذف نہیں تو واخبرنی ابو سلمہ سے تحویل شروع ہوگئی۔

سوال: تعلیق کیلئے قال ابن شهاب اخبرنی چاہیے تھا تا کہ انقطاع واقع ہو اور تعلیق متحقق ہو جائے ___ مگر یہاں واخبرنی حرف عطف واؤ کے ساتھ لائے اس لئے تحویل ہے۔

جواب: تحویل کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: کثیر الوقوع وہ یہ ہے کہ شروع میں ہی دو طریق ہوں یعنی شیخ اول دو ہوں۔ آخر میں ایک ہو جائے۔ ۲: نادر الوقوع یہ ہے کہ شروع میں تو ایک ہی طریق ہو اور آخر میں دو طریق ہو جائیں۔ یہاں نادر الوقوع کی صورت ہے ___

تسہیل کیلئے نقشہ ملاحظہ ہو۔

امام بخاری　یحییٰ بن بکیر　لیث　عقیل　ابن شہاب

پھر ابن شہاب سے آگے دو طریق اس طرح ہیں:

۱۔۔۔ ابن شہاب　عروہ بن زبیر　حضرت عائشہؓ　اور آپ ﷺ

۲۔۔۔ ابن شہاب　ابو سلمہ بن عبد الرحمن　حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاریؓ　اور آپ ﷺ ___ تو یہ تحویل ہی ہے

تابعہ عبد اللہ بن یوسف ___ ضمیر منصوب کا مرجع یحییٰ بن بکیر ہے۔

وتابعہ هلال بن رداد، اس میں ضمیر کا مرجع عُقیل ہے۔

مرجع کا علم راویوں کے طبقات سے ہوتا ہے مثلاً عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح یہ دونوں یحییٰ بن بکیر کے ہم عصر اور ہم طبقہ ہیں۔ لہٰذا تابعہ عبد اللہ بن یوسف و ابو صالح یعنی متابعۃ اولی میں مرجع یحییٰ بن بکیر ہوں گے اسی طرح متابعۃ ثانیہ میں ہلال بن رداد یہ عقیل کے ہم عصر اور ہم طبقہ ہیں تو عقیل مرجع ہوں گے۔ یعنی ہلال نے عقیل کی متابعت کی ہے۔

امام بخاریؒ کی بیشتر عادت یہ ہے جس وقت متابعت تام ہوگی اس وقت محض ضمیر لائیں گے جیسے تابعہ فلاں ___ اگر متابعت ناقصہ ہو تو متابع عنہ کو بھی ذکر کریں گے جیسے تابعہ ہلال بن رداد عن الزہری ___ اگر صرف تابع فلان کہیں نہ ضمیر نہ عن تو فلان جو متابع ہے اس کے طبقہ کو دیکھ کر متابع مفعول کو متعین کریں گے۔ (درس بخاری 133)

متابعۃ اور اس کی اقسام

ایک راوی جس سند سے جو متن بیان کرے دوسرا راوی اس کی موافقت کرے اسے متابعت کہتے ہیں (راویٔ ثانی راویٔ اول کے نقش پا پہ چلے۔) متابعۃ میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ ۱: متابع (بکسر الباء) راوی جو دوسرے کی موافقت کرے۔ ۲:

متابَع جس کی موافقت کی گئی ہے۔ ۳: متابع عنہ جو متابِع اور متابَع دونوں کا استاذ ہو۔ ۴: متابَع علیہ: وہ روایت جس پر متابعت ہو رہی ہے ___

اسکی دو قسمیں ہیں: متابعتِ تامہ اور متابعتِ ناقصہ۔ ۱: متابعتِ تامہ: اگر کوئی راوی کسی دوسرے راوی کی بیان کردہ حدیث جوں کی توں پوری سند کے ساتھ روایت کردے یہ متابعتِ تامہ ہے ___ اور اگر اول سند میں کوئی مطابقت نہیں ہے ___ آخر سند میں جا کر کوئی مطابقت پیدا ہو جائے تو اسے متابعت ناقصہ کہتے ہیں ___

پھر متابعت تامہ اور ناقصہ ہر ایک دو قسم پر ہے۔

اگر متابَع عنہ (استاذ مشترک) مذکور ہے تو یہ قسم اول ہے اور اگر مذکور نہ ہو تو یہ قسم ثانی ہے۔

متابعت کی چار صورتیں ہوگئیں۔ ۱: متابَع عنہ مذکور ہو اور متابعت تامّہ ہو۔ ۲: متابَع عنہ مذکور ہو اور متابعت ناقصہ ہو۔ ۳: متابع عنہ مذکور نہ ہو اور متابعت تامّہ ہو۔ ۴: متابع عنہ مذکور نہ ہو اور متابعت ناقصہ ہو۔

___ اب متابعت فی المتن کی بات ہے چنانچہ متابعت دو حال سے خالی نہیں: الفاظِ حدیث میں موافقت ہوگی یا نہ ہوگی۔ اگر اول ہو تو لفظی ہے۔ ثانی ہو تو معنوی ہے ___ امام بخاریؒ نے اس مقام پر جملہ اقسام کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ تابعہ عبد اللہ بن یوسف یہ متابعت تامہ کی مثال ہے جس میں متابع عنہ مذکور نہ ہو۔ اور تابعہ ھلال بن رداد یہ متابعتِ ناقصہ کی مثال ہے اس لئے کہ درمیان میں ایک راوی عُقیل سے متابعت ہو رہی ہے اور متابع عنہ مذکور ہے جو امام زہری ہیں۔

قال یونس و معمر:

یہ متابعتِ ناقصہ ہے اور معنوی ہے کیونکہ الفاظ میں اختلاف ہے، فوادہ کی جگہ بوادر نقل کرتے ہیں۔

فائدہ ۱: بعض حضرات متابعت فی المعنیٰ کو جائز قرار نہیں دیتے۔ امام بخاریؒ اشارہ فرما رہے ہیں متابعت فی المعنیٰ بھی جائز ہے۔

فائدہ ۲: تابعہ کی جگہ قال یونس فرمایا اس سے متابعت کی اختلافِ نوع کی طرف اشارہ فرمایا۔ یعنی تامہ و ناقصہ کے لحاظ سے اختلافِ نوع ہے۔

متابعت فی السند (۱) اگر اول سند سے ہی ہے تو متابعتِ تامّہ ہے کما عبد اللہ بن یوسف و ابو صالح۔

(۲) اگر درمیان سند یا آخر سند سے ہے تو متابعتِ ناقصہ ہے کما ھلال بن رداد۔

(۳) اول سند سے ہے متابع عنہ مذکور نہیں ہے کما عبد اللہ بن یوسف و ابو صالح۔

(۴) درمیان سے ہے مگر متابع عنہ مذکور ہے کما ہلال بن رداد کہ عن الزہری موجود ہے۔

و قال یونس بوادرہ:

سے متابعت فی المتن کا مسئلہ ہے۔

(۱) اول صورت یہ ہے کہ ہو بہو کسی بھی لفظی اختلاف کے بغیر ذکر کریں جیسے عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے یحییٰ بن

تکبیر کی کوئی لفظی مخالفت بھی نہیں کی۔ یہ متابعتِ لفظی ہے۔

(۲) اگر لفظ کا اختلاف ہے اور ایک کی جگہ کوئی راوی دوسرا لفظ پڑھے یہ متابعتِ معنوی ہے جیسے کہ یونس و معمر نے عقیل کی متابعت کی مگر لفظ فؤادہ کی جگہ بوادرہ ہے مخالفت کی ہے تو یہ متابعتِ معنوی ہے۔

حدیث نمبر ۵

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى {لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ} قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكُمْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا وَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ} قَالَ جَمْعُهُ لَهُ فِي صَدْرِكَ وَتَقْرَأَهُ

{فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ} قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ {ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ} ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ.

ترجمہ:

حضرت سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا اس آیت کی تفسیر میں کہ اے پیغمبر جلدی سے وحی کو یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو نہ ہلایا کر۔ ابن عباس نے کہا: حضور اکرم ﷺ قرآن اترنے سے (بہت) سختی ہوتی تھی اور آپ ﷺ اکثر اپنے ہونٹ ہلاتے تھے (یاد کرنے کے لئے)۔ ابن عباسؓ نے (سعید سے) کہا: میں تجھ کو بتاتا ہوں ہونٹ ہلا کر جیسے حضور اکرم ﷺ کو ہلاتے تھے اور سعیدؓ نے (موسیٰؒ سے) کہا میں تجھ کو بتاتا ہوں ہونٹ ہلا کر جیسے میں نے ابن عباسؓ کو ہلاتے دیکھا۔ پھر سعیدؓ نے اپنے دونوں ہونٹ ہلائے۔

ابن عباسؓ نے کہا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ''وحی کو یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ ہلایا کر، قرآن کا تجھ کو یاد کرا دینا اور پڑھا دینا ہمارا کام ہے''۔ ابن عباسؓ نے کہا یعنی تیرے دل میں جما دینا اور پڑھا دینا (پھر یہ جو اللہ نے فرمایا) جب ہم پڑھ چکیں اس وقت تو ہمارے پڑھنے کی پیروی کر ابن عباسؓ نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ سنتا رہ (پھر جو یہ فرمایا) ہمارا کام ہے اس کو بیان کر دینا یعنی تجھ کو پڑھا دینا۔ پھر ان آیتوں کے اترنے کے بعد حضور اکرم ﷺ ایسا کرتے جب جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس آ کر قرآن سناتے تو آپ ﷺ چپکے سے سنتے رہتے جب وہ چلے جاتے تو حضور اکرم ﷺ اسی طرح قرآن پڑھ دیتے جیسے حضرت جبرائیلؑ نے پڑھا تھا۔

حدیث نمبر ۵ کا ترجمہ سے ربط:

آیت لاتحرک بہ لسانک الخ کے نزول سے قبل آپ ﷺ معمول حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ پڑھنا تھا تو ابتداء وحی میں آپ کا معمول تحریک شفتین ہوگا ــــ تو غار حرا کی روایت میں بدء مکان کا تذکرہ ہے ــــ حدیث الباب میں موحیٰ الیہ کی صفات کے اعتبار سے تبدیلی بدء کا ذکر ہے۔ گویا صفتِ تحریک لسان کی تبدیلی کا بھی بدء ہے۔ (نصر الباری 141/1)

ہمہ تن "حکمِ استماع" و "انصات" بھی عظمت وحی پر دال ہے۔

ربط ۲: حفاظتِ وحی بذریعہ ان علینا جمعہ و قرآنہ خود رب العالمین نے لے لی کہ کوئی بھی تغیر تبدیلی نہ کر سکے گا۔ جو عظمت و عصمتِ وحی پر دال ہے۔ تو کیف کان بدء الخ کی عظمت کے ساتھ ربط ہو گیا۔ (ایضا)

تعارف رواۃ

<u>حدثنا موسی بن اسماعیل:</u> حضرت امام بخاریؒ کے استاذ، متوفی ۲۲۳ھ ابو سلمہ ان کی کنیت ہے بصری ہیں۔

<u>ابو عوانہ:</u> ان کا نام وضاح بن عبداللہ یشکری ہے، صحاح ستہ کے رواۃ میں ہیں، ثقہ و ثبت ہیں۔ م ۱۹۶ھ

<u>موسی بن ابی عائشہ:</u> کنیت ابو الحسن کوفی ہمدانی۔ آل جعدہ کے مولیٰ ہیں۔

<u>سعید بن جبیر:</u> اجلہ تابعین میں سے ہیں ــــ حجاج بن یوسف نے ان کو ظلماً قتل کیا ۹۵ھ میں۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کی رائے کے خلاف فتویٰ دیا تھا ــــ

<u>ابن عباس رضی اللہ عنہ:</u> صغیر السن مفسر ہیں ــــ بلکہ رئیس المفسرین اور آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر صرف تیرہ برس تھی ــــ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ خلفائے عباسیہ کے جد امجد ہیں، اور عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔ دوسرے تین یہ ہیں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ ــــ و قیل: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

(عبادلہ اربعہ، تصحیح) تیسرے نمبر پر عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ وقیل عبداللہ بن مسعودؓ۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے وفات پا چکے تھے۔ (۳۲ھ میں) دیگر چار طویل عرصہ تک حیات رہے۔ عبداللہ بن عمروؓ، م 65ھ، عبداللہ بن عباسؓ، م 68، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ، م 73ھ میں، جب یہ کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے تو کہا جاتا: "ھذا قول العبادلۃ" (کشف ص436 ج1)

حضرت ابن عباسؓ کی کل مرویات ۱۶۶۰ ہیں۔ بخاری شریف میں آپ کی مرویات ۲۱۵ اور صحیح مسلم میں ۱۴۴ ہیں متفق علیہ ۹۵ ہیں ــــ حضرت ابن عباسؓ نے یہ روایت اگر آپ ﷺ سے براہِ راست سنی ہے تو متصل ہے ورنہ مرسل صحابہ میں سے ہے۔

ابو داؤد طیالسی کی روایت اتصال پر دال ہے۔

تشریح حدیث

یعالج___ یہ معالجہ سے ہے، جس کا معنی کسی چیز کا تحمل کرنا اور اس کے لئے مشقت برداشت کرنا___ معنی یہ ہوگا قرآن کریم کے نازل ہونے کی مشقت برداشت کرتے تھے۔

سبب مشقت:-

۱: نزولِ وحی کا ثقل۔

۲: ملاقاتِ ملک، بوجہ عدم جنس اس کا ثقل ووزن بھی تھا۔ کثرتِ ملاقات کے باوجود عدم جنس ہونے کا ثقل ختم نہیں ہوا کرتا۔

۳: نیز آپ ﷺ نزولِ وحی کے وقت نسیان کے اندیشے سے ساتھ پڑھتے تھے یہ بھی وزن و مشقت تھی۔

۴: الفاظ ومعانی کا یکدم استحضار بھی باعثِ مشقت ہوسکتا ہے۔

۵: غیر حافظ کا حافظ کے ساتھ پڑھنا باعثِ مشقت ہے۔ فرشتہ نورِ محض ہے اس کے پڑھنے میں تیزی اور عجلت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روح کے لحاظ سے نوری ہیں مگر جسم خاکی تھا، وہ تیزی نہ تھی___ مشقت کے ساتھ تیزی کرتے؛ **یرید ان یحفظہ** (کشف ۴۳۸)

فرشتہ کا آلہ قرآءت اعلیٰ اور سرعت والا ہے تو فرشتے سے اخذ کلام مشقت کا کام ہے۔ آپ تین کام کرتے تھے۔ (۱) جبریل علیہ السلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (۲) حفظ کی کوشش کرتے (۳) معانی میں غور فرماتے۔ (درس شامزئی 45)

لاتحرک بہ لسانک الخ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تحریک شفتین عملاً دکھاتے تھے اسلئے اس روایت کو حدیث **مسلسل بتحریک الشفتین** کہا جانے لگا۔ تاہم یہ سلسلہ جاری نہ رہا، انقطاع واقع ہوگیا۔ لہٰذا مبداء میں **مسلسل بحرکۃ الشفتین** ہے لیکن منتہیٰ میں انقطاع کی وجہ سے یہ تسلسل قائم نہیں رہا۔

ممایحرک شفتیہ:

مما کے معنی کثیراً ما کے ہیں۔ عند البعض ممار بما کے معنی میں ہے۔ جو قلت وکثرت دونوں کیلئے مستعمل ہے۔

فانا احرکھما لک کما کان رسول اللہ یحرکھما، یہ نہیں فرمایا کما رایت رسول اللہ یحرکھما، اس لئے کہ یہ قصہ ابتداء بعثت کا ہے۔ امام بخاری کا ترجمہ بھی اس پر دال ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

تحریک شفتین یا تحریک لسان؟

سوال: قراءت کے وقت تحریک شفتین ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے اور ممانعت قرآن کریم میں تحریک لسان کی ہے___؟

جواب ۱: یہ دونوں باب الاکتفاء میں سے ہیں۔ ایک کا ذکر ہو تو دوسرا بھی مراد ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم میں لسان

کا ذکر ہے مگر شفتین بھی ساتھ مراد ہیں اور حدیث پاک میں شفتین کا ذکر ہے مگر لسان بھی مراد ہے ـــــ اس لئے کہ سارے حروف شفوی نہیں ہیں۔

جواب ۲: بندے کو تحریک شفتین ہی نظر آتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو تحریک لسان بھی نظر آتی ہے تو حدیث میں شفتین اور قرآن کریم میں لسان کا ذکر ناظر کے مطابق ہے۔

جواب ۳: اصل تلفظ باللسان ہے اللہ تعالیٰ نے اسی کا اعتبار فرمایا۔ راوی نے ظاہر کا اعتبار کیا اس لئے ہونٹ کا ذکر کیا۔

جواب ۴: یہ من باب اختصار الرواۃ ہے ـــــ موسیٰ بن ابی عائشہ کے شاگرد ابوعوانہ نے صرف شفتین اور سفیان نے لسان کا ذکر کیا جبکہ جریر نے دونوں کا ذکر کیا۔

فائدہ: استاذ کو چاہیے کہ طالب علم کو سکھلاتے ہوئے عملی طور پر بھی عند الضرورۃ آگاہ کرے۔

فاتبع قرآنہ میں قراءت کا تعلق الفاظ سے ہے ثم ان علینا بیانہ میں بیان سے مراد معنیٰ اور مفہوم ہے۔ تو الفاظ ومعانی دونوں آپ ﷺ کے سینہ میں جمع کرتے جائیں گے۔

ربط آیات کے سلسلہ میں اقوال:

ـــــ ان آیات کا ربط مشکلات میں سے قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ ان سے پہلے بھی احوالِ قیامت کا تذکرہ ہے اور ان کے بعد بھی۔ اس ظاہری بے ربطی کو اچھال کر ملحدین وروافض نے ان آیات کے انکار کی کوشش کی ہے کہ یہ قرآن کریم کا جز نہیں۔

جواب: ربط کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:۔

۱۔۔۔قول اول: امام رازیؒ فرماتے ہیں ان آیات کے نزول کے وقت آپ ﷺ نے جلدی کی ہوگی تو اسی وقت بطورِ تربیت ان آیات کا نزول ہو گیا اس لئے ماقبل ومابعد سے ربط تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ جملہ "زیادتی شفقت" پر محمول ہے۔ نیز علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں "مناظر قدرت" میں ربط نہیں ہوتا۔ کہیں پہاڑ ہیں؛ کہیں دریا ہیں تو کہیں صحرا ہیں۔

۲: قولِ ثانی: احوالِ قیامت کے سلسلہ میں استدلال کیا جا رہا ہے کہ ہم بنان کے باریک خطوط جانتے ہیں "اعضاء انسانی کے اجزاء" اکٹھے کرلیں گے اسی طرح وہ حصہ جو حضرت جبریلؑ پڑھ لیتے ہیں ان کو جمع کرکے آپ ﷺ کے سینہ میں جمع کردیں گے ـــــ یہ کلام "رد النظیر علی النظیر" کے قبیل سے ہے ـــــ

۳: قولِ ثالث: قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ جب کتاب محشر کا ذکر آتا ہے تو گاہے گاہے کتاب الاحکام (قرآن کریم) کا بھی ذکر کردیا جاتا ہے۔

۴: قولِ رابع: ینبؤا الانسان یومئذ بما قدم واخر۔ جب ہم انسان کی زندگی کی تمام معلومات جمع کردیں گے اگرچہ متفرق ہوں، اسی طرح قرآن کریم کی کوئی آیت بھی آپ کے ذہن سے نہیں چھوٹے گی۔ (از حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ)

۵: قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا صحیفۂ قولی ہے۔ اسی طرح پورا عالم صحیفۂ فعلی ہے ـــــ صحیفۂ فعلی کی ترتیب انسان کی سمجھ سے

بالاتر ہے مثلاً یہ کہ رفعت، عظمت سے پہلے کیوں پیدا ہوا۔ شرف الدین ابومحمد سے پہلے کیوں مرا ــــ؟ پس صحیفہ قولی کی ترتیب وربط اگر سمجھ میں نہ آئے تو اس میں کیا بعد؟ (نصر الباری ۱/138)

۶: ینبؤا الانسان یومئذ بما قدم واخر ــــ اعمال میں تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں سب کچھ بتلادیا جائے گا ــــ اس کی رعایت ملحوظ رکھی یا نہ رکھی۔

مشروعات میں ترتیب بھی ضروری ہے۔ قیام کی بجائے رکوع وسجود میں تلاوت کرنا یا رکوع سے پہلے سجدہ کرنا ــــ یہ منع ہے۔ حضرت جبرائیلؑ کی قراءت کے ساتھ پڑھنا تقدیم ماحقہ التاخیر تھا۔ کیونکہ قراءت قرآن کریم کی ''اتباع'' استماع وانصات میں ہے۔ پس جبرائیلؑ کے ساتھ پڑھنے کی تاخیر واجب تھی۔ مگر آپ ﷺ کو مقدم فرماتے تھے اس پر فرمایا: لا تحرک به لسانک الخ یعنی ہر چیز میں تقدیم وتاخیر کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ تو آیت کریمہ کا ما قبل سے ربط ظاہر ہے۔ (نصر الباری ص140 ج1)

۷: ماقبل میں ذکر وفکر قیامت کے ضمن میں ''عاجلہ'' کی مذمت ہے اور مابعد میں صراحۃً تحبون العاجلة سے مذمت ہے تو درمیان میں لا تحرک به الخ سے عجلت سے روکا ربط واضح ہے۔

۸: سورۃ قیامہ کے شروع میں تین ''جمع'' کا ذکر ہے۔ ایحسب الانسان الی قوله بنانه میں ''جمع عظام وبنان'' ہے۔ پھر ''جمع شمس وقمر'' ہے پھر ینبؤا الانسان میں جمع اعمال ہے ــــ اس کو ثابت فرمایا کہ آپ ﷺ جو قراءت وکتابت نہیں جانتے ــــ جبرائیل علیہ السلام کے جانے کے بعد تمام آیات وحی کو الفاظ ومعانی، اعراب ومخارج، معارف وحقائق، طرزِ ادا، کیفیات مطلوبہ کے ساتھ جمع کردیا جانا ــــ یہ دلیل ہے کہ تین جمع بھی ہوں گی۔ تو جمع کا جمع کے ساتھ ربط ہے۔

۹: احوال قیامت نازل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ قیامت کے آنے کے باوجود حتمی وقت پوچھ لوں تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا: لا تحرک به لسانک۔

۱۰: نیز علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: کلام کی ایک مراد اولی ہوتی ہے جو سیاق وسباق سے معلوم ہوتی ہے اور ایک مرادِ ثانی ہوتی ہے جو شانِ نزول سے معلوم ہوتی ہے۔ مراد اولی کے لئے تو ربط ضروری ہے ــــ لیکن مرادِ ثانی کے لئے ربط ضروری نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے مرادِ ثانوی بیان فرمائی ہے۔ (درس شامزئی 48)

فائدہ: مندرجہ بالا تمام جوابات کی روشنی میں یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو تاکید ہے اپنی رائے ترک کردیں۔ تمام ظاہری وباطنی حواس کے لحاظ سے تکمیل حکم میں لگیں۔ نتائج کی فکر بھی دل سے نکال کر عبدیت کاملہ کا اظہار کریں ــــ بھرپور ہمہ جہت نتائج کا پیدا کردینا ہمارے ذمہ ہے۔ حاشیۂ خیال میں بھی اس کی فکر نہ کریں۔

مراد اتباع

فاذا قرأناه فاتبع قرآنه:

۱: ''اتباع'' سے مراد ترک قراءت کرکے استماع وانصات کے لحاظ سے اتباع کرنا ہے۔

۲: دوسرا مطلب استماع وانصات میں جن تجوید کے اصولوں کی رعایت کی گئی ہے فرشتہ کے جانے کے بعد جب بھی آپ پڑھیں گے تو انہی مخارج وصفات کی اتباع کو ملحوظ رکھیں۔

۳: علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ نزولِ وحی کے وقت استماع وانصات سے کام لیں ــــــ اور فرشتہ کے جانے کے بعد الفاظ ومعانی اور مطالب کی جامعیت کے ساتھ مکمل ترتیب سے لکھوادیں اور سنادیں۔

فاستمع وانصت: استماع کا معنیٰ غور سے سننے کے ہیں۔ انصت بمعنیٰ خاموش رہنا۔

"**فاستمع وانصت**" یہ تفسیر فاتحہ خلف الامام کے عدم جواز پر دلیل قاطع ہے۔ نیز فاتبع قرآنہ سے تتبع سکتات کی بھی نفی ہوجاتی ہے کیونکہ وقفوں کے درمیان تلاوت ثابت نہیں۔ نیز اوقاف پر اطلاع جبریلؑ کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے جبریلؑ کے جانے کے بعد تلاوت کرنا تتبع سکتات نہ کرنا ہے۔

فائدہ: حضرت جبریلؑ کا نام 'عبد اللہ' 'جبر' بندہ اور 'ایل' اللہ کے معنیٰ میں ہے۔ اور حضرت میکائیلؑ کا نام عبید اللہ ہے۔ قولِ ثانی: حضرت جبریلؑ کا نام عبد الجلیل کنیت ابو الفتوح۔ حضرت میکائیلؑ کا نام عبد الرزاق، کنیت ابو الغنائم ہے۔ حضرت اسرافیلؑ کا نام عبد الخالق کنیت ابو المنافخ، حضرت عزرائیلؑ کا نام عبد الجبار اور کنیت ابو یحییٰ ہے۔ (کشف ۴۴۹ ج۱)

ای ثم ان علینا ان تقرأہ: یہ بیانہ کی تفسیر ہے یعنی ج۱: اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ مطلب یہ ہے آپ کو پڑھنے پر قدرت ہوجائے یہ بھی ہمارے ذمہ ہے ــــ ج۲: بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ یہ وہمِ راوی ہے کیونکہ یہ بیانہ کی تفسیر نہیں ہے اس لئے کہ بیانہ سے مراد کشف وایضاح ہے یہ فاتبع قرآنہ کی تفسیر ہے۔

ج۳: عند البعض یہ بیانہ ہی کی تفسیر ہے ــــ تقرأہ' سے مراد ای تقرأہ علی الناس گویا اول تقرأ لنفسہ ہے اور دوسرا للناس ہے تو تکرار لازم نہ آیا۔ ج۴: یا اول مطلق قراءت اور ثانی بالتکرار قراءت کرسکیں گے یعنی قراءت پر قادر رہیں گے۔

ثم ان علینا بیانہ کی تفسیر:

ان علینا ان تقراہ ــــ میں تقرأ کا تکرار ہے

ج۵: مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ زبان سے مطالب ومعانی کی تفہیم کرادیں گے۔

ج۶: ان علینا جمعہ وقرآنہ سے مراد الفاظ کو سینہ میں محفوظ کرنا اور پڑھنے پر قدرت ہے۔ ان علینا بیانہ سے مراد توضیح وتفصیلِ مشکلات ہے۔

جمعہ لک صدرک: آپ ﷺ کا سینہ اس کو جمع کرے گا۔ صدر کی طرف اسناد مجازی ہے اور حقیقی جامع ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ بعض روایات میں جمعہ لک فی صدرک ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔

جمعہ لک فی صدرک سے معلوم ہوتا ہے قوتِ حافظہ صدر میں ہے۔ فلاسفہ قوت حافظہ جوفِ دماغ میں مانتے ہیں ــــ متکلمین اور اصولیین ہر چیز کا منبع اور اصل قلب کو مانتے ہیں۔ لیکن اس کی اصل قلب میں ہے۔ کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہ فی صدرک۔ (درس بخاری 138)

حدیث نمبر ۶

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وحَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں تو جب جبرائیلؑ آپ ﷺ سے ملا کرتے بہت ہی سخی ہوجاتے۔ اور جبرائیلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملا کرتے اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے غرض حضور اکرم ﷺ (لوگوں کو) بھلائی پہنچانے میں چلتی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔

تعارفِ رواۃ

حدثنا عبدان:

"عبدان" ان کا نام عبداللہ بن عثمان ہے اور کنیت ابوعبدالرحمن ہے چونکہ دو عبد جمع ہو گئے تو عبدان لقب بن گیا اگرچہ تثنیہ ہے لیکن علم کے معنی میں آ گیا۔ بخاری شریف میں 110 احادیث مروی ہیں۔ م ۲۲۱ھ ۷۶ برس عمر تھی۔

"عبداللہ بن مبارک" امیر المؤمنین فی الحدیث:

اشتغال بالحدیث کو معیتِ نبوی ﷺ اردیکر فرمایا مجھے تنہائی کی دہشت کا کیا سوال ہے؟ اس دور کے علماء کا اجماع ہے کہ آپ جیسی خصال کا حامل کوئی ہو تو ہو۔ امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔ ۶۳ برس کے بعد ۱۸۱ھ میں وفات (۱۱۸ھ میں ولادت ہے۔)

<u>یونس بن یزید:</u> تابعی ہیں مصر میں ۱۵۹ھ میں وفات ہے۔

<u>معمر:</u> صحابہؓ میں تیرہ اشخاص ہیں، صحیحین میں معمر بن راشد صرف یہی ہیں، کتب اربعہ میں چھ آدمی ہیں۔ وفات ۱۵۴ھ ہے۔ ۵۸ برس کل عمر ہے۔

یہ حدیث بھی مرسل صحابی ہے اگر حضرت ابن عباسؓ نے آپ ﷺ سے خود سنا ہے تو متصل ہوگی ____ لیکن بظاہر یہی ہے کہ یہ مرسل ہے۔ اس لئے کہ اس میں آپ ﷺ کے اوصاف ہیں تو یہ کسی صحابی نے بیان کئے ہوں گے۔

سوال: مدار تحویل عبداللہ ہیں۔ تحویل حضرت عبداللہ سے ہونی چاہیے نہ کہ زہری سے ____؟

جواب: اس روایت میں مدار تحویل عبداللہ کو نہیں بنایا کیونکہ عبدان کی روایت میں صرف یونس راوی ہیں جو کہ زہری کے شاگرد ہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں ____ جبکہ بشر بن محمد کی روایت میں معمر اور یونس دونوں روایت کرتے

ہیں ـــــ اس فرق کو بتانے کیلئے مدار تحویل عبداللہ کی بجائے امام زہری کو بنایا۔

سوال: نحوہ عن الزھری ﷺ میں نحوہ کا اضافہ کیوں فرمایا ـــــ ؟

جواب: نحوہ کا لفظ اس طرف اشارہ کرنے کیلئے لائے ہیں کہ الفاظ روایت حضرت یونس کے ہیں، معمر صرف اس معنیٰ کو روایت کرتے ہیں الفاظ ان کے نہیں ہیں۔

ح: اس کو مخفف پڑھنے کا دستور زیادہ ہے اس کے بعد وقال محذوف ہوتا ہے ـــــ

ح (تحویل) اس کو پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) حآ مع المد (۲) حاء مقصورہ۔ سیبویہ کا قول ہے کہ حروف ہجاء کو جب علیحدہ پڑھتے ہیں تو ممدودہ پڑھتے ہیں۔ (درس شامزئی 48)

عبیداللہ بن عبداللہ: تابعی ہیں، فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے استاذ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی عتبہ بن مسعود کے پوتے ہیں۔ ۹۴ھ میں وفات ہے۔

ترکیب: کان اجود مایکون فی رمضان:

اس کی ترکیب مختلف طریقے سے کی جاتی ہے۔ (۱) پہلی ترکیب یہ ہے کہ اجود کان کا اسم ہو اور فی رمضان حال بن کر خبر محذوف کے قائم مقام ہے ـــــ حاصل ترجمہ یہ ہوگا: کان اجود اکوانہ حاصلاً حال کونہ فی رمضان۔

(۲) کان میں ضمیر شان ہے اور اجود مبتدا مرفوع اور فی رمضان خبر۔ مبتدا اور خبر مل کر یہ کان کی خبر بنیں گے۔ معنیٰ یہ ہوگا: شان یہ ہے کہ کان اجود اکوان رسول اللہ ﷺ حاصل فی رمضان۔ (۳) اگر اجود کو مرفوع کی بجائے اجود منصوب پڑھیں تو مایکون سے پہلے مدۃ کا لفظ محذوف ہوگا تو اس صورت میں لفظ اجود کان کی خبر اور کان کا اسم اس کے اندر ھو ضمیر مستتر ہوگی، تقدیر عبارت یوں ہوگی ـــــ ای کان رسول اللہ ﷺ متصفاً بالاجودیۃ مدۃ کونہ فی رمضان ـــــ اس صورت میں مایکون فی رمضان بحذف مضاف "مدۃ" ظرف ہوگا اجود کیلئے۔

روایت کے اعتبار سے رفع پڑھنا اولیٰ ہے۔ (اگرچہ نصب کی بھی صورت بتائی گئی ہے۔)

تشریح حدیث۔ جود وسخا

الفرق بین الجود والسخا:

(۱) جود: بغیر سوال وعوض کثرت سے دینے کو کہتے ہیں۔ نیز حسب ضرورت اور مستحق کو دینا کہ بھوکے کو کھانا اور بے ستر کو کپڑا دینا جود میں داخل ہے تاکہ ذلت وقلت سے بچ سکے۔

جود ایک ملکہ ہے اور سخا اس کا اثر ہے۔ باری تعالیٰ قبول اثر سے منزہ ہے۔ (درس شامزئی 49)

(۲) جود "اعطاء ماینبغی لمن ینبغی" کو کہتے ہیں جبکہ سخاوۃ صرف تقسیم مال کا نام ہے۔ سخاوت میں سخی کی غرض ہوتی

ہے، جود میں جواد کی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اسلئے حق تعالیٰ شانہ کو الجواد کہا جاتا ہے مگر سخی نہیں کہا جاتا۔

جود: دراصل ایک ملکہ واستعداد اور سخاوۃ اس کا ثمر ہے آپ ﷺ نے ملکات فاضلہ کے اعتبار سے تمام اہل کمال پر فوقیت رکھتے تھے۔ کما قال: انا اجود ولد آدم واجودھم بعدی رجل علم علما فنشر علمه۔ (نصر146ج1)

اسی ملکۂ فاضلہ کی روشنی میں حضرات شیخین ؓ مال لیکر حاضر خدمت ہوئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں حضرت ابوبکرؓ سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لئے کہ گھر میں آدھا مال موجود تھا تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا میں نے اپنے گھر میں: ترکت اللہ ورسوله۔ یہ ملکات فاضلہ کا فرق ہے۔ (نصر146ج1)

حین یلقاہ جبریل:

اس حدیث میں آپ ﷺ کے تین مقامات جود کو علی سبیل الترقی بیان کیا گیا ہے۔ جود اول: اجود الناس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو آپ ﷺ طبعا وخلقۃً ہی سخی تھے۔ جود ثانی: جب رمضان آتا تو آمیں مزید اضافہ ہوجاتا حتی کہ قرض لیکر کھلاتے تھے۔ جیسے انسان خوشی کے موقع پر کرتا ہے ــــ جود ثالث: حین یلقاہ جبریل سے معلوم ہوتا ہے ماہِ رمضان میں جب حضرت جبریلؑ سے ملاقات ہوتی اور مدارستِ قرآن کریم کا عمل بھی ہوتا اس وقت کی سخاوت کا مقابلہ تو ریح مرسلہ بھی نہ کرسکتی تھی۔

سوال: جود وسخا کا تقاضا ہے کہ انسان صاحب مال ہو جبکہ آپ ﷺ کے پاس تو مال نہ تھا۔ تین تین ماہ چولہا ٹھنڈا رہتا تھا۔

جواب ۱: حضرت بلالؓ کے ذمہ تھا جب کوئی سائل آئے تو قرض لیکر خرچ کردیا کرو۔ آپ ﷺ کے مقروض ہونے کا سبب ہی جود وسخا تھا جو آتا تھا خرچ کردیتے تھے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے جود وسخا کا تعلق خرچ کیے ہوئے مال کی کثرت وقلت کے مقدارِ مال سے نہیں ہوتا بلکہ خرچ شدہ کے تناسب سے ہوتا ہے۔ مثلاً ایک صد کا مالک ایک روپیہ اور ایک لاکھ کا مالک ۱۰۰۰ (ہزار) خرچ کرے تو دونوں مساوی ہیں۔ چنانچہ اگر شخص اول نے ۲ روپے خرچ کئے تو ہزار خرچ کرنے والے سے بڑا سخی ہوگا ــــ

جواب ۳: جود وسخا کو اموال کے ساتھ مخصوص سمجھنا ہی غلط ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے علم وعمل، عقائد واخلاق صحیحہ اور انوار وبرکات سے تاصبح قیامت مخلوق خدا کو فیضیاب کردیا ہے۔

فیدارسه القرآن:

اشکال: دور پورے قرآن کریم کا ہوتا یا صرف منزلہ من القرآن الکریم کا ــــ؟

ج ۱: دونوں قول ہیں: پورا قرآن کریم کا دور ہوتا تھا ــــ لیکن بعد میں غیر منزلہ حصہ بھول جاتا۔ راجح یہ ہے کہ حصہ منزلہ کا دورہوتا۔ ورنہ واقعۂ افک میں آپ کو پریشانی کیوں ہوتی ــــ؟

دور کے فوائد کیا تھے؟

ج ۱: ادائیگی حروف کا طریقہ عملاً سکھانا۔ ۲: ترتیب کا معلوم ہونا، ۳: آیت منسوخہ کا علم ہوجانا۔ ۴: اس سے آپ

کا حفظ پختہ ہوجاتا اور وعدۂ ربانی کی تکمیل ہوتی ــــ یہ دور رات کے وقت ہوتا تاکہ آپ کے یومیہ معمولات میں خلل نہ پڑے اور دور میں کوئی دوسرا مخل نہ ہو۔ (درس شامزئی 50)

ماہ مبارک کو کلام الٰہی سے خاص مناسبت ہے۔ تمام کتب اسی ماہ میں نازل ہوئیں۔ قرآن مجید لوح محفوظ سے بتمام وکمال شب قدر میں نازل ہو کر بیت العزۃ میں محفوظ کر دیا گیا جو آسمان دنیا میں ایک مقام ہے۔ آپ ﷺ کے پاس 17 رمضان المبارک بروز پیر وحی قرآن کریم کی ابتداء ہوئی ــــ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے یکم رمضان، حضرت موسیٰؑ کو تورات ۶ رمضان، حضرت عیسیٰؑ کو انجیل ۱۳ رمضان اور حضرت داؤدؑ کو زبور ۱۸ رمضان کو ملی۔

فیدارسہ القرآن: مدارستہ کا معنیٰ ہے دَور کرنا، یہاں القرآن کا لفظ ہے لیکن اس سے کامل قرآن کے ساتھ بعض قرآن بھی مراد ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ جتنا قرآن نازل ہوچکا ہوتا اتنے کا دَور ہوتا۔

مسئلہ: ملا علی قاریؒ نے لفظ مدارستہ سے مسئلہ نکالا ہے کہ پورے سال میں ایک قرآن کریم تو ضرور پورا ہوجانا چاہیے، شرح نقایہ میں لکھتے ہیں قرآن کریم کا ایک ختم سال میں مسنون ہے۔ کیونکہ ہر سال جتنا قرآن کریم اتر چکا ہوتا اس کا آپ ﷺ دور فرمالیتے اور آخری عمر کے رمضان میں دو دَور کئے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل سے بھی ختم قرآن ہونا اور کرنا بالکل واضح ہے۔

اجود بالخیر من الریح المرسلۃ:

اجود بالخیر اگر مال کے ساتھ مخصوص کریں تو جود وسخا مالی مراد ہوگی ــــ اور اگر خیر کو عموم پر رکھیں تو خیر کا حقیقی بڑا فرد "دین وشریعت اور علوم وحی" ہیں۔ اس جیسا سخی تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز "ریح مرسلہ" سے آپ کی زیادہ جود وسخا کی وجہ یہ ہے کہ ریح مرسلہ حجر وشجر اور جسم ونباتات کو فائدہ پہنچاتی ہے جبکہ علوم دینیہ قلب وقالب دونوں کیلئے نافع ہیں۔

ٹھنڈی و گرم ہوا حسب مزاج امتیاز کے ساتھ ایک کیلئے نفع رساں اور دوسرے کیلئے ضرر رساں ہے جبکہ دین وشریعت گرم وسرد ہر مزاج کیلئے نافع ہے۔ سود وزیاں کا اندیشہ نہیں۔ نیز کثرۃ خیر کو ریح مرسلہ سے تشبیہ دی ــــ ریح مرسلہ وہ ہوائیں جو لوگوں کو نفع پہنچانے کیلئے بھیجی جاتی ہیں۔ گرمی دور کرتی ہیں، پھل پکاتی ہیں۔ تو آپ ﷺ ان ہواؤں سے بھی زیادہ اجود تھے۔

نیز ہوا کی تشبیہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ہوا بھی جیسے بلا تخصیص وبلا طلب سب کو فائدہ پہنچاتی ہے اور مجموعی موسم ٹھیک کر دیتی ہے، آپ ﷺ کی سخاوت بھی گویا ایسی تھی۔ اسی مضمون کو ایک اعرابی نے بہت بڑا بکریوں کا ریوڑ ملنے پر یوں تعبیر کیا: اے میرے اہل قبیلہ! مسلمان ہوجاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم افلاس کے خوف سے بے نیاز ہو کر دیتے ہیں۔ (مسلم شریف ۲/۲۹۰)

حدیث کا ترجمۃ الباب سے ربط:

(۱) بعض حضرات کی رائے یہ ہے یلقاہ سے ترجمۃ الباب ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ لقاء اپنے عموم کی وجہ سے لقاء بوقت ابتداء وحی کو بھی شامل ہے۔

(۲) آپ ﷺ اور حضرت جبریلؑ وسائط وحی اور مبادی وحی ہیں اور ترجمۃ الباب کے مقاصد میں وحی کا ذکر کرنا

بھی ہے تو ربط ثابت ہو گیا۔

(۳) حضرت شیخ الہندؒ کی رائے کے مطابق چونکہ "ترجمۃ الباب" سے وحی کی عظمت بیان کرنا ہے تو اس سے عظمت کا ثبوت ملتا ہے کہ کیسی عظمت والی ہے کہ سید الرسل ﷺ رسید الملائکہ ہر رمضان اس کی مدارست فرمارہے ہیں۔ تو عظمت وعصمتِ وحی نیز اس کے مطاع ہونے کا بیان ہے تو تمام روایات کو بدءالوحی کے باب سے بھی مناسبت ہے۔

(۴) باب کی غرض ان صفات عالیہ کا ذکر ہے جو نزولِ وحی کا سبب ہیں۔ ان میں سے ایک جود بھی ہے۔ اور حدیث میں اس کے تین مراتب کو بیان کیا گیا ہے ــــــ **فافھم**

قرآن مجید کا نزول رمضان شریف میں ہوا اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات میں یہ انعام سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ قرآن اللہ کی صفت ہے۔ انعامات بخشنا کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر اپنی صفت دیدینا بہت ہی بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جود کا ظہور سب سے زیادہ اس ماہ میں ہوتا ہے تو نبی کریم ﷺ پر بھی اس کا اثر پڑا۔ اور یہ مہینہ آپ کی سخاوت کا مرکز بنا۔ اجود بالخیر، خیر سے دنیوی اخروی، مادی روحانی ہر طرح کی خیر مراد ہے۔ (درس بخاری 144)

معارف وفوائد

۱۔۔۔ زیارتِ اکابر مسلسل کرتے رہنا چاہیے۔

۲۔۔۔ اجتماع صلحاء، جود و سخا کی ترغیب وتحریص۔

۳۔۔۔ رمضان میں تلاوت بکثرت ہو۔

۴۔۔۔ رمضان میں دورِ قرآن کریم سنت ہے۔

۵۔۔۔ تسبیح واذکار سے تلاوت افضل ہے ــــ اگر ذکر تلاوت سے افضل یا مساوی ہوتا تو دونوں حضرات یا تو ہمیشہ ذکر کرتے یا کبھی تو کرتے۔ جبکہ اجتماع ہر رمضان ہوتا رہا۔

۶۔۔۔ رمضان کے ساتھ شہر ملانا ضروری نہیں۔

7۔۔۔ نیز قرآن کریم کا دور رات کو کرنا چاہیے۔ ہمارے دیار میں عموماً دن کو رواج ہے اور رات کو وہ تراویح میں سنایا جاتا ہے۔ تو یہ ممکن ہے آنے والی رات کو جو تراویح میں پڑھنا ہے ایک روز قبل اس کی،، مدارست،، ہو نیز اپنا یاد کرنے کے ساتھ دور کرنے کی سنت کو زندہ کریں۔

حدیث ہرقل

حدیث نمبر 7

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تِجَارًا بِالشَّامِ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِيهَا أَبَا سُفْيَانَ وَكُفَّارَ قُرَيْشٍ فَأَتَوْهُ وَهُمْ بِإِيلِيَاءَ فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّومِ ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بِتَرْجُمَانِهِ فَقَالَ أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا أَقْرَبُهُمْ نَسَبًا فَقَالَ أَدْنُوهُ مِنِّي وَقَرِّبُوا أَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ

ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا عَنْ هَذَا الرَّجُلِ فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ فَوَاللَّهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْثِرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ أَوَّلَ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ قُلْتُ هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ قَالَ فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ لَا قَالَ فَأَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَقُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ قُلْتُ بَلْ يَزِيدُونَ قَالَ فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيهَا قَالَ وَلَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرُ هَذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ قُلْتُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ يَنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ قَالَ مَاذَا يَأْمُرُكُمْ قُلْتُ يَقُولُ اعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ۔

فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَهُ سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ فَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَأْتَسِي بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا قُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيهِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللَّهِ وَسَأَلْتُكَ أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَأَلْتُكَ أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتَّى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ

الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ

فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ لَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِهِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بَعَثَ بِهِ دِحْيَةُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ {وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ}

قَالَ أَبُو سُفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَأُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ أُخْرِجْنَا لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ وَكَانَ ابْنُ النَّاظُورِ صَاحِبُ إِيلِيَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلَى نَصَارَى الشَّأْمِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدِمَ إِيلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاظُورِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُومِ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَالُوا لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُودُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ وَاكْتُبْ إِلَى مَدَايِنِ مُلْكِكَ فَيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ

فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوا فَانْظُرُوا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا فَنَظَرُوا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُونَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مُلْكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَهُ بِرُومِيَةَ وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوا هَذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيمَانِ قَالَ رُدُّوهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ،

رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَيُونُسُ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے ان کو ابوسفیان بن حرب نے کہا ہرقل نے ان کو قریش کے اور کئی سواروں کے ساتھ بلایا۔ اور یہ لوگ اس وقت شام میں تجارت کی غرض سے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضور اکرم ﷺ نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں کو (صلح کر کے ایک مدت دی تھی) غرض یہ لوگ اس کے پاس پہنچے۔ ہرقل اور اس کے ساتھی ایلیا میں تھے۔ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور اس کے ارد گرد روم کے رئیس بیٹھے تھے۔ پھر ان کو بلایا اور اپنے مترجم کو بھی بلالیا۔ وہ کہنے لگا (اے عرب کے لوگو) تم میں سے کون اس شخص کا نزدیک کا رشتے دار ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر کہتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ تب ہرقل نے کہا: اچھا اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو بھی (اس کے) نزدیک رکھو اس کی پیٹھ پر۔

پھر اپنے مترجم سے کہنے لگا: ان لوگوں سے کہہ میں اس سے (ابوسفیان سے) اس شخص کا (پیغمبر صاحب کا) کچھ حال پوچھتا ہوں اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم کہہ دینا جھوٹا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: قسم خدا کی! اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ مجھ کو جھوٹا کہیں گے تو میں آپ ﷺ کے بارے میں جھوٹ کہہ دیتا۔ خیر پہلی بات جو اس نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ اس شخص کا تم میں خاندان کیسا ہے؟۔ میں نے کہا: اس کا خاندان تو ہم میں بڑا ہے۔ کہنے لگا: اچھا پھر یہ بات (کہ میں پیغمبر ہوں) اس سے پہلے تم لوگوں میں کسی نے کہی تھی؟۔ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟۔ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا بڑے آدمی (امیر لوگ) اس کی پیروی کر رہے ہیں یا غریب لوگ؟۔ میں نے کہا: نہیں غریب لوگ۔ کہنے لگا اس کے تابعدار لوگ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟۔ میں نے کہا: نہیں بڑھتے جاتے ہیں۔ کہنے لگا: اچھا کوئی ان میں سے ایمان لا کر اس دین کو برا سمجھ کر پھر جاتا ہے؟۔ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: یہ بات جو اس نے کہی (میں پیغمبر ہوں) اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا؟۔ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟۔ میں نے کہا: نہیں۔ اب ہماری اس سے (صلح کی) ایک مدت ٹھہری ہے معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا: مجھ کو اور کوئی بات اس میں شریک کرنے کا موقع نہیں ملا بجز اس بات کے۔ کہنے لگا: اچھا تم اس سے (کبھی) لڑے؟۔ میں نے کہا: ہاں۔ کہنے لگا: پھر تمہاری اس کی لڑائی کیسے ہوئی ہے؟۔ میں نے کہا: ہم میں اور اس میں لڑائی ڈولوں کی طرح ہے، وہ ہمارا نقصان کرتا ہے، ہم اس کا نقصان کرتے ہیں۔ کہنے لگا: اچھا وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے۔ میں نے کہا: وہ یہ کہتا ہے بس اکیلے اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑ دو اور ہم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے، (حرام کاری) سے بچنے اور ناتا جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔

تب ہرقل نے مترجم سے کہا: اس شخص سے کہہ میں نے تجھ سے اس کا خاندان پوچھا تو نے کہا وہ ہم میں عالی خاندان ہے اور پیغمبر (ہمیشہ) اپنی قوم میں عالی خاندان ہی میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا: یہ بات تم لوگوں میں اس سے پہلے کسی نے کہی تھی؟ تو نے کہا: نہیں، اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اگر اس سے پہلے دوسرے کسی نے بھی یہ بات کہی ہوتی (پیغمبری کا دعویٰ کیا ہوا تھا) تب میں یہ کہتا یہ شخص اگلی بات کی پیروی کرتا ہے۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا اس کے بزرگوں میں

کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تونے کہا: نہیں، اس سے میرا مطلب یہ تھا اگر اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تو یہ سمجھ لوں کہ وہ شخص (پیغمبری کا بہانہ کرکے) اپنے باپ کی بادشاہت لینا چاہتا ہے۔ اور میں نے تجھ سے یہ پوچھا اگر اس بات کے کہنے سے پہلے تم نے کبھی اس کو جھوٹ بولتے دیکھا؟ تونے کہا: نہیں، تو اب میں نے سمجھ لیا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ باندھنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔

اور میں نے تجھ سے پوچھا کیا بڑے (امیر) آدمیوں نے اس کی پیروی کی یا غریبوں نے؟ تونے کہا: غریب لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے اور پیغمبروں کے تابعدار (اکثر) غریب ہی ہوتے ہیں۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تونے کہا: وہ بڑھ رہے ہے، اور ایمان کا یہی حال رہتا ہے حتیٰ کہ وہ پورا ہوجائے۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا کہ کوئی اس کے دین میں آکر پھر اس کو برا سمجھ کر اس سے پھر جاتا ہے؟ تونے کہا: نہیں، اور ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی خوشی دل میں سما جاتی ہے (تو پھر نہیں نکلتی)۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا: وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ تونے کہا: نہیں اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ عہد نہیں توڑتے۔ اور میں نے تجھ سے پوچھا: وہ تم کو کیا حکم دیتا ہے؟ تونے کہا: وہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور بت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے اور نماز اور سچائی اور (حرام کاری سے) بچے رہنے کا حکم دیتا ہے۔

پھر جو تو کہتا ہے اگر سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہوجائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی شام کے ملک کا) اور میں جانتا تھا کہ یہ پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ پھر اگر میں جانوں کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ضرور کوشش کرونگا۔ اور اگر میں اس کے پاس (مدینہ میں) ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا (خدمت کرتا)۔ پھر اس نے حضور کا خط منگوایا جو آپ نے دحیہ کلبیؓ کو دے کر (۷ ہجری میں) بصریٰ کے حاکم کو بھیجا تھا، اس نے وہ خط ہرقل کو بھیج دیا تھا۔ ہرقل نے اس کو پڑھا اس میں یہ لکھا تھا:

"شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان ہے رحم کرنے والا ہے۔ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل روم کے رئیس کو معلوم ہو جو سیدھے رستے پر چلے اس کو سلام۔ اس کے بعد تجھ کو اسلام کے کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہوجا تو تو بچا رہے گا اللہ تجھ کو دوہرا ثواب دے گا۔ پھر اگر تو یہ بات نہ مانے تو تیری رعایا کا (بھی) گناہ تجھ ہی پر ہوگا اور (یہ آیت لکھی تھی) "کتاب والو اس بات پر آجاؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی دوسرے کو خدا نہ بنالے، پھر اگر وہ (اس بات کو) نہ مانیں تو (مسلمانو) تم ان سے کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم تو ایک خدا کے تابعدار ہیں"۔

ابوسفیان نے کہا: جب ہرقل کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اور خط پڑھ چکا تو اس کے پاس بہت شور مچا اور آوازیں بلند ہوئیں اور ہم باہر نکال دیئے گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا جب ہم باہر نکالے گئے ابو کبشہ کے بیٹے کا تو بڑا درجہ ہوگیا اس سے رومیوں کا بادشاہ ڈرتا ہے۔ (اس روز سے) مجھ کو یقین رہا کہ حضور غالب ہوں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مسلمان کردیا۔

(زہری نے کہا) ابن ناطور [جو ایلیا کا حاکم اور ہرقل کا مصاحب اور شام کے نصاریٰ کا پیر پادری تھا] وہ بیان کرتا ہے

ہرقل جب ایلیا (بیت المقدس) میں آیا تو ایک روز صبح کو رنجیدہ اٹھا۔ اس کے بعض مصاحب کہنے لگے (کیوں خیر تو ہے) ہم دیکھتے ہیں (آج) تیری صورت اتری ہوئی ہے۔ ابن ناطور نے کہا: ہرقل نجومی تھا، اس کو ستاروں کا علم تھا، جب لوگوں نے اس سے پوچھا (تو کیوں رنجیدہ ہے؟) تو وہ کہنے لگا: میں نے آج کی رات ستاروں پر نظر کی (ایسا معلوم ہوتا ہے) ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب ہوا۔ اس زمانہ والوں میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟ اس کے مصاحب کہنے لگے: یہودیوں کے سوا کوئی ختنہ نہیں کرتا۔ تو ان کی کچھ فکر نہ کرو اور اپنے علاقوں کے شہروں میں (وہاں کے حاکموں کو) لکھ بھیج جتنے یہودی وہاں ہوں ان کو مار ڈالیں۔ وہ لوگ یہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ہرقل کے سامنے ایک شخص کو لائے جس کو غسان کے بادشاہ (حارث بن ابی شمر) نے بھجوایا تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کا حال بیان کرتا تھا۔

جب ہرقل نے سب خبر اس سے سن لی تو (اپنے لوگوں سے) کہنے لگا: ذرا جا کر اس شخص کو دیکھو اس کا ختنہ ہوا ہے کہ نہیں۔ انہوں نے اس کو دیکھا اور جا کر ہرقل سے بیان کیا کہ اس کا ختنہ ہوا ہے اور ہرقل نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا عرب کے لوگ ختنہ کرتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں ختنہ کرتے ہیں۔ تب ہرقل نے کہا یہی شخص (پیغمبر صاحب) اس امت کے بادشاہ ہیں جو غالب ہوئے ہیں۔ پھر ہرقل نے اپنے ایک دوست ضغاطر کو روم میں لکھا وہ علم میں ہرقل کا جوڑ تھا۔ اور ہرقل خود حمص کو گیا ابھی حمص سے نہیں نکلا تھا کہ اس کے دوست ضغاطر کا خط اس کو پہنچا اس کی بھی رائے نبی کریم ﷺ کے ظاہر ہونے میں ہرقل کے موافق تھی یعنی نبی کریم ﷺ سچے پیغمبر ہیں۔ آخر ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے حمص والے ایک محل میں آنے کی اجازت دی۔ (جب وہ آگئے) تو دروازوں کو بند کروادیا۔ پھر اوپر بالاخانے میں برآمد ہوا اور کہنے لگا:

روم کے لوگو! کیا تم اپنی کامیابی اور بھلائی اور اپنی بادشاہت پر قائم رہنا چاہتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو اس (عرب) پیغمبر سے بیعت کرلو۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف لپکے دیکھا تو وہ بند ہیں۔ جب ہرقل نے دیکھا کہ ان کو ایمان سے اتنی نفرت ہے اور ان کے ایمان لانے سے ناامید ہوگیا تو کہنے لگا: ان سرداروں کو پھر میرے پاس لاؤ۔ (جب وہ آئے) تو کہنے لگا: میں نے جو بات ابھی تم سے کہی وہ تمہارے آزمانے کو کہی تھی کہ دیکھوں تم اپنے دین میں کیسے مضبوط ہو؟ اب میں وہ دیکھ چکا۔ تب سب نے اس کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہوگئے۔ یہ ہرقل کا آخری حال ہوا۔

فائدہ:

روم، ایران مصر اور حبشہ کو خطوط روانہ فرمائے نیز تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ہندوستان اور چین بھی خطوط روانہ کیے ___ چین جانے والے صحابی واپس لوٹے تو آپ ﷺ وصال فرما چکے تھے وہ پھر واپس چلے گئے۔ اور وہاں تبلیغ میں لگے رہے۔ (درس بخاری 153)



تعارفِ رواۃ

(۱)　ابو الیمان حکیم بن نافع:

یہ بہرانی حمصی ہیں ــــــ ایک بہرانی ام سلم نامی خاتون کے مولیٰ تھے۔ ثقہ و ثبت تھے۔ یہ اسماعیل بن عیاش، شعیب بن ابی حمزہ اور ان کے علاوہ بہت سے اہل علم سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان کے شاگردوں میں امام بخاریؒ، امام احمد، امام یحییٰ بن معینؒ، ابو حاتمؒ جیسے اساطین علم کا شمار ہے۔

(۲) شعیب: یہ ابو بشر شعیب بن ابی حمزہ القرشی الاموی ہیں۔ ان کے والد ابو حمزہ کا نام دینار ہے۔ ثقہ و حافظ اور متقن ہیں۔ انہوں نے سب سے زیادہ استفادہ امام زہریؒ سے کیا۔ ۱۶۲ یا ۱۶۳ھ میں انتقال ہے۔ عمر ۷۰ سال سے متجاوز تھی۔

(۳) ابو سفیان: یہ مشہور صحابی رسول ہیں۔ صخر بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف الاموی ہیں۔ ابوسفیان اور ابو حنظلہ دونوں کنیتیں ہیں۔ عام الفیل سے دس سال قبل ان کی ولادت ہے۔ حضرت ام حبیبہؓ ام المومنینؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے والد ماجد ہیں ــــــ ابو جہل کے بعد ہمیشہ اہل مکہ کے سردار اور غزوہ بدر کے بعد تمام غزوات میں علمبردار قریش رہے۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بالاسلام ہو گئے۔ غزوہ طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کی اور ایک آنکھ بھی شہید ہو گئی۔ اور دوسری یرموک کی لڑائی میں اپنے بیٹے حضرت یزیدؓ کی قیادت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئی۔ غزوہ طائف میں آپ ﷺ نے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ مدینہ منورہ آخر میں اقامت اختیار کی۔ ۳۱ یا ۳۴ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ حضرت عثمانؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

فائدہ: سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ زوجہ محترمہ اور ام المومنین ہیں آپ کے والد ابوسفیان سردار قریش اور علمبردار تھے قبل از اسلام آپ ﷺ کے مدمقابل و حریف رہے۔ اس قدر شدید نظریاتی و قومی معرکہ آرائیوں کے باوجود ایک لفظ ذخیرۂ حدیث سے ثابت نہیں کبھی آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو جتلایا ہو۔ آج کی دنیا داماد ـــ سسر کے ساتھ جو نقشہ پیش کرتی ہے جس سے خاندانی چولیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔ مگر یہ کمال اسوہ مبارک ہے حضرت ام حبیبہؓ ہزار راحت و مسرت خانہ آباد ہیں ــــــ البتہ یہ عجیب منظر ہے کہ ابوسفیان مدینہ آتے ہیں چونکہ حالتِ کفر میں ہیں۔ سیدہ ام حبیبہؓ نے بستر نبوت لپیٹ دیا اور کہا یہ بستر اللہ کے نبی ﷺ ہے، آپ اس قابل نہیں ہو۔ شرک کی نجاست کے ساتھ اس پر آپ نہیں بیٹھ سکتے۔

آج دنیا سسر داماد کے جھگڑوں سے جہنم آزار بن چکی ہے ــــــ لیکن رسول اللہ ﷺ کو حیات مبارکہ میں تعلیم مبارک اور بعد از وصال مبارک عملاً دکھا رہے ہیں کہ یہ میرے دائیں بائیں میرے سسر استراحت فرما ہیں۔ رشتۂ مصاہرت اسی کا متقاضی ہے اور میں اپنی امت سے اسی کی امید اور اسی کی تلقین کرتا ہوں۔

المرقوم بالمسجد النبوی الشریف علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم

۶ ررمضان مبارک ۱۴۳۶ھ

عالمی تاریخی تجزیہ

بعثت نبوی ﷺ کے وقت دو سپر طاقتیں دنیا میں برسر پیکار تھیں۔ جن میں سے ایک مشرک کسریٰ فارس کا حکمران تھا اور دوسرا قیصر اہل کتاب ہوکر روم کا بادشاہ تھا ـــــ ایران و روم میں ۶۰۳ء سے لیکر ۶۱۲ء تک بڑی لڑائی ہوئی ۶۱۴ء میں ایران نے روم کو بڑی بھاری شکست دی ان کی بڑی صلیب بھی ایرانی اٹھا کر لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ۵۷۰ء میں ہوئی اور ۶۱۰ء میں آپ کو نبوت عطاء ہوئی، لڑائی جاری تھی۔ ایران کی فتح کی کچھ مدت بعد سورۃ الروم نازل ہوئی جس میں غلبہ روم کی بشارۃ تھی۔ (درس شامزئی 51)

مشرکین کی ہمدردیاں مشرک حکومت کسریٰ کے ساتھ تھیں اور اہل ایمان کی قیصر اہل کتاب کے ساتھ ہوتی تھیں ـــــ ان میں آپس میں جنگ ہوئی، قیصر ہار گیا اس پر مسلمان مغموم اور مشرکین نہ صرف خوش ہوئے بلکہ یہ کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمانوں یعنی اہل کتاب کو اسی طرح ختم کردیں گے۔ اس جنگ کے نتیجے میں ۶۱۴ عیسوی میں اہل روم اتنے مغلوب ہوگئے کہ ان کے دوبارہ ابھرنے کے امکانات معدوم ہوگئے، قیصر قسطنطنیہ تک محدود ہوکر رہ گیا، اہل فارس نے مصر و شام اور ایشیاء کوچک پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس موقع پر قرآن کریم نے اسباب ظاہری کے خلاف اور اپنی عادت کے خلاف مدت کی تعیین کے ساتھ پیشین گوئی کردی کہ عنقریب رومی غالب آجائیں گے۔ تاکہ مشرکین بغلیں بجانے سے باز رہیں۔

اسی تناظر میں حضرت صدیق اکبرؓ نے بعض مشرکین کے ساتھ شرط حرام ہونے سے پہلے 10 اونٹ تین سال کی شرط لگائی پھر آپ ﷺ کے حسب ارشاد مدت 9 سال اور ۱۰۰ اونٹ کی شرط مقرر کرلی ـــــ ٹھیک ۹ سال بعد جب مسلمان غزوۂ بدر کی فتح کی خوشی منارہے تھے قیصر کی فتح کی خبر آئی تو مسلمانوں کی خوشی دوبالا اور مشرکین کا غم دوچند ہوگیا۔ اسباب ظاہری کے لحاظ سے قیصر کی فتح کا سبب یہ بنا کہ کسریٰ نے اپنے کسی گورنر کو معزول کرنا چاہا تو وہ اندرونی طور پر ساز باز کرکے قیصر کے ساتھ مل گیا۔ فارس کے حالات بے قابو ہونے پر کسریٰ قسطنطنیہ کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگا اور قیصر کیلئے فتح کے اسباب پیدا ہوتے گئے ـــــ یوں قرآن کریم کی پیشین گوئی پوری ہوگئی ـــــ چنانچہ بہت سے لوگ قرآن کریم کی پیشین گوئی کی صداقت سے متاثر ہوکر مسلمان بھی ہوئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے سو اونٹ وصول کیے بعد میں آپ ﷺ نے صدقہ کروادیے۔ تاہم مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ان بین الاقوامی حالات کے باوجود عرب کی حد تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، جن سے عرب کا امن تہہ و بالا ہوگیا۔

فائدہ: جزیرہ عرب کی حد یہ ہے: اردن کی سرحد سے یمن تک لمبائی اور چوڑائی میں بحر احمر سے خلیج فارس تک۔ اس وقت جزیرہ عرب کے اندر تقریباً ایک درجن حکومتیں ہیں جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ ایک حکومت تھی۔ (انعام 428/1)

اس کے بعد ۶ ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی امن قائم ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت ایمان اور مشرکین تجارت کی طرف متوجہ ہوئے ـــــــ چنانچہ محرم ۷ ھ میں حضرت دحیہ کلبیؓ ہرقل روم کی طرف والانامہ لیکر پہنچے فارس، حبشہ، شام اور یمامہ کے ملوک کو خط لکھے۔

دوسری طرف ہرقل نے نذر مانی تھی اگر مجھے فارس پر غلبہ ہوجائے تو میں حمص سے ایلیا یعنی بیت المقدس کا پیدل سفر کروں گا اور (اپنے مذہب کے لحاظ سے) حج کروں گا۔ چنانچہ اس نذر کی تکمیل کے سلسلہ میں وہ بیت المقدس پہنچا ـــــ ۲ ھ میں فتح کے باوجود تکمیل نذر میں انتظامی امور کے باعث تاخیر ہوگئی۔

مدینہ طیبہ سے حضرت دحیہ کلبیؓ خط لیکر بُصریٰ پہنچے تھے جو دمشق اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک مقام ہے۔ حضرت دحیہؓ مکتوب مبارک والی بُصریٰ کو دینے میں کامیاب ہوگئے۔ والی بُصریٰ نے مع مکتوب مبارک حضرت دحیہؓ کو بیت المقدس بھیج دیا ـــــ اگرچہ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو ساتھ بھیجا تھا جو ابھی تک نصرانی تھے ـــــ بعینہٖ اسی وقت ابوسفیان مع قافلۂ تجارت بھی شام پہنچ گئے ـــــ

ـــــ حدیثِ ہرقل کے واقعہ کی تمہید ـــــ

آپ ﷺ نے ہرقل کی طرف دو مرتبہ والانامہ ارسال فرمایا، ایک ۷ ھ میں دوسری مرتبہ غزوۂ تبوک ۹ ھ میں ـــــ دونوں میں خلط نہ کرنا چاہیے۔

(۱) پہلی مرتبہ کی تفصیل یہ ہے ہرقل جب بیت المقدس پہنچا، اس نے بذریعہ علمِ نجوم دریافت کیا کہ ''ملک الختان'' غالب آنے والے ہیں۔ اعیان مملکت سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ مختون لوگ یہودی ہیں تو فکر کی کیا بات ہے۔ ان کے قتل کرنے کا آرڈر کر دیا جائے ـــــ اسی اثنا میں حضرت دحیہؓ والانامہ لیکر شام بیت المقدس پہنچ گئے ـــــ حضرت دحیہؓ سے یا خط کی عبارت سے معلوم ہوگیا کہ یہ خط عرب سے آیا ہے اور ''مدعی نبوت'' نے بھیجا ہے۔ قاصد کے متعلق معلوم کرلیا گیا کہ وہ ''مختون'' ہے اور عرب میں یہ رواج ہے۔ اس کے بعد قافلۂ عرب کی تلاش ہوئی تا کہ مدعی نبوت اور مرسِل مکتوب کے بارے میں معلومات کی جائیں ـــــ اس طرح ابوسفیان ہرقل کے پاس پہنچا۔

ہرقل نے ابوسفیان سے سوال وجواب کے بعد بڑے زوردار طریقے سے آپ کی صداقت کا اعلان کیا اور ملاقات کا اشتیاق وعقیدت کا بھی اظہار کیا ـــــ پھر اس کے بعد خط کے مندرجات پڑھے گئے اور شور مچا تو ابوسفیان کو رخصت کر دیا گیا۔

رومیہ جو اٹلی کا دارالسلطنت ہے۔ ہمیشہ نصاریٰ کا اصل مرکز رہا ہے۔ وہاں ''ضغاطر'' نامی ایک بڑا لاٹ پادری تھا ـــــ نصاریٰ اس کی مذہبی حیثیت تسلیم کرتے تھے۔ ہرقل نے اس خط کو ''ضغاطر'' کے پاس بھیجا اور یہ بھی کہا میں نے اس خط کے آنے سے پہلے ہی بذریعہ ''نظر فی النجوم'' یہ معلوم کرلیا تھا کہ یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں ـــــ

یہ خط لیجانے والا ضغاطر کے پاس کون تھا اس کی کوئی تعیین نہیں ہے۔

جب ضغاطر لاٹ پادری کے پاس خط پہنچا تو اس نے تصدیق کی اور جواب لکھا ہمیں بھی معلوم تھا کہ خاتم النبیین ﷺ کا وقت قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ وہی نبی ہیں ــــــ ہرقل ابھی حمص سے نکلنے نہیں پایا تھا ضغاطر کا جواب آ گیا۔ اور مزید تصدیق ہو گئی۔

ہرقل نے دیکھا کہ لاٹ پادری نے موافقت کی ہے تو اس کو امید بندھی بادشاہ اور لاٹ پادری (مذہبی رہنما) دونوں کے کہنے سے اب ہماری قوم کے ماننے کی امید ہے۔ اس لئے اس نے "عظماء روم" کو حمص کے قیام کے دوران بلوایا اور ان کو بہت بڑے محل میں جمع کر دیا اور دروازے بند کروا دیے اور خود ایک بالاخانہ پر چڑھ گیا۔

اس کے بعد اس نے کہا:

"یامعشر الروم هل لكم في الفلاح والرشد، الخ

جب عظماء نے یہ تقریر سنی تو انہوں نے کہا یہ ہمیں عربوں کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر مال وجاہ اقتدار کے زوال کے خوف کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا ــــــ پھر اس نے امتحان کا بہانہ بنایا اس طرح وہ نصرانیت پر قائم رہا۔

لیکن ہرقل نے کسریٰ کی طرح والا نامہ کی توہین نہیں کی بلکہ حریر میں لپیٹ کر رکھ دیا اور اس خوش اعتقادی کا اظہار کیا جب تک یہ ہمارے پاس رہے گا ہمارے لئے خیر و برکت کا باعث ہو گا۔

دوسری مرتبہ جب آپ ﷺ ہزار کا لشکر لیکر تبوک تشریف لے گئے ــــــ اس موقع پر بھی وہی ہرقل قیصر روم تھا۔ پھر آپ نے حضرت دحیہؓ ہی کے ہاتھ والا نامہ بھیجا اس نے کہا میں کیا کروں میری قوم نہیں مانتی ــــــ ہرقل نے کہا کہ رومیہ میں لاٹ پادری ہے ــــــ نصاریٰ اس کو مانتے ہیں اس خط کو وہاں لے جاؤ۔ چنانچہ وہاں پہنچے ــــــ اب یہ تعیین نہیں ہے کہ اس کا نام ضغاطر تھا یا کوئی اور نام تھا ــــــ تاہم یہ لاٹ پادری صاحب رومیہ مسلمان ہو گیا اور یہ کہا آپ ﷺ میرا اسلام کہنا اور بتانا میں نے اسلام قبول کر لیا۔

پھر اس نے غسل کر کے عام مجمع میں آ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور دعوت عام بھی دی سب کے سامنے کلمہ شہادت بھی پڑھا مگر لوگوں نے اس کو آزادیٔ اظہار رائے کی سزا کے طور پر اسی وقت شہید کر دیا۔

یہ واقعہ دیکھ کر حضرت دحیہؓ ہرقل کے پاس دوبارہ آئے اور تمام تر روئیداد ہرقل کو سنائی تو اس پر ہرقل نے کہا میں بھی اسی انجام سے ڈرتا ہوں۔ شوق کا اظہار کیا مگر اسلام لایا نہیں۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ جواب دیتے ہوئے اس نے لکھا "انی مسلم" مگر آپ ﷺ نے فرمایا كذب بل هو على نصرانية ــــــ یہ براءۃ کفر نہیں صرف اعتراف اسلام ہے نیز غزوۂ موتہ غسان قبیلۂ روم سے ہوا تھا جو ہرقل کے ماتحت تھا۔ (فتح الباری) اس لئے یہ جملہ کافی نہیں۔

فائدہ ۱: خلافت فاروقی کے دور میں جب رومیوں کو شکست ہوئی، جو جنگ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں ہوئی تھی۔ اس وقت قیصر روم کون تھا؟ ــــــ یہ ہرقل تھا یا اس کا لڑکا؟ دونوں قول ہیں۔ البتہ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مکاتبت تو ہرقل سے ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا موریق تخت نشین ہوا۔ یہ دور صدیقی ہے ــــــ پھر دور فاروقی میں موریق کا بیٹا ہرقل تھا اسی سے جنگیں لڑی گئیں۔ یعنی پوتا اور دادا ہم نام ہیں ــــــ

فائدہ ۲: حضرت دحیہ کلبیؓ کا والانامہ مل گیا، پچھلی صدی میں اردن کا بادشاہ حسین جس کا بیٹا عبداللہ بھی بادشاہ رہا۔ اس نے ایک عیسائی کو بڑی رقم دیکر حاصل کیا۔ پھر اس کے لیبارٹری ٹیسٹ ہوئے۔ الفاظ بعینہٖ بخاری کے مطابق ہیں۔ (دلیل القاری، ص ۷۰)

نیز شاہ مصر مقوقس کے نام جو والانامہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ لیکر گئے تھے وہ تیرہ سو سال کے بعد مل گیا۔ احادیث کے مطابق ہے ایک لفظ کا فرق نہیں۔ (دلیل القاری، ص ۶۸)

تشریح الفاظِ حدیث ان اباسفیان بن حرب اخبرہ:

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ابوسفیان نے خود یہ واقعہ بتلایا۔ واضح رہے جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت ابوسفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ گویا اس روایت کا تحمل حالت کفر میں اور ادائے روایت حالت اسلام میں ہے ـــــ

ان هرقل ارسله اليه:

(ابوسفیان اور ان کے رفقاء غزہ سے بلائے گئے [نصر 159ج1]) ھِرَقْل "ہ" کے کسرہ، راء کے فتحہ اور 'ق' کے سکون کے ساتھ، یہی مشہور ہے۔ بعض حضرات نے 'ہ' کے کسرہ، 'ر' کے سکون، اور 'ق' کے کسرہ کے ساتھ (اس کا تلفظ) کیا ہے۔ یہ عجمی لفظ ہے اور اسمِ علم ہے۔ غیر منصرف ہے۔ بوجہ عُجمہ اور علمیت کے۔ یعنی ھِرْقِل۔

ہرقل نے 31 سال تک حکومت کی۔ اسی کے دور میں آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

فائدہ: ہرقل کا لقب قیصر تھا جیسا کہ روم کے ہر بادشاہ کا لقب یہی ہے۔ فارس کا کسریٰ، ترکی کا 'خاقان'۔ حبشہ کا 'نجاشی' قبط کا فرعون، مصر کا عزیز، حِمیَر اور یمن کا تُبّع، ہندوستان کا 'دہمی' چین کا 'فغفور' یونان کا 'بطلیموس' یہود کا قیطون یا فاتح، بربر کا جالوت، جاشیہ کا نمرود اور فرغانہ کا اخشید۔

ہرقل نے ہی سب سے پہلے دینار کی ڈھلائی کی اور بیعت کا اجراء کیا ـــــ اس کے نام کا سکہ سونا اور کسریٰ کا چاندی کا تھا۔

فی رکب من قریش: رکب راکب کی جمع ہے، دس یا دس سے اوپر افراد پر مشتمل جماعت کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ کتنے تھے؟ پہلا قول بیس، دوسرا قول تیس۔ (فتح الباری)

وکانوا تجاراً بالشام فی المدۃ التی: ابوسفیان کا قافلہ شام بغرضِ تجارت گیا ہوا تھا۔ تجار بضم التاء وتشدید الجیم، نیز بکسر التاء وتخفیف الجیم ہے۔ تُجّار، وتِجار۔ یہ تاجر کی جمع ہے ـــــ

مدت سے مراد صلح حدیبیہ کی مدت ہے ـــــ مشہور یہ ہے یہ مدت دس سال کی تھی۔ البتہ ایک قول چار سال کا بھی ہے۔

فاتوہ وھم بایلیاء: ایلیا بیت المقدس کے شہر کا نام ہے۔ ایلیا بھی ایک لغت، الف ممدودہ کے ساتھ اور ایک الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ ایلیی تیسری لغت بحذف یاء اول یعنی الیاء۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایل اللہ کا نام ہے اور یا کا معنی بیت یعنی بیت اللہ ـــــ

فدعاهم في مجلسه: دعوتِ اول: ویٹنگ روم میں بلوانا اور دوسری دفعہ سے مراد اپنی پیشی میں ہونا مقصود ہے۔۔۔۔ یا مراد یہ ہے پہلے ان کو حاضر کیا گیا پھر انہیں قریب کیا گیا ہے۔

وحوله عظماء الروم: عظیم کی جمع ہے مراد ارا کین دولت، فوجی کمانڈر اور علماء ورہبان ہیں۔

ترجمان: 'ت' کے فتحہ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ۔ امام نوویؒ کے ہاں یہی راجح ہے۔۔۔۔ اس میں 'ت، ج' دونوں کا ضمہ اور دونوں کا فتحہ بھی جائز ہے۔

فقال ایکم اقرب نسباً الخ: سب سے زیادہ قریب النسب اس لئے دریافت کیا جو قریب النسب ہوگا وہ حالات سے زیادہ باخبر ہوگا۔ اور نسب کے سلسلہ میں کوئی غلط بیانی نہیں کر سکے گا۔۔۔۔ اس لئے کہ خود اس کو خطرہ ہوگا اگر اس کے نسب پر کوئی عیب لگاؤں گا تو خود میرے نسب پر عیب لگے گا۔

فقال ابو سفیان فقلت انا اقربهم نسباً۔۔۔۔ ابوسفیان کے اقرب الی نسب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابوسفیان عبد مناف میں جا کر آپ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔۔۔۔ اور ابوسفیان کا نسب اس طرح ہے:

ابوسفیان صخرؓ بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

فقال ادنوه مني وقربوا اصحابه الخ:

ابوسفیان آگے اور ان کے رفقاء پیچھے ہوں۔ یہ اس لئے کیا کہ مواجہ کی وجہ سے آدمی تکذیب نہیں کر سکتا۔ پسِ پشت بلا تکلف تردید کر سکتا ہے۔

فان كذَبَني فكذِّبوه: کذب اول مجرد سے ہے مجرد میں یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ اور مزید سے متعدی بیک مفعول ہے۔ یہی حال صَدَقَ اور صدَّقَ میں بھی ہے۔ یہ الفاظِ غریبہ میں سے شمار کئے گئے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کثرۃ المباني تدل علی کثرۃ المعاني۔۔۔۔ جبکہ یہ اس کے برعکس ہے یہاں حروف بڑھ رہے ہیں اور مفعول ختم ہو رہے ہیں۔

فو الله (۱) لولا الحياء من ان ياثروا عليّ كذباً الخ

یہاں ابوسفیان نے یاثروا علیّ کذباً۔۔۔ یعنی وہ مجھ سے جھوٹ نقل کریں گے۔۔۔۔ یہ نہیں کہا میری خود کی تکذیب کریں گے۔۔۔۔ بالفرض یہاں مجبور ہیں۔ لیکن مکہ جا کر کہیں گے ابوسفیان نے ہرقل کے سامنے غلط بیانی کی ہے۔ اس سے اہلِ مکہ مجھے جھوٹا سمجھیں گے۔۔۔۔ اور یہ بھی ہے جھوٹ کا چرچا ہو جائے اور شام تک خبر پہنچ جائے تو ہرقل شام کے داخلہ پر

۱۔ رؤساء مکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی وایذاء رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے (جیسے ابوجہل، ابولہب، عتبہ وشیبہ اور ولید بن مغیرہ) ان میں سے صرف حضرت ابوسفیان کو دولتِ اسلام نصیب ہوئی۔ حضرات فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہرقل کے دربار میں "مذہب واقتدار دونوں جمع تھے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صحیح تعارف کرایا اور کذب سے احتراز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی مشرف باسلام فرما دیا۔۔۔۔ ماہ

پابندی لگوادے یا گرفتار کرادے۔ اس سے معلوم ہوا دروغ گوئی اسلام کی طرح کفار کے ہاں بھی معیوب ہے۔

لکذبت عنه: یہاں عن لایا گیا۔ تاکہ معنیٰ میں اخبار کا تضمن پایا جائے گویا عبارت ہے:

لکذبت مخبراً عنه۔

یعنی میں آپ ﷺ کے بارے میں خبر دیتے ہوئے غلط بیانی کرتا۔

لکذبت عنه ، حسن الاشیاء شرعی۔ معتزلہ ابوسفیان کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ اشیاء کے اندر حسن وقبح عقلی ہے جبکہ احناف کہتے ہیں شرعی ہے اور ابوسفیان کا جھوٹ کو عیب جاننا شرائع سابقہ کی وجہ سے ہے۔ شرائع سابقہ کا عرب پر اثر تھا۔ (درس شامزئی 55)

ثم کان اول ماسالنی عنه: لفظ اول کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قلت فیناھو ذو نسب: نسب میں تنوین تعظیم کیلئے ہے معنیٰ یہ ہے کہ او نچے نسب والے ہیں ــــــ ابن اسحاقؒ کی روایت میں: فی الذروۃ کے لفظ ہیں۔ معنیٰ یہ کہ وہ چوٹی کا نسب رکھتے ہیں۔

"قط" اس میں مشہور لغت بفتح القاف وتشدید الطاء المضموم ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک دونوں حروف کا ضمہ ہے۔ نیز بعض نے بتخفیف الطا' قط بھی پڑھا ہے ــــــ اصل تو اس کا استعمال ماضی منفی کے ساتھ خاص ہے ــــــ کبھی کبھی مثبت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی کلام منفی ہے۔ اس طرح کہ فھل قال ھذا القول احدمنکم او لم یقله فقط۔ (درس شامزئی 55)

قلت لا: میں نے کہا: ان سے پہلے کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ ابوسفیان نے جلدی سے انکار کر دیا تاکہ ہرقل یہ سمجھے کہ یہ نئی ایجاد (بدعت) ہے۔ اس لئے یہ قابل قبول نہیں ہونی چاہیے۔ معاذ اللہ۔ ان کو جنون یا سحر ہو گیا ہے جیسے اہل مکہ کہا کرتے تھے۔

فھل کان من آبائه من ملِکٍ؟ یہاں من جارہ اور ملک کے کسرہ کے ساتھ بھی راجح ہے۔ بعض روایات میں "مَن ملَکَ" بھی آیا ہے۔ یعنی مَن موصولہ اور اس کے بعد فعل ماضی دونوں صورتوں میں مفہوم ایک ہی ہے۔

قلت لا: یہاں بھی ابوسفیان نے جلدی سے انکار کر دیا ــــــ یہ تاثر دینے کیلئے کہ یہ کوئی بڑے آدمی نہیں ہیں۔ ان کا یا ان کے خاندان کا بادشاہت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قال فاشراف الناس اتبعوه ام ضعفائھم اکثریت کو دیکھتے ہوئے ابوسفیان نے ضعفاء کا بتلایا ورنہ حضرت صدیق اکبرؓ جیسے دیگر صاحب عز وجاہ لوگ بھی مسلمان ہو چکے تھے۔

فھل یرتد احدھم منه سخطةً لدینه: سخطةً لدینه کی قید اس لئے لگائی کبھی تو دین کو ناپسند سمجھنے کی وجہ سے مرتد ہونا ہوتا ہے اور کبھی مال ودنیا کی لالچ میں ــــــ اور کبھی اس لئے کہ دیکھا دیکھی مسلمان ہوں اور پھر اپنے آبائی ماحول میں آ گیا تو پھر مرتد ہو گیا ــــــ اس میں قادح صورت ایک یہ ہے العیاذ باللہ دین کو ناپسند سمجھ کر مرتد ہو۔

حالانکہ ابوسفیان کا داماد عبید اللہ بن جحش جو حضرت ام حبیبہؓ کا شوہر تھا وہ مرتد ہو چکا تھا تو اس کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جانتے تھے وہ ایک نصرانی لڑکی کی خاطر ارتداد کا مرتکب ہوا ہے۔ دین کو برا سمجھ کر نہیں۔ (نصر الباری 161ج1)

قال فھل کنتم تتھمونہ بالکذب قبل ان یقول ماقال:

یہ سوال بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ ہرقل نے یہ نہیں پوچھا کہ کیا کبھی جھوٹ بولتے تھے یا بولتے ہیں؟ بلکہ تہمت کذب کے بارے میں پوچھا ـــــ اور کذب، تہمت بالکذب کا سبب ہے۔ جب تہمت منتفی ہوگی تو کذب بدرجہ اولیٰ منتفی ہوگا۔ تتھمونہ بالکذب۔ (۲) دوسرا یہ جانتا تھا کہ دشمن ہو کر بھی تہمت نہیں لگاتے۔ (درس شامزئی 56)

فھل یغدر قلت لا الخ:

ونحن فی المدۃ کے الفاظ بڑھا کر میں نے بحیثیت فریق آپ ﷺ کے تمام تر فضائل ومحاسن کے باوجود یہ شک کا کلمہ داخل کردیا کہ یہ مستقبل کا معاملہ ہے ـــــ لیکن یہ بے موقع تردد تھا تو ہرقل نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ ابن اسحاق کی روایت میں تصریح ہے:

فو اللہ ما التفت الیھا منی ـــــ

اللہ کی قسم ہرقل نے میری بات کو کوئی اہمیت نہ دی ـــــ

حضرت عروہؓ کی مرسل روایت میں ہے: فھل یغدر اذا عاھد کے جواب میں ابوسفیان نے کہا: لا الا ان یغدر فی ھدنتہ ھذہ۔ اس پر ہرقل نے پوچھا اس صلح میں تمہیں کیوں خوف ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا میری قوم نے ان کے حلفاء کے خلاف اپنے حلفاء کی مدد کی ہے ـــــ اس پر ہرقل نے کہا:

ان کنتم بدأتم فانتم اغدر ـــــ (فتح الباری)

قال فھل قاتلتموہ:

یہ نواں سوال ہے۔ یہاں ہرقل نے قتال کی نسبت کفار کی طرف کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کرکے یہ نہیں کہا: فھل قاتلکم ـــــ؟ اس میں نبی کی تعظیم واحترام ہے جو ہرقل کی طرف سے ہے۔ یا اس لئے کہ نبی اپنی قوم سے ابتداء بالقتال نہیں کرتا۔ اس لئے کہ قتال وہ کرتا ہے جس کی قوم وجمعیت ٹوٹتی گھٹتی ہے۔ جمعیت کے بڑھنے کی صورت میں آپ ﷺ کو منازعت وقتال کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

قلت الحرب بیننا وبینہ سجال الخ:

اس تشبیہ کا مفہوم یہ ہے جس طرح کنویں پر ڈول ہوتا ہے تو ایک فریق کے ہاتھ میں ہو تو دوسرا انتظار کرتا ہے دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو پہلا فریق انتظار کرتا ہے ـــــ کبھی کنویں میں چرخی ہوتی ہے اس میں بندھے ڈول ایک خاص ترتیب سے چلتے ہیں پانی سے بھرے ہوئے ڈول جب اوپر آتے ہیں تو خالی نیچے کو جاتے ہیں تو جنگ بھی سجال کی طرح ہے وہ بھی ایک صورت پر باقی نہیں رہتی۔ عرب کے کنویں بڑے گہرے ہوتے تھے تین تین چار چار آدمی مل کر ڈول کھینچتے تھے۔ ڈول بھی بڑے بڑے ہوتے تھے

ہر شخص اپنا اپنا حوض بنا کر بھر لیتا تھا یہ باری باری بھرنا اور اپنے حوض میں ڈالنا مساجلہ کہلاتا تھا تو جس طرح یہاں کبھی ایک حوض بھرتا ہے اور کبھی دوسرا ـــ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اسی طرح ہماری جنگوں کا معاملہ ہے کبھی ہم مغلوب اور کبھی وہ۔(درس بخاری 155)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

الحرب اسم جنس ہے اور سجال اسم جمع ہے، مبتداء مفرد اور خبر جمع ہے حمل صحیح نہیں اس لئے دونوں کو اسم جمع قرار دیا مگر علامہ عینیؒ فرماتے ہیں سجال اسم جمع نہیں بلکہ جمع ہے ـــ چونکہ الحرب اسم جنس ہے جو مبتدا ہے اس لئے اسکی خبر جمع لانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسم جنس میں واحد، تثنیہ، جمع برابر ہوتے ہیں، لہٰذا مبتدا خبر میں مطابقت ہوگئی۔ نیز سجال بروزن قتال اگر باب مفاعلہ سے مصدر مان لیا جائے پھر اشکال ہی نہیں۔

اقسام شرک اور تقلید

ان تعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئاً:

شیئاً نکرہ تحت النفی ہے۔ معنیٰ یہ ہے کسی قسم کا شرک مت کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے شرک متعدد اقسام پر ہے۔

ا: شرک فی الذات، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے کہ دو خدا ہیں، ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر کما قال المجوس، یا یہ کہ ایک اکیلا کام نہیں کر سکتا لہٰذا مریم و عیسیٰ کو شریک فی الامور کیا جائے کما قال النصاریٰ:

۲: شرک فی الصفات: خدا کی صفت مخصہ میں کسی کو کسی درجہ میں شریک اور مختار سمجھے۔ خواہ فقط اختیار اور نفاذ ہی میں ہو۔ مثلاً اعتقاد ہے کہ دنیا میں بندوں کے امور اعطائے مال و اولاد وغیرہ ان کے سپرد ہیں ـــ یہ اختیار اللہ نے ہی انہیں دیا ہے ـــ لیکن اب اس کے استعمال میں آزاد ہیں۔ اب مزید ان کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے دنیا میں افسران کو بادشاہ کی طرف سے کچھ امور ملتے ہیں تو پھر ان کے نفاذ میں بااختیار ہوتے ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ اپنا اختیار استعمال کرتے ہیں اور بادشاہ کو خبر تک نہیں ہوتی۔ بعینہٖ یہی عقیدہ مشرکین مکہ کا تھا۔ کما قال:

ولئن سالتھم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن اللّٰہ۔ الخ:

اسی طرح تلبیہ میں لبیک لک لا شریک لک الا شریکاً ھو لک تملکہ وما ملک ـــ وہ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق مانتے تھے۔ اپنے معبودوں کو خدا کے عطا کردہ اختیارات کا مالک سمجھتے تھے۔

۳: شرک فی العبادات جو عبادت، سجدے، رکوع وغیرہ خاصہ خداوندی ہے۔ ان کو غیر اللہ کی عبادت کی نیت سے کرنا شرک فی العبادت ہے ـــ

تعظیم کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کرنا جمہور محققین کے ہاں شرک جلی نہیں ہے۔ البتہ یہ شریعت محمدیہ میں حرام اور شعبہ شرک، گناہ کبیرہ ہے ـــ اور اس کا مرتکب مستحق تعزیر و عذاب جہنم ہے۔

سجدہ تعظیمی شرک جلی نہیں ہے ـــ حضرت یوسفؑ کیلئے ان کے بھائیوں اور والدین کا سجدہ کرنا: وخروا لہ

سجداً ___ ثابت ہے۔ حالانکہ حضرت یوسفؑ فرمارہے ہیں:

ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیئ ___ ظاہر ہے حضرت یعقوبؑ نے شرک تو نہیں کیا ___ یہاں سجدہ کو مطلق انحناء پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا ___

اسی طرح حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے ___ اب ظاہر ہے اللہ تعالیٰ خود شرک جلی کا حکم نہیں دے سکتے۔

تنبیہ: کفار کے معبودانِ باطلہ کو بنیت تعظیم سجدہ کرنا بھی شرک جلی ہے۔ جیسے کوئی بت کو سجدہ کرے اور کہے میری نیت تعظیم کی تھی۔ چونکہ ان کا کفریہ شعار ہے۔

۴: شرک فی التشریع:

یہ ہے کہ حلال وحرام کے احکام میں کسی کے لئے مستقل اختیار ثابت کرنا ____ نصاریٰ کا عقیدہ اپنے پادریوں کے بارے میں یہی ہے۔ یہی عقیدہ یہود کا بھی اپنے احبار اور علماء کے بارے میں تھا ___ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی؛ اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباًمن دون اللہ حضرت عدی بن حاتمؓ جو پہلے نصرانی تھے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے پھر انہیں ارباباً کیوں فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا:

انھم لم یکونوا یعبدونھم ___ ولکن کانوا اذا احلوا شیئاً استحلوہ۔ واذاحرّموا علیھم شیئاً حرموہ۔

ان میں بڑا فرق ہے۔ شرک فی التشریع میں حلال وحرام کا اختیار احبار ورہبان کیلئے مانا گیا ہے۔ اور تقلید میں ائمہ کیلئے رائی کے برابر بھی اختیار تشریع تسلیم نہیں کیا گیا ___ بلکہ مستنطبہ احکام کی نسبت اللہ ہی کی طرف کی جاتی ہے۔ نہ کہ اپنی طرف ___ یعنی حلال وحرام کا بعض اوقات علم نہیں ہوتا۔ فقہاء کرام دلائل سے معلوم کرکے بتاتے ہیں اور اظہار کرتے ہیں یعنی مُظہر ہیں مثبت نہیں ہیں۔

بقیہ تشریح الفاظ

ویامرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ:

عند البعض والصدق کی بجائے والصدقۃ ہے ___ علامہ سراج الدین بلقینیؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ اس لئے بعض طرق میں الصدق کی بجائے والزکوٰۃ کا ذکر ہے اسلئے یہاں بھی والصدقۃ زیادہ افضل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے "الصلوٰۃ والزکوٰۃ" کلام اللہ شریف میں مقروناً ذکر کئے گئے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے عرب کے لوگ راست بازی اور درست گوئی کو خود ہی اچھا سمجھتے تھے اس لئے اس کی چنداں ضرورت نہیں۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں راست گوئی کو اچھا سمجھنے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ آپ ﷺ اس کے امر کو ترک کردیں ___ لوگ وفا بالعہد اور امانت کو اچھا سمجھتے تھے ___ لیکن آپ ﷺ نے اس کا بھی امر فرمایا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں راجح "صدق ہی کا لفظ ہے" صدقہ نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں تک صدقہ وزکوٰۃ کا تعلق ہے یہ صلہ کے

عموم میں داخل ہے۔ رہی بات صلوۃ وزکوۃ کو قرآن کریم میں مقرون اذکر کرنے کی تو یہ کوئی دلیل ترجیح نہیں ہے۔ کیونکہ ابوسفیان حالتِ کفر میں ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے اقتران کا علم نہیں رکھتے تھے۔

تاہم پھر بھی راجح یہی معلوم ہوتا ہے یہاں دونوں لفظ ہیں۔ کیونکہ رواۃ کہیں صدقہ اور کہیں صدق کا ذکر کرتے ہیں تو جب امام سرخسیؒ کی روایت دیکھتے ہیں تو دونوں لفظوں کو جمع کیا گیا ہے۔

ابوسفیان کے جوابات کے تناظر میں ہرقل کا تجزیہ

جب ہرقل نے ابوسفیان سے ترجمان کے واسطہ سے آپ ﷺ کے ابتدائی احوال معلوم کرلیے اور آپ ﷺ کے اخلاق واوصاف سے شناسائی حاصل کرلی تو اس نے ابوسفیان کے جوابات کے بارے میں تبصرہ کیا:

یہ تبصرہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہرقل ذہانت وفطانت، مذاہب وملل سے واقفیت اور حضرات انبیاءؑ کے بارے میں باخبر اوران کی صفات ومحاسن کا علم اوران کی اقوام کا معاملہ، ان سب سے بخوبی واقف تھا۔ یہ تبصرہ سوالات کی ترتیب کے مطابق نہیں تھوڑی بہت تقدیم وتاخیر ہے۔

پھر دسویں گیارہویں سوال کے متعلق یہاں مکمل خاموشی ہے کوئی تبصرہ نہیں۔ یہ راوی کی طرف سے پیش آیا ـــ یہی روایت کتاب الجہاد میں مکمل طریق سے آرہی ہے وہاں سوالات کی ترتیب کے مطابق ہرقل کا تبصرہ موجود ہے۔

یہاں پہلے سوال پر تبصرہ بھی پہلے ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاءؑ اپنی قوم کے سب سے اونچے خاندان میں مبعوث ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جو اونچے خاندان ونسب کا ہوتا ہے وہ بلاوجہ غلط بیانی نہیں کرتا۔ دوسرے: لوگ اس کی اتباع وانقیاد میں عار محسوس نہیں کرتے۔

ورنہ بڑے خاندان، چھوٹے خاندان کا اتباع کرنے سے گریزاں ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نسبِ عالی کا شریعت میں اعتبار ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے ـــ اس بات پر اہل حق کا اتفاق ہے کہ الائمۃ من القریش ـــ تاہم نسب کی یہ نافعیت دین وتقویٰ سے مشروط ہے۔

(۲) آپ ﷺ بعثت سے قبل دورِ عیسوی سے لیکر چونکہ کسی نے دعویٰ نبوت ہی نہیں کیا تو آپ ﷺ کے اعزہ بھی اسی میں آگئے ـــ آپ ﷺ زندگی میں یا بعد از حیات مدعیانِ نبوت ہوئے ہیں مگر بعثت سے پہلے نہیں ـــ نیز مذہبی منصب نہ ہونے کے ساتھ بادشاہت بھی آپ کے خاندان میں نہیں تھی جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ آپ مذہب کے لبادہ میں اسی بادشاہت کے طالب ہیں ـــ

(۳) تہمت کذب کی نفی کی روشنی میں ہرقل اپنے لئے اوراپنے ہم مجلس حضرات کے ایمان قبول کرنے کا راستہ ہموار کرتے ہوئے نظر آتا ہے کہ وہ شخص جو مخلوق کے ساتھ تو کذب بیانی نہ کرے مگر خالق کے معاملہ میں بے باک ہوجائے! کتب سابقہ کی روشنی میں اسے یقین تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ اَتباع الرسل کے سلسلہ میں ابتداءً اَتباع ضِعاف ہیں ورنہ عروج کے دور میں انبیاءؑ ہی

غالب آیا کرتے ہیں اور یہ اکثریت کے لحاظ سے ہے ورنہ حضرت صدیق اکبرؓ وحمزہؓ اشراف تھے مگر ابتداء مسلمان ہو گئے تھے۔

وکذلک الایمان حین تخالط بشاشتہ القلوب الخ:

بعد از انشراح کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ بشاشت سے مراد وہ خوشی ہے جو کسی مہمان کی آمد سے ہوتی ہے ــــ اور چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں صرف قلبی اطمینان وانشراح مراد ہے۔ بعض تحریکات کی بنیاد دھوکہ پر ہوتی ہے بعد از انکشاف لوگ چھوڑ دیتے ہیں مگر دین کی بنیاد ایمان ہے تو لوگ بڑھتے ہیں۔ (درس شامزئی 191)

بقیہ تشریح حدیث

وکذلک الرسل لاتغدر:

غدر کی بنیاد حظ نفس اور مفادِ دنیوی ہے، حضرات انبیاءؑ اس سے پاک ہیں۔ اس لئے وہ عہد نہیں توڑتے ــــ

نفی شرک کے سلسلہ میں ابوسفیان نے اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً واترکوا ما یقول آباؤکم کہا تو ہرقل نے اسی سے عبادۃ الاوثان کا مفہوم مراد لے لیا۔

ولا تشرکوا بہ کے ذیل میں ابوسفیان یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ آپ ﷺ ہمارے نظریہ تثلیث کے بھی خلاف ہیں۔ تاکہ اسکے دل سے آپ ﷺ کی عظمت زائل ہو سکے۔

فان کان القول حقا فسیملک موضع قدمی ہاتین:

سوال: ابوسفیان کے تمام تر جوابات کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں اور محتاج بیان نہیں کہ یہ تمام اوصاف محمدیہ علامات نبوت ہو سکتے ہیں۔

تو ہرقل نے بالجزم یہ کیسے کہہ دیا کہ فانہ نبی (کتاب التفسیر) یا وھذہ صفۃ النبی (کتاب الجہاد) ــــ

جواب: اصل میں ہرقل اہل کتاب میں سے ہے تو کتب سابقہ کی روشنی میں اجمالی علم تھا، ملاقات کے ساتھ تعیین کے بعد اس نے قطعیت کا دعویٰ کر دیا۔

موضع قدمی ہاتین: مراد ملک شام یا اس کی پوری حکومت ہے۔

لم اکن اظن انہ منکم:

یہ نسیانی جملہ ہے یا بدحواسی کی وجہ سے ہے جس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں فرمایا گیا سابقہ کتب میں یہ بات بھی موجود تھی نبی آخر الزماں ﷺ عرب میں سے ہوں گے۔ بدحواسی یہ تھی کہ آپ ﷺ کے خط آنے کے بعد وہ گھبرا گیا تھا کہ میری حکومت کے زوال کا ڈنکا بج گیا ــــ

اسی لئے اس نے عظماء روم کو آخر تک اعتماد میں لینے کی کوشش کی اور آپ ﷺ بھی "انی مسلم" لکھا ــــ لیکن

اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس کی حکومت کا زوال مقدر ہو چکا تھا۔ سو ہو کر رہا۔

ولم اکن اظن انہ منکم میرا خیال نہ تھا کہ وہ نبی تم میں سے پیدا ہوگا۔ لیکن یہ اس کی غلطی تھی اسلئے حضرت موسیٰ نے بشارت دیتے ہوئے "من اخوانکم" فرمایا تھا اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہوتے تو حضرت موسیٰ "منکم" فرماتے۔ نیز یہ مطلب بھی ہے کہ تم جیسے غیر متمدن اور جاہلوں میں نہیں پیدا ہوں گے بلکہ بنی اسرائیل کے کسی اور قبیلہ سے ہوں گے۔ (درس بخاری 156)

فلو اعلم انی اخلص الیہ الخ:

عدم ملاقات نبوی ﷺ کے سلسلہ میں ہرقل نے راستہ کے پُرخطر ہونے کا عذر کیا اور اپنی ہی حکومت میں رہنے کو ترجیح دی ____ اگر وہ آپ ﷺ کے خط میں غور کرتا تو آپ ﷺ نے اسے ضمانت دی تھی کہ:

اسلِم تسلَم: قبولیتِ اسلام کے بعد تو باسلامت ہوگا لیکن دنیا کا جھوٹا جلال اس کی آنکھوں پہ چھا گیا اور قلب پر کفر کی ظلمت نے صحیح فیصلہ تک نہ پہنچنے دیا ____

ولو کنت عندہ لغسلت عن قدمیہ:

اس سے خادمانہ حاضری کا اشتیاق معلوم ہوتا ہے نیز غسل اقدام عالیہ کے بلیغ جملہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حقانیت اس کے دل میں آچکی تھی۔

ثم دعا بکتاب رسول اللہ ﷺ:

حضرت دحیہ بن خلیفہ بن فروہ بن فُضالہ بن زید الکلبی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں۔ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہیں۔ نہایت خوبصورتی کی وجہ سے عورتوں کا جھانکنا ہوتا تو یہ نقاب باندھ کر نکلتے۔ عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک حیات رہے۔ حضرت جبریلؑ انہی کی شکل میں آتے تھے ____ حضرت جبریلؑ نمائندۂ خدا اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نمائندۂ پیغمبر ﷺ مگر دونوں کی خوبصورتی "بشکل دحیہ" دلیل حسن ہے۔

دِحیہ پر کسرہ وفتحہ دونوں ہیں۔ معنیٰ اہل یمن کی لغت میں "رئیس" کے ہیں۔ لگتا ہے مَلکیت کو یہاں بشریت کی چادر کا حسن اُڑھا دیا گیا ہے تا کہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا مظہر ثابت ہو جائے۔

عظیم بصریٰ:

سے مراد حارث بن ابی شمر غسانی ہے۔ جو بصریٰ کا گورنر تھا۔ دستورِ زمانہ کے مطابق بادشاہوں تک چونکہ براہِ راست رسائی نہیں ہوتی تھی۔ اسلئے بصریٰ کے گورنر کو خط دیا۔

"بُصریٰ" "ب" کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ یہ شام میں حوران شہر کا ایک علاقہ ہے۔ ۱۳ھ میں حوران فتح ہوا۔ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے جو دو مرتبہ شام کا سفر کیا وہ اسی علاقہ کا کیا تھا۔ بحیرا نامی راہب سے اسی جگہ ملاقات ہوئی جس

نے آپ کو بحفاظت واپس بھجوایا۔ دوسرے سفر میں نسطورا راہب سے ملاقات ہوئی۔

(۱) پہلا سفر آپ نے اپنے چچا ابوطالب کی معیت میں ۱۲ سال کی عمر میں کیا اور ـــــ بحیرا نامی راہب سے ملاقات ہوئی۔ (۲) جبکہ آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کا تجارتی سامان لیکر گئے تھے اور عمر شریف ۲۵ سال تھی۔

والا نامہ کے پڑھے جانے کا منظر

فدفعه الی هرقل فقراه:

فقراه ہرقل چونکہ عربی نہیں جانتا تھا تو اس نے خط پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ بعض روایات میں صراحۃً فقُرِأ ہے مراد یہ کہ ترجمان نے پڑھا۔

فاذا فیه بسم الله الرحمن الرحیم:

خطوط کے سلسلہ میں عادت مبارکہ بسم اللہ الخ سے آغاز کی ہے ـــــ اگرچہ خط کی بے حرمتی کا امکان تھا۔ سنت بسم اللہ الخ ہے۔ ۷۸۶ سے سنت ادا نہیں ہوتی۔

من محمد بن عبدالله ورسوله الی هرقل عظیم الروم:

یہاں آپ ﷺ نے اپنی عبدیت اور رسالت دونوں کا ذکر فرمایا۔ اصل مقصدِ تخلیق ''عبدیت'' ہے اس لئے وصفِ بندگی میں جو بڑھا ہوا ہوگا وہی کامل ترین ہوگا۔ یہ اپنی ذات کے لحاظ سے اور رسول ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ عبدیت دوسروں کی طرف متعدی ہو۔ اس سے اشارۃً تردید نصاریٰ ہوگئی کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو مقام عبدیت سے الوہیت تک لے گئے۔

ابتداءِ خط میں کس کا نام ہو ـــــ ؟

اصل سنت: کاتب کا نام ہی ہو ـــــ ابوجعفر نحاس نے اس پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔ تاہم یہ اکثر صحابہؓ کا مسلک ہے۔ بعض صحابہؓ سے مکتوب الیہ کا نام لکھنا ابتداءً ثابت ہے تو جائز وہ بھی ہے۔

<u>عظیم الروم:</u> فرمایا ملک الروم نہیں فرمایا۔ زبان نبوت سے کافر کو 'ملک' نہیں کہا جاسکتا۔ ان کو ملک تسلیم کرنا ضرورت کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقتِ واقعہ کے مطابق عظیم الروم فرمایا۔ نیز یہ وصف آپ ﷺ نے تالیف قلوب کیلئے استعمال فرمایا کیونکہ ہرقل کی وساطت سے قوم روم سے بھی خطاب تھا۔

مسند بزار میں ہے کہ جب یہ خط پڑھا جانے لگا تو اس کے بھتیجے نے کہا: یہ خط نہیں پڑھا جائے گا اور اس نے اس کو کھینچا۔ ہرقل نے پوچھا کیوں نہیں پڑھا جائے گا ـــــ ؟ اس نے کہا انہوں نے اپنا نام خط کے شروع میں لکھا ہے یہ آپ کی توہین ہے۔ دوسری توہین یہ ہے کہ آپ کو ملک الروم کی بجائے عظیم الروم لکھا۔ اس پر ہرقل نے ڈانٹتے ہوئے کہا:

انک لضعیف الرأی۔ اتریدان ترمی بکتاب قبل ان اعلم مافیہ ــــ لئن کان رسول اللہ
انہ لأحقّ ان یبدا بنفسہ ولقد صدق انا صاحب الروم واللہ مالکی ومالکہ۔

سلام علی من اتبع الھدیٰ:

یہ دعا نبوی ﷺ بہت فکر انگیز ہے۔ متبع ہدایت کو سلامتی کی دعا دی گئی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ نصرانی ہے اس مذہب کے مطابق نبی آخر الزماں ﷺ نے والے ہیں اگر وہ ان کی اتباع کیلئے آمادہ ہوجائے تو یہ دعا اس کے حق میں ہوگی ــــ ورنہ نہیں۔ یعنی دعاء کا لینا نہ لینا یہ اس کے اپنے رویہ پر ہے۔ مگر مشروط بالھدایت ہے۔

کفار کو سلام کی نوعیت:

مسئلہ: ائمہ ثلاثہ اور امام شافعیؒ، جمہور حضرات ابتداء کافر کو سلام کہنے کے قائل نہیں ــــ بعض کہتے ہیں مطلقاً جائز ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ ارشاد گرامی ہے:

لاتبدؤا الیھود ولا النصاریٰ بالسلام۔

صاحب درمختار نے لکھا ہے: ضرورت کے وقت سلام کی گنجائش ہے۔ عند البعض تالیف قلب کی غرض سے ابتداء بالسلام مباح ہے۔

<u>امابعد:</u> آپ ﷺ سے یہ کلمہ روایات کثیرہ میں وارد ہے۔ بتیس (۳۲) صحابہ کرامؓ ناقل ہیں ــــ

امابعد کا استعمال سب سے پہلے کس نے کیا ــــ؟

زیادہ راجح حضرت داؤدؑ کے بارے میں ہے۔ ایک قول حضرت یعقوبؑ کے بارے میں بھی ہے۔

فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام: مسلم شریف میں بداعیۃ الاسلام کے لفظ ہیں۔ داعیہ یا دعایہ دونوں مصدر ہیں۔ اور دعوت کے معنیٰ میں ہیں۔ مقصود دعوت اسلام ہے۔

اسلم تسلم:

یہ کلمہ جوامع الکلم میں سے ہے۔ نیز اس کلمہ کی شان جامعیت یہ ہے آپ ﷺ نے ہرقل کو ضمانت دی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد تیرا ملک اور تو خود دنیا و آخرت کے لحاظ سے محفوظ ہوگا۔ وہ نادان یہ سمجھا اسلام قبول کرنے کے بعد میرا ملک جاتا رہے گا۔

فائدہ: ☆ بڑے بادشاہ کو جو اس وقت واحد سپر پاور ہے لکھا جا رہا ہے: اسلم تسلم۔

☆ مدارس کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ اسلام کے قلعے ہیں۔ یہ جملہ مبنی بر حقیقت ہے۔ جب ہم نے اسلام کو بازاروں، گھروں، عدالتوں اور ملکی قوانین سے نکال دیا تو وہ غیر محفوظ ہوگیا تو اس نے آکر مدارس میں ان کو قلعہ سمجھ کر پناہ لی۔ باہر محفوظ نہ رہنے والا قلعہ کے اندر محفوظ ہوجاتا ہے۔

☆ اس سے ایک اور بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے آپ ﷺ نے اتنے بڑے بادشاہ کو فرمایا اسلام تجھے بچائے گا تو

اسلام کو اپنی بقاء میں بادشاہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ بادشاہ بقا چاہتے ہیں تو وہ اسلام کا دامن تھام لیں۔

☆ لفظ اسلام اور لفظِ مسلم، دین محمدی اور امۃ محمدیہ کیلئے مخصوص ہے یا باقی امتوں کیلئے بھی شامل ہے ــــ؟

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ از روئے لغت تو سب پر اطلاق ہوسکتا ہے ــــ لیکن بطور لقب دین محمدی اور امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے۔

یؤتک اللہ اجرک مرتین:

پہلے اسلام لانے کا امر تھا۔ اب ترغیب ہے کہ اجر دوہرا ہوگا، اہل کتاب میں سے کوئی جب ایمان لاتا ہے تو اس کو دو نبی اور دو کتب پر ایمان لانے سے دوہرا اجر ملتا ہے ــــ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے: رجل من اھل الکتاب آمن بنبیہ و آمن بمحمد (ﷺ) دوہرا اجر ہے۔

دوسرا قول: ہرقل کو دوہرا اجر ملنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے اس کی وجہ سے اس کی قوم کے افراد ایمان لائیں گے۔

فان تولیت فان علیک اثم الاَرِیسِیِّین:

اریسیین سے کیا مراد ہے ــــ؟

مشہور قول ہے کہ اریس کہتے ہیں کاشتکار کو۔ اور اریسیین اس کی جمع ہے۔ مراد رعایا ہے۔ یعنی بیشتر کاشتکاروں کے ایمان نہ لانے کی تم رکاوٹ نہ بنو بلکہ ان کیلئے قبولیتِ اسلام کا ذریعہ بن کر دوہرا اجر حاصل کرو ــــ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک لغت اریسین ہے یہ اریسی کی جمع ہے ــــ اریسی عیسائیوں کا ایک مستقل فرقہ ہے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے تھے۔ اگر ہرقل اسلام قبول کرلیتا تو اس فرقے کے اسلام قبول کرنے کی زیادہ امید تھی۔ بصورت دیگر ان کا گناہ اور وبال ہرقل پر ہوگا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اریسین نصاریٰ کا ایک گمراہ فرقہ ہے جسے خود قیصر بھی گمراہ سمجھتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسے وہ گمراہ ہے۔ اسی طرح تم بھی گمراہ ہو ــــ گویا تشبیہ مقصود ہے۔ اس صورت میں ’ک‘ تشبیہ محذوف ہے۔ عبارت کاثم الاریسین ہے۔

ویا اھل الکتاب تعالوا الخ:

سوال: بعض نسخوں میں واؤ نہیں ہے۔ فلا اشکال مگر جن نسخوں میں واؤ ہے اس میں اشکال ہے تو قرآن کریم کے خلاف کیوں کیا ــــ؟

جواب: واؤ عاطفہ ہے جز آیت نہیں معطوف علیہ ماقبل میں ”ادعوک“ محذوف ہے ــــ تقدیر عبارت یہ ہے: انی ادعوک بدعایۃ الاسلام و اقول لک و لاتباعک امتثالاً بقول اللہ تعالیٰ یا اھل الکتاب الخ۔

تاریخی اشکال:

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ الخ: یہ آیت کریمہ وفد نجران کی آمد پر ۹ ھ میں نازل ہوئی اور ہرقل کو خط ٦ ھ میں لکھا گیا تو تین سال بعد نازل ہونے والی آیت قبل از نزول کیسے لکھ دی؟ اور نصاریٰ سے جزیہ طے کیا گیا جو ۹ ھ کے بعد کا حکم ہے؟

جواب ۱: یہ آیت ممکن ہے مکرر النزول ہو۔ ایک مرتبہ حدیبیہ سے قبل اور ایک مرتبہ فتح مکہ کے بعد۔

جواب ۲: یہ بھی ممکن ہے کہ وفدِ نصاریٰ نجران کی آمد حدیبیہ سے قبل ہو اور اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہو ـــــ جہاں تک ادائیگی جزیہ کی بنیاد پر اشکال ہے کہ وہ ۹ ھ میں فرض ہوا تھا اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ حدیبیہ سے قبل جو کچھ انہوں نے دیا تھا وہ مباہلہ سے بچنے کیلئے مصالحت کے طور پر دیا تھا ۹ ھ میں جزیہ کے حکم آنے سے یعنی آیت جزیہ سے پھر اس کی موافقت ہوگئی ہو۔

جواب ۳: ممکن ہے یہ آیت آپ ﷺ موافقات میں سے ہو۔ کہ آپ ﷺ نے لکھا اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آیت کا درجہ بھی دیدیا۔ جیسے کہ موافقات عمرؓ مشہور ہیں۔

نامۂ مبارک اور اصول دعوت

اس خط میں آپ ﷺ نے اصولِ دعوت کی پوری پوری رعایت فرمائی ہے۔ تالیفِ قلب کی پوری رعایت ہے۔ ایک لفظ بھی دلآزاری کا باعث نہیں۔ اسی لئے تو عظیم الروم کا لفظ استعمال کیا گیا مگر آپ ﷺ نے اپنے لئے کوئی ایسا لفظ نہیں لکھا۔

سلام علی من اتبع الھدیٰ: سلام بھی لکھا اور اس کی بھی رعایت ملحوظ رکھی کہ غیر مسلم کو سلام نہ کیا جائے۔ علی من اتبع الھدیٰ کی قید لگا کر ہرقل کو فکر میں ڈالدیا کہ میں محل سلام بنتا ہوں یا نہیں ـــــ؟

فانی ادعوک ـــــ اثم الاریسیین تک اس میں اسلم امر بھی ہے۔ تسلم ترغیب ہے۔ فان تولیت زجر ہے۔ فان علیک اثم الاریسیین وعید ہے۔

فان تولیت کی جگہ آپ ﷺ نے فان کفرت نہیں فرمایا کیونکہ اہل کتاب میں سے تھا تو کفر کی اصطلاح سے واقف تھا۔ اسے وحشت ہوتی ـــــ باور کرایا کہ خیر خواہی مقصود ہے۔ دلآزاری نہیں۔

پھر اسلام سے قریب کرنے اور اجنبیت دور کرنے کیلئے ارشاد فرمایا:

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ الخ:

کہ ہم اور آپ اصل الاصول میں قریب قریب اور متفق ہیں۔ اس پر جمع ہونے کے بعد دیگر خرابیوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

اشکال: سواء بیننا و بینکم کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ وہ عقیدۂ تثلیث رکھتے ہیں تسویہ تو نہ ہوا؟ جب کہ ہم مُوحِّد ہیں۔

جواب ۱: تسویہ اصل نصرانیت کے اعتبار سے ہے۔ تحریف نصرانیت کے لحاظ سے نہیں۔

جواب ۲: قولی حدتک نصاریٰ کا دعویٰ توحید ہی کا تھا۔ توان کے دعویٰ کی حدتک کہا گیا۔ قرآن کریم نے مماشاۃ مع المخاطب کا طریقہ اختیار کیا اور اشارہ کیا کہ دعویٰ سے بڑھ کر عقیدہ وعمل میں بھی توحید کو اختیار کرو۔

فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون:

خط کا تقاضا یہ ہے کہ فان تولیتم ہوتا ــــ چونکہ قرآن کریم کی آیت نقل کی ہے۔ تو علی سبیل الحکایت جمع غائب ہی کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

بقیہ تشریح حدیث

قال ابو سفیان فلما قال ما قال:

یہ ضمیریں ہرقل کی طرف راجع ہیں۔ اُخرجنا: کی دو وجہ ہیں:

(۱) احوال پیغمبر لینا مقصود تھے وہ غرض ہی پوری ہوگئی۔ (۲) ہرقل چونکہ ابوسفیان سے حالات لیکر متاثر ہو چکا تھا ہرقل کو خطرہ لاحق ہوا کہ ہمارے لوگ ان پر حملہ نہ کردیں اور نقصان نہ پہنچائیں ــــ

ابن ابی کبشه:

۱: ابوسفیان نے آپ ﷺ جد غامض کی طرف منسوب کیا تا کہ آپ ﷺ عظمت ظاہر نہ ہو۔

ابو کبشہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے حلیمہ سعدیہ کے شوہر کی کنیت ہے جو اس کی بیٹی کبشہ کی طرف منسوب ہے۔ ویسے ابو کبشہ کا نام حارث بن عبد العزیٰ تھا۔ یہ قریش کی مانند اعلیٰ نسب نہ رکھتا تھا۔ اسلئے بطور تحقیر "ابن ابی کبشہ" کہا ــــ یاد رہے یہ حارث مسلمان ہو گئے تھے۔

دوسرا قول: آپ کے نانا وہب کی کنیت ابو کبشہ تھی۔ تیسرا قول یہ ہے خواجہ عبد المطلب کے نانا ہیں۔

بنی الاصفر:

اس سے مراد رومی ہیں۔ یہ بنو الاصفر اس لئے کہلاتے ہیں ــــ اصفر بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراھیم علیہ السلام

(۱) ابن الانباریؒ کہتے ہیں ان کے جد روم بن عیص نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا اس سے جو اولاد ہوئی وہ سفیدی وسیاہی کے درمیان تھی اس لئے اس کو اصفر کہا گیا اس کی نسل پھر بنو الاصفر کہلائی۔

(۲) رومیوں کی جدہ حضرت سارہؓ تھیں جب ان کا نکاح حضرت ابراہیمؑ سے ہوا تو انہوں نے سونے کا لباس پہن رکھا تھا اور سونا زرد ہوتا ہے اس لئے ان کی نسل بنو الاصفر کہلائی۔

(۳) رومیوں کا خزانہ سونا تھا جو زرد ہوتا ہے تو یہ بنو الاصفر ہو گئے۔

نمبر ۴: عیص کا نکاح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی سے ہوا تھا۔ عیص سرخ وسفید تھا جبکہ زوجہ کی رنگت سیاہ تھی اس ملاپ سے پیدا ہونے والے بچے اصفر تھے۔ (درس شامزئی 58)

تنبیہ: بعض رافضیوں نے پروپیگنڈہ کیا ہے حضرت ابوسفیانؓ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہ خلاف واقعہ ہے۔ آپ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے۔

وکان ابن الناطور:

یہ جملہ سندِ سابق کے ساتھ حدیثِ ہرقل پر معطوف ہے۔ اس لئے اس کو معلق کہنا صحیح نہیں ــــــ رہی یہ بات کہ امام زہریؒ ابن الناطور سے کیسے روایت کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے ولید بن عبدالملک کے دور میں امام زہریؒ خود شام گئے اور ابن الناطور سے ملاقات ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے۔

ناطور: یہ ''ظ'' کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ــــــ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ناطور کھجور کے باغ کے محافظ کو کہتے ہیں۔ اور بعض کے ہاں انگور کے باغ کے رکھوالے کا نام ہے۔

ناطور عربی لفظ نہیں۔ البتہ اس کا استعمال عربی میں ہے ــــــ ابن الناطور ایلیا کا گورنر تھا۔ اور ہرقل کا مصاحب بھی۔ اور نصاریٰ شام کا لاٹ پادری تھا۔ اس کو مذہبی عظمت اور دنیوی وجاہت دونوں حاصل تھیں۔

صاحب ایلیا وہرقل:

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں لفظ ''صاحب'' حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔

ایلیا کے اعتبار سے مراد گورنر ہے۔ جو اس کا معنیٰ مجازی ہے۔ اور ہرقل کے لحاظ سے اس کا معنیٰ مصاحب ہے۔ یہ اس کا معنیٰ حقیقی ہے۔

سوال: ایک ہی لفظ یعنی ''صاحب'' سے بیک وقت حقیقی اور مجازی معنیٰ کیسے مراد لئے گئے ــــــ؟

جواب: عند الشوافع یہ مستبعد نہیں ہے۔ کما قال حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ و مر انفاً: حضرات احناف فرماتے ہیں صاحب کے دو معنیٰ بیک وقت مراد نہیں لئے گئے بلکہ ایک ہی معنیٰ صاحب بمعنیٰ ذو ''والا'' مراد لیا گیا ہے۔ (فلا اشکال)

جب کہ مضاف الیہ کی نسبت سے اس کا معنیٰ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ایلیا کی طرف نسبت ہو تو گورنر اور ہرقل کی طرف ہو تو پھر مصاحب مراد ہے۔

سقف:

اس کو تین طریقے سے پڑھا گیا ہے۔ ۱: بضم السین و القاف۔

۲: بابتداء الهمزه و سکون السین و ضم القاف۔ ۳: بضم السین و کسر القاف بمعنیٰ لاٹ پادری۔

مسلمان اہل علم میں کوئی درجہ بندی نہیں ہے۔ ہر کسی کا درجہ بقدرِ علم ہے۔ البتہ نصاریٰ میں درجہ بندی کا سلسلہ اس طرح سے ہے ان کے ہاں پوری دنیا میں ایک ہی پوپ ہوتا ہے جس کو وہ ''اسقفِ اعظم'' کہتے ہیں۔

یہ عظیم پیشوا اور معصوم عن الخطأ سمجھا جاتا ہے اور مغفرت کے پروانے جاری کرنے تک کے اختیارات اس کے پاس ہوتے ہیں، یہ دولت جمع کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ وہ مغفرت نامہ میت کے ساتھ قبر میں رکھا جاتا ہے ــــــ اس طرح بے شمار بدعنوانیاں پھیلنے لگیں تو ایک دوسرا فرقہ وجود میں آیا جس کا نام پروٹسٹنٹ ہے جس کا معنی: احتجاج کنندہ ہے، جو پوپ کے نظام سے بغاوت کرتا ہے۔

ہر شہر میں پوپ کا ایک نمائندہ ہوتا ہے جس کو عربی میں اسقف اور انگریزی میں بشپ کہتے ہیں ــــــ اس کے نیچے آرچ بشپ ہوتا ہے اس کے نیچے کارڈنل ہوتا ہے ــــــ سارے کارڈنل ملکر پوپ کا انتخاب کرتے ہیں ــــــ (انعام 1/276)

الشام: یہ مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح پڑھا گیا۔ نیز شام بھی پڑھا گیا۔

حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ شام میں دس (١٠) ہزار حضرات صحابہ کرامؓ داخل ہوئے ہیں۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ چار مرتبہ شام میں تشریف لائے، دو مرتبہ قبل از نبوت اور دو مرتبہ بعد میں: ایک مرتبہ اسراء کے موقع پر دوسرے غزوہ تبوک کے موقع پر۔

ہرقل کے اقتدار کے لئے جھٹکا

ان ہرقل حین قدم ایلیاء اصبح یوماً خبیث النفس:

کسی مسلم کو اپنے نفس کو خبیث النفس سے تعبیر کرنا منع ہے بوجہ حدیث بخاری لا یقولن احدکم خبیث النفس مراد مغموم ہونا ہے

فقال بعض بطارقته: یہ بطریق کی جمع ہے۔ اس کا معنی خواص دولت، اہل الرائے، اور قائد کے ہیں۔

قال ابن الناطور: وکان ہرقل حذاءً ینظر فی النجوم۔

یہاں دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ١: حذاءً موصوف ینظر فی النجوم اس کی صفت کاشفہ۔ پھر کان کی خبر ہے۔ مطلب ہرقل کی کہانت نظر فی النجوم کے ساتھ تھی۔ دوسری صورت حذاءً کان کی خبر اول اور ینظر فی النجوم خبر ثانی مطلب یہ ہوگا کہ کاہن بھی تھا اور علم نجوم کا ماہر بھی تھا۔

کہانت میں شیاطین و جنات کے ذریعہ معلومات لی جاتی ہیں جو استراق سمع کے بعد جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ بتلاتے ہیں اور نجوم باقاعدہ علم ہے۔ کہ کونسا ستارہ گردش میں ہے اور کونسے برج میں ہے۔ بہرحال اسلام نے ان سب کو باطل قرار دیا ہے۔

انی رایت اللیلۃ حین نظرت فی النجوم ملک الختان قد ظہر:

مِلک بکسر اللام: بادشاہ۔ علم نجوم و کہانت کو نظر شریعت میں برا سمجھا گیا ہے اور اسکو مؤثر حقیقی سمجھے تو کافر بھی۔ عامۃ الناس کیلئے سد ذرائع کے لحاظ سے بالکل ہی ترک کرنا ضروری ہے۔

ملک الختان قد ظہر: علوم نجوم میں برج عقرب میں جب شمس و قمر جمع ہوجائیں تو اسے قران السعدین کہتے ہیں۔ یہ بیس سال بعد ہوتا ہے اور اس سے بڑا واقعہ منسلک ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ قران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت

ہوا پھر اعطاء نبوت کے وقت ہوا۔ پھر فتح خیبر اور فتح مکہ کے وقت بھی ہوا ــــــ ہرقل نے بھی قران دیکھا تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ملک الختان کا غلبہ ہوگا۔ (درس شامزئی 59)

فمن یختتن من ھذہ الامۃ: امت کے معنیٰ جماعت کے ہیں۔ یہاں مجازاً اہل عصر کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔

قالوا لیس یختتن الا الیھود: الجارقہ نے جو ختنہ کے سلسلہ میں صرف یہود کی تخصیص کی؛ یہ ان کے علم کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ اہل حجاز بھی ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعویٰ کے لحاظ سے ختنہ کرتے تھے۔

لیس یختتن الا الیھود:

یہ ہرقل کے مصاحبین کا قول ہے ــــ اس تناظر میں عدی بن حاتم کے "مختون" ہونے کے بارے میں معلومات کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہرقل، اعیان مملکت، ملک غسان اور حضرت عدی بن حاتم سب ہی نصرانی ہیں۔ ایک ہی کیفیت پر ہوں گے۔ (یعنی غیر مختون) کیونکہ تقابل ہے کہ غیر مختون مغلوب اور مختون غالب ہوں گے۔ اس لئے سیاق کلام اس کی طرف مشعر ہے کہ حضرت دحیہؓ ہی انہیں بایں معنیٰ ممتاز تھے کہ وہ مختون ہیں ان کی نمائندگی کر رہے ہیں جنہیں غالب آنا ہے۔ ہرقل اور ان کے مصاحبین کو علم نجوم کے ذریعہ نظر آرہا ہے کہ ملک الختان غالب آچکے ہیں (قد ظھر) اور حضرت دحیہؓ کے آنے سے گویا ان کو بھی تارے نظر آنے لگے۔ اور وہ ذہنی طور پر مغلوب ہو کر ابھی سے اپنا حسن صورت کھو بیٹھے ہیں۔ ہیئت منکرہ کو دیکھ کر پاس بیٹھنے والے ازالۂ غم کی تدبیر بتلا رہے ہیں کہ صرف یہود مختون ہیں اور ایک ہی امر سے انہیں راستہ سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ (انعام ص 279 ج 1)

اگر عدی بن حاتم مراد ہیں تو وہ کیسے مختون ہوئے؟

(۱) عرب کے عمومی رواج اور ابراہیمی تقالید کی بنا پر ختنہ بلا تخصیص تھا۔ نیز حضرت عیسیٰؑ نے اپنے متبعین کو تورات کے بیشتر احکام کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ اس لئے اس مذہب میں بھی ختنہ ہونا چاہیے۔

بعد میں پولوس جس کو سینٹ پال بھی کہتے ہیں نے تحریف کی، ختنہ کی منسوخیت گھڑ لی ــــ اور اس نے بعض حواری عیسیٰؑ کے سلسلہ میں ختنے کی مشکل کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا مذہب عیسوی قبول کرنا فرض ہے اس میں ختنہ سنت کے درجہ کی چیز ہے ــــ اس لئے مذہب ضرور قبول کرلیں ــــ سینٹ پال نے غلط استدلال کرتے ہوئے کہہ دیا کہ حواری کے حسب فرمان ختنہ منسوخ ہو گیا ــــ اس لئے عیسائی لوگوں نے ختنہ ترک کر دیا ــــ

فائدہ ۱: درباریوں کو عرب کا ختنہ معلوم نہیں تھا۔

۲: معلوم تھا لیکن عرب کالعدم تھے ان کی کوئی حیثیت نہ تھی اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا۔ (درس شامزئی 59)

۳: شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام میں ختنہ شعار اسلام ہو کر سنت موکدہ ہے ــــ اگر بڑی عمر یا عذر و مرض کی صورت میں مسلمان ڈاکٹر زخم کے مندمل نہ ہونے کے خوف سے روک دے تو ختنہ کرانا ضروری نہ ہوگا۔ (انعام ج 1 ص 280 ملخصاً)

فبیناھم علی امرھم اتی ھرقل برجل: رجل کے مبہم ہونے کی وجہ سے دو قول ہیں: ایک حضرت دحیہ کلبیؓ، دوسرے عدیؓ بن حاتم جو اس وقت نصرانی تھے۔ فتح الباری کی تصریح کے مطابق حضرت دحیہؓ اور عدی ابن حاتمؓ ایک ساتھ ہرقل کے پاس پہنچے۔

حقیقت کا روپ دھارتے ہوئے اندیشے

فقال ھرقل: ھذا ملک ھذہ الامۃ: قد ظھر: ہرقل نے ماضی کا صیغہ قد کے ساتھ استعمال کیا ہے جو تحقیق کیلئے آتا ہے۔ گویا ہرقل کو یقین ہے کہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے انہیں غالب آنا ہی ہے۔

ثم کتب ھرقل الی صاحب لہ برومیۃ۔ وکان نظیرہ فی العلم: رومیہ اٹلی کا دار السلطنت ہے۔ جس کو رومۃ الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کا اصل مرکز یہ تھا۔ بعد میں اس مرکزیت کو تقسیم کیا گیا اور قسطنطنیہ کو دوسرا مرکز بنایا گیا۔

وکان نظیرہ فی العلم الخ: سے مراد یعنی نظر فی النجوم یا کہانت یا دونوں میں ہرقل کے ہم پلہ تھا۔ یعنی ضغاطر

فاذن ھرقل لعظماء الروم فی دسکرۃ لہ بحمص:

دسکرہ اس محل کو کہتے ہیں جس کے اردگرد بہت سے مکانات ہوں۔ ہرقل کو اخبار سابقہ سے یقین تھا کہ اگر تم اس نبی سے بیعت نہیں کرتے تو تمہاری حکومت چلی جائے گی۔

فحاصوا حیصۃ حمر الوحش الی الابواب فوجدوھا قد غلقت:

عظماء روم کو گدھوں سے تشبیہ دی جو بیوقوفی اور جہالت میں ضرب المثل ہوتے ہیں۔ دوسرے وحشی گدھوں کے ساتھ کہ حمر اہلیہ کی نسبت یہ زیادہ بدکتے ہیں۔ جب عظماء روم سے وہ مایوس ہو گیا تو اس نے آخری چال چلی کہ میں تمہاری شدت پسندی اور کمال بنیاد پرستی کا امتحان لے رہا تھا۔

فائدہ: اس روایت میں عظمت وحی کا بیان ہے کہ ضغاطر، ابوسفیان، ابن ناطور اور ہرقل نے اس کی عظمت کو تسلیم کیا۔ (درس شامزئی 60)

فکان اخر شان ھرقل

براعتِ اختتام:

امام بخاریؒ کتاب کے اختتام پر کوئی ایسا لفظ لے آتے ہیں جس سے اشارہ ہو جائے یہ آخر کتاب ہے۔ اسی طرح کتاب زندگی کا بھی ایک نہ ایک دن اختتام ہو جائے گا ـــــ جس کے ورق ہمیشہ نہیں پلٹے جاتے۔ (یہ تحقیق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے علاوہ متقدمین میں سے بھی کسی نے نہیں فرمائی۔)

قال رسول اللہ ﷺ اللھم اجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ (معجم اوسط)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کے بعد ہرقل نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو بلایا اور کہا میں تو مانتا ہوں میری قوم نہیں مانتی۔ پھر ان کو ایسے کمرے میں لے گیا جہاں تین سو تیرہ رسولوں کی تماثیل تھیں۔ ہرقل نے حضرت دحیہؓ سے کہا جو نبی مبعوث ہوئے ہیں وہ کون سے ہیں؟ تو دحیہ کلبیؓ نے آپ ﷺ اشبہ مورتی کی طرف اشارہ کیا ہرقل نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔

آپ ﷺ شبیہ کو میں نے پہچانا تو ہرقل نے کہا صدقت پھر اس نے کہا یہ داہنے جانب کس کی تصویر ہے، میں نے کہا ابو بکرؓ کی... اس نے کہا یہ بائیں جانب... میں نے کہا ان کا نام عمر ہے... ہرقل نے کہا ہم اپنی کتاب میں لکھا پاتے ہیں ان دونوں صاحبین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ عطا فرمائیں گے.. حضرت دحیہ فرماتے ہیں میں نے آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہو کر ہرقل کا قول نقل کیا.. آپ نے فرمایا سچ کہا ابو بکرؓ و عمرؓ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فتوحات فرمائیں گے اور اسی دین کی اشاعت ہوگی۔ (امداد ج۳ ص ۴۵۲)　　۲۹/۱۲/۱۴۳۴ھ

ورثۂ انبیاء کے نام ایک اہم پیغام (حدیثِ ہرقل کی روشنی میں)

غور کیا جائے تو دنیا کی بدلتی ہوئی صورتِ حال میں ہرقل کے دربار میں ہونے والی گفتگو سے آنے والے دور کے خدوخال پر روشنی پڑتی ہے۔

کسریٰ نے اپنے کھوئے ہوئے مقدر سے سرورِ کائنات ﷺ کے والا نامہ کو رعونت وتکبر سے کیا پھاڑا ___ اپنی خاندانی بادشاہت کے ٹکڑے کردیئے ___ پوری دنیا پر بادشاہت کے زعم میں اس نحوست کا شکار رہا کہ اس کے مدمقابل قوت "روم" شکست وریخت کی آخری حدود کو چھو چکی تھی ___ مگر قرآن کریم نے پیشین گوئی فرمائی:

وھم من بعد غلبھم سیغلبون

جو ظہور پذیر ہو کر رہی ___ نئے ابھرنے والے حالات میں دو سپر طاقتوں کی بجائے واحد سپر پاور قیصر روم کی شکل میں سامنے آئی۔ اس طرح ہرقل کے دربار میں ہونے والی گفتگو آپ ﷺ کے دو حریفوں کے درمیان تھی۔

(۱) ایک آپ کا نسبی اور قبائلی حریف تھا جو ہمیشہ میدانِ کارزار میں مدمقابل رہا۔

(۲) دوسرا عالمی حریف ہرقل تھا ___ جس کے مقابل دنیا کے لحاظ سے کوئی طاقت نہ تھی۔ آپ ﷺ کے نظریے کی صداقت نے دونوں کے پاؤں سے زمین نکال دی۔ ہرقل نے کہا:

جہاں میں بیٹھا ہوں اسکی مملکت کا سورج یہاں طلوع ہو کر رہے گا۔ اور ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں حیران وششدر ہوں کہ ملک بنی الاصفر (ہرقل) کو کیا ہوا جو تختِ شاہی پر بیٹھا کانپ رہا ہے۔

اسی روز اسلام نے میرے دل پر دستک دے دی تھی کہ آج تک جو میں سوچتا رہا وہ میرا نظریہ غلط تھا ___ پھر اس کا ظہور فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیانؓ کو آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ کے دستے دکھائے اور ان کے نظم وضبط کا معائنہ کرایا تو کہا:

تیرے بھتیجے کی حکومت کا کمال ہے ___ دنیا گھوما ہوں مگر فدائیت کی یہ جھلک روئے زمین پر نہ دیکھنے کو ملی۔
جس کے جواب میں ابوسفیان کے عقل وفکر کے دریچے کھلے وہ یہ تھا:
ابوسفیان! یہی آپ کی نادانی ہے۔ یہ نبوت ہے حکومت نہیں ہے ___
جس سے معلوم ہوا "نظریے کی صداقت کا "رعب وجلال" دنیا اور دنیا کے تمام تر وسائل کو زیر کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔"
آنے والے حالات نے واضح کر دیا نظریہ کی طاقت نے دنیا میں حکمرانی کی اور دونوں حریف زیر ہو کے رہ گئے۔
عزیز طلبہ کرام! اس میں یہ پیغام ہے کہ آنے والے دور میں نظریہ کی طاقت سے جینا سیکھو ___ جس آنکھ پر دنیا کا موتیا آجائے اور جس دل پر غیر اللہ کا تارِ عنکبوت چھا جائے وہ کبھی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ یہودیت کا پیسہ، اپنے (عرب) کی مخالفت اور اندرونی منافقت جو کسی بھی تحریک ومشن کو ختم کرنے کے بنیادی ستون اور محرکات ہوتے ہیں۔ کے باوجود اعجازِ نبوت اور نظریہ پر غیر متزلزل یقین نے ہر لمحہ منزل کو قریب سے قریب تر کر دیا ___
آسمان کی بلندیوں کو چھونے والے دنیوی تمکنت وطمطراق کس طرح زمین بوس ہو کر درسِ عبرت بنے۔ وہ بخاری شریف کے آنے والے ابواب میں آپ پڑھیں گے جس راستے پر گذر کر

الایمان یزید وینقص

کی فنی بحث سے ہٹ کر وجدانی کیف سے آپ خود اس فیصلہ پر پہنچ جائیں گے جہاں منطق اور استدلالی گفتگو سے آپ رسائی نہ حاصل کر سکے۔
آپ تعیین کر سکیں گے حضرات ائمہ کرام کی ایمان کی زیادۃ ونقصان کے حوالہ سے معرکہ خیز ابحاث دراصل ہمیں کس حقیقت واقعی کی طرف متوجہ کر رہی ہیں ___ اور ہمارے مستقبل کے انتخاب میں کن محرکات وعوامل کو اساس وبنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔ کھلنے والا یہ باب زندگی بھی بلا ترجمہ ہے جو آپ کی تشحیذِ اذہان کا امتحان ہے۔

هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق.

وحی اور سائنس

مذہب اور سائنس کے باہم مخالف اور متصادم ہونے کا جو تاثر عام طور پر پایا جاتا ہے اس کے بڑے اسباب دو ہیں۔ ایک نظری اور اصولی ہے جبکہ دوسرا سبب تاریخی اور واقعاتی ہے۔
اصولی پہلو یہ ہے کہ سائنس کائنات کی اشیاء پر غور وفکر کرنے، ان کی حقیقت جاننے، ان کی افادیت وضرورت کو سمجھنے، ان کے استعمال کے طریقے معلوم کرنے، ان سے فائدہ اٹھانے اور تجربات کے ذریعہ انہیں زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کا نام ہے۔
جب تک کائنات کی بیشتر اشیاء تجربات ومشاہدات کے دائرے میں نہیں آئی تھیں، ان پر غور وفکر کا سبب سے بڑا ذریعہ عقلیات کا ہوتا تھا اس لئے سائنس بھی معقولات کا ایک شعبہ اور فلسفے کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔ خود ہمارے ہاں درس نظامی میں فلکیات کو

معقولیات کے مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا تھا لیکن جب کائنات کی متعدد اشیاء انسان کے محسوسات، مشاہدات اور تجربات کے دائرے میں شامل ہونے لگیں تو سائنس کو معقولات اور فلسفے سے الگ ایک مستقل مضمون کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اور فلسفہ اور سائنس کا رخ الگ الگ سمتوں کی طرف ہو گیا۔

اسی طرح سائنس اس دور میں تجربات ومشاہدات کے بغیر محض معقولات کا حصہ سمجھی جاتی تھی اور آسمانی تعلیمات اور فلسفہ ومعقولات کے درمیان مسلسل کشمکش رہتی تھی۔ خاص طور پر اس تناظر میں یہ بحث زیادہ شدت اختیار کر جاتی تھی کہ وحی اور عقل کا باہمی تعلق کیا ہے ان میں سے کس کو فائنل اتھارٹی حاصل ہے؟ یہ دور عقل اور وحی کے درمیان کشمکش کا دور تھا جو آج بھی جاری ہے۔ چونکہ سائنس کو بھی مذہب سے الگ، بلکہ اس سے متصادم تصور کیا جاتا تھا لیکن جب سے عملی تجربات، مشاہدات اور تحقیقات کے ذریعہ سائنس کا دائرہ فلسفہ سے الگ ہوا ہے صورت حال بالکل مختلف ہو گئی ہے۔

ایک اور بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وحی کائنات کے حقائق کی نشاندہی کرتی ہے اور سائنس بھی انہی حقائق واشیاء پر تجربات کرتی ہے۔ اس لئے ان دونوں کے درمیان تصادم کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، بلکہ میری طالب علمانہ رائے میں دونوں میں باہمی تقسیم کار کا ماحول سا بن گیا ہے، مثلاً انسانی جسم جو میڈیکل سائنس کا موضوع ہے وہی وحی الٰہی کا موضوع بھی ہے۔ میڈیکل سائنس اس سوال کا جائزہ لیتی ہے کہ انسانی باڈی کی ماہیت کیا ہے اس کے اعضاء کا آپس میں جوڑ کیا ہے، ان کا نیٹ ورک کیا ہے، میکنزم کیا ہے اور یہ کس طرح صحیح کام کرتے ہیں؟ جبکہ وحی الٰہی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسانی وجود کس نے بنایا ہے اور اس کا مقصدِ وجود کیا ہے؟

میں سائنس دانوں سے کہا کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اسلئے کہ ہمارا دائرہ کار ہی الگ الگ ہے۔ انسانی باڈی کے بارے میں دو سوالوں پر آپ بحث کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی ماہیت اور نیٹ ورک کیا ہے اور دوسرا یہ کہ یہ کیسے صحیح کام کرتی ہے اور خرابی پیدا ہو جائے تو اسے صحیح کیسے کیا جا سکتا ہے، جبکہ ہمارا یعنی وحی الٰہی کی بات کرنے والوں کا موضوع اس سے الگ دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو بنایا کس نے ہے اور دوسرا یہ کہ کس مقصد کیلئے بنایا ہے؟

کسی بھی چیز کے مکمل تعارف کے لئے چار سوال ضروری ہوتے ہیں: (۱) یہ کیا ہے؟ (۲) یہ کیسے کام کرتی ہے؟ (۳) یہ کس نے بنائی ہے؟ اور (۴) کس مقصد کے لئے بنائی ہے؟ پہلے دو سوال سائنس کا موضوع ہیں جبکہ دوسرے دو سوال مذہب کا موضوع ہیں۔ اس لئے ان کے درمیان کوئی اختلاف اور تنازع نہیں ہے۔

مذہب اور سائنس کے درمیان اختلاف اور تنازع کے عوامی تاثر کی دوسری وجہ تاریخی اور واقعاتی ہے۔ وہ یہ کہ جس دور میں یورپ میں سائنسی تجربات کا کام شروع ہوا اور سائنس دانوں نے کائنات کی متعدد اشیاء پر عقلی بحثوں سے آگے بڑھ عملی تجربات اور مشاہدات کا آغاز کیا، اس وقت یورپ میں مسیحی مذہب کی فرمانروائی تھی اور ریاست وحکومت میں مذہبی قیادت کو فیصلہ کن درجہ حاصل تھا۔ مسیحیت کی اس دور کی مذہبی قیادت نے ان سائنسی تجربات ومشاہدات کو مذہب سے متصادم قرار دے کر ان کی مخالفت کی اور سائنسی تجربات پر الحاد اور ارتداد کا فتویٰ لگا کر ایسا کرنے والوں کو سزائیں دینا شروع کر دیں۔ جس سے یہ تاثر عام

ہو گیا کہ مذہب سائنس کا مخالف ہے اور مذہبی تعلیمات میں سائنسی تجربات ومشاہدات کی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کو بھی اسی پر قیاس کرلیا گیا کہ مسیحیت کی پاپائی تعبیر کی طرح اسلام بھی سائنس کا مخالف ہے۔ حالانکہ اسلام نے سائنس اور سائنسی تجربات کی کبھی مخالفت نہیں کی، بلکہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر کائنات پر غور وفکر کی دعوت دی ہے، ان میں سے ایک کا حوالہ دینا چاہوں گا کہ سورۃ آل عمران کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق اور شب وروز کے اختلاف میں ارباب دانش (اولوا الالباب) کے لئے آیات اور نشانیاں ہیں اور ارباب فکر ودانش آسمان وزمین کی تخلیق پر غور وفکر کرتے ہیں۔ (یتفکرون فی خلق السماوات والارض) البتہ اس غور وفکر کا ہدف ''مقصدیت'' کو قرار دیا ہے وہ زمین وآسمان کی تخلیق پر غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یا اللہ تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا (ربنا ما خلقت ھذا باطلاً)

اسلام نے کائنات کے نظام پر غور وفکر کی دعوت دی ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس غور وفکر یعنی سائنسی مشاہدات وتجربات کی اصل بنیادیں مسلمانوں نے ہی فراہم کی ہیں، جن پر آج پوری سائنس کی عمارت کھڑی ہے۔ اس لئے اسلام کو مسیحیت کے اس دور پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اور یہ کہنا قطعی طور پر خلاف حقیقت ہے کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تصادم ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سائنس ہماری مخالف نہیں، بلکہ معاون ومؤید ہے کہ قرآن وحدیث کے بیان کردہ بہت سے حقائق کو سائنس نے عمل وتجربے کے ساتھ ثابت کیا ہے، جس سے قرآن وحدیث کی صداقت مزید واضح ہو کر سامنے آئی ہے۔ اس کے بیسیوں پہلو ہیں، جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے دو تین کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔

قرآن کریم نے قیامت کے دن اعمال کے وزن کی بات کی ہے انسان کے اعمال واقوال کا وزن کیا جائے گا۔ اس پر اعتراض کیا گیا، بلکہ اس کی تعبیر وتشریح میں اہل سنت اور معتزلہ کے مابین ایک عرصے تک اختلاف رہا کہ قول اور عمل تولنے کی چیز نہیں ہے، اس لئے کہ قول اور عمل صادر ہونے کے بعد معدوم ہو جاتے ہیں، چنانچہ بات اور عمل کا وزن نہیں کیا جاسکتا اور نہیں کیا جائیگا۔ مگر سائنس نے قول اور عمل دونوں کو محفوظ کر کے بلکہ ان کی مقدار کا تعین کر کے اس اعتراض کو ختم کر دیا اور قرآن نے جو اعمال کے وزن کی بات کی ہے اسے صحیح ثابت کر دیا۔

دوسری مثال یہ عرض کروں گا کہ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق جناب نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب ماں کے پیٹ میں حمل قرار پاتا ہے تو اس کے ساتھ ایک فرشتے کی ڈیوٹی لگ جاتی ہے جو ہر چالیس روز کے بعد رپورٹ پیش کرتا ہے کہ اب یہ کس کیفیت میں ہے اور جب تین چلے پورے ہو کر اس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو فرشتہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہوگی؟ اس کا کسب وعمل کیا ہوگا؟ اس کے رزق کا کوٹا کتنا ہوگا؟ اور یہ نیک بختی یا بدبختی میں سے کس کھاتے میں شمار ہوگا وغیرہ ذلک۔ یہ سوال وجواب مکمل کرنے کے بعد اسے روح کا کنکشن دے دیا جاتا ہے۔

جب میں اس حدیث مبارکہ کو پڑھتا ہوں تو میرے ذہن میں سائنس کے بیان کردہ جین (Gene) کا تصور آجاتا ہے کہ جس جین کی بات سائنس دان کرتے ہیں، کہیں یہ وہی فائل تو نہیں جو فرشتہ انسان کے جسم میں روح ڈالے جانے سے پہلے مکمل کر کے سیل کر دیتا ہے؟

ایک اور مثال بھی دیکھ لیں کہ بخاری شریف ہی کی ایک اور روایت کے مطابق جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انسان مرنے کے بعد جب قبر میں جاتا ہے تو مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے جسم کا ہر عضو بوسیدہ ہو کر خاک ہو جاتا ہے، مگر اس کی دُمچی کا مہرہ فنا نہیں ہوتا، وہ باقی رہتا ہے اور اسی سے اس کی دوبارہ تشکیل و ترتیب ہوتی ہے۔ میرے خیال میں آج سائنس جس کلون (Clone) کی بات کرتی اور جس پر کلوننگ کے ایک مستقل کام کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ غالباً وہی دُمچی کا مہرہ ہے جو انسان کی دوبارہ تخلیق کی بنیاد بنے گا اور وہ پہلے سے الگ وجود نہیں ہوگا بلکہ اسی کی نشأۃ ثانیہ ہوگی۔

حضراتِ محترم! میں نے چند اشارات آپ کے سامنے اس لحاظ سے کیے ہیں کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تصادم نہیں ہے بلکہ اسلام سائنسی تحقیقات کی دعوت دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، جبکہ سائنس وحی الٰہی کے بیان کردہ حقائق کی تائید کرتی ہے مسلسل کرتی جارہی ہے اس لئے سائنس کے علم سے جہاں انسانی سوسائٹی کو نت نئی سہولتیں اور فوائد حاصل ہو رہے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، اسی طرح یہ آسمانی تعلیمات کی معاون بھی ہے، البتہ اسے محض معروضیت کے دائرے میں رکھنے کی بجائے ''مقصدیت'' کا پہلو بھی اجاگر ہوگا اور یہی اسلام اور سائنس کا باہمی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام علوم وفنون سے صحیح استفادے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

(از افادات مفکر اسلام مولانا زاہد الراشدی مدظلہم)




کتاب الایمان

کِتَابُ الْإِيمَانِ

لغوی واصطلاحی معنیٰ

کتاب مصدر بمعنیٰ ''مکتوب'' ہے۔ اور ک، ت، ب اس کا مادہ ہے ـــــ اسی سے کُتیبہ جو لشکر کا نام ہے۔
کتاب کو کتاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بہت سے مضامین جمع ہوتے ہیں۔
تراکیب: کتاب الایمان کی تین ترکیبیں ہیں۔
(ا) مبتدا محذوف ھذا کتاب الایمان۔
۲: عکسہ۔ (کتاب الایمان ھذا)
۳: یہ منصوب ہے مفعول بہ ہے خذ فعل کا یا اقرأ محذوف کا۔ تقدیر عبارت: خذ کتاب الایمان یا اقرأ کتاب الایمان ہے۔
ربط ا: باب بدء الوحی سے کتاب الایمان تک بمنزلہ مقدمہ کے ہے۔ مقدمہ کے بعد بیانِ مقصود ہے۔ مقاصدِ اصلیہ میں سب سے مقدم ''ایمان'' ہے لانه ملاک الامر کله اذا الباقی مبنی علیه مشروطبه وبه النجاة فی الدارین۔
ربط ۲: حدیثِ ہرقل سے یہ ربط ہے کہ نجات کا مدار اختیاری تصدیق پر ہے غیر اختیاری معرفت پر نہیں۔ ہرقل کو معرفت حاصل ہوئی، اس سے تصدیق حاصل نہیں ہوتی ـــــ تاہم حدیثِ ہرقل میں تھا کہ جب ایمان کی حلاوت دل میں داخل ہو جاتی ہے پھر ایمان دل سے نکلا نہیں کرتا۔ اس حلاوت و بشاشت کی مناسبت کتاب الایمان سے ہوتی ہے۔

الایمان

لغوی معنیٰ: اَمَنَ (سَمِعَ) سے مشتق ہے۔ دو طرح مستعمل ہے، لازم و متعدی ـــــ اگر لازم میں استعمال ہو تو ہمزہ صیرورۃ کیلئے ہوتا ہے جیسے امنت ای صرت ذا امن و سکون ـــــ اگر متعدی استعمال ہو تو کبھی بلا واسطہ ہوتا ہے جیسے امنته ای جعلته ذا امن۔
کبھی متعدی بواسطہ حرف جار ہوتا ہے ـــــ پھر حرف جار کبھی 'ب' ہوتا ہے جیسے الذین یومنون بالغیبہ جب 'ب' کے ذریعہ متعدی ہو تو اقرار و اعتراف کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے اور کبھی حرف جار 'ل' کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسے وما انت بمومن لنا۔ پھر اس کا معنیٰ ''یقین'' کا ہوتا ہے۔ اور جب یہ صلہ کے ساتھ استعمال ہو اس میں تصدیق، انقیاد اور اعتماد کے معنیٰ پائے جاتے ہیں ـــــ پورے ذخیرۂ حدیث میں صرف ایک ہی جگہ متعدی بعلیٰ ہے قالہ انور شاہ الکشمیری رحمہ اللہ (کشف 1/62):
ماامن الانبیاء من نبی الا قد اعطی من الأیات ما مثله أمن علیه البشر۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس وقت ایمان "اعتماد" کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر لازم میں استعمال ہو تو وثوق کا معنی اس میں لازمی ہوتا ہے۔
ایمان باء کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو پھر کبھی تو ذوات پر داخل ہوتی ہے جیسا منت باللہ اور کبھی احکام پر داخل ہوتی ہے جیسے امن الرسول بما انزل الیہ۔ (درس شامزئی 60)

اصطلاحی معنی: التصدیق بجمیع ماجاء بہ النبی ﷺ بالضرورۃ تفصیلاً و اجمالاً۔ تمام وہ عقائد و اعمال جو آپ ﷺ سے بالضرورت ثابت ہیں ان کی تصدیق کرنا باجمال و تفصیل۔

فائدہ: تمام اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ قبل البلوغ ایمان تقلیدی معتبر ہے اور بعد البلوغ امور ایمان کا از خود جاننا ضروری ہے۔ (درس شامزئی 69)

بالضرورۃ: اس سے کیا مراد ہے؟
آپ ﷺ اس چیز کو لانا "بداہۃً" ثابت ہو یعنی بذریعہ تواتر ثابت ہو محتاج مناظرہ اور محتاج بحث و دلیل نہ ہو۔ ــــ تواتر کی چار اقسام میں سے کوئی بھی قسم پائی جائے تو وہ "ضرورۃ" میں داخل سمجھا جائے گا۔

اقسام تواتر

(۱) تواتر فی الاسناد: موجودہ زمانے سے لیکر آپ ﷺ اتنے ناقل روایت ہوں جن کا توافق علی الکذب عقل محال سمجھتی ہو۔ جیسے روایت الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ یا من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ ایسی پانچ احادیث ہیں۔ یہ متواتر فی الاسناد ہیں۔

(۲) تواتر طبقہ: انفرادی سند نہ بتائی جاسکے اگرچہ موجود ہے۔ مگر مشکل ہے۔ لیکن ناقلین طبقہ در طبقہ اتنے ہیں کہ ان کا توافق علی الکذب عقلاً محال ہے۔ جیسے قرآن کریم ــــ اس میں تواتر طبقہ ہے۔

(۳) تواتر فی التعامل: کسی عمل پر امت کا ہر دور میں اتنا بھرپور عمل ہے کہ ان کا توافق علی الکذب محال ہے۔ جیسے اوقات نماز خمسہ، یہ تواتر عملی ہے۔ یہ کسی قولی حدیث سے بالتواتر ثابت نہیں۔

(۴) تواتر فی القدر المشترک: جیسے معجزات نبوی ﷺ کی بھی معجزہ بذریعہ تواتر ثابت نہیں ــــ لیکن فی الجملہ "اعجاز نبوی" ایسی قدر مشترک ہے جو تواتر سے ثابت ہے۔ اس لئے فرداً کسی معجزہ کا انکار کرے تو کافر نہیں ہوگا۔ اس اعجازی قدر مشترک کا انکار کفر ہوگا۔ کیونکہ منکر تواتر و بداہۃ ہے۔ حاصل یہ کہ متواتر شیء پر ایمان لانا مسلمان ہونے کیلئے شرط لازم ہے۔

فائدہ ۱: عند البعض "شیء متواتر" کا ہر کس و ناکس کیلئے متعارف ہونا بھی ضروری ہے ورنہ حکم کفر ساقط ہوجائے گا ــــ "ضرورۃ" سے مندرجہ بالا حقیقت مراد ہے۔ (انعام ص296 ج1)

فائدہ ۲: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ارشاد ہے کہ تواتر کی مندرجہ بالا تقسیم یہ متقدمین سے بھی منقول نہیں اس کو علمی دنیا میں متعارف کرانے والے سب سے پہلے حضرت العلام مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (مقدمہ فتح الملہم بحوالہ متعلقات دورہ حدیث شریف ص44)

تصدیق اور اس کی اقسام

"اذعانِ نسبت" یعنی "یقینِ نسبت" کو کہتے ہیں۔ ان کان اذعاناً للنسبۃ فتصدیق ــــــ پھر اختلاف ہوا تو علامہ ہرویؒ فرماتے ہیں "لواحقاتِ ادراک" میں سے ہے۔ اور عند الجمہور ادراک محض ہی کا نام ہے۔ البتہ راجح مذہب اول ہے۔

درجاتِ تصدیق: یقین، ظن، وہم۔ وجودِ تصدیق کیلئے وجودِ نسبت ضروری ہے۔ خواہ تصدیق کسی بھی درجہ میں پائی جائے۔

نوٹ: مفردات ہمیشہ تصورات ہوتے ہیں جیسے زید ــــ اور قائم تصدیق کیلئے مسند اور مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے جیسے زید قائم۔

یہ دو قسم پر ہے۔ ۱: لغوی، ۲: اصطلاحی۔

۱: کسی کو سچا قرار دینا۔ ۲: کسی کو دل سے سچا ماننا خواہ زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے۔

ان دونوں کے درمیان تین فرق ہیں۔

فرق (۱) تصدیق لغوی کیلئے اختیار شرط نہیں۔ بغیر اختیار کے بھی تصدیق صادق آجاتی ہے ــــ تصدیق اصطلاحی کیلئے ارادہ واختیار شرط ہے۔ اس لئے کفارِ مکہ مسلمان شمار نہ ہوئے کیونکہ ان کو اذعان وتصدیق بلا ارادہ واختیار حاصل تھی۔

فرق (۲) تصدیق لغوی کیلئے متعلق بالنبیؐ ہونا ضروری نہیں ہے۔ جبکہ تصدیق اصطلاحی کیلئے یہ شرطِ لازم ہے۔

فرق (۳) تصدیق لغوی کیلئے یقین ضروری نہیں۔ غیر یقینی بھی تصدیق ہوسکتی ہے ــــ جبکہ تصدیق اصطلاحی کیلئے یقینی ہونا ضروری ہے۔ (منطق میں یہ پڑھ چکے ہیں۔ ظن، شک، وہم، یقین سب تصدیق میں داخل ہیں۔)

سوال: آپ نے کہا: ایمان کیلئے تصدیقِ اختیاری ضروری ہے۔ یہ نائم، مجنون اور مغمی علیہ کے لحاظ سے ٹوٹ گئی۔ اس لئے کہ اختیار مفقود ہے۔ تو پھر کیا یہ لوگ "مومن" نہ رہے؟

جواب ۱: تصدیق کے لحاظ سے یہاں دو چیزیں ضروری ہیں۔ ۱: تصدیق کا اختیاری ہونا، ۲: تصدیقِ اختیاری کا مستحضر ہونا ــــ تصدیقِ اختیاری تینوں میں موجود ہے۔ البتہ اس کا استحضار نہیں۔ مگر وہ شرطِ ایمان نہیں۔ اس لئے ایک آدمی سونے کے وقت مومن ہوتا ہے تو سویا ہوا بھی مومن ہی شمار ہوگا وغیرہ۔

سوال: ایمان کی یہ تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں۔ اس شخص پر ٹوٹ گئی جس کو تصدیق اختیاری حاصل ہے ــــ لیکن اگر اسے کلمہ پڑھنے کو کہا جائے، تو انکار کرے تو یہ شخص کافر ہے۔ مگر اس پر ایمان کی تعریف صادق آرہی ہے کہ اس کو تصدیق اختیاری حاصل ہے۔

جواب: تصدیقِ اختیاری کے قابلِ اعتبار ہونے کیلئے "اقرار عند المطالبہ" شرط ضروری ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ میں دل سے ایمان لاتا ہوں اقرار باللسان بھی کرتا ہوں ــــ لیکن وہ قرآن کریم کو "عیاذاً باللہ" گندگی میں ڈالتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ حالانکہ اس پر ایمان کی تعریف صادق آرہی ہے تو یہاں بھی تعریف دخولِ غیر سے مانع نہیں ہے۔

جواب: تصدیقِ اختیاری اور اقرار لسانی کو اس وقت معتبر سمجھا جاتا ہے جب کوئی علامتِ مکذّبہ نہ ہو۔ یہاں قرآن کریم کو گندگی میں ڈالنا علامتِ مکذّبہ ہے۔ تصدیق واقرار دونوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔ تو بالاجماع کافر ہی ہوگا۔

"اسلام" لغوی واصطلاحی معنیٰ

لغوی معنیٰ "انقیادوگردن نہادن" ہے۔ اصطلاحی معنیٰ: انقیاد العبد للہ تعالیٰ۔ یا اسلام کالفظ سلامتی سے ہے۔ چونکہ اسلام کی وجہ سے دنیا میں جزیہ وقتال سے اور آخرت میں عذاب سے سلامتی میں آجاتا ہے اس لئے اس کو "اسلام" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام اور ایمان کے درمیان نسبت

اس میں چار اقوال ہیں:-

القول الاول: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ گویا اس میں دو مادے ہیں (۱) ایمان عام مطلق ہے جو کہ تصدیق قلبی کا نام ہے خواہ اس کے ساتھ تسلیم ظاہری ہو یا نہ ہو۔ اور (۲) اسلام خاص مطلق ہے جو تصدیق وتسلیم دونوں کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ فکل اسلام ایمان ولا عکس۔

اس قول کی دلیل آیت کریمہ: ان الدین عند اللہ الاسلام ہے۔۔۔۔ اس آیت شریفہ میں لفظ اسلام دین پر بولا گیا ہے اور دین تصدیق وعمل دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔

القول الثانی: ائمہ ثلاثہ اور اکثر محدثین کرام نیز معتزلہ وخوارج کے نزدیک ایمان واسلام میں ترادف وتساوی ہے۔

اس قول کی دو دلیلیں ہیں:

۱۔۔۔ وقال موسیٰ یقوم ان کنتم امنتم باللہ فعلیہ تو کلوا ان کنتم مسلمین۔

۲۔۔۔ فاخرجنا من کان فیہا من المومنین۔ فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین۔

کیونکہ قوم سبط کی بستی میں بالاتفاق ایک ہی گھرانہ مسلمان تھا۔

القول الثالث: احناف ومتکلمین کے نزدیک دونوں میں مفہوماً تغایر اور وجوداً عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔۔۔۔ کیونکہ ایمان صرف تسلیم باطنی کا نام ہے۔۔۔ اور اسلام صرف تسلیم ظاہری کا نام ہے۔۔۔۔ ان دونوں چیزوں کے لحاظ سے تین مادے نکلیں گے۔

۱: ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی۔ مادہ اجتماعی: تسلیم ظاہری وباطنی دونوں پائی جائیں جیسے مؤمن کامل۔۔۔۔ مادہ افتراقی تسلیم باطنی پائی جائے اور تسلیم ظاہری نہ پائی جائے جیسے مؤمن ناقص یا بالعکس۔۔۔۔ جیسے منافق

یہ قول زیادہ مشہور ہے اور اس کی دو دلیلیں ہیں:

۱۔۔۔ قالت الاعراب امنا، قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا۔

۲۔۔۔ حدیث جبریل: اس میں آپ ﷺ نے ایمان کی تفسیر صرف تصدیق قلبی کے ساتھ کی ہے اور اسلام کی تفسیر تسلیم ظاہری یعنی ادائے شہادتین اور اور اعمال صالحہ کے ساتھ کی ہے۔

القول الرابع: علامہ سید مرتضی زبیدی شارح احیاء علوم کے نزدیک ایمان اور اسلام میں تغایر فی المفہوم اور تلازم فی الوجود ہے ـــــ یعنی دونوں کا مفہوم تو جدا جدا ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کا تحقق دوسرے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ہر ایک دوسرے کیلئے شرط ہے۔
غرض ایمان تسلیم باطنی کا نام ہے بشرطیکہ تسلیم ظاہری پائی جائے۔ اور اسلام تسلیم ظاہری کا نام ہے بشرطیکہ تسلیم باطنی پائی جائے۔
پس ایمان وہ معتبر ہے جو پھوٹ پھوٹ کر اسلام بنتا جائے اور اسلام وہ معتبر ہے جو رچ رچ کر ایمان بنتا چلا جائے۔
حافظ ابن حجرؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہی ہے اور یہی راجح ہے۔

ضد الایمان والاسلام:

ایمان "امن" سے ہے اس کی ضد "خوف" ہے ـــــ اور اگر امانت سے ہو تو اس کی ضد "خیانت" ہے۔ اسلام کا لغوی معنی سَلَم بمعنی صُلح ہے۔ اس صورت میں اس کی ضد لڑائی اور جنگ ہے ـــــ اور اگر اسلام "سلامتی" سے ہو تو اس کی ضد "بدامنی" ہے۔
ایمانِ اصطلاحی کی ضد کفر ہے ـــــ کفر کا لغوی معنی چھپانا ہے۔ اگر کفران سے ہو تو اس کا معنی ناشکری ہے۔ چونکہ کافر حق کو چھپاتا ہے تو اس کو کافر اور جو نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے تو اس کو بھی کافر کہا جاتا ہے ـــــ اسی معنی کفر کے لحاظ سے کافر کسان کو بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔ کمثل غیث اعجب الکفار نباته ـــــ یہاں کفار کا معنی کاشتکار کے ہیں۔ اسی لئے رات کو بھی کافر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت سی چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ پھر توسعاً ہر سیاہ چیز کو کافر کہہ دیتے ہیں۔ حتی کہ چہرے کے تل کو بھی۔

کفر کی اصطلاحی تعریف

انکار ما جاء به النبی ﷺ۔ یہاں جمیع کا لفظ نہیں بولا۔ اس لئے کہ کسی بھی ایک قطعی بات کا انکار کفر ہے۔ سب کا انکار ضروری نہیں۔ جبکہ ایمان کیلئے جمیع ما جاء به النبی ﷺ کی تصدیق ضروری ہے۔
اقسام کفر ۱: کفرِ انکار: دل و زبان دونوں سے انکار کرے جیسے مشرکین مکہ کا کفر۔ ۲: کفرِ عناد: دل سے یقین بھی ہے۔ زبان سے اقرار بھی کرتا ہے مگر قبول نہیں کرتا مانتا نہیں۔ جیسے خواجہ ابوطالب کا کفر۔ ۳: کفرِ جحود: دل سے حق ہونے کا یقین ہے مگر زبان سے اقرار نہیں کرتا جیسے ابلیس اور یہود کا کفر۔ فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به ۴: کفرِ نفاق: زبان سے اقرار اور دل سے انکار۔
اصولِ تکفیر: مذہب پر عمل پیرا کچھ لوگ افراط کا شکار ہیں۔ کسی کو بھی کافر قرار دینے میں کوئی تامل نہیں کرتے جبکہ اس میں جلد بازی سنگین جرم ہے۔ اسی طرح دنیا کے لحاظ سے صلح کن اور رواداری کے حامل تفریط میں مبتلی ہیں۔ وہ ظاہری سطح دیکھ کر عقائد پر غور کئے بغیر جلدی سے اسلام کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں۔ عقائدِ کفریہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ دو انتہائیں ہیں۔ اور قابلِ مذمت ہیں۔ جبکہ ان کے درمیان "راہِ اعتدال" کا نام حق ہے۔
اصول (۱) جس چیز کا ثبوت قرآن وسنت سے قطعی الدلالت ہو اس کا انکار کفر ہے۔ جیسے اقیموا الصلوٰۃ ـــــ صلوٰۃ اپنے معنی میں قطعی الدلالت ہونے کی وجہ سے کسی اور معنی کا محتمل نہیں ـــــ بعض حضرات نے ایک "نرم گوشہ" نکالا ہے۔ ہر قطعی الثبوت

اور قطعی الدلالت چیز کا انکار موجب کفر نہیں۔ بلکہ ان قطعیات کا انکار کفر ہے۔ جس کو ہر عام و خاص اچھی طرح دین کا حصہ سمجھتے ہوں۔

تاہم قولِ فیصل یہ ہے اگر کوئی شخص قطعیات میں سے کسی کا انکار کرتا ہے، جو لوگوں میں "مرتبہ قطعیات" کے لحاظ سے متعارف نہیں تو اس کو فوراً کافر کہنے کی بجائے "توقف" کر کے اس کی صحیح حقیقت کی طرف متوجہ کیا جائے گا۔ اور اس کے دلائل قطعیت اس کے سامنے رکھے جائیں گے ـــــ بعد ازاں بھی وہ انکار پر مصر ہے اور درجہ قطعیت میں ماننے کو تیار نہ ہو تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

اصول (۲) جیز ملحوظ رہے کہ قطعی مسئلہ کا انکار بھی قطعی ہو۔ احتمالِ کفر کی بنا پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ اسی لئے حضرات فقہاء کرامؒ نے یہ اصول بیان کیا ہے کوئی شخص مجمل یا ذو معنیٰ لفظ ایسا بولے جو بہت سے معانی پر دال ہو اس میں ایک ہی احتمال موجب ایمان ہو اور دیگر احتمالات کفریہ ہوں تو موجب ایمان احتمال کو ترجیح دی جائے گی۔ چنانچہ عند الفقہاء مسئلہ ہے: اگر کسی کے کلام میں ننانوے احتمالِ کفر ہوں اور ایک احتمالِ اسلام ہو تو مسلم قرار دیا جائے گا۔

اس سے مراد احتمالِ کفر ہے، صریح کفر نہیں ـــــ تاہم واضح رہے ذو معنیٰ کلام اور کفریہ احتمال پر مبنی بات کرنا بھی منع ہے اور گناہ ہے۔ اگرچہ کفر نہ ہو۔

اصول (۳): لزومِ کفر کفر نہیں۔ بلکہ التزام کفر کفر ہے ـــــ اگر کسی شخص نے بے دھیانی میں کوئی کلمۂ کفر کہہ دیا ہے جب متوجہ کیا گیا تو اس نے اس پر التزام نہیں کیا تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگائیں گے۔

اصول (۴): انسان ظاہر کا مکلف ہے۔ باطن کی تحقیق پر اسے قدرت ہی نہیں۔ لہٰذا ظاہر ہی مدارِ کفر ہوگا۔ جیسے آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس وقت فرمایا تھا جب ظاہری صورتِ حال کے لحاظ سے ان کا مدمقابل کافر جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھ رہا تھا اور قرائن کے لحاظ سے وہ جنگ کا موقع بھی تھا۔ اس وقت کے کلمۂ ظاہر کا اعتبار کر کے آپ ﷺ نے ناراضگی کے طور پر ھلا شققت قلبہ فرمایا اور عند اللہ اس فعل کی براءت کا اظہار بھی فرمایا۔

فائدہ ۱: مرتکب کفر کو "کافر" کہنا کوئی گالی یا بدتہذیبی نہیں بلکہ اس سے بچاؤ کیلئے تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ اس لئے علماء اور حضرات مفتیانِ کرام کسی کو کافر بناتے نہیں بتاتے ہیں۔ چنانچہ کسی عالم نے آج تک کسی کو نہیں کہا آپ قادیانی یا شیعہ ہو جاؤ وغیرہ۔ جیسے ڈاکٹر پیدا شدہ مرض کی نشاندہی کرتا ہے، مرض پیدا نہیں کرتا ـــــ اس لئے اگر "اظہارِ کفر" نہ کیا جائے تو حقیقتِ اسلامیہ اور کفر ملتبس ہو جائیں گے۔ آخرت کا بننا تو رہا ایک طرف۔ دنیا ہی میں نظامِ اسلام کے چلنے کی کوئی صورت نہیں بن سکے گی۔ یہ تشخص اسلامی کا تقاضا ہے۔

فائدہ ۲: قرآن کریم کی آیتِ شریفہ ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومناً۔ کہ "سلام" علامتِ اسلام ہے اور حدیث: من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فھو مومن وفی روایۃ فھو منا ـــــ یہ علاماتِ اسلام ہیں۔ ان کا اعتبار اس وقت تک ہوتا ہے جب کوئی علامتِ کذب نہ پائی جائے۔ لہٰذا قادیانی، یا کوئی پرویزی اپنے اعتقادِ بد کو باقی رکھتے ہوئے اس آیتِ شریفہ یا حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے مسلمان نہیں ہو سکتے۔

نوٹ: اہل القبلہ سے مراد لغوی معنیٰ نہیں بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے مراد یہ کہ تمام ضروریاتِ دین کا قائل ہو۔۔ محض قبلہ کی طرف رکن نماز کی ادائیگی مراد نہیں۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ جملہ اہل عقائد اور حضرت امام اعظمؒ سے بھی منقول ہے: لانکفر اھل القبلۃ سے مراد بھی یہی ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی کا انکار یا علامت مکذب للایمان نہ پائی جائے۔

فائدہ ۳: حضرات فقہاء کرام کا قول ہے: منکر کافر ہوتا ہے لیکن مؤول کافر نہیں ہوتا ــــ اس جملہ کی روشنی میں قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ خاتم النبیین میں ہم ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہوئے تاویل کرتے ہیں کہ نبوۃ تشریعی ختم ہو چکی ہے مگر غیر تشریعی یعنی ظلی بروزی باقی ہے۔ تو اس تاویل کی روشنی میں ہم پر کفر کا فتویٰ زیادتی ہے ــــ

اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ قطعی الثبوت نص میں وہ تاویل جو تواتر کے خلاف نہیں وہ کفر نہیں ــــ اگر چہ وہ غلط ہے ــــ اگر وہ تواتر کے خلاف ہو تو وہ کفر سے نہیں بچا سکتی ــــ مثلاً "اقیموا الصلوٰۃ" کا انکار نہ کرے اور تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہوئے صلوٰۃ کا معنی "تحریک الصلوین" یعنی "کولہے مٹکانا" اور یہ کہے کہ "اقیموا الصلوٰۃ" کا یہ معنی ہے کہ رقص وسرور کے اڈے قائم کرو۔ یہ تاویل اس کو کفر سے نہیں بچا سکتی۔ اسی طرح قادیانی ٹولے کی یہ تاویل تواتر کے خلاف ہے، لہٰذا کفر سے نہیں بچ سکتے۔

حقیقتِ ایمان میں چھ مذاہب مشہور ہیں۔

(۱) جہمیہ کے نزدیک ایمان فقط معرفت قلبی کا نام ہے۔ (اس مسلک کے بانی کا نام جہم بن صفوان ہے۔)

(۲) معتزلہ (کا بانی واصل بن عطاء ہے۔) وخوارج کے ہاں ایمان امور ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ ۱: تصدیق قلب، ۲: اقرار لسان، ۳: عمل بالجوارح۔ ان کے نزدیک اعمالِ صالحہ جزوِ ایمان ہیں اور مرتکب کبیرہ خارج از ایمان اور مخلد فی النار ہے ــــ لیکن معتزلہ "منزلۃ بین المنزلتین" کے قائل ہیں کہ ایمان وکفر کے درمیان ایک درجہ ہے، مرتکب کبیرہ ایمان سے تو خارج ہو گیا مگر کفر میں داخل نہیں ہوا ــــ خوارج اس کو کافر بھی کہتے ہیں۔

یہ مذاہب افراط پر مبنی ہیں۔

(۳) مرجیہ کے نزدیک ایمان فقط تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔

(۴) کرامیہ (اس کی نسبت محمد بن کرام کی طرف ہے۔) ایمان فقط اقرار لسانی وظاہری کو کہتے ہیں۔ تو مرجیہ اور کرامیہ دونوں اعمالِ صالحہ کو قطعاً غیر ضروری، ایمان سے بالکلیہ خارج اور لاتعلق جانتے ہیں۔

یہ دونوں مذاہب تفریط پر مبنی ہیں۔

(۵) امام ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاءؒ ومتکلمینؒ، امام غزالیؒ وامام الحرمینؒ کے نزدیک ایمان فقط تصدیقِ قلبی کا نام ہے ــــ لیکن ترکِ عمل سے کمالِ ایمان فوت ہو کر ان کے نزدیک بھی فسق لازم آ جاتا ہے۔

فائدہ: (متکلمین ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو عقائد میں گفتگو کرتے ہوں۔ عقائد میں ہم امام ابومنصور ماتریدی (تین واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں [کشف 560 ج 1]) اور فقہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اور باقی ائمہ کرام امام ابوالحسن اشعری کے مقلد ہیں۔ البتہ ان دو حضرات میں چند مسائل کا لفظی اور تعبیری اختلاف ہے۔

باقی اقرار لسانی اجرائے احکامِ دنیویہ کیلئے عند المطالبہ ضروری ہے۔لیکن نفسِ ایمان کی ماہیت کیلئے شطر اور جز نہیں۔البتہ قدرت کے باوجود اقرار سے انکار کفر ہے۔۔۔۔

(۶) ائمہ ثلاثہؒ اور اکثر حضرات محدثینؒ کے نزدیک ایمان تصدیقِ قلبی اور عملِ جوارح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔لیکن ترکِ عمل سے ارتداد یا خروج عن الاسلام ان کے نزدیک بھی لازم نہیں آتا۔جیسا کہ معتزلہ وخوارج کا مذہب ہے۔۔۔۔ تاہم اقرار لسانی میں ان کے ہاں بھی سابقہ تفصیل ہے۔

یہ دونوں آخری مذاہب توسط و اعتدال پر مبنی ہیں۔غور کیا جائے تو ان میں نزاعِ لفظی ہے۔محض تعبیر اور عنوان کا اختلاف ہے۔کیونکہ تمام اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیقِ قلبی ہے اور اعمالِ صالحہ ایمان کا جزو اصلی نہیں۔ جیسا کہ معتزلہ وخوارج کا مذہب ہے۔۔۔۔ اسی طرح سب اس پر بھی متفق ہیں کہ کمالِ ایمان کیلئے اعمالِ صالحہ از حد ضروری ہیں۔ اگرچہ جزو زائد ہیں لیکن غیر ضروری ہرگز نہیں جیسا کہ مرجیہ اور کرامیہ کا مذہب ہے۔

یہی وجہ ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ مرتکب کبیرہ کو فاسق قرار دیتے ہیں۔پھر ان دو حقائق پر اہلِ حق کے اتفاق کے باوجود ایمان کی تعبیر و تعریف میں ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے۔۔۔۔

ائمہ ثلاثہؒ نے ایمان کی تعریف میں اعمال کو داخل کر دیا۔حضرت امام ابو حنیفہؒ نے تعریف و تعبیر میں داخل نہیں کیا۔تو حقیقتِ ایمان کی تعریف میں اہلِ حق کا یہ باہم اختلاف کیوں ہوا۔۔۔۔؟

تعبیری اختلاف کی وجہ

اس تعبیراتی اختلاف کی وجہ "احوالِ زمانہ" ہیں۔حقیقت یہ ہے ہر گروہ نے اپنے زمانہ کے باطل فرقوں کے مقابلہ میں دینی مصلحت کی خاطر مناسب عنوان اختیار کیا۔چنانچہ امام اعظمؒ کو معتزلہ وخوارج سے زیادہ واسطہ پڑا جن کے نزدیک اعمالِ صالحہ حقیقتِ ایمان کا جز ہیں۔ اور مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج اور مخلد فی النار ہے۔اس لئے حضرت امام صاحبؒ نے ان کے مقابلہ میں مذکورہ بالا تعبیر فرمائی۔اور تعبیر کی حد تک اعمالِ صالحہ کو ایمان کی تعریف سے خارج رکھا۔۔۔۔ تاہم دوسرے ائمہ و محدثین کرامؒ کو زیادہ واسطہ مرجیہ اور کرامیہ سے پڑا۔جو اعمالِ صالحہ کو قطعاً غیر ضروری اور ایمان سے خارج و لاتعلق سمجھتے تھے۔اس لئے ان کی تفریط کی اصلاح کیلئے انہوں نے دوسری تعبیر اختیار کی۔بہر حال تمام اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک اعمالِ صالحہ ایمان کا جز ہیں مگر جزو تزیینی ہیں ان کے فوت ہونے سے کمالِ ایمان اور اس کی زینت تو فوت ہوتی ہے۔۔۔۔ مگر نفسِ ایمان فوت نہیں ہوتا۔جیسے خدانخواستہ ایک انسان کا بازو کٹا ہوا ہو۔اگرچہ وہ انسان ہے مگر باکمال اور بازینت نہیں ہے۔۔۔۔ چنانچہ ایک شخص محض تصدیقِ قلبی کے بعد فوت ہو جائے،اقرار و عمل کی نوبت نہ آئے اس پر احکام مومن میراث،جنازہ تجہیز و تکفین و تدفین جاری ہوں گے جس سے واضح ہو گیا حقیقتِ ایمان میں متفق علیہ فقط "تصدیقِ قلب" ہے۔

(**نوٹ:** حقیقتِ ایمان میں مذاہب کی وجہ حصر بطور ضمیمہ کتاب کے آخر میں ص 594 دی گئی ہے۔)

اصحابِ مذاہب کے دلائل (۱) دلائل احناف

(اصولی دلائل)

نمبرا۔۔۔ حضرت امام صاحبؒ کا مستدل وہ آیات وروایات ہیں جن میں ایمان کو قلب کی طرف منسوب کیا گیا۔ اگر ایمان میں اعمالِ جوارح داخل ہوتے تو صرف قلب ہی کو محلِ ایمان کیوں کہا جاتا۔ جیسا کہ بکثرت آیات میں محلِ ایمان قلب ہی کو بتلایا گیا۔

۱: وقلبہ مطمئن بالایمان۔ قرآن کریم نے ایمان کا تعلق صرف قلب سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر حالتِ اکراہ میں زبان سے کلمۂ کفر بھی کہہ دے مگر دل مطمئن بالایمان ہو تو کافر نہیں ____

۲: آیتِ ثانیہ: کتب فی قلوبھم الایمان۔ ایمان کا محل کتابت "قلب کو بتایا گیا ہے اور کوئی عضو اس کا اہل ہی نہیں۔

۳: ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم۔ محلِ زینت ایمان کا قلب ہے۔

۴: ولما یدخل الایمان فی قلوبکم۔ دخولِ ایمان فی القلب ہے۔

۵: حضرت ابراہیمؑ کا ارشاد مبارک: ولکن لیطمئن قلبی۔ محلِ اطمینان ایمان کیلئے قلب کو قرار دیا جارہا ہے۔

۶: نیز حدیث پاک میں ارشاد ہے: من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من الایمان۔ یہاں بھی محلِ ایمان قلب ہے۔

نمبر۲: دلیلِ ثانی وہ تمام آیات وروایات ہیں جن میں اعمالِ صالحہ کو ایمان پر بطورِ عطف ذکر کیا گیا ہے۔ اور عطف مغایرت کی دلیل ہے ____ اگر اعمالِ صالحہ جزوِ ایمان ہوتے تو "عطف" کی ترکیب نہ اختیار کی جاتی ____ نیز یہ کہنا کہ یہ 'جز' کا 'کل' پر عطف ہے، اس لئے صحیح نہیں کہ یہ مشہور اور شائع ذائع نہیں ہے۔ دوسرے اس لئے کہ عطف میں اصل مغایرت ہے۔ اس لئے جز کا کل پر عطف ہونا خلافِ اصل ہے۔

نیز عمل صالح ایمان کے مسمّیٰ سے خارج ہے کیونکہ والذین امنوا وعملوا اگر امنوا میں عمل آچکا ہے تو عملوا الصلحت سے تو عمل کا تکرار لازم آتا ہے۔ (قالہ الرازیؒ)

چنانچہ آیات دیکھیں:

ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنت الفردوس نزلا۔

آیتِ ثانیہ: ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا۔

نمبر۳: وہ تمام آیات وروایات ہیں جن میں اہلِ ایمان کو توبہ وتقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے اعمالِ صالحہ کے زائل ہونے کے باوجود ایمان باقی ہے۔ جن میں یاایھا الذین امنوا سے خطاب کیا جارہا ہے۔ مثلاً یاایھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا۔

نمبر۴: وہ روایات ہیں جن میں صرف کلمہ پڑھنے پر جنت کی بشارت کی نوید ہے ____ مثلاً حضرت ابوذرؓ کی

روایت: مامن عبد قال لا الٰہ الا اللّٰہ ثم مات علی ذلک الا دخل الجنة ___ عرض کیا گیا: وان زنی وان سرق؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وان زنی وان سرق۔ تین بار تکرار ہوا۔ معلوم ہوا: سرقہ وزنا کے باوجود ایمان سلب نہیں ہوتا۔

نمبر ۵: وہ آیات شریفہ جن میں عمل صالح کے ساتھ "وھو مومن" کی قید لگائی گئی ہے۔ اگر عمل جز ہوتا تو یہ قید کیوں لگاتے۔ یہ بھی مسئلہ ثابت ہو رہا ہے عمل ایمان سے علیحدہ شیء ہے ___ مثلاً ومن یعمل من الصلحٰت وھو مومن۔ واطیعوا اللّٰہ ورسولہ ان کنتم مومنین۔ قاعدہ ہے شرط الشیء خارج الشیء۔

نمبر ۶: وہ آیات وروایات ہیں جن میں باوجود عصیان کے ایمان کا اطلاق ہوا ہے جیسے وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما۔ فان بغت احدٰھما الخ، جو امر خداوندی سے ہٹا ہوا ہے اسے باغی تو قرار دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مومن فرمایا گیا۔ ایمان وعصیان باہم ضد ہوں تو جمع نہ ہوں ___ الشیء لا یجمع مع ضدہ

جمہور محدثینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل

(۱) بنی الاسلام علی خمس۔ (۲) الایمان بضع وسبعون شعبۃ۔

(۳) الحیاء شعبۃ من الایمان۔ (۴) لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ او کما قال علیہ السلام

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں آخر تک جتنے تراجم قائم کئے ہیں ان سب کے تحت جمہور کے مستدلات ذکر فرمائے ہیں ___ اکثر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان مجموعہ کا نام ہے۔ (تصدیق، اقرار اور اعمال صالحہ)

دلائل معتزلہ وخارجیہ (خوارج)

وہ آیات وروایات جن میں ترک اعمال سے ایمان کی نفی کی گئی ہے یا تارک اعمال کو کافر کہا گیا ہے۔ مثلاً:

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا۔

قتل عمد گناہ کبیرہ اور اس کی سزا الخلد فی النار ہونا بتائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ارتکاب کبیرہ سے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے: لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔ ولا دین لمن لا عھد لہ ___ نیز من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر۔

ان کبائر کے مرتکبین سے دین وایمان کی نفی کی گئی ہے اور ایک روایت میں حکم صریح کفر کا بھی ہے ___ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کا جز ولازم ہیں۔

دلائل کرامیہ ومرجیہ

وہ احادیث جن میں تصدیق یا نفس اقرار کو "ایمان" قرار دیا گیا ہے۔ اور نجات کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً

(۱) من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ۔ (۲) امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللّٰہ۔ فاذا فعلوا ذلک فقد عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام ___

حضرات احناف و متکلمین کی طرف سے دیگر مذاہب کے اصولی جوابات:

زیادہ تر جوابات کا رخ حضرات محدثین کی طرف ہے تاہم ساتھ ساتھ معتزلہ، کرامیہ، مرجیہ اور خارجیہ کا بھی جواب ہو جائے گا۔

نمبرا: ایک نفسِ ایمان ہے اور ایک کمالِ ایمان ہے۔ نفسِ ایمان "تصدیق" ہے اور وہ بسیط ہے۔ تو کمالِ ایمان کیلئے اعمالِ صالحہ ضروری ہیں۔

جیسے ذات انسان اور اس کے اعضاء۔ اگر کسی کے خدانخواستہ اعضا نہ ہوں تو وہ انسان ہے گو ناقص ہے۔ یا جیسے درخت۔ اس کی ذات تو تنا ہے مگر شاخیں، پتے، پھل پھول وغیرہ اجزائے زائدہ ہیں ___ یہی نفسِ ایمان اور کمالِ ایمان کی حقیقت ہے ___ لہٰذا جن آیات میں محلِ ایمان قلب کو قرار دیا گیا ہے وہ نفسِ ایمان کے لحاظ سے ہے۔ اور جن آیات و روایات میں شعب ایمان کا ذکر ہے یا یہ ذکر ہے کہ ایمان کسی مجموعہ کا نام ہے وہ کمالِ ایمان پر محمول ہیں۔ کیونکہ اعمال کمالِ ایمان کا جز ہیں۔

نیز من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر وغیرہ اس طرح کی روایات و احادیث تشدید و تغلیظ پر محمول ہیں ___ یا کفار کے ساتھ تشبیہ پر محمول ہیں۔

رہی آیت مبارکہ: من یقتل مومناً متعمداً اس میں قاتل پر مخلد فی النار کا حکم لگایا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:

۱... یہ کافر کے بارے میں ہے۔ اسلئے کہ کسی مومن کے ایمان کو قبیح سمجھ کر (خدانخواستہ) قتل کرے تو وہ کافر ہی ہوسکتا ہے گویا آیت کافر پر محمول ہے۔

۲... اگر مسلمان مراد ہو تو مستحل پر محمول ہے۔ ۳... زجر و توبیخ پر محمول ہے۔

نمبر۲: ایک نفسِ ایمان ہے اور ایک نورِ ایمان ہے۔ اعمال نورِ ایمان کا جز ہیں نفسِ ایمان کا نہیں۔

نمبر۳: ایک ایمانِ قالی اور ایک ایمانِ حالی ہے ___ ایمانِ قالی نفسِ تصدیق سے متحقق ہوتا ہے ___ مگر ایمانِ حالی معصیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ نہ ہی بغیر اعمال کے متحقق ہوتا ہے ___ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ___ میں یہی مراد ہے کہ معصیت کے وقت حالتِ ایمانی نہیں رہتی۔

نمبر۴: ایک نفسِ ایمان ہے اور ایک قوۃِ ایمان ہے۔ نفسِ ایمان تو محض تصدیق سے حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ قوۃِ ایمان اعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ تو لا ایمان لمن لا امانۃ لہ اور ایسی دیگر روایات میں قوۃِ ایمان کی نفی ہے۔

نمبر۵: ایمان کی دو اقسام ہیں۔ ایک ایمان منجی مطلقاً اس کو ایمانِ نظری بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا ایمانِ منجی اولاً۔ اس کی تعبیر ثانی اس طرح ہے: کہ دخولِ جنت دو قسم پر ہے۔ ۱: دخولِ اولی۔ ۲: دخولِ مطلق۔ یعنی سزا بھگت کر دخولِ جنت ہو یا بغیر سزا کے فضل خداوندی سے دخولِ جنت ہو جائے۔ جن آیات و روایات میں بغیر عمل کے دخولِ جنت کا ذکر ہے۔ ان سے مطلق دخولِ جنت مراد ہے۔ اور جن میں اعمال کی شرط ہے وہاں دخولِ اولی مراد ہے۔ تو اعمال دخولِ اولی کیلئے شرط اور جز ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اصل جواب ایک ہی ہے گو تعبیرات کا اختلاف ہے۔ جس کا ایمان کامل ہو گیا اس کو نورِ ایمان، قوۃِ ایمان،

حلاوۃِ ایمان اور دخولِ اولی بھی حاصل ہو گیا ـــــ حضرات حنفیہ کی طرف سے اس وضاحتی تشریح کے بعد کوئی آیت وروایت باہم متعارض نہیں۔ ہر ایک کا محمل متعین ہو گیا ـــــ اور حضرت امام اعظمؒ کا مذہب کسی آیت وروایت کے خلاف بھی نہ رہا۔

اعمال ایمان کا جز ہیں یا نہیں؟

اس پر دو مسئلے متفرع ہوتے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: ایمان بسیط ہے یا مرکب ہے۔ جو جزئیتِ اعمال کے قائل ہیں وہ مرکب تسلیم کرتے ہیں اور حضرت امامؒ فرماتے ہیں بسیط ہے ـــــ (دلائل وجوابات گذر چکے ہیں۔)

مسئلہ ثانیہ: ایمان میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

اہل سنت والجماعت کے اس بارے میں تین مسلک ہیں:-

(۱) حضرت امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور محدثینؒ اس کے قائل ہیں: یزید وینقص۔

(۲) حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں یزید ولا ینقص۔

(۳) حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں: لا یزید ولا ینقص۔

دلائل محدثین کرامؒ (۱) امام بخاریؒ چونکہ جمہور محدثینؒ کے ساتھ ہیں اس لئے الایمان یزید وینقص کے دلائل دے رہے ہیں جو بخاری شریف میں موجود ہیں۔

دلائل امام مالک: فرماتے ہیں کہ تمام آیات وروایات جو جمہور محدثینؒ ذکر فرماتے ہیں ان سب میں الایمان یزید کا ذکر تو ہے لیکن ینقص کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے زیادتی کمی آپس میں متقابلین ہیں۔ پہلے کمی تھی تو زیادتی ثابت ہوئی۔

حضرات احناف کی طرف سے جوابات

جواب ۱: یہ کمی بیشی نفسِ ایمان کے لحاظ سے نہیں بلکہ "مومن بہ" کے لحاظ سے ہے۔ مثلاً پہلے دس آیات پر ایمان تھا پھر دس آیات مزید نازل ہوگئیں تو ایمان میں اضافہ ہوگا ـــــ مگر اس توجیہ کے ساتھ ایمان کی زیادتی آپ ﷺ کے دورِ وحی کے ساتھ خاص ہو جائے گی۔

جواب ۲: ایمان منجی مطلق میں کمی بیشی نہیں ہوا کرتی تاہم وہ ایمان جو جنت میں دخولِ اولی کا سبب ہے یعنی کامل ایمان اس میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے۔

جواب ۳: درجات تصدیق دو ہیں۔ ۱: نفسِ تصدیق۔ ۲: کیفیتِ تصدیق۔ نفسِ تصدیق کے اعتبار سے الایمان لا یزید ولا ینقص ـــــ اور کیفیتِ تصدیق کے لحاظ سے الایمان یزید وینقص۔ جیسے زیرو کا بلب اور ۱۰۰ واٹ کا بلب نفسِ ضوء میں برابر ہیں مگر کیفیتِ ضوء میں فرق ہے۔

فائدہ ۱: دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ میرے استاذ حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ کبھی شریعت کسی لفظ کو لیکر اس کے لغوی معنیٰ برقرار رکھ کر اپنی علاحدہ اصطلاح مقرر کرتی ہے اور الفاظ کو نئے معنیٰ میں استعمال کرتی ہے جیسے صلوٰۃ و زکوٰۃ اور حج، اور کبھی لفظ کو لغوی معنیٰ ہی میں رکھ کر استعمال کرتی ہے کوئی علیحدہ معنیٰ مقرر نہیں کرتی پس جہاں کوئی مضبوط دلیل ہو کہ شریعت نے لفظ کو نئے معنیٰ میں استعمال کیا ہے وہاں وہی معنیٰ مراد ہوں گے۔ جہاں ایسی کوئی دلیل نہ ہو وہاں لغوی معنیٰ ہی مراد ہوں گے۔ لفظ ایمان کے شریعت نے کوئی نیا معنیٰ مقرر نہیں فرمایا لہٰذا قرآن و حدیث میں جہاں بھی ایمان کا ذکر آیا ہے اس کے لغوی معنیٰ ہی مراد ہوں گے اور ایمان کا لغوی معنیٰ، ،تصدیق،، کسی کو تکذیب سے مامون کر دینا اور یہ قلب کا فعل ہے اور بسیط ہے لہٰذا ایمان کا بسیط ہونا ثابت ہوا۔ (تحفۃ القاری 190/1)

فائدہ ۲: حضرات فقہاء احناف کا مسلک حقیقتِ ایمان میں ظاہر آیات قرآنیہ کے زیادہ موافق ہے کہ ایمان بسیط ہے جو حنفیہ کے اصول کے مطابق ہے کہ کسی بھی مسئلہ کے بارے میں اولین ترجیح قرآن کریم کو ہوگی اور بالمقابل روایات کی تاویل و توجیہ ہوگی۔ . جبکہ جمہور محدثین کا مسلک ظاہر احادیث کے زیادہ موافق ہے کہ ایمان مرکب ہے۔ . حنفیہ کی طرف سے تطبیق و جوابات گذر چکے۔

فائدہ ۳: ایمان و کفر باہم نقیض ہیں، جب کفر میں ترکیب نہیں ہو سکتی تو ایمان میں بھی ترکیب نہیں ہونی چاہئے ـــــ البتہ دونوں میں درجات ہیں کما قال تعالیٰ: اولٓئک ھم الکفرۃ الفجرۃ کافر فقط نہیں بلکہ یہاں کفر مع الفجور ہے ـــــ

محل ایمان کیا ہے؟

امام شافعیؒ کے نزدیک محلِ ایمان "دل" ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک محل ایمان "دماغ" ہے۔ (فیض الباری)

ایمانیات کی مباحث میں احناف کی طرف سے جتنے دلائل ذکر کئے گئے ہیں وہ اسی بات کی طرف مشعر ہیں کہ محل ایمان "قلب" ہے کتب فی قلوبھم الایمانَ، لما یدخل الایمان فی قلوبکم، و زینہ فی قلوبکم، و قلبہ مطمئن بالایمان ـــــ نیز من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان و غیر ذلک۔ الغرض آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ جن کو ہم نے "تصدیق فی القلب" کیلئے مستدل بنایا ہے وہ ایمان کو مستقر فی القلب قرار دے رہی ہیں۔

اسی لئے صاحب فیض الباری نے مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا: حضرت امام اعظمؒ کی طرف یہ منسوب قول مجمع البحار میں تو ہے دیگر قدیم کتب اس کی تائید نہیں کرتیں ـــــ جبکہ کتاب الجنائز ہدایہ میں یہ قول امام اعظمؒ کا نقل کیا گیا ہے:

"امام میت کی محاذاتِ صدر میں کھڑا ہو کہ وہ محل ایمان ہے۔" ـــــ

اس لئے احناف کی طرف منسوب اس قول کو معتبر قرار دینا کہ محل ایمان دماغ ہے مشکل ہے اور مستدلات اس کی تائید نہیں کرتے ـــــ

نیز اس پر سوال ہے کہ رفع عقل کی صورت میں جو دماغ میں ہوتی ہے رفع ایمان کو بھی تسلیم کیا جائے گا یا نہیں ـــــ ؟

ظاہر ہے رفع احکام تو مجنون اور بے عقل کیلئے ہے مگر رفع ایمان نہیں ہے۔ اس لئے مجنون کے انتقال کے بعد اس پر وہ احکام جاری ہوتے ہیں جو صحیح العقل مومن پر جاری ہوتے ہیں۔ نماز جنازہ، غسل، اور مقابر المسلمین کے قبرستان میں تدفین، اجرائے

وراثت وغیرہ، گویا اس کو مومن شمار کیا جارہا ہے اگر ایمان کا تعلق دماغی عقل سے تھا تو وہ نہیں تھی ــــــ لیکن اگر کوئی کافر (مرتد) ہوجائے تو یہ احکام جاری نہیں ہوں گے۔ اگرچہ وہ عقلمند ہو۔

ــــــ امام شافعیؒ و جمہور محدثینؒ چونکہ ترکیب ایمان کے قائل ہیں اور مستقلاً اعمال اعضاء وارکان کو افراد و اجزاء ایمان مانتے ہیں ــــــ ان کے نزدیک محل ایمان دماغ ہو اور اشرف و اعظم عضو کی وجہ سے وہ دماغ کی طرف نسبت فرمائیں تو بات اقرب الی الفہم ہے۔ مگر احناف کی طرف قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔

چنانچہ کافر کی نابالغ اولاد بہر حال عقل و تمیز (اتنی جس کو ہم تحمل روایت کے لئے قابل قبول قرار دیتے ہیں۔) رکھتی ہے اس کا انجام مدارِ عقل نہیں ٹھہراتے۔ کچھ حضرات تبعیت والدین قرار دیتے ہیں جبکہ ایک بہت بڑا طبقہ بہر حال اس پر متفق ہے کہ خلود نار نہ ہوتے ہوئے اعراف یا غلامانہ خدمات کے طور پر جنت میں ان کا دخول ہوگا۔ جس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ عقل محض مدارِ ایمان نہیں ہے۔ انجام کا تعلق محل قلب سے ہے یہ اس پر دال ہے۔

نیز یہ بات محل نظر ہے کہ "بے عقل کافر" کو دعوت ایمان دی جائے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کا انجام آخرت کیا ہوگا؟

مسند امام اعظمؒ میں ایک روایت موجود ہے کہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک باندی کو اپنی بکریوں کی پال پرورش کیلئے رکھا ہوا تھا، بکریاں موٹی تازہ ہوگئیں ــــــ ایک دن بھیڑیا آیا اور ایک بکری کا نقصان کرگیا ــــــ عبداللہ بن رواحہؓ آئے، اس سے دریافت فرمایا:

اس نے بتایا کہ وہ تو بھیڑیا "اچک کر" لے گیا ــــــ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فوری کاروائی کی اور ایک طمانچہ رسید کردیا۔

ــــــ فلطمها ثم ندم علی ذلک ــــــ

اپنی ندامت قلب کے ازالہ کیلئے آپ ﷺ خدمت میں سرگذشت عرض کی:

فعظمه النبی ﷺ ــــــ آپ ﷺ نے اس بات کو غیر معمولی اہمیت دی اور فرمایا:

ضربت وجه مومنة

تم نے مومنہ کے چہرے پہ مارا۔ خیال کیا ہوتا ــــــ! حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا:

سوداء (حبشية) لا علم لها ــــــ اس کو اتنا شعور و عقل نہیں کہ وہ ایمان کی نزاکتوں کو جانتی ہو ــــــ (نفی ایمان کو علم و شعور اور عقلی پیمانہ کے ساتھ جوڑا)

آپ نے اس لونڈی کو بلوایا، دریافت فرمایا: این اللہ فقالت فی السماء۔

قال فمن انا ــــــ؟ قالت رسول اللہ۔ قال انها مومنة۔

پھر ارشاد فرمایا فاعتقها ــــــ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اسے آزاد فرمادیا۔ (بطور کفارہ) ــــــ

روایت بالا سے بہر حال اتنی بات سامنے آتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اس باندی سے نفی ایمان علم وعقل کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔ مگر رسول اللہ معیار علم وعقل کی بجائے قلبی استشہاد کے حوالہ سے اسے مومنہ قرار دیکر غلامی سے نجات دلارہے ہیں ـــــ ورنہ عقلی طور پر این اللہ کے جواب میں فی السمآء کہا جائے تو اس پر اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جہت آسمانی میں مقید کرکے توحید پر ضرب کاری لگاری ہے، یہ بات قابل قبول نہ ہو۔ اس لئے غیر عاقل کافر تفصیلات کی بجائے اگر اتنا اجمالی اشارہ وقول کا اظہار کردے اس کے مومن ہونے کے لئے کفایت ہونی چاہیے۔

نیز جو بچہ آج کافر کے گھر پیدا ہوا ہے ایک طویل بے شعوری دور گذارتا ہے جس میں وہ ''پھول اور شعلہ'' کے امتحان میں امتیاز نہیں رکھتا اور گلاب کی حقیقت بلکہ ظاہر تک اس کی عقل رسائی نہیں رکھتی بلوغ کو پہنچنے سے قبل اگر دنیا سے چلا جائے، کیا یہ انجام کار جہنم میں جائے گا ـــــ؟ یہاں بھی مذہب تبعیت سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو اعتبارِ عقل کی نفی ہے کہ دخول نار بہر حال نہ ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل ایمان عقل نہیں ہے ـــــ بلکہ جب محل (عقل) ہی نہیں اس میں، آنے والی چیز کے بارے میں سوال کرنا کہ وہ یہاں ہوتی ہے یا نہیں خود غیر معقول ہے۔

فطرت انسانی اور حقیقت ایمانیہ کافر و مسلم کی تخلیق کے وقت سے یکساں قرار دی گئی ہے۔ بعد از تخلیق صورت حال بدل جائے تو اس کا تعلق ابتدائے خلق سے ہٹ جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تخلیق انسانی کی ابتداء تو قلب سے ہے چنانچہ ڈاکٹرز کہتے ہیں سب سے اول تخلیق قلب اور چھٹے ہفتے حرکتِ قلب اولاً دل سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے نکتۂ اول ہی سے فطرت ایمانیہ وانسانیہ (معرفت خداوندی) برابر چلے گی ـــــ تو سمجھ آتا ہے کہ محل ایمان قلب ہو ـــــ اور اگر اس کو تخلیق دماغ (جو بہر حال قلب سے بعد میں ہوگی۔) تک مؤخر رکھا جائے بلکہ دنیا میں کامل وجود ابتداءِ شعور اور تکلیفِ احکام کے دور تک مؤخر رکھا جائے تو یہ تخلیق انسانیت بلا فطرت (ایمانیہ) سے بعید معلوم ہوتا ہے جبکہ فطرت ایمانی کے حوالہ سے ہم اجرائے احکام کرتے ہیں ـــــ مثلاً دخول جنت یا دخول اعراف وغیرہ تو کیسے کہہ دیا جائے کہ محل ایمان عقل یا دماغ ہے ـــــ؟

احکام کا تعلق اہل ایمان سے ہے ـــــ لیکن اصول ایمان کا تعلق عقل کو مخاطب کرنے کے علاوہ نہیں ـــــ لیکن اسی عقل کی فہمائش کے ذریعہ قلب کو متوجہ الی الایمان کیا جائے گا۔ گویا عقل خادمانہ حیثیت تو رکھتی ہے مگر محل ایمان نہیں ہے۔ خادم ومخدوم کا فرق بہت واضح ہے۔ چنانچہ کفر جحود وعناد کی بنیاد یہی ہے کہ قلب تسلیم کرتا ہے مگر عقل کہتی ہے عرب کی بوڑھیاں کیا کہیں گے اس لئے فیصلہ میں عقل نے ٹھوکر کھائی

اخعرت النار علی العار کا فیصلہ کیا۔

خواجہ ابوطالب کا کفر کفرِ عناد ہے کفر جحود نہیں۔ دل میں عظمتِ رسالت کا ہونا دلیل ہے کہ محل ایمان تو قلب ہے مگر عقل نے روکے رکھا اور تسلیم قلب کا ظہور نہ ہوا ـــــ جس سے معلوم ہوتا ہے محل ایمان بہر حال قلب ہے ـــــ ورنہ کفر جحود کی کوئی صورت نہیں جو اقسامِ کفر میں معتبر مانی جاتی ہے ـــــ

عجیب تر بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنا مرکزِ محنت قلب انسانی بنایا ہے۔ جبکہ فلاسفہ نے دماغ انسانی۔ اس کے نتیجہ میں اہل قلوب باہمی تصدیق کے ساتھ لا نفرق بین احد من رسله ونحن له مسلمون کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں جس میں اتحادِ انسانیت ہے ـــــ اور فلاسفہ باہمی طور پر "تکذیب" کرتے نظر آتے ہیں جس میں تفریق انسانیت ہے جس سے "نبوت کی قلب" کے ساتھ وابستگی معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ کفار کے قلب کے فیصلے ہی ہوتے ہیں جن کے تحت کفار کو انبیاء علیہم السلام بھی "مجنون" اور عقل سے عاری نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ مشکل نہیں رہ جاتا کہ ایمان کا محل قلب ہو سکتا ہے ـــــ عقل انتظامی امور کے تحت برائی سے رک جاتی ہے یا روکنے کو کہتی ہے ـــــ مگر جہاں انتظامی رکاوٹ اٹھی انسان جرم کا ارتکاب کر گذرتا ہے۔ البتہ ایمانی اقدار قلب میں راسخ ہو چکی ہوں وہاں برائی کے اسباب کے باوجود اور اہل انتظام وقانون کی دعوتِ گناہ کے باوجود برائی کی طرف مائل نہ ہونے میں جذبہ ایمانی ـــ جس کا محل قلب ہے ـــ اثر انداز ہوتا ہے۔

مجدد الملت حکیم الامت حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی تھانوی کا ایک سادہ ملفوظ ہے شاید اس سے مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہو ـــ فرماتے ہیں: میں طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھتا ہوں ـــــ

طبیعت کا محل کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ عقل کا محل کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ شریعت وایمان کا محل کیا اس کے تقاضے کیا ہیں؟ شاید ملفوظ کے آئینہ میں اس کا ادراک ہو سکے ـــــ

مجھ کو یارب زمانے کی شہرت نہ دے ــــ اور نہ مجھ کو کوئی بھی دَھن چاہیے
تیرے محبوب کی خاکِ پا سر پہ ہو ــــ بس مجھے ایسا "دیوانہ پن" چاہیے

یہ "دیوانہ پن" بعد از "ایمان" نصیب ہوتا ہے کفر کے دور اور اسلامی دور میں فرق ایمان کا ہوتا ہے ورنہ عقل کفر کے دور میں بھی ہوتی ہے ـــــ اسی لئے عقل کے عدم استعمال کی وجہ سے کفار مخلد فی النار ہوں گے۔

قرآن وحدیث میں "اقفالِ قلوب" کا ذکر بطور مذمت کیا گیا۔ ایک مقام پر تدبر فی القرآن اور قلوبِ اقفال کو بطور تقابل لایا گیا، یہ بات واضح ہے کہ تدبر کا مقام دماغ ہے اس تدبر کے ذریعہ گویا اقفالِ قلوب کو کھولنے کی سعی کا حکم ہے، جس سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ محل ایمان قلب ہی ہے۔

ادعیہ ماثورہ میں یہ دعاء نبوی ﷺ تصریح کے ساتھ واضح کرتی ہے کہ محل ایمان قلب ہے ـــــ اس لئے کہ اس کے بعد طاعت خداوندی اور طاعتِ رسول اللہ ﷺ مانگا گیا ہے ظاہر ہے یہ اطاعت گذاری ایمان ہونے پر ہی مرتب ہوتی ہے۔

چنانچہ وہ مبارک دعا یہ ہے: اللهم افتح اقفال قلوبنا بذكرك وارزقنا طاعتك وطاعة رسولك ـــــ

اصطلاحی الفاظ کو چھوڑ کر کیا سادہ سی تعبیر ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ــــ میں جان گیا بس تیری پہچان یہی ہے۔

(والحمد للہ علی ذلک)

01باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی الاسلام علی خمس الخ

بَابُ الْإِيمَانِ وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ وَهُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ وَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ} {وَزِدْنَاهُمْ هُدًى} {وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى} {وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ} {وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا} وَقَوْلُهُ {أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا} وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ {فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا} وَقَوْلُهُ تَعَالَى {وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا} وَالْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ مِنَ الْإِيمَانِ وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ إِنَّ لِلْإِيمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُودًا وَسُنَنًا فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ وَمَنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْإِيمَانَ فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتَّى تَعْمَلُوا بِهَا وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلَى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيصٍ.

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ {وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي} وَقَالَ مُعَاذٌ اجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ الْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ {شَرَعَ لَكُمْ} أَوْصَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ وَإِيَّاهُ دِينًا وَاحِدًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ {شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا} سَبِيلًا وَسُنَّةً

یہ باب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بیان میں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

اور ایمان قول اور فعل کو کہتے ہیں اور ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ فتح) میں فرمایا (ان کے پہلے) ایمان کے ساتھ اور ایمان زیادہ ہوا۔ (سورہ کہف) میں ہے "ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی"۔ اور (سورہ مریم میں ہے) "جو لوگ سیدھی راہ پر ہیں ان کو اللہ اور زیادہ ہدایت دیتا ہے"۔ اور (سورہ قتال) میں فرمایا ہے "جو لوگ سیدھی راہ پر ہیں ان کو اللہ نے اور زیادہ ہدایت دی اور ان کو پرہیزگاری عطاء فرمائی"۔ اور (سورہ مدثر میں) فرمایا "جو لوگ ایمان دار ہیں ان کا ایمان اور زیادہ ہوا"۔ اور (سورۃ براءۃ میں ہے)

"اس سورۃ نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا؟ جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان بڑھایا"۔ اور (سورۃ آل عمران میں فرمایا) "لوگوں نے مسلمانوں سے کہا تم کافروں سے ڈرتے رہنا تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا"۔ اور (سورۃ احزاب میں فرمایا) "ان کا کچھ نہیں بڑھا مگر ایمان اور اطاعت"۔

(اور حدیث کی رو سے) اللہ کی راہ میں محبت رکھنا اور اللہ کی راہ میں دشمنی رکھنا ایمان میں داخل ہے۔ اور عمر بن عبد العزیز نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان میں فرائض، عقیدے، حرام باتیں اور مستحب و مسنون باتیں ہیں پھر جو کوئی ان کو پورا ادا کرے اس نے اپنا ایمان پورا کر لیا اور جو کوئی ان کو پورا ادا نہ کرے اس نے اپنا ایمان پورا نہیں کیا۔

اگر میں جیتا رہا تو ان سب باتوں کو ان پر عمل کرنے کے لئے تم سے بیان کردوں گا اور اگر میں مر گیا تو میں تمہاری صحبت میں رہنے پر حریص نہیں ہوں۔ اور ابراہیمؑ نے کہا: لیکن میں چاہتا ہوں میرے دل کو تسلی ہو جائے۔ اور معاذ نے (اسود بن ہلال) سے کہا: ہمارے پاس بیٹھ ایک گھڑی ایمان کی باتیں کریں۔

ابن مسعودؓ نے کہا: یقین پورا ایمان ہے۔ اور ابن عمرؓ نے کہا: بندہ تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس بات کو چھوڑ نہ دے جو دل میں چبھے۔ اور مجاہد نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں (اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا) "ہم نے تجھ کو اے محمد! اور نوح کو ایک ہی دین کا حکم دیا"۔ اور ابن عباسؓ نے کہا (اس آیت کی تفسیر میں) "شرعۃ ومنہاجا" یعنی راستہ اور طریقہ اور (سورۃ فرقان کی اس آیت کی تفسیر میں کہا:) "دعاؤکم یعنی ایمانکم

ترجمۃ الباب کی غرض:

کتاب الایمان میں اکثر ابواب میں مرجئہ کی تردید ہے بعض میں خوارج و معتزلہ کا ابطال بھی ہے۔ اس مسئلے میں بھی دو فرقے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ مرجئہ کی تردید میں زیادہ توجہ اس لئے ہے کہ ان کی تفریط کا مفسدہ معتزلہ وغیرہ کے مفسدہ سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے تمام اعمال شرعیہ کو غیر ضروری اور گویا فضول بنا دیا ہے۔ (درس بخاری 169)

(۱) حضرت امام بخاریؒ کا مقصود اس باب سے "ترکیب ایمان" ثابت کرنا ہے۔ (۲) نیز مرجیہ کی تردید مقصود ہے۔ جو محض تصدیق کا نام ایمان رکھتے ہیں۔ (۳) بعض حضرات کہتے ہیں حضرت امام اعظمؒ کی تردید مقصود ہے۔ کیونکہ وہ صرف "تصدیق قلبی" کو ایمان کہتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام اعظمؒ کا اختلاف صرف تعبیر و عنوان میں ہے۔ معنون میں نہیں۔

بنی الاسلام علی خمس:

یہ حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس حدیث میں اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے خیمہ کے پانچ ستون ہوتے ہیں ایسے ہی اسلام کے بھی پانچ ستون ہیں۔ ایک درمیان میں اور چار کونوں میں۔ پھر جس طرح "بنا" کے اجزا ہوتے ہیں۔ اس طرح اسلامی بنا کے بھی اجزا ہیں۔ تو تشبیہ کی وجہ سے ترکیب اسلام ثابت ہوئی۔

یہ تشبیہ و استعارہ بالکنایہ کے قبیل سے ہے جس میں مشبہ بہ محذوف ہوتا ہے اور مشبہ بہ کے لوازم کو ذکر کیا جاتا ہے۔

یہاں پر بھی مکان اور خیمہ مشبہ بہ محذوف ہے اور اس کے لوازم ستون مذکور ہیں۔ اور اس کے ملائم و مناسب کو ذکر کرنا استعارہ ترشیحیہ ہے تو بنا کا ذکر بطور ترشیحیہ کے ہے۔ ہر مکان کے اندر دیواروں اور ستونوں کا ہونا ضروری ہے پھر پورے مکان کی بنا اس کی ایک اساس اور بنیاد ہوتی ہے۔ اسی طرح شہادت اساس و بنیاد ہے باقی امور ار بعہ دیواریں اور ستون اور چھتیں ہیں۔ (درس بخاری 179)

سوال: اس حدیث سے اجزاء اسلام صرف پانچ معلوم ہوتے ہیں حالانکہ روایات سے اور بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں سبع وسبعون (۷۷) کا لفظ ہے۔ یہ تعارض ہوا؟

جواب ۱: خمس کے ذکر سے تحدید مقصود نہیں بلکہ صرف ترکیب اسلام ثابت کرنا ہے۔
جواب ۲: اس جگہ ان اجزاء کا ذکر مقصود ہے جو مہتم بالشان ہیں۔
سوال: امام بخاریؒ کا حدیث الباب سے ترکیب ایمان ثابت کرنا مقصود ہے۔ جبکہ حدیث مذکور بنی الاسلام علی خمس ہے۔ بنی الایمان تو نہیں ہے۔ تو حدیث باب کے موافق نہ ہوئی؟
جواب: امام بخاریؒ کی اصطلاح میں ''ایمان' اسلام وہدایت، تقویٰ، دین اور برو غیرہ سب شیء واحد ہیں۔ تو بنی الاسلام کا معنیٰ بنی الایمان ہوگا ـــــ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس باب میں آئندہ آنے والی روایات میں حضرت امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ یہ سب مصداق کے اعتبار سے متحد ہیں۔ اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے متغایر ہیں ـــــ یہ مراد نہیں ہے کہ ایمان وتقویٰ، ہدایت ودین لغوی معنیٰ ومفہوم کے اعتبار سے مترادف ہیں۔ اس لئے کہ یہ صراحۃً باطل ہے۔
وھو قول و فعل: ھو ضمیر کا مرجع ایمان ہے۔ لیکن اگر اسلام کو بھی مرجع قرار دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ حضرت امام بخاریؒ کے ہاں دونوں مترادف ہیں۔
سوال: وھو قول و فعل'' یہ امام بخاریؒ کا اپنا قول ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ تراجم میں قرآن کریم کی آیت یا الفاظِ حدیث یا قولِ سلف نقل کیا کرتے ہیں۔ اپنا قول ذکر نہیں کرتے۔ یہاں اس اسلوب کے خلاف اپنا قول کیوں نقل کیا ـــــ ؟
جواب: حقیقت میں قولِ سلف ہی نقل کر رہے ہیں۔ لیکن اختصار کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ قولِ سلف ہے۔ وہ قولِ سلف جس کا اختصار کیا گیا ہے یہ ہے: **الایمان ھو اعتقاد و قول و عمل۔**
امام بخاریؒ نے ایک تو اعتقاد کے لفظ کو حذف کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ مشہور ومعروف نیز قطعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے ضروری بھی ہے اور غیر متنازعہ بھی ہے۔ نیز یہ زیر بحث نہیں ہے۔ یعنی تصدیق
نیز قول کا لفظ ذکر فرمایا۔ ظاہری ہو یا باطنی ـــــ اس لئے یہ لفظِ قول اعتقاد کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ قال کی نسبت جب دل کی طرف ہو تو اعتقاد کے معنیٰ میں آتا ہے۔ لہٰذا اعتقاد کا ذکر آ گیا ہے۔
دوسری تبدیلی قولِ سلف میں یہ کی ہے کہ عمل کی جگہ فعل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں حضرت امام بخاریؒ کا مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ''عمل وفعل'' میں کوئی فرق نہیں ہے۔
جبکہ دیگر محدثینؒ ان میں فرق کرتے ہیں ـــــ امام بخاریؒ نے ''قول و فعل'' کہہ کر ایمان کی یا اسلام کی جو بنی الاسلام علی خمس میں ہے تشریح کی ہے۔ اور ترکیب ایمان کو حدیث الباب سے ثابت کیا ہے۔ نیز یہی ترکیب قولِ سلف سے بھی معلوم ہو رہی ہے۔
ترکیب ایمان کو حدیث باب میں سے اس طرح ثابت کیا کہ دھو قول وفعل میں لفظ قول میں شہادتین اور لفظ فعل میں اقامت صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صوم رمضان اور حج مبارک آ گئے۔ یہ چاروں فعل اور شہادتین قول ملکر ایمان کی ترکیب ثابت ہوگی (نیز چار ارد گرد ستون متاثر ہو جائیں تو خیمہ ناقص ہوگا اگر درمیان ہی کا ستون گر جائے تو خیمہ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا)

سوال: ائمہ احناف قولِ سلف "ھو قول و فعل" کے کیوں قائل نہیں؟

جواب: قولِ سلف کی شرح تشریحات کے عنوان سے درج ذیل ہے۔ جو احناف کے خلاف نہیں۔

تشریحات "ھو قول و فعل"

تشریح اول: اجزاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱: اجزاء اصلیہ۔ ۲: اجزاء کمالیہ۔ اجزاء اصلیہ وہ ہوتے ہیں جو شیء کیلئے مقوّم ہوں اور ان کے فوت ہوجانے سے "شیئ" فوت ہوجاتی ہو۔

۲: اجزائے کمالیہ وہ ہیں جن کے فوت ہوجانے سے شیء فوت نہ ہو۔ یہاں کمالِ ایمان کے اجزاء ہیں۔ اجزائے اصلیہ نہیں ہیں۔

تشریح ثانی: اجزاء دو قسم پر ہیں۔ ۱: اجزاء حقیقی، ۲: اجزاء عرفی۔ اجزاء حقیقی کے فوت ہوجانے سے شیء فوت ہوجاتی ہے۔ جبکہ اجزاء عرفی اس کے برعکس ہیں ___ جمہور کے نزدیک جو اجزاء ہیں ان سے مراد اجزاء عرفی ہیں۔

تشریح ثالث: شیء کی ایک حقیقتِ اصلیہ ہے اور ایک حقیقتِ محسّنہ ہے۔ اجزاء ایمان جو یہاں عند الجمہور ہیں یہ اجزاء اصلیہ نہیں ہیں بلکہ اجزاء محسنہ ہیں۔

تشریح رابع: ایک ہی چیز کے اختلافِ مواطن سے نام بدل جاتے ہیں چنانچہ ایمان دل میں ہو تو تصدیق، زبان پر ہو تو اقرار، اعضاء پر ہو تو اعمال۔ تو یہ اختلاف الاسامی ہے۔

تشریح خامس: قولِ سلف میں بیانِ ترتیب ہے نہ کہ بیانِ ترکیب۔ کہ پہلے ایمان دل میں آتا ہے اسے تصدیق کہتے ہیں پھر اقرار کی صورت میں زبان پر ظاہر ہوتا ہے پھر پھوٹ پھوٹ کر اعضاء پر اعمال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو انسان سجدہ ریز ہوجاتا ہے۔

امام بخاریؒ نے آٹھ آیاتِ مبارکہ "یزید و ینقص" ثابت کرنے کیلئے ذکر فرمائی ہیں ___ اتنی آیات کسی اور مسئلہ میں ذکر نہیں فرمائیں۔ اس مسئلہ پر بڑا زور دیا ___ لیکن یہ آیات احناف کے خلاف اس لئے نہیں ہیں کہ نفسِ تصدیق کی بیشی کی متحمل نہیں ہوسکتی، ان آیات میں جو کمی بیشی ثابت ہوتی ہے وہ ثمراتِ ایمان، حلاوتِ ایمان، تقویتِ ایمان کے لحاظ سے ہے۔

حضرت امام بخاریؒ کی طرف سے مستدلاتِ جمہور کا ذکر اور حضرات احناف کی طرف سے جوابات

دلیل اول: لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم ___ یہاں استدلال تحت اللفظ ہے۔ ایمان کے ہوتے ہوئے ازدیادِ ایمان فرمایا جارہا ہے جس سے الایمان یزید ثابت ہوگیا ___ نیز زیادتی کا کمی سے تقابل ہے۔ تو تقابل کے طور پر یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے الایمان یزید و ینقص۔ یہ اس لئے کہ جس چیز میں بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اس میں قواعدِ فطرت کے تحت کمی کی بھی صلاحیت ہوتی ہے۔ تو تقابل کے طور پر کمی بھی ثابت ہوگئی۔

دلیل اول کا دوسرا طرزِ استدلال: لیزدادوا ایماناً مع ایمانھم ــــ یہ آیت کریمہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ واقعہ کی تفصیل باب المغازی جلد ثانی میں آئے گی ــــ اس موقع پر جب حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی جھوٹی خبر پھیلی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے بیعتِ رضوان لی، جو بیعت علی الموت تھی ــــ صحابہ کرامؓ عمرہ کیلئے آئے تھے۔ جہاد کیلئے نہیں، لیکن پھر بھی جہاد کیلئے غیر معمولی جوش وجذبہ اور جاں نثاری کے ساتھ تیار ہوگئے۔ جبکہ اس وقت کفار سے مقابلہ آسان نہ تھا۔ یہ ان کے کمالِ ایمان کی دلیل تھی ــــ لیکن "صلح حدیبیہ" کے اس پس منظر میں کہ بظاہر شرائط صلح سے دب جانا نظر آرہا تھا جو طبعی جوشِ جہاد کے خلاف تھا ــــ پھر اپنے جذباتِ جہاد کے اظہار کی بجائے آپ ﷺ کی اطاعت میں اپنے جوش کو ٹھنڈا کر دینا یہ ازدیادِ ایمان تھا کہ اپنے جوش جہاد کی بجائے اطاعتِ رسول کو سامنے رکھا۔

فائدہ: اسی لئے فرماتے ہیں کہ لیڈر وقائد صرف وہ نہیں ہوتا جو قوم کو جذبات میں دھکیل دے مگر واپس لانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

دلیل دوم: وزدناھم ھدیً: اس آیت مبارکہ میں ایمان کا لفظ نہیں بلکہ ھدی کا لفظ ہے۔ امام بخاریؒ کا استدلال یہ ہے کہ "ہدایت وایمان" ایک ہی چیز ہے ــــ اس لئے اگر ہدایت میں اضافہ ہوسکتا ہے تو ایمان میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔

جواب: ایمان اور ہدایت ایک چیز نہیں ہیں۔ ہدایت عام ہے جس کے افراد ایمان کے علاوہ اعمال واخلاق بھی ہیں۔ جب کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے جو ہدایت کا ایک فرد ہے ــــ اس لئے اس آیت سے استدلال صحیح نہیں کہ ایمان اور ہدایت ایک ثابت ہوجائے۔ اس لئے کہ ایمان قلبی ہدایت کا ایک فرد ہے۔ ہدایت کا پورا مدلول و مصداق نہیں اس لئے ایک دوسرے پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری محدث دیوبند فرماتے ہیں: ہدایت کو ایمان کے مترادف ثابت کرنے سے یہ نقصان ہوا اعمال واخلاق اس کے دائرے سے نکل گئے۔ تو زیادتی ایمان ثابت ہونے کی بجائے،، کلی ہدایت،، ثابت ہوگئی۔ تو یہ جزء پر کل کا اطلاق ہوگیا۔

(۲) ــــ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ہدایت سے مراد ایمان ہے تو اس صورت میں کمل ایمان نور ایمان میں اضافہ مراد ہے۔

دلیل سوم، چہارم: ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدیً: نیز والذین اھتدوا زادھم ھدیً وآتھم تقوٰھم۔

ان دو آیات میں بھی ایمان کا لفظ نہیں بلکہ ہدایت کا لفظ ہے۔ اس کو بھی سابقہ جواب کی روشنی میں حل کیا جائے۔

دلیل پنجم: ویزداد الذین آمنوا ایماناً ــــ کفار کے اس سوال پر کہ جہنم میں کتنے فرشتے مقرر ہیں، آیت شریفہ نازل ہوئی: علیھا تسعۃ عشر، تو انہوں نے تمسخر واستہزا کیا کہ یہ تو بہت تھوڑی تعداد ہے۔ اتنے میں پکڑلوں گا باقی وہ پکڑ لے گا ــــ تاہم ازدیادِ ایمان کی تعبیر یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ عدد معیّن سابقہ کتب میں تھا تا کہ اہل ایمان کو یقین آجائے۔ آپ ﷺ از خود ان کتب کو نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اُمّی تھے ــــ اس کے باوجود یہ بتلانا یہ صدقِ نبوت اور مومنین کے ازدیادِ ایمان کا باعث ہے ــــ تو ازدیادِ ایمان 'نور، تقویت وغیرہ کیفیت کے لحاظ سے ہے۔ کمیت کے اعتبار سے نہیں۔

دلیل ششم: ایکم زادتہ ھذہ ایماناً، فاما الذین آمنوا فزادتھم ایماناً: کفار کا مقولہ تھا نزول آیت کے بعد استہزاء کرتے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟

یہاں بھی کیفیت ازدیاد مراد ہے، کمیت نہیں۔ تو امام بخاریؒ کا استدلال تام نہیں۔

فاخشوھم فزادھم ایماناً:

طرزِ استدلال: غزوۂ احد کی شکست کے بعد ابوسفیان جب مکہ کو جاتے ہوئے راستہ میں ٹھہرا تو افسوس کیا کہ ہم نے مدینہ پر چڑھائی نہ کی، موقع کھودیا۔ واپس جانے کی ہمت تو نہ ہوئی، البتہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کردیا کہ واپس آ کر حملہ کریں گے۔ مسلمان خوف زدہ ہونے کی بجائے جبکہ ستر شہداء احد اور تازہ تازہ زخم خوردہ صحابہؓ تھے۔ اک نئے جذبہ کے ساتھ حمراء الاسد تک پہنچے ـــــ اس جذبہ کو اللہ تعالیٰ نے "فزادھم ایماناً" سے تعبیر کیا ـــــ ابوسفیان پر رعب طاری ہو گیا اور مکہ فرار ہو گیا۔

جوابات حسب سابق ہیں۔ مراد کیفیت ہے کمیت نہیں۔

ومازادھم الا ایماناً و تسلیماً:

غزوۂ احزاب کے موقع پر بے پناہ لشکر دیکھ کر حضرات صحابہ کرامؓ نے گھبرانے کی بجائے یہ بات سامنے رکھی کہ ہمارے ساتھ دخولِ جنت کا وعدہ بالباساء والضراء ہے۔ چنانچہ ان لشکروں کو دیکھ کر وہ مقابلہ کیلئے اور جاں نثاری کیلئے دل وجان سے تیار ہو گئے ان لشکروں کو دیکھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا استحضار ہو گیا اور آپ ﷺ صداقت واضح ہو گئی جو وعدہ تھا وہ مشاہدہ بن کر ظاہر ہو گیا اسی کو اللہ تعالیٰ نے ومازادھم الا ایماناً و تسلیماً ـــــ فرمایا۔

جوابات حسب سابق ہیں۔ زیادتی کیفیت میں ہے نفسِ ایمان اور کمیت میں نہیں ہے وغیر ذلک۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان:

اس جملہ سے امام بخاریؒ نے ترکیبِ ایمان پر استدلال کیا ہے۔ کہ من الایمان میں 'من' تبعیضیہ ہے۔ معنیٰ اللہ کیلئے محبت کرنا اور بغض رکھنا ایمان کا جز ہے ـــــ نیز محبت و بغض کلی مشکک ہیں۔ یہ ایمان کا جز ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جز میں کمی بیشی ہوتی ہے تو کل میں بھی ہوتی ہے۔

جواب ۱: من الایمان میں 'من تبعیضیہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے۔ لہٰذا یہ جزئیت کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہی نہیں ـــــ معنیٰ یہ ہے کہ ان الحب فی اللہ انما یبتدأ من الایمان۔

جواب ۲: بات یہ ہے کہ الحب فی اللہ الخ حضرت امام بخاریؒ کا قول ہے جو حجت نہیں، حدیث تو نہیں، ان الفاظ کے ساتھ روایت کہیں نہیں ہے۔ البتہ ان کا قول اس حدیث سے ماخوذ ہے:

من احب للہ و ابغض للہ فقد استکمل ایمانہ، جب کہ اس حدیث کے پیشِ نظر یہ احناف کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں مکملاتِ ایمان میں سے ہیں حقیقتِ ایمان میں سے نہیں۔ کیونکہ حدیث پاک میں استکمل کا لفظ آیا ہے۔

وکتب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ الی عدی بن عدی الی آخرہ:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عدی بن عدیؒ کی طرف یہ خط لکھا: (یہ عراق کے شہر موصل کے گورنر تھے)

ان للایمان فرائض و شرائع وحدودا۔ الخ

جس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان کے کچھ فرائض بھی ہیں یعنی نماز وغیرہ۔ شرائع سے مراد حلال وحرام یا عقائد۔ اور حدود سے مراد حد شرب خمر وغیرہ یا حد جواز کہ کونسا کام کہاں تک جائز ہے۔ اور کچھ سنن ہیں۔ یعنی آپ ﷺ شریعت پر عمل پیرا ہونے کا طریقہ کیا تھا۔ تو امام بخاریؒ اسی سے استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایمان کو مرکب مانتے ہیں۔

جواب ا: للایمان : میں ایمان پر 'لِ' جارہ داخل ہے۔ اس سے مابعد چیزوں کا ''جزو ایمان'' ہونا لازم نہیں آتا ___ بلکہ ان کا متعلقات ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ جیسے یوں کہا جائے ان لزید دارا و دکاناً و بیتاً و بناتٍ، و زوجۃ ___ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوکان، بیت، بنات، زوجہ وغیرہ زید کا جز ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ یہ زید کے متعلقات میں سے ہیں۔

جواب ۲: حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خط کے آخر میں فقد استکمل الایمان فرمایا۔ اس سے احناف کو موقع دیا حتیٰ کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی فرمادیا: فالمراد انها من المکملات۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ احناف کی تردید نہیں فرمارہے۔ بلکہ مرجیہ جو ضرورت عمل سے بالکلیہ انکاری ہیں۔ ان کی بھرپور تردید فرمارہے ہیں۔

فائدہ: کتب عمر بن عبد العزیز ' الخ۔ یہ تعلیقات بخاری میں سے ہے ___

وقال ابراھیم لیطمئن قلبی:

سوال: قول ابراہیمؑ قرآن کریم میں ہے: اس کو آیات ماسبق کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے تھا؟ آیت قرآنی ہونے کے باوجود الگ سے ذکر کیوں کیا؟

جواب ا: بعض حضرات نے جواب دیا کہ یہ چونکہ حضرات ابراہیمؑ کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں، پچھلی آیات کی طرح، اس لئے الگ سے ذکر فرمایا ___ لیکن یہ جواب صحیح نہیں اس لئے کہ جب وہ آیت قرآنیہ ہے تو کسی کا بھی قول ہو قرآن ہی ہے۔

جواب ۲: آٹھ آیات گذشتہ میں زیادۃ ایمان صراحۃً مذکور تھی۔ اور آیت شریفہ میں زیادتی ایمان استنباطاً معلوم ہوتی تھی اس لئے اس کو الگ سے ذکر فرمایا۔ وجہ فرق بتانا مقصود تھا اور طریق استدلال یوں ہے کہ اطمینان ایک کیفیت ہے جس میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے اسی طرح ایمان میں بھی کمی زیادتی ہوسکتی ہے۔

جوابات حسب سابق ہیں۔

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود کمال ایمان کے جو شان نبوۃ کے مطابق تھا پھر بھی یہ سوال اور درخواست کیوں کی: کیف تحی الموتی؟ اور اللہ تعالیٰ کو اولم تؤمن فرمانا پڑا؟

جواب: علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیمؑ کا یقین اپنے کمال انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اس وجہ سے اس چیز کو دیکھنے کا شوق دامن گیر ہوا تھا ___ تو سبب زیادتی شوق تھا۔ جیسے کسی معتمد کے ذریعہ کسی چیز کا کامل علم ہونے کے باوجود شیء کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوجائے تو اس میں عدم اعتماد نہیں ہوتا بلکہ غلبہ شوق ہوتا ہے۔ کمیت اللہ العظیم۔

قال معاذ رضی اللہ عنہ اجلس بنا نو من ساعۃ (مسند احمد اور مسند ابن ابی شیبہ میں یہ اثر مذکور ہے۔)

حضرت معاذؓ نے اسود بن ہلال المحاربی اپنے شاگرد سے فرمایا: ہمارے پاس بیٹھو ایک گھڑی ایمان کی باتیں کریں۔

طرزِ استدلال: امام بخاریؒ ثابت فرما رہے ہیں کہ حضرت معاذؓ پہلے سے ہی مومن ہیں۔ کچھ ساعت ایمان کا تذکرہ کریں گے اور اس میں ایمان باللہ والرسول کی باتیں کریں گے۔ گویا سابقہ ایمان کے ہوتے ہوئے ذکر باری تعالیٰ ورسولہ سے ایمان میں اضافہ کریں گے۔ اور اس ذکر کو امام بخاریؒ نے ایمان کا جز سمجھ کر ایمان کی ترکیب ثابت کی ہے۔

جواب: کمالِ ایمان، نورِ ایمان، یا تقویتِ ایمان میں اضافہ ہوگا۔ یا دنیوی دھندوں سے کیفیتِ ایمان کی کمی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا ازالہ مقصود ہے، نفسِ ایمان بہر حال بسیط ہے۔

وقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ الیقین الایمان کلہ:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: یقین پورا ایمان ہے ___ امام بخاریؒ نے لفظ کُل سے استدلال کیا ہے۔ لفظ کُل سے ذو اجزاء کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا ایمان ذو اجزاء ہے۔

جواب: کمالِ ایمان ذو اجزاء ہے۔ نفسِ ایمان ذو اجزاء نہیں۔

والیقین الایمان کلہ... اس اثر کا جز اول الصبر نصف الایمان ہے جز اول صریح ہے کہ ایمان متجزی ہے جز ثانی کلہ سے استدلال ہے۔ کل اجزاء کا متقاضی ہے تاہم ترکیب ایمان کے یہ اجزاء تزیینی تحسینی اور کمال ایمان کے ہیں (انعام)

وقال ابن عمر رضی اللہ عنہ لا یبلغ العبد حقیقۃ التقویٰ حتی یدع ما حاک فی الصدر:

یعنی تقویٰ کا صحیح تحقق اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک شک کی اشیاء کو نہ چھوڑے۔

طرزِ استدلال: حضرت امام بخاریؒ کے ہاں ایمان وتقویٰ مترادف ہیں۔ تو تقویٰ کی انتہا بتلائی جا رہی ہے۔ جب انتہا بتلائی جا رہی ہے تو اس کے ابتدائی درجات بھی ہوں گے۔ تو یزید و ینقص کا ثبوت ہو گیا۔

جواب: کمالِ ایمان میں ینقص و یزید ہے نفسِ ایمان میں نہیں۔

وقال مجاهد: شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً الخ

حضرت مجاہدؒ مشہور تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے شاگردِ خاص ہیں ___ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسا دین مقرر فرمایا ہے جس کی وصیت حضرت نوحؑ کو کی تھی ___ او صیناک یا محمد۔ اے محمد: صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اور ان (نوحؑ) کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی۔ دونوں کا دین ایک تھا ___

طرزِ استدلال حضرت امام بخاریؒ: دینِ محمدی اور دینِ حضرت نوحؑ ایک ہی دین ہے۔ تاہم احکام وشرائع کا فرق کمی بیشی کے ساتھ ہے ___ اس کے باوجود فرمایا 'دونوں کا دین ایک ہے۔' (شوریٰ) جبکہ دین وایمان عند البخاریؒ مترادف

ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ایمان زیادتی وکمی کو قبول کرتا ہے۔

جواب: ایمان منجی اور نفسِ ایمان ایک ہی ہے۔آیت سے اور حضرت مجاہدؒ کی تفسیر سے بھی یہی معلوم ہورہا ہے۔گویا یہ تفسیر حنفیہ کی ہی تائید کررہی ہے کہ اصل ایمان مرکب نہیں ہے۔احکام کی کمی بیشی سے ایمان کی کمی بیشی ثابت کرنا استدلال بعید ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ عنہ شرعۃ ومنھاجاً ___ سبیلاً وسنۃً

شِرعۃ بڑے راستے کو اور منہاج چھوٹے راستے کو کہتے ہیں۔یہاں لف ونشر غیر مرتب ہے۔سبیلاً منہاج کی تفسیر اور سنۃ شرعۃ کی تفسیر ہے۔

قال ابن عباس۔۔۔حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد سے احکام شرعیہ کی طرف اشارہ ہے، دین سب کا ایک ہے اگرچہ شرائع الگ الگ ہیں اور احکام میں کمی بیشی ہے۔۔۔ان دونوں باتوں سے یہ مطلب نکلا کہ دین ایک ہے اور دین وایمان عند البخاری ایک ہی چیز ہے تو ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔

جواب یہ ہے کہ نفسِ ایمان ایک ہی ہے شرائع کا فرق بایں طور ہے کہ کسی کے لیے بڑا راستہ ہے کسی کے لیے چھوٹا۔۔تو ترکیب ایمان ثابت نہ ہوئی

فائدہ: منہاج سے مراد اصول اور شرائع سے مراد فروع ہیں۔یا مطلق احکام وقوانین ہیں۔

دعائکم ایمانکم:

قال تعالیٰ: قل مایعبؤ بکم ربی لولا دعائکم ___ میرا رب تمہاری پرواہ نہیں رکھتا۔اگر تم اس کو نہ پکارو۔

طرزِ استدلال: دعائکم کی تفسیر ایمان سے کی گئی ہے۔ظاہر ہے کہ دعاء ایک عمل ہے۔جب دعاء میں کمی بیشی ہے۔تو ایمان میں بھی کمی بیشی ہوگی۔تو ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔

جواب ۱: دعاء پر ایمان کا اطلاق نہ صرف جائز بلکہ پ۹۱ میں واقع بھی ہے۔تاہم اس سے نفسِ ایمان میں کمی بیشی کا ثابت ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جواب ۲: دعاء پر ایمان کا اطلاق مبالغۃً ہے مقصد یہ ہے کہ دعاء ایمان کے آثار میں سے ہے۔تو یہ اطلاق حقیقۃً نہیں مجازاً ہے۔

لولا دعاؤکم۔۔۔مراد کفار کی پکار ہے۔۔مگر ان اہل کفر میں کچھ لوگ ایمان والے ہیں تو ان کی وجہ سے یا عند البعض تم میں سے کچھ دعا کروالے ہیں (جب کہ دعا میں ذکر ہے) انکی وجہ سے تم ہلاک نہیں ہوئے۔

جبکہ حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں اس دعا سے مراد کفار کی وہ پکار خاص مراد ہے جو ایسے مواقع پر ہوئی جب وہ اپنے معبودان باطلہ سے مایوس ہو کر کیا کرتے تھے۔وظنوا انھم احیط بھم دعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

یہ خالص پکار ہلاکت سے بچاؤ کا ذریعہ ہے (یہ توجیہ پہلی دونوں توجیہات سے بہتر ہے)

امام بخاریؒ کا استدلال بایں طور ہے کہ دعاء کم تفسیر ایمانکم یہ اطلاق الجزء علی الکل ہے لہٰذا ایمان ذو اجزاء ہو کر مرکب ہوگیا۔

جواب یہ ہے دعاء ایمان کے متعلقات میں سے ہے اجزاء میں سے نہیں۔(کشف الباری ص ۶۳۵)

حدیث ۸

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰہِ بْنُ مُوسَى قَالَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

تشریح حدیث

حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ، الخ

اس حدیث کی سند میں یہ خوبی ہے کہ اس میں تحدیث، اخبار، اور عنعنہ تینوں جمع ہیں۔

خیمہ کے پانچ عمود کی طرح اسلام کے بھی پانچ عمود ہیں۔ جو اس حدیث پاک میں مذکور ہیں۔ جس کو اہمیت کی بنا پر لیا گیا۔ ورنہ دیگر احکامات بھی ہیں۔

امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال اور جوابات

اس طرح ہے کہ ان کے ہاں ایمان واسلام مترادف ہیں۔ جب اسلام کے عمود ہیں جن پر بناء اسلام قائم ہے تو وہ عمود اجزائے اسلام ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی اجزا ہیں۔

تو ترکیبِ ایمان ثابت ہوگئی۔ (اسی لئے کتاب الایمان کا عنوان قائم کر کے اس کو دلیل کے طور پر بنی الاسلام علی خمس کی حدیث سے ثابت کر رہے ہیں۔)

جواب ۱: یہ بات قابلِ تسلیم ہی نہیں کہ ایمان واسلام مترادف ہیں۔ ایمان تصدیق قلبی کا نام اور اسلام اقرار لسانی اور التزام ارکان کا نام ہے۔ لہٰذا ترکیب اسلام تو ہوگی کہ اس کے اجزاء ہیں لیکن اس سے ترکیب ایمان ثابت نہیں ہوسکتی۔

جواب ۲: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایمان واسلام مترادف ہیں۔ تو ترادف کی بنا پر ایمان کے بھی اجزا ثابت ہو گئے۔ تو اجزاء کمالِ ایمان کے ہوں گے نفسِ ایمان کے نہیں ہوں گے۔

سوال: اس حدیث میں صرف ان پانچ اہم الفرائض کی تخصیص کیوں فرمائی؟

جواب: اعمال دو حال سے خالی نہیں۔ قولی ہوں گے یا فعلی۔ شہادتین قولی ہیں۔ اور فعلی تین قسم پر ہیں۔ بدنی، مالی، مرکب منہما۔ اعمالِ بدنیہ نماز و روزہ، اعمالِ مالی: زکوٰۃ۔ مرکب منہما: حج مبارک۔

جواب ۲: بعض نے اس کو اس طور پر بیان کیا ہے کہ اعمال قولی ہوں گے یا فعلی۔ قولی شہادتین ہیں۔ فعلی دو قسم پر

ہیں۔ایک وہ جن میں حاکمیت کی شان ہے۔جیسے نماز اور زکوۃ۔اور ایک وہ جن میں شانِ محبوبیت ہے جیسے روزہ اور حج مبارک۔

فائدہ: اسی شانِ حاکمیت کی وجہ سے قرآن کریم میں ''نماز اور زکوۃ'' کو اکھٹے ذکر کیا گیا ہے۔ورنہ تو نماز بدنی عبادت ہے،زکوۃ مالی عبادت ہے۔

فائدہ نمبر ۲: حدیث باب میں حج کا پہلے اور صوم رمضان کا بعد میں ذکر ہے... یہاں روایت بالمعنی یا سہو راوی ہے ورنہ اصل ترتیب روایت میں صوم رمضان پہلے اور حج بعد میں ہے.. چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں اسی طرح ہے اسی کو راجح قرار دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے شاگرد کو فرمایا صوم کو مقدم اور حج کو بعد میں پڑھو ھکذا اسمعت من رسول اللہ ﷺ

نیز ترتیب طبعی کا تقاضا یہی ہے کہ فرضیت صوم ۲ھ اور حج کی فرضیت ۹ھ میں ہے...اس لیے ذکر میں یہی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔(دلیل القاری ص ۱۱۷)

عند البخاریؒ ایمان اور اس کے مترادفات پر ایک نظر

حضرت امام بخاریؒ نے ''ترکیب ایمان'' ثابت کرنے کیلئے دین، اسلام، ہدیت، تقویٰ، یقین، حب فی اللہ وغیرہ ان تمام امور کو مصداق کے لحاظ سے ایمان کے متحد مانا اور ایمان کی ترکیب ثابت کی ____

اگرچہ احناف کی طرف سے تحسین وتزیین، اجزائے مقوّم، اجزائے عرفی اور اجزائے حقیقی نیز ایمان کی نفسِ کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے درجۂ حقیقی اور درجۂ ترکیب کو بالکل واضح کردیا گیا اور مسئلہ بے غبار ہوگیا ____ مگر علمی دنیا میں یہ تعبیر کیسے معتبر ہو کہ کیفیت جو غیر اختیاری ہوتی ہے۔اس پر حب فی اللہ وبغض للہ نیز اطمینانِ قلب اور درجات تقویٰ کی کمی بیشی کی وجہ سے ''ایمان'' کو کم وبیش تسلیم کرلیا جائے ___ جبکہ ایمانِ اختیاری تو صرف درجۂ تصدیق تک ہی ہوسکتا ہے ___ اس لئے کہ لا اکراہ فی الدین سے یہی فرمایا گیا کہ قبولیت ایمان میں دوسرے کا جبر نہ ہو، اپنا اختیار ہو وہ معتبر ہے۔

(۱) چنانچہ دیکھا جائے تو حضرت حنظلہ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کیفیتِ نفاق کا احساس کرکے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گذار ہیں کہ ہمارے اندر تو ایمان نہیں ____ اس لئے کہ مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور گھر کے ماحول میں ''کیفیت'' یکساں نہیں۔

نیز دونوں حضرات قلب میں موجود (تصدیق) ایمان ونفاق میں باہمی تقابل کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل نہیں۔ورنہ پریشانی کی ضرورت نہیں۔اس لئے کہ ترکِ عمل تو دونوں میں نہیں تھا بلکہ اعمال تو ان کے بہت اعلیٰ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولکن یا حنظلہ ساعۃً فساعۃً یہ کیفیت گاہے گاہے از خود ہوتی ہے اختیاری نہیں۔

اس لئے قلب میں نفاق نہیں، ایمان ہے۔جس سے واضح ہوگیا کہ کیفیات کا دخل تصدیق وایمان میں نہیں ہوسکتا۔ورنہ نافق حنظلۃ کو صحیح تسلیم کیا جانا چاہیے۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اثباتِ ایمان فرمارہے ہیں ____ بصورت دیگر مقامِ صدیقیت ومقام صحابیت پر حرف آنے کا اندیشہ ہے۔کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کے نہ ہونے کو نقصِ ایمان سمجھیں اور

پھر اس کو دور نہ فرمائیں۔ جبکہ سیدنا صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء کے منصب پر فائز ہیں۔

(۲) جب وساوس کے سلسلہ میں حضرات صحابہ کرامؓ شاکی ہوئے اور ان کو بدتر سمجھنے کا اظہار فرمایا کہ جل کر کوئلہ ہونا گوارا ہے مگر زبان سے ذکر نہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "اختیاری تصدیق" کے وجود کو مدار ایمان کا فیصلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ذاک صریح الایمان ــــ جس سے کیفیت کے داخل ایمان ہونے کو زوردار طریقے سے رد فرمایا۔

(۳) افراد کی کیفیات کو دیکھ کر مجموعۂ ملت اسلامیہ کیلئے تاابد "ایمان کو مرکب" قرار دینا محل نظر ہونا چاہیے ــــ جبکہ ان افراد کی طرف منسوب جملہ محتمل المعانی بھی ہوسکتا ہے ــ امت کا بلا اختلاف فردیہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ ایک آدمی "تصدیق قلب" کے بعد بلا اقرار و عمل دنیا سے چلا جائے تو وہ ملت اسلامیہ کا فرد ہے اور کامل الایمان ہے اس کے حق میں ترکیب ایمان کا دور تک کوئی تصور نہیں۔

(۴) مقام غور ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام باری تعالیٰ کے ارشاد "اولم تؤمن" کے جواب میں "بلیٰ" فرما رہے ہیں جس سے اثبات ایمان ہوا۔ وہ بسیط ہے یا مرکب؟ ــــ ظاہر ہے بسیط ہے۔ اس لئے کہ اطمینان تو احیاء موتی کے بعد ہوا۔ تو وہ ایمان جو "احیاء موتی" سے پہلے بارگاہ خداوندی میں قابل تسلیم ہے وہ صرف تصدیق ہے۔ اگر اطمینان سے ترکیب ایمان مانی جائے تو احیاء موتی کے دیکھنے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا ناقص الایمان تھے؟

(۵) آیت شریفہ میں ولکن لیطمئن قلبی میں لکن استدراک کیلئے ہے۔ جس کا معنی یہ ہے ایمان اور چیز ہے اور اطمینان قلب اور چیز ہے۔ بلا اطمینان ثابت ہونے والا ایمان بسیط ہے مرکب نہیں۔

(۶) حضرت امام بخاریؒ کے مندرجہ بالا چیزوں کو مصداق کے لحاظ سے ایمان کے مترادفات ماننے کے نتیجہ میں بہت سے سوالات نے سر اٹھا لیا۔ مثلاً ہدایت اور ایمان کو مترادف مانیں تو ہدایت ایمان، اعمال اور اخلاق کے مجموعہ کا جب کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔ تو ایمان کی ترکیب ثابت کرتے کرتے ہم نے ہدایت کے مصداق واقعی سے اعمال اور اخلاق کو خارج کر دیا اور اسے بسیط کر دیا۔ جبکہ ہدایت تین چیزوں سے مرکب تھی۔ تو جو مرکب تھی اسے بسیط کر دیا۔ اس لئے کہ ہم نے بسیط ایمان کو مرکب بنانا تھا۔

(۷) اس ترادف کے ثابت کرنے کیلئے جز کا اطلاق کل پر نیز بلا وجہ حقیقی معنی ترک کر کے مجاز پر محمول کرنے سے جیسے تکلفات میں الجھنا پڑا ــــ اس تناظر میں جب ایمان و اسلام میں ترادف نہیں تو اس کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ ہم ہدایت، تقویٰ، یقین، حب فی اللہ، بغض للہ اور اطمینان وغیرہ کو ایمان کے مترادف مانیں۔

(۸) محل غور ہے حالت کفر اور اس دور کے گناہوں کی معافی میں صرف تصدیق قلبی کا دخل ہے۔ اعمال و اقرار کو نہیں۔ جس سے بالکل عیاں ہے کہ ایمان بسیط ہے۔ اس لئے ایمان (تصدیق) قبول کرتے ہی یھدم ما کان قبلہ کا ظہور ہو جاتا ہے۔ کسی بھی عمل پر یہ وعدہ موقوف نہیں ــــ بلکہ کفر کے دور کی نیکیوں کی قبولیت بھی صرف تصدیق ہی پر وقوع پذیر ہے۔ اعمال و اقرار کا کوئی دخل نہیں ــــ یہاں بعد از ایمان اقرار و اعمال پر مدار نہیں ٹھہرایا گیا۔

(۹) اگر ایمان کی حقیقت میں اعمال کا معتبر ہونا تسلیم کیا جائے تو اولادِ مسلم کا کوئی فرد "قبل از بلوغ" کامل الایمان نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ شرط نہ ہوتو انہیں بھی اس محرومی سے بچایا جاسکتا ہے۔

ناقص سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ تصدیق (ایمان) کو درجۂ عہد و پیمان سمجھا جائے اور یا ایھا الذین امنوا کے اسلوبِ خطاب کے ذریعہ امر پر عمل کیا جائے ــــــ تو دنیا کے تمام "دساتیر" کے زیادہ قرین قیاس ہے۔ نیز شریعت کفار کو اس لئے کسی بھی ادنیٰ ظاہری و باطنی عمل کا حکم و نہی نہیں کرتی کہ کفار میں (تصدیق) عہد و پیمان ہی نہیں ــــــ اس تناظر میں بھی ایمان کو بسیط ہی سمجھنا چاہیے۔ جبکہ اسی ایجابی پہلو کی ضد سلبی پہلو میں بھی ہم کفار میں نفی تصدیق (کفر) کو قابل ملامت سمجھتے ہیں نہ کہ ترکِ صلوٰۃ وزکوٰۃ یعنی اعمال وغیرہ کو۔

نیز بحث "نظریہ ایمان" میں ہے، جو کمی بیشی یا ترکیب کا متحمل نہیں ہوسکتا، نقص وازدیاد کی کیفیت افراد کے ضمن میں پائی جاسکتی ہے ــــــ اس لئے نظریہ کے حوالہ سے جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب مقولہ ایمانی کایمان جبریل کا ذکر آیا تو نظریاتی مساوات جبریل ومیکائیل اور ادنیٰ مومن کے لحاظ سے تبھی ممکن ہے جب اس میں کیفیت کو تسلیم نہ کیا جائے ــــــ ورنہ کہاں کیفیت جبریل علیہ السلام اور کہاں ایک بندۂ بشر عام مومن ــــــ ؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

02باب امور الایمان

بَاب أُمُورِ الْإِيمَانِ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى {لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ} {قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ} الْآيَةَ.

ترجمہ: یہ باب ایمان کے کاموں کے بیان میں، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ نیکی صرف یہی نہیں ہے (کہ نماز میں) اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ اصل نیکی ان کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے آخر آیت "متقون" تک اور "قد افلح المؤمنون" اخیر تک

ربط اول: اس باب کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ بنی الاسلام علی خمس الخ، سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ اسلام کے صرف پانچ ہی اجزاء ہیں۔ اور امام بخاریؒ کے نزدیک ایمان واسلام مترادف بھی ہیں تو امور الایمان کا باب قائم فرمایا۔

ربط ثانی: اجزاء ایمان دو قسم پر ہیں۔ ۱: اصولی، ۲: فروعی۔ باب سابق میں اجزائے اصولیہ کا ذکر تھا۔ اور باب ہذا میں اصولی اور فروعی دونوں کا ذکر ہے۔

فائدہ ۱: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ مخالفین کی تردید اور اپنا موقف اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ اب یہاں سے ایک عام بات کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان کے بہت سے تقاضے ہیں۔ کسی خاص گروہ یا فریق کی تردید مقصود نہیں۔

فائدہ ۲: عنوان کے بعد دو آیات ذکر فرمائی ہیں۔ مقصود ان سے دعویٰ نہیں بلکہ ان کا ذکر بطور دلیل کے ہے۔ دعویٰ ترجمۃ الباب ہے۔

تشریح

باب امور الایمان۔ امور کی اضافت ایمان کی طرف کونسی ہے؟

ج ۱: اضافت بیانیہ ہے یعنی باب الامور التی ھی الایمان۔

۲: اضافت لامیہ ہے باب الامور بالایمان ای مکملات للایمان۔

۳: اضافت فی کے ساتھ ہے باب الامور من الایمان ای الداخلۃ فی الایمان۔

۴ اضافت من کے ساتھ ہے۔ باب الامور من الایمان ای الناشیۃ من الایمان۔ (درس شامزئی 71)

سوال: ان دو آیات کو کیوں خاص کیا؟

جواب: اس لئے کہ ان میں بسط و تفصیل سے امور ایمان مذکور ہیں۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم۔ الخ

بیت اللہ شریف کے بعد بیت المقدس قبلہ قرار دیا گیا ـــــ لیکن پھر دوبارہ بیت اللہ ہی کو قبلہ قرار دیا گیا۔ اس پر اعتراض کیا جانے لگا کہ مسلمان کسی جہت پر قائم نہیں رہتے۔ اسی تناظر میں آیت شریفہ کا نزول ہوا کہ کوئی جہت اپنی ذات میں اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل امر خداوندی ہے۔ جو اس بات کا امتیاز ہے کہ بت پرستی میں تعظیم اوثان ہوتی ہے۔ یہاں تکمیل حکم خداوندی ہے۔ کسی خاص جہت کی تعظیم مقصود نہیں ہے ـــــ حاصل یہ ہے مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا بذاتہ نیکی نہیں ہے ـــــ اصل نیکی تو ایمان باللہ و بالآخرۃ اور دیگر آیت میں ذکر کردہ امور ہیں۔

لکن البر من امن:

سوال: البر مصدر ہے اور من امن ذات ہے۔ تو ذات کا مصدر پر حمل درست نہیں۔

جواب ۱: یہاں البرّ کی جانب مضاف محذوف ہے۔ یعنی صاحب البر اب ذات کا ذات پر حمل ہے۔ فلا اشکال

جواب ۲: یا پھر من امن کی جانب مضاف محذوف مانا جائے۔ عبارت یوں ہے: لکن البرّ بر من امن۔ یہ حمل الوصف علی الوصف ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا طرزِ استدلال:

حضرت امام موصوف رحمہ اللہ نے البرّ کو عین ایمان ثابت کیا ہے۔ اور مترادف قرار دیا ہے کہ برّ اور ایمان ایک ہی چیز ہیں۔ لہٰذا آگے جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں وہ درحقیقت ایمان ہی کی تفصیلات ہیں۔ تو ایمان میں ترکیب ثابت ہوگئی۔

جواب ۱: من امن باللہ یہ معطوف علیہ ہے۔اور آگے واتی المال علی حبہ ذوی القربی وغیرہ یہ معطوف ہیں جبکہ ان دونوں میں مغایرت ہوتی ہے معلوم ہوا کہ جز کے تمام اعمال حقیقت ایمانیہ سے خارج ہیں۔

آیت بالا میں اولاً من امن میں عقائد کا بیان ہو اتی المال سے حسن معاشرہ کا بیان ہے۔. تیسری چیز تہذیب نفس ہے اس کے دو پہلو ہیں ایک ادائیگی فرض جس کو واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ میں ارشاد فرمایا دوسری چیز حسن اخلاق اس کو والموفون بعهدهم اذاعاهدوا والصابرين في البأساء والضراء وحين البأس میں ارشاد فرمایا۔. تمام انواع بالا کے بعد فرمایا یہ لوگ سچے اور متقی ہیں۔طریقہ استدلال اس طور پر ہے کہ بر عقائد واعمال اور اخلاق کے مجموعہ کا نام ہے ..عند البخاری بر وایمان متحد ہیں۔. تو ترکیب ایمان ثابت ہوئی مگر عند الاحناف بر وایمان متحد نہیں۔

قال ابن حجر عن عبدالرزاق عن مجاهد عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنه سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان فقرأ ليس البر ان تولوا وجوهكم الآية۔او كما قال عليه السلام۔

یہ روایت شرائط بخاری کے موافق نہیں تھی اس لئے اس آیت کو ترجمۃ الباب میں لے آئے۔

امور دین پورے اس میں اس طرح سے ہیں:

(۱) شریعت کے بعض وہ احکام جن کا تعلق قلب وعقیدہ سے ہے اولاً ان کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) احکام معاشرتو اتی المال میں ہیں

(۳) جن کا تعلق نفس وبدن سے ہے وہ اقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ میں ہیں ____ نیز قد افلح المومنون میں صفات مادحہ اور کاشفہ ہیں۔یعنی بعض ایمان میں داخل ہیں اور بعض داخل نہیں ہیں۔(درس شامزئی 73)

قد افلح المومنون:

بعض حضرات فرماتے ہیں یہ جملہ بطور تفسیر واولئک هم المتقون کے لائے ہیں۔لیکن یہ قول مرجوح ہے۔یہ مستقل آیت کے طور پر لائے ہیں۔

اس آیت کے بعد "اولئک هم الوارثون" الخ تک صفات مومنین کا بیان ہے۔جو ان کیلئے ضروری ہیں۔اس سے بھی حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ترکیب ایمان ثابت کی ہے۔

جواب ۲: مومنین کی یہ صفات فروعی صفات ہیں۔حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہیں۔

پس مرجئہ کا یہ کہنا کہ تصدیق کے بعد کسی عمل خیر کی ضرورت نہیں صحیح نہیں،الذين صدقوا، هم المتقون اور قد افلح المؤمنون مجموعہ عقائد واعمال پر دال ہیں۔(نصر الباری ج۲ص۲۰۹)

حدیث نمبر 9 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

الْاِيمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيمَانِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

تعارف رواۃ

حدثنا عبد اللہ بن محمد: یہ امام بخاریؒ کے استاذ محترم ہیں۔ اوران کی تیسری پشت میں یمان ہیں جن کا ذکر شروع میں آیا ہے۔ امام بخاریؒ کے جد امجد حضرت مغیرہؒ انہی کی وجہ سے مشرف باسلام ہوئے تھے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: آپؓ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے کثیر الروایات ہیں۔ مسند بقی بن مخلد میں ان کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ بتلائی گئی ہے۔ امام بخاریؒ نے ان میں سے تقریباً 500 کے لگ بھگ مرویات لی ہیں۔

آپ کا لقب ابوہریرہ یا ابوہرہ تھا۔ آپ ﷺ نے یہ لقب عطا فرمایا۔ یہ بلی سے کھیلتے تھے۔ یہ لقب نام پر غالب آ گیا۔ تاہم دورجاہلیت میں ان کا نام عبد الشمس اور اسلام لانے کے بعد عبد الرحمن بن صخر رکھا گیا۔ راجح یہی ہے ورنہ چالیس تک اسماء ذکر کیے گئے ہیں۔

فائدہ: ابوہریرہ علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے اصل میں یہ مرکب اضافی ابو،ہریرہ ہے لیکن کثرۃ استعمال سے علم بن گیا۔

تشریح حدیث

الایمان بضع وستون شعبۃً

یہاں شعبۃ کا ایمان پر حمل کیا۔ امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ پھر تو ایمان کا بہت ساری چیزوں سے مرکب ہونا ثابت ہو گیا۔۔۔۔ لیکن غور کیا جائے تو آپ ﷺ نے لفظ شعبہ استعمال فرمایا جس کے لغوی معنیٰ شاخ کے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایمان کی شاخیں ہیں۔ تو یہ اجزائے کمالِ ایمان ہیں نہ کہ نفسِ ایمان۔

سوال: بظاہر یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس میں بضع و سبعون مذکور ہے؟

جواب ۱: عددِ قلیل کثیر کے منافی نہیں۔

جواب ۲: آپ ﷺ کو شعب الایمان کی تعلیم تدریجاً دی گئی جتنا آپ ﷺ کو علم دیا گیا آپ ﷺ بتاتے گئے۔ لہٰذا تعارض ہی نہیں۔

(۳) بضع و سبعون کی روایت راجح ہے ثقات کی زیادتی قبول ہے (۴) امام بخاریؒ فرماتے ہیں ستون کی روایت راجح ہے عدد اقل یقینی ہے کیونکہ یہ تمام روایات میں ہے (۵) سبعون کا لفظ کلام عرب میں تحدید و تعیین کے لیے نہیں بلکہ تکثیر کے لیے ہوتا ہے۔ فلا اشکال (نصر الباری ج ۲ ص ۲۱۰)

اشکالات وجوابات

الحياء شعبة من الايمان

اس حدیث میں اختصار ہے۔ اور بعض میں اعلها قول لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذی عن الطريق۔

سوال: شعب اعلیٰ وادنیٰ مبدا و منتہی کا ذکر تو صحیح معلوم ہوتا ہے، وسطانی لحاظ سے الحیاء کو بطور خاص کیوں بیان کیا؟ دیگر اوصاف شعب بھی وسطانی ہیں ــــ؟

جواب: جواب سے پہلے الحیاء کا معنیٰ سمجھنا چاہیے۔

۱... انقباض النفس عن القبائح وتركها لذلك۔

۲... التجنب عن الاذی۔ ۳... ترك الفعل لخوف الملامة۔

جواب ۱: حیا ایسی صفت ہے کہ جس کو حاصل ہو جائے تو وہ بہت سارے قبائح خود بخود چھوڑ دیتا ہے اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ کما قال ﷺ اذا لم تستحی فاصنع ماشئت۔

جواب ۲: حیا کو مخصوص بالذکر اس لئے فرمایا کہ اس کے بارے میں شبہ ہو سکتا تھا شاید شعبِ ایمان سے نہ ہو ــــ اس کے ازالہ کیلئے فرمایا الحیاء شعبة من الایمان ــــ اس لئے کہ طبعاً انسان میں حیا ہوتی ہے۔

سوال: دوسرے جواب سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کسبی ہے اور حیا فطری اور طبعی ہے تو حیا شعبۂ ایمان کیسے بنا ــــ؟

جواب: ایک نفسِ حیا ہے، یہ فطری ہے۔ اور ایک ہے حیا پر مرتب ہونے والے آثار وثمرات۔ یہ اختیاری اور کسبی ہیں۔ حدیث الباب میں حیا کسبی مراد ہے۔

جواب ۲: حیا ابتداءً فطری ہے لیکن انتہاءً کسبی ہو جاتا ہے۔

جواب ۳: حیا کی دو قسمیں ہیں۔ طبعی اور عقلی۔ جس حیا کو شعبۂ ایمان قرار دیا ہے وہ عقلی بھی ہے اور کسبی بھی ــــ ایک حیا طبعی ہے جو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے یہ وہبی ہے۔ اس کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا، یہ حیا عقلی ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے حیا کے تین شعبے بیان کیے ہیں۔ ۱: حیا عرفی: جس کو عرف قبیح سمجھے اسے ترک کرنا جیسے لقمہ گر جائے تو اٹھا کر کھالینا۔ ۲: حیا عقلی: عقل جس کو قبیح قرار دے اسے ترک کرنا۔ ۳: حیا شرعی: شریعت جس کو قبیح قرار دے اسے ترک کرنا۔ حدیث الباب میں حیا شرعی مراد ہے نہ کہ عقلی وعرفی۔

فائدہ: حیا کا تعلق نظر سے ہے، علم سے نہیں۔

فائدہ: حیا شرعی اور عقل سلیم کے تقاضے سے پیدا شدہ "حیا" ایک ہی ہوتی ہے ــــ اور جہاں کہیں تعارض معلوم ہو تو سمجھ لیجئے کہ عقل سلیم نہیں۔ دھوکہ ہے۔ نیز شرعی مسئلہ معلوم کرنے کیلئے حیا طبعی رکاوٹ نہیں ہونا چاہیے۔ مسئلہ پوچھنا اور عمل کرنا ضروری ہے ــــ حیا شرعی کو اگر معیار نہ بنایا جائے تو یہ عرف ورواج کے حوالہ ہو کر مختلف پیمانوں میں ڈھل جاتا ہے۔

03 بَابُ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ وَإِسْمَاعِيلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔

ربط:۔ اس باب سے باب علامة الایمان حب الانصار تک ربط کی تقریر یہ ہے ___ پہلا درجہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ حقوق العباد میں کم سے کم درجہ ہے۔ اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے افضل الاسلام قرار دیا گیا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ وہ اطعام الطعام من الاسلام سے بیان کیا۔ یہ درجہ مواساۃ ہے۔ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ دوسروں کیلئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے کرے۔ یہ مساوات ہے۔ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ کسی سے محبت اپنی ذات سے زیادہ ہو جائے اور اپنی جان پر بھی ترجیح دینے لگے۔ یہ حب الرسول ﷺ ہے ___ اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے آپ ﷺ کے متعلقین سے بھی محبت رکھے۔ چنانچہ اسی کو بیان کرنے کیلئے امام بخاریؒ نے باب علامة الایمان حب الانصار قائم فرمایا۔

تشریح حدیث

المسلم من سلم المسلمون:

سوال: مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں۔ بظاہر حصر ہوگا کہ مسلمان صرف وہی ہوگا جس سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔

جواب ۱: اس بات کا حکم نہیں لگایا گیا جس کے ہاتھ اور زبان سے باقی مسلمان محفوظ ہوں وہ مسلمان کامل ہو گیا۔ اس لئے کہ مسلمان کامل ہونے کیلئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے من جملہ ان کے ایک بات یہ بھی ہے۔ (درس بخاری 184)

جواب ۲: المسلمون باعتبار اغلب کے ہے کہ گفتگو دار الاسلام میں ہے ورنہ دار الحرب میں غیر مسلم بھی ایذاء مسلم سے محفوظ ہوں، یہ بھی مدارات میں داخل ہے۔ (الا المحاربون) [انعام 368/1]

سوال: یہ حصر درست نہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلم کسی مسلم کو ایذا پہنچائے تو وہ مسلمان نہ رہے حالانکہ ایسا نہیں۔

جواب ۱: المسلم پر الف لام عہد خارجی ہے مراد کامل مسلمان ہے۔

جواب ۲: تنزیل الناقص بمنزلة المعدوم ہے از حضرت العلام کشمیریؒ۔ (عرف پر محمول ہے کہ یہ بھی کوئی مسلمان ہے؟)

سوال: المسلمون صیغہ جمع مذکر ہے تو کیا عورتوں کو ایذا پہنچانا جائز ہے؟

جواب: عورتوں کا ذکر پردہ کی وجہ سے نہیں کیا۔ تبعاً وہ بھی شامل ہیں۔

من لسانہ ویدہ:

سوال: لسان اور ید کی تخصیص کیوں کی____؟

جواب: یہ تخصیص احترازی نہیں بلکہ اغلبی ہے۔

سوال: ید اور لسان میں لسان کو مقدم کیوں کیا____؟

جواب: لسان کی جو تکلیف ہے وہ جاہ کی ہے۔ ہاتھ کی تکلیف مال وجان کے لحاظ سے شمار کی جاتی ہے۔ جاہ کی تکلیف بڑی سمجھی جاتی ہے۔ ۲: لسان کی تکلیف ماضی، حال، مستقبل کے لحاظ سے ہوسکتی ہے جبکہ ہاتھ کی تکلیف صرف حال کے لحاظ سے ہوتی ہے____ البتہ اس کو ہاتھ سے چھاپ دے تو یہ تکلیف بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔

سوال: لسان فرمایا: کلام کیوں نہ کہا____؟

جواب: بعض اوقات زبان کے اشاروں سے بغیر بولے بھی تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

سوال: حدود وتعزیرات میں دوسرے مسلمانوں کی سلامتی پامال کی جاتی ہے کیا یہ جائز ہے؟

جواب: سلامتی کی دو اقسام ہیں۔ ایک فردکی۔ دوسری جماعت کی۔ حدود وتعزیرات معاشرہ کی سلامتی کیلئے اس کا نافذ کیا جانا ضروری ہے۔ سلامتی معاشرہ کے ضمن میں سلامتی افراد بھی متحقق ہوجائے گی____

اس لئے حدود وتعزیرات کو ظلم قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔

المھاجر من ھجر ما نھی اللہ:

اس میں آپ ﷺ نے مہاجر کامل کی تعریف فرمائی ہے۔

باب مفاعلہ میں عام طور پر فعل کا وقوع دونوں طرف سے ہوتا ہے مگر کبھی کبھی اس کا اطلاق ایسے فعل پر بھی ہوتا ہے جو ایک طرف سے صادر ہو جیسے مسافر۔ یہاں پر بھی مہاجر ایسا ہی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مہاجر میں فعل کا وقوع دو طرف سے ہو جب آدمی اپنا وطن چھوڑے گا تو وطن بھی اس کو چھوڑے گا۔ (درس بخاری 183)

ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ا: ہجرت ظاہری: دار الفساد سے دار الامن کی طرف، یا دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف نقل مکانی کی جائے۔ ۲: ہجرت باطنی: منہیات کو چھوڑنا، تو کامل مہاجر وہ ہے جو وطن کے ساتھ گناہوں کو بھی چھوڑ دے۔ وطن چھوڑنے میں ایک دفعہ اور گناہ چھوڑنے میں ہر وقت تکلیف کا سامنا ہے۔

قال ابو عبد اللہ

یہ امام بخاریؒ کی کنیت ہے۔ اپنے آپ کو تواضعاً غیب کے صیغہ سے ذکر کرتے ہیں کیونکہ قلت میں دعویٰ اور تعلّی کا شبہ ہے۔

قال ابو معاویہ: امام بخاریؒ نے دو تعلیقات ذکر فرمائی ہیں۔ ان کے چند فوائد یہ ہیں۔

۱... پہلی سند میں عنعنہ ہے۔ تعلیق کے ذکر سے عنعنہ میں جو عدم لقاء کا احتمال ہے وہ دور ہو جائے۔

۲... قال عبدالاعلی والی تعلیق میں داؤد مطلق ہے پہلی تعلیق ذکر کر کے بتلا دیا کہ داؤد سے مراد داؤد بن ابی ہند ہیں۔

۳... دوسری تعلیق میں عبداللہ مطلق ہے۔ محدثین کرام کا اصول ہے جب عبداللہ مطلق ذکر کیا جائے تو عبداللہ بن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں۔ یہاں عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ مراد ہیں۔ دوسری تعلیق سے جو غلط فہمی ہو رہی تھی پہلی تعلیق سے اسے دور کیا۔

سوال: پہلی روایت میں شعبی کا ذکر ہے۔ دوسری روایت میں ذکر نہیں یہ متابع کیسے بنا ___؟

جواب: "عامر" شعبی ہی کا نام ہے۔ یہ اجلہ تابعین میں سے ہے۔ بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے شیخ واستاذ ہیں۔

04 بَاب أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ

کونسا اسلام افضل ہے؟

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقُرَشِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کونسا اسلام افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

تعارف رواۃ

حضرت ابوموسیٰؓ۔ ان کے صاحبزادے حضرت ابوبُردہ رضی اللہ عنہ پھر ان کے پوتے (ابوبردہؓ) روایت کرتے ہیں ___ (دادا اور پوتے دونوں کی کنیت ایک ہے، درمیان میں عبداللہ والد ہیں۔)

حضرت ابوبردہؓ بصرہ کے مشہور قاضی تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادہ محترم اور فقہاء میں سے تھے۔

حضرت ابوموسیٰؓ کی کل مرویات 360 ہیں۔

فائدہ: روایت عن میں جو نام دو عن کے درمیان آئے ان کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے چاہے درمیان میں اب، بن وغیرہ آئیں۔

غرض ترجمہ: امام بخاریؒ فرمانا چاہتے ہیں کہ ایمان بہت سی خصائل پر مشتمل ہے۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ کونسی خصلت افضل ہے۔ بس اسلام کی ترکیب بھی ثابت ہو گئی۔

جواب: ماسبق میں گذر چکا کہ اجزاء فروعی ہیں۔ نفس ایمان کے اجزاء نہیں۔

تشریح حدیث

ایٌ یہ کئی معانی میں مستعمل ہے۔ کبھی شرطیہ: ایاًما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ۔ کبھی موصولہ: ایھم اشد علی الرحمن عتیاً۔ (سرکشی) کبھی حرف ندا اور معرف باللام کے درمیان فاصلہ کیلئے ہوتا ہے تاکہ تعریف کے دو آلے اکٹھے نہ ہو جائیں: یاایھا الرجل، یاایھا المزمل، یاایھا المدثر۔ کبھی استفہام کیلئے آتا ہے: ایکم زادتہ ھذہ ایماناً ____ آخری یہاں مراد ہے۔

سوال: سوال وجواب میں مطابقت نہیں ہے؟ سوال میں خصلت اسلام کا ذکر ہے جواب میں ذات 'من سلم' کا ذکر ہے ____

جواب: سوال کی جانب مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت: ای ذی خصلۃ الاسلام افضل ____؟ یا جواب کی طرف مضاف محذوف ہے: ای خصلۃ من سلم المسلمون۔

سوال: ای الاسلام افضل، یہ سوال بہت سی احادیث میں آتا ہے لیکن جواب مختلف احادیث میں مختلف ہے۔

جواب(۱): مختلف احوال یا مختلف شخصیات کے اعتبار سے جوابات مختلف ہیں۔ (۲) یا أفضل الاسلام ایک نوع ہے اس کے تحت کئی افراد ہیں مختلف جوابات سب اسکے افراد ہیں۔ جواب نمبر ۳: اعمالی اجناس مختلف ہیں بسا اوقات ہر جنس میں سے کسی ایک جنس کو أفضل کہہ دیا جاتا ہے جیسے اعتقادیات میں ایمان باللہ اور عبادت بدنیہ میں نماز أفضل ہے وغیرہ۔ (دلیل ص ۱۴۴)

جواب نمبر ۴: متکلم پر سائل کی موجودگی میں جس کیفیت کا غلبہ تھا اس کو أفضل قرار دیا جائے جیسے حضرت ابوہریرہؓ کو نعلین شریفین دیتے ہوئے رحمت کا غلبہ تھا تو بشارت کا حکم دے دیا جو ملے اس کو جنت کی خوشخبری دے دو.. حضرت عمرؓ کے عرض کرنے پر کہ لوگ ترک عمل کا بہانہ نہ بنالیں تو حکمت کا غلبہ ہو گیا.. منع فرما دیا۔

جواب نمبر ۵: کبھی کلی فضیلت نہیں ہوتی من وجہ افضلیت بتانا مقصود ہوتی ہے (کما فی المناقب) (دلیل ص ۱۴۳)

آپ کو کس سے محبت زیادہ ہے؟ آپ علیہ السلام نے کبھی ابوبکرؓ کبھی عائشہؓ کبھی فاطمہؓ، کبھی حسن وحسینؓ کا نام لیا۔ ایضاً أفضل الاسلام کے جوابات مختلف ہیں۔

(۱) ایک مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی مطلق فضیلت ہوتے ہوئے "وقتی عبادت" أفضل ہو جائے۔ مثلاً تدارس العلم ساعۃ من اللیل خیر من احیاتھا لیکن اگر شب قدر آجائے تو استثناء ہوگا۔ اب رات کو عبادت أفضل ہے یہ وقتی فضیلت ہے۔ (انعام 380/1)

تین بنیادی فرق ہیں۔ مسائل، اوقات اور حیثیات۔ جوابات مختلف ہوتے۔ یہ تعارض نہیں۔ (انعام 381/1)

ای الاسلام افضل اور ای الاسلام خیر کا فرق یہ ہے کہ فضل کا لفظ ثواب کی کثرت کے لحاظ سے بولا جاتا ہے اور خیر کا لفظ ایصال نفع کیلئے مستعمل ہے۔ نیز فضل کا اطلاق اس خوبی پر ہوتا ہے جس کا نفع خود اپنی ذات کو ہو اور خیر اس محمود صفت کو کہتے ہیں جس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچے۔ (امداد الباری 349/4)

جواب ۶: دوران سوال الفاظ مختلف استعمال ہوئے ہیں کہیں "افضل" ہے کہیں "خیر" اور کہیں "احب الی اللہ" وغیرہ تو ان الفاظ کے اختلاف کی بنا پر جواب بھی مختلف ہوئے۔ (درس شامزئی 81)

فائدہ: امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان جوابات سے مراد یہ ہے کہ ان میں کوئی بھی علی الاطلاق افضل نہیں بلکہ من افضل الاعمال کذا وکذا، گویا افضل الاعمال کی ایک فہرست ہے۔ واللہ علم (درس شامزئی 81)

05... بَاب إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

کھانا کھلانا اسلام میں داخل ہے

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے ایک شخص نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور ہر ایک (مسلمان) کو سلام کرنا اس کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔

تشریح حدیث

رجلاً کا مصداق حضرت ابوذرؓ یا ہانی بن مرثد والد شریح ہیں۔ (امداد الباری 348/4)

حدیث الباب کے تمام راوی مصری ہیں۔ (ایضاً)

اس عنوان سے ترکیب ایمان ثابت ہوگئی ــــ ماسبق کی طرح یہاں بھی خصال کا لفظ محذوف ہے۔ یعنی ای خصال الاسلام خیر ــــ؟

سوال: تطعم الطعام۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ تھا: ای الاسلام خیر۔ جواب: تطعم الطعام سے دیا جارہا ہے۔ یہ اس لئے صحیح نہیں کہ سوال کے ساتھ مطابقت نہیں ــــ کیونکہ باہمی ترکیبی ربط نہیں ــــ

جواب: یہاں قال کے بعد مقولہ الخیر أن تطعم الخ محذوف مانا جائے گا۔ اگرچہ أن عمل نہ کرتا ہو ــــ تو الخیر مبتدا اور أن تطعم الطعام الخ خبر ہے۔ چونکہ مقولہ جملہ ہوتا ہے تو الخیر کا بطور مبتدا ماننا بھی ضروری ہے۔

تطعم الطعام مضارع لائے تاکہ استمرار ودوام کا معنی حاصل ہو سکے۔ یعنی خوب کھانا کھلائے۔

مفعول کا ذکر نہیں کیا۔ تاکہ نیک وبد مسلمان، کافر حتی کہ حیوانات کو بھی شامل ہو جائے۔ اور ایسے ہی کھانے میں بھی تعمیم ہے تکلف والا ضروری نہیں جو میسر ہو کھلائے۔ اور اطعام وغیرہ کے مفہوم میں مشروبات اور چائے پھل فروٹ بھی شامل ہیں ــــ

فائدہ: اطعام طعام سے بخل زائل ہوتا ہے اور سلام سے کبر ختم ہوتا ہے۔ ۲: بخل وکبر حب دنیا کی علامت ہے اطعام طعام اور سلام یہ دونوں وصول الی اللہ کی اصل ہے۔ اطعام طعام سے بخل دور ہوتا ہے خلق اللہ کو نفع پہنچتا ہے۔ سلام سے مودت

اور محبت اور اتفاق باہمی پیدا ہوتا ہے ان دونوں سے اصلاح شخصی اور اجتماعی دونوں حاصل ہوتی ہیں۔ (درس بخاری 185)

سوال: اس حدیث میں تعمیم ہے جبکہ دوسری حدیث میں ہے: لا یا کل طعامک الا تقی۔

جواب: الا تقی میں افضلیت کا بیان ہے۔ یعنی افضل یہ ہے کہ تقی کو کھلائے لیکن اس سے باقی کی نفی نہیں ہے۔

جواب ۲: طعام کفایت وضرورۃ میں تعمیم ہے نیک وبد ہر کسی کو کھلا سکتا ہے۔ اور طعام ضیافت صرف اتقیاء کو کھلائے۔

تقرئ السلام:

سوال: یہاں تقرأ السلام کہا تطعم الطعام کی طرح تسلم السلام فرما دیتے تو کلام میں روانی پیدا ہو جاتی۔

جواب: اس انداز کو اس لئے اختیار فرمایا تاکہ سلام زبانی اور سلام تحریری دونوں کو شامل ہو جائے۔

عند الملاقات تحفہ سلام صرف اس امت کی خصوصیت ہے ـــ اس میں سلامتی و امن کا پیغام وبشارت، ذریعہ محبت واپنائیت ودیگر بہت ساری معاشرتی خوبیاں داخل ہیں۔ چنانچہ عرب کے بدو سلام کہنے کے بعد باہم مامون قرار پاتے تھے۔ سلام کہنا سنت ہے اور جواب واجب۔ اور اس کا ثواب واجب سے بھی زیادہ ہے یعنی پہل کرنے والے کو۔ مگر طریقہ نبوی شرط ہے۔

علی من عرفت و من لم تعرف:

پہچان کر سلام کرنا یہ سلام مواجہت یا سلام رشوۃ ہے۔ صرف مسلمان دیکھ کر سلام کریں تو یہ عبادت اسلامی ہے۔ اور سلام کو پہچان تک محدود کرنا علامات قیامت میں سے ہے۔

06 بَاب مِنَ الْإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند کرنا ایمان میں سے ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ پسند کرے اپنے بھائی کے لئے وہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح حدیث

(ربط بباب علامۃ الانصار تک بیان شدہ ہے)

حدثنا مسدد: یہ حدیث امام بخاریؒ نے دو اسناد سے ذکر کی ہے۔ (۱) یحییٰ بن سعید قطان سے۔ جو کہ جرح وتعدیل کے

امام اور حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ دوسری روایت حسین المعلم سے ہے جو یحییٰ کے استاذ ہیں۔ جو اس کو حضرت قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ شعبہ نے 'عن' سے نقل کیا۔ اور حسین معلم حدثنا یعنی تحدیث سے نقل کرتے ہیں۔ اس لئے امام بخاریؒ یہ وضاحت فرمارہے ہیں کہ یہ ثبوت لقا ہے۔ عن کی وجہ سے عدم لقا کا جو شبہ ہوسکتا ہے وہ نہیں۔

یہ حضرت انسؓ کی روایت ہے جن کی کنیت ابوحمزہ ہے۔ نبی پاک ﷺ کے دس سال خادم ہیں۔ آپ کی کل مرویات ۲۲۸۶ ہیں۔

حدیث الباب سے ترجمۃ الباب صراحۃً ثابت ہے ــــ باقی مقصود بخاریؒ یہ ہے کہ اجزائے ایمان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایثار نفس کرے۔ تو اجزاء مکملات ایمان میں سے ہیں۔ جو امام بخاریؒ ترکیب ثابت کررہے ہیں وہ صحیح نہیں۔ البتہ مرجیہ پر رد ہے کہ اعمال مفید ہیں۔

۱... لایومن احدکم: یہاں کمال کی نفی کیلئے 'لا' لایا گیا۔ یعنی کامل مومن نہیں ہوسکتا۔

۲... نفی لیاقت ہے۔ یعنی مومن کی یہ شان نہیں ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں یہاں نفی، جنس ایمان کی ہے کیونکہ لا کو نفی جنس پر حمل کرنا معنیٰ حقیقی ہے اور نفی کمال پر حمل کرنا معنیٰ مجازی ہے اور مجاز کو اس وقت مراد لیں گے جب حقیقت پر عمل متعذر ہو۔ جبکہ یہاں ایسا نہیں۔ تو تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم کے قبیل سے ہے۔ یعنی دراصل تو مراد ایمان ناقص ہے مگر اس کو غیر معتبر قرار دے کر معدوم سے تعبیر کیا۔ لایؤمن میں حقیقت ایمان جو اللہ کو مطلوب ہے وہ نہیں۔ خواہ مردم شماری میں مسلم اور دارالافتاء اس کو مؤمن کہے۔ (انعام 383/1)

اشکال: ایک آدمی گناہ میں مبتلیٰ ہے تو کیا دوسرے آدمی کے لئے بھی یہی گناہ پسند کرے۔

ج: بعض طرق میں لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ من الخیر مایحب لنفسہ۔ لہٰذا گناہ اس میں داخل نہیں۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: بظاہر حدیث تسویہ پر دال ہے لیکن درحقیقت تفضیل للآخر علی نفسہ مراد ہے ــــ چنانچہ فضیل بن عیاضؒ نے سفیان بن عیینہؒ سے فرمایا تھا کہ نصیحت اور خیر خواہی یہ ہے کہ دوسرے کو افضل سمجھے اور برابر سمجھنا کوئی خوبی نہیں۔ (درس شامزئی 82)

یحب لاخیہ: اخوت سے مراد اخوت دینی ہے۔

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ مومن کامل ہونے کیلئے اگر یہ بات ضروری ہے تو حضرت سلیمانؑ کا قول: رب ھب لی ملکاً لاینبغی لاحد من بعدی۔ اسی طرح دعاء کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے: واجعلنی للمتقین اماماً ــــ اسی طرح ہم آنحضرت ﷺ کیلئے دعا کرتے ہیں ات محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاماً محمودا۔ ہم حضور ﷺ کیلئے مقام محمود کی دعا کرتے ہیں اور مقام محمود تک پہنچنے کی صلاحیت شخص واحد میں منحصر ہے۔ یہ ساری باتیں غلط ہوجائیں گی اور لازم آئے گا کہ یہ حضرات مومن کامل نہ ہوں اور یہ باطل ہے۔

اس اشکال کے کئی جواب ہیں:

۱... یہاں پر معنیٰ مطابقی مراد نہیں بلکہ معنیٰ کنائی مراد ہیں۔ یہ کنایہ ہے حسد اور بغض کے دور ہونے سے جیسے کہا جاتا ہے زید کثیر الرماد یہ کنایہ کثیر الاضیاف اور سخی ہونے سے ہے چاہے اس کے پاس راکھ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح مطلب یہ ہے کہ

لوگوں سے کینہ کپٹ نہ رکھے اور لوگوں پر تکبر نہ کرے اور تواضع سے پیش آئے۔

۲۔۔۔معنیٰ حقیقی مراد لیں مگر یہ باعتبار اغلب اور اکثر کے ہوں۔ باعتبار استغراق وعموم کے نہ ہوں۔

۳۔۔۔معنیٰ حقیقی مراد لئے جائیں مگر اس کو خاص کیا جائے ان چیزوں کے ساتھ جس میں اشتراک ممکن ہو اور اشیاء غیر ممکن میں اشتراک کا استثناء کرلیا جائے۔

۴۔۔۔مثل اور نظیر کو ما یحب سے پہلے مقدر مانا جائے کہ اپنے بھائی کیلئے اس کے مثل ونظیر کی تمنا رکھے نہ کہ بعینہ اسی چیز کی۔

(درس بخاری 186)

فائدہ: حضرت علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں: حنفیہ یا دوسرے حضرات اس جیسی حدیثوں میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لائقِ کمال کیلئے ہے۔ تاہم مقصودِ حدیث کے حوالہ سے بھرپور عمل مطلوب ہے۔ اس پر اور کچھ نہ ہو تو آنچ ضرور آتی ہے۔ اور نفس کام چوری کیلئے بہانہ اور راستہ نکالتا ہے۔ اس لئے عوام الناس کے سامنے زیادہ تاویلات نہ کرے۔

سوال: بظاہر مفہومِ حدیث پر عمل مشکل بلکہ محال تک ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے کوئی شخص کمالِ ایمان کا درجہ حاصل کرنے کے لئے ایک چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ اس کا ایثار دوسرے بھائی کیلئے نہیں کرتا اور اس چیز کو اپنے تک محدود رکھتا ہے تو درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا ___ اور اسی طرح جب دوسرے تک وہ چیز پہنچ جائے تو یہی حدیث اس کی طرف متوجہ ہوگی تو وہ بھی آگے ایثار کا پابند ہے۔ یہ تسلسل کا لزوم ہے جو نا قابلِ عمل ہے۔ مثلاً کسی شخص کیلئے رشتہ کا انتخاب یا منصب تجویز ہوا تو ایثار کے تسلسل سے یہ عمل تکمیل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

جواب ا: یہ حدیث معاملات پر محمول ہے۔ استعمالی اشیا یا ترجیح مناصب پر محمول نہیں۔

جواب ۲: مشاورت پر محمول ہے۔ یوں سمجھ کر مشورہ دے کہ میں اپنے لئے کیا پسند کرتا۔

جواب ۳: معاقبۃ پر محمول ہے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی قصوروار اور مجرم ہو کر پیش ہو تو اس کے لئے جزا وسزا کے انتخاب کا طریق کار وہی رکھیں جو ایسی صورت میں آپ اپنے لئے کرتے ہیں۔ ستاری، درگذر، عزتِ نفس کا خیال وغیرہ ان تمام پہلوؤں کو سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ اللہ اکبر!

جواب: حدیث الباب سے وہ چیز مراد ہے جس میں تعدد واشتراک ہوسکتا ہے۔ (درس بخاری)

فائدہ ا: اسلام کا مزاج ادائیگی حقوق میں فکرمندی اور جلدی کا ہے جبکہ مطالبہ حقوق میں یسر وآسانی ملحوظ رکھنے کی تاکید ہے۔

فائدہ ۲: امام بخاری تفنن فی العبارۃ کے لئے تقدیم وتاخیر کرتے ہیں من الایمان کبھی پہلے لاتے ہیں کبھی بعد میں۔

فائدہ ۳: یا حدیث کے الفاظ کی وجہ سے تقدیم وتاخیر کرتے ہیں جیسے حدیث میں: لا یومن مقدم ہے تو من الایمان کو مقدم کیا۔ (درس شامزئی 83)

لطافتِ اسناد: اس روایت کے تمام رواۃ بصری ہیں اس سے قبل کے باب کی روایت کے سب راوی کوفی ہیں اس سے قبل کے سب مصری ہیں۔ (امداد الباری 360/4)

07... بَاب حُبُّ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ الْإِيمَانِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ایمان کا ایک جزء ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ.

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح و حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی نظر میں اس کے والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ دوسری روایت بھی یہی ہے اس میں صرف و الناس اجمعین کا اضافہ ہے۔

ربط: ماقبل میں مسلمان بھائی کی محبت کو جزو ایمان قرار دیا تو باب ھذا میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بدرجہ اولیٰ معیار ایمان ہوگی۔ (دلیل القاری ص ۱۴۵)

اصح الاسانید

<u>حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب الخ</u>

اس حدیث میں بہت بلند پایہ مضبوط ترین راویانِ حدیث ہیں۔ اس میں بڑے اونچے درجہ کے محدثین کرام ہیں ـــــ یہ وہ طریق ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ ابوہریرہؓ کی اسانید میں یہ اصح الاسانید ہے ـــــ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں امام بخاریؒ کی طرف یہ مقولہ منسوب کیا ہے: امام بخاریؒ نے مطلقاً اس سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔ (انعام)

فائدہ: حدیث الباب کی سند میں عن الاعرج آیا ہے۔

اس سے مراد ابوداؤد عبدالرحمن بن ہرمز ہیں۔ امام مالکؒ ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں ـــــ ایک دوسرے عبداللہ بن یزید بن ہرمز ہیں ان سے امام مالکؒ بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔ ان سے فقہ بھی حاصل کی ہے۔ امام مالکؒ کی سند میں جہاں ابن ہرمز آئے گا وہاں عبداللہ بن یزید بن ہرمزی مراد ہوگا۔

تشریح حدیث

سوال: حدیث الباب من والدہ و ولدہ والناس اجمعین: میں اصول و فروع اور عام لوگوں سے بھی زیادہ محبت ہونا معیارِ ایمان قرار دیا گیا۔ خود اپنی ذات کا ذکر نہیں ___؟

جواب ۱: والد اور ولد کے ضمن میں اپنی جان بھی آ گئی۔ جب ان دونوں پر جان فدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو جس ذات بابرکات پر ان دونوں کو قربان کیا جا سکتا ہے تو اپنی جان تو بطریق اولیٰ فدا کی جا سکتی ہے۔

جواب ۲: انسان کی اپنی جان کا ذکر "والناس اجمعین" میں ہے کیونکہ یہ بھی الناس میں داخل ہے۔ (ورنہ اس کا ناس ہو جائے گا۔) نیز دوسری روایت میں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہونے کا ذکر بھی ہے۔ (بخاری شریف 2/981)

جواب ۳: آپ ﷺ اپنی امت سے کمالِ ایمان کیلئے محبت مطلوب ہے وہ کونسی ہے؟ اس کو حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے سمجھنا چاہیے کہ آپ ﷺ سے یہ حدیث سن کر صاف گوئی سے عرض کیا کہ مجھے اپنے اندر آپ کی "ذات مبارک" کی نسبت اپنی ذات سے محبت زیادہ نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو معیارِ ایمان تو حاصل نہیں ہوگا ___ اسی ارشاد کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اب مجھے وہ معیار مطلوب حاصل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الآن یا عمر ___

سوال: مذکورہ دونوں حدیثوں میں والد کو ولد پر مقدم کیوں کیا؟

جواب نمبر ۱: والد تو ہر کسی کا ہوتا ہے اولاد بعض اوقات نہیں ہوتی۔

جواب نمبر ۲: والد قابل تعظیم ہے تو محبت تعظیمی آپ سے مطلوب ہے۔

جواب نمبر ۳: والد کے قابل تعظیم ہونے کی وجہ سے ولد پر مقدم فرمایا۔

جواب نمبر ۴: آپ ﷺ بمنزل والد کے ہیں انما انا لکم بمنزلۃ الوالد

(ابوداؤد ص ۳ ج ۱) اس لیے والد کو مقدم کیا گیا۔

بعض طرق میں ولد کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ والد کو جتنی اولاد سے محبت ہوتی ہے اولاد کو نہیں ہوتی۔ . تو اولاد سے بھی زیادہ محبت آپ ﷺ سے مطلوب ہے۔ (دلیل ۱۵۲)

فائدہ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عمرؓ "مرادِ رسول" تھے تو آپ ﷺ کے سامنے معیارِ محبت کو نہ دیکھ کر اپنا باطن کھول دیا۔ تو لمحہ بھر میں وہ کیفیت مطلوبہ آپ ﷺ توجہ و برکت سے حاصل ہو گئی۔

فائدہ: یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اپنے شیخ کے سامنے صاف گوئی سے مقاماتِ باطنیہ لمحوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ اور روحانی عقدے کھل کر شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے۔

کامل مرشد پھڑیے تے گل بن دی اے	اللہ اللہ کریے تے گل بن دی اے

یعنی لمحہ بھر میں سابقہ کیفیت سے ترقی کر کے آپؓ معیارِ نبوی پر فائز ہو گئے۔

تاہم یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ جس محبت کی نفی تھی وہ کیا تھی اور جو مطلوب تھی وہ کیا تھی ___؟ اس سلسلہ میں حضرات شراح کرام نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

توجیہ محبت عقلی مطلوب تھی اور نفی محبت طبعی کی تھی۔ جو غیر اختیاری ہوا کرتی ہے۔ مرادِ حدیث بھی محبت عقلی ہے۔

اشکال: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: حدیث الباب سے محبت عقلی مراد لیں تو مقصدِ حدیث فوت ہو جاتا ہے جو اسلوبِ بیان کے تقاضے سے میل نہیں کھاتا۔ جبکہ طبیعت کیلئے بھی شریعت چاہتی ہے کہ وہ شریعت میں ڈھل جائے۔

بہر حال محبت طبعی مراد لیں تو شراح حدیث کی توجیہ کے خلاف ہے اور اگر عقلی محبت مراد لیں تو اسلوب حدیث کی روشنی میں وارفتگی محبت کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ کما قال الشیخ انور الکشمیری ﷫۔ اس لئے اس تناظر میں اس کی بین بین توجیہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے فرمائی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد تو محبت طبعی ہی ہے۔ البتہ اس کا وہ درجہ مراد ہے جو اپنے اختیار سے اسباب محبت میں تفکر کے بعد بالتدریج حاصل ہوتا ہے اور جمال، کمال، نوال کے قرب کے آئینہ میں اسے دیکھا جا سکتا ہے ___ تاہم تفکرِ اسباب کے ذریعہ حاصل ہونے والی محبت استدلالی ہے اسے عقلی کہا جا سکتا ہے ___ البتہ اس کا طبع انسانی پر اثر انداز ہو کر نتیجتاً اسے طبعی محبت بنا تا ہے ___ اس لئے اب محبت عقلی اور محبت طبعی کے قائلین میں زیادہ فرق نہ رہا۔

محبت کا چوتھا سبب قربت ہے فرمایا گیا: النبی اولی بالمومنین من انفسھم: آپ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ ایسی قربت حاصل نہیں۔ ایسی قربت جو اپنی جان وذات سے بھی زیادہ ہو موصوف بالذات کو حاصل ہوتی ہے، بنسبت موصوف بالعرض کے۔ قریب وبعید کا علم، فاصلہ کی کمی بیشی سے ہوتا ہے، حرکت فکری میں اول دلیل آتی ہے پھر مدلول ___ دلیل علت ہوتی ہے مطلوب مدلول ہوتا ہے جہاں یہ قرب ہو گا علت معلول کا تحقق ہو گا۔

اگر مومنین کو اپنی حقیقت کا ادراک مطلوب ہو گا تو حرکتِ فکری میں پہلے رسول اللہ ﷺ آئیں گے پھر اپنی حقیقت آئے گی۔ معلول کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ علت کا فیض اور اس کی عطا ہوتی ہے لہٰذا علت میں وہ فیض ذاتی ہوا۔ اور معلول میں وہ فیض عارضی ہوا جس کی وجہ سے وصفِ ایمانی آپ ﷺ میں بالذات ہوا اور مومنین میں بالعرض ___ (درس بخاری 192)

فائدہ: حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ عقلی محبت کی توجیہ اس لئے اچھی معلوم نہیں ہوتی کہ طبعی میلان تو نہ ہو ___ لیکن ایک سچا آدمی کڑوی دوائی کو ناپسند سمجھتے ہوئے عقلی بنیاد پر استعمال کرے کہ نہ پیوں گا تو شفا حاصل نہ ہوگی۔ تو ناپسندیدگی کے باوجود استعمال کرے اسی طرح یہ سمجھا جائے کہ محبت نبوی حاصل نہ ہوگی تو نقصان ہے۔ یہ درجہ محبت اسلوبِ حدیث کے تقاضے کے خلاف ہے۔ (واللہ اعلم)

اس عقل پر ماتم کی ضرورت ہے جو محبت نبوی کو طبیعت کے تقاضوں میں نہ ڈھال دے۔

ترے عشق کی انتہاء چاہتا ہوں مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

تعبیر ثانی: اقسام محبت

۱: حب طبعی: حسب ونسب اور مال ومتاع کی محبت ہے۔ جو غیر اختیاری ہے۔

۲: حب عقلی: ناگواری کے باوجود کسی چیز کو اختیار کیا جائے۔ جیسے کڑوی دوا کا استعمال

۳:حب ایمانی: یہ طبعی اور عقلی دونوں سے بالاتر ہے۔حب عقلی میں ایمان کے نفع اور کفر کے نقصان پر نظر ہے۔جبکہ حب ایمانی کامنشاء ایمان محض ہے۔نہ نفع کی تمنا نہ نقصان کی پرواہ بہر صورت احکامات شرعیہ کی تکمیل پر نظر ہو۔ہم کیا اور ہماری عقل کیا ___؟

حب عشقی ___ حب ایمانی ترقی کرتے کرتے حب عشقی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔نیز محبت عشقی محبت ایمانی کا اعلیٰ واکمل درجہ ہے ___ لیکن ترتیب یہ ہے محبت اختیاری کی ابتداء محبت عقلی سے ہوتی ہے پھر محبت عقلی ترقی کرتے کرتے محبت ایمانی بن جاتی ہے،محبت ایمانی ترقی کے بعد صرف حکم محبوب پر نظر ہوتی ہے تو

ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

کا منظر ہوجاتا ہے اسی کو محبت عشقی سے تعبیر کیا گیا۔

حضرت سید شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے حب عقلی کو حب عشقی پر ترجیح دی کیونکہ حب عشقی وصل کے بعد مضمحل ہوجاتی ہے مگر حب عقلی وصل میں اور بڑھتی رہتی ہے ___ تاہم حضرت حاجی امداد اللہؒ فرماتے ہیں:

حب عشقی لامتناہی ہے اور عقلی متناہی اس لئے لامتناہی کو ترجیح ہے ___ لیکن حضرت گنگوہیؒ نے حطیم کعبہ میں اکابر کی رائے کی تصویب اور سائل کے اصرار کے بعد فرمایا:

حب عشقی میں انتظام نہیں،حدود شرعیہ ملحوظ نہیں رہتیں۔اس بنا پر جب تک اعمال کی ضرورت ہے حب عقلی کو اور بوقت وصال غلبہ حب عشقی کو پسند کرتا ہوں۔(امداد الباری 370/4)

فائدہ ۱:فی الحقیقت محبت دو ہی اقسام میں منحصر معلوم ہوتی ہے۔طبعی وعقلی،ایمانی وعشقی محبت بھی عقلی محبت کی ترقی یافتہ شکل ہے اس لئے کافر عقلی محبت زیر عمل نہ لایا تو دیگر محبتوں کا سوال ہی نہیں ___

فائدہ ۲:نفس ایمان کیلئے محبت عقلی بھی کافی ہے۔مگر کمال ایمان کی معراج کیلئے ایمانی وعشقی محبت درکار ہے ___ جیسے کمال عقل میں دنیا میں تفاوت ظاہر ہے اسی طرح محبت وایمان میں تفاوت لازم ہے ___

فائدہ ۳:محبت طبعی خاصہ انسانیت نہیں حیوان میں بھی ہے۔محبت عقلی کے عدم استعمال سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔[ماہ]

فائدہ نمبر ۴:تین حقوق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں:

محبت میں فنائیت ہوتی ہے کہ آدمی محبوب میں فنا ہوجائے۔متابعت میں قدم بقدم چلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایک چیز میں پیروی نصیب ہو۔عظمت سے اعتقاد پیدا ہوگا اگر بڑائی دل میں نہ ہو تو عقیدت نہیں ہوسکتی۔اور عقیدت واعتقاد نہیں ہوگا تو ایمان نہیں ملے گا۔(خطبات حکیم الاسلام ج 2 خطبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم)

لانت یارسول اللہ احب الی من کل شیء الا من نفسی

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں میرے دل میں عرصہ بھر کھٹکا رہا کہ حضرت عمرؓ پوری امت میں دوسرے درجہ پر فائز ہیں...اظہار یہ کر رہے مجھے اپنی ذات سے آپ ﷺ سے محبت زیادہ ہے...حالانکہ حضرت عمرؓ کے اسلام

لاتے ہی نماز و ھجرۃ وغیرہ خفیہ کی بجائے اعلانیہ ہونے لگے... ان اعمال سے اپنی جان سے زیادہ محبت کا اظہار ہے۔ تو پھر **الا نفسی کا استثناء کیسا؟**

حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں اس نکتہ کو سمجھنے سے پہلے یہ پیش نظر رہے کہ یہاں استثناء کو حنفیہ کے مذاق پر لیا جائے کہ مستثنیٰ میں حکم مستثنیٰ منہ کے خلاف نہیں ہوتا، بلکہ مستثنیٰ مسکوت عنہ ہوتا ہے.. تو الا نفسی آپ علیہ السلام میرے نزدیک محبوب ہیں مگر میرے نفس سے... نفس سے زیادہ محبوب ہیں یا نہیں اس کے متعلق اثباتاً و نفیاً کچھ نہیں کہتا... اس لیے کہ چاہتے تھے کہ محبوب حقیقی ﷺ زبان سے یہ فرمائش سن کر لذت حاصل کریں کہ اپنی ذات سے بھی زیادہ مجھ سے محبت کرو... اس استلذاذ کی خاطر الا نفسی فرمایا.. جب آپ ﷺ سے یہ جملہ سنا **فقال لا و الذی نفسی بیدہ حتیٰ اکون احب الیک من نفسک**

محبوب حقیقی کی زبان مبارک سے یہ فرمائش سنتے ہی عرض کیا... **فقال لہ عمر رضی اللہ عنہ فانک و اللہ احب الی من نفسی فقال الاٰن و اللہ یا عمر** رضی اللہ عنہ (فضل الباری ج ۱ ص ۳۴۲)

فائدہ: حضرات احناف کی فقہی بصیرت اور علمائے دیوبند کی محبت نبوی ﷺ حضرات صحابہ کرامؓ سے والہانہ لگاؤ کی ایک بے مثال جامع توجیہ.. کیا حسن تعبیر ہے:

اے کاش دیار طیبہ کا ہر ذرہ میرا دل ہو جائے	ہے تکمیل طلب افسانہ دنیائے محبت کا اخترؔ

08 بَاب حَلَاوَةِ الْإِيمَانِ

ایمان کی لذت کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کا مزہ پائے گا: ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہو اور جب کسی سے دوستی ہو تو محض اللہ کے لئے ہو اور کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں گرائے جانے کو برا جانتا ہے۔

تشریح حدیث۔

ثلاث من کن فیہ الخ

اشکال: ثلاث نکرہ ہے اور مبتدا واقع ہے حالانکہ نکرہ کا مبتدا واقع ہونا درست نہیں ہے۔

ج ۱: عام طور پر ثلاث خصال سے تاویل کرتے ہیں۔

ج ۲: لیکن علامہ رضی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔ جب نکرہ کاشفہ ہو اور اس میں ابہام نہ ہو تو اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے۔ (درس شامزئی 87)

حلاوۃ:

اس کا معنی عند النوویؒ یہ ہے کہ اطاعت کیلئے خلافِ طبع امور کو برداشت کرے اور اطاعتِ خداوندی شرح صدر کے ساتھ کرے۔ حاصل یہ کہ حلاوۃِ معنوی مراد ہے۔

۲۔۔۔عند البعض حلاوۃ معنوی کے ساتھ حلاوۃِ حسی بھی ہوسکتی ہے ___ لیکن یہ بعض اشخاص کے اعتبار سے ہے۔ تاہم یہ ذوقیات ہیں جو الفاظ کی گرفت سے باہر ہیں۔ اس لئے صاحبِ ذوق ادراک کرسکتا ہے۔ کاغذ پر لکھ کر حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔

احب الیہ مما سواھما:

سوال: اس میں 'مما سواھما' میں اللہ ورسول کو ایک ضمیر میں جمع کردیا۔ یہ صحیح نہیں کہ اس سے ''مساوی'' ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے ایک موقع پر اسے خود بھی ناپسند فرمایا۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ ایک خطیب نے ''ومن یعصھما'' کے لفظ میں دونوں کو جمع کردیا تو ارشاد فرمایا:

بئس الخطیب انت، قل ___ ومن یعص اللہ ورسولہ:

جواب ۱: اس کلام میں آپ ﷺ متکلم ہیں۔ کلامِ غیر میں شبہ شرک ہوسکتا ہے ___ مگر آپ ﷺ کے کلام میں نہیں۔

جواب ۲: یا ابتدائی زمانہ پر محمول ہے۔ ابھی رسوخِ توحید کا دور نہیں آیا تھا۔ خطیب سے یہ لفظ صادر ہوئے تو تنبیہ فرمائی گئی۔

جواب ۳: خطبہ مقامِ توحید ہے اس لئے موہمِ شرک لفظ بولنا مفید نہیں تھا۔ جبکہ آپ ﷺ فرمان مقامِ خطبہ نہیں تھا۔

جواب ۴: یہ آپ ﷺ خصوصیت پر محمول ہے۔

جواب ۵: آپ ﷺ کے کلام میں جملے الگ نہیں تھے۔ اس لئے کوئی شبہ کا احتمال نہیں۔ جبکہ اس خطیب کے کلام میں جملے الگ تھے۔

جواب ۶ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں نہی تحریمی نہیں بلکہ ادب فی التکلم کی تعلیم اور تادیب وتہذیب کے لیے ہے۔ (انعام الباری ص ۴۳۵)

جواب ۷: نیز بہترین جواب یہ ہے حدیث الباب میں آپؐ نے جمع فرمایا یہ معاملہ محبت ہے۔ اللہ ورسول کی محبت لازم وملزوم ہے ایک کی محبت فلاح ونجات کے لیے کافی نہیں، محبتوں کا مجموعہ شریعت میں مطلوب اور مدار نجات ہے اس لیے ضمیر تثنیہ لاسکتے ہیں۔

اور خطیب والی روایت جس میں یہ الفاظ ہیں **من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی** میں عصیان کا معاملہ ہے اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ ہر ایک کی نافرمانی مستقلاً باعث ہلاکت ہے تو ضمیر تثنیہ سے منع فرمایا تاکہ ابہام نہ ہوجائے

کہ دونوں کی نافرمانی تو باعث ہلاکت ہے ایک کی نہیں اس لیے فرمایا قل و من یعص اللہ و رسولہ (نصر الباری ۲۳۵ ج ۱)

لا یحبہ الا اللہ: اللہ جو محبت ہوتی ہے وہ دائمی ہوتی ہے۔ اغراض کی محبت وقتی ہوتی ہے۔

لا یحبہ الا اللہ ــــــ یحیٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں: حب فی اللہ یہ ہے: لا یزید بالید و لا ینقص بالجفاء ــــــ حسن سلوک سے اضافہ اور بے وفائی سے اس میں کمی بیشی نہ ہو۔ (درس شامزئی 88)

و ان یکرہ ان یعود الخ:

سوال: لفظ عود سے یہ شبہ ہے کہ عود کا معنی ہوتا ہے لوٹنا، لہٰذا جو لوگ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہوئے ان کے حق میں تو یہ فضیلت متحقق ہوتی ہے ــــــ تاہم وہ لوگ جو شروع ہی سے مسلمان ہیں ان کیلئے "عود" کا تصور نہیں۔ تو پھر ان کو حلاوۃ ایمانی کیسے نصیب ہوگی؟

جواب: یعود، یصیر کے معنی میں ہے۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں او لتعودن فی ملتنا۔ (درس شامزئی 88) نیز ایسا شخص جو اباً عن جد مسلمان ہے اس کو شرک و کفر سے اور بھی زیادہ متنفر ہونا چاہیے اس کو ایمان کی حلاوت بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ (نصر الباری ج ۱ ص ۲۵۶)

09 بَاب عَلَامَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ

انصار سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ نے فرمایا انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے دشمنی رکھنا منافق ہونے کی نشانی ہے۔

اشکال: امام بخاریؒ نے علامۃ الایمان حب الانصار کا باب باندھا اس پر اشکال ہے ــــــ علامۃ الشیء ذو العلامۃ سے خارج ہوتی ہے جیسے دھواں آگ کی علامت ہے مگر آگ کی حقیقت میں داخل نہیں ــــــ اسی طرح حب الانصار بھی ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں۔ لہٰذا اس کو کتاب الایمان میں لانا درست نہیں۔

ج صحیح تر بات یہ ہے جو مولانا محمد یونس صاحب (شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور ہندوستان) نے بیان فرمائی کہ علامۃ الشیء ذو العلامہ کے تابع ہوتی ہے جیسے آگ کی حرارت ــــــ تو ذو العلامۃ کی قلت و کثرت سے علامت میں قلت و کثرت ہوتی ہے ــــــ ایسے ہی ایمان کی قلت و کثرت کی وجہ سے حب الانصار میں کمی بیشی ہوئی۔ (درس شامزئی 89)

تشریح حدیث

۱۔۔متعلقاتِ نبوی ﷺ سے محبت بھی محبتِ نبوی ہی ہے۔

۲۔۔۔انصار کی تخصیص ان کے اپنے طرزِ محبت کی وجہ سے ہے۔

۳۔۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے باہمی اختلافات، خطاء اجتہادی پر مبنی تھے۔اس کا منشاء باہمی بغض وعدوات ہرگز نہیں تھا۔لہٰذا ہمیں سب سے محبت وعظمت کا تعلق رکھنا ضروری ہے۔

۴۔۔۔انصار کا مصداق عام طور پر اوس وخزرج کے دو قبائل ہیں۔

فائدہ: انصار ناصر کی جمع ہے۔دین کے مددگار۔مشتق پر حکم لگائیں تو مادۂ اشتقاق علتِ حکم ہوتا ہے۔اکرِم عالماً۔ وجہ اکرام علتِ علم ہے۔

حب الانصار کی علت نصرۃ نبوی ہے۔جس کا علامتِ ایمان ہونا ظاہر ہے۔

انصار مدینہ یمن کے شہر مآرب کے باشندے تھے جہاں قوم سبا آباد تھی۔۔کاہن نے خبردار کیا کہ سیلاب آنے کو ہے لوگ یہاں سے نکل جائیں۔تو بنو قیلہ کے دو قبیلے اوس وخزرج نکل کر مدینہ طیبہ اقامت پذیر ہوگئے۔۔۔اس وقت مدینہ طیبہ میں یہود آباد تھے۔۔۔انہوں نے اس شرط پر کہ تمہاری دلہن پہلی رات ہمارے ہاں بسر کرے گی قیام کی اجازت دی۔۔حالات کے پیش نظر یہ شرط مان لی گی۔۔تاہم پہلی شادی کے موقع پر ہی دلہن بے حجاب ہو کر تمام برادری کے سامنے آگئی۔۔۔اہل قرابت نے بے حجابی پر اس کو عار دلائی تو اس نے کہا تمہیں غیرت نہیں کہ مجھے شوہر کے ساتھ بھیجنے کی بجائے غیر کے حوالہ کر رہے ہو۔۔۔اس سے انکی غیرت وحمیت کو جوش آیا تو انہوں نے دلہن کو نہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

مگر یہود نے اس پر جنگ کا فیصلہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے اوس وخزرج کو فتح عطا فرمائی۔۔۔اس کے بعد یہود مدینہ اوس وخزرج سے کہا کرتے تھے۔۔۔ہمیں نبی آخر الزمان ﷺ انتظار ہے۔

ان کے ظہور کے بعد ان کے ساتھ مل کر تمہاری خبر لیں گے۔۔۔اوس وخزرج مشرک تھے انہیں کچھ علم نہیں تھا۔موسم حج پر خزرج کے چھ آدمی مکہ آئے اور منیٰ میں ٹھہرے آپ ﷺ کے پاس تشریف لے گئے، دعوت اسلام دی۔۔۔انہوں نے کہا آپ رات کو تشریف لائیں ہم آپس میں مشورہ کر لیں۔۔۔مشورہ میں طے پایا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ جن کا یہود تذکرہ کرتے تھے اگر انہوں نے سبقت حاصل کر لی تو ہم محروم رہ جائیں گے۔

آپ علیہ السلام رات کو تشریف لائے تو سب اسلام لے آئے۔۔۔بعد ازاں دوسرے سال بارہ آدمی اور تیسرے سال پچھتر آدمی حاضر خدمت ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔(نصر الباری ص ۲۳۹ ج ۱)

سوال: مہاجرین کی محبت کا ذکر نہیں کیا وہ اس درجہ کی نہیں______؟

جواب: اس کے بتانے کی ضرورت نہیں وہ تو سب کچھ ہی آپ ﷺ محبت میں لٹا چکے ہیں۔شبہ عدم محبت نہیں۔اس لئے بیانِ حدیث بھی نہیں۔

10۔ باب

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے [اور وہ بدر میں حاضر ہوئے اور لیلۃ العقبہ کے سرداروں میں سے ایک تھے] ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا اور آپ کے ارد گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی تھی کہ مجھ سے ان شرطوں پر بیعت کرو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے، چوری اور زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، کسی پر اپنی طرف سے کھلی ہوئی تہمت نہ رکھو گے اور نیک کام میں نافرمانی نہ کرو گے۔ جو شخص ان باتوں کو پورا کرے گا اس کا اجر خدا پر ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے گا اور دنیا میں اس کو سزا دے دی جائے گی تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور کسی نے مذکورہ افعال کا ارتکاب کیا اور خدا نے اس کے راز کو مخفی رکھ لیا تو وہ خدا کے حوالے ہے خواہ معاف فرمائے یا عذاب دے (راوی کا بیان ہے) ہم نے اس پر حضور ﷺ سے بیعت کی۔

باب ___ حدثنا ابو الیمان الخ

یہ پہلا باب ہے جو بلا ترجمہ ہے۔ ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پچھلے ابواب میں بھی اجزائے ایمان کا بیان تھا یہاں بھی ہے۔

باب بلا ترجمہ کی وجوہات

پہلی وجہ: ۱... باب بلا ترجمہ پہلے باب کی فصل ہوتی ہے۔ پہلے باب سے ربط ہوتا ہے۔ یہاں ربط اس طرح ہے کہ پہلی حدیث میں حب الانصار کو ایمان کی علامت قرار دیا۔ اور یہاں اس کی دلیل بیان کی ہے۔

۲... پہلی حدیث میں حضرات انصار کا ذکر ہے۔ دوسری روایت میں انصار کی وجہ تسمیہ بتائی۔

دوسری وجہ: حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں: تشحیذ اذہان۔ طلباء خود ترجمہ قائم کریں۔ مثلاً ایک ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: باب فی علۃ حب الانصار من الایمان۔ یا مثلاً باب من الایمان ترک الکبائر۔

تیسری وجہ: بعض اوقات تکثیر طرق کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ دوسرے طرق سے لانے کے لئے باب بلا عنوان لے آتے ہیں۔ (درس شامزئی 91)

فائدہ: باب فی الباب میں (یعنی ایک باب چل رہا ہوتا ہے اس کے اندر ہی دوسرا باب بلا عنوان قائم کردیا جاتا ہے۔) اصول ماسبق میں گذر چکا ہے۔ایسے باب کے تحت جو حدیث آیا کرتی ہے۔وہ پچھلے باب کے ترجمہ کی دلیل نہیں ہوتی۔ لہٰذا من وجہ چونکہ ماقبل سے تعلق نہیں اس لئے "باب" لے آئے۔اور چونکہ من وجہ تعلق ہے جس کو اوپر ذکر کیا ہے۔ اور دوربط بتائے ہیں اس لئے باب تو قائم کرلیا لیکن اس کا ترجمہ قائم نہیں کیا۔

تعارف حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرات نقباء

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ: کل مرویات (۱۸۱) ہیں۔فلسطین کے قاضی اول ہیں۔ ۳۴ھ میں وفات ہے۔عبادہ بن الصامت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک ہی ہیں۔تاہم صرف عبادہ نام کے ۱۲ اشخاص ہیں۔ کان شھد بدرا بدری ہیں۔بیان فضیلت کی غرض سے یہ لفظ لائے گئے۔ممتاز من الصحابۃ بعض اوقات و ھو بدری بولا جاتا ہے۔

احد النقباء:

نقباء کا مفرد نقیب ہے۔نقیب اس کو کہتے ہیں جو کسی قوم کی تفتیش احوال کرے اور بیان کرے۔

یہاں نقباء سے مراد وہ حضرات ہیں جو مدینہ طیبہ سے ستر سے زیادہ کی تعداد میں مکہ مکرمہ آئے اور عقبہ کے مقام پر ان کی نمائندگی کرتے ہوئے ۱۲ حضرات نے آپ ﷺ حفاظت ونصرت کے سلسلہ میں بیعت کی تھی۔سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو خوب اچھی طرح بتلادیا تھا کہ آپ ﷺ اپنے قبیلہ میں نہایت معزز ہیں۔اور ان کا قبیلہ حفاظت کرتا رہا' کرتا رہے گا۔لہٰذا آپ لوگ رسول اللہ ﷺ ہر قسم کی نصرت وحفاظت کرسکیں تو لے جائیں پھر انہوں نے حفاظت ونصرت کا عہد دیا۔تو اس عہد و پیمان میں جو مرکزی لوگ شامل تھے وہ ۱۲ تھے۔انہیں کو نقباء کہا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے اشارے سے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ انہی میں سے تھے۔(درس شامزئی 92)

سوال: لیلۃ العقبہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: جس رات آپ ﷺ نے منیٰ میں ایک گھاٹی کے پاس مدینہ طیبہ سے آنے والے حضرات سے بیعت' کفار سے چھپ کر فرمائی تھی۔پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کو مامور فرمایا تھا کہ وہ جا کر اپنی قوم کو تبلیغ دین کریں۔

سوال: بیعت عقبہ کتنی دفعہ ہوئی؟

جواب: اختلاف ہے۔دو یا تین مرتبہ ہوئی۔راجح یہ ہے کہ تین مرتبہ ہوئی۔پہلی ۱۱ نبوی کو حج کے موسم میں جس میں سات یا آٹھ افراد تھے۔انہیں میں اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ بھی تھے۔جو اسی وقت مسلمان ہوئے تھے۔

دوسری مرتبہ ۱۲ نبوی کو بارہ یا چودہ آدمی آئے۔ان میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔تیسری مرتبہ ۱۳ نبوی کو ستر کے قریب آدمی آئے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور مدینہ طیبہ تشریف لانے کی آپ ﷺ کو دعوت بھی دی۔ اوس وخزرج

کے یہ قبائل یہود کے شر اور سود خوری سے تنگ آچکے تھے۔ یہود سے بچنے کیلئے ان حضرات نے یہ سوچا کہ کیوں نہ ہم اللہ کے نبی ﷺ اپنے ساتھ لے جائیں اور ان کے شر سے بچ سکیں۔ کیونکہ ان کی حکومت تو قائم ہوئی ہے۔

قولہ عصابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جو حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی کوشش سے مسلمان ہوچکے تھے وہ بھی 70 حضرات میں شامل تھے۔ جو مرتبہ صحابیت پر فائز تھے۔ نیز یہ بیعت طریقت تھی، جن منکرات کے بارے میں عہد لیا جارہا ہے وہ بصیغہ مضارع مستقبل کے بارے میں ہے نہ یہ کہ یہ حضرات مشرک تھے۔ (جیسے کہ ہر آدمی سارق یا زانی نہیں ہوتا لیکن عدم سرقہ وزنا پر بیعت لی جاتی ہے۔)

عصابۃ: اس کا اطلاق ۱۰ سے چالیس تک کی جماعت پر ہوتا ہے۔ کبھی زائد پر بھی جیسے غزوۂ بدر میں آپ ﷺ نے ھذہ العصابۃ فرمایا تھا۔ جن کی تعداد ۳۱۳ تھی۔

جبکہ لفظ 'رھط' کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے۔

مقصودی تشریح

بایعونی علی ان لاتشرکوا باللہ شیئاً:

بیعت کرو یعنی مجھ سے عہد اطاعت کرو۔ اس کا ماخذ "بیع" ہے جس کا معنی بیچنا یا بک جانا ہے____ چونکہ بیعت کرنے والا اپنی خواہشات اور جذبات کو مقتدیٰ کے حوالہ کردیتا ہے۔ اس لئے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ جب خرید وفروخت قائم ہوجاتی ہے تو بائع ومشتری ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں یہ بیعت معاملہ ہے۔ یہی مناسبت ہر جگہ ہے۔

اقسام بیعت:

(۱) بیعت اسلام: جو کفر وشرک سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کیلئے کی جائے۔

(۲) بیعت جہاد: جو امیر لشکر اپنے اہل لشکر سے لے جیسا کہ آپ ﷺ نے بیعت رضوان حدیبیہ کے موقع پر لی تھی۔

(۳) بیعت خلافت: جو امیر مملکت کے ہاتھ پر اس کو امیر المومنین یا خلیفہ تسلیم کرنے پر لی جاتی ہے۔

(۴) بیعت طریقت: ترک معاصی اور نیک عمل پر پابندی کیلئے کسی صالح اجازت یافتہ انسان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے____

سوال: حدیث الباب میں کونسی بیعت مراد ہے؟ دو رائیں ہیں____

(۱) پہلی رائے یہ ہے کہ بیعت اسلام ہے کیونکہ یہ لفظ ھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ ہے گویا لیلۃ العقبہ کے موقع پر ان تمام حضرات نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر قبول اسلام کیا تھا اور دوران بیعت جو الفاظ ذکر کیے گئے ہیں ان سے پہلا ہی لفظ علی ان لاتشرکوا بہ شیئاً بھی اس کا مؤید ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بیعتِ طریقت ہے۔ بیعت اسلام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ لیلۃ العقبہ کے دور سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ ھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ یہ محض تعارفی جملہ ہے۔ کما قال حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ والراجح ھو القول الاول۔

ان لا تشرکوا باللہ شیئاً

نکرہ تحت النفی ہے۔ ہر قسم کے شرک سے احتراز ضروری ہے۔ (شرک فی الذات، فی الصفات، فی العبادات، فی التشریع ممنوع ہیں)

لا تاتوا ببھتانٍ تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ــــــ

اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں

بہتان اس جھوٹ کو کہتے ہیں جس کو سن کر مخاطب دنگ رہ جائے۔ بین ایدیکم وارجلکم اس کے لئے صفتِ کاشفہ ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ کوئی بھی خبر کسی نہ کسی واقعہ سے ماخوذ ہوتی ہے۔ مثلاً زید قائم۔ اس کے قیام کے واقعہ کو دیکھ کر میں یہ خبر دے رہا ہوں ــــ اور ایک خبر بے واقعہ ہے جس کا وجود نہیں ہوتا۔ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے خود گھڑی جاتی ہے۔ اس کو بہتان کہتے ہیں۔ اس کی ممانعت ہے کہ یہ بہتان تراشی ہے۔

۲... بین ایدیکم وارجلکم کا تعلق لا تاتوا کے ساتھ ہے۔ کہ سامنے بہتان مت لگاؤ یعنی ایک پسِ پشت عیب لگانا ہے اور ایک سامنے عیب لگانا ہے۔ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ انکار بھی نہیں کر سکتا۔ اس وقت ایدیکم وارجلکم کا تعلق مخاطب سے ہوگا۔

۳... شرمگاہ کا یعنی بدکاری کا عیب نہ لگاؤ۔ اس لئے کہ یہ بین ایدیکم وارجلکم ہے اور زیادہ بے عزتی کا باعث ہوتا ہے۔ گویا تہمت زدہ مراد ہوگا۔

۴... مراد دل ہے یہ بھی بین ایدیکم وارجلکم ہے۔ اس لئے اس کے ذریعہ اختراع نہ کرو۔

۵... بین ایدیکم وارجلکم کے یہ الفاظ قرآن کریم میں عورتوں کی بیعت کے واقعہ کے ساتھ مذکور ہیں۔ تو اس تناظر میں یہ الفاظ اولاً اس لئے استعمال کرنا پڑے کہ بچہ اگر بدکاری سے ہے اور خاوند سے یہ مخفی ہے تو اب اس کو خاوند کی طرف منسوب کر کے بہتان کا ارتکاب نہ کرے ــــ دورِ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ غلط کاری یا کسی بھی طرح سے امید ہو گئی اب اس کو خاوند کی طرف منسوب کر دیا۔ یا پتہ چل جانے پر اصل زانی کے بجائے کسی اور پر بہتان لگا دیا۔ اس کی ممانعت ہے۔ اسی کو بین ایدیکم وارجلکم سے تعبیر کیا ہے۔ ــــ پھر یہ الفاظ بین ایدیکم وارجلکم مردوں سے بیعت میں لیے جانے لگے۔

ولا تعصونی فی معروف

معروف کی قید اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے واقعی ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے لحاظ سے اس قید کی ضرورت نہ تھی وہ تو واقعتاً معروف ہی کا حکم دیتے ہیں۔ اوروں کے لحاظ سے احترازی ہے۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پیشِ نظر رہے۔

حدیث الباب میں الفاظ میں منہیات کا تو ذکر ہے فرائض وواجبات کا ذکر ہی نہیں بیعت نامکمل ہے۔۔۔فی معروف میں تمام فرائض وواجبات آگئے۔(کشف الباری ج ۲ ص ۶۳)

فاجرہ علی اللہ:

علی لزوم کیلئے آتا ہے۔اس سے معتزلہ کہتے ہیں کہ اجرا لازم واجب ہے۔اہلسنت والجماعت کے نزدیک لزوم تفضلی ہے ــــ جس پر کوئی چیز واجب ہو وہ تو مکلف ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے بری وبالا ہے۔جزا دیں تو فضل ہے۔سزا دیں تو عینِ عدل ہے۔

سوال: جب عمل کیا تو جزا ہونی چاہیے۔ج: توفیقِ عمل اور امضائے عمل بھی فضل ہی تو ہے۔

ج ۲: قبل از عمل ہی اتنا کچھ وصول کر چکا ہے اس کا حساب ہی نہیں دے سکتا۔

فھو کفارۃ له

حدود کفارات ہیں یا محض زواجر؟

جمہور ائمہ کہتے ہیں حدود کفارات ہیں۔ان کے نزدیک اصلاً یہ کفارہ ہیں اور ضمناً یہ زجر وتوبیخ ہیں۔

جبکہ عندالاحناف یہ زواجر محضہ ہیں۔توبہ کئے بغیر گناہ کا ازالہ نہیں ہوگا ــــ

فائدہ: ائمہ احناف کے نزدیک کبائر کی معافی کے دو طریقے ہیں۔۱:توبہ، ۲:فضلِ الٰہی ــــ اور صغیرہ کے تین طریقے ہیں: توبہ، فضلِ الٰہی، تیسرے توفیقِ حسنات ــ البتہ حقوق العباد کی تخصیص ہے کہ صرف توبہ سے نہیں بلکہ تلافی (معافی یا ادائیگی) کے ساتھ مشروط ہیں ــــ جمہور کبیرہ کی معافی کا ایک سبب اجرائے حد بھی قرار دیتے ہیں۔اسی لئے جمہور کے نزدیک کبیرہ کی معافی کے بھی تین طریقے ہوگئے۔

دلائل احناف: عندالاحناف اصول یہ ہے کہ پہلے نصِ قرآنی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔روایت خلاف ہو تو اس کی تاویل کرتے ہیں چنانچہ قرآن کریم کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں بھی حدود کا ذکر ہے وہاں آخر میں توبہ کا ذکر بھی کیا ہے اس لئے موقفِ احناف بڑی صراحت اور وضاحت سے ثابت ہے۔جیسے ڈاکہ کی سزا (انما جزاء الذین الخ) ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا الخ، اور حدِ سرقہ کے بعد فمن تاب من بعد ظلمه واصلح الخ، نیز حدِ قذف کے بیان کرنے کے بعد بھی فرمایا: الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا۔ یہ استثناء واولئک هم الفسقون سے ہے۔

گویا اجرائے حد کے باوجود توبہ بذمہ مجرم ضروری ہے اس لئے ان پر ''فاسقون'' کا اطلاق کیا جارہا ہے۔(حدِ قذف والے کی گواہی بعد از توبہ تحمل کے لحاظ سے صحیح، ادا کے لحاظ سے صحیح نہیں)

ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لا ادری الحدود کفارات ام لا ــــ معلوم ہوا

کہ حدود کا کفارہ ہونا متعین نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ متاخر الاسلام ہیں۔ اس لئے ان کا قول مقدم ہے کما قال العینی رحمہ اللہ
نیز مشکوۃ شریف میں یہ روایت ہے: ایک چور پر حد جاری کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: تب الی اللہ و استغفرہ۔
اجرائے حد کے بعد توبہ واستغفار کی تلقین سے معلوم ہوتا ہے رفع اثم نہیں ہوا۔ معلوم ہوا حدود زواجر ہیں۔ کفارہ دسواتر نہیں ہیں۔
تو آیات قرآنی واحادیث دونوں اس پر دال ہیں۔

اشکال: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں حضرت عبادہ بن الصامتؓ کا روایت کردہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ لہٰذا اس سے عقوبات کا کفارہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو عدم علم سے متعلق روایت فرما رہے ہیں وہ فتح مکہ سے پہلے کی ہے۔ نیز ظاہر ہے عدم علم پہلے ہوتا ہے اور علم بعد میں ہوتا ہے ــــ اس لئے عقوبات کا کفارہ ہونا متحقق ہو گیا۔

احناف کہتے ہیں ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کا بیان کردہ واقعہ فتح مکہ کے موقع کا ہے۔ قرائن اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع کا ہوتا تو مجمع زیادہ ہوتا۔ ظاہر یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں جو مدینہ سے آ کر لوگ بیعت ہوئے تھے یہ اسی وقت کا واقعہ ہے۔ علامہ عینیؒ کی تحقیق کے مطابق چونکہ حضرت ابوہریرہؓ موخر الاسلام ہیں (۷ھ میں) تو محدثین کرامؒ کے اصول کے مطابق جو موخر الاسلام ہو گا اس کا قول مقدم ہو گا۔ لہٰذا حدود کا کفارہ (بمعنی رفع اثم) ہونا یقینی نہیں۔

امام شافعیؒ اور جمہور کی دلیل حدیث الباب ہے۔

جواب: مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے حضرات احناف حدیث الباب کی درج ذیل توجیہات کرتے ہیں۔

توجیہ ۱: گناہ کی معافی کا ایک سبب قریب ہے اور ایک سبب بعید ہے۔ توبہ سبب قریب ہے اور حد سبب بعید ہے۔ کیونکہ حد عموماً توبہ کا سبب بنتی ہے۔ تو سبب بعید پہلے پایا جاتا ہے اور سبب قریب (توبہ) بعد میں، جیسے لوہار کا تلوار بنانا یہ سبب بعید ہے۔ مگر پہلے بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ قتل کرنا یہ سبب قریب ہے۔ اگرچہ بعد میں پایا جا رہا ہے۔

فقہاء کا اصول ہے کہ حکم کی نسبت سبب قریب کی طرف کی جاتی ہے۔ اسی لئے ٹی وی وغیرہ کے گناہ ہونے کی نسبت سبب قریب دیکھنے والے کی طرف ہو گی سبب بعید بنانے والے کی طرف نہیں ہو گی۔ اگرچہ بنانا بھی اچھا نہیں ہے۔ تو حدود رفع اثم کا سبب بعید اور توبہ سبب قریب ہے۔ تو فھو کفارۃ لہ بطور سبب بعید کے ہے۔

فائدہ: اگر دوران حد ہی ندامت متحقق اور آئندہ اس جرم کا اعادہ نہ کرنے کا عزم ہو گیا تو توبہ بھی ہو گئی۔ اب یہ احناف کے نزدیک کفارہ ہو گیا۔ اور شوافع کے ہاں بھی کفارہ ہے کہ اجرائے حد ہو چکا ہے۔ تو توبہ بھی ہو گئی۔ گویا اس وقت احناف وشوافع دونوں فھو کفارۃ لہ پر جمع ہیں کہ معافی متحقق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کی وجہ سے اگرچہ وہ مع اجرائے حد ہے۔ اور شوافع کے نزدیک محض اجرائے حد سے۔ بہر حال یہ جزئیہ متفق علیہ ہے۔ البتہ یہ جزئیہ کہ حد بھی لگ رہی ہے اور ندامت وپشیمانی بھی نہیں ہے پھر کہے کہ زندگی رہی تو پھر بھی حرکت کروں گا، یہ جزئیہ مختلف فیہ ہے کہ عند الشوافع کفارہ (یعنی رفع اثم) ہو گیا۔ اور عند الاحناف توبہ متحقق نہیں ہے لہٰذا کفارہ نہ ہوا۔

توجیہ ۲: حدیث الباب: فعوقب فی الدنیا سے مراد حدود نہیں ہیں ـــــ بلکہ مصائب سماویہ ہیں ـــــ مصائب جو آتے ہیں وہ گناہ کا کفارہ بن جاتے ہیں ـــــ

سوال: مصیبت اگر کفارہ ہوسکتی ہے تو حد کیوں کفارہ نہیں ہوسکتی ـــــ؟

ج: دوفرق ہیں۔ ۱: مصائب میں اسباب متعین نہیں ہوتے کہ یہ گناہ کونسا ہے جس کی سزا یہ ہے جبکہ حدود میں جرم وسزا کا تعین ہوتا ہے ـــــ

۲: مصائب میں کسب عبد کو دخل نہیں۔ جبکہ حد میں کسب عبد کو دخل ہے ـــ گویا وہ خود اپنے آپ کو سزا دیتا ہے ـــــ لہٰذا مصائب کو حدود پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ جیسے مصائب کفارہ ہیں تو اس پر حدود کو قیاس کرتے ہوئے کفارہ نہیں بنایا جائے گا۔ (کیونکہ تعیین جرم اور کسبِ عبد کا فرق ہے۔)

مشترکہ اعلامیہ حدود احناف کے نزدیک ابتداءً زواجر ہیں اور انتہاءً سواتر۔ یعنی ضمناً توبہ پائی جاتی ہے۔ عام طور پر توبہ کی توفیق ہو ہی جاتی ہے۔ اور عند الجمہور ابتداءً سواتر ہیں یعنی باعثِ معافی ہیں اور انتہاءً زواجر ہیں کہ ضمناً زجر کا بھی کام دیتی ہیں۔

فائدہ: حدیث الباب کے مضمون میں شرک کا بھی ذکر ہے اگر کوئی مسلمان شرک کرے گا تو مرتد کی سزا حد قتل جاری کی جائے گی یہ سزا بالاتفاق ساتر نہیں محض زاجر ہی ہوگی کیونکہ حدود سے کفر و شرک کے عظیم گناہ کا بالاتفاق رفع نہیں ہوگا۔ یہاں بالاتفاق توبہ ضروری ہے۔ (انعام ۹۸ ج ۳)

حدیث ہٰذا سے مرجیہ کی تردید اس طرح ہوتی ہے کہ عمل پر وعدۂ اجر ہے اور بدعملی پر سزا کی وعید ہے تو لاتضر مع الایمان معصیۃ کا نظریہ غلط ثابت ہوا۔ معتزلہ مرتکب کبیرہ کو خارج ایمان قرار دیتے تھے ان شاء عفاعنہ یہ معتزلہ کی تردید ہے مرتکب کبیرہ کافر ہو گیا تو عفو کا تعلق اس سے نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن تعلق بالمشیت ثابت ہے۔ اور ان شاء عاقبہ یہ مرجیہ کی تردید ہے۔ گرفت کے اندیشہ سے معصیت کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ: جب توبہ سے بالاتفاق حد ساقط نہیں ہوتی حالانکہ گناہ معاف ہو جاتا ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ تو حد لگنے سے توبہ بھی ساقط نہ ہونی چاہیے معلوم ہوا حد کی تشریع عفوییات کے لیے نہیں ورنہ توبہ کے بعد حد لگانا بے معنی ہوگا۔

(نصر الباری ج ۱ ص ۲۴۹)

فائدہ: کسی بھی گناہ میں تین حق تلفیاں ہیں۔ ۱: اللہ تعالیٰ کی حق تلفی، ۲: پبلک کی حق تلفی خصوصاً وہ گناہ جو حدود یا حقوق العباد کے قبیل سے ہیں، ۳: اپنے نفس کی حق تلفی۔ حدود کے گناہوں میں جو گندگی نفس میں بیٹھی ہوئی ہے اور جو پبلک کا نقصان کیا ہے یہ توبہ سے ختم نہیں ہوتے جب تک "حد" جاری نہ کی جائے ـــــ امام صاحب رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق حد کے علاوہ توبہ بھی ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف "حد" سے گناہ معاف ہو گیا۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حق اللہ" معاف نہیں ہوتا۔ توبہ ضروری ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام، ج 7 اقتباس کیا)

11 بَاب مِنَ الدِّينِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ

فتنوں سے بھاگنا ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ.

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب آدمی اپنی بکریاں پہاڑ کی چوٹیوں پر اور بارش کے مقامات پر لئے پھرے گا۔ تاکہ اپنے دین کو فتنوں سے محفوظ رکھ سکے۔

تشریح حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک اور بعض نے عبداللہ بن ثعلبہ بتایا ہے۔ اور بعض نے سنان بن مالک بتایا ہے۔ کل مرویات ۱۱۷۰ ہیں۔ م ۶۴ یا ۷۴ھ ہے۔ کم سن صحابہؓ میں ان سے زیادہ افقہ اور اعلم کوئی نہیں۔

ربط وغرض ترجمہ: باب سابق سے ربط یہ ہے کہ ماقبل باب میں صحابہ سے بیعت لینا، فرار بالدین من الفتن میں داخل ہے... اس طرح دونوں میں باہمی مناسبت ہوئی۔ (دلیل القاری ص ۱۷۱)

پچھلے باب میں حضرات انصار کو بذریعہ بیعت کچھ امور کے ترک کا ارشاد فرمایا اب یہ فرما رہے ہیں انہی امور پر اکتفا نہیں بلکہ بوقت ضرورت وطن کو چھوڑنا بھی دین میں داخل اور عبادت ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۷۹)

حدیث الباب سے مرجیہ کا واضح رد اس طور پر ہے اگر معاصی دین کے لیے نقصان دہ نہ ہوتے تو پھر فتن سے فرار کی کیا ضرورت تھی؟ اور آپ ﷺ کو دین کا حصہ کیسے قرار دیتے؟ (دلیل القاری ص ۱۷۳)

___ جیسے اعمالِ صالحہ اجزائے دین میں سے ہیں۔ ایسے ہی معاصی کا چھوڑنا یہ بھی اجزائے دین میں سے ہے ___ نیز ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پہلے ایمان کیلئے امورِ ترقی کا بیان تھا اب ایمان کیلئے امورِ مضرت کا بیان ہے۔ گویا پہلے ایجابی پہلو کا بیان تھا اب سلبی پہلو کا بیان ہے۔

تشریح حدیث

شعف الجبال: شِعَف شُعْفۃ کی جمع ہے جیسے شِعب شُعبۃ کی جمع ہے ___ اس کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں۔

مواقع القطر: وہ مقامات جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے جیسے وادیاں، جنگلات اور پہاڑ وصحرا۔

فِتَن فتنہ کی جمع ہے۔ یہ لفظ فتنَ الذھب علی النار یعنی سونے کو آگ پر پکانا تاکہ اس کا کھوٹ ظاہر ہوجائے سے ماخوذ ہے ___ پھر اس کا استعمال ایسے واقعات میں شروع ہوگیا جو انسان کے لئے امتحان کا باعث بنتے ہیں۔ عرف میں اس سے مراد یہ ہے دینی امور کی مخالفت عام ہوجائے۔ اور حفاظتِ دین مشکل ہوجائے۔ اسباب وذرائع مفقود ہوجائیں تو اس کو فتنہ کی حالت کہتے

ہیں ایسی صورت میں کمزوروں کو اجازت ہے کہ وہ دین کی حفاظت کیلئے بھاگ نکلیں۔ ففروا الی اللہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

غنم: مختصر مال مراد ہے۔ بکریوں میں انحصار نہیں ہے۔

یفر بدینہ: باء سببیت کیلئے ہے۔ معنیٰ یہ ہے دین کی خاطر فتنوں سے بھاگے یا با معیت کیلئے ہے معنیٰ یہ ہوگا دین کو ساتھ لے کر فتنوں سے بھاگے۔

سوال: حدیث الباب میں عزلت اور رہبانیت کی تعلیم نظر آتی ہے جبکہ دوسری جگہ حدیث میں **لا رھبانیۃ فی الاسلام** ہے۔

ج: حدیث ہذا میں رہبانیت کی نہیں بلکہ تعلیم صیانت دین ہے۔ اور نفی و ممانعت وہاں ہے جہاں رہبانیت ہی کو اسلام سمجھ لیا جائے۔

فائدہ: نصاریٰ نے بلا ضرورت شدیدہ محض ثواب سمجھ کر وطن اور تعلقات قرابت اور حقوق العباد کو ترک کرنا ذریعہ قرب و رضاء خداوندی سمجھ لیا، جبکہ یہ مطلوب خداوندی ہر گز نہ تھا یہ ایک بدعت تھی جس کو رہبانیت کہتے ہیں۔۔۔ اور حدیث الباب میں فتنوں میں محصور ہونے اور حفاظت دین و ایمان کی کوئی صورت و حیلہ نہ ہونے کے وقت فرار للدین کی استثنائی حالات میں اجازت ہے جو بذات خود مقصود نہیں محض وقتی چیز ہے۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۳۶۴)

حدیث ہذا کی روشنی میں ''جلوت افضل ہے یا خلوۃ''

یہ افراد کے لحاظ سے مختلف ہے۔ مقتدیٰ قسم کے لوگ اہل علم یا اہل نظر ان کو تو کسی صورت خلوۃ جائز نہیں ____ البتہ اپنے معمولات، اوراد و وظائف پورا کرنے کیلئے اہل علم کو بھی کچھ وقت خلوت کا نکالنا چاہیے اس کا تعلق اپنی ذات سے ہے۔ عام آدمی سے نہیں اور فتنہ سے بھی نہیں۔ اور جو لوگ گناہ کے ماحول میں ڈھل جاتے ہوں وہ بلا ضرورتِ شدیدہ اپنے کو اختلاط سے بچائیں ____ جاہل ہر صورت جلوۃ اختیار کرے۔

فائدہ ۱: خلوۃِ طریقت جو شیخ محقق کی نگرانی میں ہوتی ہے اس کا مندرجہ بالا خلوۃ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک خاص فرد کا عارضی معالجہ ہوتا ہے۔

فائدہ ۲: فتن سے اعمال میں تو فرق آتا ہے مگر اعتقادات میں نہیں۔ تو فرار کا حکم اس لیے دیا تاکہ اعمال ادا ہو سکیں اور یہ اعمال اجزائے ایمان ہیں تو فتن سے اعمال میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جس سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اس سے بچنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا **مواقع** مطر پر چلا جائے۔ امام بخاریؒ کا مقصود بھی یہی ہے اس سے ایمان کی کمی بیشی ثابت ہو گئی۔ **قالہ الامام ربانی جنجوھی** علیہ الرحمۃ۔



12 باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انا اعلمکم باللہ الخ

بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللهِ وَأَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى {وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ}

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ قَالُوا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتَّى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُولُ إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللهِ أَنَا.

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قول کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں

اور معرفت دل کا فعل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (سورۃ البقرۃ میں) لیکن ان قسموں پر تم کو پکڑے گا جو تمہارے دلوں نے (جان بوجھ کر) کھائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کو حکم دیتے تو صرف اتنا جتنا ان کی طاقت میں ہو۔ لوگ عرض کرتے یا رسول اللہ! ہم آپ کی طرح تو ہیں نہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو خدا تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر غصے ہوتے یہاں تک کہ غصے کا اثر آپ کے چہرے پر ظاہر ہونے لگتا۔ پھر فرماتے میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے بڑھ کر خدا کو جاننے والا ہوں۔

غرض ترجمہ: امام بخاریؒ کا مقصود اس باب سے الایمان یزید و ینقص ثابت کرنا ہے۔

سوال: انا اعلمکم باللہ کا ترجمہ کتاب العلم سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اس کو کتاب الایمان میں لانے کیا فائدہ ____؟

جواب ۱: یہاں قیاس النظیر علی النظیر ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں جیسے علم کی بیشی قبول کرتا ہے اسی طرح ایمان بھی کمی بیشی قبول کرتا ہے۔

ج ۲: علم کے دو درجے ہیں۔ ایک اختیاری اور ایک غیر اختیاری۔ غیر اختیاری درجہ معرفت ہے۔ اور اختیاری درجہ تصدیقِ قلب ہے۔ یہاں علم سے اختیاری مراد ہے۔ جو درجہ تصدیق ہے۔ اور درجہ ایمان کے مرادف ہے۔ لہٰذا کتاب الایمان سے مناسبت ہوگئی ____

ج ۳: حدیث میں انا اعلمکم باللہ سے اشارہ ہے کہ میں ذات باری تعالیٰ و اوصافہ کا تم سب سے زیادہ عالم ہوں تو تفاوت فی العلم ثابت ہوا جبکہ اس سے تفاوت فی العمل از خود ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ عمل علم کا نتیجہ ہوتا ہے اور تفاوت فی العمل سے تفاوت فی الثمرہ ثابت ہوتا ہے لہٰذا عمل کی ضرورت ثابت ہوئی تو مرجئہ کا رد ہو گیا۔ (درس شامزئی 98)

سوال: ان المعرفۃ فعل القلب۔ اس پر سوال ہے کہ قلب کی طرف فعل کی نسبت کی ہے کیا یہ صحیح ہے ____؟

ج: امام بخاریؒ فرماتے ہیں بما کسبت قلوبکم کی روشنی میں یہ نسبت صحیح ہے۔ کیونکہ معرفت وعلم اختیاری ضروری ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا جاسکتا۔ اس لئے کہ علم کا مقابلہ جب معرفت سے ہو تو علم بمعنی یقین واختیاری کے ہوتا ہے اور جب مقابلہ نہ ہو تو غیر اختیاری ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان باللہ کیلئے صرف قول کافی نہیں بلکہ فعل قلب کی بھی ضرورت ہے۔

اب ترجمۃ الباب کے اجزاء آپس میں مربط ہو گئے۔ بایں طور کہ علم بھی بمعنی تصدیق قلب اختیاری مراد ہے۔ اور معرفت سے جو فعل قلب مراد ہے وہ بھی اختیاری ہے اور "بما کسبت قلوبکم" یہ فعل کی قلب کی طرف نسبت کی دلیل ہے۔ تو معرفت کا فعل قلب کی طرف منسوب ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ سب اجزائے ترجمہ باہم مربوط ہو گئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس کی تعبیر ثانی یوں فرماتے ہیں: اعلمکم باللہ میں علم سے مراد معرفت ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم کسی کی کنہ جاننے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کی کنہ وحقیقت تک رسائی کسی بھی بشر کے لئے محال ہے اور معرفت علامتوں سے پہچاننے کا نام ہے، اس لیے بذریعہ علامت معرفت ہوگی امام بخاریؒ نے انا اعلمکم کی تشریح میں لفظ علم نہیں استعمال فرمایا بلکہ علم سے معرفت مراد لی ہے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم کہتے ہیں:

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے: خدا کیا ہے؟ خدا ہے اور کیا ہے؟ (انعام الباری ص ۲۱۷)

فائدہ: مندرجہ بالا دونوں توجیہات کی روشنی میں فرق یہ ہے کہ پہلی توجیہ میں معرفت کو علم کے تابع کیا، اور دوسری توجیہ میں علم کو معرفت کے تابع کیا ہے۔ واللہ اعلم

نیز امام بخاریؒ نے انا اعلمکم باللہ سے ایمان کی کمی بیشی ثابت فرمائی اور ان المعرفۃ فعل القلب سے کرامیہ کی تردید فرمائی جو ایمان کا مدار صرف قول لسانی "اقرار" پر رکھتے ہیں۔

تشریح حدیث

حدثنا محمد بن سلام الخ سلام کے بارے میں اگرچہ بعض حضرات بالتشدید کہتے ہیں لیکن راجح بالتخفیف ہے۔
لسنا کھیئتک ک بمعنی مثل ہے۔

آپ کے معصوم ومغفور ہونے کی وجہ سے ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ اسی لئے کہ ہم مغفور نہیں ہیں ــــ لیکن آپ ﷺ نے رد فرمایا جب اسباب عبادت "علم وتقویٰ" میرے اندر زیادہ ہیں تو مجھے ہی عبادت زیادہ کرنی چاہیے۔ مقصود ارشاد ہے دنیوی ناجائز تجاویز کو تو چھوڑنا ہی ہے۔ دینی طور پر خوشنما اور حسین تر نظر آنے والی تجاویز نہ صرف تم تینوں کو بلکہ پورے عالم کے انسانوں کو چھوڑ کر "میرا اتباع" کرنا ہے ــــ

سوال: فیغضب: آپ ﷺ ناراض کیوں ہوئے: لسنا کھیئتک بظاہر درست تو ہے۔

جواب: اس لئے کہ انہوں نے خلاف فطرۃ سلیمہ سوال کیا۔ فطرۃ سلیمہ سے سمجھ لینا چاہیے کہ کمال وترقی اتباع سنت میں ہے۔ سنت سے تجاوز میں نہیں ہے ــــ

صحابہؓ کا عبادت میں حد سے تجاوز کرنا آپ ﷺ عبادت کو کم سمجھنا نیز مغفرت ذنب کو تقلیل عبادت کا سبب سمجھنا حالانکہ یہ تکثیر عبادت کو مقتضی ہے بوجہ افلا اکون عبدا شکورا۔

پس منظر حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ ، حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ (نصر الباری ص 254) ازواج مطہرات کے دروازے پر آئے اور آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کیا اور افطار وروزہ، قیام ونوم، نیز نکاح کی زندگی کے بارے میں پوچھنے کے بعد ان کا تاثر یہ تھا "کانھم تقالّوھا" پھر انالسنا کھیئتک سے اسی کی دینی تعبیر فرمائی۔ کہ معمولات نبوی ﷺ گویا اس تناظر میں کم سمجھے۔ تاہم دیکھا جائے تو معصوم ومغفور کی قطعی پیش گوئی کے لحاظ سے اس کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انا اعلمکم باللہ واتقٰکم۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قوت علمیہ وعملیہ کا درجہ کمال مجھے حاصل ہے اس کے باوجود میں خورد ونوش، سونا جاگنا اور نکاح وشادی کرتا ہوں ـــــ جبکہ تم لوگ اس کمال علم وتقویٰ سے خالی ہو۔ بس اتباع ہی اصل ہے۔

فائدہ ۱: آپ ﷺ کا ارشاد گرامی: انا اعلمکم باللہ واتقٰکم اظہار حقائق ہے نہ کہ فخر وعجب۔ اس لئے بوقت ضرورت بقدر ضرورت اظہار علم وفن کی اجازت ہے۔ بہت بہتر ہے اس میں تحدیث نعمت کی نیت کرلی جائے۔ کما قال ﷺ انا سید ولد آدم ولا فخر۔

فائدہ ۲: کمال عبادت کمال معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ کہ مشقت زیادہ اٹھانے سے۔

فائدہ ۳: ان اللہ قد غفر لک۔ ایسی تمام نصوص سے مراد وعدۂ مغفرت ہے۔ جس کا مقتضی عمل واحتیاط ہے۔ نہ کہ ترک عمل وعدم احتیاط۔ اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وعدۂ مغفرت کے باوجود: افلا اکون عبداً شکوراً۔ مبنیٰ عبادۃ ومغفرت اظہار تشکر ہے۔ نہ کہ ترک عمل ـــــ

فائدہ: اسلام کی عملی تعلیم کے لئے جو چیزیں شان نبوت کی منافی نہیں تھیں تکوینی حکمت کے تحت وہ آپ علیہ السلام پر لائی گئیں جیسے واقعۂ لیلۃ التعریس یا غزوۂ احزاب کے موقع پر نمازوں کی قضا، سوتے جاگتے دونوں مواقع، اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جاہلیت کی رسم قدیم رسم شنیع کہ متبنیٰ کی بیوی سے نکاح نہیں ہوسکتا، یہ حال آپ پر لاکر حکم واضح کیا گیا کہ نکاح ہوسکتا ہے اور جو چیزیں شان نبوت کے منافی تھیں، وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لائی گئیں جیسے سرقہ وزنا، چنانچہ حدود کے نفاذ کی عملی تعلیم کا ظہور ہوا ـــــ

ماتقدم من ذنبک وماتاخر

سوال: مغفرت کا تعلق ماتقدم سے سمجھ میں آتا ہے لیکن ماتاخر سے نہیں۔ معصیت سرزد ہونے کے بعد مغفرت ہوتی ہے نہ کہ قبل از صدور۔

جواب: مغفرت بمعنی عدم مواخذہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ آئندہ بشری تقاضے سے بالامکان کوئی بات ہوئی تو مواخذہ نہ ہوگا ـــــ

جواب ۲: "مغفر" عدم صدور گناہ سے کنایہ ہے۔ آئندہ گناہ کا صدور نہ ہوگا۔

جواب ۳: اعلان بالمغفرت ہے جو علم الٰہی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں ماضی، حال، مستقبل سب برابر ہیں۔ لہٰذا یغفر لک اللہ الخ اسی پر محمول ہے۔

جواب ۴: مغفرت احکام آخرۃ کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے سب کچھ ماتقدم میں آجائے گا۔

سوال: انبیاءؑ تو سب ہی معصوم و مغفور ہیں۔ آپ ﷺ اس میں کیا خصوصیت ہے ____؟

جواب: آپ ﷺ مغفرت کا اعلان خصوصیت ہے تاکہ شفاعت بالاذن کرسکیں۔ ورنہ عقیدہ کی بنا پر سب ہی مغفور ہیں۔

فائدہ: جامع ترمذی میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزوں میں اختیار کے وقت "اشق" اپنے لئے اور "اخف" امت کے لئے پسند فرماتے۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں شفقت علی الامۃ اور شق علی النفس خاصۂ نبوت ہے جیسے تہجد اور وضو لکل صلوٰۃ کے مسائل میں اشق اور اسہل کا فرق ہے۔ (درس شامزئی 99)

مسئلہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام:

ان اللہ قد غفر لک ماتقدم من ذنبک وماتاخر۔

آیت سورۃ الفتح سے بظاہر معلوم ہوتا ہے حضرات انبیاءؑ سے صدور گناہ ہوجاتا ہے۔

عصمت انبیاءؑ کے بارے میں اصولی طور پر تین مذاہب ہیں:

(۱) انبیاءؑ قبل از نبوت وبعد از نبوت کفر وشرک سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور بعد از نبوت عمداً وسہواً کبائر سے محفوظ ہوتے ہیں ____ تاہم قبل از نبوت کبائر وصغائر سہواً پیش آسکتے ہیں۔

(۲) انبیاءؑ قبل از نبوت وبعد از نبوت کفر وشرک اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں البتہ صغائر قبل وبعد دونوں میں ہوسکتے ہیں۔ خواہ عمداً ہوں یا سہواً۔ یہ مذہب اشاعرہ کا ہے۔

(۳) حضرات انبیاءؑ کبائر وصغائر سے قبل از نبوت اور بعد از نبوت بھی پاک ہوتے ہیں۔ البتہ عند البعض قبل از نبوت سہواً صغائر ہوسکتے ہیں۔ یہی مذہب راجح ہے لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

صغائر کے تین درجے ہیں۔ (۱) معصیت جس کا ترجمہ نافرمانی ہے۔ (۲) خطا جس کو "نادرست" کہتے ہیں۔ (۳) ذنب جس کو خلاف شان کہتے ہیں۔ تو صغیرہ، کبیرہ معصیت کی قسمیں ہیں۔ اس سے اور خطا سے بھی پاک ہیں۔ البتہ خلاف شان کبھی کوئی عمل سرزد ہوجائے تو ہوسکتا ہے۔

دلائل عصمت انبیاء علیہم السلام

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں انبیاءؑ کے بارے میں: وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔ جب وہ اللہ کا چناؤ ہیں تو ان میں غلطی کا امکان نہیں۔ تو ناپسندیدہ عمل کیسے ہوگا۔ ورنہ اللہ کے چناؤ میں غلطی کا امکان لازم آئے گا۔ جو محال ہے۔

(۲) ارشادِ خداوندی ہے: لاینال عھدی الظّٰلمین۔ عہدۂ نبوت ظالموں کو کیسے مل سکتا ہے جبکہ ہر گناہ ظلم ہے۔

(۳) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ ظاہر ہے نبی کا ہر قدم وقول قابلِ اطاعت ہے اور معصیت قابلِ اطاعت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان میں وہ نہیں ہوگی۔

(۴) مرتکبِ معصیت قابلِ عتاب ہوتا ہے اگر نبی سے صدورِ معصیت ہوجائے تو امت کی طرف سے معتوب ہوجانا لازم آئے گا۔ جو مقامِ نبوت کے خلاف ہے۔

(۵) جو اوصاف نبوت کے لئے لازم نہیں ہیں جیسے احسن صورۃ، اشجع، یا اجود ہونا وغیرہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان اوصاف میں بھی نبی کو اونچا رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے منصب نبوت جو تشریعی ہے اس میں کمی کیسے ہوگی؟ امت میں سب سے زیادہ اتقی نبی ہی ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فرشتوں کی طرح ان میں معصیت کا مادہ وصلاحیت ہی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں معصیت کا مادہ بحیثیت بشر موجود ہوتا ہے لیکن ان میں طبعاً معصیت کی نفرت اتنی ڈال دی جاتی ہے جیسا کہ سلیم الفطرت آدمی کو گوبر پاخانہ کھانے سے نفرت ہوتی ہے حالانکہ گوبر وغیرہ کھانے، چبانے کی صلاحیت موجود ہے۔

خلافِ عصمت روایات کی تاویلات

(۱) جن روایات میں حضرات انبیاءؑ کی طرف بظاہر ذنب کی نسبت ہے ان سے مراد امت کے ذنب ہیں۔ ذنبک ای ذنب امتک۔ بعض حضرات یہ جواب دیتے ہیں ـــــ لیکن حضرات مفسرین فنی لحاظ سے اس کو اہمیت نہیں دیتے اور تائید بھی نہیں کرتے ـــ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے، بلاوجہ مجاز کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات ہے۔

(۲) خلافِ شان کو بھی ذنب کہتے ہیں۔ معصیت کو ذنب نہیں کہتے۔

(۳) ذنب دو قسم پر ہے۔ ذنبِ حقیقی۔ ذنبِ مزعومی۔ نبی جس کو اپنے زعم میں ذنب قرار دیتا ہو جیسے آپ ﷺ کے استغفار کا منشا و پیہم ترقیٔ درجات کا ہونا تھا۔ تو آپ ﷺ پہلے درجات کو دیکھ کر کہ یہ شانِ خداوندی کے لحاظ سے بہت کم ہیں استغفار فرماتے تھے۔ اور اس کو ذنب تصور فرماتے تھے۔ تو ذنب واقعی نہیں 'مزعومی' مراد ہے۔

(۴) ایک جواب یہ بھی ہے ذنب کی نسبت انبیاءؑ کی طرف علیٰ سبیل الفرض والتسلیم ہے۔

(۵) حسنات الابرار سیئات المقربین کے تناظر میں سمجھیں بعض اوقات حضرات انبیاءؑ افضل کو چھوڑ کر محض جواز والے عمل کو اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو وہاں مطلوب' افضل پر عمل تھا۔ اس لئے وہ موجب عتاب ہو جاتا ہے ـــــ اس کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات نبی کا امتحان لیتے ہیں کہ افضل وغیر افضل بتاتے نہیں ـــــ نبی اپنے اجتہاد سے یا کسی بشری تقاضے سے اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کرتا ہے تو اس پر ان کی علوِ شان کی وجہ سے عتاب ہو جاتا ہے ـــــ

(۶) ذنب کی حقیقت میں تین اجزاء ہیں:

(۱) من جانب اللہ نہی آچکی ہو۔ (۲) ارتکاب کے وقت نہی یاد ہو۔ (۳) فعل کے صدور کی خواہش نفسانی ہو ـــــ ایک جز بھی مفقود ہو تو ذنب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جیسے آپ ﷺ نے و لا تصل علی احد (نہی) سے قبل جنازہ پڑھایا حالانکہ حضرت عمرؓ منع کر رہے تھے ـــــ اگرچہ یہ بھی ''خلاف اولیٰ'' تھا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں صدور گناہ کے وقت نسیان طاری ہو گیا۔ لہٰذا یہ بھی ذنب نہیں۔ (ماخوذ از الہام الباری)

(۷) حضرات انبیاء علیہم السلام ہمہ وقت دربار خداوندی میں موجود جلال و جمال کے مشاہدہ میں ہوتے ہیں صلاحیت کے باوجود ارتکاب معصیت نہیں کر سکتے۔ (از حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ)

جواب ۸: حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ فرماتے ہیں غفران کے معنی ستر کے ہیں غفار کے معنی ستار کے ہوتے ہیں تو لیغفر لک اللہ کے معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ ساتر یعنی مانع بین الذنب وبین النبی ﷺ ہوں گے۔ . . ذنب کو نبی تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ اسی لئے ،، غفر ،، بمعنی خود کے ہیں، وہ فوجی کے سر کے لئے ساتر ہے سر اور گولی کے درمیان۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۰)

جواب ۹: لیغفر لک اللہ میں خطاب تشریف و تکریم ہے قیامت میں جب تمام امم آخر کار آپ کے پاس شفاعت کبریٰ کے سلسلہ میں آئیں تو آپ انکار نہ فرمائیں۔ . . دیگر انبیاء کرامؑ کے طرز پر عذر نہ کریں۔ . . آپ کے لیے ما تقدم وما تاخر کی مغفرت کی دستاویز پہلے ہی دنیا میں دیدی تھی۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۱)

13 بَابٌ مَنْ كَرِهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ مِنَ الْإِيمَانِ

جو شخص کفر میں واپس لوٹ جانے کو اس طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے یہ ایمان میں سے ہے

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا تین باتیں جس کسی میں پائی جائیں گی اس کو

ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی: وہ شخص کہ اس کو خدا اور رسول تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں اور جس کسی سے دوستی ہو محض اللہ کے لئے اور کفر کی طرف لوٹ جانا ایسے برا لگے جیسے آگ میں گرنا۔

ربط: ماقبل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زیادتی عبادت کی اجازت طلب کرنے کا منشاء حلاوت ایمانی کا حاصل ہو جانا ہے ... حدیث الباب میں اسباب حلاوۃ اور حلاوت ایمان کا ذکر ہے۔ (نصر الباری ج ۱ ص ۲۵۵)

متعلقات حدیث تمام گذر چکے ہیں تاہم سند میں فرق ہے اس لئے تکرار بھی نہیں۔ سند کا فرق یہ ہے سوائے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے تمام رواۃ دوسرے حضرات ہیں (۲) اور دوسرا فرق یہ ہے حدیث الباب میں تینوں امور کے شروع میں من کا لفظ ہے اور حدیث سابق میں ان تینوں امور میں لفظ ان ہے۔

(۳) حدیث سابق میں بعد اذ انقذہ اللہ کا لفظ نہیں ہے (۴) حدیث الباب میں یلقی کا لفظ ہے اور حدیث سابق میں یقذف کا لفظ ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۱۰۶)

14 بَابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِيمَانِ فِي الْأَعْمَالِ

اہل ایمان کا ایک دوسرے پر افضل ہونا اعمال کی وجہ سے

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَخْرِجُوا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَا أَوِ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً قَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو الْحَيَاةِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُونَ ذَلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الدِّينَ.

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال دو۔ یہ لوگ جب دوزخ سے نکالے جائیں گے اس وقت ان کے بدن سیاہ ہوں گے۔ بعد ازاں ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا جس سے وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلان کے کنارے دانہ اگتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا سیلاب کا دانہ زرد اور پیچ در پیچ لپٹا ہوا اگتا ہے۔

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا: اسی اثناء میں کہ میں سو رہا تھا میں نے دیکھا لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں جو کرتے پہنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے کرتے سینے تک اور بعض کے اس سے بھی کم۔ جب عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا تو ان کا کرتہ اتنا لمبا تھا کہ وہ اس کو کھینچتے ہوئے چلتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ فرمایا: دینداری۔

غرض ترجمۃ الباب: اہل ایمان میں باہمی فضیلت نفس ایمان میں نہیں ہوگی بلکہ اعمال میں ہوگی ___ معلوم ہوا امام بخاریؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ نفسِ ایمان لا یزید و لا ینقص ہے البتہ مقصود مرجیہ اور کرامیہ کا رد ہے نہ احناف حضرات کا۔

سوال: امام بخاریؒ نے یہی روایت ص ۱۱ پر باب زیادۃ الایمان و نقصانہ کے تحت ذکر کی بظاہر تکرار ہے۔

جواب: تکرار صوری ہے حقیقی نہیں۔ یہاں اہل ایمان کی فضیلت کا ذکر ہے اور دوسرے ترجمہ میں زیادتی و نقصانِ ایمان کا ذکر ہے۔

جواب ۲: یہاں اھل الایمان سے موصوفین کا ذکر ہے اور آگے صفت کا ذکر ہے۔

تشریح حدیث

خردل: رائی کا دانہ۔

سوال: حبۃ من خردل: یہ تو وزنی اور کیلی چیز ہے جبکہ ایمان تو ایسا نہیں۔

جواب: تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔

نهر الحیا: ۱: حیا یہاں شرمندگی کے معنیٰ میں نہیں بلکہ زندگی کے معنیٰ میں ہے۔ مراد وہ نہر ہے جس میں غوطہ دینے سے زندگی آجائے گی۔

۲: یا پھر حیا بمعنیٰ بارش ہے وہ بھی زمین کی حیات کا باعث ہے۔

او الحیاۃ: او بمعنیٰ شک ہے ___ دوسری روایت میں اَو کے بغیر الحیاۃ ہے۔ معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کو شک ہوا ___

کما تنبت الحبۃ: حبہ اس خودرَو دانے کو کہتے ہیں جو صحرا میں اگتا ہے۔ اس کی "حبات" جمع ہے۔

فائدہ: بعض حضرات کہتے ہیں الحبہ پر الف لام عہد خارجی ہے۔ مراد اس سے وہ دانہ ہے جو تالاب اور جوہڑوں کے کنارے پر اگتا ہے۔ عربی میں اس کو بقلۃ الحمقاء، پنجابی میں اس کو پدپیڑہ کہتے ہیں۔

صفراء ملتویۃ: یہ دانہ جب اگتا ہے تو شروع میں زرد بھی ہوتا ہے اور لپٹا ہوا بھی ہوتا ہے۔

قال وھیب

یہ تعلیق کا بیان ہے۔ روایتِ مالک اور تعلیقِ وہیب میں متعدد فرق ہیں:

۱: مالک 'عن' سے اور وہیب حدثنا سے روایت کرتے ہیں۔

۲: حضرت مالکؒ کی روایت میں شک ہے اور وہیب کی روایت میں لفظ الحیاۃ میں شک نہیں ہے۔

۳: پہلی روایت میں خردل من الایمان ہے اور دوسری روایت میں خردل من خیر ہے۔ بتلانا یہ چاہتے ہیں پہلی روایت میں جو ایمان کا لفظ ہے اس سے مراد بھی خیر ہی ہے ــــ اور خیر سے مراد عمل ہے تا کہ یہ اشکال نہ ہو کہ روایت الباب، ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں۔

حدثنا محمد بن عبید اللہ قال حدثنا ابراھیم الخ

وعلیھم قمص:

قمیص جیسے انسان کو سردی، گرمی اور عیوب ظاہری سے بچاتی ہے اسی طرح دین، دنیوی واخروی مشکلات سے بچاتا ہے۔

الثدی: یہ ثَدیٌ کی جمع ہے ــــ الدین ــــ مراد عمل ہے یعنی دین کے عمل کے لحاظ سے کم وبیش ہوں گے۔

سوال: اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں کیونکہ قمیص جو اعمال پر دال ہے ان کی سب سے لمبی ہے۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ بالاجماع افضل ہیں۔

جواب: اشاعت دین کے لحاظ سے فضلیت جزئی ہے۔

یہ حدیث، حدیث شفاعت کا حصہ ہے۔ اس میں اولین لوگ وہ ہوں گے جو اپنے اعمال ظاہری کے حوالہ سے بہت زیادہ شناخت ہوں گے ــــ یہ جلد جنت میں پہنچ جائیں گے۔

دوسرے اعمال باطنی کے لحاظ سے لوگ ہوں گے جن کو صرف آپ ﷺ پہچانیں گے یہ آپ ﷺ سفارش سے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کا ایمان اس درجہ پر ہوگا کہ ان کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہوں گے پھر انہیں اللہ تعالیٰ جہنم سے نکالیں گے۔ اس سے یہ استدلال تفاضل اھل الایمان دونوں طرف سے ثابت ہوا۔ نکلنے والوں کی طرف سے بھی اور نکالنے والوں کی طرف سے بھی۔

15 بَابُ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ ــــ حیاء ایمان کا جزء ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ۔

ترجمہ: سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ انصار کے ایک آدمی پر گزرے اور وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کرر ہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دے کیونکہ حیاء ایمان سے ہے۔

غرض: من الایمان سے ترکیب ایمان اور تردید مرجیہ ہوگی ــــ من تبعیضیہ جزئیت ایمان پر دال ہے اور ذو

اجزاء چیز مرکب ہوتی ہے۔

ربط: پہلے باب میں تفاضل ایمان فی الاعمال کا بیان تھا، باب ہذا میں اس چیز کا بیان ہے جس سے ایمان کے اندر زیادتی پیدا ہوتی ہے اور وہ حیاء ہے۔ (درس شامزئی 104)

وھو یعظ اخاہ: اس جملہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا بھائی حیا نہیں کرتے تھے اور وہ اس کو حیا کرنے کی تلقین کررہے تھے۔ بلکہ وہ اپنے بھائی کو ضرورت سے زیادہ حیا کرنے پر اظہارِ ناراضگی کررہے تھے اور زیادہ حیا سے منع کررہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ حیا ایمان سے ہے۔

فائدہ: حیا کی جامع تعریف: مولاک لا یراک حیث ینھاک (قالہ ملا علی القاری رحمہ اللہ)

فائدہ: حیا کی مخالفت کا حکم: حیا شرعی کا مخالف فاسق حیا عقلی کا مخالف مجنون اور حیا عرفی کا مخالف ابلہ ہے۔

فائدہ: کثرۃ حیا کی وجہ سے حقوقِ دنیوی ضائع ہوجاتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ـــــ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگرچہ دنیوی حقوق ضائع ہوجائیں گے مگر آخرت تو بن جائے گی۔ ـــــ

16 بَاب {فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ}

یہ باب ہے اس آیت کی تفسیر میں کہ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو رَوْحٍ الْحَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں تا کہ وہ اس امر کے قائل ہوجائیں کہ سوائے خدا کے اور کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز ٹھیک ٹھیک پڑھیں، زکوۃ ادا کریں۔ اگر وہ ایسا کرلیں تو مجھ سے سوائے حق اسلام کے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے۔ اور پھر ان کا حساب خدا تعالیٰ پر ہے۔

تشریح حدیث ـــــ ترجمۃ الباب کی غرض کے بارے میں ۲ تقاریر ہیں

١.. مرجیہ اور کرامیہ کا رد ہے۔ جو عمل کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

طرزِ استدلال: یہ ہے کہ توبہ قبول کرنے کے بعد صلوٰۃ اور زکوۃ کا ذکر ہے۔ تو مجموعہ ایمان ہے۔

۲. . . امام بخاریؒ کی غرض ترکیبِ ایمان کو ثابت کرنا ہے۔ طرزِ استدلال یہ ہے کہ مرتکبِ کفر کو مارا جائے وہ معصوم الدم قرار نہیں دیا جاتا لیکن معصوم الدم ہونے کی تین شرائط ہیں: ۱: اقرار شہادتین۔ ۲: اقامۃ صلوٰۃ۔ ۳: ایتائے زکوٰۃ ـــــ معلوم ہوا ایمان ان تینوں چیزوں سے مرکب ہے۔ احناف کہتے ہیں: کمالِ عصمتِ دم کیلئے کمالِ ایمان ضروری ہے۔

دلائلِ احناف(۱) ابوداؤد شریف میں ہے: اگر کوئی شخص نماز قائم نہیں کرتا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے خواہ معاف کریں یا عذاب دیں ـــــ تارکِ صلوٰۃ کو مشیتِ ایزدی پر موقوف کرنا دلیل ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ کافر کی بخشش مشیت پر موقوف نہیں ہے۔ (۲) تارکِ صلوٰۃ کو جمہور ائمہ نے کافر نہیں کہا۔ معلوم ہوا نماز نفسِ ایمان کا جز نہیں۔ کمالِ ایمان کا جز ہے۔

تارکِ صلوٰۃ کا حکم

تین مذاہب ہیں: (۱) امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک حداً قتل کیا جائے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قید کیا جائے حتی یموت او یتوب۔

(۳) امام احمدؒ کے نزدیک تارکِ صلوٰۃ مرتد ہوجاتا ہے ـــــ لہٰذا ارتداداً قتل کیا جائے ـــــ الحاصل تارک صلوٰۃ کو ایک امام کافر قرار دیتے ہیں تین قرار نہیں دیتے ـــــ

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ حداً قتل کے قائل ہیں اور امام احمد ردۃً۔ اور امام اعظمؒ بھی تعزیراً قتل کے قائل ہیں۔

تعزیر اور حد میں یہ فرق ہے کہ تعزیر معاف ہوسکتی ہے۔ مگر حد معاف نہیں ہوسکتی۔

__لطیفہ:__ امام احمدؒ امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا تارکِ صلوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ عرض کیا مرتد ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: توبہ کی کیا صورت ہے؟ کہا: نماز پڑھ لے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: کافر کی نماز کا اعتبار نہیں ـــــ کہا: کلمہ پڑھ لے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: کلمہ تو وہ پہلے ہی پڑھتا ہے فسکت احمد۔ (الخیر الساری 252/1)

ویقیموا الصلوٰۃ یہ روایت جمہور ائمہ کی دلیل ہے۔ کہ شہادتین، اقامۃ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ اس مجموعہ سے معصوم الدم ہوتا ہے ورنہ حداً قتل کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جیسے شہادتین کے چھوڑنے والے کو قتل کیا جاتا ہے ایسے ہی تارکِ صلوٰۃ کو بھی قتل کیا جائے گا۔

جوابِ اول: احناف کہتے ہیں کہ یہاں قتال کا لفظ ہے۔ قتل کا نہیں ہے۔ قتال مطلق لڑائی کو کہتے ہیں۔ قتل کو نہیں کہتے۔ قتال کا لفظ مارّ بین یدی المصلی کے بارے میں بھی آیا ہے۔ لفظی اشتراک کے باوجود اس پر اجماع ہے کہ اس کا قتل جائز نہیں ہے ـــــ اسی لئے قتال کا لفظ المنع بشدۃٍ کے معنیٰ میں ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے منقول ہے جو بستی تارکِ اذان ہوجائے تو امام اس سے قتال کرے گا نیز جو قبیلہ تارکِ ختنہ ہوجائے اس سے بھی قتال کیا جائے گا۔

جوابِ ثانی: حدیث الباب میں جیسے تارکِ صلوٰۃ کیلئے قتال کا حکم ہے۔ اسی طرح تارک ایتائے زکوٰۃ کیلئے بھی قتال کا حکم ہے ـــــ مگر کسی امام سے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے۔

جواب ۳: ابتدائے اسلام میں اقامۃ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کو بھی ایک علامت کے درجہ میں قرار دیا جاتا تھا ـــــ

تاہم امام صاحبؒ نے مجموعۂ دلائل سے استدلال کیا ہے کہ تارک نماز کافر نہیں ہے ____

سوال: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوۃ سے قتال فرمایا۔ جبکہ ابتداءً حضرت عمرؓ قتال سے روک رہے تھے۔ اگر مانعین زکوۃ مرتد تھے تو حضرت عمرؓ کیوں روک رہے تھے؟ اور اگر مرتد نہیں تھے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قتال کا حکم کیوں دیا ____؟

جواب: حضرت ابوبکرؓ ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کرنے کیلئے قتال کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ مانعین زکوۃ تھے۔ منکرین زکوۃ نہ تھے۔ خلیفۂ رسول ﷺ مقصد یہ تھا جیسے آپ ﷺ کے دور میں اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ بیت المال میں جمع کرائی جاتی تھی اب بھی اسی طرح کیا جائے۔ تا کہ دین میں نقص لازم نہ آئے ____ ورنہ اندیشہ تھا کہ اس چھوٹے سے راستہ کے کھل جانے سے پھر مزید راستے نہ کھلنے لگ جائیں۔

فائدہ: دورِ صدیقی کے آغاز ہی میں ایک گروہ مرتد ہو گیا۔ دوسرا گروہ منکرین زکوۃ کا تھا۔ پھر ان کے دو طبقے تھے ایک کلیۃً منکر تھا اور ایک موؤل۔ آیت مبارکہ خذ من اموالھم صدقۃً سے استدلال کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوۃ لینے کا حامل قرار دیتا تھا دوسرے کسی کو نہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان دونوں گروہوں کے ساتھ قتال کا ارادہ فرمایا ____ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مرتدین کے بارے میں تو اتفاق تھا ____ تاہم منکرین زکوۃ کے حوالہ سے حدیث الباب امرت ان اقاتل الناس الخ کے پیش نظر تردد تھا ____ اس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس پر شرح صدر ہو گیا۔ کیونکہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو طریق کار صلوۃ وزکوۃ کے نظام کا تھا اس ترتیب نبوی کو دورِ صدیقی میں تبدیل نہیں کیا جا سکے گا۔ چنانچہ ارشاد صدیقی ہے: اینقص الدین وانا حیی۔

سوال: کفار کے ساتھ معاملات میں تین درجات ہیں۔ ۱: قبولِ اسلام، ۲: جزیہ، ۳: پھر قتال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے دو درجے ہیں۔ یا اسلام یا پھر قتال۔ جزیہ کا ذکر نہیں ہے۔

جواب ۱: ان اقاتل الناس: الناس میں الف لام عہد خارجی ہے۔ صرف مشرکین عرب مراد ہیں۔ اس لئے کہ جزیرۃ العرب اسلام کا ہیڈ کوارٹر ہے تو یہاں جزیہ قابلِ قبول نہیں۔ "یا مشرک یا مسلم" ثنائی تقسیم ہے۔

جواب ۲: حتی یشھدوا کا مصداق عام ہے یا تو کلمۂ اسلام پڑھ لے یا کلمہ کی حاکمیت تسلیم کر کے جزیہ دینا شروع کر دے۔

جواب ۳: یہ حدیث مخصوص عنہ البعض ہے۔ دوسرے دلائل کی بنا پر اپنے عموم پر باقی نہیں۔ دوسرے دلائل سے جزیہ دینا ثابت ہے۔ اس میں جزیہ کی نفی نہیں ہے۔

الابحق الاسلام

حق اسلام میں تین آدمیوں کے قتل کا جواز ہے۔ ۱: مرتد، ۲: جو قاتل عمداً کسی کو ناحق قتل کر دے۔ ۳: زانی محصن۔

وحسابھم علی اللہ:

ظاہر کلمہ کی بنا پر ایسے شخص کو اسلامی ملک میں برابر کے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

17 باب من قال ان الایمان ھو العمل الخ

بَاب مَنْ قَالَ إِنَّ الْإِيمَانَ هُوَ الْعَمَلُ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى {وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ} وَقَالَ عِدَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى {فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ} عَنْ قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ {لِمِثْلِ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ}

یہ باب ہے اس شخص کے قول کے بارے میں جو کہتا ہے ایمان ایک عمل ہے

اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے اور یہ جنت وہ ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔اور متعدد اہل علم نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں "تیرے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب سے سوال کریں گے اس چیز کے متعلق جو وہ کرتے تھے" یعنی لا الہ الا اللہ کہنے کے متعلق۔اور اللہ نے فرمایا اس جیسی چیز کی وجہ سے ہی عمل کریں عمل کرنے والے۔

- 26 حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُورٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ فرمایا خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔عرض کیا گیا اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا راہ خدا میں جہاد کرنا، پھر کونسا؟ حج مبرور

تشریح حدیث۔۔۔

سوال: ارث تو آباؤ اجداد سے ملتی ہے جنت ارث کیسے بنی؟

لفظ وراثت کی تشبیہ سے یہ بات واضح کی گئی ہے جس طرح وراثت کسی سے واپس نہیں لی جاسکتی ہے اور وارث تصرف میں مکمل طور پر مختار ہوتا ہے اہل جنت کو یہ آزادی حاصل ہوگی۔(فضل الباری 393/1)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں "المورث ھنا الکافر" ____ کیونکہ جنت وجہنم میں دو ٹھکانے ہیں۔جنت والے کافر کے ٹھکانہ کا وارث مؤمن ہوگا۔ایضاً

تیسرا جواب المورث ھو اللہ تعالیٰ۔وراثت کو مجاز کے طور پر عطا کے معنیٰ میں لیا جائے۔ایضاً

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔یہاں عمل کی جزا کو میراث سے تشبیہ دی ہے۔وجہ تشبیہ یہ ہے جس طرح میراث مورث کے بعد رہ جاتی ہے اس طرح عامل کے عمل کی جزاء پیچھے رہ جاتی ہے۔ایضاً

ایک لطافت یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہے۔شاید لفظ میراث اس لئے استعمال فرمایا۔اقسام تملیک میں یہ سب سے زیادہ اتم اور احکم قسم ہے جس میں فسخ وابطال اور اقالہ کا بھی احتمال نہیں ہے۔(فضل الباری 394/1)

نیز وراثت غیر اختیاری تملیک ہوتی ہے کسب عبد کو اس میں دخل نہیں ہوتا گویا جنت محض تفضّل ہے کسب عبد کی وجہ سے نہیں۔ واللہ اعلم

غرض ترجمہ: بعض مرجئہ، کرامیہ کا رد ہے جو عمل کو اہمیت نہیں دیتے۔

ربط: امام بخاریؒ نے یہاں لفظ عمل اختیار کیا، مقصود یہ کہ ایمان ایک اختیاری فعل قلب کا نام ہے ___ اور وہ تصدیق ہے۔

جہمیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفس معرفت ہی کا نام ایمان ہے۔ اور اس میں کسب قلب کا دخل ہونا ضروری نہیں۔ (یعنی غیر اختیاری طور پر اگر معرفت حاصل ہو جائے تو یہ بھی ایمان ہے۔) ان کا رد ہے۔

طرزِ رد: بطور حصر ارشاد فرمایا: ان الایمان ہو العمل ___ امام بخاریؒ فرمانا چاہتے ہیں کہ ایمان چونکہ عمل ہی کا نام ہے اور یہ اختیار اور کسب کو چاہتا ہے ___

اس لئے ایسی معرفت جس میں کسب اور اختیار کو دخل نہ ہو محض غیر اختیاری (منطقی تصدیق) اس کو ایمان نہیں کہیں گے۔

آیات قرآنیہ جتنی حضرت امام بخاریؒ نے نقل فرمائی ہیں ان میں جہاں عمل کا لفظ آیا با ختلاف صیغ وہاں بھی مراد "عمل" سے "ایمان" ہے تلازم جانبین سے ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ جہاں دخول جنت کا مدار مثلاً تعملون کو ٹھہرایا جا رہا ہے تو اس کے اندر باطنی طور پر تومنون داخل ہے۔ ورنہ محض تعملون خواہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو دخول جنت اس سے نہیں ہو سکے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بما کنتم تعملون میں بما کنتم تومنون لازمی طور پر داخل ہے گویا الاعمال الایمان ہی ہوا۔ اس سے مرجئہ کرامیہ کا بھی رد ہو گیا۔ کیونکہ بما میں ب سببیت ہو یا عوض کی، تاثیر عمل کی طرف مشعر ہے۔

فائدہ: لمثل ھذا فلیعمل العاملون: ہذا سے اشارہ فوز عظیم کی طرف ہے اور فوز عظیم صرف عمل مجرد عن الایمان سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ عمل مع الایمان سے ملتی ہے لہٰذا معنیٰ ہوگا: فلیؤمن المومنون ___ احناف کے ہاں بھی یہی قول ہے ___ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں امام بخاریؒ کے ہاں اطلاق الجزء علی الکل ہے اور احناف کے ہاں اطلاق الفرع علی الاصل ہے۔ (درس شامزئی 115)

س: حدیث میں دخول جنت کے لئے نفع عمل کی صراحت ہے بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عمل کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے رحمت خداوندی کا سہارا لیا۔

ج: سبب حقیقی دخول جنت کا ایمان ہے مگر عمل علامت ایمان ہے جیسے ریل گاڑی انجن کی طاقت سے چلتی ہے مگر گارڈ کی سبز جھنڈی چلنے کی اور سرخ جھنڈی رکنے کی علامت ہے ___ الغرض ایمان بفضل خداوندی ملتا ہے اور عمل فضل خداوندی کے متوجہ ہونے کی علامت ہے۔ (دلیل القاری)

حج مبرور: اس کی کئی تفاسیر منقول ہیں:

(۱) وہ حج جس میں ریاکاری اور طلب شہرت نہ ہو۔ مفہوم حدیث: ایک وقت آئے گا امراء سیر کیلئے۔ غرباء مانگنے کیلئے، متوسط طبقہ کاروبار کیلئے اور علماء و صلحاء شہرت کیلئے سفر حج کریں گے۔

(۲) حج لا اثم فیہ، حج مبرور ہے۔ (تفسیر عثمانی)
(۳) حج مبرور جو زندگی میں تبدیلی لائے۔ آدمی بعد از حج شریعت کا پابند ہو جائے۔
خلاصہ یہ ہے کہ ان تین تفسیروں میں تین حالتوں کی طرف اشارہ ہے:
ا: چلتے وقت نیت صحیح ہو۔ ۲: درمیان میں گناہ نہ ہو۔ ۳: واپس آ کر ترک احکام نہ ہو۔

18 بَاب إِذَا لَمْ يَكُنْ الْإِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيقَةِ

وَكَانَ عَلَى الِاسْتِسْلَامِ أَوْ الْخَوْفِ مِنْ الْقَتْلِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى {قَالَتْ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا} فَإِذَا كَانَ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَهُوَ عَلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ {إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ}

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي وَعَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللَّهُ فِي النَّارِ وَرَوَاهُ يُونُسُ وَصَالِحٌ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنْ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ: جب اسلام حقیقی معنیٰ پر نہ بولا جائے اور ظاہری تابعداری پر بولا جائے لالچ یا جان کے ڈر سے (تو وہ مجاز کے طور پر ہوگا) اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے کہ گنوار لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اے پیغمبر! ان سے فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے تم کہو کہ ہم اسلام لے آئے۔ لیکن جب اسلام اپنے حقیقی معنیٰ میں ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ہوگا کہ اللہ کے نزدیک سچا دین اسلام ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو کچھ مال دیا اور سعدؓ بیٹھے ہوئے تھے (یعنی میں بیٹھا ہوا تھا) پس آپ ﷺ نے ایک شخص (جعیل بن سراقہؓ) کو چھوڑ دیا (یعنی اس کو نہ دیا) اور وہ سب لوگوں میں مجھے پسندیدہ تھا۔

میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کو فلاں سے کیا ہے؟ اللہ کی قسم میں تو اس کو مؤمن سمجھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلم؟ پھر تھوڑی دیر میں خاموش رہا۔ پھر غالب آئی مجھ پر وہ بات جو میں اس سے جانتا تھا۔ پس میں اپنی بات کی طرف لوٹا اور میں نے کہا: آپ کو فلاں سے کیا ہے؟۔ اللہ کی قسم میں اس کو مؤمن خیال کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلم؟۔ پھر تھوڑی دیر میں خاموش رہا پھر غالب آیا مجھ پر اس کا وہ حال جو میں جانتا تھا۔ پس میں نے تیسری بار وہی عرض کیا۔ اور حضور ﷺ نے بھی وہی فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے سعد! میں ایک آدمی کو دیتا ہوں اور اس کا غیر مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس بات سے خوف کرتے ہوئے کہ کہیں اللہ اس کو اوندھا جہنم میں نہ ڈال دے۔

حدیث کا پس منظر

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حالتِ مرض میں اندیشہ موت سے اپنے مال کے سلسلہ میں مشورہ چاہا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی آپ کی زندگی باقی ہے۔آپ کی زندگی سے مسلمانوں کو فائدہ اور کفار کو نقصان ہوگا چنانچہ جنگِ قادسیہ میں ایسے ہی ہوا، جنگِ قادسیہ میں جوانہوں نے فوج کی ترتیب دی اسے آج بھی یورپ یاد کرتا ہے اس سے فارس میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔(درس بخاری 324)

ربط: ماقبل میں ایمان واسلام کے بارے میں امام بخاریؒ نے اتحاد کا دعویٰ فرمایا ــــــ لیکن قل لم تؤمنوا کی آیت سے اشکال ہوتا تھا ــــــ اس کے جواب کے لئے یہ باب قائم فرمایا۔

تعارف رواۃ

اس حدیث میں پانچویں راوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔مستجاب الدعوات ہیں۔کل مرویات ۲۷۰ ہیں۔م: ۵۷ھ۔ ۷۰ سے کچھ اوپر عمر پائی۔مقامِ عقیق جو مدینہ طیبہ سے دس میل کے فاصلہ پر تھا۔وہاں وصال ہوا ــــــ بعد از وفات لوگ ان کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر مدینہ لائے۔مروان بن حکم والیٔ مدینہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔اور بقیع میں مدفون ہوئے۔عشرہ مبشرہ میں سے آخر میں فوت ہوئے ــــــ

مصداق ترجمہ:

الاستسلام: اس کے معنیٰ صلح کرنا یا انقیادِ ظاہری کے ہیں۔

اذا لم یکن: اس کی جزا محذوف ہے۔بمعنیٰ لا ینفع فی الآخرۃ۔یا یوں جزاء ہے: فانہ لیس مرادفاً للایمان ــــــ

غرض ترجمۃ الباب: یا تو رفعِ تعارض ہے۔یا پھر اسلام کی تفسیر اور اس کی اقسام کا بیان ہے۔

تقریر اول: رفعِ تعارض کی صورت میں دو احتمال ہیں:

(۱) یا تو امام بخاریؒ کے اپنے دعویٰ میں جو تعارض ہے اس کو رفع کرنا مقصود ہے۔ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اسلام، ایمان، دین، وغیرہ میں ترادف ہے ــــــ اس پر سوال ہوتا ہے یہ تو خلافِ قرآن کریم ہے۔جیسے سورۃ الحجرات میں قالت الاعراب امنا، قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا۔

فائدہ: قالت الاعراب کے مصداق: بنو اسد کے لوگ تھے۔(درس شامزئی 117)

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا باہمی تعارض دور کرنا مقصود ہے۔اور تعارض سورۃ الحجرات اور سورۃ الذاریات میں ہے کہ حجرات میں ایمان اور اسلام کو الگ حقیقت کے طور پر ارشاد فرمایا۔جبکہ ذاریات میں ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ نے رفعِ تعارض اس طور پر فرمایا: اسلام حقیقی ایمان کے مرادف ہے۔غیر حقیقی نہیں۔چنانچہ سورۃ الحجرات میں

انقیادِظاہری یعنی اسلام کو بغرض غلہ وغیرہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جو غیر حقیقی وغیر شرعی ہے۔ البتہ ذاریات میں ایمان، اسلام مرادف ہیں اس لئے کہ اسلام شرعی وحقیقی مراد ہے جو کسی غرض سے وابستہ نہیں جیسے قتل وغیرہ کا خوف ــــ

تقریر ثانی:

غرض الباب میں تقریر ثانی یہ ہے کہ امام بخاریؒ اسلام کی اقسام بیان فرمارہے ہیں:

ا: اسلام معتبر، ۲: اسلام غیر معتبر۔ یا اسلام منجی اور غیر منجی۔ یہ آخرت کے لحاظ سے ہے ــــ اس لئے کہ دنیا میں ہر اسلام معتبر سمجھا جائے گا حقیقی یا غیر حقیقی۔ دنیوی فوائد اس پر مرتب ہوجائیں گے۔ مالِ غنیمت، صدقات وغیرہ سب لے سکے گا ــــ تو اسلام کی گویا اقسام بیان کرنا ترجمۃ سے مقصود تھا۔

لأراہ مومنا: معروف ومجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اگر معروف ہو تو یقین کے معنی میں ہوگا۔ مجہول ہو تو ظن کے معنی میں ہوگا۔ عندالحافظ مجہول راجح ہے غیر رواۃ بخاری نے زیادہ تر اسی کو اختیار کیا ہے۔ (انعام 443/1)

فقال مومنا، اومسلماً: "او" واؤ کے سکون کے ساتھ ہو پھر معنی ہوگا شک کے ساتھ کہو صرف اکیلا مومن جزمی طور پر نہ کہو۔ یا حرف او 'بل اضرابیۃ' کے معنی میں ہے: یعنی پچھلی کلام سے اعراض اور اگلی بات کا اثبات ہے ــــ تقدیر عبارت یوں ہوگی: مومناً بل مسلماً ــــ

وسعد جالس

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے نے تو یہی کہا تھا انا جالس لیکن راوی اس کو تبدیل کردیتا ہے وسعد جالس، اس کو اصطلاح میں تجرید کہتے ہیں۔ (انعام الباری 441/1)

حضرت سعدؓ نے حکمِ ایمان لگایا تو آپ ﷺ نے او مسلماً فرما کر تعیینِ ایمان سے منع فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے دوسری اور تیسری مرتبہ اسی پر جرأت کیوں فرمائی ــــ؟

حضرت سعدؓ اپنے خیال کے استیلاء کی وجہ سے ایک طرح معذور تھے۔ ارشادِ نبوی کی طرف پوری توجہ نہ کرسکے۔ مگر آپ ﷺ کو یہ منازعت صوری ناگوار معلوم ہوئی اور فرمایا۔

"اقتالاً یاسعد" سعد سفارش کرتے ہو یا لڑتے ہو؟ (مسلم شریف، فضل الباری ج1 ص 405)

یہ غلبۂ حال ہے جس میں انسان معذور ہوتا ہے۔ اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے ایسے میں یہ بات نہ تو قابل ملامت ہوتی ہے اور نہ قابل تقلید ــــ (انعام 445 ج 1)

علامہ تقی عثمانی مدظلہ کی رائے

حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

میری ذاتی رائے (واللہ اعلم) یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کو آپ ﷺ کے نفی ایمان سے یہ خیال گذرا کہ شاید کسی نے حضرت جعیلؓ

کے بارے میں غلط اطلاعات دی ہیں۔ اور آپ ﷺ کے دل میں ان کے بارے میں گرانی ہے۔ اور نبی کے دل میں گرانی کا پیدا ہوجانا امتی کیلئے باعث ہلاکت ہے۔ اس لئے حضرت سعدؓ نے اس گرانی کو دور کرنا ضروری خیال کیا۔ (انعام الباری 446ج 1)

فائدہ: دوسری روایت میں ہے حضرت سعدؓ نے علیحدگی میں رازداری کے انداز میں سوال کیا تھا۔ معلوم ہوا اجتماعی عمل میں بڑوں سے مجمع میں سوال کرنا بے ادبی ہے۔ (انعام 442/1)

او مسلماً یہ عطف تلقینی ہے ــــ عطف تلقینی میں معطوف علیہ کا متکلم کوئی اور ہوتا ہے ور معطوف کا متکلم کوئی دوسرا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ معطوف علیہ کے حکم میں معطوف کو بھی شامل کرلیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: انی جاعلک للناس اماما تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا: ومن ذریتی۔ حضرت سعدؓ نے انی لاراہ مومناً کہا تو آپ ﷺ نے تلقین کرتے ہوئے فرمایا: او مسلماً (درس بخاری حضرت مدنیؒ 231)

بفتح الواو بھی ہے پھر ہمزہ استفہام ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گویا استفہام ہوگا: اَوَلم تقل انک تظنہ مسلماً۔ اکثر حضرات کے ہاں واؤ کے سکون کے ساتھ ہے۔ (443/1) دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

بعض روایات میں اقبالاً یا سعد! ہے اس صورت یہ یا تو باب افعال کا مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے تقدیر عبارت ہے: اقبل علی اقبالاً ــــ یعنی اے سعد! میری طرف اچھی طرح متوجہ ہوجاؤ ــــ اور بعض میں ہے اَقِبالاً یا سعد آیا ہے ــــ یعنی ہمزہ استفہام ہے اور قبالاً باب مفاعلہ کا مصدر ہے مطلب یہ ہے کہ اتقابلنی قبالاً بھذہ المعارضۃ یعنی کیا اس مقابلہ سے تم میرا معارضہ کرنا چاہتے ہو۔ (درس شامزئی 120)

روایت الباب سے انطباقِ ترجمۃ الباب:

پہلا انطباق: پہلی تقریر کے مطابق یہ ہے کہ اس روایت سے ثابت ہوا اسلام جب حقیقی ہو تو اسلام وایمان مترادف ہیں اور جب غیر حقیقی ہو تو مترادف نہیں۔ اس لئے کہ یہاں مومناً کے مقابلہ میں مسلماً کو لا رہے ہیں۔ جیسا انی لاَراہ مومناً فقال اومسلماً

دوسرا انطباق: دوسری تقریر کے مطابق اس طور پر انطباق ہے کہ حضرت سعدؓ نے کہا: مومناً۔ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ دنیوی منافع دلوانے کیلئے تمہیں مسلماً کہنا چاہیے۔ کیونکہ موقع دنیوی منافع کا ہے تو گویا اقسام ثابت ہوگئیں۔ ایک وہ جو دنیا کیلئے نفع مند ہے دوسرا وہ جو دنیا وآخرت کیلئے نافع ہے۔ گویا معتبر، غیر معتبر یا منجی غیر منجی اقسام ہوگئیں۔

فترک رسول اللہ ﷺ رجلا ھو اعجبھم الی:

یہ شخص کون تھے؟

یہ بحث ہے کہ اس کا مومن ہونا معلوم ہوتا ہے یا منافق ہونا ــــ؟

۱... عند البعض اس کا نام جعیل اور یہ شخص منافق تھا ــــ یعنی اسلام غیر حقیقی رکھتا تھا۔

۲۔۔ جمہور شراح محدثین اس رائے کو پسند نہیں کرتے۔ ناتوان کا جعیل بن سراقه ضمری تھا ___ لیکن مخلص مقبول صحابی ہیں۔ اس کی دو دلیلیں ہیں ___ (۱) مشہور حدیث ہے کہ ایک صاحب آپ ﷺ کے سامنے سے گذرے۔ دریافت کرنے پر بتلایا گیا کہ یہ عام مہاجرین کی طرح ایک فقیر آدمی ہے۔ یہ حضرت جعیل رضی اللہ عنہ تھے ___ تھوڑی دیر بعد ایک شخص اور گذرے۔ پوچھنے پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: سید من السادات۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے دنیوی لوگوں سے اگر آسمان و زمین بھر جائیں پہلا فقیر اللہ کے ہاں زیادہ قیمتی ہے۔

(۲) دوسری دلیل: حدیث الباب کا آخری جملہ اس پر دلالت کرتا ہے: انی لاعطی الرجل و غیرہ احب الی منه الخ، (وغیرہ) کا مصداق حضرت جعیل رضی اللہ عنہ ہیں۔

سوال: جبکہ حضرت جُعیل مخلص صحابی اور پختہ مومن ہیں تو آپ ﷺ ہر بار کیوں فرمارہے ہیں او مسلما؟

ج: یہ احتیاط فی الکلام کے قبیل سے ہے۔ اے سعد! تمہیں تو مسلما کہنا چاہیے ___ کیونکہ ایمان امر باطنی ہے۔ نیز مغیبات کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے سامنے حکم قطعی لگانا خلافِ ادب ہے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری بچہ کی موت پر کہا: عصفورة من عصافير الجنة آپ ﷺ نے انکار فرمایا، حالانکہ باجماع امت 'اولاد المسلمین' جنتی ہیں۔ (نیل 204)

فائدہ نمبر ا: لالچ سے ایمان کی طرف نہ بلائیں۔ (۲) مسلمان ہو جائیں۔ غریب ہو تو امداد بہتر ہے۔ (۳) اگرچہ فی زمانہ مؤلفۃ القلوب کی مد نہیں ___ لیکن مصلحتِ امام پر موقوف ہے وہ چاہے تو خدمت کر سکتا ہے۔ (۴) تکرارِ سفارش کا جواز معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی مفسدہ نہ ہو۔ (۵) قطعی طور پر کوئی بات معلوم ہو تو قطعی رائے دو ورنہ نہیں۔ (۶) امام کو اخراجات کے سلسلہ میں الاھم فالاھم کے اصول کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ (۷) خلافِ مصلحت کو رد کیا جائے تو قابلِ عتاب یا ملامت نہیں۔ [فضل الباری 406/1] (۸) وجہ سفارش اور ردِ وجہ سفارش بھی ذکر کی جاسکتی ہے۔ (۹) آپ ﷺ طرف سے زیادہ مال دیا جانا ازدیادِ تعلق کی دلیل نہیں۔ [کشف 182/2]

19 بَاب إِفْشَاءُ السَّلَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

وَقَالَ عَمَّارٌ ثَلَاثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيمَانَ الْإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ وَالْإِنْفَاقُ مِنَ الْإِقْتَارِ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

ترجمہ: سلام کا پھیلانا اسلام میں داخل ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے تین باتیں اکٹھی کرلیں اس نے ایمان کو جوڑ لیا، اپنا انصاف اپنے جی میں کرنا، عالم یعنی سب کو سلام کرنا، تنگی کی حالت میں خرچ کرنا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے آپ ﷺ سے سوال کیا: کونسا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: تو کھانا کھلائے اور سلام کہے ہر اس کو جس کو تو جانتا ہے اور جس کو تو نہیں جانتا۔

تشریح حدیث۔۔۔۔غرض ترجمہ:

اس باب کا مقصد مرجیہ اور کرامیہ کا رد ہے جو اعمال کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔
ابواب سابقہ میں فرائض وواجبات کا اجزاء ایمان ہونا ثابت کیا اور اس باب میں مندوبات کا بھی اجزاء ایمان ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔
قال عمار: بظاہر یہ حدیث موقوف ہے ـــــ لیکن حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس لئے ترجمہ میں ذکر کر رہے ہیں۔
الانصاف من نفسک: اپنی ذات سے انصاف کرنا۔ جو انسان اپنی ذات سے انصاف کرے گا تو وہ جو حقوق اس کے اور اللہ کے درمیان میں ہیں اس کو بھی ضائع نہیں کرے گا۔ انصاف کسی خوف، دباؤ، سفارش یا تعلق ومحبت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ رضائے نفس سے انصاف کرے۔ (دلیل)

اس جملہ کی مختلف تفسیریں ہیں۔

۱: پہلی تفسیر جو ظاہراً و متبادراً سمجھ آتی ہے وہ یہ کہ اپنے نفس کے حقوق ادا کرے۔ کما قال ﷺ ان لنفسک علیک حقاً۔ ۲: من نفسک میں "من" ابتدائیہ ہو۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ ایسا انصاف کرو جو تمہارے نفس سے ناشی ہو۔ کہ تم نے اپنی طرف سے دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔
۳: مِن بمعنیٰ فی ہو یعنی اپنی ذات کے بارے میں بات پیش آئے اس میں انصاف کرو۔ خواہ اپنی ذات کے بارے میں گواہی دینی پڑے ـــــ اپنی غلطیوں کی تاویلات نہ کرو۔ تسلیم کر کے تلافی کرو۔ ولو علیٰ انفسکم۔
۴: الانصاف من نفسک باعتبار العمل ـــــ یعنی اپنے نفس سے وہ کام لو جو دنیا وآخرت میں آرام پہنچائے ـــــ جیسے بدنگاہی کی تو انصاف نہیں کیا آخرت میں آرام کی بجائے لوہے کی سلائیاں ڈالی جائیں گی۔ خلاصہ یہ کہ اپنی ذات سے انصاف یہ ہے کہ معصیت نہ کرے۔
انصاف حکومت کے خوف اور بے انصاف مشہور ہونے کے ڈر اور ریا وسمعہ سے بالاتر ہو کر کرے۔ ـــــ عموماً ناانصافی دو ہی وجہ سے ہوتی ہے: غایتِ حب، یا شدتِ بغض۔ انصاف میں یہ رکاوٹ نہ ہونی چاہئیں۔ (فضل 408ج1)
وبذل السلام للعالم: ہر ایک کو سلام کرنا ـــــ کچھ لوگ سلام سے مستثنیٰ ہیں۔ جن میں وہ لوگ شامل ہیں جو طبعی، شرعی حاجات میں ہوں ـــــ اسی طرح غیر مسلم کو جلب منفعت کی وجہ سے نہیں صرف دفع مضرت کیلئے سلام کرنے کی گنجائش ہے۔
س: بذل السلام للعالَم میں غیر مسلم یہود وغیرہ بھی آ گئے۔
ج: ان کی تخصیص لاتبدؤا الیھود ولا النصاریٰ بالسلام سے ہے۔ (ایضاً ج1ص408)
الانفاق من الاقتار: من الاقتار: مِن سببیہ ہے۔ مطلب یہ ہے دوسروں کی تنگدستی کی وجہ سے مال خرچ کرنا۔ یا پھر من تبعیضیہ ہو۔ اب مطلب یہ ہوگا خود تنگدستی کے باوجود خرچ کرنا۔
افضل الصدقۃ جھد المقل۔ (مشکوٰۃ 332) بشرطیکہ اعتماد علی اللہ پختہ ہو۔ (دلیل)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے کلمات کی جامعیت:

ایمان کے تمام خصال کا احاطہ ہے۔خصال ایمان مالی ہوں گے یا بدنی ــــ پھر بدنی کی دو صورتیں ہیں، ایک کا تعلق خالق سے ہے اور دوسری کا مخلوق سے ہے۔انفاق من الاقتار میں اوامر واحکام خداوندی کی تعظیم ہے۔اور افشاء السلام میں اللہ کی مخلوق کے ساتھ مکارم اخلاق سے پیش آنے کا ارشاد ہے۔(فضل 411,410ج1)

حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں: باوجود فقر کے خرچ کرنا اس آدمی کے لئے باعث فضیلت ہے جو ذات باری تعالیٰ پر مکمل اعتماد رکھتا ہو اگر خرچ کرنے کے بعد سوال کے لئے مجبور ہوتا ہے تو اس کو خرچ نہیں کرنا چاہیے۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تو گھر کا سارا مال قبول کر لیا لیکن ایک آدمی سونے کی ایک ڈلی لایا اور اس کے تین مرتبہ پیش کرنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔(درس شامزئی 121)

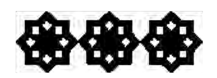
علامہ عینی فرماتے ہیں اس کی دوسری تعبیر سے خیر کی صورتوں کا مجموعہ ثابت کیا ہے کہ انصاف من نفسک میں حقوق اللہ اور بذل السلام میں حقوق العباد کا بیان اور اسی طرح احکام یا بدنی ہوتے ہیں یا مالی تو پہلے دونوں جملوں میں احکام بدنیہ کا بیان ہے اور تیسرے جملہ میں عبادت مالیہ کا بیان ہے۔(درس شامزئی 122)

فائدہ:۔امام بخاری کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ احادیث سے زمانہ کی معاشرت کا پتہ لگاتے ہیں۔مفید نتائج نکال کر ہر نتیجہ کو الگ الگ ابواب میں درج کرتے ہیں۔مثلاً حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا سے ایک نتیجہ اخذ کیا جو صدقہ لے سکتا ہو وہ ایسے شخص کو بطور ہدیہ دے سکتا ہے جس کے لئے صدقہ لینا حرام ہے۔اور ایک جگہ اس سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا: جو لوگ صدقہ نہیں لے سکتے ان کے ماتحت غلام، باندی کو صدقہ دے سکتے ہیں۔

ــــ اور خصوصیات بھی ہیں جن کی وجہ سے ان کی تالیف اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے معزز لقب سے سرفراز ہوئی۔

حضرت امام کا مقصود اگرچہ احادیث صحیحہ کی تدوین ہے مگر ان کی خصوصیت یہ کہ ترتیب احادیث میں فقہی فوائد کو ملحوظ رکھا۔ اس لئے صحیح بخاری کی ترتیب فقہی ابواب اور مسائل کے مطابق رکھی گئی ہے اور بعض ایسے ابواب بھی جن کو مسائل قرار دے کر ان کے جواز وعدم جواز میں قرآن حکیم کی آیات پیش فرمائی ہیں اور کہیں معلقات اور مرفوعات سے حلت وحرمت پر استدلال فرمایا ہے اور ان کے متعلق اگر احادیث ملتی ہیں تو ان کو بھی پیش فرمایا ہے۔

امام بخاری ادبی حیثیت سے بھی ایک امتیاز رکھتے ہیں ان کی طرز ادا، نشست الفاظ اور سلاست بیان جس قدر پسندیدہ اور اعلیٰ ہے اس کی نظیر دوسری تالیفات میں نہیں ملے گی۔امام بخاری نے اس زبان کو پیش نظر رکھا جو عہد نبوی ﷺ اس سے قریب تر زمانے میں مستعمل تھی ــــ یعنی معانی حدیث کے ساتھ الفاظ حدیث کا خیال رکھا۔(فضل الباری 411/1)



20 بَاب كُفْرَانِ الْعَشِيرِ وَكُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ

فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

29 حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ قِيلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللَّهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

خاوند کی ناشکری بھی کفر ہے اور ایک کفر دوسرے کفر سے کم ہوتا ہے۔

اس بارے میں ابوسعیدؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے دوزخ دکھائی گئی اس میں زیادہ مقدار عورتوں کی تھی وہ کفر کرتی ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا خاوند کا کفر (نافرمانی) کرتی ہیں اور احسان کا انکار کرتی ہیں۔ (ان کا قاعدہ ہے) اگر تم تمام عمر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ایک بات تمہاری طرف سے ان کو ناگوار گزرے تو کہنے لگتی ہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی اچھا سلوک پایا ہی نہیں۔

ربط ۱: ابواب سابقہ میں ایمان کے مختلف درجات کا بیان تھا اس باب میں ایمان کی ضد کفر کے درجات بیان کیے جا رہے ہیں۔

ربط ۲: اس باب کی حدیث میں خاوند کی ناشکری کی مذمت ہے اس سے خاوند کے علو مرتبت کا اظہار ہے۔ (الخیر الجاری 61)

العشیر: لغت میں عشیر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ زندگی گذاری جائے اور میل جول رکھا جائے۔ یہاں مراد زوج ہے وہ زوجہ کے حق میں زیادہ میل جول رکھتا ہے۔ اس کو بھی عشیر کہتے ہیں۔ کفران کے لفظی معنیٰ ناشکری کے ہیں۔ تو کفران العشیر کا مطلب ہے شوہر کی نافرمانی ___ حدیث میں اس کو کفر سے تعبیر کیا۔ اس لئے یکفرن العشیر کا لفظ استعمال فرمایا ___

تشریح ترجمہ

کفرٍ دون کفرٍ: اس کو مجرور بھی پڑھا گیا۔ اور مرفوع کفرٌ دون کفرٍ بھی پڑھا گیا ___ مجرور ہونے کی صورت میں اس کا عطف کفران العشیر پر ہے جو باب کا مضاف الیہ ہے ___ اور مرفوع ہونے کی صورت میں بھی اس کا عطف کفران العشیر پر ہی ہے۔ البتہ اعراب حکائی مراد ہے۔

اعراب حکائی اس کو کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کا مقولہ نقل کیا جاتا ہے تو اس نے جو لفظ جس اعراب سے استعمال کیا تھا اس لفظ کو اسی اعراب کے ساتھ نقل کیا جائے ___ اور جس کلام میں اسے نقل کیا جا رہا ہے اس کلام میں اس کا محل اعراب کیا ہے؟ اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کفر دون کفر یہ حضرت عطا بن یسارؒ کا مقولہ ہے ___ لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں مستدرک حاکم میں یہ جملہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ان مقامات پر جہاں معصیت کے حوالہ سے آپ ﷺ نے کفر کا لفظ اختیار فرمایا وہاں کفر دون کفر کی اصطلاح استعمال فرماتے ہیں ___ بتلانا یہ چاہتے ہیں اس سے مراد وہ کفر حقیقی نہیں ہے جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے ___ بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ کام فعل کفر جیسا ہے ___

کفر دون کفر کی تشریح حافظ ابن حجرؒ، علامہ خطابیؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ''دون'' اقرب اور اقل کے معنیٰ میں ہے۔ مطلب یہ ہے ایسا کفر جو دوسرے کفر کے مقابلہ میں کم درجے کا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کفر ایک ایسی حقیقت واحدہ اور نوع واحدہ ہے جس کے افراد باہم متفاوت ہیں۔ اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ وغیرہ۔ ھلم جراً۔ اور نوع کے افراد ایک دوسرے کے غیر نہیں ہوتے۔ اسی لحاظ سے کفر دون کفر کا مصداق سمجھا جائے۔

امام بخاریؒ کا مقصود: یہ ہے جب کفر کے درجات ہیں جو ایمان کی ضد ہے۔ تو تقابل سے سمجھا جاسکتا ہے ایمان کے بھی درجات و مراتب ہیں۔ کفر کا اعلیٰ مرتبہ وہ ہے جو اسلام سے خارج کرتا ہے۔ بعض وہ ہیں جو خارج نہیں کرتے اسی طرح ایمان کے بھی مراتب ہیں۔ ایک ادنیٰ مرتبہ یہ ہے جس کی نفی ہوجائے تو انسان ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔ اور اس سے اعلیٰ درجہ کے مراتب ہیں وہ بھی ایمان کا حصہ ہیں۔ لیکن اگر ان کی نفی ہوجائے تو انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

کفر دُون کفر میں علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق:

فرماتے ہیں ''دون'' اقل کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ ''غیر'' کے معنیٰ میں ہے۔ بعض حضرات نے اس کی وجوہ ترجیح بھی لکھی ہیں۔

۱... عام طور پر قرآن کریم میں دون کا لفظ غیر کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے من دون اللہ وغیرہ

۲... امام بخاریؒ بھی اکثر ابواب میں دون کے لفظ کا استعمال غیر کے معنیٰ میں کرتے ہیں۔

۳... محاورات میں بھی دون کا لفظ غیر کیلئے استعمال ہوتا ہے ___

___ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے کفر ایک حقیقت واحدہ نہیں ہے جس کے تحت مختلف مراتب ہوں ___ بلکہ کفر ایک جنس ہے جس کی مختلف انواع ہیں۔ ایک نوع وہ ہے جو ایمان سے خارج کرتی ہے اور ایک نوع وہ ہے جو ایمان سے خارج نہیں کرتی۔

پہلی صورت میں کفر ہی ایک حقیقت (نوع) تھی جس کے تحت مختلف مراتب تھے ___ اور دوسری صورت میں کفر ایک جنس ہے جس کے تحت مختلف انواع ہیں۔ چنانچہ ایک کفر کی وہ نوع ہوگی جو ایمان سے خارج کرے گی۔ اور ایک نوع وہ ہوگی جو ایمان سے خارج نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ انواع ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں ___ تو حضرت کشمیریؒ نے اس دوسرے معنیٰ کو ترجیح دی ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کفر ایک حقیقت واحدہ ہے۔ جس کے مختلف مراتب ہیں تو لازم آئے گا کہ کفر کے بھی اجزا ہیں۔ جیسا کہ ایمان کے اجزا ہیں ___ یہ بات ان حضرات کے قول پر تو درست ہوسکتی ہے جو ایمان کے متجزی ہونے کے قائل ہیں ___ لیکن ہمارے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ہم ایمان کو بسیط اور غیر متجزی مانتے ہیں۔

لفظ دُون عند البخاری: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ کی رائے بھی یہی ہے یہاں دون بمعنیٰ غیر

ہے۔اسلئے کہ اگر کفر کو حقیقت واحدہ اور ایک نوع سمجھ لیا جائے جس کے مختلف مراتب ہیں۔تو اس صورت میں کوئی شخص کسی بھی مرتبہ کا مرتکب ہو تو اس پر کافر کا اطلاق ہونا چاہیے ـــــ کیونکہ حقیقت واحدہ تو ایک ہی ہے ـــــ حالانکہ امام بخاریؒ اگلے باب میں خود فرماتے ہیں: و لا یکفر صاحبھا الا بالشرک: اس سے معلوم ہوا ہے امام بخاریؒ دون کو اقل کے معنیٰ میں نہیں لے رہے بلکہ غیر کے معنیٰ میں لے رہے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ مفہوم کے اعتبار سے دونوں تقریروں میں زیادہ فرق نہیں ہے ـــــ اسلئے کہ بہر حال کفر کا ایک ہی درجہ ہے جو اسلام و ایمان سے خارج کرتا ہے چاہے کفر کو حقیقت واحدہ اور نوع واحدہ تسلیم کریں چاہے جنس واحد تسلیم کریں۔

تشریح حدیث

حدثنا عبد اللہ بن مسلمہ الخ

قال النبی ﷺ اریت النار ـــــ اس سے معلوم ہوا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ نے نار وجنت کا مشاہدہ کرایا تھا۔ تاکہ آپ ﷺ وجہ البصیرت تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیں۔کیونکہ عالم اور عارف کی تبلیغ میں فرق ہوتا ہے۔

فاذا اکثر اھلھا النسآء:

اس میں دو قول ہیں۔۱: یا تو قیامت تک کے زمانے کی عورتیں دکھلائی گئیں۔۲: یا صرف اسی زمانہ کی ـــــ لیکن یہ اس وقت تک معاملہ تھا جب تک عورتوں میں اسلام و دین کی تعلیم عام نہیں تھی۔سمجھ آنے کے بعد انہوں نے ناشکری چھوڑ دی۔(حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحبؒ فرماتے تھے ـــ ناشکری زنانہ مرض ہے۔جو اس حدیث سے مفہوماً نکلتا ہے،مرور زمانہ سے اس کا تعلق نہیں۔)

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔اور مردوں کی کم؟ نیز تقابل سے معلوم ہوتا ہے جنت میں عورتیں کم ہوں گی۔اور مرد زیادہ۔جبکہ مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جنت میں ان لکل رجل من اھل الجنۃ امرأتان۔ کم از کم ایک مرد کیلئے دو عورتیں ہوں گی۔پھر تعداد عورتوں کی زیادہ ہونی چاہیے۔جبکہ روایت سے جہنم میں تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

جواب: جنت کی عورتوں کی دو(۲) اقسام ہیں۔ایک دنیوی اور ایک وہ جو جنت میں پیدا ہوں گی۔مسند احمد والی روایت میں وہ عورتیں مراد ہیں جو جنت ہی کی مخلوق ہیں۔جن کے بارے میں قرآن کریم میں لم یطمثھن انس قبلھم و لا جان آیا ہے خلاصہ یہ کہ تقابل کل عورتوں کے لحاظ سے نہیں۔بلکہ دنیا کی عورتوں کے لحاظ سے ہے۔

عورتیں فی نفسہ زیادہ ہیں۔لہٰذا جنت وجہنم دونوں میں زیادہ ہوں گی۔(درس شامزئی 126)

ایکفرن باللہ قال یکفرن العشیر: اس سے دو قسموں کی طرف اشارہ ہو گیا یعنی کفر دون کفر۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ مؤمن میں کفر کی بعض علامات اور کافر میں ایمان کی بعض علامات ہو سکتی ہیں ــــــ لیکن ایسے کافر کو مؤمن اور ایسے مؤمن کو کافر نہیں کہیں گے۔ (دلیل)

21بَاب الْمَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ

وَلَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى {إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ} {وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا} فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِينَ

ــــ[1] حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ.

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هَذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُ قُلْتُ أَنْصُرُ هَذَا الرَّجُلَ قَالَ ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ.

ترجمہ:۔۔باب: گناہ جاہلیت کے کام ہیں

اور گناہ کرنے والا گناہ سے کافر نہیں ہوتا اور اگر شرک کرے تو کافر ہو جائے گا سرورِ کائنات ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے "اے ابوذر تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت کی خصلت ہے"۔ اور اللہ نے فرمایا اللہ شرک کو تو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کے چاہے گناہ بخش دے گا۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مسلمان کہا۔

احنف بن قیسؒ نے کہا: میں چلا اس شخص کی مدد کرنے کو راستہ میں مجھ سے ابوبکرہؓ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا اس شخص کی مدد کرنے کو۔ کہا اپنے گھر لوٹ جاؤ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر لڑ جائیں تو قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قاتل تو خیر مقتول کیوں؟ فرمایا اس کی بھی اپنے بھائی کو مار ڈالنے کی خواہش تھی۔

ہم سے بیان کیا سلیمان بن حربؒ نے اس نے کہا: ہم سے بیان کیا شعبہؒ نے انہوں نے واصل احدبؒ سے انہوں نے

[1] نوٹ: احادیث کی یہ ترتیب مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے کیونکہ عنایۃ الباری میں بخاری شریف کا متن سارا مکتبہ شاملہ سے لیا گیا ہے۔ تاہم احادیث کی توضیح وتشریح ہمارے دیار میں مشہور ومتداول مکتبہ قدیمی کراچی کے شائع کردہ نسخے کے مطابق کی گئی ہے۔

معرورؒ سے انہوں نے کہا: میں نے ربذہ میں ابوذرؓ سے ملاقات کی۔ وہ ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے اوران کا غلام بھی ویسا ہی جوڑا پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا: میری ایک شخص سے گالم گلوچ ہوئی، میں نے اس کو ماں کی گالی دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر کیا تو نے اس کو ماں کی گالی دی ہے۔ تو وہ آدمی ہے جس میں جاہلیت کی بو ہے۔ تمہارے خدمت گار تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضہ میں کردیا ہے لہٰذا جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اس کو چاہئے کہ جو کچھ خود کھائے وہ اس کو بھی کھلائے جو خود پہنے وہ اس کو بھی پہنائے اور ایسے کام کی تکلیف ان کو مت دو جو ان کے بس میں نہ ہو اگر ایسا کام کہو تو اس میں ان کی مدد کرو۔

تشریح حدیث۔۔۔

ربط: باب سابق میں کفر کے درجات کا بیان تھا اور ان میں سے صرف کفرانِ عشیر کا ذکر تھا____ اس باب میں اس کا بیان ہے کہ جمیع معاصی اجزائے کفر ہیں۔ (دلیل 213)

غرض ترجمہ: اس باب سے معتزلہ، مرجیہ کرامیہ اور خارجیہ ان سب کا رد مقصود ہے____ اس لئے کہ معاصی من امر الجاهلية کہہ کر مرجیہ اور کرامیہ پر رد کردیا کہ امر جاہلیت کا ارتکاب معصیت ہے تو عملِ معصیت کا ایمان کیلئے نقصان دہ ہونا ثابت ہوگیا۔ اور دوسرے جز لایکفر صاحبها سے معتزلہ اور خارجیہ کا رد ہوگیا۔ کیونکہ ارتکابِ معصیت کے باوجود ان پر مومنین کا اطلاق فرمایا جارہا ہے۔

قتال معصیت ہے____ امام بخاریؒ کا مقصود اس آیتِ کریمہ سے چاروں فرقوں کا رد کرنا ہے۔ المومنون کے لفظ سے معتزلہ وخوارج کا رد ہے کہ ارتکابِ معصیت کے باوجود انہیں خارج از اسلام قرار نہیں دیا گیا____ اور اقتتلوا سے کرامیہ اور مرجیہ کا رد ہے____ کہ یہ عملِ معصیت ایمان کو نقصان پہنچا رہا ہے۔

دلیل: <u>انک امرؤ فیک جاهلية۔</u>

جاہلیت کا مصداق: ایک یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آپ ﷺ سے پہلے جاہلیت کا دور کہلاتا ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ہر شخص کی جاہلیت اس کے اپنے دور کے لحاظ سے ہے۔ اس کی زندگی قبل الاسلام جاہلیت اور بعد از اسلام جاہلیت نہ ہوگی۔

<u>پس منظر حدیث:</u> حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت بلالؓ کو یہ کہہ کر عار دلائی تھی یا ابن السوداء! اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انک امرؤ فیک جاهلية بعض روایات میں ہے حضرت عمار بن یاسرؓ کو یا ابن الجارية کہا تھا۔

یا ابن السوداء کا ترجمہ تحفۃ القاری میں ہندوستانی ذوق کے مطابق کیا گیا ہے: "او کالی کے!" (تحفۃ 247ج1)

ترجمة الباب کے دو اجزاء ہیں۔ ایک المعاصی من امر الجاهلية۔ اس کو ثابت فرمایا ہے: انک امرؤ فیک جاهلية سے اور دوسرا جز ہے ولا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشرک اس کو ثابت فرمایا آیات ان الله لا یغفر۔ الخ وان طائفتان۔ الخ سے____ کہ ارتکابِ کبیرہ کے باوجود دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا گیا۔

____ عند البعض: دونوں اجزا کوایک ہی قول یعنی انک امرؤ فیک جاھلیۃ سے ثابت فرمایا۔ پہلا اس طور پر کہ معاصی امور جاھلیۃ میں سے ہیں۔ اور دوسرا جز اس طور پر کہ حضرت ابوذرؓ میں امر جاہلیت کے ثبوت کے باوجود ایمان سے خارج قرار نہیں دیا جارہا کہ تجدید ایمان کیلئے کہا گیا ہو____

سوال: بعض لوگ اس آیت کی روشنی میں کہتے ہیں مشرک کی بخشش نہیں۔ البتہ کفر کی معافی ہے۔ کیونکہ وہ ماد ون ذلک میں داخل ہے۔ حالانکہ عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں۔

جواب ۱: اس آیت کریمہ میں شرک کا بیان ہے اگر چہ کفر کا بیان نہیں ہے____ تاہم کفر کی وجہ سے عدم مغفرت دیگر آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ ضروری نہیں ایک آیت سے سب کچھ ثابت کیا جائے۔

جواب ۲: بعض حضرات فرماتے ہیں اگر چہ شرک اپنی حقیقت کے اعتبار سے خاص اور کفر عام ہے۔ دونوں کے معنیٰ میں بھی فرق ہے____ لیکن اطلاقات میں کفر کو شرک کے ہم معنیٰ قرار دیکر ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اس لئے آیت کریمہ میں یہاں شرک سے مراد کفر ہے خواہ بسبب شرک ہو یا کسی اور سبب سے۔

جواب ۳: کفر شرک کیلئے بطور لازم کے ہے۔ جب شرک ملزوم کا ذکر آ گیا تو لازم کا ذکر بھی خود بخود آ گیا____

عزم میں اختلاف ہے کہ اس پر گرفت ہے یا نہیں۔ میرے نزدیک یہی حق ہے کہ عزم پر گرفت ومؤاخذہ نہیں جب تک اسے کرے نہیں۔ میری سمجھ میں آتا ہے کہ حرص کا مرتبہ عزم سے بڑھ کر ہے حرص کا مطلب یہ ہے کوشش اور اسباب پیدا کرے۔ (فضل 428ج1)

ترجمۃ الباب پر احادیث کی ترتیب کے لحاظ سے اشکال

اشکال: امام بخاریؒ کا دعویٰ ہے: المعاصی من امر الجاھلیۃ، ولایکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرک____ اس میں استدلال تین چیزوں سے کیا ہے، ۱: حضرت ابوذر غفاریؓ کو آپ ﷺ فرمانا: انک امرؤ فیک جاھلیۃ، ۲: آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک، الخ۔ اور تیسرے وان طائفتان، الخ۔ یہ سارا ترجمہ ہے____ اس کے تحت دو احادیث لائے ہیں۔ یاد رہے یہ احادیث ترجمہ کی ترتیب ذکری کے مطابق نہیں۔ بلکہ حضرت احنف بن قیسؓ کی جو پہلی روایت لائے ہیں اس کا ترجمہ کی دوسری آیت کے ساتھ تعلق ہے۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ والی روایت انک امرؤ فیک جاھلیۃ کا تعلق ترجمے کے پہلے حصہ وانک امرؤ فیک جاھلیۃ کے ساتھ ہے____ گویا دعویٰ اور دلیل میں ترتیب نہیں ہے۔

جواب: یہ اشکال اس نسخے کے مطابق ہے جو ہمارے دیار میں متداول ہے لیکن ایک نسخے میں ترجمہ کے مطابق حضرت ابوذرؓ کی حدیث پہلے آتی ہے۔ اس کے مطابق اشکال نہیں کیونکہ حضرت احنف بن قیسؓ کی حدیث بعد میں آتی ہے۔ تو ترتیب صحیح ہو گئی۔

جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس نسخہ کو لیا ہے جس میں ایک باب کا اضافہ ہے۔ اور وان طائفتان، اس نئے باب کے تحت لائے ہیں۔ اور آیت ہذا کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں ہے____ گویا پہلے باب کا ترجمہ ان اللہ لا یغفر الخ والی آیت پر ختم کر کے پھر حضرت ابوذرؓ کی حدیث لائے ہیں____ پھر ترجمہ قائم کیا: باب وان طائفتان من المومنین، پھر حضرت احنف بن

قیسؓ کی روایت لائے ہیں ـــــ حتی کہ علامہ عینیؒ کے پاس بھی یہی نسخہ ہے اور یہ نسخہ ترتیب کے مطابق زیادہ واضح ہے۔

جواب ۲: ہمارے موجودہ نسخہ کے مطابق یوں جواب دیا جاسکتا ہے جب دو چیزیں یکے بعد دیگرے ذکر کی جائیں تو پھر کبھی تو دلائل ترتیب سے بیان ہوتے ہیں اور کبھی یوں ہوتا ہے جو چیز آخر میں ذکر کی ہے اس کی دلیل ساتھ ہی ذکر کردی۔ پہلی چیز جو پہلے ذکر کی ہے وہ دور تو ہو ہی چکی تھی، اس کی دلیل بعد میں ذکر کردی۔ اس نسخے میں ایسا ہی ہے۔

تشریح حدیث

ربذہ: مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ہے، پرانے راستہ پر ہے۔

یہ فوجی چھاؤنی تھی اور کئی ہزار گھوڑے یہاں پر تھے۔ مدینہ طیبہ سے تین مرحلہ دور ہے۔ (فضل 429 ج1)

وعلیہ حلۃ: ایک ان پر اور ایک ان کے غلام پر جوڑا تھا۔ یعنی ان میں اور خادم میں یکسانیت تھی جیسے اپنے جسم پر تھا ویسے ہی غلام پر بھی تھا۔ عام معمول میں مولیٰ اور غلام کا جو فرق ہوتا ہے وہ نہیں تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ دونوں کے جسم پر ایک قسم کے جوڑے تھے ـــــ بلکہ وہاں یہ بات تھی کہ حضرت ابوذرؓ اور ان کے غلام نے پورے جسم کو لپیٹا ہوا تھا۔ تو سائل نے کہا کہ اپنا جوڑا اس طرح تقسیم کیا ہوا ہے آدھا اس کو اور آدھا خود پہنا ہوا ہے ـــــ ایسا کرلیں کہ ایک ہی جوڑا آپ اور ایک ہی وہ پہنیں۔ اوپر والا اچھا کپڑا، نیچے والا گھٹیا۔ تو دونوں ایک طرح کر لیجئے۔ یہ معاشرتی ترتیب کے خلاف کیوں ہے؟ تو اس پر سائل نے پوچھ لیا کیا ہے ـــــ؟

اس پر فرمایا: ساببت رجلاً

یا ابن السوداء بہتان نہیں ہے۔ حقیقت واقعہ ہے لیکن بطور عار ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انک امرؤ فیک جاھلیۃ۔ مسلمان کی دل آزاری آپ ﷺ قصداً تو ویسے ہی پسند نہیں تھی۔ جھوٹ بول کر عیب لگانا تو برا ہے ہی ـــــ لیکن واقعاتی بات کو منہ پر کہہ کر عیب لگانا بھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔

وعلیہ حلۃ میں تنوین تعظیم کیلئے ہے۔ (درس بخاری 241)

فائدہ: انک امرؤ فیک جاھلیۃ:

اتنا بڑا سبق دیا کہ یہ نہیں فرمایا کہ تم سے گناہ ہوا بلکہ فرمایا تمہارے اندر جاہلیت ابھی تک باقی ہے گویا اسلام کی ابھی تک "خوبو" نہیں آئی۔ طلبہ کرام سبق حاصل کریں کہ حدیث سے متعلقہ مباحث ایمان وکفر کی حقیقت ان کے مراتب کیا ہیں؟ جزو ایمان ہے یا نہیں؟ زیادۃ ونقصان ہے یا نہیں؟ یہ حشر اور قبر میں کوئی نہیں پوچھے گا ـــــ اس پر گرفت ہوگی کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے۔

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ تاویل وتوجیہ یا اپنی غلطی کا عذر بیان کرتے، بس فوراً بلا تاخیر زمین پر لیٹ گئے۔ اس طرح کہ اپنے رخسار زمین سے ملادیے اور کہا اس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک بلالؓ آکر پاؤں میری رخسار پر نہ رکھیں۔ حضرت بلالؓ کو بلوایا گیا آکر انہوں نے پاؤں رکھا تب وہاں سے اٹھے۔ (انعام الباری 462/1)

حدیث ابی ذر غفاریؓ میں نسب آباء پر فخر و رعونت اور خاندانی علو مرتبت کی بیخ کنی کردی گئی اور نسب کے جرثومہ سے انسانیت کی تقسیم پر کراہت کا برملا اظہار کیا گیا ہے ___ تاہم انتظامی تقسیم کے حوالہ سے مولیٰ اور غلام کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی ہمدردی کا سبق دیا گیا ___ نیز مولیٰ و آقا کو اندیشۂ آخرت کے پیشِ نظر جذبۂ اخوت غالب رکھنے کا حکم ہے ___ تکمیل حکم میں غلام کی بے بسی کی صورت میں آقا کو شریکِ عمل ہونے کی تلقین ہے ___ بصورتِ دیگر امرِ جاہلیت کو مسلمانوں میں زندہ کرنا ہے جو آپ ﷺ ناراضگی کا باعث ہے اور مقاصد کی تکمیل کے لحاظ سے دنیا کے اخلاق کے پہیہ کو الٹا چلا کر شرف و عز کے مقامِ بلند کی تمنا ایک موہوم امید ہے (ماہ)

اس تعلیم سے غلام کی غلامی ہی نہیں رہی، بلکہ بھائی چارہ بن گیا۔ اسی واسطے تاریخ اسلام میں دنیوی رفعت، جاہ و منصب اور علم کے اعتبار سے بڑے بڑے لوگ غلاموں میں سے ہیں۔ حتیٰ کہ امام بخاریؒ غلاموں کے خاندان ہی سے ہیں جبکہ ''احرار'' اس مقام تک نہ پہنچ سکے۔ (انعام 464/1)

فائدہ: خول: خدام کو کہتے ہیں یہ اسم جمع ہے بعض اوقات اس کا اطلاق مفرد پر بھی ہوتا ہے۔ (انعام الباری ج1 ص 463)

اخوانکم خولکم: غلام کو ادنیٰ جاننا یہ جاہلی تصور ہے۔

اخوانکم مبتدا اور خولکم خبر ہے تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں۔ یوں نہیں فرمایا تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت میں انہیں لگا دیا۔ گویا بتلایا گیا ہے اصل اخوت ہے۔ ''خول'' ہونا عارضی ہے۔

فلیطعمہ مما یاکل و لیلبسہ مما یلبسہ

جو کھا رہے ہو اسی میں سے کھلاؤ اور جو پہن رہے ہو اسی میں سے پہناؤ۔ یہ بہت آسان ہے من تبعیضیہ ہے جو عدم مساوات کا مظہر ہے ___ یہ نہیں فرمایا: فلیطعمہ ما یاکل یعنی جو کھانا وہ پسند کرے وہ اس کو کھلاؤ۔ ایسی چیز کا مکلف بنانا جس کو انسان نہ کرسکے کیا فائدہ ___؟

گویا غلامی کو ''اخوت'' میں بدل دیا۔

سوال: حضرت ابوذر غفاریؓ مساوات للعبد کے قائل ہیں کہ آقا اور غلام میں مساوات ضروری ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔

جواب: حدیث الباب میں مواخات (یعنی رحمدلی) کا حکم تھا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس کو مساوات پر محمول کرلیا جو صحیح نہیں۔

جمہور کی دلیل ۱: اس روایت کے آخر میں یہ ہے اگر ان کی طاقت سے کام باہر ہو تو ان کی مدد کرو۔ اگر مساوات مراد ہوتو مل کر کام کرنے کا ارشاد فرماتے اور مما یغلبھم کی قید نہ لگاتے۔

دلیل ۲: حدیث میں آتا ہے اگر کوئی غلام کچھ پکا کر لائے تو اس کو بھی اس میں شریک کرلیا کرو۔ اگر شریک نہ کرسکو تو چند لقمے ہی ان کے ہاتھ پر رکھ دیا کرو ___ اس سے معلوم ہوا مساوات ضروری نہیں ___ البتہ ان کو محروم نہ رکھا جائے۔ تاکہ جس نے گرمی چکھی ہے تو کھانے کی ٹھنڈک بھی حاصل کرے۔

فائدہ: اسلامی مساوات سے مراد مساوات فی الحقوق اور صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے کارکردگی کا معاوضہ دینا ہے نہ کہ ساری قوم کی قوم کو ایک لاٹھی سے ہانک دیا جائے۔ اور ان کی صلاحیتوں کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا جائے ـــــ یہ وہ مساوات ہے جو اسلام کے بالمقابل ہے۔ اسلام کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ آجکل اس کا نام اشتراکیت ہے اور انگریزی میں اسے کمیونزم کہتے ہیں۔

مسئلہ سب وشتم صحابہ رضی اللہ عنہم

سابّبت رجلاً ـــــ اس کی اولاً دو قسمیں ہیں۔

۱ سبّ صحابیؓ لصحابیؓ، ۲ سبّ غیر صحابیؓ لصحابیؓ۔ پھر نمبر ۲ کی دو اقسام ہیں۔ ا: کسی ایک صحابی کو سبّ کرنا۔ ۲ سب کو یا اکثر صحابہ کو برا بھلا کہنا۔ یہ تیسری قسم جو آخری ہے یہ کفر ہے۔ نمبر ۲ غیر صحابی کا کسی ایک کو سبّ کرنا یہ فسق ہے ـــــ اور صحابی کا صحابی کو برا بھلا کہنا یہ نہ کفر ہے نہ فسق ہے۔ اس کا منشا کوئی تکلیف ہوتی ہے اس کا منشا توہین نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ اس کو غیر مناسب سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ معاصرین آپس میں جو کچھ کہہ سکتے ہیں ان کے چھوٹے نہیں کہہ سکتے۔

تعارفِ رواۃ

حماد بن زید: یہ بہت مضبوط سند ہے۔ حماد بن زید بڑے اونچے محدثین میں سے ہیں۔ دو حماد مشہور ہیں۔ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ۔ دونوں کا نام ایک، وطن کوفہ ایک، اساتذہ وتلامذہ بھی ایک جیسے۔ اس لئے مطلق حماد سے تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔

فضلیت: روایتِ حدیث میں حماد بن زید کا مقام بہت اونچا ہے جبکہ حماد بن سلمہ عبادت وتقویٰ میں بہت بلند ہیں ـــــ بعض حضرات نے ان کو ابدال میں شمار کیا ہے۔ شام میں ابدال زیادہ ہوتے تھے۔ ابدال کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کی اولاد نہیں ہوتی ـــــ انہوں نے ستر نکاح کئے مگر اولاد نہیں ہوئی۔

حماد بن زید بن درہم اور حماد بن سلمہ بن دینار ہے۔ فضیلت کا درجہ بھی حسب درہم ودینار رکھتے ہیں۔ فضل حماد بن سلمه علی فضل حماد بن زيد كفضل الدينار على الدرهم۔ (تہذیب الکمال) ان کے استاذ ایوب سختیانی اور یونس ہیں۔ دونوں امام زہریؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کی امامت وجلالت پر اتفاق ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں ـــــ

حضرت حسن بصریؒ کی والدہ کا نام خیرہ تھا۔ وہ حضرت ام سلمہؓ کی کنیز وباندی تھیں۔ ان کی وہ آزاد کردہ تھیں۔ یہ سعادت انکو حاصل ہے ان کی والدہ خیرہ کہیں چلی جاتیں تو حضرت ام سلمہؓ ان کو ان کی عدم موجودگی میں دودھ پلا دیتیں۔ اسطرح یہ حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے بھی رضاعی بیٹے ہوئے۔ اس لئے ان کی ذہانت وفطانت میں رضاعت کا اثر ہے۔ اور یہ فضیلت کسی اور تابعی کو حاصل نہیں ہے۔

لانصر هذا الرجل ـــــ

یہ جنگ جمل کا موقع ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ بالمقابل ہوئے۔

الرجل سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت علیؓ سے پانچ سو چھیالیس احادیث مروی ہیں۔ متفق علیہ بیس ہیں نو احادیث میں امام بخاریؒ اور پندرہ احادیث میں امام مسلمؒ متفرد ہیں۔ (کشف 154/4)

یہ جنگِ جمل کا قصہ ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے حضرت احنف بن قیسؓ اکیلے مدد کیلئے نکلے تھے۔ بعض روایات میں اپنی قوم کے ساتھ نکلنا آیا ہے ـــــ تاہم گفتگو ان سے ہوئی۔ حضرت ابوبکرہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے محاصرۂ طائف کے دوران یہ شہر کی فصیل سے چرخی کے ذریعہ لٹک کر نیچے اترے اور آ کر اسلام قبول کر لیا چرخی کو عربی میں "بکرہ" کہتے ہیں۔ تو ان کا لقب ابی بکرہ ہو گیا۔ معنیٰ ہے چرخی والا تاہم ان کا نام مبارک نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ ہے۔

قاتل ومقتول جہنمی کیسے ہوئے؟

القاتل والمقتول فی النار:

حضرت ابوبکرہؓ کا استدلال حضرت احنف بن قیسؓ کو روکنے کی حد تک تو جائز ہے۔ کیونکہ روکنے کے لئے عمومی عنوانات اختیار کر لئے جاتے ہیں ـــــ جمہور محدثینؒ کے نزدیک یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ "قاتل ومقتول" وہ مراد ہیں جو کسی دنیوی غرض یا حظِ نفس کیلئے لڑتے ہیں ـــــ اس لئے جمہور اہل السنۃ والجماعت کے ہاں جنگ جمل اور صفین میں جان دینے والے صحابہ کرامؓ شہداء کامل ہیں۔

قاتل ومقتول جب تلوار لیکر آمنے سامنے ہو جائیں اور صورتِ حال یہ ہو جائے کون کس کے وار کی زد میں آجائے تو ایسا مقتول بھی جہنمی ہے۔ اس لئے کہ یہ محض ارادہ قتل نہیں ہے بلکہ وار کا چوک جانا ہے اور نوبت اقدام تک ہے ـــــ اور قلبی حرص کا ظہور ہے۔ جس کو آپ ﷺ نے انه کان حریصاً علی قتل صاحبه سے تعبیر فرمایا ہے ـــــ تاہم جہنم میں جانا ایک کلی مشکک ہے سزائیں سب کی مختلف ہوں گی۔ "دخول" میں اگرچہ شرکت ہے۔ تو قاتل کا درجۂ عذاب اس سے بڑا ہوگا جو اپنی کوششِ قتل میں کامیاب نہ ہو سکا۔

فائدہ: قصد کے پانچ مراتب ہیں۔ ۱: ہاجس۔ ۲: خاطر۔ ۳: حدیث النفس۔ ۴: ہم۔ ۵: عزم

(۱) ہاجس: دل میں چیز آئی اور چلی گئی۔ (۲) خاطر: یہ دوسرا درجہ ہے چیز دل میں آئی، ٹھہری لیکن دل نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آیا فعل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ (۳) حدیث النفس: یہ تیسرا درجہ ہے قصد کا کہ دل میں بات ٹھہری اور دل میں فعل یا ترک فعل میں تردد رہا۔ کسی طرف جھکاؤ نہیں ہوا۔ (۴) ہم: یہ چوتھا درجہ ہے جس میں فعل یا ترک فعل کی طرف جھکاؤ تو ہو جاتا ہے لیکن اس میں پختگی نہیں ہوتی۔ (۵) عزم یہ آخری درجہ ہے اس میں بھرپور پختگی ہوتی ہے اس پر مواخذہ ہوگا۔ (درس شامزئی 129)

فائدہ 1: حضرت احنف بن قیسؓ کی یہ خصوصیت ہے آپ ﷺ نے قبل از ایمان ان کی بخشش کی دعا کی تھی۔ حضرت احنف بن قیسؓ کہتے ہیں میں طواف میں مشغول تھا۔ بنو لیث کا ایک شخص آ کر کہنے لگا۔ کہ میں مبلغ بن کر آپ کے قبیلہ میں گیا میں نے آ کر آپ ﷺ سے عرض کیا، صرف ایک بچہ نے اتنی بات کہی کہ بات تو ٹھیک کہتا ہے اس کی بات سننی چاہیے۔ اس بچہ کا

احنف بن قیس نام ہے آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اللھم اغفر للاحنف بن قیس۔

فائدہ 2: حضرت احنف بن قیسؓ اس وقت تو واپس چلے گئے تھے لیکن بعد میں جب انہیں حضرت علیؓ کے برحق ہونے پر شرح صدر ہو گیا تو جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک ہوئے۔

فائدہ ۳: احنف بن قیس لقب ہے، ان کا نام ضحاک اور کنیت ابو بحر بن قیس ہے وقیل اسمہ صخر، تابعی ہیں۔ آپ ﷺ کا زمانہ پایا مگر زیارت نصیب نہ ہوئی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے عہدِ خلافت میں ۶۷ھ میں کوفہ میں وصال ہوا، (نصر الباری 280ج 1) تاہم انعام الباری میں آپ کو صحابی شمار کیا گیا ہے۔ (انعام 467/1)

مسئلہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیشِ نظر اپنے ایمان کے تحفظ کیلئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے اس مسئلہ میں گفتگو نہ کی جائے۔ خدانخواستہ ادنیٰ بے احتیاطی کا نتیجہ بہت سے خطرات کو لئے ہوئے ہے۔ جس میں سراسر ہمارا نقصان ہے۔ جبکہ حضرات صحابہ کرامؓ خلد نشین ہیں۔ تاہم کسی مسئلہ کو بحیثیتِ مسئلہ سمجھنے کیلئے یہ ذہن میں رہے اولاً اہل السنت والجماعت کے موقف کو سامنے رکھئے ____ اہل علم میں سیدنا علیؓ کے مسلک کی تصویب اور حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ جنگ جمل میں خطاء اجتہادی پر ہیں اور حضرت امیر معاویہؓ جنگ صفین میں خطائے اجتہادی پر ہیں۔ اگرچہ ماجور وہ بھی ہیں کیونکہ خطاء اجتہادی پر مبنی اختلاف دائرہ حق سے باہر نہیں ہوتا۔ اور کسی صحابیؓ کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنا بے ادبی نہیں ہوتا۔ یہی جمہور علماء کا مشہور صحیح مقبول عام مسلک ہے۔

پھر اس مسئلہ کی نوعیت و حکم کس طور پر ہے وہ بخاری جیسی اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی تدریس و تعلیم کے دوران اس پر علمی حیثیت سے ضرور نظر آنی چاہیے۔ چنانچہ اس کے چند اصول ہیں:

(۱) جس جماعت کو قرآن وحدیث میں معیارِ حق قرار دیا گیا ہو اور خطا کی معافی کا اعلان، ان کی تقدیس، ترضیہ کا اعلان کیا گیا ہو۔ اور امت نے الصحابۃ کلھم عدول پر اجماع کر لیا ہو ____ ازاں بعد کسی انسان کے تاریخی حوالہ کی حیثیت نہیں۔ اسے مردود قرار دیا جائے گا۔

(۲) حضرات صحابہ کرامؓ میں باہمی طور پر اجتہادی خطا کی وجہ سے بالفرض کچھ واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں تو ان میں سے ہر فریق ماجور ہے۔ بخاری کی حدیث کے مطابق اگر ان کا اجتہاد صواب ہے تو دوہرا اجر ورنہ ایک اجر تو لازمی ہے۔ تو اعطاء اجر دلیل رضا ہے۔

(۳) مشاجرات باہمی دلیل تصلب دینی ہے۔ سابقہ تعلقات کو امر حق کے سامنے بالائے طاق رکھتے ہوئے اس میں اگر جنگ کی نوبت بھی آ گئی ہے تو اس سے گریز نہیں کیا ____

(۴) قرآن وحدیث میں بحیثیت طبقہ تقدیس و توصیف صرف حضرات صحابہ کرامؓ کی ہے۔

(۵) "محمد رسول اللہ" آیت قرآنی دعویٰ رسالت ہے اور والذین معہ الخ یہ دلیل رسالت ہے ____ خدانخواستہ دلیل مجروح ہوتی ہے تو دعویٰ متاثر ہونے کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔

(۶) قرآن کریم کی اول آیت "ذلک الکتاب" بھی یہ بتلارہی کہ حضرات صحابہ کرامؓ بحیثیت طبقہ شان عدل وحجیت رکھتے ہیں۔
دور نبوی ﷺ میں وجود کتاب بین الدفتین نہیں تھا۔ جس پر اطلاقِ کتاب ہوسکے۔ متفرق اشیاء پر متفرق طور پر متفرق حضرات کے پاس آیات وسور موجود تھیں۔ مگر اطلاقِ کتاب کی کوئی متعین صورت نہ تھی ــــ اس کی متعین صورت "بین الدفتین" یہ دور صدیقی میں وجود پذیر ہوئی۔ جس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کلام اللہ کی موجودگی کے باوجود کتاب اللہ کی شکل وہیئت کا تعلق دور صحابہؓ سے ہے ــــ اگر صحابہ کرامؓ کو ہم حجت نہ مانیں تو وجود کتاب اللہ قابلِ اعتبار نہیں ــــ اس لئے کتاب اللہ کی حجیت یہ موقوف ہے حجیت صحابہؓ پر ــــ فرداً کسی شخص وفرد سے لغزش ہوجائے تو طبقہ صحابیت کی حجیت کے خلاف نہیں ــــ جبکہ قرآن کریم کی تصریح ہے: ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطٰن تذکروا فاذا ھم مبصرون۔

المرقوم فی المسجد النبوی الشریف
علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام
شب ۵ رمضان مبارک ۱۴۳۶ھ
عند باب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

فائدہ:

الصحابہ کلھم عدول یہ معیار نظریہ ہے ــــ تاہم جو بھی اس کے خلاف قلم اٹھاتا ہے۔ وہ امت مسلمہ میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے مودودی نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے خود رائی کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بطور راویانِ حدیث عادل ہیں۔ معتمد ہیں۔ تاہم ان کی نجی زندگی کے بارے میں ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ وہ بھی عدول کی شان رکھتی ہو ــــ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔
اس لئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ شرح نخبۃ الفکر میں عدالت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ عدالت وہ ملکۂ راسخہ ہے جو مروت وتقویٰ پر ابھارتا ہے۔ اس لئے وہ حقوق اللہ وحقوق العباد کی تکمیل میں آئیڈیل ہیں۔

فتنہ میں طرزِ عمل کیا اختیار کیا جائے؟

اگر مسلمانوں میں باہمی قتال کا سبب عصبیت قومی ونسبی ولسانی یا حظِ نفس یا دنیا پرستی ہو تو اس صورت میں دونوں گروہ سے کنارہ کش رہے کیونکہ دونوں باطل پر ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فریق بظاہر دین کا دعویٰ کر رہے ہیں پھر دلائل کی روشنی میں ایک فریق کا حق پر ہونا ثابت ہوجائے پھر اس کا ساتھ دینا امر شرعی ہے ــــ بصورت دیگر بموجبِ حدیث کونوا احلاس بیتکم پر عمل پیرا ہو۔ اپنے گھر کے فرش سے چپکے ہوئے ٹاٹ کی طرح ہوجائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مشاجراتِ صحابہؓ میں عمل تھا ــــ (انعام الباری 472ج1)

22بَاب ظُلْمٌ دُونَ ظُلْمٍ ـــ ایک گناہ دوسرے گناہ سے کم ہوتا ہے

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح قَالَ وحَدَّثَنِي بِشْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ {الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ} قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ {إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ}

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" نازل ہوئی توصحابہ نے عرض کیا: ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہیں کیا؟ اس وقت خداتعالی نے نازل فرمایا شرک یقینا بڑا ظلم ہے۔

فائدہ: عبداللہ مطلق بولا جائے تو مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے ہیں۔

فائدہ: عن سلیمان عن ابراهیم عن علقمه عن عبدالله ـــ بعض حضرات نے اس سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔کیونکہ اس کے تمام روات مسلسل بالفقہاء ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ اونچے درجے کے فقیہ ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے بیشتر مسائل انہی کی فقہ سے ماخوذ ہیں۔اور حضرت علقمہ ان سے اونچے درجہ کے تابعین میں سے ہیں۔اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افقہ الصحابہ ہیں۔اس لئے اس سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے ـــ البتہ عند البعض عن سالم عن ابیہ عن عبداللہ بن عمر ﷺ یہ سند اصح الاسانید ہے۔

ربط: ماقبل میں درجات ایمان کا بیان تھا یہاں سے ایمان کی ضد ظلم کے درجات بیان کر کے ایمان کے درجات ثابت کررہے ہیں۔

تشریح ترجمہ: "ظلم دون ظلم" یہ الفاظ حدیث ہیں ـــ امام بخاریؒ کی عادت مبارکہ ہے۔جو حدیث ان کی شرائط کے موافق نہ ہو غرض باب کے موافق ہو اس کو ترجمۃ الباب میں لے آتے ہیں ـــ

ظلم دون ظلم، کفر دون کفر کے ہی معنی میں ہے ـــ البتہ اتنا فرق ہے کفر دراصل اخراج ملت کا سبب ہے لیکن بعض اوقات اپنے مدارج یا انواع کی وجہ سے اخراج ملت کا سبب نہیں ہوتا ـــ جبکہ ظلم بمعنی وضع الشی فی غیر محلہ معصیت ہے جو اصلاً خارج ملت ہونے کا سبب نہیں ہے۔لیکن بعض اوقات یہ اپنے مدارج یا انواع کی وجہ سے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اخراج ملت کا سبب ہوجاتا ہے جیسے خدانخواستہ کوئی شرک کر بیٹھے تو یہ ظلم سمجھا جائے گا اور اخراج ملت کا سبب ہوگا ـــ تو سابقہ باب ترقی من الاعلی الی الادنی ہے۔یہاں ترقی من الادنی الی الاعلی ہے۔اور سابقہ باب کے لحاظ سے یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے ـــ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تھا: اینا لم یظلم ان کی مراد معاصی تھی۔جبکہ آیت شریفہ میں ان الشرک لظلم عظیم ہے ـــ لفظ عظیم سے اقسام ظلم ثابت ہوئیں۔ایک وہ قسم جو صحابہ کرامؓ کی مراد ہے۔اور ایک وہ قسم جو مراد خداوندی ہے ـــ

تشریح حدیث

سوال: حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم الخ سے کونسا ظلم مراد لیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے کونسا مراد لیا ہے____؟

جواب: اس میں حضرات محدثین کرامؒ کی دو رائیں ہیں____

(۱) علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: عرف میں ظلم کا اطلاق معاصی پر ہوتا ہے اس لئے صحابہ کرامؓ نے معاصی پر محمول کیا ہے____ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے ظلم سے معاصی اور شرک مراد ہوسکتے ہیں۔لیکن یہاں مراد صرف شرک ہے۔

(۲) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ ظلم کا مصداق معاصی اور شرک بھی ہے اور یہاں نکرہ تحت النفی واقع ہے۔____اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چھوٹے گناہ سے لیکر شرک تک سب مراد لئے ____ آپ ﷺ کے ارشاد مبارک کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مصداقِ خاص یعنی شرک مراد ہے۔عموم نہیں ہے۔

سوال: باب ہذا میں حدیث سے معلوم ہوتا ہے الذین امنوا ولم یلبسوا الخ آیت کریمہ پہلے اور آیت لقمٰن: ان الشرک لظلم عظیم بعد میں نازل ہوئی____ جبکہ بخاری شریف میں آگے آنے والی روایت صفحہ ۴۸۷ پر ہے____ اندازہ ہوتا ہے آیت لقمٰن پہلے نازل ہوچکی تھی۔روایت یہ ہے:

عن عبداللہ ﷺ قال لما نزلت الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم شق ذلک علی المسلمین____ فقالوا یارسول اللہ! اینا لم یظلم نفسہ____ فقال لیس ذلک انما ھو الشرک۔

الم تسمعوا ما قال لقمٰن لابنہ وھو یعظہ یبنیّ لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم۔

ممکن ہے اشکال کنندہ حضرات کی توجہ آیتِ لقمان کی طرف نہ ہوئی ہو، جیسے کہ حضرت عمرؓ کی توجہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت وما محمد الا رسول کی طرف نہ ہوئی۔

سوال: الم تسمعوا ما قال لقمٰن سے معلوم ہوا صحابہ کرامؓ کے سوال سے پہلے نازل ہوچکی تھی____؟

جواب ۱: جس مجلس میں حضرات صحابہ کرامؓ نے اشکال فرمایا اسی مجلس میں بھی دوبارہ اس کا نزول ہوا۔پہلے بھی نازل ہوچکی تھی تاہم ان الشرک لظلم عظیم مکرر النزول کے قبیل سے ہے۔

جواب ۲: علامہ سیوطیؒ نے فرمایا جب کوئی آیت اپنے شانِ نزول سے متعلق نازل ہوتی ہے____ پھر اس سے ملتا جلتا کوئی واقعہ بعد میں پیش آجائے تو یوں تعبیر کردی جاتی ہے نزلت فی ھکذا____ یہ مراد ضروری نہیں کہ آیت کا نزول دوبارہ ہوا۔ اس لئے ایک آیت کا شانِ نزول حقیقۃً ایک ہی ہوتا ہے تاہم اس جیسے واقعات کے پیش نظر مجازاً دیگر شانِ نزول بھی ہوسکتے ہیں۔

ظلم دون ظلم: یہ حصہ بھی عطا ابن ابی رباح کے کلام کا ایک جزء ہے۔(فضل 431ج1)

اقسامِ ظلم: تین قسم ہیں۔ایک بندہ اور اللہ کے درمیان جیسا کہ افتراء اور کذب علی اللہ یا شرک وکفر یا نقص کی نسبت اللہ

تعالیٰ کی طرف ___ دوسرا: بندوں کا آپس میں ظلم، تیسرا خود اپنے نفس اور اپنے ظلم ___ یعنی کوئی ایسا کام کرنا جس کے نتیجہ میں اس کا خود کو نقصان ہو جیسے زہر خوری ___

پہلی دو قسمیں تیسری قسم کو مستلزم ہیں۔ اول یا ثانی جہاں متحقق ہوگا وہاں ثالث بھی متحقق ہوگا پہلے دونوں کی وجہ سے سزا بھگتنی پڑتی ہے تو نتیجہ میں خود اپنا ہی نقصان ہے ___ اسی اعتبار سے بعض طرق میں ایناالم یظلم نفسہ کا لفظ آیا ہے۔ (فضل 432ج1)

آپ ﷺ نے خاص ظلم یعنی شرک مراد لیا ہے۔ اس پر اشکال ہے کہ آپ ﷺ مطلب بظاہر نکرہ تحت النفی کے اصول کے منافی ہے۔

جواب ۱: ظلم کی تنوین تعمیم کیلئے نہیں بلکہ تعظیم کیلئے ہے۔ صحابہؓ نے اس کو تعمیم کیلئے سمجھا اس لئے اشکال ہوا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جو ایمان لائے اور کسی قسم کا شرک نہیں کیا۔

جواب ۲: آپ ﷺ نے نکرہ تحت النفی کے اصول کے منافی نہیں فرمایا ظلم تو عام ہی ہے البتہ اس سے شرک مراد ہے اور شرک چاہے جس طرح بھی ہو اس پر قرینہ "لم یلبسوا" کے الفاظ ہیں۔ یہ لَبَسَ از ضرب ہے اس کا مصدر لَبس ہے بفتح اللام اور لَبِسَ از سمع کا معنیٰ پہننا ہے اس کا مصدر بضم اللام لُبس ہے۔ لبس بمعنیٰ خلط کیلئے وحدۃِ محل ضروری ہے جیسے شربت پانی اور چینی الگ ہو تو شربت نہیں ___ وہ لبس کے ساتھ ہوگا۔

خلط تب ہوگا جب محل ایک ہو۔ ایمان کا محل جب قلب ہے تو ظلم بھی ایسا ہونا چاہیے جس کا محل قلب بن سکے وہ شرک ہے نہ کہ معاصی۔ کیونکہ معاصی کا تعلق جوارح سے ہوتا ہے اس سے صحابہؓ اور آپ ﷺ کے سمجھے ہوئے مفہوم میں موافقت ومطابقت ہو سکتی ہے۔ (دلیل القاری 224)

فائدہ: رَل جانا اور چیز ہے مل جانا اور چیز ہے۔ جیسے ایک برتن میں چنے اور گندم ہو تو یہ رَل گئے مگر ملے نہیں، البتہ چینی اور پانی شربت کی شکل میں مل گئے ___ یہاں لبس بمعنیٰ خلط مل جانا ہے رَل جانا نہیں۔

___ نیز لفظ ظلم سے مراد شرک لینے کا بہت بڑا قرینہ یہ ہے رکوع کے شروع میں قل اندعو من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرنا ہے پھر واذقال ابراھیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما آلھۃ کا واقعہ ہے جو توحید کے اظہار و بیان میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد ابراہیمؑ کی قوم ان سے حجت بازی کرتی تھی اس پر ابراہیمؑ کے استفہام انکاری کا ذکر ہے اتحاجونی فی اللہ وقدھدٰین، ولا اخاف ماتشرکون بہ اس کے بعد ابراہیمؑ کے استعجاب کا ذکر ہے وکیف اخاف ما اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ الخ ___ اس کے بعد بطور تعجیب فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون ای استفہام کے جواب میں الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون۔

تمام رکوع شرک ہی کے بیان میں ہے یہ واضح قرینہ ہے کہ ظلم سے مراد "شرک" ہے۔ (فضل الباری 436ج1)

الذین امنوا ولم یلبسوا الخ

انہوں نے ایمان کو ارتکاب محرمات کے ساتھ نہیں ملایا۔ اگر طاعت ایمان میں داخل ہوتی تو ظلم ایمان سے علیحدہ چیز ہوتی۔ کیونکہ کسی شیء کی جزء کی ضد اس شی ءسے علیحدہ ہوتی ہے ورنہ اجتماع ضدین لازم آئے گا پس اجتناب عن المحرمات کا عطف ایمان پر بے فائدہ تکرار ہوگا۔

23 بَاب عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ ۔۔۔۔ منافق کی نشانیوں کا بیان

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ أَبُو الرَّبِيعِ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ أَبُو سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنْ الْأَعْمَشِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب وہ وعدہ کرے تو خلاف کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، اس کے پاس امانت رکھی تو خیانت کرے۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا چار باتیں جس میں ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان چار میں سے کوئی ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک اس کو چھوڑ نہ دے: جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو دغا کرے اور جھگڑا کرے تو ناحق کی طرف چلا جائے۔

شعبہ نے ان کی اعمش سے متابعت کی ہے۔ غرض الباب کی عموماً دو تقاریر کی جاتی ہیں:

۱. . تقریر اول: یہ بتلانا مقصود ہے ایمان کو معاصی نقصان پہنچاتے ہیں۔ جیسے طاعات ایمان کو بڑھاتی ہیں۔

۲. . . یہ مقصود ہے جیسے کفر وظلم کی انواع ہیں ایسے ہی نفاق کی بھی انواع ہیں۔ اگرچہ نفاق دون نفاق کے الفاظ نہیں بولے۔

(۱) عند النوویؒ مقصود ترجمہ یہ ہے معاصی سے ایمان میں کمی آتی ہے جیسے طاعات سے اضافہ ہوتا ہے۔ (۲) کفر وظلم کی طرح نفاق کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ بعض سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض سے اوصاف نفاق آجاتے ہیں۔ (کشف 270/2)

تشریح حدیث

روایت الباب سے ترجمۃ الباب واضح ہے۔

آیۃ المنافق: آیۃ مفرد مبتداء اور ثلاث خبر ہے جس میں تعدد ہے مطابقت نہیں۔۔۔ جواب یہ ہے آیت سے مراد جنس ہے۔

نیز ابوعوانہؒ نے علامات المنافق کی روایت نقل کی ہے۔ (کشف 274 ج2)

فائدہ: دین کا انحصار تین چیزوں پر ہے قول، فعل اور نیت۔ فسادِ قول پر کذب، فسادِ فعل پر خیانت اور فسادِ نیت پر خلاف وعد سے متنبہ کر دیا۔ (کشف 275/2)

فائدہ ۲: تین تو نفسِ نفاق کی علامت ہیں اور چوتھی ملکر خلوصِ نفاق کی علامت بن جاتی ہیں۔ (کشف 275/2)

منافق: یہ نافق سے ماخوذ ہے نافق گوہ کے اس سوراخ کو کہتے ہیں جس کو وہ مخفی رکھتی ہے۔ اس کی بل کے دو سوراخ ہوتے ہیں۔ جب کوئی پکڑنے آئے تو دوسرے سوراخ سے نکل جاتی ہے۔ مخفی سوراخ کا نام نافقاء ہے۔ باہر آنے جانے والے سوراخ کا نام قاصعاء ہے۔ منافق چونکہ اپنا عقیدہ چھپا کر رکھتا ہے اس لئے اس کو منافق کہتے ہیں۔ یہ اس کے ماخذ کی تحقیق ہے ___ تاہم اس کا لغوی معنیٰ: مخالفة الباطن للظاهر ہے۔ عام ہے وہ مخالفت قبیح ہو یا حسن ___ البتہ اصطلاح میں یہ مخالفتِ قبیح کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ وہ اظهار الاسلام مع اعتقاد الكفر کا نام ہے۔

نفاق: اسکے دو ماٰخذ ہیں۔ (۱) نفق بمعنیٰ سرنگ سے ماخوذ ہے جیسے آدمی سرنگ میں چھپ کر دوسری طرف سے نکل جاتا ہے اسی طرح منافق بھی ظاہر میں اپنے آپ کو مومن دکھلاتا ہے اور اندر کفر چھپاتا ہے اندر کے راستے سے ایمان سے نکل جاتا ہے۔ (کشف 269/2)

فائدہ: مکی زندگی میں نفاق نہیں تھا مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ مدنی زندگی میں اسلام کی شان وشوکت، رعب ودبدبہ بڑھتا گیا جس کو دیکھ کر منافقین نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ (درس بخاری 246)

اقسامِ نفاق اور ان کا حکم

۱: نفاقِ اعتقادی: اعتقادی کفر رکھتے ہوئے اظہارِ اسلام کیا جائے۔

۲: نفاقِ عملی: ایمان کا اعتقاد رکھتے ہوئے ایسے معاصی کا ارتکاب کرے جو منافق کا خاصہ ہیں۔

۳: نفاقِ حالی: ظاہر و باطن کے لحاظ سے حالتوں کا بدل جانا۔

(۱) حکمِ نفاقِ حالی: کمالِ ایمان کے منافی نہیں۔ جیسے نافق حنظلہ وغیرہ۔

(حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: (غالباً) تیس بدری صحابہؓ کو ملا ہوں جو اپنے کو منافق گردانتے تھے۔ یہ نفاقِ حالی ہے۔)

(۲) نفاقِ عملی کمال کے منافی ہے۔ اگرچہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔

(۳) نفاقِ اعتقادی ایمان کے منافی ہے۔

فائدہ: نفاق کی ایک قسم "نفاقِ حسن" بھی ہے جس کا تعلق از دیادِ محبت اور حسن و ناز سے ہے۔ جیسے براءۃ کے نزول کے بعد حضرت ام رومانؓ نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو ___ باوجود از دیادِ محبت کے فرمایا: میں صرف اپنے اللہ کا شکر ادا کروں گی ___ حالانکہ ان کے علم میں تھا۔ نزولِ براءت آپ ﷺ کی برکت سے تھا ___

تشریح حدیث

آیۃ المنافق: آیت بمعنی نشانی ہے۔جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔

(۱)اذاحدث کذب:

خلاف واقعہ خبر دینے کو کذب کہتے ہیں۔کذب صریح حرام ہے۔تاہم کسی معصوم کی جان بچانے کیلئے کذب صریح جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہوجاتا ہے ___ جیسا کہ جان بچانے کیلئے خنزیر خوری حلال ہوجاتی ہے ___ مثال کے طور پر ایک شخص کسی کے گھر چھپ گیا اور وہ بے گناہ ہے تو اس کو توریہ یا جھوٹ بولنا دفع شر کی صورت میں جائز ہے۔ہاں جلب منفعت کیلئے جائز نہیں۔

کماقال ابو بکر رضی اللہ عنہ ___ ھو رجل یھدینی السبیل۔

کماقال شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ: جب انگریز نے انڈیا پر قبضہ کرلیا تو ان کو مجبور کیا گیا گرجا گھر کی تاریخ نکالو اور گرجا کی تعریف کرو۔انہوں نے توریہ کیا:

الٰہی خانۂ انگریز گرجا یہ گرجا گھر گرجا

(کماقال شیخ نذیر المرحوم)

ایک نواب کا نام محمد کالے تھا۔تو اس نے شعراء سے کہا میرے نام کی سجع بندی کرو۔مختلف شعراء نہ کرسکے۔
حضرت شاہ اسماعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مدعیٰ عرض کیا۔حضرتؒ نے فی البدیہ فرمایا: ہر دم نام محمد کالے

(۲)اذا وعدا خلف: علامت ثانی۔

الفرق بین الوعد و المعاھدۃ: وعدہ ایک طرف سے ہوتا ہے۔معاہدہ دونوں طرف سے ہوتا ہے ___ معاہدہ کی خلاف ورزی کو غدر اور وعدہ کی خلاف ورزی کو وعدہ خلافی کہتے ہیں۔تمام جائز وعدے اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔

کماقال تعالیٰ : اوفوا بالعھد۔ وغیرہ ___ **لادین لمن لا عھد لہ۔**

<u>خُلفِ وعدہ کی صورتیں</u>

اور ناجائز وعدے جو خلاف شریعت ہوں وہ توڑنا ضروری ہیں۔۱...وعدہ کرتے وقت ہی پورا کرنے کی نیت نہ تھی۔یہ مکروہ تحریمی ہے۔۲...وعدہ کرتے وقت ایفائے عہد کی نیت تھی لیکن بلاعذر پورا نہیں کیا۔یہ بھی گناہ ہے۔۳...ایک صورت یہ ہے شرعی طور پر پورا نہ کرسکا۔اس پر کوئی گناہ نہیں۔تاہم بہتر یہ ہے قبل از وقت اطلاع کردے کہ وعدہ پورا نہیں کرسکتا۔

(۳)واذا ائتمن خان:

جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔خیانت کی دو قسمیں ہیں۔۱:خیانت مالی،۲:خیانت قولی۔
بلا اجازت کسی کا مال استعمال کرنا یا وقف کے مال میں کوتاہی کرنا ___

(۲) کسی کے راز میں خیانت کرنا۔ یا غلط مشورہ دینا۔ جاسوسی کرنا۔ دوسرے کو مغالطہ دینا کہ سو رہا ہوں آپ بات کرلیں۔ وغیر ذلک ____

بعض حضرات نے کہا: یہاں پر مراد اعتیادعادی ہونا ہے ہمیشہ جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی کرے۔ اذا استمرار ودوام پر دلالت کرتا ہے۔ (درس بخاری 247)

حدیث الباب پر چند سوالات

سوال: اس روایت میں منافق کی تین علامتیں ہیں اور دوسری میں چار بتائی ہیں۔ اور اس میں ایک نئی بھی بتائی ہے ____ بظاہر تعارض ہے۔

جواب ۱: قلیل کثیر کے منافی نہیں ہے۔

جواب ۲: بیانِ مخاطبین کے لحاظ سے ہے۔

جواب ۳: ازدیادِ علم کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ رب زدنی علماً کی وجہ سے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

جواب ۴: یہ بیانِ انواع ہے ____ وہ اس طور پر کہ پہلی حدیث میں منافق کی علامات کی تین انواع کا ذکر ہے۔ اور اگلی حدیث میں اس کی ایک جزئی بیان کی ہے۔

نوع ۱: قولی گناہ، اذا حدث کذب میں اسی نوع کی طرف اشارہ ہے۔

۲: نیتی گناہ: اذا وعد اخلف میں گناہ کی اسی نوع کا ذکر ہے۔

۳: تیسری نوع عملی گناہ ہے۔ و اذا ائتمن خان کے اندر اسی کا ذکر ہے۔ اور آنے والی حدیث میں و اذا خاصم فجر قولی نوع کے قبیل سے اس کی جزئی ہے۔

فائدہ: غدر فی العہد اور خیانۃ فی الامانۃ ایک ہی چیز ہے لہٰذا علامات تین ہیں۔ (درس شامزئی 133)

سوال: ان علامات میں سے بہت سی مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں تو کیا ان کو بھی منافق شمار کیا جائے گا ____؟

جواب ۱: نفاقِ عملی مراد ہے۔

جواب ۲: تشبیہ پر محمول ہے کہ منافقین کے مشابہ ہو گیا۔

جواب ۳: یہ احادیث مبارکہ آپ ﷺ کے دور کے ساتھ خاص ہیں۔ اس دور مبارک میں جن میں یہ آیات پائی جاتی تھیں وہ منافق اعتقادی بھی ہوتا تھا۔

جواب ۴: علامات کے پائے جانے سے ذو العلامۃ کا پایا جانا کوئی ضروری نہیں۔ جیسے بادل بارش کی علامت ہے لیکن بارش کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ یہ علامت ہے علۃ و شرط نہیں۔

جواب ۵: کسی مسلمان میں تمام خصلتیں مجتمعاً نہیں پائی جاتیں ____ اگر ایک آدھی پائی جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں ھذہ

خصلۃ من النفاق۔ لیکن ھذا منافق نہیں کہہ سکتے ـــــ مشتق کا اطلاق کرنے کے لئے قیام مبدا کافی نہیں دوام مبدا اور کثرت ضروری ہے۔ جیسے کسی کو ایک آدھ مسئلہ معلوم ہوجائے اس کو عالم نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ طالب علم کی پہچان بھی یہی ہے دوام سے جسداً و روحاً و قلباً شریک درس ہوتا رہے۔ تب وہ طالب علم سمجھا جائے گا۔

جواب۶: اس سے مراد ابو ثعلبہ بن حاطب ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرۃ مال کے لئے دعا کرائی تھی ـــــ لیکن بعد میں زکوۃ کا بھی منکر ہو۔ (درس شامزئی 134)

سوال: حدیث الباب سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے جب علامات کی وجہ سے ایک آدمی منافق ہوگیا تو وہ اسلام سے خارج ہوگیا تو معتزلہ کا عقیدہ ارتکاب کبیرہ سے خروج عن الایمان ثابت ہوگیا۔ کیونکہ الفاظ کان منافقا خالصاً ہیں۔

جواب: سابقہ جوابات ہی یہاں مراد ہیں۔ نفاق عملی، یا آپ ﷺ کے دور کے ساتھ خاص ہے۔ یا تشبیہ بالمنافقین مراد ہے وغیرہ۔

بہرحال جن چیزوں کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے ایک مسلمان کو ان سے احتراز لازم ہے ـــــ

لیکن ان کے وجود سے نفاق کے وجود پر استدلال درست نہیں ہے اسی وجہ سے یہاں حدیث کے الفاظ میں حتی یدعھا فرمایا گیا یعنی صرف ان خرابیوں کو چھوڑ دینا کافی ہے اگر ان علامات کے ارتکاب سے وہ منافق ہوگیا ہوتا تو حتی یومن یا حتی یجدد ایمانہ ارشاد فرمایا جاتا۔ (فضل الباری 444/1)

24 بَاب قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيمَانِ

لیلۃ القدر کا قیام ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کھڑا ہوگیا شب قدر میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ربط

سوال: اس باب کا ماقبل سے کیا ربط ہے؟

جواب۱: اصل میں امام بخاریؒ ایمان کا ذواجزاء ہونا بیان فرمارہے تھے۔ تو درمیان میں "وبضدھا تتبین الاشیاء" کے لحاظ سے کفر وغیرہ کے ابواب ذکر فرمادیئے ـــــ اب پھر رجوع الی الاصل ہے۔

جواب۲: ماقبل میں ایک حدیث میں الایمان بضع وستون او سبعون شعبۃ کا بیان گذرا ـــــ اب ایمان کے مختلف شعبوں کا بیان ہے۔ تو یہ باب بھی قائم کیا۔

جواب ۳: پہلے باب افشاء السلام من الایمان گذرا ہے اب باب قیام لیلۃ القدر من الایمان ہے اس اعتبار سے مناسبت ہے کہ لیلۃ القدر میں ملائکہ کی طرف سے مومنین کیلئے افشاء سلام ہے۔ سلام ھی حتی مطلع الفجر

جواب ۴: پہلے منافقین کا ذکر ہے جو قیام الی الصلوٰۃ میں کاہل ہیں جو علامت نفاق ہے۔ اب علامت ایمان یعنی قیام لیلۃ القدر کا بیان ہے اور مومنین کی رغبت فی الصلوٰۃ کا ذکر ہے۔ (کشف 292/2)

تشریح حدیث

ایماناً و احتساباً:

ایماناً کی قید احترازی ہے۔ ایمان قیام لیلۃ القدر کا سبب ہے۔ اور قیام مسبب ہے ___ اور احتساباً کی قید بھی ریاکاری سے تحفظ کیلئے احترازی ہے ___ اگر احتساباً نہ پایا جائے لیکن نیت ابتدائے عمل سے درست ہے۔ بشرطیکہ خلافِ نیت کوئی عمل نہ پایا گیا ہو تو نفسِ ثواب پھر بھی مل جائے گا تو احتساباً کے استحضار سے زیادتی ثواب مراد ہے ___ کیونکہ احتساباً ایک مستقل عمل ہے جس پر مزید ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ کا منشا مبارک بھی یہاں یہی ہے کہ استحضارِ فضائل سے عمل کیا جائے ___ نہ یہ کہ عمل کو ایک بنی بنائی پرانی عادۃ کی طرح کیا جائے۔

فائدہ: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: تلاشِ بسیار کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی ہے ایمان و احتساب کا لفظ حدیث میں ان اعمال کے ساتھ آتا ہے جہاں بسا اوقات مشقت کی وجہ سے آدمی ہمت ہار بیٹھتا ہے جب ان الفاظ کا استحضار ہو تو ان مشقتوں کو برداشت کرنا آسان ہوگا۔ (درس شامزئی 136)

سوال: حدیث سے معلوم ہوا ''ایماناً'' پایا جائے تو اعمال کا ثواب ہے لہٰذا کافر کو ثواب نہیں ملے گا۔ یہ قرین انصاف نہیں ہے۔ کہ عمل کرے اور بدلہ نہ دیا جائے۔

جواب ۱: آخرت میں تخفیفِ عذاب ہوگی۔

جواب ۲: بعض اوقات اعمال ٹھیک ہوتے ہیں مگر کوئی آئینی و قانونی جرم اتنا بڑا ہوتا ہے اس کی سزا بڑھ جاتی ہے جیسے کفر۔

جواب ۳: ثواب اس عمل کا ملتا ہے جو للہ فی اللہ ہو اگر اخلاص نہ ہو تو مسلمان کو بھی اجر نہیں بلکہ سزا ملتی ہے۔ کافر نے للہ کی نیت ہی نہیں کی ہوتی تو خدا سے اجر کا سوال ہی غلط ہے۔

من یقم لیلۃ القدر:

قیام کی دو تفسیریں ہیں۔ ۱: قیام فی الصلوٰۃ۔ ۲: قیام بمقابلہ نوم مقصود احیائے لیل ہو خواہ بصورت تلاوت، وذکر اللہ وغیرہ۔ تو قیام مطلقاً مراد ہے۔ من یقم لیلۃ القدر

یہاں مضارع کا صیغہ ہے اور آگے من قام رمضان ، من صام رمضان ماضی کا صیغہ آئے گا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ لیلۃ القدر کا پانا یقینی نہیں اس کے مناسب مضارع ہے اور قیام و صیام رمضان پانا یقینی ہے۔ اس لئے انکے لئے مناسب ہے کہ ماضی کا صیغہ ہو۔ (لیل القاری 230)

لیلۃ القدر سے کیا مراد ہے؟

یہ رات رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کی جائے۔

اس کا ترجمہ "قدر کی رات" ہے۔

۱: بمعنی تقدیر، حیات و موت، رزق کی کمی بیشی اور سال بھر کے امور مفوضہ متنظمین فرشتوں کو سونپ دیے جاتے ہیں۔

۲: بسبب نزول قرآن کریم شب عظمت ہے لہٰذا اس میں کی گئی عبادت کی بہت عظمت ہے یا عابدین کی بہت عظمت ہے۔

۳: دیگر راتوں کے مقابلہ میں عبادت شب قدر کی زیادہ فضیلت ہے۔ (نصر الباری 292/1)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: شب قدر دو ہیں۔ ایک وہ رات جس میں احکام خداوندی نازل ہوتے ہیں اسی رات قرآن شریف لوح محفوظ سے اترا۔ یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ تمام سال میں دائر ہے۔ لیکن جس سال قرآن نازل ہوا اس سال یہ لیلۃ القدر رمضان مبارک میں تھی۔ دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے ملائکہ بکثرت زمین پر اترتے ہیں دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں یہ رمضان ہی میں ہوتی ہے اور آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے۔ (درس بخاری 191)

لیلۃ القدر میں باری تعالیٰ کی پوری توجہ بندوں کی طرف ہوتی ہے اسی طرح اور تمام عالم ارواح انسانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (درس بخاری 290)

<u>غفر لہ ما تقدم من ذنبہ:</u> ذنب کا اطلاق چونکہ صغیرہ پر بھی ہوتا ہے یہاں صغیرہ ہی کی معافی مراد ہے ــــــ گناہ صغیرہ کے معافی کے تین طریقے ہیں۔ ۱: سچی توبہ، ۲: اعمال صالحہ، ۳: مشیت و فضل ایزدی۔

اشکال: پورا سال ایسے مواقع ہوتے ہیں جن سے صغائر معاف ہوتے رہتے ہیں مثلاً بین الصلوتین، بین الجمعتین، اسی طرح دیگر حسنات کے ذریعہ۔ جب اوقات کے لحاظ سے اتنا عفو و مغفرت نے گھیرا ہوا ہے تو لیلۃ القدر میں گناہوں کی معافی کا کیا مطلب؟

جواب: یعنی "ان کان فی ذمعہ ذنب" یعنی بایں ہمہ اگر کچھ باقی ہو تو وہ بھی معاف ہو جائے گا ــــ اگر ذمہ میں کوئی صغیرہ نہیں تو پھر کبائر میں تخفیف ہوگی۔ اور اگر دونوں نہیں تو پھر ترقی درجات ہوگی ــــ یہیں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے جو لفظ مغفرت استعمال ہوا ہے اس کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔

صغیرہ و کبیرہ کی تعریف

جس پر وعید حد اور تعزیر ہو وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ بشرطیکہ اصرار نہ ہو۔ تاہم حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

مقاصد گناہ کبیرہ ہیں ذرائع گناہ صغیرہ ہیں۔ اگر وہ مقاصد تک پہنچ گیا تو کبیرہ اس کے ذمہ ہو گیا۔ کبیرہ کی معافی کی وجہ سے ذرائع بھی معاف ہو جائیں گے ــــ اگر مقصد تک نہ پہنچا تو صغیرہ اعمال صالحہ سے معاف ہو جائیں گے۔ (دلیل 231)

تاہم مراحم خسروانہ اور شاہی احکامات کی اور بات ہے کہ وہ قیام لیلۃ القدر کی برکت سے کبائر بھی معاف کردیں تو پوچھنے والا کون ہے؟(کشف 298/2)

فائدہ: ایماناً و احتساباً کی قید پر ہر جگہ یہی تشریح و تفسیر اور تقریر ملحوظ رہے۔

اس میں یہ نکتہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ آدمی عبادت کا آغاز بتقاضائے ایمان کرتا ہے رفتہ رفتہ باعث اصلی (طلب ثواب) سے غفلت ہوجاتی ہے اس لئے احتساب کے استحضار سے عبادت کی نورانیت اور آثار و برکات میں اضافہ ہوگا ــــ اگرچہ فریضہ اس کے بغیر بھی ادا ہوجائے گا۔(انعام الباری 487)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ایماناً و احتساباً عبادت کرنے والے کو دو اجر ملتے ہیں۔(نصر الباری 291/1)

فائدہ ۲: سوال: جو ائمہ اعمال کی جزئیت ایمان کے قائل ہیں ان میں یہ بحث ہے آیا نوافل بھی ایمان کا جز ہیں یا نہیں ــــ؟

جواب: امام بخاریؒ نے قیام لیلۃ القدر من الایمان کا باب قائم کرکے فیصلہ دیا نوافل بھی جزو ایمان ہیں۔

25 بَاب الْجِهَادُ مِنَ الْإِيمَانِ ـــــ جہاد ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

انْتَدَبَ اللهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانٌ بِي وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي أَنْ أُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد) کے لئے نکلے اللہ اس کا ضامن ہوگیا۔ اللہ فرماتے ہیں نہیں نکالا اس کو مگر میری ذات پر یقین اور میرے پیغمبروں کی تصدیق نے (میں اس بات کا ضامن ہوں کہ) یا تو اس کو واپس کردوں ثواب اور غنیمت کے ساتھ یا شہید ہونے کے بعد جنت میں داخل کردوں۔

(رسول اللہ نے فرمایا) اور اگر میں اپنی امت پر (اس کام کو) دشوار نہ سمجھتا تو لشکر کا ساتھ نہ چھوڑتا۔ میری خواہش ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔

غرض ترجمۃ الباب:

ا...سوال: باب قیام لیلۃ القدر من الایمان ــــ اور باب تطوع قیام رمضان من الایمان کے درمیان باب الجہاد بظاہر بے ربط نظر آتا ہے۔

جواب: قیام لیل بلا مجاہدہ نہیں ہوتا۔ اور مجاہدہ بذات خود ایمان کا حصہ ہے۔ اس لئے درمیان میں باب الجہاد لائے ہیں۔

ممکن ہے امام بخاریؒ نے قیام لیلۃ القدر صوم رمضان اور قیام رمضان کے ابواب کے درمیان ''جہاد'' کا باب قائم کر کے جہاد رمضان کے زیادہ موجب اجر ہونے کو بتلانا چاہتے ہوں۔ (کشف 301/2)

غرض ۲: الجہاد من الایمان سے ترکیب ایمان ثابت ہوگئی۔ اور فرقِ باطلہ کا رد ہوگیا۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ جہاد مع النفس۔ جہاد مع الکفار

دوسرے میں مشقت زیادہ ہے اس لئے اس کو لیلۃ القدر پر مقدم کرنا چاہیے تھا؟

جواب: جہاد مع النفس کا درجہ بلند ہے وہ ہمہ وقت ہے جبکہ جہاد مع الکفار وقتی۔ جہاد مع النفس میں لذت نہیں جہاد مع النفس موقوف علیہ ہے تاکہ وساوس نفسانی یا غنیمت ولونڈی کا حصول نیت کو خراب نہ کرے۔ اس لئے جہاد مع النفس کو مقدم کیا۔ (نصر الباری 293/1)

تشریح حدیث

انتدب اللہ عز و جل: اس کا اصل معنیٰ یہ ہے جب کوئی کسی کو پکارے اور اس پکار کا جو جواب ہے اس پر انتدب کا لفظ بولا جاتا ہے ــــــ حاصل یہ کہ جو شخص فی سبیل اللہ جہاد کا ارادہ کرتا ہے گویا زبانِ حال سے اللہ کو مدد اور ثواب کیلئے پکارتا ہے۔

انتدب: بمعنیٰ تکفل بخاری کا دوسرا طریق ہے نیز مسلم شریف میں تضمن کا لفظ ہے۔ نیز انتدب میں مطاوعۃ کی خاصیت ہے تو انتدب اللہ کے معنیٰ ہوں گے: اجاب اللہ الی غفرانہ۔ (کشف 305/2)

لا یخرجہ الا ایمان بی او تصدیق برسلی:

سوال: 'او' احد الامرین کیلئے ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے ان دو امرین میں سے ایک بھی اللہ تعالیٰ کی ضمانت وانتداب کیلئے کافی ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے ــــــ

جواب ۲: شک راوی ہے۔ دونوں میں سے کسی کا ذکر ہے۔ جبکہ یہ دونوں متلازمین ہیں۔ ایک کے عدمِ ذکر سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب ۳: او تسویہ کیلئے ہے۔ جیسا کہ جالس الحسن او ابن سیرین۔

جواب ۴: او مانعۃ الخلو کیلئے ہے۔

اشکال بصورت مانعۃ الجمع ہے ''او'' کو تشکیک کیلئے بنایا جائے تو اشکال ہے ــــــ ورنہ نہیں۔

من اجر او غنیمۃ:

سوال: بظاہر معلوم ہوتا ہے دونوں نہیں ملیں گے۔ بلکہ ایک چیز ملے گی کیونکہ او تردید یہ لائے ہیں۔

جواب ۱: او بمعنیٰ واؤ جمع ہے۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے بعض نسخوں میں لفظ ''و'' ہی ہے۔ نیز مسلم شریف میں اجر وغنیمت بھی ہے۔ (کشف 308/2)

جواب ۱: یہاں کلام محذوف ہے۔من اجر او اجر و غنیمۃ۔ لہٰذا دونوں جمع ہو گئے۔

جواب ۲: او مانعۃ الخلو کیلئے ہے۔ایسا نہیں کہ نہ اجر نہ غنیمت۔ایک یا دونوں مل سکتے ہیں۔

جواب ۳: حضرات علماءِ کرام نے مجاہد کی چار اقسام بنائی ہیں۔

مجاہد کی اقسام

مجاہد ابتداءً دو حال سے خالی نہیں۔ مخلص ہوگا یا غیر مخلص۔ پھر انتہاءً دو حال سے خالی نہیں۔ فاتح ہوگا یا غیر فاتح۔

۱...جو مخلص اور فاتح ہوگا۔اس کو اجر اور غنیمت دونوں ملیں گے۔

۲...مخلص غیر فاتح کو صرف اجر ملے گا۔

۳...غیر مخلص فاتح کو غنیمت ملے گی اجر نہیں ملے گا۔

۴...غیر مخلص غیر فاتح کو نہ اجر نہ غنیمت۔حدیث الباب میں دو اقسام کا بیان ہے،

۱: فاتح غیر مخلص، ۲: مخلص غیر فاتح۔تو پہلے کو غنیمت ملے گی اور دوسرے کو صرف اجر ملے گا۔

او ادخله الجنة ۔۔۔۔ یا یہ مطلب ہے بلا حساب جنت میں داخل کریں گے ۔۔۔ یا یہ مرتے ہی جنت میں داخل کریں گے۔

لولا ان اشق علی امتی:

سوال: آپ ﷺ اگر ہر سریہ میں تشریف لے جاتے تو امت پر کیا مشقت تھی ۔۔۔۔؟

جواب: امت سے مراد امراء و خلفاء ہیں۔اگر ہر جہاد میں ان کا جانا ضروری ہوتا تو نظم کے حوالہ سے ان کیلئے مشقت ہوتی ۔۔۔۔

مشقت کا سبب

اگر آپ ﷺ سے جہاد کے معاملہ میں "مواظبۃ من غیر ترک" ثابت ہو تو وہ وجوب پر دال ہوگی۔اس کے پیشِ نظر جہاد ہر شخص پر فرض ہوگا ظاہر ہے اس میں مشقت ہے۔(انعام الباری 489/1)

جواب ۲: امت سے مراد مجاہدین ہیں ۔۔۔۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نکلتے تو پھر سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نکلتے تو سواری اور اسباب نہ ملتے۔تو مشقت ہوتی۔

جواب ۳: امت سے مراد ضعفاء امت ہیں۔اگر آپ ﷺ ہمیشہ جاتے تو وہ روتے۔آپ ﷺ کا نکلنا ان کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔

لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی الخ:

لوددت میں لام جواب ہے قسم محذوف کا یعنی واللہ لوددت

سوال: آپ ﷺ نے بار بار تمنا کی باوجود قدرتِ کاملہ کے اللہ تعالیٰ نے پوری نہیں فرمائی ۔۔۔۔

جواب: دو چیزیں ہیں جو آپ ﷺ کی تمنا پوری ہونے سے مانع تھیں۔

(۱) آپ ﷺ شانِ رحمۃ للعالمین۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے سخت ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جو کسی نبی کو قتل کرے اور جو سب سے بڑے نبی کو قتل کرے گا اس کے عذاب کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ تو یہ آپ ﷺ شانِ رحمت کے خلاف تھا۔

(۲) آپ ﷺ عظمت مانع تھی۔ کہ آپ کسی کافر کے ہاتھوں واصل بحق ہوں۔

جواب ۳: آپ ﷺ یہ تمنا نواسوں کی شہادت سے بالواسطہ طور پر پوری ہوئی۔ اس لئے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا آدھا جسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا آدھا جسم آپ صلی اللہ علیہ سلم کے مشابہ تھا۔

جواب ۴: تیسرا جواب یہ ہے آپ ﷺ خیبر کے زہر کے اثر سے واصل بحق ہوئے۔ پھر آپ ﷺ شہید ہوئے۔

جواب ۵: یہ تمنائے شہادت بھی شہادت ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے بہت سے لوگ بستر پر جان دیتے ہیں مگر عند اللہ شہید ہوتے ہیں۔

جواب ۶: صحیح تر جواب یہ ہے کہ امت کو جہاد پر ابھارنا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نبوت کے شہادۃ کی تمنا کرتے ہیں تو یہ بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ (درس شامزئی 140)

سوال: نبی کا مقام تو شہید سے اعلیٰ ہوتا ہے تو مقامِ نبوت پر فائز ہونے کے باوجود شہادت کی تمنا کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: یہ فضول سوال ہے۔ مقامِ نبوت پر فائز ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبوت سے کمتر فضائل کی نہ تمنا کرے نہ زیرِ عمل لائے۔ قیام لیل وغیرہ بھی نہ کرے۔

جہاد بھی نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ صالحین کا مقام ہے۔ جو شہید سے بھی کمتر ہوتا ہے۔ افلاا کون عبدا شکورا سے یہ نکلتا ہے نبی تمام تر فضائل کے جامع ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ مقامِ نبوت کی وجہ سے تارک ہوجائیں۔ نیز بعض دفعہ ادنیٰ چیزوں میں کچھ ایسی لذت ہوتی ہے جو اعلیٰ و افضل میں نہیں ہوتی۔ (دلیل 234)

اگر شہادت ہی کا مرتبہ حاصل کرنا مقصود ہو تو ایک مرتبہ شہید ہوجانا کافی تھا، تمنائے شہادت کے تکرار سے حصول لذتِ شہادت کا تکرار ہے۔ (کشف 313/2)

س: تمنائے شہادت نبوی ﷺ اشکال ہے بار بار زندگی کی تمنا نہ پوری ہونے والی تمنا ہے۔

جواب یہ ہے یہ اسلوب تمنا شرفِ جہاد کیلئے ہے ____ مقصد یہ ہے کہ ہزار جان بھی مل جائیں تو قربان کردیں گے۔ (فضل 452/1)

و لو ددت سے شہادت کے باب میں اپنے جذبہ کا اظہار ہے جس سے جہاد کی فضیلت بتانا ہے ورنہ پیغمبر کی زندگی دوسروں کی شہادت سے بدرجہا بہتر ہے۔ (درس بخاری 251)

26بَاب تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْإِيمَانِ

رمضان میں راتوں کو نفل نماز پڑھنا ایمان میں داخل ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص کھڑا ہو گیا رمضان میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ اس کے سابقہ سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔

تشریح حدیث۔۔۔غرض ترجمۃ الباب:

ترجمہ میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ا: لیلۃ القدر کا قیام واجب نہیں، نفل ہے۔ ۲: قیام لیلۃ القدر جو نفل ہے یہ بھی ایمان کے اجزاء میں سے ہے ــــــ

مذکورہ بالا اعمال اپنے خاصہ کے اعتبار سے سابقہ تمام گناہوں کی مغفرت کے متقاضی ہیں بشرطیکہ مانع مغفرت کوئی نہ ہو۔ اگر گناہ نہ ہوں پھر رفع درجات ہوں گے ــــــ اعمال کے خواص کو یوں سمجھئے:

ایک مرض کے ازالہ کیلئے متعدد مفردات جمع کئے جاتے ہیں۔ تو ان کا اپنا مزاج نہیں رہتا بلکہ جزو اعظم کے تابع ہو جاتا ہے ــــــ اسی طرح انسان کے اعمال کوئی جزا کی طرف اور کوئی سزا کی طرف لے جانے والے ہیں پوری زندگی یہ مرکب تیار ہوتا رہتا ہے موت کے وقت آخری مزاج قائم ہو جاتا ہے۔ معاصی غالب ہوئے تو جہنم کا مزاج عبادات وطاعات غالب ہوئے تو جنت کا مزاج بنتا ہے ــــــ اعمال زندگی کا نتیجہ ان کے جزو غالب کے تابع ہوگا۔ (فضل الباری 454/1)

قیام سے مراد یہاں تراویح ہیں۔ اور دو تفسیریں قیام کی پہلے بھی گذر چکی ہیں۔

ا: قیام الی الصلوٰۃ، یا پھر قیام من النوم یعنی مطلق طاعت سے کچھ نہ کچھ کرے۔

فائدہ: شبہائے قیام میں عبادات مخصوصہ مسنونہ کو اپنایا جائے۔ سب سے افضل لمبی نماز ہے۔ جلسہ وبیانات؛ یہ محض درجۂ علم کی چیزیں ہیں۔ کسی درجہ میں ضروری ہو تو بہت ہی اختصار کے ساتھ ہو ــــــ ورنہ چپکے چپکے اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کے دھوئے ــــــ

معتزلہ کی ایک جماعت نوافل ومندوبات کو داخل ایمان نہیں مانتی۔ امام بخاریؒ تردید فرما رہے ہیں: طاعات مفروضہ ومندوبہ سب داخل ایمان ہیں۔ (کشف ج1 ص315)

27 بَاب صَوْمُ رَمَضَانَ احْتِسَابًا مِنَ الْإِيمَانِ

رمضان کے روزے رکھنا ثواب کی نیت سے ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جو کوئی رمضان کا روزہ رکھے ایمان اور ثواب کی وجہ سے تو اس کے اگلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

تشریح حدیث: ای ھذا باب، ھذا مبتدا محذوف، باب خبر، صوم رمضان مرکب اضافی مبتدا ہے۔ اور احتسابا بمعنی محتسبا مفعول لہ یا تمیز ہے۔ اور من الایمان خبر۔ اس باب میں آپ ﷺ نے صیام وقیام کو ذریعہ مغفرت فرمایا۔ اور حضرت امام بخاریؒ نے ان کو داخل ایمان قرار دیا۔ جو ترکیب ایمان کا باعث بنا۔

گذشتہ ابواب قیام لیلۃ القدر اور تطوع قیام رمضان میں ''احتسابا'' کی قید نہیں ہے جیسا کہ صوم رمضان کے ساتھ ترجمۃ الباب میں ''احتسابا'' کی قید ہے۔ حالانکہ تینوں احادیث میں ''احتسابا'' کی قید ہے۔

جواب: قیام لیلۃ القدر اور تطوع قیام رمضان کی ہیئت خود مذکر ہے جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یاد آجاتا ہے کہ ثواب کے لئے کھڑا ہوا ہوں ____ جبکہ صوم میں تو مفطرات ثلاثہ کا ترک ہے جو مذکر نہیں۔ کیونکہ ترک مفطرات کبھی اور وجوہ کی بنا پر ہوسکتا ہے جیسے بیوی سے ناراضگی کے سبب نہ کھانا وغیرہ ___ (درس شامزئی 142)

اشکال: صوم رمضان فرض ہے اور قیام یعنی تراویح سنت ہے تو صوم رمضان کو قیام رمضان پر مقدم کرنا چاہیے تھا یہاں بالعکس ہے۔

ج ۱: شہود شہر کے بعد اول عمل تراویح ہے اس لئے قیام رمضان کا باب پہلے لائے۔

ج ۲: قیام رمضان صوم رمضان کی تمہید ہے اور تمہید اصل مقصود سے مقدم ہوتی ہے۔

فائدہ: امام بخاریؒ اشارہ فرماتے ہیں کہ فریضہ میں سنت کے راستہ سے داخلہ مقبولیت کا راستہ ہے۔ (نصر الباری 297 ج 1) نیز صیام تروک میں سے ہے اور قیام افعال میں سے ہے۔ تو قیام کو صیام پر مقدم کیا نیز قیام لیل میں ہے اور صیام دن میں ہے تو لیل کو نہار پر تقدم ہے تو عبادت میں لیل کو بھی تقدم ہوگا۔ (کشف 300/2)



28 بَاب الدِّينُ يُسْرٌ

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ.

ترجمہ:۔اس بات کا بیان دین آسان ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کو سب سے پسندیدہ دین وہ ہے جو سیدھا آسان ہو۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: دین یقینا آسان ہے جو شخص دین پر تشدد اختیار کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے لہذا تم درمیانی چال چلو اور اس کے قریب قریب رہو۔بشارت حاصل کرو اور صبح شام اور کچھ رات کی تاریکی میں (اعانت خدا) طلب کرو۔

تعلیق

احب الدین الی اللہ السمحۃ البیضاء۔اس حدیث کو تعلیقاً لائے ہیں ___ یاد رہے کہ تعلیقات بخاری دو قسم پر ہیں۔

(۱) حدیث کو ایک جگہ تو تعلیقاً لاتے ہیں ___ لیکن اسی کتاب میں دوسرے مقام پر موصولاً بھی لاتے ہیں۔(۲) دوسرا یہ کہ اس حدیث کو بخاری میں تعلیقاً لاتے ہیں پھر بخاری میں نہیں کسی اور کتاب میں موصول ذکر کرتے ہیں یہ حدیث دوسری قسم سے ہے۔امام بخاریؒ نے الادب المفرد اور امام احمدؒ نے مسند میں موصولاً ذکر فرمایا ہے۔(درس شامزئی 123)

۱:یُسر کا حمل دین پر مبالغۃً ہے زید عدل کی طرح۔۲:یسر بمعنیٰ ذو یسر ہے۔

ربط وغرضِ ترجمہ:

سوال: دین کا آسان ہونا نہ تو جزو ایمان ہے نہ مکملاتِ ایمان میں سے ہے۔لہذا اس باب کو کتاب الایمان کے آخر میں ذکر کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس باب کو کتاب الایمان سے متعدد طریقے سے ربط ہے۔

(۱) جب ایمان کے درجات ذکر کیے تھے اور اس کی کمی بیشی کا ذکر کیا تھا۔تو یہاں بھی اسی کے دو درجے بتلائے ہیں۔ ایک درجہ یسر،۲:ایک درجہ عسر۔(۲) قرآن کریم میں صیام رمضان کے ذکر میں یرید اللہ بکم الیسر کا ارشاد مبارک بھی ہے۔تو امام بخاریؒ نے باب صوم رمضان کے ساتھ یسر کا باب قائم فرمادیا۔

ربط۳: معتزلہ وخوارج کا رد ہے۔وہ ہر بات پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔تو ان کا رد کردیا دین میں اتنی تنگی نہیں کہ تارکِ عمل کو کافر قرار دیا جائے بلکہ یسر ہے۔

ربط ۴: پہلے ابواب قیام لیلۃ القدر، جہاد اور صیام رمضان میں مجاہدہ کا ذکر تھا۔ اس باب سے حدود مجاہدہ بتلائی ہیں کہ وہ اپنی بساط وہمت کے مطابق ہو زیادہ نہ کرے۔ دین میں آسانی کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھیں۔

تشریح حدیث

الحنيفية: حنیف وہ دین جو تمام باطل دینوں سے ہٹ کر حق کی طرف مائل ہو۔ ۲: یا تمام ماسوی اللہ سے ہٹ کر مائل بخدا ہو۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کا لقب ہے۔

حنیف کا لفظ صابی کے مقابلہ میں ہے۔ حنیف معترف نبوت اور صابی منکرِ نبوت کو کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی بعثت صابئین کی طرف تھی۔ وہ اعمال کے ذریعہ تسخیر نجوم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ انکو معبود مانتے تھے تو صفتِ حنفیت میں حضرت ابراہیمؑ اصل ہوئے۔ (نصر الباری 299 ج1)

السمحة: بمعنی آسانی۔ شریعتِ موسوی میں سختی زیادہ تھی۔ اگرچہ اس کا منشا بنی اسرائیل کا مزاج تھا۔ تاہم شریعت عیسوی میں آسانی زیادہ تھی ـــــ جبکہ ان دونوں حدود کے درمیان اعتدال پر مبنی شریعت ابراہیمی ہے۔ اس کی تعبیر السمحة سے کی گئی ـــــ

الدین یسر:

سوال: الدین یسر کا دیگر نصوص سے تعارض معلوم ہوتا ہے کما قال ﷺ حفت الجنة بالمکارہ، ظاہر ہے اس سے اعمال دین مراد ہیں۔ گو وہ خلاف نفس وطبیعت ہوں ـــــ یا کما قال اللہ تعالی: الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وهم لا یفتنون، اس سے آزمائش کی سخت گھاٹیاں نظر آتی معلوم ہوتی ہیں۔ تو دین آسان کہاں رہا ـــــ؟

جواب: آسانی کا معنیٰ قوتِ بشریہ سے خارج نہ ہونا یا اس عمل میں حرج شدید نہ ہونا ہے ـــــ جہاں حرج شدید ہوا؛ شریعت نے سہولت پیدا فرمادی۔ مثلاً قیام فرض تھا۔ عدمِ قدرت میں جلسہ کی اجازت فرمادی۔ حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کی اجازت یا میتہ کھانے کی اجازت وغیرہ۔

نیز یسر اضافی چیز ہے۔ ایک کام دوسرے کام کی نسبت آسان ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے کے لحاظ سے مشکل ہوتا ہے۔ جیسے نماز آسان ہے، حج مشکل ہے تاہم یسر کے معنیٰ کا تعین بھی شریعت کرتی ہے۔ یہ کسی کو حق حاصل نہیں وہ اپنی دماغی اختراع سے جس کو یسر سمجھے قابلِ عمل بنالے۔ جیسے بعض ملحدین ہر حرام کو حلال کرنے کے درپے ہیں۔ کہ دین آسان ہے، اسی تناظر میں یہ بھی سمجھ لیا جائے بعض اوقات ماحول، رواج اور رسوم عمل کو مشکل بنادیتی ہیں۔ جبکہ فی نفسہ وہ عمل بہت آسان ہوتا ہے۔

عزیمت و رخصت کے مواقع جدا ہیں جس طرح ہر موقع پر رخصت کا متلاشی رہنا بے دینی ہے ـــــ اسی طرح ہر موقع پر تمنائے عزیمت بھی تجاوز عن الحد ہے ـــــ صرف رخصت کی تلاش رہے تو بے عملی کے اس رجحان سے دین کی عظمت ہی مفقود ہوجائے گی اور دین خواہشات کا مجموعہ بن جائے گا اور ہر موقع پر صرف عزیمت کا رجحان یہ دین کے ساتھ ایک ایسی زور آزمائی ہے جس میں شکست اپنی ہی ہوگی۔ (فضل الباری 462/1)

منجانب اللہ ایک سلسلۂ عبادات ہے اور ایک سلسلۂ انعامات ہے۔ عبادات بہت کم ہیں۔ اور انعامات لامحدود ہیں ____ اس تناظر میں یسر دین بالکل واضح ہے ____ (فضل الباری ج1 ص 459)

ولن یشادَّ الدینَ الاغلبه:

شاد یُشاد از مفاعلہ ہے۔ جس کا معنی باہم مقابلہ کرنے کے ہیں۔ جیسے کُشتی میں ہوتا ہے ہر ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرے۔ اب مطلب یہ ہوگا جو شخص دین سے کشتی لڑنے کی کوشش کرے گا تو دین ہی اس پر غالب آئے گا ____ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: شریعت نے تقلیل عبادت کا حکم تکثیر کیلئے دیا ہے ____ یعنی جو قلیل کرے پابندی سے کرے وہ بہت ہو جائے گا۔ ایکدم بہت سے کیا پھر نباہ نہ ہوسکنے سے بالکل چھوڑ دے گا۔ نیز یُسر یعنی سہولت و آسانی ادیان کے لحاظ سے ہے۔ (فضل الباری 301.459)

حدیث کے دو صحیح مطلب ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم بھی نازل کیا ہے بندوں کے احوال کا لحاظ رکھا ہے۔ ۲۔ بندے انہی احکام کے مکلف بنائے گئے ہیں جن پر وہ بسہولت عمل کرسکتے ہیں۔ (تحفہ ج1 ص 260)

مرادِ حدیث: اس سے مراد غلو فی الدین ہے۔ جس کو فرمایا گیا: لا تغلوا فی دینکم۔

غلو فی الدین کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) ایک صورت یہ ہے رات کی عبادت کی فضیلت سن کر رات بھر عبادات نفلی میں لگا رہے اور دن کو امور ذمیہ میں کوتاہی کرے یا اپنے نفس وزوجہ کا حق ادا نہ کرے ____ اس کی اجازت نہیں یہ غلو ہے۔

(۲) ہمیشہ عزیمت پر عمل کرے۔ کبھی بھی رخصت پر عمل ہی نہ کرے۔ جبکہ نگاہِ خداوندی میں رخصت پر عمل بھی مطلوب ہے۔ کما قال ﷺ: ان اللہ یحب ان تؤتی رُخصۃ کما یحب ان تؤتی عزائمہ۔

بہر حال یہ طریق کار نہ صرف اللہ کے سامنے بہادری دکھانا ہے بلکہ عبدیت و بندگی کے بھی خلاف ہے۔ تطبیق یوں دے لے صحت وقوت میں عزیمت اور حالت عذر میں رخصت پر عمل کرے۔

(۳) شبہات سے بچنا اگرچہ تقویٰ کا حصہ ہے ____ تاہم شبہ کی حقیقت یہ ہے جہاں دونوں جانب مساوی ہوں (یقین وعدم یقین) اور اگر وساوس سے بچنے کو تقویٰ سمجھ لیا، پھر ساری زندگی پریشانی ہی رہے گی۔ جبکہ وسوسہ کا درجہ غالب گمان کے مقابلہ میں ہے۔ مثلاً غالب گمان یہ ہے وضو ہے جبکہ وسوسہ اور وہم ہے کہ ٹوٹ ہی گیا ہے۔ اب اس پر تقویٰ کے حصول کے لئے عمل کرنا عادت نہ بنائے۔ صرف ایک آدھ مرتبہ کی اجازت ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جانے کے سلسلے میں حلف اٹھا سکے۔

(۴) شریعت نے جس چیز کا مکلف نہ بنایا ہو اس کی تحقیق میں لگ جانا یہ بھی غلو فی الدین ہے۔

مثلاً کسی مسلمان کے گھر دعوت میں گوشت رکھا گیا اور یہ تحقیق کہ کس جانور کا ہے۔ ذبیحہ کس کا ہے۔ ذبح صحیح ہوا تھا

یا نہیں ـــــ چونکہ پیش کرنے والا مسلمان ہے تو اسلامی ملک اور مسلمان کی وجہ سے حسن ظن رکھا جائے۔ اور کھایا جائے۔ ہاں گوشت میں چونکہ اصل حرمت ہے اس لئے اگر غیر مسلم پیش کرے یا غیر مسلم ملک ہو، اس میں تحقیق کرنا درست ہے۔ اسی طرح جن چیزوں میں اصل اباحت ہے، ان کی بھی بلاوجہ تحقیق نہ کرے۔ ہاں اگر دلیل سے پتہ چل جائے اس میں کوئی نجس چیز ہے تو بلاشبہ تحقیق کرے۔

جیسے ایک سفر میں حضرت عمرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ اکٹھے تھے۔ تو حوض پر وضو کرنے گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا:

یا صاحب الحوض هل تردحوضک السباع۔

تا کہ پانی کی تحقیق ہو جائے ـــــ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یا صاحب الحوض لا تخبرنا ـــــ مراد یہ تھی آپ ﷺ نے ہمیں اس تحقیق کا مکلف ہی نہیں فرمایا! ہم ظاہر حال پر عمل کر سکتے ہیں ـــــ اسی طرح حضرت عمرؓ کو کسی نے خبر دی کہ یمنی چادروں کو چمک کیلئے پیشاب میں بھگوتے ہیں۔ آپؓ نے تحقیق کا ارادہ فرمایا ـــــ پھر فرمایا: نهينا عن التعمق في الدين۔

تحقیق کے متعلق اصول:

(۱) جن چیزوں میں اصل حرمت ہے جیسے گوشت، ان میں تحقیق واجب ہے۔ جب تک حلت ثابت نہ ہو اس وقت تک استعمال جائز نہیں۔ تاہم اسلامی مملکت اور مسلمان ہونا بھی حلت و استعمال کیلئے کافی ہے۔ یہ باوثوق ذریعہ ہے۔

(۲) جن اشیاء میں اصل اباحت ہے جیسے سبزی، روٹی، آٹا وغیرہ۔ ان میں جب تک کسی حرام عنصر کا شامل ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے اس کا کھانا جائز ہے۔ اور جب تک کوئی واضح قرینہ نہ ہو تو تحقیق بھی واجب نہیں۔ ورنہ بے جا تحقیق میں پڑنا بالخصوص جب شریعت نے حکم بھی نہ دیا ہو تو زندگی کی گاڑی چلانا مشکل ہو جائے گا۔ یہی مشاد الدین ہے۔ کہ تقویٰ کی باریکیاں تلاش کرتے کرتے عاجز و درماندہ ہو جاؤ گے ـــــ

فائدہ: واضح رہے جو چیزیں منصوص طور پر فرض واجب یا دین میں حرام ہیں۔ ان کا اہتمام کرنا غلو فی الدین نہیں ہے جیسے آجکل روشن خیال کہتے اور کرتے ہیں ـــــ

(۵) وہ یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں اس سطح کی نکیر کی بالکل گنجائش نہیں جو امور مجمع علیہ میں ہوتی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ اپنے مسلک حق کے مطابق عمل کر رہا ہو ـــــ جیسے کوئی شافعی کیکڑا کھا رہا ہو یا مالکی کچھوا کھا رہا ہو ـــــ وغیرہ۔

(۶) کس بات پر کس درجہ کی نکیر کرنا؛ یہ ایک ذوقی علم ہے۔ جو صاحب نظر کی صحبت طویلہ اٹھائے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ یہ دو اور دو چار کی طرح عقلی و منطقی چیز نہیں۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ حرام صریح پر نکیر اور طرح ہے۔ اور مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ؛ ان سب پر درجہ بدرجہ نکیر کی اجازت ہے۔ خلاف اولیٰ پر نکیر حرام کی طرح کرنا یہ بھی غلو فی الدین ہے۔

چنانچہ بنظر غائر دیکھا جائے تو سب بدعات کی بنیاد بھی یہی ہے کہ عمل مستحب کو اس طرح فرض و واجب کا درجہ عقیدہ و عمل کے لحاظ سے دیدینا اور تارک مستحب پر ایسی نکیر کرنا جیسی فرض و واجب پر ہوتی ہے۔ یہ بھی غلو فی الدین کا شعبہ ہے۔ اور اسی کی کوکھ سے بدعات

جنم لیتی ہیں ___ جیسے حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح پر کھڑا ہونا ___ فقہاء کرام کی رائے اس بارے میں مستحب سے زیادہ نہیں ہے ___ لیکن جو تارک قیام کو بری ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بدعقیدہ بھی سمجھتے ہیں ___ یہ بھی غلو فی الدین ہے۔

فائدہ: مستحب پر عمل میں دوام مطلوب ہے مگر عقیدہ مستحب ہونے کا ہی رکھے۔ اور عام لوگوں کے ترک کرنے پر ان کو ملامت نہ کرے۔ الا یہ کہ جو لوگ زیر تربیت ہوں۔

سوال: حیی علی الصلوٰۃ پر قیام کے استحباب ثابت ہونے پر ہم سب کو کھڑا ہونا چاہیے۔

جواب: مستحب لزوم کے حوالے سے جب متعارف ہو جائے تو اس کا ترک لازم ہے کیونکہ وہ بدعت ہے۔

فائدہ: حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں ابتداء میں میری رائے یہ تھی جن مستحبات میں غلو کے ذریعہ بدعات کا ارتکاب ہو رہا ہے اور ان میں رسومات داخل ہو رہی ہیں تو ان خارجی امور کی اصلاح کی جائے، اصل عمل مستحب کو ترک نہ کیا جائے ___ جیسے محفل میلاد وغیرہ۔

تاہم جب حضرت گنگوہیؒ سے اسی سلسلہ میں مکاتبت ہوئی، پھر میں نے اپنی رائے سے رجوع کیا کہ اصل مستحب عمل کا ترک ضروری ہے۔ تاکہ صورۃً بدعت کے رائج ہونے کی کوئی شکل ہی نہ بنے۔

بقیہ تشریح حدیث

فسددوا وقاربوا:

اس جملہ کی بہت سی تفسیریں ہیں:

(۱) سددوا 'سداد' سے لیا گیا ہے۔ سداد درست عمل کو کہتے ہیں۔ معنیٰ یہ ہوگا درست عمل کرو ___ قاربوا کا معنیٰ یہ ہوگا: اگر پوری طرح درست عمل نہیں کر سکتے تو کم از کم درست کے قریب قریب تو کر لو۔

(۲) سددوا کا معنیٰ ہے: درست کام کرو۔ اور قاربوا کا معنیٰ ہے: ایک دوسرے کے قریب رہو۔ (یعنی نیک عمل کے ساتھ باہم طور پر حسن سلوک بھی رکھو۔ خشک صوفی نہ بنو۔ الحائک اذا صلی رکعتین ینتظر الوحی کا منظر پیش نہ کرے۔)

(۳) سددوا میانہ روی اختیار کرو۔ وقاربوا: اور میانہ روی کے قریب قریب عمل کرو۔

(۴) سددوا، یہ سداد سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ "ڈاٹ" کے ہیں۔ حاصل یہ کہ مضبوطی سے عمل کرو۔ برائی قریب نہ آئے۔ برائی کو ڈاٹ لگ جائے۔ یعنی سکہ بند عمل کرو۔

ابشروا: عمل کے ثواب میں خوشی محسوس کرو۔

واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیءٍ من الدُلجۃ:

ترجمہ: صبح وشام کے وقت کے ذریعہ مدد طلب کرو۔ اور رات کے کچھ اندھیرے سے بھی۔

غدوہ اگر بالضم پڑھیں تو صبح کے وقت کا نام ہے اور بالفتحہ پڑھیں تو صبح کے وقت نکلنے اور چلنے کا نام ہے ___ اسی طرح روحہ شام کا وقت یا شام کے وقت نکلنے اور چلنے کا نام ہے۔ دونوں معنیٰ اس میں ہیں ___

شیء من الدلجۃ اور کچھ اندھیرے کے وقت۔ مراد الفاظ: ۱... ایک تفسیر یہ ہے ان الفاظ سے فرائض کی طرف اشارہ ہے۔ غدوہ سے مراد فجر وظہر کی نماز اور روحہ سے مراد عصر ومغرب اور شیء من الدلجۃ سے عشاء کے فرائض مراد ہیں۔

۲... غدوہ سے مراد صلوۃ الضحیٰ ہے۔ اور روحہ سے مراد نوافل ہیں جو مابین الظھر و العصر پڑھی جائیں ___ اور دلجہ سے مراد تہجد کی نماز ہے ___ یہ زیادہ راجح قول ہے۔ اس لئے کہ اسلوب بیان میں شیء من الدلجہ اس کی طرف مشعر ہے۔ جس سے اختیاری چیز معلوم ہوتی ہے۔ درجہ فرض کی چیز ہوتی تو اس طرح نہ فرماتے: شیء میں تنوین تحقیر ہے۔ جو عشاء کی نماز کیلئے نہ بولنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ___ ان تین اوقات کی تخصیص اس لئے فرمائی یہ اوقات نشاط ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ان اوقات میں دواما کچھ عبادت کا معمول بنالینا چاہیے۔

تفہیم کیلئے مسافر کی مثال ہے۔ منزل کو سامنے رکھتے ہوئے راستہ کو اعتدال سے طے کرے۔ موسم، گرمی سردی راستہ کی صورت حال، سواری کا خیال رکھتے ہوئے کچھ صبح کے وقت پھر زوال کے بعد چل لے خود بھی اور سواری دیگر شرکاء بھی منزل پر بسہولت پہنچ جائیں گے، بصورت دیگر طویل سفر کو یکبارگی طے کرنے کے جذبہ سے مسلسل چلتے رہنے سے گر پڑے گا سواری بھی تحمل نہ کرسکے گی تو منزل تک رسائی نہ ہوسکے گی ___ یہی صورت حال فطرۃ انسانی کے لحاظ سے روحانی سفر کی ہے۔ صحت وفرائض منصبیہ کی رعایت ضرور رکھے۔ بشاشت ومسرت سے منزل پاسکے گا یہی مقصود حدیث ہے۔ (دلیل القاری 239)

29 بَاب الصَّلَاةُ مِنْ الْإِيمَانِ

وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ} يَعْنِي صَلَاتَكُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَزَلَ عَلَى أَجْدَادِهِ أَوْ قَالَ أَخْوَالِهِ مِنْ الْأَنْصَارِ وَأَنَّهُ صَلَّى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ وَأَنَّهُ صَلَّى أَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلَّى مَعَهُ فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ رَاكِعُونَ فَقَالَ أَشْهَدُ بِاللَّهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ.

وَكَانَتْ الْيَهُودُ قَدْ أَعْجَبَهُمْ إِذْ كَانَ يُصَلِّي قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَهْلُ الْكِتَابِ فَلَمَّا وَلَّى وَجْهَهُ قِبَلَ الْبَيْتِ أَنْكَرُوا ذَلِكَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ الْبَرَاءِ فِي حَدِيثِهِ هَذَا أَنَّهُ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ رِجَالٌ وَقُتِلُوا فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُولُ فِيهِمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ}.

ترجمہ : باب: نماز ایمان میں داخل ہے

اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ البقرۃ میں) فرمایا اور اللہ ایسا نہیں ہے جو تمہارے ایمان کو ضائع کردے یعنی بیت اللہ کے پاس جو تم نے نماز پڑھی۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو اپنے ننھیال میں اترے جو انصاری لوگوں میں سے تھے اور سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ اور آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ کا قبلہ کعبہ کی طرف ہو جائے اور پہلی نماز جو آپ نے کعبہ کی طرف پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ ﷺ کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ ان میں سے ایک شخص جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا ایک اور مسجد والوں پر سے گزرا وہ رکوع میں تھے (بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے)۔ اس شخص نے کہا میں اللہ کا نام لیکر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ نماز میں ہی کعبہ کی طرف پھر گئے۔

جب آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہودی اور دوسرے اہل کتاب خوش تھے۔ جب آپ نے اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر لیا تو انہوں نے برا مانا۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں کچھ لوگ قبلہ کے تبدیل ہونے سے پہلے وفات پاچکے تھے اور کچھ شہید ہوگئے تھے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ان کے بارے میں کیا کہیں؟ (ان کو نمازوں کا ثواب ملا یا نہیں؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ ایسا نہیں جو تمہارا ایمان ضائع کردے (یعنی تمہاری نمازیں)

ربط ۱: پہلے باب کا عنوان الدین یسر دعویٰ ہے باب ہذا میں اس کی دلیل ہے۔ دین میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے کفر واسلام میں حدِ فاصل نیز عماد الدین ہے۔ جب نماز اہمیت مذکورہ کے باوجود آسان ہے تو دیگر شعبوں میں بطریق اولیٰ آسانیاں ہوں گی۔ (دلیل القاری 242)

ربط ۲: نیز ترکیب ایمان اور اعمال کا جزء ایمان ہونا ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ باتفاق حضرات محدثین آیت شریفہ میں ایمانکم سے مراد صلوٰۃ ہے شانِ نزول بھی اسی پر دال ہے۔ نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکل علی الجزء ہے۔ (ایضاً 242)

تعارفِ رواۃ

حدیث الباب کی سند میں چوتھے راوی حضرت براءؓ ہیں۔ یہ براء بتخفیف الراء و بالمد ہے۔ ابن عازبؓ۔ ان کی کل مرویات 305 ہیں ــــ حضرت مصعب بن زبیرؓ جس دور میں حاکمِ کوفہ تھے۔ ان کا وہاں وصال ہوا ــــ

غرضِ ترجمہ

اصل مقصود مرجیہ کی تردید ہے کہ ایمان کے مختلف شعبوں میں سے نماز ایسا اہم ترین شعبہ اور جز ہے اللہ تعالیٰ نے آیتِ مبارکہ میں صلوٰۃ کو ''ایمان'' سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔

وقول اللہ تعالیٰ: وما کان اللہ لیضیع ایمانکم یعنی صلاتکم عند البیت:

آیتِ شریفہ کے ذکر سے مقصود یا تو ترجمۃ الباب کا جز بنانا ہے۔ یا ترجمۃ الباب کی دلیل کے طور پر اس کا ذکر مقصود ہے۔

پہلی صورت میں جب ترجمۃ الباب کا جز بنانا مقصود ہو تو ترجمہ کے دو اجزاء ہو جائیں گے اور دونوں اجزاء کا ثبوت حدیث الباب سے ہوگا ـــــ وہ اس طرح کہ آیتِ مبارکہ بالکل آخر میں حدیث کے بعد لائے ہیں۔ گویا اس سے معلوم ہوا آیت میں "ایمان" سے مراد نماز ہے۔ تو الصلوٰۃ من الایمان ثابت ہو گیا۔ نیز دوسرا یہ کہ نماز اتنی اہم چیز ہے اس کو ایمان سے تعبیر کر دیا تو الصلوٰۃ من الایمان بھی ثابت ہو گیا ـــــ

دوسری صورت یہ ہے ترجمۃ الباب تو صرف الصلوٰۃ من الایمان ہے اور آیت شریفہ دلیلِ ترجمہ ہے کیونکہ ایمانکم سے مراد صلوٰتکم ہے۔

اشکال: امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وما کان اللہ لیضیع ایمانکم کی تفسیر میں صلوٰتکم عند البیت سے جو تفسیر فرمائی اس پر ایک اشکال ہے: جسے سمجھنے کیلئے اس آیت کا شانِ نزول سمجھنا ضروری ہے۔ چنانچہ شانِ نزول یہ ہے:

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے تقریباً ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جو یہود کا بھی قبلہ تھا۔ گویا ان سے موافقت بھی تھی۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی بیت اللہ قبلہ بن جائے۔ اس لئے کہ وہ آپ ﷺ کا مولد بھی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ بھی تھا۔ اور مکہ مکرمہ میں جمع بین الصلوٰتین تھی جو مدینہ طیبہ میں نہ تھی۔ نیز یہود طعن کرتے تھے شریعت میں ہمارے مخالف ہیں جبکہ ہمارے قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں ـــــ سیر کی بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریلؑ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیں ہمارا قبلہ تبدیل فرما کر "کعبۃ اللہ" کر دیں۔ (فضل الباری 471/1)

اس بے قراری کی وجہ سے آپ ﷺ ہمیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تھے کب حکم آجائے۔ اور تحویلِ قبلہ ہو جائے۔ چنانچہ حکمِ الٰہی ہو گیا: فولِّ وجھک شطر المسجد الحرام۔

سوال: یہ حکم کب نازل ہوا؟

جواب: آپ ﷺ بنو سلمہ کے کسی قضیہ کے فیصلہ کرنے اور حضرت براءؓ کی والدہ کی مزاج پرسی کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے آپ ﷺ نے صفیں چیر کر پیچھے آ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ نے بھی اتباع میں منہ پھیر لیا۔ مسجد بنی سلمہ ذو قبلتین کہلائی اور مسجد قبا میں فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف ادا کی جا رہی تھی کسی شخص نے جا کر آواز لگائی الا ان القبلۃ قد حولت۔ تمام نمازی نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے ـــــ اس تحویل قبلہ کی بنیاد پر حضرات صحابہ کرامؓ کے قلوب میں ایک شبہ پیدا ہوا کہ جن حضرات نے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کی ہیں اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آیا وہ مقبول ہوں گی یا ضائع ہو جائیں گی۔ چونکہ ابھی نسخ کا مسئلہ حضرات صحابہؓ کے علم میں نہیں تھا کہ نسخ سے پہلے کا جو حکم ہے آیا وہ قابلِ قبول ہوتا ہے یا نہیں ـــــ

اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی وما کان اللہ لیضیع ایمانکم اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے ایمان یعنی سابقہ نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے ــــ کیونکہ وہ بھی تحت الحکم تھیں۔

عند البعض تحویل قبلہ کی دوسری مسجد والوں کو اطلاع کرنے والے عباد بن بشیر قیظی تھے عند البعض عباد بن نہیک۔(کشف 391/2)

سابقہ اعمال کے ثواب کے بارے میں بعد از نسخ قبولیت وعدم قبولیت کے سوال کا منشاء

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں پورے ذخیرۂ حدیث میں دو مقام پر اعمال منسوخہ کے ثواب وعتاب کا سوال حضرات صحابہ کرامؓ سے منقول ہے: ایک وہ نمازیں جو بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں، دوسرے حرمت خمر کے بارے میں کہ اس دور میں جو لوگ شراب نوشی کرتے رہے جس میں اس کی قباحت کا بالتدریج نزول ہو رہا تھا۔

گویا ایسے قرائن تھے کہ قبلہ بیت المقدس منسوخ ہوجائے گا یا حرمت شراب کا فوری حکم نازل ہوجائے گا تو ناپسندیدگی سامنے آرہی تھی تو اول پر ثواب، دوم پر عتاب ہوگا یا نہیں ــــ گویا منشاء یہ تھا۔ تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا چونکہ حرمت صریحہ نازل نہیں ہوئی تھی لہٰذا نماز پر پورا ثواب اور شرب خمر پر عتاب نہ ہوگا ــــ

عود الی الاصل ــــ اشکال:

حضرت امام بخاریؒ نے ایمانکم کی تفسیر صلوتکم عند البیت سے فرمائی ہے اس پر اشکال ہے۔

اشکال کی تقریر یہ ہے جو نمازیں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرکے پڑھی گئی ہیں۔ ان کے صحیح ہونے میں تو کوئی اشکال نہیں۔ نہ ہی ان کے بارے میں کوئی سوال ہے۔ البتہ ان نمازوں کے بارے میں سوال ہے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھی گئی ہیں ــــ وہ قبول ہیں یا نہیں؟ امام بخاریؒ نے عند البیت کا لفظ ذکر فرمایا جس سے متبادر آیہ معلوم ہوتا ہے اشکال بیت اللہ کے پاس نمازوں کے بارے میں ہے؟ اس لئے کہ ''البیت'' معرف باللام ہو تو عرفاً بیت اللہ شریف ہی مراد ہے جیسے الکتاب ہیں؛ معرف باللام ہو تو کتاب اللہ (قرآن کریم) مراد ہوتا ہے ــــ

جواب ۱: بعض حضرات کہتے ہیں رُواۃ نے عند البیت کا لفظ بڑھایا۔ گویا تصحیف رواۃ ہے ــــ لیکن یہ صحیح نہیں۔ تمام نسخ بخاری عند البیت کے لفظ کے ذکر پر متفق ہیں۔

جواب ۲: عند بمعنیٰ ''الی'' اور البیت سے مراد بیت اللہ شریف نہیں بلکہ بیت المقدس ہے ــــ لہٰذا اشکال صحیح ہے اور جواب دیدیا گیا کہ وہ نمازیں ضائع نہیں ہیں۔

سوال: البیت سے مراد بیت المقدس لینا عرف کے خلاف ہے۔

جواب: جب قرینہ سامنے آجائے تو پھر کسی لفظ کو خلاف عرف محمول کرسکتے ہیں۔ یہاں اشکال پیدا ہونے کی وجہ سے قرینہ متعین ہے۔ تو البیت سے بیت المقدس مراد لے سکتے ہیں۔ انہی نمازوں کے درمیان آپ ﷺ ملی قبلہ کے منتظر تھے۔

جواب ۳: البیت سے مراد بیت اللہ شریف ہی ہے۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں اس طور پر نماز ادا فرماتے کہ دونوں قبلوں کی طرف رخ ہوجائے ــــــ جب یہاں بیت اللہ کے قرب کے باوجود بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھی گئی نمازیں قبول ہیں جبکہ بیت اللہ کے قرب کا تقاضا ہے اسی کی طرف منہ کیا جائے۔ جب یہ قرب نہ ہو پھر تو بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی نمازیں بطریق اولیٰ قابل قبول ہوں گی۔ جیسے کہ وہ نمازیں جو مدینہ منورہ میں پڑھی گئیں۔

(۱) بیت المقدس یا مصدر میمی ہے یا ظرف مکان۔ مفعِل کے وزن پر بیت المقدِس ہے۔ (۲) باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ بیت المقدّس ہے۔ (۳) احتمال کے طور پر تفعیل سے فاعل کے وزن پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بیت المقدِّس۔ (درس شامزئی 149)

باب سے متعلقہ چند بحثیں

۱۔۔۔ البحث الاول بیت المقدس کو کتنے ماہ تک قبلہ بنایا گیا اور پھر تحویل کا حکم آیا۔

جواب: مشہور روایات تین ہیں۔ ۱: ۱۶ ماہ۔ ۲: ۱۷ ماہ۔ ۳: ۱۳ ماہ۔

مسلم ونسائی میں ۱۶ ماہ کی روایت بغیر شک کے ہے۔ مسند بزار اور طبرانی میں ۱۷ ماہ کی روایت بلاشک کے ہے۔ اور بخاری شریف میں ۱۶ یا ۱۷ ماہ بالشک ہے۔

تطبیق: آپ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں تشریف لے گئے اور اگلے سال نصف رجب میں تحویل ہوئی۔ جنہوں نے حذفِ کسر کیا انہوں نے ۱۶ ماہ کہا۔ جنہوں نے کسر کو ملایا انہوں نے ۱۷ ماہ کہا ــــــ جبکہ ۱۳ ماہ کی روایت کے بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ خلافِ واقعہ ہے۔ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔)

۲۔۔۔ البحث الثانی:

آپ ﷺ قبل از ہجرت قبلہ کونسا تھا ــــ؟

یہ تحقیق اس پر مبنی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا قبلہ وحی سے متعین کیا یا عرف سے؟ ــــ اول تحقیق یہ ہے وحی سے متعین کیا۔ جب مکہ مکرمہ میں تھے تو وحی کی وجہ سے حکم تھا کہ بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرو۔ جب مدینہ طیبہ چلے گئے تو وحی سے حکم ہوا بیت المقدس کی طرف رخ کرو۔ ۱۶ یا ۱۷ ماہ کے بعد پھر تحویلِ قبلہ کی وحی آئی۔

اشکال: اس پر اشکال یہ لازم آئے گا کہ یہاں تو پھر نسخ مرتین ہوا جس کے کچھ حضرات قائل نہیں۔

جواب: مکہ مکرمہ میں بھی بذریعہ وحی بیت المقدس ہی قبلہ متعین تھا لیکن آپ ﷺ نماز کی ادائیگی اس طور پر فرماتے تھے کہ مسجد حرام کی اس جہت میں کھڑے ہوتے جہاں دونوں قبلے سامنے ہوجاتے۔ تاہم مدینہ طیبہ گئے پھر یہ صورت ممکن نہ تھی اس لئے کہ بیت المقدس کی طرف ہی رخ کرسکتے تھے تو واضح ہوگیا کہ بیت المقدس ہی قبلہ ہے۔ تو مدینہ طیبہ کے ۱۷ ماہ کے قیام کے بعد تحویل ہوئی۔ لہٰذا نسخ مرتین نہ ہوا۔ اور آپ ﷺ بے قراری بھی ختم ہوگئی۔ جو مکہ مکرمہ میں نہ تھی۔ کیونکہ دونوں قبلوں کی طرف رخ ہوجاتا تھا۔

۲...دوسری تحقیق : آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں عرفاً قبلہ بیت اللہ شریف کو بنایا اس لئے کہ یہ قبلۂ ابراہیمی تھا۔ اور اہل مکہ ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ تو اس کی وہ بھی تعظیم کرتے تھے ــــ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم تھا۔ بیت المقدس حضرات انبیاءؑ اور اہل کتاب کا قبلہ تھا ــــ جب کہ آپ ﷺ کے اندر باطنی طور پر یہ تڑپ تھی کہ بیت اللہ شریف کی طرف تحویل کا حکم آجائے۔ تو ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد حکم آ گیا ــــ اس صورت میں نسخ مرۃ ہے۔

فائدہ: قبل از فرضیتِ صلوٰۃ آپ ﷺ بیت اللہ ہی کو اہل مکہ کا ابراہیمی ہونے کی وجہ سے عرفاً قبلہ سمجھتے تھے ــــ تاہم فرضیتِ نماز کے بعد حدیثِ امامۃ جبریلؑ کی وجہ سے بیت اللہ شریف کا قبلہ سمجھنا اب عرف کی بجائے بنا بر وحی ہو گیا۔ کیونکہ یہ امامت بابِ کعبہ کی طرف رخ کر کے تھی۔ وہاں سے بیت المقدس شمال کی جانب ہے اور دروازہ کی طرف منہ کریں تو منہ مغرب کی طرف اور پشت بیت المقدس کی طرف ہے۔ جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں ــــ گویا وحی کے ذریعہ ابتداءً ہی بیت اللہ قبلہ متعین ہو گیا ــــ ازاں بعد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حسبِ فرمان: شروع میں کعبہ ہی قبلہ بنایا گیا تھا۔ لیکن ہجرت سے تین سال پہلے بیت المقدس کی طرف تحویل ہوئی۔ جیسے معجم طبرانی کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے ــــ پھر مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد دوبارہ بیت اللہ کعبہ قرار دیا گیا ــــ

عند البعض: بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم مدینہ طیبہ جا کر آیا ہے ــــ

مذکرہ بالا تحقیق کی روشنی میں نسخ مرتین ہے ــــ اس سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ــــ کیونکہ اس سے بتلانا یہ مقصود ہے نہ تو بیت المقدس کی عمارۃ کا کچھ تقدس بذاتہ ہے اور نہ ہی کعبۃ اللہ کا۔ ان کی طرف رخ کا حکم محض نسبتِ خداوندی کی وجہ سے ہے ــــ اس حکمت کے تحت "نسخ مرتین" ہی زیادہ مناسب ہے۔

نسخ مرتین کی وجہ ترجیح: ایک تو حدیث امامت جبریل ہے کہ ابتداءً قبلہ کعبۃ اللہ ہے ــــ پھر بیت المقدس بنایا گیا ــــ پھر بیت اللہ شریف۔ کمامر

دوسرے یہ کہ آیتِ قرآنی وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم الخ اس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ آیت شریفہ میں القبلہ سے مراد بیت المقدس ہے جو عارضی طور پر قبلہ بنایا گیا تھا ــــ اور مقصود اس سے امتحان تھا کہ کون اس کو قبلہ تسلیم کرتا ہے اور کون نہیں؟ تو امتحان تب ہو سکتا ہے۔ جب بیت المقدس سے قبل بیت اللہ قبلہ ہو اور اس افضل کو چھوڑ کر مفضول کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدیا جائے ــــ یہ امتحان تھا ــــ اور اگر پہلے سے ہی بیت المقدس قبلہ چلا آرہا ہو اور اس کو یکبارگی منسوخ کر کے بیت اللہ کی طرف حکم دیدیا جائے تو آیت کے مفہوم سے امتحان کی تعبیر واضح طور پر منطبق نہیں ہوتی۔ (انعام ص510 ج1)



تحویلِ قبلہ کے بعد سب سے پہلی نماز کونسی ہے؟

۳... البحث الثالث

اس میں دو تحقیقات ہیں:

(۱) ظہر وعصر کے درمیان مسجد نبوی ﷺ میں حکم نازل ہوا۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں تحویل قبلہ کے بعد پہلی نماز عصر ادا کی۔ ایک آدمی بنو حارثہ میں پہنچا تو وہ اپنی مسجد میں عصر ادا کر رہے تھے اس نے بتلایا تو ان لوگوں نے نماز ہی میں رخ تبدیل کرلیا۔

(۲) تحقیقِ ثانی: آپ ﷺ بھی قضیہ کے فیصلہ کے لئے اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی والدہ کی مزاج پرسی کیلئے بنو سلمہ کے ہاں گئے ہوئے تھے اور ظہر کی نماز کے دوران تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا آپ ﷺ نے نماز میں ہی بیت اللہ شریف کا رخ کرلیا۔ دو دو رکعت دونوں قبلوں کی طرف ادا کیں۔

تاہم بخاری شریف کی روایت میں پہلی تحقیق کے مطابق ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں صلوٰۃ العصر پڑھی گئی ہے مگر مراد اس سے کامل نماز ہے اس سے قبل جو ظہر کی نماز بنو سلمہ میں پڑھی گئی تھی وہ آدھی تھی جو تحویل کے بعد پڑھی گئی۔

آپ ﷺ براء بن معرور رضی اللہ عنہ کے مکان پر ان کے بیٹے حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے انتقال پر تشریف لے گئے جو مدینہ طیبہ سے تین میل پر واقع تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں ایک نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ میں سب سے پہلے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ہیں۔

ہجرت نبوی ﷺ سے ایک ماہ پہلے ان کا وصال ہوا۔ بعد از ہجرت آپ ﷺ نے ان کی قبر پر نماز پڑھی۔ انکو کعبۃ اللہ سے اتنا لگاؤ تھا کہ قبل از ہجرت یہ کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے آپ ﷺ کے حکم پر بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے لگے ___ تاہم وصیت فرمائی کہ میری تدفین میں چہرے کا رخ بیت اللہ کی طرف رکھا جائے۔ شاید اسی بنا پر "تحویلِ قبلہ" کا حکم انہی کے بیٹے حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے انتقال پر آپ ﷺ کی آمد کے بعد ظہر کی نماز میں انہی کے محلہ میں بنی سلمہ کی مسجد میں آیا۔ (فضل الباری 472/1)

تشریحِ حدیث

نزل علی اجدادہ او قال اخوالہ:

اجداد اور اخوال کا مصداق ایک ہی ہے یعنی ننھیال۔ مگر بظاہر اشکال یہ ہے کہ اہل مدینہ آپ ﷺ کے ننھیال کیسے ہوئے ___ حالانکہ حضرت آمنہ تو بنو زہرہ میں سے تھیں جو قریش کا قبیلہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے آپ ﷺ کے اجداد میں سے ہاشم نے مدینہ کی ایک عورت "سلمیٰ" سے نکاح فرمایا تھا۔ (درس شامزئی 148)

اس بیوی سے عبد المطلب پیدا ہوئے اسی لئے اہل مدینہ عبد المطلب کی اولاد کو اپنی بہن کی اولاد کہا کرتے تھے۔ جب عبد المطلب کا وہ ننہیال ہوا تو اسی خاندانی تناظر میں آپ ﷺ کا بھی تو سعاً و مجازاً ننہیال ہوا۔ (اسی حوالہ سے جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب غزوہ بدر کے موقع پر گرفتار ہوئے؛ اہل مدینہ بنو نجار نے آ کر عرض کیا تھا؛ یا رسول اللہ! ہم اپنے بھانجے کا فدیہ معاف کر دیں؟ آپ ہمیں اس کی اجازت دیں ــــ کیونکہ وہ عبد المطلب اور آگے عبد المطلب کی ساری اولاد کو اپنا بھانجا سمجھتے تھے۔)

فمر علی اہلِ مسجد ــــ فداروا کما ھم قبل البیت:

اہل مسجد سے مراد بنو حارثہ ہیں۔

دورانِ نماز تحویل قبلہ کے حکم آنے کے بعد صورت یہ ہوئی کہ جہاں پچھلی صف کے لوگ تھے وہاں امام صاحب آ گئے۔ اور پچھلی صف کے لوگ تحویل قبلہ سے پہلے جو صف اول تھی وہاں کھڑے ہو گئے ــــ

سوال: اس پر سوال یہ ہے کہ یہ تو عمل کثیر ہے۔ نماز باقی کیسے رہی ــــ؟

جواب ۱: عمل کثیر وہ مفسدِ صلوٰۃ ہوتا ہے جو اصلاحِ نماز کیلئے نہ ہو۔ اور اگر اصلاحِ صلوٰۃ مقصود ہو تو وہ عمل کثیر مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہوتا۔ جیسے کہ بنا کا مسئلہ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ عمل کثیر کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے جیسے نماز میں پہلے گفتگو حرام نہ تھی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ مصلحت مذکورہ کی وجہ سے عمل کثیر معاف کر دیا گیا ہو۔ (فضل ج 1 ص 476)

چوتھا جواب: مشی توالی قدمین کے ساتھ ہو تو مفسدِ صلوٰۃ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف کے ساتھ مشی فرمائی تھی۔ (درس شامزئی 152)

فقال اشھد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ ﷺ قبل مکۃ:

سوال: تلقن من الخارج سے لقمہ قبول کر لے، یہ مفسدِ صلوٰۃ ہے ــــ تحویل کا فائدہ نہ ہوا نماز ہی باطل ہونی چاہیے۔

جواب: تلقن من الخارج مفسدِ صلوٰۃ تب ہے جب آواز پڑتے ہی بلا سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کر دے ــــ اگر صورت یہ ہے کہ خارجی آواز کے بعد ذاتی طور پر تفکر و تحری کر کے اصل محرک اس کو بنا لیتا ہے تو یہ مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے۔ چونکہ تحویل قبلہ کا مسئلہ چل ہی رہا تھا اور اس آدمی نے آ کر محض خبر دی، انشاء مقصد نہیں تھا۔ خبر کے بعد تحری کی بنا پر تحویل کا فیصلہ کیا گیا۔ لہذا نماز باطل نہیں ہوئی۔

سوال: بیت المقدس کا قبلہ ہونا نصِ قطعی کی بنیاد پر تھا۔ خبر واحد سے اسے کیسے منسوخ سمجھ کر اس کے خلاف عمل شروع کر دیا۔

جواب ۱: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اگر خبر واحد محتف بالقرائن ہو تو وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ یہاں تحویل قبلہ کے قرائن فضا کے لحاظ سے سب کے سامنے تھے۔ اور سب ہی منتظر تھے ــــ اس لئے یہ خبر واحد محتف بالقرائن ہونے کی وجہ

سے یقین کا فائدہ دے رہی ہے۔

نیز آیت قد نری تقلب وجهک فی السمآء۔ تحویل قبلہ کا قرآنی قرینہ تھا۔ (درس شامزئی 152)

جواب ۲: جس خبر واحد کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول ہوجائے وہ خبر مشہور کے حکم میں ہوجاتی ہے۔ اور اس سے حکم قطعی منسوخ ہوسکتا ہے۔

واهل الکتاب:

اس کا عطف الیهود پر ہے۔ اس سے مراد نصاریٰ ہیں۔

یا عطف الخاص علی العام کہ یہود سے عام یہودی مراد ہوں تو اہلِ کتاب سے علماء یہود مراد ہوں۔ (درس شامزئی 153)

سوال: اهل الکتاب سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ان کا قبلہ بیت اللحم جائے پیدائشِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھا۔ ان کے بارے میں قد اعجبهم کیسے فرمایا؟

جواب ۱: دونوں کی جہت ایک ہی تھی۔ بیت اللحم بھی اسی جہت میں ہے۔

جواب ۲: دونوں اہلِ کتاب تھے۔ باہم خوش ہونا مراد ہے۔ کہ مسلمان بھی ہمارے قبلہ کی تعظیم کرتے ہیں۔

نصاریٰ کی خوشی دو وجہ سے ہے۔ بیت اللحم کی طرف تبعاً رخ ہوجاتا ہے۔ مسلمانوں کا وجہ سکون کعبۃ اللہ تو قبلہ نہ رہا۔ (دلیل 248)

وما کان الله لیضیع ایمانکم

سوال: آیتِ شریفہ میں ایمانکم کا لفظ آیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے تمہاری نمازیں ضائع نہ ہوں گی ___ صحابہ کرامؓ کا سوال ان حضرات کے بارے میں تھا جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور دنیا سے چلے گئے۔ ان کی نمازوں کا کیا بنے گا __ جبکہ آیت میں ایمانکم فرمایا جو کہ زندوں کو خطاب ہے کہ تمہاری نمازیں ضائع نہیں ہونگی؟

جواب: زندہ لوگوں نے بھی ان کے ساتھ ہی نمازیں پڑھی تھیں۔ جب ان زندوں کی صحیح ہوگئی جبکہ وہ لوٹا بھی سکتے ہیں تو ان کی جو فوت ہوگئے ان کی طرف سے قضاء ممکن نہیں بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگئیں۔ جیسا کہ جنگل میں پڑھی گئی وہ نمازیں جو بعد از تحری ہوں۔ لیکن آنے والے نے بعد از نماز خبر دی کہ غلط جہت پر نمازیں پڑھی گئیں ___ اب ان کا اعادہ نہیں ہوگا ___ جب وہ صحیح ہوگئیں جن میں صرف تحری تھی۔ تو جو تحت الحکم ہوں وہ بطریق اولیٰ صحیح ہوجائیں گی۔

فائدہ: انسان کے اندر دو چیزیں ایک جسم ایک روح

روح کو اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے کسی جہت کی ضرورت نہیں۔ لیکن جسم کیلئے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کیلئے کسی نہ کسی جہت کی ضرورت ہے۔ اب دو صورتیں ہیں جسمانی عبادت کے واسطے کسی جہت کو متعین نہ کیا جائے اور ہر شخص کو اجازت ہو جدھر اس کا دل چاہے ادھر رخ کر کے نماز پڑھ لیا کرے۔ اس صورت میں باہمی اختلاف وانتشار رونما ہوگا ___ اتفاق خاص طور پر دینی مسائل میں عمدہ چیز ہے۔ تو اتفاق اس صورت میں ہوگا جیسے انسانیت انسان کی صورت میں ہوگی گھوڑے، گدھے کی صورت میں نہ ہوگی۔

الغرض ظاہر کو باطن سے تعلق ہے۔اس لئے ظاہری اتفاق باطنی اتفاق کا ذریعہ ہوگا۔اگر عبادت جسمانی کو ختم کر دیا جائے تو عبادتِ روحانی کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔جیسے ترحم وسخاوت وشجاعت جو دل کی صفات ہیں اگر ان کے آثار ظاہر نہ ہوں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔(درس بخاری 270)

قال زهير حدثنا ابو اسحاق ___ انه مات علی القبلة اس میں دو قول ہیں۔ا: یہ تعلیق ہے۔۲: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: یہ تعلیق نہیں ہے ___ بلکہ یہاں واؤ حرف عطف محذوف ہے اور یہ حدیث اسی سند ماسبق سے منقول ہے۔(درس شامزئی 153)

و قُتِلوا:

سوال: کیا تحویل قبلہ سے پہلے بھی کوئی جہاد ہوا تھا جو قتلوا کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ___

جواب ا: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: قتل کا ذکر صرف زہیر کی روایت میں ہے اور کسی جگہ نہیں، جو ان کا تفرد ہے۔

جواب ۲: قتل کیلئے جہاد ہونا ضروری نہیں ۔ظلماً بھی قتل ہوسکتا ہے۔

جواب ۳: ویمکن ان یراد به القتل بمکة لا المدینة کما ذکره الحافظ رحمه الله

ج ۴:ا: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں تحویل سے قبل دس آدمیوں کا انتقال ہوا۔تین مکہ میں پانچ حبشہ میں اور دو مدینہ طیبہ میں وفات پاچکے تھے۔یہ دس متفق علیہ ہیں۔(درس شامزئی)

۲: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ تحویل سے قبل کونسا مومن شہید ہوا ہے ___ ممکن ہے یہ راوی کی غلطی ہو۔

۳: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں "قتلوا" کا لفظ محفوظ نہیں۔(درس شامزئی 154)

30 بَاب حُسْنُ إِسْلَامِ الْمَرْءِ ___ انسان کے اسلام کی اچھائی کا بیان

قَالَ مَالِكٌ أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهَا

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ مسلمان ہوجائے اور اچھی طرح مسلمان ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر گناہ کو مٹا دیں گے جو وہ اسلام سے پہلے کر چکا اور اس کے بعد حساب شروع ہوگا ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں سات سو نیکیوں تک اور برائی کے بدلے ویسے ہی ایک برائی (لکھی جائے گی) مگر جب اللہ اس کو معاف کردے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اچھی طرح مسلمان

ہوتو اس کے بعد جو نیکی وہ کرے گا وہ دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائے گی۔اور ہر برائی کے بدلے ایک برائی لکھی جائے گی۔

ربط

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ماقبل میں حسن اسلام کا بیان تھا اس کے حصول کے لئے غلو فی الاعمال کا اندیشہ تھا جس کا نتیجہ ترک عمل کی صورت میں ہوتا ہے تو بتلایا کہ حسن اسلام حسب ہمت اعمال پر دوام سے آتا ہے ____ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: حسن فی الاسلام اعمال سے آتا ہے بشرطیکہ اعمال پر دوام ہو۔(درس شامزئی 159)

ربط

۱: ماقبل میں یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین میں بڑے حریص تھے کہ تحویل قبلہ سے پہلی نماز کے بارے میں پوچھتے ہیں ___اس سے امام بخاری کا ذہن تحریم خمر کی طرف چلا گیا اور حرمت خمر کی آیات کے آخر میں **واللہ یحب المحسنین** تو اس احسان کی وجہ سے حسن اسلام کا باب باندھا۔(۲) پہلے باب الصلوۃ من الایمان اور اب حسن اسلام کا باب ہے۔اور یہ یقینی بات ہے کہ اسلام میں حسن نماز سے آتا ہے لہذا مناسبت ظاہر ہے۔(درس شامزئی 155)

غرضِ ترجمہ

اس سے بھی مقصود درجات اسلام کو ثابت کرنا ہے۔۱:حسن، ۲:غیر حسن۔تو دو درجے ثابت ہو گئے۔

فحسن اسلامه: ظاہر و باطن میں اسلام ہو۔ان معاصی کو ترک کردے جن کو قبل از اسلام کرتا تھا۔

الی سبعمائة ضعف: اس سے درجات اسلام معلوم ہوئے۔

قال مالک اخبرنی: یہ تعلیق ہے اور ان تعلیقات میں سے ہے جن کو امام بخاریؒ نے دوسری جگہ موصولاً ذکر نہیں کیا ____ایسی روایات کی تعداد ایک سو انسٹھ ہے۔ یہ تعلیقات امام بخاریؒ اگر بالجزم لائیں تو یہ صحیح ہوں گی۔ جیسے یہاں قال مالک کے ساتھ بالجزم لائے ہیں تو یہ صحیح ہوگی۔ اگر کہیں بالجزم نہ لائیں تو اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں۔(درس شامزئی 155)

حالتِ کفر کی نیکیوں کا حکم

الا ان یتجاوز اللہ عنها:

یہاں سے معتزلہ وخوارج کی تردید ہو گئی اور اہل السنت والجماعت کا مذہب ثابت ہوا ____

سوال: امام بخاریؒ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت میں حدیث پاک کے آخر کا ٹکڑا جس کے الفاظ یہ ہیں: **کتب اللہ کل حسنة کان ازلفها**، کافر جب اچھی طرح مسلمان ہو جائے تو حالت کفر و شرک کی نیکیاں بھی لکھ دی جاتی ہیں۔اس کو حذف کیوں کر دیا ____ جبکہ یہ الفاظ طحاوی اور نسائی میں موجود ہیں۔

فائدہ: زلفها: کو قاضی عیاضؒ اور حافظؒ نے تخفیف کے ساتھ درست کیا ہے جبکہ امام نوویؒ نے تشدید کے ساتھ زَلَّفها درست بنایا اور ابن سید نے ازلف بمعنیٰ قرب کہا ہے۔ (درس شامزئی 157)

بعض میں الی الفي الف دو لاکھ کا ذکر آیا ہے۔ (درس شامزئی 158)

جواب ا: امور مسلّم فی الدین میں یہ ہے کہ حالتِ کفر کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتیں۔ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباءً منثوراً ـــــ لیکن یہ جواب درست نہیں۔ اس لئے کہ کسی بھی حدیث کو قواعدِ عامہ یا کسی اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے حذف نہیں کیا جاتا۔ اس کا محمل بتایا جاتا ہے۔ مصداق کا تعین کیا جاتا ہے۔ یا توجیہ کی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات قابلِ تسلیم نہیں کہ حالتِ کفر کی نیکیاں دنیا و آخرت کے لحاظ سے نافع نہیں ہیں ـــــ اور قواعدِ عامہ کے خلاف بھی نہیں کہ حالتِ کفر کی نیکیاں نافع نہیں ـــــ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حالتِ کفر کی نیکیاں موقوف علی الاسلام رہتی ہیں ـــــ جوں ہی توفیقِ اسلام ہوتی ہے سابقہ تمام نیکیوں کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

یا رسول اللہ! میں اپنی سابقہ کفر کی زندگی میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور غلاموں کو آزاد کرتا رہا۔ کیا مجھے اسلام لانے کے بعد اس کا کوئی اجر و ثواب ملے گا ـــــ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَسلَمتَ عَلٰی مَا اَسلَفتَ مِن خَیرٍ

یہ واضح دلیل ہے بعد از اسلام حالتِ کفر کی نیکیاں باعثِ اجر ہوں گی اور حدیث پاک کا وہ جملہ جو نسائی اور طحاوی میں موجود ہے یہ بھی دلیل ہے تو پھر یہاں حذف کیوں کیا ـــــ؟

نیز اگر اس کو توفیقِ اسلام نہ ہو تب بھی اس کو تخفیفِ عذاب کے لحاظ سے نافع ہوں گی ـــــ اس لئے کہ درجاتِ جنت کی طرح درکاتِ جہنم بھی ہیں ـــــ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے سب سے ہلکا عذاب میرے چچا ابو طالب کو ہوگا۔ آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جن سے دماغ کھولے گا ـــــ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے ابولہب کو کسی نے خواب میں دیکھا تو اس نے کہا جس روز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے تھے میں نے اس روز ثویبہ نامی لونڈی کو آزاد کیا تھا جب وہ دن آتا ہے تو عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے امام بخاریؒ نے حدیث کا یہ ٹکڑا اس لئے حذف نہیں کیا کہ یہ امور مسلّمہ کے خلاف ہے۔

جواب ۲: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: مستدلین اور شراحِ مجیبین دونوں کو مغالطہ لگا ہے ـــــ کیونکہ حسناتِ کفار دو طرح پر ہیں۔ ایک از قبیل عبادت، اس کا کفر اختیار کرنے والے کو کوئی ثواب نہیں ملتا ـــــ کیونکہ بغیر ایمان اس کی نیت ہی صحیح نہیں۔ اور دوسری از قبیل صلہ رحمی یا صدقہ یا اعتاق وغیرہ ہے اس کا ثواب ملتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ نے اس جملہ کو اس لئے یہاں حذف فرمایا کہ اس جملہ کو روایات کے دیگر طرق میں ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے بعض طرق میں ہے۔ اور بعض میں نہیں ہے۔ چونکہ یہ شرطِ بخاری پر نہیں تھا۔ اس لئے اس کو ذکر نہیں فرمایا۔

جواب ۳: نیز یہ بھی جواب ہے کہ امام بخاریؒ نے اس کو اختصاراً حذف فرمایا ہو اس لئے غرض الباب حسنِ اسلام بتلانا مقصود ہے تو جس فقرے سے مقصود حاصل ہو رہا تھا اس کو ہی ذکر کیا۔

سوال: قال مالک ـــــ قال کیوں کہا اخبرنا و حدثنا کیوں نہیں کہا؟

جواب: یہ تعلیق ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنے استاذ کا یہاں ذکر نہیں فرمایا۔ یہ حدیث امام مالکؒ کی ہے اور دارقطنی نے اپنی کتاب غرائب مالک میں 9 طریق سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

حالتِ کفر کے گناہ محض اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے یا نہیں؟

سوال: حالتِ کفر کی نیکیاں اسلام قبول کرنے سے کارآمد ہو جاتی ہیں۔ آیا حالتِ کفر کے گناہ محض اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے یا ان پر مواخذہ کا اندیشہ ہے۔

جواب: عند الجمہور اسلام لاتے ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ البتہ امام احمد بن حنبلؒ، امام بیہقی اور امام حلیمیؒ اس بات کے قائل ہیں بعد از اسلام توبہ ضروری ہے۔

دلائل (۱) آیت کریمہ ـــــ الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً۔ آیت شریفہ سے معلوم ہوا کفر کے بعد مجرد ایمان سے توبہ قبول نہیں بلکہ عمل صالح کی قید بھی لگائی گئی ہے۔

(۲) دوسرا استدلال حدیث الباب سے ہے۔ اذا اسلم العبد فحسن اسلامہ۔ کفر تو اذا اسلم العبد سے ختم ہو گیا ـــــ تاہم فحسن اسلامہ تب ہو گا جب توبہ کے ساتھ اس پر استقامت بھی ہو اور عمل صالح بھی ہو۔

جمہور کی دلیل: وہ حدیث ہے جس میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا جبکہ انہوں نے عین بیعت کے دوران اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا پہلے یہ اطمینان کر لوں کہ حالتِ کفر کے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ ورنہ میں بیعت نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اما علمتَ یا عمرو! ان الاسلام یہدم ما کان قبلہ۔

یہ بطور قاعدہ کلیہ ہے۔

دیگر ائمہ کو جمہور کی طرف سے جواب:

(۱) آیت کریمہ میں الا من تاب، یہ استثناء منقطع ہے۔ اور 'الا' لکن کے معنیٰ میں ہے ـــــ دلیل اس کی یہ ہے اس آیت میں فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات آ رہا ہے ـــــ اور تبدل سیات بالحسنات اس وقت بولا جاتا ہے جب ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ بھی کئے ہوں ـــــ اگر اسلام لایا مگر اس کے بعد عمل صالح نہیں کئے۔ تو تبدل سیات نہ ہو گا۔ گویا تبدل کیلئے عمل صالح شرط ہے۔ نہ کہ عفو معاصی کیلئے۔ (۲) حدیث الباب سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حسنِ اسلام کی

قید عفو معاصی کیلئے بطورِ شرط نہیں ہے بلکہ یہ مزیدیت کے بیان کرنے کیلئے ہے۔ گویا قید اتفاقی ہے۔ احترازی نہیں۔

(۳) اعمالِ خیر جو کفر کے دور کے ہوں ایمان لانے کے بعد ان کے ثواب ملنے پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے اہل کتاب کو ایمان لانے پر دوہرا ثواب ملتا ہے حالانکہ منسوخ دین کا ثواب نہیں ملنا چاہیے یہ تفضلاً ہے۔ (دلیل 251)

31 باب أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهُ

دین کا وہ کام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ مَنْ هَذِهِ قَالَتْ فُلَانَةُ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتَّى تَمَلُّوا وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے حضور ﷺ کے ہاں تشریف لائے اوران کے پاس ایک عورت تھی حضور ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا فلانی ہے (حولاء بنت تویت) اوران کی نماز کا حال بیان کرنے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا رک جا۔ لازم ہے تم پر وہ کام جس کی تم کو طاقت ہو کیونکہ اللہ کی قسم انہیں اکتا تا اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ۔ دین کا وہ کام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جس کو آدمی ہمیشہ کرے۔

ربط:

ماقبل میں اسلام کے حسن کا ذکر تھا۔ اب یہاں حد بندی ہے کہ حسن کو ملحوظ رکھ کر غلو اور تجاوز عن الحدود نہ کرے جس کے نتیجہ میں پھر بالکل ہی بے عمل ہو جائے۔ (کشف 2/430)

غرضِ ترجمہ ۱:

دین سے مراد یہاں "عمل" ہے ___ امام بخاریؒ کا مقصد یہاں ایمان کی کمی بیشی ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ جب ایک درجہ احب ہوگا تو اس سے درجہ غیر احب ہونا ثابت ہوگا۔ جو نقصانِ ایمان پر دال ہوگا۔

غرضِ ترجمہ ۲: دین سے مراد عمل ہے۔ اس سے ثابت کیا کہ لفظ دین اعمال پر بولا جاتا ہے لہٰذا اعمال دین کا جز ہیں۔ جیسا ایک اور حدیث میں ہے خیر الاعمال الی اللّٰہ ما دیم علیہ۔

غرض نمبر ۳: عمل پر مداومت عمل کا وصف ہے جس طرح اعمال ایمان کا جزو ہیں اعمال کے اوصاف ایمان کے اجزاء ہیں۔

(تحفۃ القاری 1/270)

❁❁❁

تشریح حدیث

وعندھاامرأۃ:

صدیقہ عائشہؓ کے پاس بیٹھنے والی عورت جس کی کثرت عبادت کی شہرت تھی (کشف 441/2) یہ عورت بنو اسد کی تھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے تھی نام حولا بنت تویت بن حبیب بن اسد بن عبد العزیٰ تھا۔ (درس شامزئی 159)
ساری رات کھڑے نماز پڑھتی تھی۔

اشکال: حدیث الباب میں دخل علیھا وعندھا امرأۃ ہے جبکہ مسلم میں ہے مرت بھا امرأۃ وعندھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض روایات میں ہے مرت بہ الحولاء ہے حدیث کے الفاظ میں اختلاف کیوں ہے؟ بعض شراح نے تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے۔ عند البعض واقعہ متعدد ہے مگر عورت ہر بار حولا ہے ___ لیکن اصح بات یہ ہے کہ تعدد واقعہ ہے اور نہ تعدد عورت بلکہ تطبیق یوں کہ حولاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے سے داخل ہوئے تو یہ اٹھ کر چلنے لگی تو مرت بہا ہو گیا اور چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گذری تو مرت بہ ہو گیا۔ (درس شامزئی 160)

فقال مہ

یہ اسم فعل ہے بمعنی اکفف حافظؒ فرماتے ہیں یہ مانذا تھا ___ اس زجر کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خطاب۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہو ___ لیکن اس صورت میں حدیث کا اصل مطلب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں غلو فی الاعمال سے منع مقصد ہے جو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا میں نہیں ہے۔ (۲) یہ خطاب اس عورت کو ایسے شاق اعمال مت کرو۔ اس پر اشکال ہے حولاء تو چلی گئی ہیں تو بھی خطاب صحیح نہ ہوا۔ اس لئے اسلوب حدیث سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی عبادت کا تذکرہ تعجب کے انداز میں تفخیم شان سے کیا تو انہی کو خطاب ہے، یہ غلو فی الاعمال قابل عظمت چیز نہیں، بلکہ دائما عمل بقدر ہمت قابل تفخیم ہے۔ واللہ اعلم (نیز نگاہ نبوت میں ناپسندیدہ امر ظاہر ہونے کے بعد پوری امت کو امر حق کی تلقین وراہنمائی ضروری تھی۔ اس لئے بواسطہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راہ اعتدال تا قیامت بتلادی۔)

فوائد: بلا استحلاف حلف اٹھانا جائز ہے خصوصاً جبکہ امور دین میں سے کسی امر کی فخامت شان ترغیب یا کسی محذور سے متنفر کرنا پیش نظر ہو۔ (کشف 444/2)

لا یمل اللہ حتی تملوا:

ملال کا معنی رنجیدہ خاطر ہونا ہے ___ ملال اس تھکان کو کہتے ہیں جو بعد از مشقت لاحق ہوتی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ تو انفعالات ونفسیات سے پاک ہیں۔ تو ملال اور رنجیدہ خاطر ہونا یہ نفسیات کے قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق صحیح نہیں۔

جواب: کسی مقام پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف انفعال ونفسیات کی نسبت کی جائے اس سے مراد غایات ہوتی ہیں۔ یہاں ملال سے مراد ثواب منقطع کرنا ہے ___ تاہم تعبیر کا یہ انداز مشاکلۃ ہوتا ہے جو غیر فصیح بھی نہیں ہے۔ جیسے ان تسخرو امنا فانا نسخر منکم کما تسخرون۔ نیز قائل اور فاعل کے بدلنے سے فعل کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ جیسے نسبت رحمت بندے کی طرف رقت قلب کے لحاظ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو جود واحسان کے معنیٰ میں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ملال کے چند اور معنیٰ ذکر کئے ہیں۔ ا: اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی کمی نہیں حتی تترکوا العمل۔ ۲: حتیٰ بمعنیٰ اذا یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی نہیں تھکتے جب تم تھک جاتے ہو۔ (درس شامزئی 161)

علامہ مازریؒ فرماتے ہیں: حتیٰ یہاں واوٗ کے معنیٰ میں ہے۔ لا یمل اللہ و تملون۔ اللہ تعالیٰ سے ملال کی نفی اور لوگوں کیلئے اثبات ہے۔ (۲) عند البعض حتیٰ ''حین'' کے معنیٰ میں ہے۔ لا یمل اللہ حین تملون (کشف 446/2) بعد از شروع، ترک عمل وصال کے بعد اعراض ہے۔ جو قابل مذمت ہے۔ (ایضا 447)

مادا وم علیہ صاحبہ:

تھوڑا عمل بالدوام اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔ بہ نسبت اس زیادہ عمل کے جس میں دوام نہ ہو۔

دوامِ عمل کی وجوہِ احبیت:

ا: قلیل عمل دوام کے ساتھ کثیر ہو جاتا ہے بہ نسبت اس کثیر کے جس پر دوام نہ ہو۔

۲: امام غزالیؒ فرماتے ہیں: قطرہ قطرہ اگر پتھر پر گرتا رہے تو سوراخ کر دیتا ہے لیکن ایک مرتبہ اگر سیلاب بھی گذر جائے تو کچھ نہیں ہوتا۔ تاہم دوام واستمرار کی یہ برکت ہے پتھر میں سوراخ ہو کر وہ بھر بھی جاتا ہے پھر اس کا آگے فیضان بھی جاری ہوتا ہے جبکہ پتھر پر قطرات گرنے کی قوت کے لحاظ سے پہلا اور لاکھواں برابر ہے۔ اس لئے فرمایا: ابتدائی ذکر بھی تاثیر کے لحاظ سے منتہی کے برابر ہوتا ہے۔

۳: دوام عمل استطاعت کے مطابق ہوتا ہے جو نشاط کا باعث ہوتا ہے تو اس پر پھر ثواب بھی ملتا ہے کثرۃ عمل میں نشاط نہ ہو گا تو ثواب خاک ملے گا ___؟

۴: دوام عمل کی مثال یومیہ ملاقات کی طرح ہے اور کثرۃ عمل کی مثال ایسے ہے ایک مرتبہ دن رات بیٹھے رہے اور پھر ایک دوسرے سے بیزار ہو گئے۔

۵: دائمی عمل پوری زندگی کی خدمت کی طرح ہے اگرچہ کم ہی ہو۔

۶: عزم عمل دوام عمل سے ہوتا ہے۔ جو ایک دن بہت زیادہ کر لیتا ہے وہ اگلے دن کا عزم نہیں رکھتا۔

خلاصہ یہ کہ دوامِ عمل سے ازدیادِ محبت ہوتا ہے۔



32 بَاب زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَزِدْنَاهُمْ هُدًى} {وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا} وَقَالَ {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ} فَإِذَا تَرَكَ شَيْئًا مِنْ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنْ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنْ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنْ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ قَالَ أَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِيمَانٍ مَكَانَ مِنْ خَيْرٍ.

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَوْنٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ الْيَهُودِ قَالَ لَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَءُونَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا قَالَ أَيُّ آيَةٍ قَالَ {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا} قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.

ترجمہ: ایمان کے بڑھنے اور کم ہونے کا بیان

اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ کہف میں فرمایا) ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور (سورۃ مدثر میں ہے) ایمانداروں کا ایمان اور بڑھے اور (سورۃ مائدہ میں ہے) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کیا اور (قاعدہ ہے) جب پورے میں سے کوئی کچھ چھوڑ دے تو وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر بھی بھلائی (ایمان) ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا اور جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا اور اس کے دل میں گیہوں برابر بھلائی ہو تو وہ ایک نہ ایک دن ضرور دوزخ سے نکلے گا اور جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی ہو وہ ایک نہ ایک دن ضرور دوزخ سے نکلے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں یہی حدیث دوسری سند سے بھی ہے اور اس میں من خیر کی جگہ من ایمان ہے۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک یہودی نے کہا: اے امیر المؤمنین تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جو تم پڑھتے رہتے ہو اگر وہ آیت ہم یہودلوگوں پر اترتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ یہودی نے کہا یہ آیت ہے "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر دیا اور اپنا احسان تم پر تمام کر دیا

اور میں نے دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا''۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہم اس دن کو جانتے ہیں اور اس جگہ کو بھی جس میں یہ آیت آنحضرت ﷺ پر اتری۔ یہ آیت آپ ﷺ پر جمعہ کے دن اتری جب آپ عرفات میں کھڑے تھے۔

غرض ترجمہ:

غرض باب ترجمہ سے بھی واضح ہے۔

یہی مضمون ماقبل میں مختلف عنوانات سے گذر چکا ہے۔ ازدیاد سے نقصانِ عمل وایمان بھی ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن بنی الاسلام علی خمس کی روایت میں بالتصریح اسلام کی کمی بیشی کا تذکرہ تھا۔ اب بطورِ خاص بالتصریح ایمان کی کمی بیشی کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک آیت کا اضافہ ہے وہ یہ ہے:

الیوم أکملت لکم دینکم ــــــ گویا دین میں اکمال ثابت کر کے ترجمۃ الباب کو ثابت فرمایا ہے کہ اکمال زیادتیٔ ایمان کی طرف مشعر ہے۔ تو نقصان ایمان ثابت ہو گیا ــــ

فاذاترک شیئاً:

سوال: امام بخاریؒ نے جو آیات پیش فرمائیں ان سے زیادتیٔ ایمان ثابت ہوتی ہے مگر نقصان کی کوئی دلیل نہیں ذکر کی۔

جواب: فاذاترک شیئاً جواب ارشاد فرمایا۔ جو کمالِ دین کو چھوڑے گا تو نقصانِ ایمان از خود ثابت ہو جائے گا۔

تشریح حدیث

قولہ من ایمان مکان خیر

امام بخاریؒ کا اس باب میں ایمان کی کمی بیشی بیان کرنا مقصود تھا۔ تو متن میں وہ روایت لائے جو خیر کے ساتھ ہے۔ اور بعد میں تعلیق کے ساتھ تعیین فرمادی کہ اس روایت میں خیر سے مراد ''ایمان'' ہے۔ سابقہ مقام پر جہاں باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال لائے تھے اور زیر بحث ''اعمال'' کا تفاضل تھا۔ وہاں وہ روایت لائے جس کے متن میں لفظِ ''ایمان'' ہے۔ اور تعلیق کے ساتھ ''خیر'' کی تعیین کی کہ یہاں ایمان بول کر خیر یعنی اعمال مراد ہیں۔

خیر کے مختلف درجات، شعیرہ، برۃ اور ذرۃ سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ (کشف 461/2)

ذرۃ۔ ۱: رأس النملۃ۔ ۲: اخف الموزونات۔ ۳: سورج کی شعاعوں میں جو شیٔ نظر آتی ہے وہ ذرہ ہے۔ ۴: ہاتھ پر لگی مٹی جھاڑنے سے جو ریزے جھڑ جاتے ہیں وہ ذرات ہیں۔ (درس شامزئی 161)

ظاہر نظر میں یہاں برعکس بہتر معلوم ہوتا ہے کہ حدیثِ انس باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال میں ذکر کی جاتی اور حدیث ابوسعید خدریؓ کا اس باب زیادۃ الایمان و نقصانہ میں نقل کیا جانا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت امام بخاریؒ کا یہ تفنن ہے جس سے تشحیذِ اذہان بھی مقصود ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خیر بول کر ایمان یا

ایمان بول کر خیر مراد لیا جائے۔ دونوں کی گنجائش ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ طرز ترجمہ اس لئے بھی اپنایا کہ سابقہ باب میں جو حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے تو یہی روایت بالتفصیل مسلم شریف میں بھی آتی ہے۔ اس میں قیامت میں مسلمان سفارش کرتے ہوئے کہیں گے ہمارے بھائی ہمارے ساتھ روزہ رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، لہٰذا ان کو جہنم سے خلاصی دی جائے۔ اس تفصیلی روایت کے اعتبار سے امام بخاریؒ کا فرمانا یہ ہے کہ ایمان سے "خیر" یعنی اعمال مراد ہیں۔ جس سے تعلیق کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انسؓ کی روایت جو مسلم شریف میں ہے۔ اس کی تفصیل میں نماز، روزے کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف ایمان ہی کا ذکر ہے۔ تفصیلی روایت سے گویا بتلانا چاہتے ہیں کہ حدیثِ انس میں "خیر" سے مراد ایمان ہے۔ تو تعلیق میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔ گویا ان روایات کو نقل فرماتے ہوئے تفصیلی روایت پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ ایمان کی کمی دو اعتبار سے ہوگی۔ ایک نفسِ ایمان کے اعتبار سے جس کا ذکر اس باب میں ہے۔ اور ایک اعمال کے لحاظ سے جس کا ذکر باب **تفاضل اهل الایمان فی الاعمال** میں ہے ___ جس سے واضح ہو گیا کہ یہ دونوں باب الگ الگ ہیں۔

من قال لا اله الا الله

سوال: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صرف کلمہ توحید منجی ہے۔ کلمہ رسالت کی ضرورت نہیں۔

جواب ۱: یہاں پر ساری امم کی نجات کا ذکر مقصود ہے۔ اور تمام امم کیلئے مشترک کلمہ توحید ہی ہے ___ نیز جزوِ مشترک کے بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ جزو رسالت کی ضرورت نہیں۔

جواب ۲: بسا اوقات کسی چیز کا ایک عنوان عرفاً و شرعاً مقرر ہوتا ہے تو اسی عنوان کے تحت تمام اجزائے ضرور یہ ملحوظ ہوتے ہیں۔ اگرچہ فرداً فرداً ان کا ذکر نہ کیا جائے۔ جیسے یہ کہا جائے قل ہو اللہ پڑھو مراد پوری سورت ہے۔ محض قل ہو اللہ نہیں ہے۔

جواب ۳: ایمانِ خداوندی ایمانِ رسالت کو مستلزم ہے۔ تو رسالت پر ایمان استلزاماً مقصود ہے۔ اس لئے کہ کلمہ طیبہ کے بتلانے والے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان پر ایمان ہوگا تو **لا اله الا الله** پر ایمان ہوگا۔

ان رجلاً من الیهود:

کہا گیا ہے اس رجلاً کا مصداق کعب احبار تھے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

لاتخذنا ذلک الیوم عیداً:

سوال: یہود کہتے تھے اگر یہ آیت ہمارے ہاں نازل ہوتی ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ سوال یہ ہے حضرت عمرؓ نے اس کو عید تسلیم کیا یا نہیں ___؟

جواب ۱: عید بنانا تسلیم کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ عرفہ اور جمعہ پہلے سے عید ہی تھی۔ یعنی آیت کے نزول کا انتخاب عید کے روز ہی ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے عید بنانے کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ مقصود یہ ہے ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم از خود عید بنائیں۔ آپ ﷺ جس روز کو عید فرمائیں گے تو عید ہے۔

و کلاهما بحمد الله لنا عید:

یہ جملہ تفضیلی حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے۔ (کشف 477/2)

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: آیت کا نزول ایک کی بجائے دو عیدوں میں ہوا۔ جمعہ اور عرفہ۔

اشکال: حدیث ابان کو اصالۃً نہیں لائے بلکہ تبعاً لائے۔ حالانکہ حدیث ابان میں تحدیث کی بھی تصریح ہے اور لفظ ایمان موجود ہے۔ ج: ہشام اور ابان میں ہشام ثقہ ہے۔ لہٰذا اس کو اصالۃً لائے اور ابان کو تبعاً لائے۔ (درس شامزئی 165)

فائدہ: بعض شراح نے لکھا ہے: اس دن پانچ وجوہ سے عید تھی، ۱: یوم الجمعہ۔ ۲: یوم العرفہ، ۳: یہود کی بھی عید تھی۔ ۴: اتفاق سے اس دن نصاریٰ کی عید تھی۔ ۵: مجوسیوں کا نیروز اسی دن تھا۔ (درس شامزئی 166)

33 بَابُ الزَّكَاةُ مِنَ الْإِسْلَامِ

وَقَوْلُهُ {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ}

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ يَقُولُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ يُسْمَعُ دَوِيُّ صَوْتِهِ وَلَا يُفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ

قَالَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ.

ترجمہ:۔ زکوٰۃ دین اسلام کا ایک شعبہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول حالانکہ ان کو نہیں حکم دیا گیا تھا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور یہی پکا دین ہے۔

طلحہ بن عبید اللہ کہتے تھے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اہل نجد میں سے اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہم اس کی آواز کی بھنبھناہٹ سنتے تھے اور اس کی بات سمجھتے نہیں تھے حتیٰ کہ وہ قریب ہوا۔ پس اچانک وہ سوال کر رہا تھا اسلام کے متعلق۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنا ہے۔ اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر نماز ہے

؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور رمضان کے روزے رکھنا، اس نے کہا اس علاوہ بھی مجھ پر روزہ ہے ؟ فرمایا نہیں مگر یہ تو نفل رکھے۔ طلحہؓ کہتے ہیں آپ ﷺ نے اس کے سامنے زکوٰۃ کا تذکرہ کیا اس نے کہا کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی ہے؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل صدقہ دے۔ راوی نے کہا وہ شخص واپس ہوا یہ کہتا ہوا کہ اللہ کی قسم میں اس پر نہ زیادتی کروں گا نہ کمی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوا۔

تعارفِ رواۃ

حدیث کی سند میں پانچ نمبر راوی حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ ہیں۔ ان کی کل مرویات ۳۸ (اڑتیس) ہیں۔ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ بصرہ میں مدفون ہیں۔ واقعہ جمل میں دس جمادی الاولیٰ 36ھ میں آپ شہید ہوئے آپ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ دو حدیثیں متفق علیہ دو میں امام بخاریؒ اور تین میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔ (کشف ج2 ص 482) تدفین کے تیس سال بعد بیٹی کو خواب میں زمین کی رطوبت کی شکایت فرمائی۔ قبر کشائی کے بعد دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ سر کے بالوں کا وہ حصہ جس کے ساتھ زمین کی رطوبت تھی تھوڑا سا متاثر تھا پورے جس پر کوئی تغیر نہ تھا۔ (جو قبر میں دلیل حیات ہے۔) [کشف 483/2]

غرضِ ترجمہ ۱: زکوٰۃ جزوِ اسلام ہے۔ حضرت امامؒ ثابت فرما رہے ہیں جیسے دیگر ارکان اسلام کا جزو ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی اسلام کا جز ہے۔ حضرات احنافؒ اس کو کمالِ اسلام وایمان پر محمول کرتے ہیں۔

غرضِ ترجمہ ۲: امام بخاریؒ ایمان کے شعبے بیان فرما رہے تھے تو ایک شعبہ زکوٰۃ بھی ہے۔ اس کا بیان فرما رہے ہیں۔ جو ایمان کے اہم ترین شعبوں میں سے ہے۔ نیز مقصود مرجیہ کی تردید بھی ہے۔

تشریح حدیث

وذلک دین القیمۃ: یہ محلِ استدلال ہے۔ کیونکہ ذلک کا اشارہ اعمال یعنی زکوٰۃ کی طرف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ دین ہے اور قرآن کریم میں ان الدین عند اللہ الاسلام ہے۔ اس سے معلوم ہوا زکوٰۃ اسلام میں سے ہے۔

جاء رجل رجل سے مراد حضرت ضمام بن ثعلبہؓ ہیں۔ عند البعض اس روایت میں نجد سے آنے والے حضرات ہیں ــــ حضرت ضمام بن ثعلبہؓ کا واقعہ اور ہے۔ لیکن اکثر کے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ اس سے مراد حضرت ضمام بن ثعلبہؓ ہی ہیں۔

من نجد:

نجد اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں تہامہ ہے۔ پست جگہ کو تہامہ کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان حجاز کا علاقہ ہے۔

دوِیِّ صوتہ: اس کی آواز کی بھنبھناہٹ۔ شہد کی مکھیوں کی طرح جو آواز ہوتی ہے اسکو دویّ کہتے ہیں۔

سوال: یہ آواز کس چیز کی تھی ــــ؟ **جواب ۱:** سرعۃ سیرِ رجل کی تھی۔

جواب ۲: مسافر کی تنہائی میں کچھ گنگناہٹ ــــ یہ مسافر بھی گنگنا رہے تھے۔

جواب ۳: جوابات پوچھی تھی اس کو دہرارہے تھے۔

ثائر الراس:

بکھرے بال والا ــــ اس سے معلوم ہوتا ہے طالب علم کو سیدھا سادھا رہنا چاہیے۔ کنگھی، ٹھی کا اس کو وقت ہی نہ ملے۔

خمس صلوٰت فی الیوم واللیلۃ:

سوال ۱: آپ ﷺ نے جواب میں شہادتین کا تو ذکر فرمایا نہیں ــــ؟

جواب ۱: شہادتین کا جواب دیا تھا لیکن حضرت طلحہؓ نے ان سے سنا نہیں تھا۔

جواب ۲: شہرت کی وجہ سے نقل وبیان کی ضرورت محسوس نہ کی ــــ کیونکہ وہ مسلمان تھے۔

سوال ۲: سوال اسلام کے بارے میں ہے۔ جوابات میں شرائع اسلام کا ذکر کیا ہے؟

جواب: سوال بھی شرائع اسلام کے بارے میں ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں بھی اس کی تصریح ہے جیسا کہ اسماعیل بن جعفرؒ کی روایت میں عام الفاظ میں فاخبرہ بشرائع الاسلام۔ آپ ﷺ نے اسلام کے تمام احکام بتائے۔ (فضل 501/1)

الا ان تطوع اس جملہ کے تحت دو اختلافی مسائل ہیں۔

(۱) نوافل بالشروع لازم ہوتے یا نہیں؟

عند الاحناف لازم ہوجاتے ہیں ــــ جمہور کے ہاں لازم نہیں ہوتے۔

دلائل احناف:

(۱) ولا تبطلوا اعمالکم۔ اعمال کو باطل کرنے کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے اور ضابطہ ہے کہ النھی عن الشیء امر بخلافہ دوسرا ضابطہ ہے الامر للوجوب۔ ان دونوں کو ملانے سے نتیجہ حاصل ہوا شروع کرنے کے بعد اعمال کے اتمام کا وجوب ہے۔

(۲) یاایھا الذین أمنوا اوفوا بالعقود۔ عقد وعہد ایک قولی ہوتا ہے اور ایک فعلی۔ قولی جیسے کوئی منت مان لے: علیّ رکعتان، یا علیّ صوم۔ اور فعلی جیسے کسی کام کی نیت کر کے شروع کردے۔ جس طرح قولی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے اسی طرح فعلی نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ (۳) روزے اور حج میں جمہور بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ شروع کرنے سے واجب ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا باقی اعمال کا بھی وجوب ہونا چاہیے۔

دلیل جمہور: الا ان تطوع میں استثنیٰ منقطع مان کر دلیل بناتے ہیں۔ گویا تطوع (یعنی نوافل) فرائض وواجبات میں داخل نہیں۔ تو لزوم بھی نہیں ہوسکتا ــــ

جواب من الاحناف: استثنیٰ میں اصل متصل ہوتا ہے اور متصل ماننے کی صورت میں یہ احناف کی دلیل بن جاتی ہے۔ کہ نوافل جنس صلوٰۃ میں داخل ہے۔ تو نفل بھی ماقبل کی جنس صلوٰۃ سے ہوئے۔ معنیٰ یہ ہوگا: مگر یہ کہ آپ نفل شروع کردو۔ وہ بھی شروع کرنے سے واجب ولازم ہوجائیں گے۔ جیسے فرض نمازیں لازم ہیں۔

مسئلہ ثانیہ وجوب وتر

عندالاحناف وتر واجب ہیں۔مگر جمہور کے ہاں واجب نہیں۔البتہ سنن میں سے مؤکد ترین سنت وتر ہیں۔اور اس درجہ پر ہیں کہ اس کی قضا بھی کی جاتی ہے۔

دلیل جمہور: یہی الا ان تطوع ــــــ جبکہ استثنیٰ منقطع مانا جائے۔گویا فرائض وواجبات کی جنس میں سے نہیں ہے۔جنس سنن میں سے ہے۔

جواب۱: یہ وجوب وتر سے پہلے کا واقعہ ہے۔اس لئے یہاں صرف فرائض کا بیان ہے اور اس کے بعد نوافل ہیں۔وتر زیر بحث ہی نہیں۔

جواب۲: احناف وتر کو سادس المکتوبات قرار نہیں دیتے اسے فرض قرار دیں تو خمس صلوات سے اعتراض ہوسکتا ہے۔(کشف)

جواب۳: من نسی الوتر او نام عنہا فلیصلہا اذا ذکر، حکم قضا واجبات میں ہے سنن میں نہیں۔(نصر الباری 317/1)

جواب۴: تطوع سے مراد عام ہے کہ فرض نہ ہو۔گویا اصطلاحی تطوع مراد نہیں جو فرض،واجب،سنت کے بعد اور مقابل ہوتا ہے۔یہاں صرف مراد یہ ہے کہ فرض نہ ہو۔یعنی فرض کے بعد عام ہے کہ واجب ہو یا سنت ہو یا نفل ہو۔

جواب۵: یہاں (الا ان تطوع) سے وتر کی نفی ہی نہیں ہوتی۔اس لئے کہ عشاء کی نماز کے تابع ہو کر پہلے آچکے ہیں۔کیونکہ عشاء سے پہلے ادا ہی نہیں کیے جاتے۔

جواب۶: انوکھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے تحت یہ بحث چھیڑنا ہی مناسب نہیں ہے کیونکہ نومسلم کو احکام بالتدریج بتائے جاتے ہیں۔

جواب۷: یہ الا ان تطوع کا لفظ زکوۃ کے بارے میں بھی آیا ہے مگر صدقۂ فطر کا بالاجماع دیگر دلائل سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔تو وتر بھی دیگر دلائل سے واجب ہیں۔کم ازکم "قضا" کے "وجوب" کے سب ہی قائل ہیں۔

سوال: الا ان تطوع کو احناف استثنیٰ متصل تسلیم کرتے ہیں۔اس پر اعتراض ہے نفل تو شروع کرنے کے بعد لازم وواجب ہوتے ہیں اور مستثنیٰ منہ کی جنس فرائض ہیں تو نفل شروع کرنے کے بعد جب واجب ہیں تو اس کی جنس میں سے تو نہ ہوئے؟

جواب: اتحادِ جنس باعتبار عمل کے ہے۔کیونکہ عملاً وجوب وفرض میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔اگرچہ عقیدۃً فرق ہے۔فرض کا منکر کافر ہے۔اور واجب کا منکر کافر نہیں ــــ تو نفل کا وجوب بالشروع فرضِ اعتقادی نہیں ہے لیکن فرضِ عملی ہے۔تو مستثنیٰ منہ میں داخل ہے۔

سوال: جب استثنیٰ منقطع بن سکتا ہے سب بناتے ہیں۔تو احناف بھی اس اتحاد میں شامل ہوجائیں ــــ یہ تو تعصب ہے۔

جواب: جب اور دلائل سے وجوبِ نفل بالشروع ثابت ہے تو تعصب پر نہیں بلکہ تائید پر محمول کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کتاب الصوم نسائی سے روایت پیش کی ان رسول اللہ ﷺ ینوی صوم التطوع ثم یفطر ــــ نیز حضرت جویریہ بنت حارثؓ کو جمعہ کے روزہ شروع کرنے کے بعد افطار کا حکم فرمایا۔دونوں روایات میں افطار کا ذکر ہے قضا کا نہیں۔

علامہ عینیؒ نے تعجب فرمایا حافظؒ اُن روایات کو کیسے بھول گئے جن میں قضا کا حکم ہے۔حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ کا روزہ تھا بکری کا گوشت ہدیہ آیا دونوں نے اس میں سے کچھ کھالیا آپ ﷺ نے فرمایا: صوما یوما مکانہ (مسند احمد) دارقطنی میں روایت ہے حضرت ام سلمہؓ نے نفلی روزہ توڑا فرمایا: ان تقضی یوما مکانہ ___ ان روایات سے لزوم قضا معلوم ہوتا ہے اور الا ان تطوع میں مستثنیٰ متصل ہے ___

حدیث ام ہانی رضی اللہ عنہا الصائم المتطوع امیر نفسہ ان شاء صام وان شاء افطر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کی بناء پر روزہ توڑنا جائز ہے ___ لیکن اس میں قضا کرنے نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں تو عدم ذکر قضا سے قضا کی نفی نہیں ہوتی۔(درس شامزئی 171)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے۔ بین الروایات تعارض تسلیم کرلیا جائے تو احادیثِ احناف مثبت ہیں اور احادیثِ شوافع نافی ہیں۔ مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔ نیز مسلک احناف احوط فی العبادۃ ہے چنانچہ کسی طبعی یا شرعی عذر کی بنا پر بھی عمل ناتمام رہ جائے تو قضا لازم ہے۔(فضل الباری 1/3-502)

ھل علی غیرہ:

اشکال: ___ علیّ سے مراد وہ اعمال ہیں جو اللہ کی طرف سے بندہ پر لازم بھی ہوں۔ نوافل بندہ کی طرف سے خود پر لازم ہوتے ہیں؟

جواب: آغاز بندے کی طرف سے ہے بعد از شروع اتمام شارع کی طرف سے لازم کیا گیا ہے۔(ایضا)

ذکر لہ رسول اللہ ﷺ:

یہ راوی کی احتیاط ہے۔ الفاظ کا سہو ہوگیا۔ تو یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص:

سوال: زیادتی کی نفی نہیں سمجھ آتی۔ اس لئے کہ حکمِ مزید آسکتا ہے یا دیگر نوافل، صدقات وغیرہ زیادہ بالکل ہی نہ کریں۔ اس لئے کمی کی نفی سمجھ آتی ہے مگر زیادتی کی نفی سمجھ نہیں آتی۔

جواب ۱: من حیث الفرض کمی بیشی نہیں کروں گا۔

جواب ۲: یہ شخص مُبلّغ قوم تھا۔ مطلب یہ ہے تبلیغِ احکام میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔

جواب ۳: قائل کی مراد لغوی معنیٰ نہیں ہے۔ بلکہ عہد اطاعت سے کنایہ ہے۔ جیسے خریداری کے موقع پر کہا جاتا ہے: میں پورا پورا لوں گا۔ کمی بیشی نہیں کروں گا۔

جواب ۴: ضمام بن ثعلبہؓ کی قسم سے مراد یہ ہے کاروباری آدمی ہوں زیادہ عبادت مجھ سے نہ ہوگی۔(دلیل 263)

جواب۵: یا یہ ہے کہ کیفیت میں کمی بیشی نہ کروں گا ___ یعنی فرض کو غیر فرض اور غیر فرض کو فرض نہ سمجھوں گا۔

جواب۶: قلبی حالت منکشف ہونے کی وجہ سے سنائی . . .(جبکہ عند البعض عمومی شریعت سے استثناء کی بنیاد پر انہیں فرائض پر ہی بشارت جنت ہے) گویا انہی کی خصوصیت ہے عام دستور نہیں جیسے ایک فرد کی گواہی دو کے قائم مقام یا کفار روزہ کے طور پر فدیہ صیام روزے توڑنے والا خود کھالے۔

جواب۷: بعض دفعہ حقیقت قسم مراد نہیں ہوتی تزیین کیلئے کلام میں قسم لے آتے ہیں جیسے غالب کا شعر ہے:

کہ سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا	اتنا ہوں میں تیری تیغ کا شرمندۂ احسان

(دلیل263)

جواب۸: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک لا ازید علی ھذا و لا انقص کا مطلب یہ ہے کہ فرض کو فرض اور نفل کو نفل ہی سمجھوں گا ___ یعنی فرض کبھی چھوڑوں گا نہیں اور نفل کبھی پڑھوں گا کبھی چھوڑوں گا۔ طرفین کو ذکر کر کے طرف واحد کی تاکید ہے۔(انعام 539/1)

افلح ان صدق:

سوال: بعض روایات میں ان صدق کی شرط نہیں ہے۔ بظاہر تعارض ہوا۔

جواب: فلاح کی دو قسمیں ہیں:

فلاحِ کامل، فلاحِ مطلق۔ یہ شرط فلاحِ کامل کے اعتبار سے ہے۔

جواب۲: دو حالتیں ہوتی ہیں:

۱: حالتِ موجودہ۔ ۲: حالتِ مستقبلہ۔ حالتِ موجودہ کے لحاظ سے بلا شرط ہے۔ اور حالتِ مستقبلہ کے لحاظ سے بالشرط ہے۔

سوال: اس روایت میں حج کا ذکر نہیں کیا گیا۔

جواب: اس وقت تک فرضیت حج نہیں ہوئی تھی۔

جواب۲: راوی کا اختصار ہے۔ اس لئے بعض طرق میں ذکر ہے۔

سوال: ایک روایت میں: افلح و ابیہ کے لفظ ہیں ___ جبکہ دوسری روایت میں ہے: من حلف بغیر اللہ فقد کفر و اشرک (ترمذی) نیز فرمایا: لا تحلفوا بآبائکم (بخاری۲) ___ یہ تعارض ہوا۔

جواب۱: حلف لغیر اللہ کی ممنوعیت سے قبل کا واقعہ ہے۔

جواب۲: یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: افلح و رب ابیہ۔ قائل کے بدلنے سے کلام کی توجیہ بدل جاتی ہے۔

جواب۳: یمین لغو پر محمول ہے۔ عرف کے لحاظ سے بول دیا جاتا ہے۔

34 بَاب اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ مِنَ الْإِيمَانِ

جنازے کے ساتھ جانا ایمان میں داخل ہے

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ الْمَنْجُوفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا وَ كَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ تَابَعَهُ عُثْمَانُ الْمُؤَذِّنُ قَالَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی امید سے کسی مسلمان کے جنازہ کی اتباع کرے اور نماز و دفن سے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا، ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو شخص نماز پڑھ کر دفن سے قبل آجائے تو ایک قیراط لے کر واپس آئے گا۔

تشریح حدیث۔۔۔۔

ربط: ماقبل میں زکوۃ کا ذکر تھا زکوۃ کا مصرف غرباء و مساکین ہیں جو اعانت غیر کے محتاج ہیں ــــ اسی طرح میت اپنی منزل تک پہنچنے میں دوسرے کی اعانت کے محتاج ہے ــــ باب سابق میں احتیاج دنیوی کا ذکر ہے اور یہاں بعد از حیات کی احتیاج کا ذکر ہے مسافر آخرت کے سلسلہ میں لاپرواہی نہ کی جائے۔ اہتمام سے الوداع کہا جائے اس لئے چھوٹی حسنات کا اجر غیر معمولی طور پر بڑھا دیا گیا ہے۔ (فضل الباری 508/1)

جنازہ کا اطلاق چارپائی اور میت دونوں پر آتا ہے۔ جنازہ بفتح الجیم لاش اور بکسر الجیم وہ تخت جس پر لاش رکھی جائے اطلاق دونوں طرح ہے۔ (دلیل 264)

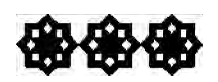
غرض ترجمہ: اتباع جنائز بھی شعبۂ ایمان ہے۔ ایمانا و احتسابا کی تفصیل گذر چکی ہے۔

اشکال: حدیث ابان کو اصالۃً نہیں لائے بلکہ تبعاً لائے۔ حالانکہ حدیث ابان میں تحدیث کی بھی تصریح ہے اور لفظ ایمان موجود ہے۔ ج: ہشام اور ابان میں ہشام ثقہ ہے۔ لہٰذا اس کو اصالۃً لائے اور ابان کو تبعاً لائے۔ (درس شامزئی 165)

تابعہ عثمان المؤذن الی نحوہ۔ امام بخاریؒ فرق بتانا چاہتے ہیں میری روایت باللفظ ہے اور عثمان مؤذن کی روایت بالمعنی ہے۔ بجائے مثلہ کے نحوہ سے تعبیر کیا۔ (فضل الباری 509/1)

مسئلہ اختلافیہ: جنازہ سے آگے چلنا چاہیے یا پیچھے؟

احناف کے نزدیک پیچھے چلنا چاہیے۔ اس میں تعظیم میت ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ حدیث میں ہے: الجنازۃ متبوعۃ۔
عند الشوافع: آگے چلنا چاہیے۔ جنازہ پیچھے ہو۔
دلیل ۱: حضرات شیخین ؓ آگے چلتے تھے۔
جواب: یہ ہے وہ دونوں خلفاء وامراء تھے۔ اگر وہ پیچھے چلتے تو لوگ بہت پیچھے ہوتے۔ وہ انتظاماً آگے چلتے تھے۔ میت کو پیچھے کرنا مقصد نہیں ہوتا تھا۔
دلیل ۲: جنازے کے شرکاء شفعاء ہیں۔ (گویا میت مجرم ہے) اور اہل سفارش آگے چلا کرتے ہیں۔ (جئنا شفعاء فاغفرلها وارحمها)
جواب: یہ ہے میت کو مجرم سمجھنے کا نظریہ درست نہیں، ایسا ہوتا تو میت کو خفیہ لے جایا جاتا نہ کہ غسل، سفید کپڑے، خوشبو وغیرہ کے ذریعہ تعظیم کی جاتی۔
جنازہ موحد کو بطور نذرانہ وہدیہ غسل وخوشبو عمدہ کپڑوں کے بعد مسلمانوں کے کندھوں پر بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جاتا ہے یہ امور تزیینی ہیں، سفارش کے درجہ میں مفلوک الحال ہونا اور قابل ترحم حالت چاہیے۔ نیز جن روایات سے جنازہ سے آگے چلنا معلوم ہورہا ہے وہ فعلی ہیں ان کے مقابلہ میں حنفیہ کی روایت قولی ہے۔ (درس بخاریؒ 283)
حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے جب یہ روایت پہلی بار سنی تو بطور حسرت وافسوس ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو بہت قیراط ضائع کردیئے ____ مزاج صحابہ ؓ میں نوافل وسنن کا بہت اہتمام تھا۔ مگر آج کل علماء وصلحاء میں عمل کی حیثیت معلوم ہونے پر کہ فرض ہے، واجب ہے یا سنت ونفل ہے۔ ترک نوافل ومستحبات عام ہوگیا ہے۔ یہ صورت حال حضرات صحابہ کرام ؓ کے مزاج کے خلاف ہے۔ الغرض فضائل اعمال کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اصطلاحات وجوب وسنن کو ترک عمل کا ذریعہ نہ بنائے۔ اپنے فرائض منصبیہ اور صحت کا خیال کرتے ہوئے فضائل کا خوب اہتمام کیا جائے۔
فائدہ: یہ قیراطین کا تثنیہ ہے، نصف دانق کو کہتے ہیں اور عمدۃ القاری میں (۱) دینار کا بیسواں حصہ (۲) چوبیسواں حصہ لکھا ہے ____ لیکن یہاں قیراط سے کل قیراط مثل احد کا معنیٰ ہے اور کل والی روایت میں قیراط کا اصلی معنیٰ مراد ہے۔ کیونکہ ثواب میں زیادہ سے زیادہ مراد ہوتا ہے اور عقاب وعذاب میں کم سے کم مراد ہوتا ہے۔ (درس شامزئیؒ 174)



35 بَاب خَوْفِ الْمُؤْمِنِ مِنْ أَنْ يَحْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي إِلَّا خَشِيتُ أَنْ أَكُونَ مُكَذَّبًا وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَدْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ إِنَّهُ عَلَى إِيمَانِ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَيُذْكَرُ عَنْ الْحَسَنِ مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَمِنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ وَمَا يُحْذَرُ مِنْ الْإِصْرَارِ عَلَى التَّقَاتُلِ وَالْعِصْيَانِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ}

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنْ الْمُرْجِئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ وَإِنَّهُ تَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ الْتَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ.

ترجمہ: مومن کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس کے عمل مٹ جائیں اور اس کو خبر نہ ہو

اور ابراہیم التیمیؒ نے کہا جب میں نے اپنے قول کو اپنے کردار کے ساتھ ملایا تو مجھے ڈر ہوا کہیں میں (شریعت کے) جھٹلانے والوں (کافروں) میں سے نہ ہوں۔ اور ابن ابی ملیکہؒ نے کہا میں سرور کائنات ﷺ کے تیس صحابہ سے ملا ان میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا خوف تھا۔ ان میں سے کوئی یوں نہیں کہتا تھا میرا ایمان جبرائیل اور میکائیل کے ایمان جیسا ہے۔ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے نفاق سے وہی ڈرتا ہے جو ایماندار ہوتا ہے اور اس سے بے خوف وہی ہے جو منافق ہے۔ اس باب میں آپس کی لڑائی اور گناہ پر پکار رہنے اور توبہ نہ کرنے سے بھی ڈرایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ آل عمران) میں فرمایا "اور وہ اپنے (برے) کام پر جان بوجھ کر اڑا نہیں کرتے"۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نکلے لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے پس مسلمانوں میں سے دو آدمی جھگڑا کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے نکلا تھا اور فلاں فلاں جھگڑا کر رہے تھے بس وہ اٹھا لی گئی اور قریب ہے وہ بہتر ہو تمہارے لئے تم اس کو سات، نو اور پانچ کی رات میں تلاش کرو۔

ربط:

امام بخاریؒ یہاں سے مضرات ایمان کو بیان فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے مکملات ایمان بیان فرماتے رہے۔ گویا اس باب کا تعلق "کفر دون کفر" اور "ظلم دون ظلم" کے ساتھ ہے۔

غرض ترجمہ:

امام بخاریؒ کی غرض اس سے مرجیہ کی رد ہے۔ جو اس بات کے قائل ہیں کہ معصیت ایمان کے ساتھ نقصان دہ نہیں ہے۔ جیسے کفر کے ساتھ نیکی فائدہ مند نہیں۔ ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ معصیت ایمان کے ساتھ نقصان دہ ہے۔

خوفِ کفر

وھو لا یشعر: اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔

(۱) اس طرف اشارہ ہو کہ انسان کو بسا اوقات پتہ بھی نہیں ہوتا کہ مجھ سے گناہ ہوا ہے۔

(۲) گناہ کا تو علم ہو مگر یہ پتہ نہیں کہ ایمان اس گناہ سے باقی رہے گا یا چلا جائے گا۔

وھو لا یشعر: اس سے حضرات علماء کرام نے علم الکلام کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ بے شعوری میں اگر کوئی کلمۂ کفر کہہ لے تو کافر ہوگا یا نہیں ــــــ؟ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ کلمات کفر جب بالقصد کہے جائیں تو کفر ہے۔ اگر بلا قصد کہے تو کفر نہیں ہے ــــــ علامہ کرمانیؒ نے اس کا رد کیا ہے کہ کلمات کفر کہنے سے خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔ خواہ قصد کے ساتھ کہے یا بلا قصد کہے (مزید اصول تکفیر میں ہے) ــــــ یہی جمہور کی رائے ہے۔ امام بخاریؒ نے اسی قول کی تائید فرمائی ہے۔ چنانچہ وھو لا یشعر بڑھا کر اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وما یحذر من الاصرار علی التقاتل والعصیان

اگر کوئی شخص بغیر توبہ کے گناہ کرتا رہتا ہے اور گناہوں پر مُصِر ہے تو اس کو ڈرایا جائے گا ــــــ اس کا عطف خوف المومن ان یحبط پر ہے۔ اور یہ دوسرا ترجمہ ہے۔ پہلے ترجمہ کا حاصل یہ ہے صالحین بے فکر نہ ہو جائیں۔ دعویٰ میں مبتلا نہ ہوں۔ ڈرنا چاہیے کہ حبطِ اعمال نہ ہو جائے۔ دوسرا ترجمہ کا مقصد یہ ہے طالحین یعنی گناہ گاروں کو توبہ کی ترغیب ہے کہ گناہوں پر اصرار نہ کریں۔

خلاصہ دونوں کا ایک ہے کہ معصیت ایمان کیلئے نقصان دہ اور مرجیہ کا رد ہے۔

قال ابراھیم التیمی: یہاں سے امام بخاریؒ دلائل شروع فرما رہے ہیں۔ (کہ معصیت مضر ہے۔)

ماعرضتُ قولی: قول سے مراد عقیدہ یا وعظ ہے۔

الا خشیت ان اکون مکذِباً ــــ یا مکذَباً

اسم فاعل ہو تو دو تفسیریں ہیں۔ (۱) مجھے ڈر ہے کہ میں وعظ کرتا ہوں اور اس پر عمل نہیں کرتا تو میں نفس کو جھٹلانے والا نہ بن جاؤں۔ (۲) جب میں کہتا ہوں کہ میں مومن ہوں ــــ لیکن جب ایمانی تقاضے کے مطابق میرا عمل نہیں ہوتا تو مجھے ڈر ہے میں اپنے عقیدہ ایمان کو جھٹلانے والا نہ بن جاؤں۔ جب اس کو مکذَباً اسم مفعول مانیں تو پھر مطلب یہ ہے مجھے خطرہ ہے میں جھٹلایا نہ جاؤں کہ وعظ میں فلاں مسئلہ بیان کیا مگر اس کے مطابق عمل نہ کیا۔ گویا لوگ مجھ کو واعظ بے عمل کہیں۔ ــــ تاہم یہ قول حضرت ابراہیم تیمیؒ کی تواضع پر محمول ہے۔ (ابراہیم دو ہیں۔ ابراہیم نخعی اور ابراہیم تیمی)

قال ابن ابی ملیکہ ــــ

فرماتے ہیں حضرات صحابہ کرامؓ میں سے تیس حضرات کو پایا جن کو اپنے پر نفاق کا ڈر تھا۔ یہ ان کے غایتِ ورع و تقویٰ کا اثر تھا۔ اس لئے وہ ہمہ وقت اخلاص کے درجہ کمال کی تلاش میں رہتے تھے۔ اور نفاق کا ڈر گھیرے رکھتا تھا۔

خوفِ نفاق

سوال: کس نفاق کا خوف تھا۔ نفاق واضح چیز ہے۔ جب ان کا عقیدہ درست ہے تو پھر ڈر کیسا ــــ ؟

جواب: نفاق کی چار اقسام ہیں۔ ۱: اعتقادی۔ یہ تو نہیں تھا۔ ۲: عملی۔ اس کا بھی خوف نہیں تھا جو فسق ہوتا ہے۔ ۳: نفاقِ حالی: یعنی تغیر حالت کا خوف تھا۔ جو نہ کفر ہے نہ فسق۔ جیسا کہ حضرت حنظلہؓ وابوبکرؓ کا قصہ: نافق حنظلہ۔ تغیر حالت کی وجہ سے نفاق کا شبہ ہو گیا۔ تو یہ قصہ نفاقِ حالی کی مثال ہے۔ ۴: نفاقِ دلالی۔ کہ دل میں محبت ٹھاٹھیں مار رہی ہو اور اوپر سے اس کے خلاف ظاہر کیا جائے۔ اس کو ہمارے ہاں "ناز و ادا" کہتے ہیں۔ جیسے دلہن کا رونا اور آنسو بہانا۔ لغۃً اس کو نفاق کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ روایتِ سیدہ عائشہؓ: ما اھجر الا اسمک۔

دعویٔ ایمان میں تشبیہ بالملائکہ اور حضرت امام اعظمؒ کا اظہارِ حقیقت

ما منھم احد یقول علی ایمان جبریل و میکائیل:

حضرت امام بخاریؒ کا اس جملہ سے مقصود کیا ہے۔ اس میں تین قول ہیں:-

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں امام بخاریؒ نے مرجیہ کا رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں صدیقین اور غیر صدیقین کا ایمان ایک ہے ــــ تاہم یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ آگے بالصراحۃ نام لیکر مرجیہ کی تردید فرمائی ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں یہ حضرت امام اعظمؒ پر تعریض ہے۔ ان کا ارشاد ہے: ایمانی کایمانِ جبریل و میکائیل۔ [تاہم یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ] شراح بخاری بھی یہ ماننے کو تیار نہیں کہ حضرت امام اعظمؒ پر تعریض ہے۔ نیز اگر حضرت امام صاحبؒ کی طرف قول کی نسبت صحیح ہو تو وضاحت سے معلوم ہو گا کہ آپؒ پر تعریض نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام اعظمؒ سے تین قسم کی روایات منقول ہیں:-

(۱) أومن کایمان جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام لا مثل ایمان جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام "ک" کے ذریعہ تشبیہ ذات میں دی جاتی ہے۔اور "مثل" کے ذریعہ صفات میں دی جاتی ہے۔امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون۔

گویا امام صاحبؒ ذات ایمان اور نفسِ ایمان میں اپنے ایمان کو ایمانِ جبریلؑ ومیکائیلؑ سے تشبیہ دے رہے ہیں ___ لیکن صفات میں نہیں۔بلکہ اس کی نفی فرمارہے ہیں۔

(۲) اکرہ ان قول ایمانی کایمان جبریل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام ___ بل و من کما من جبریل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام ___

اس قول میں حضرت امام صاحبؒ "مؤمَنٌ بہ" کے لحاظ سے تشبیہ دے رہے ہیں نہ کہ "کیفیتِ ایمان" کے لحاظ سے۔کہ جس قدر ایمانیات جبریل ومیکائیل اور تمام مقربین بارگاہ کیلئے ضروری ہیں۔اتنی ہی میرے لئے بھی ضروری ہیں۔بلکہ ہر ادنیٰ مسلمان کیلئے وہ حد متعین ہے۔

لیکن چونکہ یہ نکتہ علماء ہی جانتے ہیں عوام نہیں جانتے لہٰذا ان کے لئے کاف کا استعمال مکروہ ہے۔احتراز میں احتیاط ہے۔(درس شامزئی 178)

(۳) ایمانی کایمان جبریل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام:

چنانچہ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ امام صاحبؒ کی طرف اس جملہ کی نسبت سرے سے ہی غلط ہے۔

علامہ شامیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے ___ اگر اس جملہ کی نسبت کسی درجہ میں صحیح ہو تو یہ جملہ غیر تام ہے۔مطلب ومقصد کے لحاظ سے جو پہلے دو اقوال ہیں ان کی روشنی میں دیکھا جائے۔اور مکمل بات کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ اوپر والی ہے۔

ایمان بالتعلیق

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں ایک اختلافی مسئلہ میں امام بخاریؒ کا جمہور کی طرف سے امام صاحبؒ کا رد کرنا مقصود ہے ___ وہ یہ کہ کوئی شخص "انا مومن" بلا تعلیق (یعنی بغیر ان شاء اللہ) کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

تو جمہور کے نزدیک نہیں کہہ سکتا ___ جبکہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بالجزم کہنا چاہئے ___ تو امام بخاریؒ اس طرح رد فرمارہے ہیں کہ تیس صحابہ کرامؓ اپنے کو مومن کہنے کی بجائے نفاق کا خدشہ محسوس کررہے ہیں چہ جائیکہ حتمی دعویٰ ایمان کریں۔

جواب ۱: امام صاحبؒ کا قول حالتِ موجودہ کے لحاظ سے ہے اور حضرات جمہور کا قول مستقبل کی حالت کے لحاظ سے ہے۔تعلیق کو مستقبل پر محمول کیا جائے۔

الغرض تعلیق نفس ایمان کے لحاظ سے نہیں ہے۔استکمالِ ایمان اور مآلِ ایمان کے لحاظ سے درست ہے البتہ عند الاوزاعی سب صورتوں میں جائز ہے۔

فائدہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایک شخص سے ان شاء اللہ انا مومن کہنے کی دلیل پوچھی تو اس نے کہا: حضرت ابراہیمؑ کی اقتداء کرتا ہوں۔ والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین تو امام صاحب نے کہا: ان کے قول: ''اولم تومن قال بلی'' کا کیوں نہیں اتباع کیا۔۔۔ (درس بخاری 289)

ویذکر عن الحسن: ماخافہ الامومن۔

ویذکر۔۔۔ سے مقصود حضرت امام حسن بصریؒ کی طرف اس قول کی نسبت کا کمزور ہونا بتلانا نہیں۔۔۔ بلکہ روایت بالمعنی کرتے ہوئے امام بخاریؒ بعض اوقات صیغہ تمریض لے آتے ہیں۔ (یہ خاص امام بخاریؒ کی اصطلاح ہے۔)

خافہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔ ا: اللہ تعالیٰ'' کہ مومن ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ ۲: نفاق'' اب معنی ہوگا کہ مومن ہی نفاق سے ڈرتا ہے۔

ضرورتِ توبہ

ومایحذر الی آخرہ:

گناہوں پر اصرار نہ ہونا چاہیے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے: ما اصر من استغفر و ان عاد فی الیوم سبعین مرۃ۔ توبہ سے اصرار زائل ہوجاتا ہے۔ اصرار سے ایمان کے زائل ہونے کا خوف ہے۔۔۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں اس کی صورت یہ ہے: من تھاون بالنوافل تھاون بالسنن ومن تھاون بالسنن تھاون بالفرائض۔ ومن تھاون بالفرائض سلب منہ المعرفۃ و یقع فی الکفر۔۔۔ (اعاذنا اللہ منہ)

اس لئے توبہ صرف تین حروف کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کے تین ارکان ہیں۔ (۱) گذشتہ پر ندامت۔ التوبۃ الندم۔ (۲) طلب معافی۔ (۳) آئندہ ترک کا عزم۔۔۔ (و ان عاد فی الیوم سبعین مرۃ) ان ارکان کے بغیر استہزاء ہے۔

قال سئلت اباوائل عن المرجئۃ

ابووائل: شقیق بن سلمہ کوفی کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دس سال کے تھے۔ آپ ﷺ کا زمانہ پایا۔ زیارت نہ کر سکے۔ اس لئے صحابہؓ میں شمار نہیں ہیں۔ ۸۲ھ میں وصال ہے۔ (نصر الباری 330/1)

نسبتِ ارجاء

یہاں پہلا موقع ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے مرجئۃ کا لفظ صراحۃً استعمال فرمایا۔۔۔ جس سے اس بات پر تنبیہ کرنا ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرجئہ عقائد کے بانی مبانی حسن بن محمد بن حنفیہ بن سیدنا علیؓ ہیں۔ گویا حضرت علیؓ کے پوتے کی طرف نسبت ہے کہ سب سے پہلے اہل السنت والجماعت کے مسلک سے ہٹ کر ارجاء کا عقیدہ انہوں نے اپنایا۔۔۔ لیکن یہ نسبت بالکل غلط ہے۔۔۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جس ارجاء کی نسبت حضرت حسن بن محمدؒ کی طرف ہے اس کی معنیٰ یہ ہیں کہ حضرات شیخین المکرمینؓ کے دورِ خلافت میں ہر طرف امن رہا۔ اور فتنوں نے سر نہیں اٹھایا ـــــ تاہم بعد والے دونوں حضرات کے زمانے میں فتنے ہوئے۔ باہم جنگ وجدال کی نوبت پیش آئی۔ ان میں کون افضل و برحق ہے ـــــ گویا معیارِ افضلیت کو حضرات شیخین سے ارجاء بمعنیٰ موخر کرنا یہ مراد ہے ـــــ یعنی حضرت عثمانؓ وعلیؓ میں کون افضل ہے۔ معلوم نہیں۔ اس لئے کہ دونوں کے دور میں فتن تو ہیں ـــــ جمہور حضرات سے ہٹ کر یہ "ان کا تفرد" ہے۔ نہ کہ ارجاء کا وہ معنیٰ جو ایک فرقہ کا بطورِ مسلک ہے۔ کہ ایمان کے ہوتے ہوئے اعمال غیر ضروری ہیں۔ ان کا فائدہ نہیں ـــــ امام بخاریؒ نے اسی فرقہ کا صراحۃً رد فرمایا۔ جبکہ قبل ازیں "مرجئہ" کا نام لیکر رد نہیں فرمایا تھا۔

مقصودِ ترجمہ

سباب المسلم فسوق و قتاله کفر ـــــ

اس سے ثابت ہوا اعمالِ صالحہ ضروری ہیں۔ اور عمل معصیت سے نقصانِ ایمان ہوتا ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

دین کے دو دائرے ہیں: ایک چھوٹا وہ دینداری کا ہے۔ اس سے نکلنے والا فاسق ہے۔ دوسرا بڑا دائرہ وہ دین کا دائرہ ہے اس سے نکلنے والا کافر ہے۔ (تحفۃ القاری 284)

سوال: مرجئہ کی تردید تو ہوگئی ـــــ لیکن خارجیہ کا مسلک ثابت ہوگیا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں ارتکابِ کبیرہ سے دخول فی الکفر ہوجاتا ہے جس کا قتاله کفر سے بالصراحت دخول فی الکفر ظاہر ہو رہا ہے۔ اسی طرح فسوق سے بھی دخول فی الکفر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے مقابل فاسق کو ذکر فرمایا ہے۔ افمن کان مومنا کمن کان فاسقاً، الخ

جواب: مختلف توجیہات ہیں:-

۱: تغلیظاً بولا گیا۔ ۲: چونکہ یہ اعمال بد مفضی الی الکفر ہوسکتے ہیں اس لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ ۳: تشبیہ پر محمول ہے۔ ۴: مستحل پر محمول ہے۔ جو مومن کا قتل من حیث المومن حلال سمجھتا ہو۔ ۵: یہ جملہ بھی کفر دون کفر کی طرح ہے۔ حدیث الباب میں فسق وکفر کا وہ درجہ مراد نہیں ہے جو خارجِ ملت ہونے کا سبب ہوسکتا ہے۔ نمبر ۶: اگر ارتکاب کبیرہ سے خروج عن الایمان لازم ہوتا تو سباب کو بھی فسوق کی بجائے کفر قرار دیا جاتا۔ (درس شامزئی 180)

یہ قتال کفر دون کفر کے قبیل سے ہے۔ جو انسان کو ملت سے خارج نہیں کرتا۔ سباب مسلم کو فسوق اور قتال کو کفر قرار دینا ـــــ مجھے ذوق سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ آپ ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان سے مسلمان کیلئے سباب کا تو امکان ہے اس لئے فسوق سے تعبیر فرمایا ـــــ مگر مسلمان سے قتال تو ناممکن ہے جیسے کفر ہے ـــــ اس لئے اس کا امکان نہیں۔ حاصل یہ کہ فتویٰ دینا مقصود نہیں بلکہ عمل کی شناعت کا بیان ہے۔ (انعام 552/1)

سوال: فسوق وکفر سے یہاں وہ اعلیٰ درجہ فسق وکفر مراد نہیں تھا جو خارج ملت ہونے کا سبب ہوتا ہے ـــــ تو پھر سباب کیلئے فسوق اور قتال کیلئے کفر کا لفظ الگ الگ کیوں استعمال کیا ـــــ ؟

جواب: سباب کا مسلمان سے وقوع ہوسکتا ہے ___ لیکن یہ بہت بعید ہے مسلمان سے مسلمان قتال کرے۔ تو تنبیہ کے لئے لفظ سخت کفر کا اختیار کیا گیا۔

تشریح حدیث

حدثنا قتیبہ بن مسلم الخ: حضرت امام بخاریؒ کا اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں یہ فرمایا تھا: وما یحذر من الاصرار علی التقاتل و العصیان الخ اس عنوان کے ذیل میں تقاتل سے تقاتل بکل المعنی مراد نہیں ___ بلکہ باہمی نزاع مراد تھا ___ یعنی جب باہمی نزاع کی وجہ سے لیلۃ القدر کی تعیین اٹھ گئی تو باہمی قتال کی وجہ سے بطریق اولی بے برکتی ہوگی ___ اس کے نتیجہ میں "حبطِ اعمال" کا بھی اندیشہ ہے ___ یہاں حدیث الباب کو لانے سے یہی مقصود تھا۔

اس حدیث میں مذکور چند چیزیں:

تعیین شب قدر اور اس کی تلاش۔

سوال: شب قدر دو حال سے خالی نہیں۔ اللہ تعالی کو اس کی تعیین منظور تھی یا نہیں۔ اگر منظور تھی تو ان دو جھگڑا کرنے والوں کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو اتنی بڑی خیر سے کیوں محروم کیا گیا ___؟ اور اگر حق تعالی شانہ کو شروع ہی سے باتعیین بتلانا مقصود نہیں تھا۔ پھر ایک مرتبہ بھی اس کی تعیین کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں ___؟

جواب: شق ثانی کو اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی حق تعالی شانہ کو شروع سے ہی یہی منظور تھا کہ لیلۃ القدر متعین طور پر معلوم نہ ہو ___ باقی رہی یہ بات اولاً تعیین پھر دو مسلمانوں کو باہمی جھگڑے کی وجہ سے تعیین کا اٹھانا اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کی بہت سی حکمتیں ہوسکتی ہیں جو ہم نہیں جان سکتے ___ البتہ ایک واضح حکمت یہ ہے مسلمانوں کو باہمی نزاع کی شناعت پر تنبیہ ہے۔

سوال: اشکال یہ ہے باہمی جھگڑے کی وجہ سے تعیین لیلۃ القدر کی برکت سے محرومی ہوئی ___ لیکن چونکہ اس کو آخری عشرہ میں دائر فرمادیا گیا اور آپ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا: عسی ان یکون خیرا لکم۔ تو یہ جھگڑا تو کثرۃ عبادت کا سبب بن کر "بابرکت ہوگیا"۔

جواب: بہت سی چیزیں اگر چہ تشریعی اعتبار سے بری ہوتی ہیں ___ لیکن مآل کار یعنی تکوینی اعتبار سے ان میں کوئی خیر کا پہلو ظاہر ہوجاتا ہے۔ جس کا تعلق حکمتِ خداوندی سے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت خضرؑ کا واقعہ حضرت موسیٰؑ کی معیت میں کشتی کو توڑنا، یا بچہ کو قتل کرنا یہ سب تشریعی اعتبار سے ناجائز تھا۔ لیکن تکوینی لحاظ سے حکمت پر مبنی تھا ___ تو اس میں تکوینی اعتبار سے یہ بہتری ہوئی کہ دو چیزیں جمع ہوگئیں۔ ۱: جھگڑے کی شناعت و برائی کا ظہور۔ ۲: بہت سی راتوں میں اہتمام عبادت نصیب ہوگیا۔ نیز باتعیین رات ہوتی اور ارتکاب معصیت ہوتا تو بہت ہی بڑی جرأت و بے باکی ہوتی اس سے حفاظت ہوگئی۔

۳: جب طالبین شب قدر کی وصولی کیلئے خوب محنت کریں گے تو عاشقین کیلئے بیداری اور فاسقین کیلئے ستاری ہے۔ اگر سونا چاہیں یا عبادت کم کریں تو کہا جاسکتا ہے کہ بالیقین تو شب قدر نہیں تھی۔

یُخبِر بلیلۃ القدر:

لیلۃ القدر خاص بالرمضان ہے یا سارے سال میں دائر ہے۔
بعض حضرات کا مذہب یہ ہے پورے سال میں گھومتی ہے لیکن ان کے ہاں بھی اکثر اس کا وقوع رمضان شریف میں ہی ہوتا ہے۔
بعض حضرات کے نزدیک رمضان شریف کے ساتھ خاص ہے۔ پھر آگے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے پورے ماہ میں ہو سکتی ہے۔ البتہ عام طور پر آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ دوسرا جمہور کا قول ہے آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے۔ اور پھر ان میں سے بھی طاق راتوں میں ہوتی ہے ــــــ اور زیادہ احتمال شب ۲۷ میں ہے۔ اگرچہ اس کی تعیین بالنص نہیں ہے۔ بعض اہل اللہ کا رجحان یہی ہے۔

فتلاحیٰ رجلان

مراد حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ اسلمی تھے۔ جو باہمی قرض کے بارے میں تنازع کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت کعب بن مالکؓ سے فرمایا آدھا لے لو اور حضرت عبداللہ بن حدردؓ سے فرمایا آدھا دیدو۔ اس پر حضرت کعبؓ نے عرض کیا: میں نے آدھا چھوڑ دیا۔

فرفعت: رفعت سے مراد یکسر رات کا اٹھایا جانا نہیں ہے۔ کما قال بعض الشیعۃ بلکہ تعیین اٹھائی گئی ہے۔ اس کا قرینہ التمسوھا کا امر ہے۔ اس کی تلاش کا حکم دیا جارہا ہے رات ہے تو امر التماس ہے۔

التمسوھا فی السبع والتسع والخمس..

سوال: دوسری روایت میں ہے: التمسوھا فی العشر الاواخر ہے۔ تو یہ تعارض ہے۔
جواب ۱: تعارض نہیں۔ عرف پر محمول ہے۔ مقصد یہ ہے عشرۂ اخیرہ میں تلاش کرو۔
جواب ۲: ان سب اعداد کے ساتھ عشرین کا لفظ محذوف ہے۔ اس سے آخر عشرہ کی طاق راتوں کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمۃ الباب سے انطباق:

دوسری حدیث پہلے ترجمہ کے مطابق ہے۔ کہ جس طرح لیلۃ القدر کی تعیین ایک گناہ کی وجہ سے اٹھ گئی اسی طرح ایمان بھی اٹھ سکتا ہے۔ اور پہلی حدیث سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر کا تعلق دوسرے ترجمۃ الباب سے ہے اور وہ اس سے ثابت ہوتا ہے جیسے سباب مسلم اور قتال مسلم کفر و فسق کا باعث ہے۔ اسی طرح اصرار علی المعصیۃ بھی کفر کا باعث ہوسکتا ہے۔
دوسری حدیث سے دوسرا ترجمہ ثابت کریں یعنی وما یحذر کا جو ترجمہ ہے۔ اس کو لیلۃ القدر والی حدیث سے ثابت کریں۔ وہ اس طرح کہ تلاحی کبھی قتال کا سبب بن جاتا ہے۔ تو تنازع سے روکدیا تاکہ تقاتل کی نوبت نہ آئے تو وما یحذر من الاصرار عن التقاتل سے بھی انطباق ہوگیا۔
اور سباب المسلم فسوق۔ الخ سے پہلا ترجمہ ثابت ہوگیا۔ کہ قتال کفر کا سبب بنتا ہے اور کفر سے حبطِ اعمال ہوجاتا ہے
خلاصہ یہ کہ دونوں حدیثوں سے دونوں ترجمے ثابت ہوسکتے ہیں۔

36 بَاب سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ وَبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ ثُمَّ قَالَ جَاءَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ فَجَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ دِينًا وَمَا بَيَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ مِنْ الْإِيمَانِ وَقَوْلِهِ تَعَالَى {وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ}

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنْ السَّائِلِ وَسَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتْ الْأَمَةُ رَبَّهَا وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْإِبِلِ الْبُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ} الْآيَةَ ثُمَّ أَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ جَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ مِنْ الْإِيمَانِ

ترجمہ: حضرت جبرئیلؑ کا حضور ﷺ سے سوال

ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے علم کے متعلق اور حضور ﷺ ان باتوں کو ان سے بیان کرنا پھر یہ فرمانا کہ یہ جبرئیلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے تو آپ ﷺ نے ان باتوں کو ایمان فرمایا۔ اور اس باب میں اس کا بھی بیان ہے جو آپ ﷺ نے وفدِ عبد القیس کو ایمان کے معنی بتائے اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ آل عمران میں) فرمایا ”اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے تو وہ اس کی طرف سے ہرگز قبول نہ ہوگا“۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ایک دن حضور ﷺ لوگوں میں سامنے بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں جبرائیل آپ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا ایمان کسے کہتے ہیں؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں کا اور اس سے ملنے کا اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرے اور مر کر دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھے۔ اس نے کہا اسلام کیا ہے؟۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرے اور نماز قائم کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔ اس نے پوچھا احسان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی ایسے عبادت کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا تو خیال کر کہ وہ تو تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا قیامت کب آئے گی؟۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے پوچھتا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تجھ کو اس کی نشانیاں بتاتا ہوں: جب لونڈی اپنے مالک کو جنے اور جب کالے اونٹ چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں۔ قیامت ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ ﷺ نے (سورۂ لقمان کی) یہ آیت پڑھی "بے شک اللہ ہی جانتا ہے قیامت کب آئے گی (اخیر تک)" پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو پھر (میرے سامنے) لاؤ (لوگ گئے) تو وہاں کسی کو نہیں دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ جبرائیلؑ تھے لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ امام بخاریؒ نے کہا حضور ﷺ نے ان سب باتوں کو ایمان میں شریک کر دیا۔

ربط:

باب سابق میں مومن کو حبط اعمال سے خوف دلایا گیا تھا۔ اس باب میں یہ بیان ہے کہ مومن آدمی شریعت کی نظر میں کون ہوگا۔ (کشف 582/2)

غرضِ ترجمہ: اس کی دو تفسیریں ہیں

(۱) امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ دین ایمان اسلام شیء واحد ہیں۔ کیونکہ حدیثِ جبریلؑ کے آخر میں "یعلمکم دینکم" ہے ___ حالانکہ سوال ایمان واسلام کے بارے میں تھا۔ اسی طرح آیت میں بھی اسلام کو دین کہا گیا ہے۔ گویا باہمی طور پر انمیں ترادف ہے۔ نیز اس سے بھی ترادف معلوم ہوتا ہے کہ حدیثِ جبریلؑ میں اسلام کے جواب میں جو کچھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہی امور وفد عبدالقیس کیلئے ایمان کی تفصیل میں ارشاد فرمائی۔

(۲) امام بخاریؒ کی غرض رفع تعارض ہے کہ حضرت جبریلؑ نے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یعلّمکم دینکم" معلوم ہوا ایمان واسلام دونوں پر "دین" کا لفظ بولا گیا اور قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے و من یبتغ غیر الاسلام دینا دین کا لفظ صرف اسلام پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے رفعِ تعارض کے طریقے ہیں:

(۱) الوجہ الاول: ایمان واسلام میں اتحاد ذاتی اور تغایر اعتباری ہے۔ کیونکہ ایمان تصدیقِ باطنی مع انقیادِ ظاہری کا نام ہے۔ اور اسلام انقیادِ ظاہری مع انقیادِ باطنی کا نام ہے ___ جب ان میں اتحاد ذاتی ہوا تو کہیں اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور کہیں تغایر اعتباری ہو تو مقابلے میں بھی آسکتے ہیں۔ علماء کے ہاں اس کی تعبیر اس طرح ہے: (یہ قول حافظ ابن رجب حنبلی کا مشہور ہے)

اذا اجتمعا افترقا　　و اذا افترقا اجتمعا

جب دونوں جمع ہوں باہم تغایر کی نشاندہی ہوتی ہے جب جدا جدا ہوتے ہیں تو اس وقت ترادف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) الوجہ الثانی: ایک مقام درس ہے اور ایک مقام وعظ ہے مقامِ درس میں تغایر اور مقامِ وعظ میں اتحاد ہوتا ہے۔ حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کے پاس آئے یہ مقامِ درس تھا اس لئے دونوں کو الگ الگ بیان کیا ___

قرآن کریم میں ایک جگہ ہیں تو وہ مقامِ وعظ ہے۔

(۳) الوجه الثالث: امام بخاریؒ نے صراحۃً رفع تعارض نہیں فرمایا ___ لیکن اس کا مادہ پیش کر دیا ___ وہ یہ کہ ایمان واسلام کی حقیقت لغویہ میں جیسے فرق ہے ___ اسی طرح حقیقت شرعیہ میں بھی اختلاف ہے ___ جیسا کہ حدیث جبریلؑ سے ظاہر ہے ___ لیکن ایمان واسلام درجۂ کمال میں متحد ہیں۔

ایمان اور اسلام متحد المعنیٰ ہوتے تو جبریلؑ دو علیحدہ علیحدہ سوال نہ کرتے آپ ﷺ نے ماالایمان کے جواب میں حقیقت ایمان ہی کو ذکر فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کے علم میں نہیں تھا کہ ازاں بعد اسلام کے بارے میں سوال ہوگا۔ (فضل الباری 252ج1)

سیدنا جبریلؑ کی طالب علمانہ حاضری اور معلم امت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث جبریل میں حضرت جبریلؑ حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آئے۔ لا یعرفہ منا احد اسی پر دال ہے۔

(فضل الباری 527/1)

فاذا رجل: یہاں پر رجل نکرہ ہے بعض طرق میں رجل کے ساتھ کچھ صفات کا بھی ذکر ہے جیسے نسائی میں احسن الناس وجھاً اطیب الناس ریحاً اور لا یمس ثیابہ دنس السفر اور مسلم میں شدید بیاض الثوب شدید سواد الشعر لا یعرفہ احد منا یہ رواۃ کا تصرف ہے۔ (درس شامزئی 183)

سوال: جبریلؑ نے یہ سوال کب کیا ___؟

جواب: راجح یہ ہے حجۃ الوداع کے بعد وصال مبارک سے چند ماہ قبل کیا تھا۔ چونکہ حجۃ الوداع میں اسلام مکمل ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو بھیجا تا کہ صحابہ کرامؓ کو اسلام کا خلاصہ دُھرا دیا جائے۔

چار سوالات کئے۔ ایمان، اسلام، احسان اور ساعۃ۔

بارزاًیوماًللناس:

معنیٰ یہ ہے نمایاں ہو کر بیٹھے۔ اس سے معلوم ہوا نمایاں ہو کر بیٹھنا ثابت ہے ___ شروع میں ایسے بیٹھتے تھے کہ آنے والے کو پتہ ہی نہ چلتا تھا ___ ازاں بعد حضرات صحابہ کرامؓ کی درخواست پر نمایاں ہو کر بیٹھنا شروع فرمایا۔ تا کہ سب کو زیارۃ ہو اور آنے والوں کیلئے سہولت حاصل ہو۔

بعض روایات میں ہے جبریلؑ نے آتے ہی یا محمد کہہ کر پکارا جبکہ اس کی ممانعت ہے ___ نیز سلام بھی عرض نہ کیا۔

جواب: اختصارِ روایت ہے دوسری روایت میں سلام کی تصریح ہے۔ نیز روایات مختلف ہیں۔ بعض میں یارسول اللہ بھی ہے، اشکال نہ رہا۔

یا محمد کی روایات کے لحاظ سے جواب ۱: مبالغہ فی الاخفاء کیلئے بدؤوں کا طریق اختیار کیا۔ جواب ۲: یہ ہے: ممانعت کے مکلف انسان ہیں فرشتے نہیں۔ ۳: معنیٰ وصفی بمقابلہ مذمم مراد ہیں معنی عَلَمی مراد نہیں۔ (نصر الباری 338/1)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام گردنیں نہیں پھلانگ کر آئے۔ اور فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ ووضع یدیہ علی فخذیہ، فخذیہ کی ضمیر یا جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہے تشہد کی طرح بیٹھ گئے۔ یا مراد علی فخذی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تاکہ توجہ حاصل ہو یا پھر تعمیہ مقصود تھا کوئی پہچان نہ سکے۔ نیز بعض روایات میں سلام کا ذکر ہے بعض میں نہیں۔ تاکہ سلام کا عدم وجوب معلوم ہوجائے۔ یا پھر یہاں تعمیہ مقصود تھا۔ راجح یہی ہے کہ سلام کیا ـــــ پھر یا محمد بعض میں یا نبی اللہ یا مطلق سلام کا ذکر ہے بعض روایت میں رجل شاب بھی ہے۔ (درس شامزئی 184)

حقیقت ایمانیہ کیا ہے؟

ان تومن باللہ:

سوال: سوال میں ایمان کی تعریف پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے تعریف نہیں بتلائی اور اگر ہم جواب میں یہ کہیں کہ یہی تعریف ہے ان تومن باللہ وغیرہ تو یہ تعریف الشیء بنفسہ لازم آتی ہے۔

جواب ۱: مخاطب سائل کے منشاء کو سمجھ کر جواب دیتا ہے اور سائل کا منشاء حقیقتِ ایمان کا سوال نہیں ہے بلکہ مومن بہ کی تفصیل ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اسی کی تفصیل فرمادی۔

جواب ۲: منشاء ایمان کی تعریف ہی ہے۔ سوال میں ایمانِ اصطلاحی مراد ہے جواب کی جانب جو ایمان ہے اس کا لغوی معنی مراد ہے بمعنی تصدیق یعنی آپ اللہ کی تصدیق کرو۔

سوال: ایمان باللہ کا کیا مقصد ہے؟

جواب: اس بات کی تصدیق کہ اللہ واجب الوجود ہے تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے لم یلد ولم یولد ہے۔

وملٰئکتہ:

ملائک ملک کی جمع بمعنی فرشتہ ہے۔ ملک اصل میں مَئلَکٌ تھا۔ اس میں قلب مکانی ہوئی ہے۔ ہمزہ کو لام کی جگہ اور لام کو ہمزہ کی جگہ۔ تو ملأک ہو گیا۔ پھر یری والے قانون کے تحت ہمزہ خود مفتوحہ متحرک ہے اور اس کا ماقبل ساکن مُظہر ہے تو ہمزہ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دیدی گئی اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا تو مَلَک بن گیا۔ اس کی جمع ملائکہ ہے۔

نیز ایک لفظ ملک اس کی جمع ملوک آتی ہے بمعنی بادشاہ اور ایک مِلک ہے اس کی جمع املاک ہے۔ اور لفظ مُلک ہے اس کی جمع ممالک ہے۔

سوال: ایمان بالملائکہ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مطلب یہ ہے ھو جسم نوری یتشکل باشکال مختلفۃ لا یذکر ولا یونث۔ اس پر ایمان لانا ـــــ قرآن کریم میں ان کی صفت لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایومرون ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی ایسی مخلوق ہے جو اس کے حکم پر کام کرتے ہیں اور سفراء الرحمن اور عباد مکرمون ہیں۔ تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔

بلقائہ:

سوال: جب خاتمہ کا علم نہیں تو لقائے رب کے بارے میں یقین سے کیسے کہا جاسکتا ہے؟ کہ اس سے ملاقات ہوگی۔

جواب: ملاقات سے مراد نفس الامر میں لقاء ہے۔ خواہ خاتمہ اچھا ہو یا برا ہو۔

جواب ۲: انتقال من دار الدنیا الی دار الآخرہ مراد ہے جیسے حدیث شریف میں ہے: من لم یومن بلقائی ولم یقنع بعطائی ولم یرض بقضائی فلیطلب ربا سوائی۔

امام اسماعیلؒ نے اپنی مستخرج میں ما الایمان کے جواب میں وتؤمن بالقدر بھی نقل کیا ہے۔ (ایضاً)

قدریہ کا وہ فرقہ جو بندے کے مختار مطلق اور اپنے افعال کے خالق ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کے منکر ہیں وہ کافر ہیں جو علم خداوندی کے منکر نہیں وہ مبتدع ہیں۔ جبکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے نیک بد، ایمان کفر، طاعت معصیت سب خدا کی تقدیر سے ہے وہ اس کا خالق ہے اور اس کی مشیت و ارادہ سے ہے۔ (کشف 610/2)

وتؤمن بالبعث:

لفظ تؤمن کے تکرار سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ایمان بلقائہ اور ایمان بالبعث مؤمن کے اعتبار سے دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لفظ لقاء جن چیزوں سے ایمان کا تعلق بتا تا ہے وہ سب اس وقت موجود ہیں ـــــ مگر بعث اس وقت موجود نہیں بلکہ مستقبل میں آنے والی چیز ہے۔

نیز یہ فرق بھی ہے کہ بعث سے مراد قبروں سے اٹھنا ہے جس کا وقوع پہلے ہوگا۔ اور لقاء سے مراد رؤیت باری تعالیٰ ہے۔ جو بعد میں واقع ہوگی ـــــ اس لئے ایک ہی چیز کے ذکر مکرر کا اشکال وارد نہیں ہوسکتا۔ (فضل الباری 530/1)

تؤمن بالبعث:

یعنی وقوع قیامت حساب، کتاب، میزان، جنت اور جہنم کی تصدیق کی جائے۔ ماقبل میں بلقائہ کے ذکر میں ثبوت بعث ہے۔ بار دگر انکار مشرکین کی وجہ سے ایمان بالبعث لائے۔ (کشف 608/2)

مسئلہ رویت باری تعالیٰ

رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے ـــــ لیکن اس دنیا میں ممکن ہو کر ممتنع الوقوع ہے۔ (حضرت موسیٰؑ کا سوال رب ارنی دلیل امکان ہے۔) اس لئے یہاں لقاء سے مراد "رویت اخروی" ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ کے سلسلہ میں حیز و مکان کی شرط قیاس الغائب علی الشاہد ہے جو بناء الفاسد علی الفاسد ہے ـــــ نیز

سائنس کے مشاہدہ نے ثابت کردیا مخصوص تقابل بھی شرط نہیں ___ اور کچھ نہ ہو تو قرآن، حدیث اور اجماع سے رؤیت باری تعالیٰ کا ثبوت امکانی کافی ہے۔ یہ عقل وقیاس کا محل ہی نہیں۔ (کشف 606/2)

آپ ﷺ معراج میں رؤیت نصیب ہوئی یا نہیں ___؟

اس میں اختلاف ہے۔ جمہور محققین کے نزدیک رویت نصیب ہوئی ہے ___ لیکن اس کی کیفیت لیس کمثلہ شیء ہے ___ کیونکہ رؤیتِ کاملہ کیلئے حدود اور حیز ومکان ضروری ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ لامحدود ہیں۔ حدومکان سے پاک ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: رؤیت باری تعالیٰ رؤیت تجلیات ہیں۔ آپ ﷺ جو رؤیت حاصل ہوئی وہ عالم بالا میں ہوئی جو محل آخرت ہے ___ اسی طرح مومنین کو بھی حاصل ہوگی۔

معتزلہ اس کے انکاری ہیں۔

دلیل: لاتدرکہ الابصار ___

دلائل جمہور: للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ۔ حسنیٰ سے مراد جنت اور زیادہ سے مراد دیدار باری تعالیٰ ہے۔

دلیل نمبر ۲: روایات میں مفصل طور پر آتا ہے: ھل نریٰ ربنا کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا جس طرح تم لیلۃ البدر میں دیکھتے ہو چاند نظر آتا ہے اور ہجوم دنیا مزاحم نہیں ہوسکتا۔ یہی کیفیت ہوگی۔

دلیل نمبر ۳: کفار کا خسران بتلاتے ہوئے فرمایا: کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ اگر مومنین کو رؤیت نہ ہو تو کفار کو زیر حجاب رکھنے کا کیا فائدہ ___؟ فائدہ تب ہی ہے جب مؤمن رؤیت سے فیضیاب ہوں اور کفار محروم ہوں۔

معتزلہ کی دلیل کا جواب:

جواب ۱: الأبصار پر الف لام عہدی ہے۔ ابصارِ دنیوی مراد ہے۔ اور ہم اخروی ابصار کے قائل ہیں۔

جواب ۲: آیت شریفہ میں مخاطب کے مدرک ہونے کی نفی ہے۔ اپنے مدرک ہونے کی نفی نہیں ہے ___

جواب ۳: ابصار کا مدرک نہ ہونا کسی مانع کی وجہ سے ہے۔ جب وہ مانع زائل ہوجائے گا تو رویت متحقق ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا رؤیت باری تعالیٰ دنیا کے اندر بھی ممکن الوقوع ہے اگرچہ ممتنع ہے ورنہ انبیاءؑ ممتنع کا سوال بارگاہِ خداوندی میں نہیں کرسکتے۔

جواب ۴: لاتدرکہ الابصار ___ یعنی اس کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ مطلق رؤیت کی نفی نہیں۔

فائدہ:۔ رؤیت باری تعالیٰ کی درخواست

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح سے، اصل روح ہے جسم نہیں، ایسے ہی لذت میں اصل روحانی ہے۔ بالفاظ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ جسمانی لذت کی جہاں انتہاء ہوتی ہے وہاں سے روحانی لذت کی ابتداء ہوتی ہے۔ روحانی لذت کی انتہاء کلام الٰہی کا سننا اور رؤیت باری تعالیٰ ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا تو عشق الٰہی میں ڈوب کر درخواست کردی "رب ارنی" اے اللہ جلوہ دکھا ہی دے۔ علیم وحکیم ذات نے کمالِ حکمتِ بالغہ سے اصولی جواب دیدیا "لن ترانی" اور اطمینان کیلئے ایک بات بتادی "ولکن انظر الی الجبل" اس کے نتیجہ میں وقتی کیفیت اپنے اعتدال پر آ گئی اور اب محبت کے بجائے عظمت کا غلبہ ہو گیا اور عرض کیا: سبحنک تبت الیک وانا اول المؤمنین کہ میں آپ کی جناب میں اس مشتاقانہ درخواست سے معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا "لن ترانی" سب سے پہلے اس پر یقین کرتا ہوں ـــــ

ولکن انظر الی الجبل الخ: میں رؤیتِ باری تعالیٰ کو استقرارِ جبل کے ساتھ معلق کیا گیا ہے وہ ممکنات میں سے ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ممکن پر معلق ہوتی ہے وہ خود ممکن ہوتی ہے تو رؤیت بھی ممکن ہے۔ (کشف 605/2)

حقیقتِ اسلام

الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرک بہ سے مراد نطق بالشہادتین ہے۔ اس روایت میں حضرت عمرؓ سے اس جگہ ان تشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ آیا ہے۔ (ایضاً 611/2)

<u>ورسلہ:</u> رُسُل، رسول کی جمع ہے۔ رسول کی تعریف یہ ہے:

انسان بعثہ اللہ تعالیٰ لتبلیغ الاحکام مع کتاب وشریعۃ۔

تعداد رسل 313 یا 315 باقی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ہیں، کسی صحیح روایت سے تعداد کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہے البتہ سب پر ہی ایمان ضروری ہے۔ (درس شامزئی 187)

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے وہ خود اور ان کی تبلیغ برحق ہے۔

تقیمو الصلوٰۃ: یہ اقام العود اذا قوّمہ سے ہے۔ بمعنی سیدھا کرنا گویا نماز کو بھی آداب وسنن کے ساتھ سیدھا کر کے پڑھے۔ اسی کو اقامۃ صلوٰۃ سے تعبیر کیا ہے ـــــ اور بعض حضرات کہتے ہیں: اقام الحرب سے ماخوذ ہے۔ جبکہ دوامِ حرب ہو تو اقامۃ صلوٰۃ دوام صلوٰۃ سے ہوگی۔ نہ کہ گاہے گاہے پڑھنے سے۔

اقامۃ صلوٰۃ تین شرائط کے ساتھ ہے۔ (۱) سنن وآداب کو ملحوظ رکھے۔ (۲) دائمی پڑھے۔ (۳) باجماعت ادا کرے۔

سوال: حج کا ذکر اس حدیث میں نہیں آیا۔

جواب: بعض کہتے ہیں۔ فرضیتِ حج نہ تھی۔ تو ذکر بھی نہیں کیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ حجۃ الوداع کے بعد کا قصہ ہے۔ یہ سہو راوی یا اختصارِ روای ہے۔ جیسے بعض روایات میں صومِ رمضان کا ذکر نہیں جبکہ وہ بہت پہلے فرض ہو چکے تھے۔ نیز بعض طرق میں حج کا ذکر بھی ہے۔ اس لئے اختصار ہی کو ترجیح دی جائے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم

❁❁❁

حقیقتِ احسان اور اس کے حصول کا طریق

قال ما الاحسان

پھر جبریلؑ نے سوال کیا احسان کیا چیز ہے؟ بالفاظِ دیگر ایمان واسلام کو حسین بنانے کا طریقہ کیا ہے؟

قرآن کریم میں احسان کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ ان اللہ یحب المحسنین، وان اللہ لمع المحسنین۔ والذین ھم محسنون وغیر ذلک۔ آپ ﷺ نے احسان کی تعریف فرمائی:

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

قواعد صحیحہ کے مطابق ورزش کرنے اور ہر ہر عضو کو کثرت سے حرکت دینے میں ہر عضو کی طاقت ترقی کرتی جاتی ہے تا آنکہ ''پہلوان'' بن جاتا ہے۔ قوائے جسمانیہ میں یہ مشاہدہ ہے ___ بعینہٖ یہی حال قوائے روحانیہ کا ہے۔ ان میں مشق سے جو خصوصی استعداد حاصل ہوتی ہے اسی کا نام احسان ہے ___ حضرات انبیاءؑ، صحابہؓ اور اولیاء عظام میں اسکے حسبِ مراتب درجات متفاوت ہیں۔ پھر دنیا میں ثمراتِ باطنیہ ملتے ہیں انکو معرفت وعرفان کہا جاتا ہے۔ پھر اس راستہ کے سالک مجتبیٰ ہیں یا منیب۔ مجتبیٰ کیلئے جاذبۂ الٰہیہ کے سبب زیادہ مشقت نہیں اور منیب ریاضت ومجاہدۂ شاقہ سے سلوک کی راہ طے کرتا ہے۔ حضرات انبیاءؑ مدارج ومراتب متفاوتہ کے باوجود سب ہی مقامِ اجتباء پر ہیں۔ تاہم اجتباء وانابت کا اصل نقطۂ نظر ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ ہے۔ (فضل الباری 531/1)

مندرجہ بالا مراقبہ عباداتِ معروفہ کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ ہمہ وقت گھر در میں بھی مطلوب ہے۔

درجاتِ احسان: احسان کے دو درجے ہیں: (۱) اس کی تحصیل ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ اور وہ اوامر کی تعمیل اور اجتنابِ نواہی ہے۔ اس کا نام براءۃ عہدہ ہے۔ یعنی مکلف ہونے کی حیثیت سے فرائض وارکان کو پورے طور پر ادا کرے، ارتکابِ نواہی سے بچے۔ اس میں ذرا بھی کمی آئے گی تو گناہ ہوگا یہ درجہ واجبہ ہے۔ اسی کا نام احسان ظاہری بھی ہے۔

(۲) دوسرا درجہ احسان مستحب ہے ___ اس کا معمول اگرچہ ہر مسلمان کیلئے مطلوب ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی اس کو فرض وواجب نہیں فرمایا ___ بلکہ اس کو مستحب قرار دیا جس کے معنی یہ ہیں اگر وہ حاصل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے عذاب نہ ہوگا ___ لیکن ایک مسلمان پوری کوشش کرے اس درجہ تک پہنچے۔ لہٰذا احسان کی جو تفسیر یہاں فرمائی جارہی ہے وہ بالمعنی الثانی ہے اور وہ یہ ہے: ان تعبد اللہ کانک تراہ. اس کا نام احسان معنوی ہے۔ دوسرا مقام پہلے مقام کا زینہ ہے اس مراقبہ عبادت سے ترقی کرتے کرتے پہلے مقام مشاہدہ تک پہنچ جاتا ہے۔

حدیث جبریلؑ میں ان تعبد سے مراد صرف نماز نہیں بلکہ مطلق عبادت ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں تخشیٰ اور ایک روایت میں ان تعمل بھی آیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ احسان کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء اسی کی طرف مشعر ہے۔ (تحفہ 290/1)

درجاتِ احسان

فان لم تکن تراہ فانہ یراک:

اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں اور دونوں احتمالات میں واضح طور پر مفہوم میں فرق ہوتا ہے۔

(۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں پہلی ''ف'' تفصیلیہ ہے اور ان شرطیہ ہے اور دوسری 'ف' جزائیہ ہے ـــــ اس قول کے مطابق مفہوم یہ ہے احسان کے دو مرتبے ہیں ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ ـــــ اعلیٰ مرتبہ یہ ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ سمجھے میں مقامِ مشاہدہ میں ہوں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے ذاتِ خداوندی کے وجود کا اتنا یقین کامل ہو کہ اسباب کو دیکھ کر مسبب کے وجود کی لحہ بھر کیلئے نفی کا تصور نہ ہو ـــــ

(۲) اور ادنیٰ مرتبہ جو مقامِ مراقبہ ہے وہ یہ ہے یہ حقیقت تو اپنی جگہ بہر حال مسلّم ہے کہ جب ذرہ ذرہ کائنات کا اس کے سامنے ہے تو آپ کیسے اس سے اوجھل اور مخفی ہو سکتے ہو۔ بہر حال آپ اس کی نگاہ میں ہو۔

دوسری تفسیر علامہ نوویؒ اور حضرت علامہ سندھیؒ نے فرمائی ہے ـــــ

وہ یہ کہ 'ف' تعلیلیہ ہے ان شرطیہ نہیں بلکہ وصلیہ ہے۔ اور آخر میں آنے والی 'ف' جزائیہ ہے جو ان وصلیہ کے جواب میں آتی ہے۔

تو علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں یہاں دو درجے بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ''ایک درجہ'' ہے وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو مراد اس سے یہ ہے کہ تم اس کے سامنے موجود ہو اور موجودگی کا مطلب اس کے دربار میں ہونا ہے ـــــ ورنہ حقیقتاً دیکھنا گو بذریعہ عبادت ہی ہو؛ دنیا میں بالکل منتفی ہے ـــــ تو دربار میں موجودگی کا مطلب یہ ہوا کہ بہر حال وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اس سے اوجھل ہونا تمہاری قدرت سے خارج ہے ـــــ

ان حضرات کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اول سے ہی اسی درجہ کا مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے ـــــ نیز اصل یہی ہے کہ تم دیکھو یا نہ دیکھو تمہارے دیکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

بلا تشبیہ اس کی مثال یہ ہے ایک شخص بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو اس کی ایک حالت یہ ہے میں بادشاہ کو دیکھ رہا ہوں اور ایک یہ کہ بادشاہ مجھے دیکھ رہا ہے تو اجتنابِ معاصی میں اصل بادشاہ کا دیکھنا ہی مؤثر ہے۔ اس لئے بینا و نابینا قریب و بعید آداب و حقوق بجا لاتا ہے۔

اللھم اجعلنی اخشاک کانی اراک ابدا حتی القاک۔ امید ہے اس دعاء نبوی کے ورد کی برکت سے مقامِ مشاہدہ و مراقبہ سے کچھ نسبت اور ثمرہ نصیب ہو جائے گا۔

بعض صوفیاء کرام فان لم تکن تراہ میں کان تامّہ قرار دیتے ہوئے معنیٰ کرتے ہیں:

اگر تم فنا ہو جاؤ گے تو اللہ جل شانہ کو دیکھ لو گے۔ (کشف 618/2)

الاحسان:

کا حاصل یہ ہے، تصوف وطریقت بھی اسلام کے مقاصد میں داخل ہے اور قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ حضرات صوفیاء کرام کی تعلیمات کا مقصود بھی یہی ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اس لئے اس کو بدعت کہنا بالکل صحیح نہیں ہے۔۔۔۔۔۔
اس مرتبہ کے حصول کیلئے جو طریقے وضع کئے گئے ہیں جیسے پاسِ انفاس، سلطان الاذکار یا ذکر بالجہر اور ضرب اور اشغال واوراد، یہ بمنزلہ علاج کے ہیں۔۔۔۔۔۔ اگر کوئی شخص ان کو علاج کے طور پر اختیار کرے تو مباح ہے جیسے علاج جسمانی کیلئے کوئی سیرپ، ادویہ استعمال ہوتی ہیں۔ اور اگر سنت سمجھنے لگے اور بذات خود مقصود بنا کر دائمی معمول بنالے تو یہ بدعت ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہیں۔
اسی لئے حضرات محققین کرام نے جب یہ دیکھا آج کے دور میں یہ خرابی پھیل رہی ہے کہ وسائل اور درجہ علاج کی چیزوں کو ہی مقاصدِ اصلیہ سمجھ لیا گیا ہے تو اس کے ترک کو بہتر سمجھا اور ایسی چیزوں کی تعلیمات کو موقوف کر دیا۔ (انعام)
یاد رہے اسی راستے کا ایک حصہ یہ بھی ہے کبھی کچھ نظارے، کشف وکرامات اور کبھی سچے خواب وغیرہ بھی آتے ہیں۔ جو طبیعت کے مجاہدے کے نتیجے میں حاصل ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ مقصودِ اصلی نہیں۔ شریعت کے مطابق زندگی گذارے اور ساری زندگی خواب نہ آئے یا کشف وکرامت نزدیک سے نہ گذرے مگر مقصودِ اصلی حاصل ہے اس لئے کہ رضائے خداوندی احکامِ شریعت کی تکمیل پر موقوف ہے۔ گویا یہ چیزیں زیادہ سے زیادہ محمود تو ہو سکتی ہیں مگر مقصود نہیں ہیں۔
احسان کے دو درجات: مقامِ مشاہدہ اور مقامِ مراقبہ۔ پہلا ارفع واعلیٰ ہے اس لئے کہ وہ کمالِ استغراق، صفتِ نفس اور درجہ حال میں ہے جبکہ دوسرا مقام صرف درجہ علم کی چیز ہے۔ اگرچہ کیفیتِ علم ہی رسوخ کے بعد صفتِ نفس بن جانے پر حال ہو جاتی ہے۔ (کشف 614/2)

مصداقِ ساعۃ

متی الساعۃ:

متی الساعۃ؟

قیامت کو "ساعۃ" سے تعبیر کیوں فرمایا جبکہ کالف سنۃ مما تعدون یا مقدارہ خمسین الف سنۃ فرمایا گیا ہے۔۔۔۔۔۔؟ نیز لغۃً "ساعۃ" غیر معین زمانہ اور بہت ہی مختصر وقت پر اس کا اطلاق ہے۔۔۔۔۔۔

ج ۱: لا تاتیکم الا بغتۃ کے پیشِ نظر ہے۔ "اعتبار آبا ول وقتھا" ساعۃ کہا گیا۔

ج ۲: سرعتِ حساب وکتاب کے لحاظ سے "ساعۃ" فرمایا اس لئے کہ دنیا کے لحاظ سے حساب کتاب نصف دن میں ہو جائے گا۔

ج ۳: کالساعۃ عند اللہ مراد ہے۔

ج ۴: تفاولاً ساعۃ کہا گیا، خدا کرے یہ طویل دن ہمارے لئے ایک ساعۃ کی طرح گذر جائے۔
ج ۵: مومن کیلئے صرف دو رکعت کے برابر ہوگا۔ دو رکعت کا وقت باقی دن کے مقابلہ میں ساعۃ ہی ہے۔ (امداد الباری 743/5)
فائدہ: الف سنۃ اور خمسین الف سنۃ کے تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ یہ احوال شخصیات اور اعمال کے اعتبار سے فرق ہوگا۔
نیز میدان محشر میں پچاس موقف ہوں گے تو فرداً ہزار برس اور مجتمعاً پچاس ہزار برس ہوں گے۔ (امداد الباری 744/5)
متی الساعۃ سے دراصل سائلین کو قیامت کے وقت معین کے سوال سے روکنا مقصود ہے۔
ایمانیات واعمال کے بعد اس کی عمدگی کے ساتھ ادائیگی سے چونکہ مقصودِ اصلی آخرت ہے اور ترتیب بھی یہی ہے عمل کے بعد ردِ عمل یا اجرت ومزدوری کے ملنے کا وقت وہ کب آئے گا ____ ؟
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
ما المسئول عنھا باعلم من السائل: یعنی مسئول اس معاملہ میں سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں۔
آپ ﷺ یہ بھی فرماسکتے تھے مجھے معلوم نہیں ____ ؟ لیکن چونکہ کوئی بھی مسئول اس معاملۂ قیامت میں سائل سے اعلم نہیں ہوسکتا اور اس کی تعیین کا کسی کو بھی علم نہیں۔ اس لئے قاعدۂ کلیہ کے طور پر بیان فرمادیا۔ نیز یہی سوال حضرت جبریلؑ نے حضرت عیسیٰؑ سے بھی کیا تھا تو انہوں نے بھی جواب فرمایا تھا: ما المسئول عنھا باعلم من السائل۔ آپ ﷺ نے موافقت فرماتے ہوئے یہی جملہ ارشاد فرمایا۔ اس میں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دین کے بارے میں سوال ہو تو جواب میں لا ادری کہنا باعثِ عیب نہیں ____ بلکہ باعثِ قدر ومنزلت ہوگا بشرطیکہ وہ مسئلہ معلوم نہ ہو۔ جیسے حضرت امام مالکؒ سے افریقی سائل نے اڑتالیس (48) مسائل پوچھے ____ تو چھتیس (36) کے جواب میں لا ادری فرمایا اور معیوب نہ سمجھا۔
حضرت جبریلؑ صحابہؓ کی طرف سے نائب ہوکر سوال کررہے تھے اس لئے ذاتی حیثیت سے صدقت فرمایا اور وقتِ قیامت سے ناواقف ہونے کے بارے میں سب برابر ہیں اس کا علم حضرت جبریلؑ کو بھی نہیں تھا اس لئے انہوں نے صدقت نہیں فرمایا۔ (درس بخاری 304)
ایمان اسلام اور احسان کا اس سے ربط کیا ہے؟
حضرت امام نانوتویؒ فرماتے ہیں: جملہ عالم کو انسان کیلئے اور حضرت انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ____ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے جمہ جہات عبادت علماً وعملاً مع کیفیتِ احسان پوری فرمادی گئی تو مقصدِ عالم پورا ہوگیا۔ تکمیلِ مقصد کے بعد اس کی بقا کا کیا جواز ہے؟
نیز تکمیلِ مقصد دو طرح سے ہے۔ ایک کیفاً جو آپ ﷺ کے ذریعہ درجۂ کمال کو پہنچ گئی اسی تناظر میں آپ ﷺ نے فرمایا: بعثت انا والساعۃ کھاتین۔ دوسرے کماً تکمیل حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد ہوگی ____ پھر قیامِ قیامت ہوگا۔ (نصر الباری 342/1)
بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے حضرت عیسیٰؑ نے یہی سوال حضرت جبریلؑ سے کیا حضرت جبریلؑ نے اپنا پر مارا اور جواب دیا ما المسئول عنھا باعلم من السائل۔ (نصر الباری 342/1)

آپ ﷺ سے اسی مطابقت سے جواب دلایا گیا کہ جبریلؑ متنبہ ہوجائیں آپ خود بھی یہی جواب دے چکے ہیں۔
(فضل الباری 537/1، درس بخاری حضرت مدنی 304)

علاماتِ قیامت

ماالمسئول عنھا باعلم من السائل:

اس جملے میں عدمِ علم میں تساوی یا علم میں تساوی مراد ہے؟

(۱) لغوی لحاظ سے کہا جاسکتا ہے الفاظ اس بات کی طرف مشعر ہیں کہ علم میں تساوی ہے۔ کیونکہ دونوں کو علم ہے قیامت ہے اور اس کی تعیین بھی نہیں ہے۔

(۲) مقصود عدمِ علم میں تساوی ہے کہ تعیین کا علم نہ آپ کو ہے نہ ہمیں۔ چنانچہ شراح محدثین کرام نے بھی اسی پر محمول کیا ہے۔ اور اسلوبِ حدیث کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اس لئے کہ جبریلؑ نے عرض کیا:

اخبرنی عن أمارا تھا: آپ ﷺ نے فرمایا: ساخبرک عن اشراطھا۔

اشراط ساعۃ ابتداءً دو قسم پر ہیں۔ ا بعیدہ۔ ۲: قریبہ۔ پھر ان میں سے ہر ایک دو قسم پر ہے۔ ا خیر۔ ۲ شر۔ کل چار اقسام ہوگئیں۔

۱: قریبہ خیر: جیسے بعثت نبوی ﷺ ۲: قریبہ شر: جیسے ان تلد الامۃ ربتھا۔

۳: بعیدہ خیر: جیسے نزولِ عیسیٰؑ۔ ۴: بعیدہ شر: جیسے ہدمِ بیت اللہ۔

تئیس سالہ شناخت و تعارف کے باوجود اس دفعہ جبریلؑ مخفی رہے آپ ﷺ کو علم نہ ہوسکا ___ گویا یہ تمہید ہے کہ آپ ﷺ کو علم الساعۃ نہیں تھا ___ (نصر الباری 338/1) اتنے علوم و حقائق دیئے جانے کے باوجود جس وقت چاہے آپ سے بھی محسوسات و مشاہدات کا علم تک اٹھالے۔ الٰہی حقائق و معارف کا تو پوچھنا ہی کیا ہے (فضل الباری 528/1)

عن اشراطھا:

اشراط چھوٹی علامات اور آیات بڑی علامات کو کہتے ہیں۔ پہلے چھوٹی بعد میں بڑی علامات پائی جاتی ہیں۔ (تحفہ 291/1)

اذا ولدت الامۃ ربتھا

اس جملے کی بہت شروح ہیں:-(۱) لونڈیوں کی اتنی بہتات ہوجائے گی کہ کسی موقع پر لونڈی کا بیٹا ہی اس کا خریدار بن جائے گا۔ مثلاً ایک کنیز نے بچہ جنا از اں بعد اس کے مالک نے اس کو فروخت کردیا۔ بکتے بکاتے مارکیٹ سے اس کے بیٹے ہی نے اس کو خرید لیا۔ گویا علامتِ قیامت بایں طور ہے کنیزوں کی خرید و فروخت اتنے وسیع پیمانہ پر ہوجائے گی کہ خریدار کو خریدنے کے بعد پتہ نہ ہو میں اپنی ماں کو ہی لونڈی سمجھ کر خرید کرلایا ہوں۔

(۲) کثرتِ فساد سے کنایہ ہے۔ اتنے فساد ہوں گے کہ لوگ عورتوں کو پکڑ کر بیچنا شروع کردیں گے اور اختلاط ہوجائے گا

تو اس کاروبار میں کبھی یہ نوبت بھی آجائے گی بیٹا ماں کا خریدار بن جائے گا۔

(۳) سب سے بہتر توجیہ محققین کے نزدیک یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی سے کنایہ ہے۔ جنی ہوئی اولاد اس درجہ نالائق ہوگی ماں کے ساتھ سلوک کنیز جیسا کرے گی ـــــ گویا نظامِ زندگی خلاف فطرت ہوجائے گا۔ اسعد الناس لکع بن لکع ہوگا۔

(۴) اگر بعلھا کے لفظ کو اپنے معنیٰ پر رکھا جائے تو بھی مستبعد نہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: لونڈیاں اپنی مالکہ جننے لگیں گی ـــــ یعنی لڑکیاں ماں کا بہت زیادہ احترام کرتی ہیں وہ نافرمان ہوجائیں گی۔ لڑکیوں کا اپنی ماں سے یہ سلوک علامات قیامت میں سے ہے۔

(۵) علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: فتوحاتِ اسلامیہ کی کثرت کی طرف اشارہ ہے جس کے نتیجے میں لونڈیوں سے شرح اولاد بڑھ جائے گی اور وہ ام ولد بنیں گی تو اذا ولدت الامۃ ربھا صادق آجائے گا۔ کیونکہ لونڈی سے سے جو بچہ ہوگا وہ اس کے لئے آقا ہوگا۔ اس کو نسبی شرافت حاصل ہوگی ـــــ نیز یہ بچہ اپنی ماں کی آزادی کا سبب بنا لہٰذا یہ اپنی ماں کا سید و منعم ہوگا۔

(۶) اشارہ ہے کہ لونڈیوں کے بطن سے بادشاہ پیدا ہوں گے۔ سلطنت عباسیہ کے دور میں بادشاہوں کے دل ودماغ پر لونڈیوں کی حکومت ہوگی تو ان کے بچے حکومت میں اور ماں رعیت میں شمار ہوئی تو ولدت الامۃ ربھا صادق آگیا۔

(۷) نیز یہ مطلب ہے کہ خرید وفروخت میں حلال وحرام کی تمیز ختم ہوجائے گی، ام ولد کی بیع وشراء ناجائز ہے اور حالتِ حمل میں تو اجماعاً ناجائز ہے تاہم وہ بکتے بکاتے اپنی ہی لڑکے کے ہاتھوں میں آجائے گی اور وہ اس سے اختلاط کرے گا تو اذا ولدت الامۃ ربھا صادق آجائے گا۔ اگر اس لڑکے نے اس کو آزاد کردیا یا بغیر خرید اس کے آقا کی اجازت سے نکاح کرلیا تو اذا ولدت بعلھا بھی صادق آجائے گا۔ (امداد الباری 748/5)

قلبِ موضوع

واذا تطاول رعاۃ الابل البھم فی البنیان:

البھم اگر مجرور پڑھیں تو الابل کی صفت بنے گا ـــــ معنیٰ یہ ہوگا سیاہ اونٹوں کو چرانے والے بھی عمارتوں کو اونچا کریں گے ـــــ (سرخ اونٹ اعلیٰ درجہ کا مال سمجھا جاتا ہے اور کالے اونٹ نکمے ہوتے ہیں۔ (تحفہ 292/1)

اور اگر رعاۃ کی صفت ہو پھر یہ مرفوع ہوگا اور معنیٰ یہ ہوگا سیاہ رنگ کے چرواہے اونچی اونچی بلڈنگیں بنائیں گے ـــــ گویا قلبِ موضوع ہوگا ـــــ اور ان تلد الامۃ میں بھی قلبِ موضوع ہے۔ مشرق وسطیٰ کے معاشی انقلاب کی طرف اشارہ ہے۔ مالک نوکر اور ملازم مالک بن جائیں گے اشتراکیت کے انقلاب کے تناظر میں بھی کچھ ہوا۔ یہ علامات قیامت ہیں۔ یعنی معاشرتی لحاظ سے کم درجے کے لوگ اونچی بلڈنگیں بنا کر فخر کریں گے۔ دولت مند یا نااہلیت کی کوکھ سے جنم لینے والے حکام بن کر اظہار شان وشوکت بلڈنگوں کے ذریعے کریں گے۔

چنانچہ اس کی تائید کہ یہ چیزیں علامات قیامت میں سے ہیں۔ ایک روایت لسان العرب اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

اذا بعجت مکۃ کظائم ــــ الخ یعنی جب مکہ کا پیٹ چیر کر نہریں نکالی جائیں گی اور عمارتیں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر کو پہنچ جائیں گی تو سمجھو قیامت قریب ہے۔ آج پورا مکہ پہاڑوں کی طرح بلند و بالا بلڈنگوں اور سرنگوں کا شہر ہے۔ (انعام)

ما المسئول عنہا باعلم من السائل:

اس جملے سے ان حضرات کی تصدیق ہے جو آپ ﷺ کیلئے علم غیب یا علم محیط، جمیع ما کان و مایکون کے قائل نہیں ہیں ــــ بہت سے اہل بدعت اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ علم محیط، جمیع ما کان و ما یکون حاصل تھا ــــ البتہ وہ یہ کہتے ہیں یہ علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یعنی علم ذاتی نہیں تھا۔ بلکہ منجانب اللہ عطائی تھا۔ اس لئے شرک نہیں۔

(یہ تقسیم بھی انتہائی خطرہ کا الارم ہے کہ مشرکین مکہ اپنے معبودانِ باطلہ کے بارے میں یہ کہتے تھے۔ اگر ان کے پاس کچھ اختیارات ہیں تو وہ عطیہ خداوندی ہیں۔ ذاتی طور پر اصل قادر وہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن وسنت کی نظر میں وہ مشرک ہی ہیں۔) ــــ مراد اس سے یہ ہے کہ انباء الغیب کے قبیل سے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو علم عطا فرمایا ہے ــــ لیکن یہ بالکل نہیں کہ اپنی مخصوص صفت علم غیب میں سے کچھ حصہ عطا فرمایا ہو۔ اور ان پر عالم الغیب کا اطلاق ہو سکے ــــ کیونکہ صفت کا شریک کنندہ بھی مشرک ہے۔ یہی مضمون علم الغیب کے متعلق تصریح ہے و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو۔

تکوینیات کا علم حضرات انبیاءؑ کو نہیں دیا گیا۔ کیونکہ ان کا منصب علم تشریعی ہے اور مفاتح الغیب کے لفظ میں اشارہ علم کلی اور علم محیط کی طرف ہے۔ اس لئے اگر کسی کو جزوی علم دیدیا جائے تو وہ اس کے خلاف نہیں۔ اسی لئے حضرات انبیاءؑ کو اگر تکوینی سلسلہ میں کچھ بتلا دیا جائے تو وہ انباء الغیب کے قبیل سے ہے۔ اسے علم غیب نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہ علم جزئی ہے۔ تکوینیات کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے انہی کلیات کو مفاتح الغیب سے تعبیر فرمایا۔

اہل بدعت کا جو یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ علم جمیع ما کان و ما یکون دیا تھا تو یہ کب دیا تھا ــــ؟ اس میں خود اہل بدعت کا اختلاف ہے:

پہلا قول: بعض کہتے ہیں: رحم مادر میں دیا گیا تھا ــــ ایک ضعیف سی حدیث ہے جو آپ ﷺ نے فرمایا میں رحم مادر میں تھا تو میں لوح محفوظ کی سریر قلم سنتا تھا ــــ یہ روایت نہ صرف ضعیف بلکہ بہت سی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے ــــ عقیدہ تو خبر واحد صحیح سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس کیلئے تو دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ اس حدیث سے عقیدہ ثابت کریں جو نہ صرف انتہا درجہ کی ضعیف بھی ہو اور بہت سی احادیث صحیحہ کے خلاف بھی ــــ

دوسرا قول: معراج کے موقع پر جمیع ما کان و مایکون کا علم عطا فرمایا گیا۔ واقعہ معراج ہجرت سے قبل پیش آیا اور اس کے بعد بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ ﷺ سے علم غیب کی بھی نفی ہوتی ہے جیسے واقعہ افک آپ ﷺ دو ماہ تک پریشان رہے اور نزول آیات کے بعد اطمینان ہوا۔

اس لئے لاچار ہو کر اہل بدعت کے پیشوا مولانا احمد رضا خان نے یہ موقف اختیار کیا آپ ﷺ علم کا یہ درجہ مرض الوفات

میں دیا گیا۔ لہٰذا مرض الوفات کے شروع ہونے سے پہلے جن چیزوں کی لاعلمی کا اظہار کیا گیا وہ اعطاءِ علم غیب سے قبل تھا۔

آخر عمر میں اعطاء علم غیب باعثِ اعزاز نہیں بلکہ موجب توہین ہے۔ ایک آدمی دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اسے کہا جائے تجھے ملک کا صدر بنایا جاتا ہے نیز مرض الوفات میں آپ ﷺ نے حجرہ شریفہ میں پوچھتے تھے أصلى الناس ____؟ جواب میں عرض کیا جاتا کہ نہیں پڑھی۔ پھر غشی کے بعد افاقہ ہوتا آپ ﷺ یافت فرماتے أصلى الناس؟

نیز آپ ﷺ روزِ قیامت فرمائیں گے: آنے والے میرے صحابی ہیں۔ ان کو نہ روکا جائے ____ مگر فرشتے کہیں گے: انک لاتدری مااحدثوا بعدک۔ تو اس سے بھی علم ہے۔ نیز فرمایا وہ محامد جو قیامت میں مجھے الہام کئے جائیں گے جو اس وقت میں نہیں جانتا۔ تو قیامت کو ان کا ملنا دلیل ہے مرض الوفات میں ان کا نہ دینا طے ہے۔ اس سے بھی علم الغیب جمیع ماکان ومایکون کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

علم الغیب کی حقیقت پیش نظر ہو تو اہل بدعت کا سارا محل استدلال منہدم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ علم الغیب کی تعریف یہ ہے وہ کسی واسطہ کے بغیر حاصل ہو۔ کلی ہو اور اس میں کوئی استثناء نہ ہو ____ جبکہ یہ صفت صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی ہے۔ جو کسی کو بھی عطا نہیں کی گئی ____

انباء الغیب کی حقیقت

لوگ اس معاملہ میں تلبیس سے کام لیتے ہیں جتنی روایات وآیات میں انباء الغیب کا اثبات ہے ان کو علم جمیع ماکان ومایکون کا مستدل بناتے ہیں۔ جو صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ محل نزاع ہیں۔ انباء الغیب کا اثبات اپنی جگہ مسلم ہے۔ یاد رہے انباء الغیب آپ ﷺ کو تمام انبیاءؑ سے زیادہ دی گئی ہیں۔

سوال: اگر کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ نبی اکرم ﷺ کو علم کلی عطا کیا گیا ہے تو اس کو مشرک کہا جائے گا یا نہیں ____؟

جواب: اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ تاویل کا سہارا لیتے ہوئے ایک تو یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا علم ازلی کبھی بھی اس سے منفک نہیں ہوا۔ جبکہ آپ ﷺ کا علم ازلی نہیں ہے تو پہلے منتفی تھا ____ پھر بقول مولانا احمد رضا خان آخرِ عمر میں عطا کیا گیا تو گویا عطائی بھی ہوا۔ نیز ان کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ان کا مقصود اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کے علم کا اشتراک نہیں ہے ____ اس لئے شرک وکفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا لیکن بہرحال یہ سخت گمراہی اور ایسے عقیدہ کے حامل کے گمراہ ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ان کو مقتدا مانا جائے۔

<u>فی خمس لایعلمهن الا الله ____: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اور وہ علم الساعة ____ فی خمس خبر ہے۔</u>

سوال: کیا صرف پانچ امور ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ جانتے ہیں ____؟ جبکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ومایعلم جنود ربک الا هو موجود ہے۔

جواب: سائل نے سوال پانچ چیزوں کا کیا تھا___ تو یہ قید اتفاقی ہے۔احترازی نہیں ہے۔
ورنہ ان گنت چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

فی خمس:

انہی پانچ کا ذکر بطور خاص فرمایا___؟

یہاں بحث مغیبات اکوان سے ہے___ یہ غیر متناہی ہو کر پانچ انواع ہیں۔ا: مکانی۔ ۲: زمانی___ پھر زمانی کی تین انواع ہیں: ا: ماضی سے۔ ۲: حال سے۔ ۳: مستقبل سے تعلق ہو۔

اگر چہ یہ چار انواع ہوئیں___ وقتِ ساعت اگر چہ ان چاروں میں مندرج ہے لیکن حادثۂ عظیم ہونے کی وجہ سے بطور اہمیت اس کو الگ ذکر فرمایا۔ان ''اشیاءِ خمسہ'' میں بای ارض تموت مغیبات مکانیہ کی طرف اشارہ ہے۔یعلم مافی الارحام میں مغیبات زمانیہ حالیہ کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ آثار حمل فی الحال نمایاں ہیں۔ماذا تکسب غداً سے مغیبات زمانیہ مستقبلہ کی طرف اشارہ ہے۔

اب ایک ینزل الغیث رہ گیا غالباً اس میں مغیبات زمانیہ ماضیہ کی طرف اشارہ ہے___ یعنی بارش آئی ہوتی تو معلوم ہوتی لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم کہ پہلے سے کیا اسباب فراہم ہو رہے ہیں کہ ٹھیک اسی وقت، اسی جگہ، اتنی مقدار میں بارش ہوگی۔(کشف 633/2)

سوال: آیت مبارکہ کے تناظر میں اشکال ہے کہ بارش کی پیش گوئی محکمۂ موسمیات کرتا ہے یا رحمِ مادر میں بذریعہ آلات ومشین مذکر ومونث کا تعین کر دیا جاتا ہے یا کچھ اشیاء کو کشف کے ذریعہ بتایا جاتا ہے۔جیسے بعض بزرگ بتا دیتے ہیں لڑکا ہوگا یا لڑکی؛ جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مرض وصال میں کہا کہ اپنی بہن کیلئے وراثت میں حصہ رکھنا۔چنانچہ ان کا اندازہ صحیح ثابت ہوا گویا لا یعلمھن الا اللہ کے خلاف ہوا؟

جواب ا: وسائل ووسائط کے ذریعہ نیز حسابات کے ذریعہ معلوم ہو جانا یہ علمِ غیب نہیں ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان وسائل کے بغیر ہی معلوم ہے۔

جواب ۲: ان وسائل کے ذریعہ حاصل شدہ علم ظنی اور امکانی ہوتا ہے___

جواب ۳: آیت مبارکہ میں ما فی الارحام ہے نہ کہ من فی الارحام۔کہ یہ تعیین مقصود ہو کہ رحمِ مادر میں مذکر ہے یا مونث___ بلکہ موجود فی الارحام کن صفات واخلاق اور شقی وسعید اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ان کا سب علمِ قطعی ہونا مراد ہے___ نیز کسی ایک مادہ سے ایک واقعہ کو وسائل سے جان لینا اللہ تعالیٰ کے علمِ کلی کے منافی ہرگز نہیں۔اس لئے کہ اللہ یعلم ما تحمل کل انثی اس طرف مشعر ہے کہ دنیا بھر کی تمام جنسوں کی تمام ماداؤں کے رحمِ مادر میں کیا ہے۔حق تعالیٰ شانہ کو ان کے تشخص کے ساتھ ان کے اوصاف اور انجام کار کا قطعی کلی طور پر علم حاصل ہے___ اور دیگر کسی مخلوق کیلئے اس کا تصور بھی انسانی عقل سے بعید ہے۔

تخصیص سوالات

سوال: ایمان، اسلام، احسان اور قیامت؛ حضرت جبریلؑ نے ان چار چیزوں کی تخصیص کیوں کی ____؟

جواب: ترتیب واقعی کا تقاضا یہی تھا۔ اس لئے کہ سب سے اول دل میں ایمان آتا ہے جب دل تائید کرتا ہے تو بدن پر اسلامی اعمال کا ظہور ہوتا ہے پھر اعمال کی روح بذریعہ احسان نصیب ہوتی ہے ____ پھر احسان کا درجہ حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے ____ درجہ احسان کے بعد رؤیت حکمی دنیا ہی میں حاصل ہو جاتی ہے۔ اور رؤیت حقیقی آخرت میں نصیب ہوگی۔ نیز ایمان جڑ اسلام اس کی شاخیں ہیں۔ ایمان کی تکمیل و رونق اسلام سے ہوتی ہے آخری مرتبہ احسان بمنزلہ اثمار کے ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی تلاش

فقال هذا جبريل جاء يعلم الناس دينهم:

حدیث الباب میں ہے کہ یہ جملہ آپ ﷺ نے اسی مجلس میں ارشاد فرمایا جبکہ سیدنا عمرؓ کی ایک روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات تین روز بعد ارشاد فرمائی۔

جواب: حضرت عمرؓ والی روایت مرجوح ہے۔ راجح یہی ہے یہ جملہ اسی مجلس کا ہے۔ البتہ تطبیق ایک صورت میں ہو سکتی ہے۔ تلاش کے بعد جو لوگ واپس آ گئے اور جبریلؑ نہ ملے تو ان کو اسی وقت معلوم ہو گیا کہ یہ جبریلؑ تھے۔ مگر سیدنا عمرؓ ان کو تلاش کرنے کیلئے نکلے تو پھر آگے کسی اور کام سے چلے گئے۔ تین روز بعد ملاقات ہوئی تو پھر پتہ چلا۔

روایتِ ام السنۃ

یہ حدیث جبریلؑ پورے دین کا خلاصہ ہے۔ اس لئے کہ ایمان کے جواب میں جو ارشادات فرماتے ہیں وہ علم العقائد میں آ جاتے ہیں اور اسلام کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ علم الفقہ میں آ جاتا ہے۔ اور احسان کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سارے تصوف کا خلاصہ ہے۔ اسلئے یہ روایت ام السنہ کہلاتی ہے ____ نیز اگلی روایت میں ہرقل کا قول نقل کیا ہے وہ کتب سابقہ کا عالم تھا گویا کتب سابقہ میں ایمان، دین کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے ____ اس لئے کہ وہ کبھی دین کا لفظ اور کبھی ایمان کا لفظ بولتا ہے۔ جس سے ترادف مفہوم ہوتا ہے ____ اس لئے اس کو لفظ "باب" سے علیحدہ ذکر کیا۔ کیونکہ یہ استدلال اس درجہ کا نہیں۔ کافر کا قول ہے ____

فائدہ: حدیث جبریل میں ایمان، اسلام احسان کی ترتیب روایات میں مختلف ہے جو رواۃ کا تصرف ہے۔ (کشف 596/2)

طلب علم کے آداب کے دیگر طرق کے پیش نظر

۱: جوانی کے زمانہ میں جب قوت مدرکہ حافظہ پوری طرح محفوظ ہو علم حاصل کرے۔

۲: طالب علم کو نظیف ہونا چاہیے لباس بھلے بیش قیمت نہ ہو مگر صاف ستھرا ہو۔

۳: نشست ایسی ہو کہ بات اچھی طرح سن اور سمجھ سکے۔ (کشف 591/2)

37 باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ سَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا: مجھے ابوسفیان بن حرب نے خبر دی کہ ہرقل نے ان سے کہا میں نے تجھ سے پوچھا کہ اس پیغمبر کے تابعدار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تو نے کہا بڑھ رہے ہیں اور ایمان کا یہی حال ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ پورا ہو جائے۔ اور میں نے تجھ سے سوال کیا کہ کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو برا سمجھتے ہوئے مرتد ہو گیا ہے؟ تو نے کہا نہیں اور ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی خوشی دل میں سما جاتی ہے تو پھر کوئی اس کو برا نہیں سمجھتا۔

ربط: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے نزدیک اس باب کا مقصد ہے مومن کو ہر وقت حبط اعمال کا خوف رہنا چاہیے، اس باب میں تسلی ہے کہ بشاشت ایمانی کے حصول کے بعد حبط اعمال نہیں ہوتا کیونکہ حبط ارتداد سے ہوتا ہے جو بشاشت کے بعد محال ہے لیکن صراحتاً اظہار نہیں فرمایا لئلا یتکل الناس۔ (درس شامزئی 193)

باب "بلا ترجمہ" کی وجوہ

(۱) تشحیذ اذہان کیلئے ترجمہ چھوڑ دیا۔ تا کہ نیا عنوان قائم کیا جا سکے اور عنوان بھی لازم نہ آئے۔

(۲) یہ باب بھی سابقہ باب کے لئے بمنزلہ فصل کے ہے۔ اور اسکے متعلقات میں سے ہے۔

(۳) باب سابق میں ایمان و اسلام میں ترادف ثابت کیا تھا۔ اسی طرح اس باب میں قول ہرقل: هل يرتد احد سخطة لدينه ____ اور آگے اس نے کہا تو كذلك الايمان ____ اس سے دین و ایمان کا اتحاد و ترادف ثابت ہو گیا۔

(۴) ابواب سابقہ میں زیادۃ ونقصان کا اثبات تھا ____ اسی طرح اس باب میں حين يخالط بشاشة القلوب سے اسی کا ثبوت ملتا ہے: کیونکہ کسی کی بشاشت کم ہوتی ہے کسی کی زیادہ۔

باب بترجمہ حضرتؒ نے اس لئے نہیں رکھا کہ ہرقل کی مراد گھٹنا بڑھنا تھی اسلئے استدلال کمزور تھا صرف باب کہہ دیا۔ (تحفہ 294/1)

فائدہ: ملت بڑھ جائے تو ارتداد کے اکا دکا واقعات پیش آتے ہیں۔ یہ دین کی کمی نہیں ہوتی بلکہ تربیت کی کمی ہوتی ہے۔ (تحفہ 294/1)

سوال: ہرقل کے قول سے استدلال بالخصوص ایمان ودین کے بارے میں کیسے صحیح ثابت ہوا ____ جبکہ وہ کافر تھا ____؟

جواب ۱: یہ جواب کتب سابقہ سے دیا گیا ہے۔ ہرقل محض اس کا ناقل ہے۔

جواب ۲: جب حضرت ابوسفیانؓ نے اس قصہ کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا ____ اوراس پر آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا ____ یہ تقریر نبوی ہوگی۔ اور یہ حجت ہے نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابوسفیانؓ سے راوی ہیں تو مراسیل صحابہؓ ہیں جو حجت ہے۔

38 بَاب فَضْلِ مَنْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ

اس شخص کی فضیلت کے بیان میں جو اپنے دین کو بچائے

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنْ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمَى اللَّهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اوران دونوں کے درمیان متشابہات ہیں جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔ پھر جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچے گا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔ اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانوروں کو چرائے وہ قریب ہے چراگاہ میں گھس جائے۔ خبردار ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ خبردار اللہ کی چراگاہ اس زمین میں حرام چیزیں ہیں۔ خبردار! بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا سن لو وہ ٹکڑا دل ہے۔

ربط ۱: حدیث جبریل میں پیچھے ایمان، اسلام، احسان کے سوالات تھے حدیث الباب میں حصول احسان کا طریقہ ہے کہ مشتبہات سے اجتناب کرے۔ (درس شامزئی 193)

نیز احسان میں ترقی حسب درجات استبراء ہوگی نیز اجتناب مشتبہات سے حبط اعمال نہ ہوگا۔

ربط ۲: اس سے پہلے امام بخاریؒ نے ایک باب باب خوف المومن کے عنوان سے قائم کیا تھا۔ اور مومن کو حبط اعمال سے ڈرایا تھا ____ اس باب میں حبط اعمال سے محفوظ ہونیکا راستہ بتلارہے ہیں۔ کہ شبہات سے بچیں۔ حبط اعمال وکفر سے تحفظ ہوگا ____ اس لئے کہ جو مشتبہات سے بچے گا وہ حرام اور کفر سے بچ جاتا ہے۔

ربط ۳: تفاوت ایمان کو تفاوت استبراء سے بیان فرمارہے ہیں۔ کیونکہ وہ مختلف ہوتا ہے۔ تو ورع وتقویٰ کے درجات کی

طرح ایمان کے درجات ثابت ہوگئے۔ متکلمین کے نزدیک نفس ایمان کے نہیں کمالِ ایمان کے درجات ہوتے ہیں۔

ربط ۴: حدیث جبریل میں احسان کا بیان تھا۔ باب ہذا میں طریقِ احسان کی تعلیم ہے ـــــ جو شبہات سے اجتناب میں ہے۔ (کشف 667/2)

تعارفِ رواۃ

سندِ حدیث میں چوتھے راوی حضرت نعمان بن بشیرؓ ہیں۔ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے مولود ہیں۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ یہ مہاجرین میں "اول مولود فی الاسلام" ہیں حضرت ابن زبیرؓ فرماتے ہیں: یہ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں ـــــ ایک سو چودہ (۱۱۴) احادیث ان سے مروی ہیں۔ صغار صحابہؓ میں ان کا شمار ہے وصالِ نبی ﷺ کے وقت آٹھ برس عمر تھی۔

۶۵ھ میں دمشق و حمص کے درمیان شہید کیا گیا۔ حضرت نعمانؓ بن بشیر نام کے ایک صحابی ہیں۔

غرضِ ترجمہ

اس کا مقصد مرجیہ کی تردید ہے اپنے آپ کو شبہ معصیت سے بچانا چاہئے۔ چہ جائیکہ حقیقی معصیت سے اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ بھی کہا جائے کہ معصیت سے نقصانِ ایمان بھی نہیں ہوتا۔ گویا ایمان کیلئے یہ سلبی پہلو ہے جیسے ایمان کیلئے نیکی کرنا' ایجابی پہلو ضروری ہے۔ اسی طرح برائی سے بچنا یعنی سلبی پہلو بھی ضروری ہے۔

تشریحِ حدیث

وبینھما مشتبھات: مشبّہات ہو یا مشتبہات لفظ ہو۔ دونوں کی ایک ہی مراد ہے۔

حمیٰ: حمیٰ اس مخصوص چراگاہ کو کہا جاتا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں کوئی سردار اپنے لئے جگہ مخصوص کر لیتا تھا کہ میرے جانور یہاں چریں گے اور اس کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ سردار کسی بلند ٹیلے پر کھڑا ہو جاتا تھا اور ایک کتا اس کے ساتھ ہوتا تھا پھر اسی کتے کو بھونکنے پر مجبور کیا جاتا جہاں تک آواز جاتی وہ اس کی حمیٰ ہو جاتی۔

آپ ﷺ نے اس رسمِ جاہلیت کو ختم فرماتے ہوئے اعلان فرمایا: لا حمی الا للہ ولرسولہ۔

لا یعلمھا کثیر من الناس۔ خطابیؒ فرماتے ہیں اشتباہ شئی میں ذاتی نہیں اضافی ہوتا ہے اس لئے بعض کو ہوتا ہے۔ (درس بخاری 195)

جیسے جاہلیت کے دور میں بادشاہ یا قبائل کی مقرر کردہ حمیٰ میں عامۃ الناس کو جانور چرانے سے منع کر دیا جاتا تھا ـــــ اسی تناظر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا وان لکل ملک حمی۔ الا ان حمی اللہ محارمہ۔

یعنی اللہ کی حمیٰ اس کی زمین میں اس کے محرّمات ہیں۔ حضرات مومنین کو اس میں داخل ہونے سے منع فرما دیا گیا ـــــ

اسی طرح پھر محرّمات کے ارد گرد مشتبہات ہیں۔ان میں داخل ہونے سے منع فرمایا گیا۔کیونکہ ان سے اجتناب نہ کیا گیا تو کسی بھی وقت حرام صریح کا ارتکاب ہوسکتا ہے۔

تخصیص حمیٰ: چراہ گاہ کو عند الاحناف بوقت ضرورت مختص کرنا جائز ہے۔(درس شامزئی 196)

فائدہ: تین احادیث کے بارے میں فرمایا گیا وہ محیط دین ہیں۔

(۱) حدیث الباب (۲) انما الاعمال بالنیات

(۳) من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔عند البعض لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔

بہر حال حدیث الباب کو سب حضرات نے ثلثِ دین کہا ہے۔اور اس کا ثلثِ دین ہونا اس اعتبار سے ہے کہ دین تین چیزوں کا نام ہے۔ ۱: تقویٰ عن الشرک۔

۲: تقویٰ عن المعصیت۔ ۳: تقویٰ عن الشبہات۔(نیز مکروہات، اسباب حرام و غفلت سے بھی بچا جائے)

تقویٰ عن الشبہات

اہل علم کیلئے الگ اور عامۃ الناس کیلئے الگ ہوتا ہے۔اہل علم کیلئے اس طور پر ہے کہ کسی مقام میں حلت وحرمت کے دلائل میں تعارض ہوجائے؛ ایک جانب کو ترجیح ہوگی تو اسی پر فتویٰ دیں گے۔اور اسی پر عمل کریں گے ____ لیکن جو مرجوح قول ہے وہ مشتبہ ہے اس سے بچنا اولیٰ ہوگا۔واجب نہ ہوگا۔اس کی مثال ضَبّ ہے۔دونوں قسم کے دلائل ہیں کسی مجتہد نے غور وفکر کے بعد حلت کو ترجیح دی ہے اور حرمت کو مرجوح قرار دیا ہے تو جانبِ حرمت مشتبہ ہے اس سے بچنا اولیٰ ہوگا۔ اور اگر متعارض دلائل کا جائزہ لینے کے بعد کسی ایک جانب کی ترجیح قائم نہیں ہوتی بلکہ جانبین مساوی نظر آتی ہیں کہ ایک جانب حلال اور دوسری جانب حرام کا تقاضا کرتی ہے مگر دلائل میں تساوی ہے ____ تو ایسی صورت میں جو جانبِ حرمت ہے وہ مشتبہ ہوگی ____ لیکن اس سے بچنا اہل علم و فتویٰ کیلئے واجب ہے۔اور فتویٰ بھی جانبِ حرمت کا دیا جائے گا۔کیونکہ دلائل حلت وحرمت کا تعارض ہوجائے تو جانبِ حرمت راجح ہوگی ____ اسی لئے حضرات فقہاء فرماتے ہیں اس اصول کی بنیاد یہی حدیث ہے۔تو یہاں مشتبہات سے اجتناب پر عمل کرتے ہوئے جانبِ حرمت کو ترجیح دینا واجب ہے ____

اور عامۃ الناس کیلئے مشتبہات سے بچنے کا طریق کار یہ ہے کہ وہ حلت وحرمت کی جانبین میں تساوی کی صورت میں علمی محاکمہ نہیں کرسکتے تو جو ان کے نزدیک ''اعلم و اتقیٰ'' مفتی ہو اس کے قول و فتویٰ پر عمل کریں۔اس میں یہ ملحوظ رہے کہ اس نکتہ کا خیال نہ کرے کہ کون سہولت زیادہ دے رہا ہے۔یا کس کا قول میری خواہش کے زیادہ قریب ہے ____ چنانچہ ایک آدمی نے اپنے علم کے مطابق ''اتقیٰ و اعلم'' کے قول کو لیا جس سے حلت شیٔ کا ثبوت ہوتا تھا ____ لیکن اس صورت میں کم درجہ میں جو صاحب علم ہے اس کے قول کے لحاظ سے جانب حرمت اس کیلئے گویا درجۂ اشتباہ میں ہے۔اب اس درجۂ اشتباہ کی چیز سے بچنا اس کیلئے اولیٰ ہے۔واجب نہیں ہے۔

نیز اگر کہیں ایسی صورت پیش آئے کہ عامی آدمی کے سامنے صورت مسئلہ کے لحاظ سے دونوں عالم تقویٰ وعلم میں مساوی ہیں تو جس سے وہ عام طور پر اپنے مسائل ومعاملات میں رجوع کرتا ہے تو اسی عالم کے قول کو ترجیح دیں گے۔ یہاں یہ نہ دیکھے کہ مجھے سہولت مل رہی ہے یا نہیں۔ مثلاً کسی حنفی نے طلاقِ ثلاثہ کے بعد غیر مقلد سے رجوع کر کے اہلیہ کو حلال جانا تو یہ خالصۃً خواہش پرستی ہے۔ نہ کہ دین وتقویٰ۔ اس کیلئے جانب حرمت واضح ہے مشتبہ بھی نہیں ہے۔

تمبا کو کھانے کا ہو یا حقہ کا ہو۔ سگریٹ، بیڑی زردہ اس کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ مطلقاً حرام ہے جیسے علماء افریقہ ومراکش وعلماء حضر موت اور بعض علماء ہند، وبحر العلوم اور دوسرے علماء جیسے عبد الغنی نابلوسی اس کو حلال کہتے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ اس کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور ہمارے اکابر اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں۔ بہر حال یہ مشتبہ چیز ہے اس لئے اس کا چھوڑنا اولیٰ ہے۔ مشتبہات پر عمل کرنے سے معاصی کی جرأت پیدا ہوتی ہے۔ (درس بخاری 311)

پھر بالتدریج آگے بڑھنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض اوقات مشتبہات سے بچنا واجب ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ مستحب ہوتا ہے۔ کما مر

ذوقِ تفہیم

اب رہی یہ بات کہ مشتبہ کو کس حد تک چھوڑے اور اس کی کیا حدود ہیں ____؟ کیونکہ ایک طرف حدیث میں تقویٰ عن الشبہات کا حکم ہے اور دوسری طرف لن یشاد الدین کے پیش نظر غلو فی الدین بھی منع ہے ____ اب اس بارے میں حکم یہ ہے کہ مشتبہات سے بچو۔ وسوسہ اور وہم یعنی وہ شبہ جو ناشی من غیر دلیل ہے اس سے بچو ____ چنانچہ اس کو حضرات فقہاء کرام یوں بیان فرماتے ہیں کہ شبہ کا اعتبار ہے لیکن شبہ الشبہ کا کوئی اعتبار نہیں ____

یہ "ملکہ" کہ کس کو شبہ اور کس کو شبہ الشبہ قرار دیں۔ یہ کوئی ریاضی یا عقلی قانون نہیں ہے کہ اس کی تفہیم کی جا سکے اور دو دو چار کی طرح انطباق کر سکیں ____ یہ قلبی ذوق کی بات ہے اور کسی کامل فقیہ اور عارف باللہ کی دیرینہ صحبت کے نتیجہ میں حاصل ہو سکتا ہے۔

مرادِ اشتباہ اور اس کا سبب

اشتباہ سے کیا مراد ہے؟

(۱) عند خطابیؒ شریعت میں اوامر کا بیان ہے۔ اگر جلی ہے تو ہر آدمی کی فہم اس تک رسائی رکھتی ہے اگر خفی ہے تو صرف اہل اجتہاد واصول جان سکتے ہیں کما روی "لا یعرفھا کثیر من الناس" گویا اشتباہ اضافی شیء ہے نہ کہ فی نفسہ۔ لہٰذا اشتباہ کے دور ہونے تک توقف کرے۔ حصول بصیرت کے بعد عملی اقدام کرے۔

(۲) حلت وحرمت کے متعارض دلائل کی وجہ سے کسی جانب کی ترجیح کے باوجود اسے زیر عمل نہ لائے۔ کیونکہ اجتہاد میں امکانِ خطاء موجود ہے۔ ورع کا تقاضا یہی ہے ورنہ از روئے فتویٰ جانب ترجیح پر عمل کر سکتا ہے۔ نیز مکروہات پر عمل کرنے سے

گریز کرے تا کہ ارتکاب حرام نہ ہوجائے۔ یعنی طبعی کنٹرول قائم رہے۔ اور مباحات سے بھی کنارہ کش رہے بالخصوص ماحول میں اگر مقتدیٰ بھی ہو۔ (کشف 683/2) حاصل یہ کہ

۱... اشتباہ کا سبب کبھی تعارض ادلہ ہوتا ہے

۲... کبھی تحقیق مناط میں اختلاف ہوتا ہے

۳... کبھی شریعت کی نظر میں ایک چیز من وجہ حلال اور من وجہ حرام ہوتی ہے۔

۴... حلال چیزوں میں حرمت کا قرینہ یا حجۃ ناقصہ موجود ہو تو فعل پر ترک کو ترجیح ہوگی۔

۵... مواقع تہمت میں دوسرے کو مغالطہ سے تحفظ کیلئے احتیاط برتی جائے ___ پہلی چار کا تعلق اپنے دین وعرض کے تحفظ کے لئے ہے جبکہ پانچویں میں دوسرے کے دین وعرض کا بھی تحفظ ہے۔ (ملخصاً کشف 684/2)

ومن وقع فی الشبهات کراع یرعی۔ (۱) اگر "من" کو شرطیہ مانیں تو اس کی جزا محذوف ہوگی۔ یعنی من وقع فی الشبهات کراع یرعی حول الحمی وقع فی الحرام۔ (۲) اگر موصولہ ہے تو محذوف کی ضرورت نہیں۔ مطلب ہوگا: الذی وقع فی الشبهات مثل راع یرعی۔ (درس شامزئی 196)

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ترجمہ میں صرف لدینہ اور حدیث میں لعرضہ بھی ہے ___ کیونکہ استبراء لدینہ ہے مستلزم ہے استبراء العرضہ کو ___ استبراء دین کا مطلب نقص سے بچانا اور استبراء عرض طعن وتشنیع سے بچانا۔ (درس شامزئی 197)

تختِ قلب پر ایمان کا بادشاہ

الا وان فی الجسد لمضغة الخ

اذا صلحت ___ اس کی صورت یہ ہے دل میں یہ چیزیں پیدا ہوجائیں:-

۱: محبت خداوندی۔ ۲: رضا برقضا۔ ۳: توکل علی اللہ۔ ۴: صبر۔ ۵: شکر۔

۶: امید۔ ۷: خوف۔ ۸: فکر آخرت۔ ۹: قناعت۔ ۱۰: تواضع۔ تلک عشرة کاملة

یہ چیزیں اصلاح قلب کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں۔

واذا فسدت: اس کی صورت یہ ہے دل میں درج ذیل رذائل میں سے کوئی بھی موجود ہو:-

۱: تکبر۔ ۲: عجب۔ ۳: حسد۔ ۴: بغض۔ ۵: حب مال۔ ۶: حب جاہ۔ ۷: حرص۔ ۸: بخل۔ ۹: طول امل۔ ۱۰: حب دنیا

الا وهی القلب:

سوال: "ھی" مبتدا ہے اور القلب خبر ہے۔ تو تذکیر وتانیث کے اعتبار سے مبتدا و خبر میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: جب ضمیر مبتدا بن رہی ہو اس کے مرجع اور خبر میں تذکیر وتانیث کا اختلاف ہو تو مرجع کی رعایت کرنا زیادہ بہتر

ہوتا ہے ۔۔۔۔ مضغۃ مرجع ہے جو مونث ہے اس لئے یہی ضمیر تانیث لائے۔ ورنہ خبر کا تقاضا ہو القلب ہے، کہ مبتدا مذکر ہے۔
اصلاحِ قلب کی قرآنی تعبیر سے مضغۃ اور گوشت مراد نہیں ہے ۔۔۔۔ بلکہ اس لوتھڑے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک تفقہ کی استعداد پیدا فرماتے ہیں۔ جس کو "لطیفۂ قلب" کہتے ہیں ۔۔۔۔ ورنہ گوشت کے لوتھڑے کو تفقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو خون کی پمپنگ کا آلہ ہے۔ اور ہر حیوان ذی روح کے ساتھ ہے۔
اسی لطیفۂ قلب سے ہی خیر وشر کا داعیہ حق وباطل میں امتیاز کی فکر وسوچ ابھرتی ہے۔ اور قرآن وسنت اسی سے مخاطب ہے۔ چنانچہ جو اس تفہیمِ قرآنی کو قبول کرے تو اس کو صاحبِ قلب قرار دیتا ہے ۔۔۔۔ ورنہ اس کے قلب کی نفی کرتا ہے۔ پورے انسان کی اصلاح کا دارومدار اسی قلب کے لطیفہ پر رکھا گیا ہے۔ مرادِ حدیث الباب بھی یہی ہے۔
شرع میں قلب ایک لطیفۂ خداوندی ہے جس کا مرکز قلب مادی ہے ۔۔۔۔ انسان کا پورا جسم ایک ملک، سینہ دار السلطنت، قلب اس کا تخت ہے جس پر ایمان کا بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اگر ایمان کا بادشاہ قوی ہوگا تو سارے جوارح کو تابع بنالیگا نہ ہاتھ بغاوت کر سکے گا نہ آنکھ، نہ کان، نہ زبان ۔۔۔۔ اگر ایمان کا بادشاہ کمزور ہے تو ایک ایک عضو باغی ہو سکتا ہے۔ گویا اصل مشین یا انجن قلب ہے اس کو درست کرلو وہ جدھر جائے گا اعضا اس کے ڈبے ہیں اس کے ساتھ ادھر ہی جائیں گے۔ (نصر الباری 350/1)

39 بَاب أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْإِيمَانِ

مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کرنا بھی ایمان میں داخل ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ يُجْلِسُنِي عَلَى سَرِيرِهِ فَقَالَ أَقِمْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي فَأَقَمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَوْمُ أَوْ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوا رَبِيعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَأَلُوهُ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَحْدَهُ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحْدَهُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ وَقَالَ احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو جمرہؓ کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا وہ مجھ کو اپنے تخت پر بٹھاتے تھے (ایک بار) کہنے لگے تو میرے پاس رہ جا میں اپنے مال میں تیرا حصہ نکالوں تو میں دو مہینے تک ان کے پاس رہا پھر کہنے لگے عبد القیس کے

بھیجے ہوئے لوگ جب آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون لوگ ہیں یا کن کے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا ربیعہ کے لوگ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا مرحباً ان لوگوں کو یا فرمایا ان بھیجے ہوؤں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ۔ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس نہیں آسکتے مگر حرمت والے مہینے میں کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ مضر کے کافروں کا قبیلہ ہے۔ تو ہم کو ایک ایسی بات بتا دیجئے جس کی خبر ہم ان لوگوں کو دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور اس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔ اور انہوں نے آپ سے پینے کی چیزوں کے بارے میں پوچھا پس آپ ﷺ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا۔

آپ نے ان کو حکم دیا اکیلے اللہ پر ایمان لانے کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو اکیلے اللہ پر ایمان کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت کے مال سے پانچواں حصہ دینا اور چار برتنوں سے ان کو منع کیا سبز مرتبان اور کدو کے برتن اور لکڑی کے کریدے ہوئے برتن اور روغنی برتن سے اور فرمایا ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان کو بھی ان باتوں کی خبر دو۔

تعارف حضرت ابو جمرہؒ:

یہ تابعی ہیں۔ ان کا نام نصر بن عمران ہے۔ جو قبیلہ ضبعیہ سے ہیں۔ یہ عبد القیس کی ایک شاخ ہے۔ اسی وجہ سے غالباً حضرت ابن عباسؓ نے ان کی قوم کے متعلق حدیث سنائی۔

ربط

(۱) ماقبل میں حلال بین اور حرام بین کا ذکر تھا اس باب میں گویا اس کی مثال دی گئی ہے۔ اجازت ہو تو حلال بین ہے ممانعت ہو تو حرام بین ہے۔ نیز ماقبل میں مشتبہات سے بچنے کی تاکید تھی حدیث میں مخصوص برتنوں کی ممانعت احتیاط ہی کی وجہ سے ہے۔ (نصر الباری 353/1)

(۲) باب سابق میں دین کو شبہات سے صاف رکھنے کی فضیلت و عظمت تھی ـــــ باب ہٰذا میں وفد عبد القیس نے آپ ﷺ سے صاف نکھری ہوئی باتیں معلوم کیں۔ (فضل الباری 555/1)

(۳) شعب ایمان میں یہ آخری باب ہے۔ تقسیم غنیمت حرب کے بعد ہے اس میں خمس نکالا جاتا ہے اس لئے آخر میں یہ باب ترتیب کے اعتبار سے بہت مناسب ہے۔ (دلیل القاری 287)

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ شعب ایمان میں یہ سب سے آخر میں باب ہے۔ کیونکہ مال غنیمت کی تقسیم اختتام حرب کے بعد ہوتی ہے اسی میں سے پھر خمس نکالا جاتا ہے۔ اسلئے کتاب الایمان کے آخر میں یہ باب ترتیب کے لحاظ سے مناسب ہے۔

غرض بخاری: ایمان کو ذو اجزاء ثابت کرنا ہے۔ من تبعیضیہ ہے۔ ادائے خمس بھی ایمان میں سے ہے۔

جلوس علی السریر کی وجوہ

فیجلس علی سریرہ: سریر پر اپنے ساتھ بٹھانے کی دو وجہ بتلائی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے امیر تھے۔ تو ان کے پاس عجمی (ایرانی) سائل آتے تھے۔ تو حضرت ابو جمرہؓ فارسی دانی کی وجہ سے بحیثیت ترجمان حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بیٹھتے تھے۔

جبکہ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق ہجوم کے وقت معین الصوت تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پست تھی یا یہ کہ بیان عالمانہ ہوتا تو یہ آسان فہم کرتے۔ (درس شامزئی 199)

(۲) اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حج تمتع کرنا چاہیے یا نہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ ہیں۔ مصلحۃً حج تمتع و قران سے منع کرتے تھے تا کہ اشہر حج کے علاوہ لوگ عمرہ کرنے کیلئے آئیں، حرم آباد رہے اور اس کی عظمت قائم رہے ___ لیکن چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ قران و تمتع کئے ہیں۔ اور قرآن کریم میں بالتصریح ذکر ہے اس لئے حضرت ابن عباسؓ و حضرت علیؓ کا موقف یہ تھا کہ قران و تمتع سے منع نہ کیا جائے ___ جب حضرت ابو جمرہؓ نے تمتع کا احرام باندھا تو کچھ حضرات نے انہیں روکا ___ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا: انہوں نے جواز کا ارشاد فرمایا۔ انہوں نے اس پر عمل کرلیا ___

دوران حج مکہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف لائے۔ اور مجھے ارشاد فرمایا: حج مبرور و عمرۃ مقبولۃ ___ تو واپس آکر انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو خبر دی جس سے ان کو بہت زیادہ مسرت حاصل ہوئی ___ کہ میرا فتویٰ اور موقف صحیح ہے۔ جس کو گویا تائید نبوی ﷺ حاصل ہے ___ اس موقع پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا: ابو جمرہ میرے پاس کچھ وقت کیلئے ٹھہر جاؤ۔ گورنمنٹ کی طرف سے جوں ہی میرا وظیفہ آتا ہے تو میں تمہیں کچھ دوں گا۔ تو میں دو ماہ ان کے پاس ٹھہرا رہا ___ اس لئے اعزازاً ان کو سریر پر بٹھایا جاتا تھا ___ نیز یہ فرمانا: میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کرو۔ (معلوم ہوا کہ صالحین کی خدمت کرنی چاہئے۔ اور ترجمان کی ڈیوٹی کی وجہ سے وظیفہ مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔) پھر اسی دوران ان کو حضرت ابن عباسؓ نے وفد عبد القیس کی آمد کا قصہ سنایا۔ جو حدیث الباب میں ہے۔

بارگاہِ نبوت میں وفد عبد القیس کی حاضری

ثم قال ان وفد عبد القیس الخ ___

یہ عبد القیس کا قبیلہ بحرین میں آباد تھا۔ ان کے اسلام لانے کا پس منظر یہ ہے کہ اس قبیلہ کے ایک صاحب منقذ بن حیان مدینہ منورہ آیا کرتے تھے (کشف الباری میں علامہ کرمانیؒ، امام نوویؒ، علامہ عینیؒ اور علامہ قسطلانیؒ کے حوالہ سے منقذ بن حبان

ہے۔انعام الباری نیز نصر الباری میں منقذ بن حیان ہے)____ نیز یہ بھی اختلاف ہے کہ تحقیق احوال کے سلسلہ میں بحرین سے آنے والے کون تھے____ عند البعض اشج نے اپنے بھانجے اور داماد عمرو بن عبد القیس کو تفتیش احوال کے لئے تجارت ثوب کو بہانہ بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا۔کیونکہ اشج کی دوستی ایک راہب سے تھی۔اس نے بتایا تھا مکہ مکرمہ میں نبی کا ظہور ہوگا۔صدقہ نہیں کھائے گا، ہدیہ قبول کرے گا اور خاتم بھی ہوگی۔ چنانچہ یہ علامات دیکھ کر مسلمان ہو گئے ____ ازاں بعد منقذ بن حبان سے ملاقات مدینہ طیبہ میں بعد از ہجرت ہے۔وہ وہاں مسلمان ہو گئے۔عمرو بن عبد قیس اور منقذ بن حبان دونوں اشج کے داماد اور بھانجے معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بغرض تجارت ثوب مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے۔ اسی دوران آپ ﷺ سے ان کی ملاقات ہوگئی____ تو آپ ﷺ نے ان سے دیگر سرداروں کے نام لیکر پوچھا وہ کیسے ہیں؟ وہ کیسے ہیں؟ تو ان کو بہت تعجب ہوا۔کہ آپ ﷺ ان کو کیسے جانتے ہیں____ اس سے ان کو یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔تو دولت ایمان ان کو حاصل ہوگئی____ جب منقذ وطن واپس لوٹنے لگے تو آپ ﷺ نے سرداران بحرین کے نام خطوط لکھوا کر دیئے۔

جب وطن واپس لوٹے تو اپنے اسلام کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔خفیہ طور پر گھر میں ہی نماز ادا کرتے تھے۔اور اپنی اہلیہ سے بھی اس راز کو نہ کھولا____ بہر حال ایک روز ان کی اہلیہ کی نظر پڑ گئی تو نماز کی حرکات وسکنات دیکھ کر بہت متعجب ہوئی____ اس نے اپنے والد منذر بن عائذ جن کا لقب اشج عبد القیس تھا اور اس قبیلہ کے بڑے سردار تھے____ ان سے ذکر کیا کہ جب سے یہ مدینہ طیبہ سے آئے ہیں۔ان میں عجیب تبدیلی ہے۔منہ ہاتھ دھوتے ہیں اور اٹھنا بیٹھنا، مٹی پر پیشانی رکھنا وغیرہ کرتے ہیں____ پھر منذر نے منقذ بن حیان سے پوچھا تو ان کو سارا قصہ بیان کیا تو اس پر منذر بھی مسلمان ہو گئے۔پھر ان دونوں حضرات کے ذریعہ اس قبیلے کے بے شمار افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی بیعت ہو جاؤ اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرلو تو سب لوگوں نے کہا ٹھیک ہے مگر منذر بن عائذ نے کہا: یارسول اللہ! آدمی کا اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرنا بڑا دشوار کام ہے اس لئے ہم خود آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں۔اور ان لوگوں کو ہم دعوت دیں گے۔ان میں جو ہماری اتباع کرے گا ہم میں اس کا شمار ہوگا اور جو کوئی انکار کرے گا ہم اس سے قتال وجہاد کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو۔

اسی موقع پر آپ ﷺ نے منذر بن عائذ الاشج کو فرمایا تمہارے اندر دو خصلتیں بہت اچھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں ایک حلم اور دوسرے اناءۃ۔جلدی نہ کرنا انجام پر نظر رکھنا۔حلم سمجھ بوجھ کو کہتے ہیں۔

منذر بن عائذ کا لقب الاشج نبی کریم ﷺ نے ان کے چہرے میں نشان کی وجہ سے دیا۔(درس بخاری 317)

پھر یہ حضرات مدینہ طیبہ آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے____

محققین کی رائے یہ ہے کہ وفد عبد القیس کی آمد دو مرتبہ ہے۔۶ھ میں یہ وفد بارہ افراد پر مشتمل تھا۔اور ۸ھ میں چالیس افراد تھے۔ان کے سردار کا نام منذر جس کا لقب اشج تھا۔جب مدینہ طیبہ پہنچے تو قافلہ کے دیگر لوگ جلدی سے والہانہ انداز میں آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہو گئے____ لیکن حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے تمام ساز وسامان سنبھالا۔سواریوں کو باندھا۔غسل

کیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ اطمینان کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ جس پر آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ میں دو خصلتیں بڑی عمدہ ہیں۔ ۱: الحلم ۲: والاناۃ، بردباری ودانائی

یہ واقعہ کس موقع کی آمد کا ہے؟ زیادہ تر رجحان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ ۶ھ کا ہے۔

تشریح حدیث

قال: مَن القوم او من الوفد:

اَوْ جہاں تشکیک کیلئے ہو وہاں "قال" محذوف ہوتا ہے۔ اس لئے او قال من الوفد پڑھا جائیگا ____ یہ شک راوی ہے۔

قالو: ربیعۃ:

یہ ربیعہ خبر ہے اس کا مبتدا ھی محذوف ہے۔ اور یہ قال کا مقولہ ہے۔ جو جملہ ہوتا ہے ____

ابتداءً عرب کے دو بڑے قبائل ہیں۔ ۱: ربیعہ۔ ۲: مضر۔ یہ دونوں نزار بن عدنان کے بیٹے تھے۔ اس کے دو بیٹوں سے قبیلے چلے۔ ایک ربیعہ اور دوسرے مضر؛ یہ دونوں بنی نزار کی بڑی شاخیں ہیں۔ آپ ﷺ کا تعلق قبیلۂ مضر سے تھا۔ یہ آنے والے وفد کے حضرات کا تعلق ربیعہ سے تھا۔

مرحبا: یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تُرَحِّبُ مرحباً۔

غیر خزایا ____ یہ خزیان کی جمع ہے جس کا معنیٰ "ذلیل کئے ہوئے" ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خوشی سے مسلمان ہوئے تھے۔ اس لئے "غیر خزایا" فرمایا گیا۔

ندامی: ندامی؛ یہ ندمان کی جمع ہے بمعنی شراب نوشی کا ساتھی ____ لیکن یہاں یہ معنی صحیح نہیں بنتا ____ اگر اس کو "نادم" بمعنی پشیمان ہونا کی جمع مانیں تو پھر معنی تو صحیح ہوگا ____ لیکن اس کی جمع حسب قاعدہ "ندامیٰ" نہیں آتی ____ لیکن خزایا کے ساتھ "مشاکلۃ" ندامیٰ کے وزن پر لے آئے۔ اس کو جمع ازدواجی کہتے ہیں۔ جیسے لا ملجأ و لا منجأ من اللہ الخ یہ منجیٰ؛ یعنی جگہ نجات ہے لیکن منجاء پڑھتے ہیں مشاکلۃً کیونکہ ہمزہ ازدواجی ہے۔ رسوائی اس وجہ سے نہیں کہ قید کر کے لانے کی بجائے آپ خود آگئے اور ندامت اس وجہ سے نہیں کہ باہمی لڑائی نہیں ہوئی جس میں تمہارے، ہمارے آدمی قتل ہوئے ہوں جو شرمندگی کا باعث ہو۔

ھذا الحی:

مراد کفارِ مضر کا قبیلہ ہے۔ اشہر حرم: ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ہے۔ اور اشہر حج شوال، ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے دس ایام ہیں۔

وانا لا نستطیع ان ناتیک:

عرب کا مشرقی کنارہ خلیج فارس ہے۔ مغربی جانب بحر احمر ہے۔ درمیان میں جو خشکی کا علاقہ ہے وہی "عرب" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

عرب کے تین حصے ہیں۔ایک نشیبی حصہ جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے۔اس کو تہامہ کہتے ہیں۔اونچی نیچی زمین جو درمیان میں واقع ہے اس کو نجد کہتے ہیں۔نجد اور تہامہ کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ ہے اس کا نام "حجاز" ہے یہ بحرین سے تعلق رکھتے تھے تو کفارِ مضر کا قبیلہ ان کے درمیان حائل تھا ــــ اس لئے یہ حضرات صرف اشہر حرام میں مدینہ طیبہ آسکتے تھے۔تو ان کا کہنا تھا کہ ہم بار بار آپ ﷺ کے پاس نہیں آسکتے تھے۔اس لئے ہمیں کچھ اصولی باتیں بتلادیجئے۔

سوال: وفد عبدالقیس نے عرض کیا ہم صرف اشہر حرام میں ہی آسکتے ہیں۔حالانکہ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد آئے۔جب کہ اسلام غالب ہو چکا تھا۔اب کون روک سکتا تھا تو انا لا نستطیع کیسے کہا ــــ ؟

جواب: انا لا نستطیع کا واقعہ ۶ ھ کا ہے۔اس وقت غلبۂ اسلام نہیں ہوا تھا ــــ ۸ھ میں دوسری مرتبہ آئے۔
ان حضرات نے دو سوال کئے۔ایک امر فصل کا اور دوسرا اشربہ کے بارے میں۔

فمرنا بامر فصل: فصل بمعنی مفصول یا مفصل۔حضرت شاہ صاحبؒ سے ترجمہ منقول ہے۔نمٹی ہوئی بات۔اور عند البعض "نکھری ہوئی بات"۔(درس شامزئی 200)

فامرهم باربع

سوال: اجمال و تفصیل میں اس طرح مطابقت نہیں ہے کہ اجمال میں چار چیزیں ہیں اور تفصیل میں بتلائی پانچ ہیں۔

جواب ۱: علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں: تفصیل میں صرف ایک ہی چیز بیان کی ہے ــــ ایمان اور اس کی تفصیل۔باقی تین کو راوی نے سہواً یا اختصاراً حذف کر دیا۔اجمالاً ایک ہی چیز ہے تفصیلاً چار چیزیں ہیں۔خمس ضرورت کے تحت ہے۔دوا نہیں۔

قاضی بیضاویؒ کی توجیہ پر اشکال ہے کہ بہت ہی بُعد اور تعجب خیز بات ہے کہ نسیان واختصار کا ثبوت کلی ہو کوئی راوی بھی امور مذکورہ کے علاوہ دیگر تین امور روایت نہیں کرتے۔(کشف ج2 ص723)

جواب ۲: شہادتین کا ذکر بطور تبرک وتمہید کے ہے۔ازاں بعد چار چیزیں بیان کی ہیں۔

جواب ۳: نماز اور زکوۃ کو شدتِ اتصال کی وجہ سے ایک ہی شمار کیا۔

جواب ۴: وان تعطوا من المغنم خمسا یعنی چار کا اور خمس کا حکم دیتا ہوں ــــ اس کا عطف اربع پر ہے۔یہ اربع کے تحت داخل نہیں۔یہ اس عطف کی وجہ سے ان سے الگ ہے۔تفصیل میں اشیاء اربع کا بیان ہوا ــــ یہ شیء زائد ہے۔
آپ ﷺ نے تبرعاً حالات کے تقاضے کے تحت اس کا بیان فرمایا ــــ کیونکہ راستے میں کافر پڑتے تھے،اگر ان سے لڑائی ہو جائے، مال غنیمت آجائے تو اس میں سے خمس بیت المال کو دیدیں۔سارا رکھنا صحیح نہیں ہے۔

جوب ۵: ایک جواب یہ ہے کہ ادائے خمس زکوۃ کے ساتھ ملحق ہے اور اسی کا ایک شعبہ ہے یہ بھی حقوق مالیہ میں سے ہے۔نیز اگر خمس امر زائد ہو تو حرج بھی کیا ہے۔چار روپے کا وعدہ کرنے پر پانچ دیدیں تو زیادہ فضل و کرم کا اظہار ہے۔(فضل الباری 554/1)

سوال: اس میں حج کا ذکر نہیں۔

ج ۱: چونکہ یہ قصہ ۶ ھ کا ہے اس میں فرضیت حج ابھی نہیں ہوئی تھی تو ذکر کیسے ہوتا ــــ ؟ لیکن اگر ۸ھ والی

روایت کولیں پھر اشکال ہے کہ حج کی فرضیت ہے اور اس کا ذکر نہیں

جواب: چونکہ اشہر حرم کے علاوہ نہیں آسکتے تھے تھے۔ دور رہتے تھے تو ان پر حج فرض نہیں تھا۔ (بوجہ احصار فرضیت حج نہیں تھی)

جواب ۲: اختصار راوی ہے۔ بعض روایات میں حج کا ذکر بھی ہے۔ ۳: جمیع افعال وتروک کا استقصاء نہیں فرمایا حسب حال ممکنہ افعال وتروک کا ذکر فرمایا۔ جو دخول جنت کا باعث ہیں۔

فنھاھم عن اربع

وفد نے الاشربہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے جواب میں برتن کے احکام ارشاد فرمائے۔

ج ۱: مخاطب سائل کے منشاء کو خوب سمجھتا ہے۔ ان کا سوال برتنوں ہی سے متعلق تھا۔ اس لئے جواب سن کر وہ مطمئن بھی ہو گئے۔ اور سوال تبدیل نہ کیا۔

جواب ۲: مبالغہ فی النہی ہے۔ جب برتن ہی رکھنا جائز نہیں تو ان میں ڈالا جانے والا مشروب بھی منع ہوگا۔ فی ذاتہ برتن میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (واضح رہے برتن کے استعمال کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی ــــــ بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔)

تشریح الفاظ

الحنتم: جس کو اردو وفارسی میں "سبو" کہتے ہیں۔ شراب کا یہ مٹکا سبز رنگ کا ہوتا تھا۔ اس لئے اس کی تفسیر الجرۃ الخضراء ہے۔

والدباء: کدو کے اندر سے گودا نکال کر اس میں شراب سازی کرتے تھے۔ اس میں جلد شراب تیار ہو جاتی تھی۔

النقیر: اس کے اصل معنی ٹھونک لگانا اور کھودنا ہے۔ کھجور کی جڑ کو کھود کر اس سے پیالہ بناتے تھے۔ اس میں نبیذ ڈال کر شراب تیار کرتے تھے۔

المزفت: وہ مٹکا جس کے اوپر زفت ملا گیا ہو۔ اور زفت کی تشریح عند البعض یہ ہے کہ یہ خاص درخت کی رال ہے۔ جب یہ رال مٹکے کے اوپر مل دی جاتی تھی اس کے مسام بند ہو جانے کی وجہ سے خارجی اثر کے موقوف ہونے کی بنا پر شراب جلد تیار ہو جاتی تھی۔

ــــــ عند البعض زفت سے مراد تارکول ہے۔ جوٹی کے تیل وغیرہ سے نیچے تلچھٹ ہوتی ہے۔ یہی وہ تارکول مراد ہے۔ اس کا اثر بھی مندرجہ بالا ہوتا ہے اور شراب جلد تیار ہو جاتی ہے۔

بعض راویان نے المزفت کی بجائے وربما قال المقیر۔ یہ قیر سے مشتق ہے اور قیر کے معنی بھی تارکول کے ہیں تو معنی ومقاصد دونوں حسب سابق مشترک ہیں۔

مندرجہ بالا برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت مقصود تھی کیونکہ ان برتنوں میں سکر جلد آتا تھا ــــــ پھر قبیلہ عبد القیس نے نبیذ کے عدم استعمال سے پیٹ کی خرابی کی شکایت کی تو ان کے استعمال کی اجازت دیدی گئی۔ (کشف 729/2)

40 بَاب مَا جَاءَ إِنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ

وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَدَخَلَ فِيهِ الْإِيمَانُ وَالْوُضُوءُ وَالصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ وَالْحَجُّ وَالصَّوْمُ وَالْأَحْكَامُ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى {قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ} عَلَى نِيَّتِهِ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةٌ وَقَالَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ.

حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ.

ترجمہ: اس بات کا بیان کہ عمل نیت اور خلوص کے ساتھ صحیح ہوتا ہے۔

ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے تو عمل میں ایمان، وضوء، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور سارے معاملات (جیسے بیع، شراء، نکاح، طلاق وغیرہ سب) آگئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ بنی اسرائیل میں) فرمایا: اے پیغمبر کہہ دے ہر کوئی اپنی طریق یعنی نیت پر عمل کرتا ہے اور (اسی وجہ سے) آدمی کو ثواب ملتا ہے اور (جب مکہ فتح ہوگیا) تو حضور ﷺ نے فرمایا: اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا عمل نیت ہی سے صحیح ہوتے ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے پس جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی اور جو شخص دنیا کمانے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرے تو اس کی ہجرت ان ہی کاموں کی طرف ہوگی۔

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو صدقہ کا ثواب ملے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو جو کچھ خرچ کرے اور اس سے تیری نیت اللہ کی رضامندی کی ہو تو تجھ کو اس کا بھی ثواب ملے گا حتی کہ اس پر بھی جو تو اپنی زوجہ کے منہ میں لقمہ ڈالے۔

ربط

ماقبل میں مذکورہ تمام اعمالِ خیر جن میں ایمان بھی داخل ہے ان کی مقبولیت واعتداد بھی وہی مطلوب ہے جس کا مقصد ابتغاء وجہ اللہ ہو ـــــ ورنہ قابلِ شمار اور نافع بھی نہیں۔ اسی لئے تصحیح نیت اور احتساب سب سے اہم ہے۔ (فضل الباری 556/1)

غرضِ ترجمہ

اس باب سے مقصود کرامیہ کا رد ہے کہ صرف زبانی اقرار اور ایمان کافی نہیں۔ جبکہ دل میں تصدیق نہ ہو۔

نیت اچھی کرلوگے تو جو کچھ بھی کروگے اس میں صدقہ کا ثواب ہے۔ حتی کہ اہلیہ کے منہ لقمہ ڈالنے تک، جبکہ وہ مجبور نہیں اور فائدہ خاوند کو ہے ـــــ اہلیہ جائز محلِ شہوت ہے نیت کی وجہ سے یہ بھی صدقہ بننے اور محلِ ثواب ہونے میں رکاوٹ نہیں۔ (کشف 753/2)

امام بخاریؒ نے صرف قول کو ایمان قرار نہیں دیا اس کے ساتھ عقیدۂ قلب ضروری ہے معلوم ہوا اصل تصدیق ہے اگر تصدیق بھی ایمان نہیں تو اسکے لئے باب قائم کرنا چاہیے تھا حالانکہ ایسا کوئی باب قائم نہیں کیا۔ (تحفہ 302/1)

درجاتِ ایمان

حضرات محققین فرماتے ہیں درجاتِ ایمان تین ہیں۔

(۱) وجودِ عینی: یہ ایک محسوس چیز ہے۔ کہ قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ یہ "یزید و ینقص" ہے۔ جب اس کا وجود ہوتا ہے تو سب سے پہلے شرک اور از اں بعد دیگر کبائر سے بچتا ہے۔ اہلِ مکاشفہ کو اس کا احساس ہوتا ہے۔

(۲) وجودِ ذہنی: کہ ذہن میں تصدیق و تسلیم کرے۔

(۳) وجودِ لفظی: کہ صرف شہادتین کا تلفظ کرے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس سے صرف لوگوں کو دھوکہ دے سکتا ہے۔

(۴) ماقبل میں مذکورہ اعمال دخولِ جنت کا سبب ہیں مگر وہ مشروط بالاخلاص ہیں ورنہ عمل ہی کہلانے کے مستحق نہیں۔

(۵) حضرت امام بخاریؒ نے نیت کی تعریف "حسبۃ" سے کی ہے اور حسبہ و احتساب طلب ثواب کو کہتے ہیں ـــ معلوم ہوا عند البخاری انما الاعمال بالنیات کا مطلب انما ثواب الاعمال بالنیات ہے۔ یہی حنفیہ کہتے ہیں۔ نیز فرق باطلہ کی تردید میں نیت اظہارِ حق کی تھی۔ (کشف 730/2)

امام بخاریؒ فرما رہے ہیں: الاعمال بالنیۃ اور سابق میں یہ فرما چکے ہیں الایمان ھو العمل۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہے کہ الایمان بالنیۃ ای بالتصدیق القلبی ـــــ تو کرامیہ پر رد ہو گیا۔

❁❁❁

نیت وحسبۃ میں فرق:

بعض کے نزدیک مترادف ہیں۔ یعنی ثواب کے حصول کی نیت کرنا۔ جبکہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں حسبہ نیت سے اونچے درجہ کی چیز ہے۔ ایک تو محض نیت کرنا ہے اور ایک ہے عند العمل کمل استحضارِ نیت۔ خلاصہ یہ کہ حسبہ ونیت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ جہاں حسبہ ہوگا وہاں نیت کا پایا جانا ضروری ہے لا بالعکس۔

والوضوء: یہاں سے امام بخاریؒ حضرات احناف کا رد فرمانا چاہتے ہیں۔ باقی تو تمام افعال میں نیت کو ضروری قرار دیتے ہیں مگر وضو میں نہیں۔

جواب ا: حنفیہ وسائل اور مقاصد میں فرق کرتے ہیں۔ وسائل کیلئے نیت ضروری نہیں۔ مقاصد کیلئے نیت ضروری ہے۔ کپڑا، بدن وغیرہ بغیر نیت پاک ہوجاتے ہیں ___ مقاصد میں چونکہ ثواب بھی مقصود ہوتا ہے تو وہ بلا نیت مل ہی نہیں سکتا۔ وضو وسائل کے قبیل سے ہے۔

جواب ۲: وضو میں دو چیزیں ہیں۔ ا: تطہیر بدن یعنی آلۂ صلوٰۃ۔ ۲: ثواب۔ ثواب کیلئے نیت ضروری ہے ___ امام بخاریؒ وضو کا ذکر فرما کر رد علی الحنفیہ نہیں فرما رہے بلکہ تائید حنفیہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں فرمایا: الحسبۃ ای طلب ثواب۔ تو طلب ثواب کیلئے نیت ضروری ہے۔ نہ کہ تطہیر کیلئے۔

قل کل یعمل علی شاکلته

شاکلته کی تفسیر:

(۱) شاکله اگرچہ اصلا طبیعت کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں بمعنی نیت ہے۔ اسی طور پر حضرت امام بخاریؒ نے یہاں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) شاکله کی دوسری تفسیر بواطن سے کی جاتی ہے۔ یعنی جو عامل کے اندر ہوگا۔ اسی کے مطابق عمل کرے گا۔ نیک جذبات ہیں تو نیکی؛ برے جذبات ہیں تو برائی کرے گا۔

(۳) علی دینه۔ (۴) علی ناحیته یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ (درس شامزئی 206)

فم امرأتک۔ یہ فی امرأتک بھی منقول ہے لیکن یہی اصح ہے کیونکہ اضافت کے وقت "م" گر جاتا ہے۔ (درس شامزئی 206)

یحتسبها صدقةفهی له صدقة:

ثواب کی نیت کرے گا تو ثواب ملے گا۔ ورنہ بلا نیت حقوق ادا ہوجائیں گے ___ یہ بھی حنفیہ کی تائید ہوگی کہ نفسِ عمل تو درست ہے ورنہ ادائیگی حقوق ہی نہ ہو۔

لکن جهاد و نیة:

اس کا حاصل یہ ہے جس وقت جو عمل ہو رہا ہے مثلاً جہاد ہو رہا ہے؛ ہجرت ہو رہی ہے، بالفعل یہ اعمال کرے اور نیت ثواب کرے۔ اگر یہ اعمال موقوف ہوجائیں تو نیت رکھے جب ان اعمال کا وقت آئے تو ضرور کروں گا۔

41باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة

بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ وَقَوْلِهِ تَعَالَى {إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ}

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ قَامَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْوَقَارِ وَالسَّكِينَةِ حَتَّى يَأْتِيَكُمْ أَمِيرٌ فَإِنَّمَا يَأْتِيكُمْ الْآنَ ثُمَّ قَالَ اسْتَعْفُوا لِأَمِيرِكُمْ فَإِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ أُبَايِعُكَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهُ عَلَى هَذَا وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ إِنِّي لَنَاصِحٌ لَكُمْ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.

ترجمہ: آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ دین سچے دل سے اللہ کی فرمانبرداری

اور اس کے پیغمبر اور مسلمان حاکموں کی اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ توبہ میں) فرمایا جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں رہیں۔

حضرت جریر بن عبد اللہ؄ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے حضور ﷺ سے بیعت کی نماز کے قائم کرنے، زکوۃ کے ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔

حضرت ابوعوانہ؄ نے زیاد بن علاقہ سے کہا: میں نے جریر بن عبد اللہ سے سنا جس دن مغیرہ بن شعبہ؄ (حاکم کوفہ) نے وفات پائی تو وہ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف کی اور خوبی بیان کی اور کہا کہ تم کو ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے سے ڈرنا چاہئے اور تحمل واطمینان سے رہنا چاہئے حتیٰ کہ دوسرا امیر تم پر آجائے وہ اب آتا ہے۔ پھر یہ کہا کہ حاکم کے لئے مغفرت کی دعا مانگو کیونکہ وہ بھی (مغیرہ؄) معافی کو پسند کرتے تھے۔ پھر کہا اس کے بعد تم کو معلوم ہو میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا: میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر تو میں نے اس شرط پر آپ سے بیعت کرلی۔ اس مسجد کے مالک کی قسم میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا اور (منبر سے) اتر گئے۔

اس حدیث کو تعلیقاً لائے۔ اس لئے کہ مدار حدیث سہیل بن ابی صالح ہیں وہ شرط بخاری کے مطابق نہیں۔ مگر فی الجملہ قابل استدلال ہے۔ (کشف 756/2)

غرضِ ترجمہ

اس باب سے امام بخاریؒ یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں اجزائے دین میں نصیحت بھی ہے۔ بلکہ نصیحت اتنا اہم جز ہے اگر یہ بھی کہا جائے کہ دین نصیحت ہی کا نام ہے تو یہ بھی مناسب ہے۔ درجاتِ نصیحت کی طرح درجات دین وایمان ثابت ہوئے تو ترکیب ایمان بھی ثابت ہوئی۔

نیز یہ بھی اشارہ ہے جو کچھ بھی میں نے ماسبق میں بیان کیا ہے تو اس کے اندر بھی جذبہ خیر خواہی ونصیحت ہے۔ مختلف فرقوں کے مذاہب کے حوالہ سے اگر رد کیا گیا ہے تو اس میں نفسانی جذبہ شامل نہیں۔ بلکہ دینی خیر خواہی پیش نظر ہے۔

حدیث الباب سے دو طور پر درجات ایمانیہ یعنی یزید وینقص کا ثبوت ہے۔(۱) نصیحۃ للہ سب سے اعلیٰ درجہ اور لرسولہ کا دوسرا درجہ نیز ائمہ وعوام کا درجہ اور بھی کم۔ تو تفاوت نصیحت ثابت ہوا تو دین کا بھی تفاوت ہوا کیونکہ عند البخاری دین وایمان متحد ہیں تو ایمان یزید وینقص ہوا۔(۲) یہی تفاوتِ ایمان بایں طور پر بھی ثابت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیحۃ للہ کا درجہ سب سے اعلیٰ پھر صحابہ کرامؓ کا پھر عام لوگوں کا درجہ ہے۔ تو اس تفاوت فی النصیحۃ کی وجہ سے تفاوت ایمان ثابت ہوا۔(درس شامزئی 207)

تشریح حدیث

حدیث الباب میں الدین النصیحۃ، مبتدا اور خبر ہیں۔ نیز دونوں ہی معرفہ ہیں۔ اور دونوں کی تعریف سے فائدۂ حصر ہے ــــ پھر حصر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مبتدا کا حصر خبر پر ہو۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ دین نصیحت ہی ہے۔ اس صورت میں یہ حصر مبالغہ کیلئے ہوگا۔ ورنہ اور بھی بہت سی چیزیں دین ہیں۔(۲) دوسری صورت یہ ہے خبر کا حصر مبتداء پر ہو۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ نصیحت تو دین ہی ہے۔ منصوح لہ کیلئے تمام حظوظِ خیر کو جمع کر دینا نصیحت ہے جو دین کیلئے قوۃ وثبات کا باعث ہے۔

النصیحۃ: یہ فعیلہ کے وزن پر ہے۔ لغتِ عرب میں اس کے دو معنی ہیں۔

۱: نصحت العسل: میں نے شہد کو صاف کیا۔ ۲: نصحت الثوب: میں نے کپڑے کو سیا اور جوڑا۔

لفظِ نصیحت ان دونوں سے لیا گیا ہے ــــ نصیحت کا مطلب یہ ہوا ہر وہ عمل جو خلوص اور جوڑ پیدا کرے۔ اور اگر کوئی ایسا عمل جو توڑ پیدا کرے مگر بلا اخلاص ہو تو وہ آدھی نصیحت ہے ــــ اسی طرح اگر ایک بات جوڑ پیدا کرتی ہے مگر بلا اخلاص نہیں تو وہ بھی آدھی نصیحت ہے۔

الدین پر النصیحۃ کا حمل ہے اور نصیحت عمل ہے معلوم ہوا عمل دین وایمان میں داخل ہے۔(کشف 755/2)

النصیحۃ للہ

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی عظمت کا قائل ہونا۔ بایں طور جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خلاف بولے یا شرک کرے تو اس کی تردید کرے۔ نیز ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے حضرت عیسیٰؑ نے دورانِ تقریر یہی لفظ النصیحۃ للہ کے ارشاد

فرمائے ___ تو ایک حواری نے یہ پوچھا اس کا مطلب کیا ہے۔اس پر ارشاد فرمایا: الذی یقدم حقوق اللہ علی حقوق العباد۔
پھر شارحین نے یہاں النصیحۃ لکتاب اللہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

والنصیحۃ لرسولہ:

یعنی آپ ﷺ کے حقوق کا خیال کرے۔طاعت،عظمت،محبت کرے،اور جمیع ماجاء بہ النبی ﷺ کی تصدیق کرے۔
آپ کے حق کو تمام مخلوقات پر مقدم کرے۔

النصیحۃ لائمۃ المسلمین:

ائمہ کا مصداق دو ہیں۔۱: حکام وقت،مطلب یہ ہوگا امورِ جواز میں ان کی اطاعت کرے۔خروج و بغاوت نہ کرے۔لوگوں کو بھی ان کی طرف راغب کرے۔۲: اگر ائمہ مجتہدین مراد ہوں تو پھر مطلب یہ ہے ان پر اعتماد کرے۔ان کے ارشادات پر عمل کرے۔خود بھی عزت کرے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرے۔

وعامتھم:

عامۃ الناس میں اختلاف وشقاق نہ ڈالے۔دینی ودنیوی دونوں طرح سے ان کی خدمت کرے،مخدوم نہ بنے۔
ع طریقت بجز خدمت خلق نیست۔

اصل طریقت یہی ہے ___
عند الزہریؒ حافظؒ اور عینیؒ یہ ہے کہ یہ حدیث جامع ہے۔نصیحۃ للہ سے احکام قرآنی ولرسولہ سے علوم سنت ولائمتہ سے امور معاشرتی وقضایا اور عامتھم میں تعلقات عام آگئے۔(درس شامزئی 208)
حدثنا مسدد: لطیفۂ سند: اس سند میں مسدد اور یحیٰ کے علاوہ تمام رواۃ بجلی ہیں۔
۲: سب راوی کوفی ہیں۔۳: سب کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔حتیٰ کہ امام بخاریؒ کی کنیت بھی ابوعبداللہ ہے۔

تعارفِ یوسف ہٰذہ الامۃ

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ:

آنحضرت ﷺ وفات سے چھ ماہ قبل شرفِ ایمان سے نوازے گئے۔انہیں چادر عطا فرمائی نیز ارشاد فرمایا اذا جاء کم کریم قوم فاکرموہ۔مدینہ منورہ حاضری سے پہلے لباس تبدیل کرکے حاضر دربار ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سید خل علیکم من ھذا الفج من خیر ذی یمن الا وان علی وجھہ مسحۃ ملک۔(کشف 764/2)بہت حسین وجمیل تھے۔
آپ ﷺ نے انہی کے بارے میں فرمایا: یوسف ھذہ الامۃ۔

اسلام سے قبل ہزار درہم کا جوڑا پہنتے تھے۔ بعد از اسلام موٹا کپڑا اور بٹن کی جگہ کانٹا لگاتے تھے۔

ذو الخلصہ کا بت توڑنے کیلئے آپ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تھا جسے کعبہ یمانیہ کہا جاتا ہے ـــــ اور ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے ثبات علی الفرس کی دعا فرمائی۔ چنانچہ پھر کبھی نہ گرے۔ (اللھم ثبتہ واجعلہ ھادیاً مھدیاً)

قبیلۂ احمس کے لئے پانچ مرتبہ دعا فرمائی ڈیڑھ سو افراد تھے۔

علی اقامۃ الصلوٰۃ: (دوسرے طریق میں شہادتین کا بھی ذکر ہے۔) والنصح لکل مسلم

اس سے معلوم ہوا عمومی بیعت کے ساتھ خصوصی فعل پر بھی بیعت لی جاسکتی ہے ـــــ

حدثنا ابو النعمان سمعت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ:

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ طاعون کی وجہ سے ۵۰ھ کوفہ میں فوت ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بصرہ کے والی تھے۔ بصرہ میں سب سے پہلے انہوں نے انصاف و انتظام فرمایا۔

پھر حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں والیٔ کوفہ تھے۔ بہت نرم تھے۔ لوگوں کو جرائم میں معافی دینے کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ ان کی خصوصی صفت تھی۔ انہوں نے قبل از وفات حضرت جریر بن عبد اللہؓ کو وصیت فرمائی جب تک حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے باضابطہ امیر نہ آئے۔ اس وقت تک آپ نائب بن کر نمازیں بھی پڑھائیں اور امورِ مملکت بھی چلائیں ـــــ جب حضرت امیر معاویہؓ کو وصال کا علم ہوا، انہوں نے بصرہ میں زیاد کو لکھا تم امیر کوفہ ہو ـــــ وقال البعض: انہوں نے وصیت نہ کی تھی ـــــ تاہم حضرت جریرؓ نے از خود نظم و نسق سنبھالا اور نئے امیر کی آمد تک ان معاملات کو سنبھالے رکھا۔ لوگوں کو وقار و سکون کی تلقین فرمائی۔

حضرت جریرؓ سے سو احادیث مروی ہیں آٹھ متفق علیہ ایک میں امام بخاری اور چھ میں امام مسلم متفرد ہیں۔ (ایضاً 766/2)

استعفوا الامیر کم: ـــــ

جیسے وہ لوگوں کے ساتھ عفو کا معاملہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ عفو کا معاملہ فرمائے۔ لوگو! ان کے لئے دعا کرو۔

ورب ھذا المسجد:

خطبہ مسجد کوفہ میں دیا ـــ وہی مراد ہوگی ـــ مگر طبرانی میں "ورب الکعبۃ" کے الفاظ ہیں، ہوسکتا ہے ھذا المسجد سے مراد مسجد حرام معہود فی الذھن ہو۔

انی لناصح لکم:

اس جملہ کا حاصل یہ ہے امیر کے وصال کے بعد میرا از خود امیر بننے کا ارادہ نہیں۔ کوفہ چونکہ سیاسی شورشوں کا گڑھ تھا۔ تو اپنی حیثیت اور عزائم واضح کردئے۔ مرکز کی طرف سے نئے امیر کی آمد تک وقار و اطمینان کے ساتھ رہو۔ کسی احتجاج و تحریک کی ضرورت نہیں۔ اس کے پسِ منظر میں ایک مشہور مقولہ ہے الکوفی لایوفی: اس لئے یہ اظہار کردیا۔

استغفرو نزل

امام بخاریؒ کی عادت مبارکہ یہ ہے باب کے آخر میں تو اضعاً استغفار فرماتے ہیں۔ نیز ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے ختم واختتام کی طرف اشارہ ہو۔ یہاں بھی آخر میں نزل ای ختمہ کالفظ لائے۔ جیسے حدیث ہرقل کے آخر میں لائے تھے: کان آخر شان ھرقل۔

علاوہ ازیں یوم مات مغیرہ بن شعبہ۔ اختتام پر صراحۃً دال ہے۔ تو حافظؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ دونوں کا مدعیٰ ثابت ہوا۔ (درس شامزئی 212)

فائدہ ا: یہ حدیث ان جوامع الکلم میں سے ہے جن میں سارا دین سمٹ کر آ گیا ___ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق، رسول اللہ ﷺ کا حق نیز اولو الامر کا بھی حق ہے اور عوام کا بھی حق ہے۔

علماء نے لکھا ہے اگر ذخیرۂ احادیث میں یہی ایک حدیث ہوتی تو ہدایت کیلئے کافی تھی۔ (فضل الباری 559/1)

فائدہ: حضرت جریرؓ یمن کے گورنر تھے؛ اس قدر ناصح تھے کہ بیع میں صاحب السلعۃ سے فرماتے: آپ کی مبیع ہمیں اپنے پیسوں سے زیادہ پسند ہے از روئے خیر خواہی کہتا ہوں اگر سامان روکنا چاہو تو روک لو۔ (درس شامزئی 210)

طبرانی کی روایت میں ہے غلام ایک گھوڑا تین سو میں لیکر آیا آپ نے فرمایا: ان فرسک خیر من ثلاثۃ مائۃ۔

نصح لکل مسلم کی وجہ سے آٹھ سو میں خریدا۔ (فضل الباری 560/1)　　۲۹/۲/۳۵ھ/یکم جنوری 2014ء

فرقِ باطلہ کے رد میں حضرت امام بخاریؒ کا طرزِ عمل

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے موقف ''ترکیبِ ایمان'' کو ثابت کرنے کے لئے فقہائے احناف اور متکلمین سے بھر پور ''اختلافِ رائے'' کا اظہار فرمایا ___ مگر حدود و احترام کو ملحوظ رکھا ___ قال بعض الناس کے حوالہ سے مسائل فقہیہ پر خوب بحث و تمحیص فرمائی۔ مگر شخص کے حوالہ سے اپنی صحیح میں کسی کا نام ذکر نہ فرمایا ___ اسی طرزِ عمل کو خوارج، معتزلہ، کرامیہ اور مرجئہ کے لئے بھی سامنے رکھا ___ آج بھی یہی طرز مفید و مؤثر ہے۔

معتزلہ عقل کے راستہ سے بہکے اور وحی کو محض قانونی حیثیت دی، آج کے عقلی فتنوں کے سدِّ باب کے لئے کتاب الایمان کا مؤثر طریق پیشِ نظر رہے ___ خوارج نے غلو فی الدین کا راستہ اختیار کیا۔ اس لئے اسوہ بخاری کو بھی مدِ نظر رکھا جائے ___ کرامیہ اور مرجیہ نے عملی ذمہ داری سے منہ موڑا ___ تو شعبِ ایمان من الایمان کے طرز سے اس کی اہمیت بتلائی۔

الغرض عقلی فتنے، غلو فی الدین کے فتنے یا بے عملی و بدعملی کے حوالہ سے آزادی روش کے فتنوں کی تمام راہیں مسدود فرمائیں فتنوں کے سرچشمے اور دہانے بتائے ___ آج بھی تمام تر فتنے انہی راستوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کچھ کا تعلق خواہشِ بطن و فرج کے بے قابو ہونے کے بعد عمل جوارح کی آزادانہ مثبت و منفی روش سے ہے۔ گویا اقرار و تصدیق کے عہد و پیمان کی بالکلیہ نفی کی ہے۔

صحیح بخاری کے طرزِ تدریس میں اس کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے ___ نیز آشکارا ہو گیا آج کے جدید دور میں اسوۂ سلف میں یہی رعایت حدود ہے۔

كتاب العلم

کِتَابُ الْعِلْمِ

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعض نسخوں میں بسم اللہ عنوان سے پہلے ہے اور یہاں بعد میں ہے ایسا کیوں ہے؟

جواب: یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ناقلین کے ذوق کا اختلاف ہے۔ زیادہ راجح یہ ہے بسم اللہ پہلے ہے۔ ''کتاب العلم'' عنوان بعد میں ہے۔

کتاب الایمان سے ربط:

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کو شروع فرمایا۔ اس لئے کہ ایمان کے بعد انسان احکام کا مکلف ہوجاتا ہے اور تکمیلِ احکام کیلئے علم کی ضرورت ہے ـــــ اس لئے اعمال واحکام سے پہلے کتاب العلم لائے۔

سوال: دوسرے اعمال کی طرح ایمان کا مدار بھی ''علم'' پر ہے پھر کتاب العلم کو کتاب الایمان پر بھی مقدم کرنا چاہیئے تھا۔

جواب ۱: ایمان مبداء کل خیر علماً وعملاً ہے۔ اس لئے مقدم کیا۔

ج ۲: اعتقاد بھی علم ہی کی ایک قسم ہے۔ جس کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایمان ایک امتیازی شان رکھتا ہے اس لئے اس کو علم کے تابع نہیں کیا۔ بلکہ علیحدہ عنوان سے ذکر کیا۔

جواب ۳: امام بخاریؒ نے ترتیب میں لطافت کا خصوصی خیال رکھا۔ کہ ایمان وعمل کا مدار وحی ہے اور علم وعمل کا مدار بھی وحی ہے اس لئے پہلے وحی کا ذکر کرکے گویا علم کا اجمالاً ذکر فرمایا۔ پھر چونکہ مقصود بالذات اور مبداء کل خیر ایمان ہے تو وحی کے بعد ایمان کو ذکر فرمایا پھر کتاب العلم کو تفصیل سے ذکر فرمایا ـــــ اس کے بعد اعمال کا ذکر فرمایا۔

تعریف علم

علم کا لغوی معنی دانستن؛ جاننا ہے۔ اصطلاحی معنی کیا ہے؛ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) امام الحرمین اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں علم ایسی نظری چیز ہے جس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔

(۲) امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں علم اجلی بدیہیات میں سے ہے۔ اس کی تعریف کی ضرورت نہیں ـــــ فرماتے ہیں اگر علم کو بدیہی نہ مانا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ نظری ہوگا۔ اور نظری ہونے کیلئے دلیل کی ضرورت ہوگی۔ جبکہ جو دلیل آئے گی وہ خود بھی علم کا حصہ ہوگی تو علم کو اپنی تعریف میں دوسرے علم کی حاجت ہوگی۔ لہٰذا یا دور لازم آئے گا یا تسلسل لازم آئے گا ـــــ اس

لئے امام رازیؒ فرماتے ہیں علم کونظری ماننے کی بنیاد ہی غلط ہے۔اس کی نظری یافکری تعریف کے پیچھے نہ پڑیں۔

قال ابن عربی: وھو ابین من ان یبین علم کی تعریف کی حاجت نہیں۔(امداد 9/5)

(۳) عندالجمہور"علم" نظری ہے ــــ اوراس کی تعریف ہوسکتی ہے۔اس لئے عندالبعض تعریف یہ ہے:

انہ ظاھر لنفسہ و مظھر لغیرہ۔

(۴) اورعندالبعض:　　مابہ الانکشاف یامابہ الانجلاء ہے۔

(۵) بعض حضرات فرماتے ہیں: علم ایسی صفت ہے جس سے عالم کوایسی وضاحت حاصل ہوجائے کہ جانبِ مخالف کا احتمال نہ رہے۔

(۶) عندالبعض یہ تعریف بھی کی گئی ہے:

العلم ھو صفۃ من صفات النفس توجب تمییزاً غیر قابل للنقیض فی الامور المعنویۃ۔

یعنی ایک ایسی صفت ہے جوکسی نفس کوحاصل ہوتی ہے ــــ اوراس صفت کے حصول کے بعد انسان کوایسی تمیز پیدا ہوجاتی ہے جواس کی نقیض کوامورِ معنویہ میں قبول نہیں کرتی ــــ تمیز کے معنیٰ یہ ہیں کہ واقعہ نفس الامری ــــ کو ــــ غیر واقعہ نفس الامری سے ممتاز کرنا ــــ

غیر قابل للنقیض۔اس سے ظن وشک سے احتراز ہے۔اس لئے کہ نقیض کوقبول کرے گا تو وہ ظنی ہوجائے گا۔علم نہیں رہے گا۔جبکہ علم تویقینی ہوتا ہے۔

فی الامور المعنویۃ:

اس قید سے حواس ظاہرہ سے احتراز ہے۔کیونکہ حواس ظاہرہ کے ذریعہ محسوسات کاادراک ہوتا ہے امورِ معنویہ کانہیں ہوتا۔

(۷) علم کی تعریف میں احسن الاقوال میرسید شریفؒ کا ہے کہ: علم ایک ایسی صفت ہے جس سے وہ چیز روشن ہوجاتی ہے جس سے (یعنی عالم) اس کاتعلق ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے یہ امر باطنی ہے خارجی چیز نہیں جس کوباہر سے لایا جائے... پھر یہ علم وادراک کس چیز سے ہوتا ہے؟ یہ مسلّم ہے کہ حواس ظاہری، امر باطنی کے مدرک نہیں ہوسکتے.. تو یہ علم عقل کی صفت یااس کا فعل ہے اس لیے عقل کو جومدارعلم ہے سمجھا جائے تاکہ علم کی حقیقت بسہولت واضح ہوسکے۔

متقدمین میں تعبیراتی اختلاف کے باوجود حضرت العلام عثمانیؒ نے اس کواختیار فرمایا۔العقل ھو غریزۃ یتھیأ بھا القبول العلوم النظریۃ... عقل انسان کے اندر ایک مرکوز کیفیت ہے جس سے وہ علوم نظریہ کوقبول کرتا ہے۔یعنی وہ ایک قلبی نور ہے جس سے معلومات منکشف ہوتی ہیں۔

یاد رہے علم کی نسبت عقل کے ساتھ وہی ہے، جونسبت رؤیت کی قوۃ باصرہ کے ساتھ ہے.. توعقل باطن میں مثل آنکھ کے ہے جس طرح آنکھ کے فعل کورؤیت کہا جاتا ہے۔جو اسی قوۃ باصرہ میں ہے اوراسی کافعل ہے.. اسی طرح عقل کے فعل کوعلم کہا جاتا ہے۔جوعقل کے اندرہی ہے.. صفت علم سے یہی مراد ہے۔

عقل وشریعت میں نسبت

عقل کی علوم الھیہ غیبیہ یعنی شریعت کے ساتھ وہی نسبت ہے، جونورشمس کی آنکھ کے ساتھ . جس طرح خارجی نور کے بغیر ہزاروں آنکھیں بےکار ہیں۔ . .اس طرح علوم مذکورہ عقلیہ میں نورشریعت کے بغیر لاکھوں عقول بے معنی ہیں۔لھٰذا نورعقل جوقلب میں ہے،اس کے ساتھ جب نورخارجی یعنی شریعت مل جائے تو دونوں انوار کے جمع ہونے سے،جوعلم پیدا ہوتا ہےوہ یہی علم ہے۔

قرآن وحدیث میں بیان کردہ تمام ترفضائل کا مصداق یہی علم ہے کسی دنیوی علم وفن پراس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

یادرہے کہ حواس ظاہری کی طرح عقل وعلم کی ترقی بھی بالتدریج ہوتی ہے جیسے چھوٹا بچہ. . .وہ خوداوراس کے قوائے ظاہری وباطنی. . .امورشریعت،عقائد،اعمال،معاملات،معاشرت یہ سب امورغیبیہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوکون سے پسنداورکون سے ناپسند ہیں یہ محض نظروفکر سے معلوم نہیں ہوسکتے جب تک (آفتاب) شریعت خارج میں نہ ہو(فضل الباری ج ا ص ۵۶۲،۵۶۱)

درجات علم

ایک درجہ علم وہ ہے جوعمل پرمقدم ہے جیسے نمازروزہ کے لیے،،ان کے احکام،،دوسرادرجہ بعدازعمل اس پرمرتب ہوتا ہے۔کما قال اللہ تعالیٰ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا،واتقوا اللہ ویعلّمکم اللہ . . .حصول تقوی پرجوظاہرہےتعمیل احکام کے بعد ہی ممکن ہے،فرقان وتعلم اس پرمرتب ہے۔

فائدہ:ساری عبادات بمنزلہ ادویہ کے ہیں. . .معرفت وعرفان معارف وحقائق اورعلوم حقہ روح کے لیے مثل اغذیہ ہیں . . .یہ اس تناظرمیں کہاجارہاہے کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ علم چونکہ ذریعہ ہوتاہےاورعمل مقصود. . .توعمل علم سےافضل ہوا،تو اسی شبہ کاازالہ مقصودہے کہ سب علوم،عمل کا ذریعہ نہیں بنتے. . .بلکہ بعض علوم عمل کا ثمرہ بنتے ہیں. . .چنانچہ آپ ﷺ اکمل العابدین ہونے کےباوجودجوکمال علم کے بعد ہی ممکن ہے یہ حکم ہے:رب زدنی علماً۔

اس سے مرادوہ علم مطلوب نہیں جوعمل کاموقوف علیہ بنے بلکہ وہ ہے،جوعمل کے بعدبطورثمرہ مرتب ہوتاہے۔(فضل الباری ج ا ص ۵۶۳)

سوال: امام بخاریؒ نےعلم کی تعریف بیان نہیں کی۔جبکہ حدالشیء فضل الشیء پرمقدم ہوتی ہے۔

جواب ا: امام بخاریؒ کے ہاں امام فخرالدین رازیؒ کامسلک راجح ہے کہ علم اجلی بدیہیات میں سے ہے۔اس لئے تعریف نہیں فرمائی۔میرارجحان بھی یہی ہے کہ علم بدیہی ہے۔

اوربدیہی کومنطقی تعبیرات سے بتلانابہت مشکل ہوتاہےاورنہ وہ واضح ہوسکتےہیں۔کوئی نہ کوئی نقض ضرورواردہوتارہے گا____اس کی مثال گلاب کی خوشبوکی طرح ہے۔

اس کی ایسی تعریف کرناجوچنبیلی کی تعریف سےممتازہوجائے۔دنیابھرکےحکماءاوردانشورا کٹھےہوجائیں اس کی ایسی تعریف نہیں کرسکتے۔(قالہ الشیخ محمد تقی العثمانی مدظلہ)

جواب ۲: تعریف الشیء میں حقائق الشیء کا بیان ہوتا ہے اور امام بخاریؒ کا مقصود حقائق کا بیان نہیں بلکہ ان کے متعلق احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے۔

معقولات کے اندر امتیاز پیدا کرنے والی چیز جس سے آدمی یہ فیصلہ کرے کہ یہ حسن ہے یہ قبیح ہے یہ مطلوب ہے یہ غیر مطلوب ہے اس کو علم کہتے ہیں۔ معقولات کے اندر بہت الجھاؤ ہوتا ہے اس کے اندر اس طرح اس کا امتیاز ہو جائے کہ جانب مخالف کا احتمال باقی نہ رہے ___ اگر جانب مخالف کا احتمال باقی ہے تو وہ علم نہیں ہے۔ اگر جانب مخالف کا احتمال باقی ہے مگر دونوں جانب برابر ہیں تو اس کو شک کہتے ہیں۔ اگر ایک جانب راجح اور دوسری جانب مرجوح ہے تو جانب راجح کو ظن اور جانب مرجوح کو وہم کہتے ہیں۔ اگر جانب مخالف کا فی الحال احتمال نہیں ہے مگر کسی اعتراض کرنے والے سے اور تشکیک پیدا کرنے کی وجہ سے اس میں جزم باقی نہ رہے اس کو تقلید کہتے ہیں۔ (درس بخاری/328)

فائدہ: علم کے اندر نقیض کا احتمال نہ حال کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ مال کے اعتبار سے

اقسامِ علم

علم کی دو اقسام ہیں۔ علمِ دین، علمِ دنیوی۔

علمِ دنیوی وہ علم ہے جس میں قربِ خداوندی کا کوئی دخل نہ ہو۔ علمِ دین جس کے حصول سے قربِ خداوندی ملے۔

علمِ دنیوی کی اقسام

(۱) جو مفضی الی الکفر و المعصیۃ ہو جیسے علمِ نجوم اور علمِ سحر، علمِ شراب سازی ___ جو مفضی الی الکفر ہو اس کا حصول کفر ہے۔ اور جو مفضی الی المعصیۃ ہو اس کا حصول معصیت ہے۔

(۲) جو مفضی الی الکفر و المعصیۃ نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ عام طور پر یہ مباح ہے ___ البتہ ان میں بعض علوم ایسے ہیں جو فرضِ کفایہ ہیں۔ ان کی تحصیل بھی فرضِ کفایہ ہے۔ جب کہ علمِ دین کی تحصیل بھی فرضِ کفایہ ہے ___ اپنی ضرورت کی حد تک علمِ دین سیکھنا فرضِ عین ہے ___ اور اس حد تک کہ دوسرے کیلئے نافع ہو اور مقدار فرض سے زائد فرضِ کفایہ ہے ___ البتہ دنیوی علوم فرضِ کفایہ ہیں۔ ان کی مثال کھانا پکانے کا علم، علاج معالجہ سیکھنا ___ وغیرہ۔

وعلم ادم الاسماء کلھا میں راجح قول کے مطابق دوسری قسم کا علم دنیوی تھا ___

البتہ یہ فرق ہے علمِ دین کا سیکھنا جو فرضِ کفایہ ہے اس سے مراد فرضِ کفایہ لعینہٖ ہے ___ علمِ دنیا کا سیکھنا یہ فرضِ کفایہ لغیرہ ہے۔ اور اصل فضیلت حسن لعینہٖ کی ہوا کرتی ہے۔ حسن لغیرہ کی حیثیت ثانوی ہوا کرتی ہے۔

چونکہ علمِ دین بذاتہٖ حسن بھی ہے اور مقصود بھی ہے اس لئے اس کے فضائل وارد ہوئے ہیں ___

علم وفن میں فرق

علم جس کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہ کی مرضیات ونامرضیات میں امتیاز ہوسکے۔ اور اس کا مدار وحی ہو۔ قرآن وحدیث میں اطلاق علم سے یہی مراد ہے ـــــ جن علوم کے ذریعہ دنیوی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے مثلاً زراعت یا علاج معالجہ وغیرہ دراصل یہ فنون ہیں۔ اور ان کا مدار انسانی تجربہ ہے۔ اور بہتر تجربہ سے مزید بہتری آجاتی ہے۔ یہ دراصل فنون ہیں۔ اگرچہ توسعاً ان پر علوم کا اطلاق کرلیتے ہیں۔

فائدہ ۱: یاد رہے "علم" دراصل باری تعالیٰ کی صفت ہے جس سے مقصود انبیاء علیہم السلام کے توسط سے خالق ومخلوق کے تعلق کو بحال رکھنا اور ٹوٹنے کی صورت میں جوڑنا ہے رب زدنی علما کی آیت شریفہ اسی علم الٰہی اور علم نبوت کی طرف مشعر ہے۔

فائدہ ۲: مندرجہ بالا علم کے مصداق کی روشنی میں یہ کہنا ایک حقیقت واقعہ ہے کہ فنون کے نتیجہ میں انسان کی طبعی ضروریات پوری ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں پیٹ پلتا ہے جس کے بعد اس کا منتہیٰ "نجاست" ہے اس لئے فنون کے اشاعتی ادارے اپنے تعارف کیلئے رب زدنی علما کا جملہ استعمال کرکے آیت مبارکہ کے مصداق کے خلاف کرتے ہیں ـــــ ورنہ آپ علیہ السلام کو سب سے زیادہ علوم دنیویہ کا حامل ہونا چاہیے ـــــ جبکہ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: انتم اعلم بامور دنیاکم ـــــ (او کما قال علیہ السلام)

اقسام علم دین

(۱) احکام ظاہرہ کا علم جیسے صلوٰۃ وضو وغیرہ۔ (۲) احکام باطنہ کا علم۔ قلب کی امراض وکیفیات کا علم۔

ماہرین علوم دینیہ کی اقسام:

(۱) احکام ظاہرہ کے جاننے والے علماء کو فقہاء کہتے ہیں۔

(۲) احکام باطنہ کے جاننے والے علماء کو صوفیاء کہتے ہیں۔

(۳) دونوں علوم کو جاننے والے کو جامع کہتے ہیں۔

فائدہ: جامعیت کے باوجود بعض حضرات پر کسی خاص علم کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ تو عام طور پر لوگ ان کو اسی حوالہ سے جانتے پہچانتے ہیں ـــــ مگر اس کے باوجود ان کو دیگر علوم میں بھی کامل دسترس حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو حقیقی معنیٰ میں جامع ہی سمجھنا چاہیے۔ جیسے ائمہ اربعہ کرام اگرچہ دنیا ان کو فقہ کے حوالہ سے جانتی ہے مگر یہ حضرات علوم باطنی کے بھی اساطین امت ہیں ـــــ ہمارے برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خاندان بھی جامع ہے۔ پھر ان کے بعد حضرات اکابر علماء دیوبند اور الحمدللہ آج کے دور میں بھی ان کے خلفاء شانِ جامعیت رکھتے ہیں۔

علم دین کی تقسیم ثانی:

(۱) علم کسبی جس میں کسب واختیار کو دخل ہو۔

(۲) علم وہبی: جس میں کسب واختیار کو دخل نہ ہو براہ راست منجانب اللہ عطاء ہو۔

علمِ وہبی کی تقسیم:

(۱) بصورتِ وحی، یہ حضرات انبیاءؑ کو دیا جاتا ہے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گیا۔

(۲) بصورتِ الہام؛ یہ انبیاءؑ اور اولیاء کرام کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دل میں کسی آیت کی تفسیر و تطبیق ڈال دیتے ہیں۔ یا کسی بھی متذبذب معاملہ میں ایک جانب کی ترجیح کو بلا دلیل غالب فرما دیتے ہیں۔

علمِ وہبی کے تحت دو مقام ہیں۔ ایک مقامِ نبوت۔ ایک مقامِ ولایت۔ مقامِ نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ البتہ مقامِ ولایت باقی ہے۔ نبوۃ وہبی ہے۔ اور ولایت وہبی و کسبی ہے۔

مقامِ نبوت افضل ہے یا مقامِ ولایت؟

اس میں محققین کے دو گروہ ہیں۔

(۱) مقامِ نبوت افضل ہے۔ اس لئے کہ مقامِ نبوت میں نبی کو عامۃ الناس اور خواص کو تبلیغ کرنی پڑتی ہے۔ تو نبی کی عبادت متعدی ہوئی۔ لازمی کے ساتھ متعدی بھی ہو تو یہ افضل ہے۔

(۲) مقامِ ولایت افضل ہے۔ کیونکہ مقامِ نبوت میں توجہ الی الخلوق ہوتی ہے۔ جبکہ مقامِ ولایت میں توجہ الی اللہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مقامِ ولایت افضل ہے۔

ولکل وجھۃ ھو مولّیھا فاستبقوا الخیرات:

تنبیہ: اس سے یہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو جائے کہ ولی نبی سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ فرق نبوت کے حامل کے اندر کا ہے جو بیان کیا جا رہا ہے۔ نہ کہ نبی اور ولی کے تقابل کے لحاظ سے۔ گویا نبی کا ایک وقت احکامِ تبلیغ کا ہے۔ اور ایک احکام کی بجا آوری کا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کونسا افضل ہے۔ یہ نبی ہی کے بارے میں بتلانا مقصود ہے۔

فائدہ: مدارِ خلافت کیا ہے؟

اس میں تین قول ہیں: ۱... پہلی رائے علماءِ ظاہرہ کی ہے۔ ان کے نزدیک استحقاقِ خلافت علم کی وجہ سے ہے۔ ملائکہ کو وہ اسماء نہیں آئے۔ جو حضرت آدمؑ کو آ گئے تھے۔ تو حضرت آدمؑ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔

۲... دوسری رائے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ہے۔ فرماتے ہیں عبودیت کی وجہ سے خلیفہ ہوئے۔ کیونکہ تین گروہ تھے۔ ۱: ابلیس۔ ۲: ملائکہ۔ ۳: آدمؑ۔ (۱) ابلیس میں تو عبودیت نہیں تھی۔ صرف انانیت تھی۔

(۲) ملائکہ میں عبودیت تھی۔ مگر شبہ دعویٰ تھا۔ نحن نسبح بحمدک و نقدس لک۔

(۳) حضرت آدمؑ میں عبودیت ہی تھی۔ اس لئے مستحق خلافت ہوئے۔ یہی رائے صوفیاء کرام کی ہے۔

۳. تیسری رائے یہ ہے کہ نہ محض علم استحقاق ہے۔ اور نہ محض عبودیت۔ بلکہ علم، عمل، عبودیت کا مجموعہ مراد ہے۔ یہ رائے حضرات جامعین کی ہے۔

فائدہ ۱: بعض اوقات خلافت ظاہری علم وعبودیت پر دی جاتی ہے۔ مگر یہ سب ظاہر کے تابع ہوتا ہے۔ خطا بھی ہوسکتی ہے۔ شیخ قصوروار نہیں ہوتا۔ (نیز خلافت 'سند طلب ہے۔ سند صحت نہیں۔)

فائدہ ۲ : اطلبوا العلم ولو بالصین۔ دور نبوت میں چین میں دینی علم تو تھا ہی نہیں، گویا رسول اللہ ﷺ نے دنیوی علوم سیکھنے کا حکم فرمایا ہے؟ یہ استدلال ومطلب غلط ہے۔ . . اول تو یہ روایت موضوع ہے، دوسرے عربی قاعدہ کے مطابق دنیوی علوم سیکھنے کی ترغیب دیتے تو وَلَو کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو یہاں بھی علم شرعی مراد ہے۔ مراد حدیث بعد ومشقت ہے کیونکہ چین عرب سے بہت مسافت پر واقع تھا۔

01 بَاب فَضْلِ الْعِلْمِ

علم کی فضیلت کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى {يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ} وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ {رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا}

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے (سورۃ مجادلہ میں) فرمایا "جو تم میں ایماندار ہیں اور جن کو علم ملا اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے" اور (سورۃ طٰہٰ میں) فرمایا "پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے"۔

غرضِ ترجمہ:

اس متن کی کتاب العلم سے مناسبت اس طرح ہے کہ معاملات نااہل کے سپرد اس وقت ہوں گے جب جہل کا غلبہ اور علم اٹھ جائے گا۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۷۶)

امام بخاریؒ نے باب قائم کر کے صرف دو آیات قرآنیہ ذکر کی ہیں۔ روایت کوئی ذکر نہیں فرمائی۔

حدیث الباب ذکر نہ کرنے کی چند توجیہات:

(۱) تراجم کے بیان میں آیا تھا کہ امام بخاریؒ کے بعض تراجم ابواب میں دلیل ہوتی ہے۔ مگر ترجمہ کے تحت حدیث نہیں ہوتی۔

(۲) قرآن کریم حجۃ قویہ ہے۔ جو حدیث سے بھی بالا ہے۔ تو اسی پر اکتفا فرمایا۔

(۳) علامہ کرمانیؒ کا جواب یہ ہے امام بخاریؒ ابواب پہلے باندھتے تھے۔ احادیث بعد میں تدریجاً ذکر فرماتے

تھے۔ تو یہاں حدیث ذکر کرنے سے پہلے ہی وصال فرما گئے۔

(۴) شرائط کے مطابق حدیث نہیں مل سکی۔

(۵) طلبہ کرام بھی ذہن کی صلاحیتیں صرف فرمائیں۔ اس لئے تشحیذ اذہان ہے۔

(۶) تکثیر فوائد کیلئے۔ فضائل اور دلائل ہیں۔ مختلف احادیث بیان ہوں گی۔ تو فائدہ زیادہ ہوگا۔ اس لئے کہ فوائد علم کی احادیث صحیحہ تو موجود ہیں اور بکثرت ہیں۔

کتاب العلم میں حدیث نہ لانے کی یہ وجہ بعید ہے کہ امام بخاریؒ کو نقل حدیث یاد نہ رہی اس لیے ۲۳۲ھ میں تکمیل بخاری کے بعد چوبیس سال تک اس کا درس دیا ۹۰ ہزار طلبہ حدیث نے استفادہ کیا ۲۵۶ میں رحلت ہے، اس لیے یاد نہ رہنے کی توجیہ درست نہیں۔ (دلیل القاری ص ۳۰۴)

سوال: ص 18 پر باب فضل العلم قائم فرمایا جبکہ یہاں بھی ہے تو تکرار ہوا۔

جواب ۱: یہاں فضل العلم کا باب اصحاب نسخ کی وجہ سے لکھا گیا ورنہ صاحب کتاب نے صرف کتاب العلم کا ترجمہ قائم کر کے احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

جواب ۲: یہاں فضیلت علماء ہے اور باب آتی میں فضیلت علم ہے۔ تو تکرار حقیقی نہیں۔ اغراض الگ الگ ہیں۔

جواب ۳: فضل بمعنی فضیلت اور بمعنی زیادتی بھی آتا ہے۔ یہاں فضل بمعنی فضیلت ہے۔ اور دوسرے باب میں فضل بمعنی زیادتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں بابین میں اگر مقصد ایک ہوا گرچہ الفاظ الگ الگ ہوں یہ تکرار متصور ہوگا۔ اگر مقصد الگ الگ ہوا گرچہ الفاظ ایک ہوں یہ تکرار نہ ہوگا۔ (درس شامزئی 214)

قاسم العلوم والخیرات امام نانوتویؒ کی مجلس میں حضرت کے خادم مولانا فاضل نے مٹھائی تقسیم کی جو آخر میں بچ گئی تو انہوں نے عرض کیا: حضرت! الفاضل (بچی ہوئی زائد) للفاضل و القاسم محروم (یعنی حضرت والا) جواب میں حضرت نے فرمایا: الفاضل للقاسم (مراد حضرت نانوتوی) و القاسم محروم [یعنی تقسیم کنندہ] (بحوالہ ارواح ثلاثہ) (دلیل القاری ص ۳۰۱)

یرفع اللہ الخ

رفع سے مراد کرامت اور ثواب میں اضافہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے رفع سے مراد دنیا میں فضیلت اور مرتبہ میں بڑھانا ہے۔

نیز یہ بھی قول ہے اللہ تعالیٰ علماء کے درجات کو ان مومنین کے مقابلہ میں جو علم سے خالی تھے۔ بڑھائیں گے۔

درجات: یہ درجہ کی جمع ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک لفظ درکہ ہے۔ اوپر جاتے ہوئے منزل کو درجہ کہتے ہیں۔ اور نیچے کی جانب کو درکہ کہتے ہیں۔ جنت میں درجات اور جہنم میں درکات ہیں۔

والذین اوتوا العلم درجات:

درجات: جمع سالم نکرہ اور تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ یہ علو درجات اہل علم ہے۔

عطف الخاص علی العام ہے۔ ایمان والوں کے بھی درجات بلند ہونگے تاہم خصوصیت سے علم والوں کے بہت بلند ہونگے۔

واللہ بما تعملون خبیر: اس میں اشارہ ہے علم وہی مفید ہے جو مفضی الی العمل ہو۔ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ علم بلا عمل عقیم اور عمل بلا علم سقیم اور علم مع العمل صراط مستقیم ہے۔

حضرات اہل علم کے رفع درجات کو مقرون بالاعمال فرمایا گیا ہے۔ ورنہ علم محض کا یہود کیلئے اثبات کرتے ہوئے لو کانوا یعلمون کے ساتھ نفی بھی کردی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ مقرون بالعمل نہیں تھا۔ یا ابلیس جو علم میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے یہاں علم لغوی بمعنی دانستن مراد نہیں۔ وہ علم ہے جو عمل واخلاص سے مقرون ہوتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو۔ اس لئے کہا جاتا ہے علم دودھاری تلوار ہے۔ جیسے وہ جنت کے دخول کا سبب عظیم ہے اسی طرح جہنم میں جانے کا بھی ذریعہ ہے۔ اعاذنا اللہ

فائدہ:۔ فرائض کے بعد بقیہ اوقات کس محل میں صرف کئے جائیں۔

اس میں حضرات اہل علم کے درمیان غور وفکر کیا گیا ہے کہ فرائض یعنی مطلوب من الشارع کے بعد بقیہ اوقات کس محل میں صرف کئے جائیں۔ علم، عمل، ذکر وعبادت وغیرہ میں:

اس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام اعظمؒ وامام مالکؒ فرماتے ہیں: اشتغال بالعلم افضل ہے۔

(۲) حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایتیں ہیں شغل بالعلم افضل ہے۔ ۲ جہاد افضل ہے۔

(۳) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: عمل میں یعنی عبادت میں مشغول رہنا زیادہ باعث فضیلت ہے۔

(۴) حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: میں بالقسم کہتا ہوں کہ تعلیم وتعلم میں مشغولیت افضلیت ہے۔

(۵) حضرت العلامہ مفتی عبد القادرؒ (سابق شیخ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیر والا) فرماتے ہیں: تعلیم وتعلم افضل ہے۔ الا یہ کہ جہاد فرض ہو جائے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: انسان کی چار حالتیں بیان فرمائی ہیں بعد از فرائض اولا اشتغال بالعلم ہے۔ ثانیا تسبیح وتقدیس ہے۔ اگر اس سے قاصر ہو تو پھر خدمت علماء وصلحاء ہے۔ رابعا بعد از فرائض کسب معاش ہے ____ حلال کمائے مگر غیر کا مال نہ کھائے۔

رب زدنی علما:

آپ ﷺ نے زیادتی علم کی دعا مانگی جو حق تعالیٰ شانہ کے حکم کے تحت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اس سے فضیلت علم معلوم ہوئی تو باب ہذا سے مناسبت بھی ہوگئی۔

یہاں "امر" دوام واستمرار کیلئے ہے۔ اس میں بریلوی طبقہ کا اختلاف ہے ان کا مسلک یہ ہے "جملہ ما کان ومایکون

الی یوم القیامۃ" کا علم آپ ﷺ کو یکبارگی دیدیا گیا ــــــ جبکہ جمہور اہل سنت والجماعت، علماء اہل حق وعلمائے دیوبند کے ہاں تیئیس سالہ دور نبوت میں تھوڑا تھوڑا علم دیا گیا بعدہ عالم برزخ، جنت وغیرہ میں تسلسل کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ جو لا تقف عند حدٍ ہوگا کما قال تعالیٰ: وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔

ہر آنے والی علمی حالت سابقہ علمی حالت سے بہتر ہوگی۔ بریلوی طبقہ کے ہاں موجود بالفعل ہے اور بعدہ انقطاع ہے۔ جبکہ حضرات اہل دیوبند کے ہاں حصول علم کیلئے اتصال بالباری دائما ہے ــــــ سوچا جاسکتا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کس کا عقیدہ اشرف وافضل ہے۔

02 بَاب مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِ فَأَتَمَّ الْحَدِيثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ ح و حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَمَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ لَمْ يَسْمَعْ حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ قَالَ أَيْنَ أُرَاهُ السَّائِلُ عَنْ السَّاعَةِ قَالَ هَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِذَا ضُيِّعَتْ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرْ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرْ السَّاعَةَ

ترجمہ: جس شخص سے علم کی بات پوچھی جائے اور وہ دوسری بات میں مشغول ہو تو اپنی بات پوری کر کے پھر سائل کو جواب دے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے اس اثنا میں کہ نبی کریم ﷺ ایک مجلس میں قوم سے گفتگو فرمارہے تھے آپ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ گفتگو فرماتے رہے۔ بعض لوگوں نے کہا آپ نے اس کی بات سنی لیکن ناپسند کیا اور بعض نے کہا آپ نے سنا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ جب آپ کی بات پوری ہوئی تو فرمایا: قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ (اس سے معلوم ہوا آپ نے سوال سنا تھا جواب ادب سکھانے کے لئے نہیں دیا)۔ اس نے کہا میں ہوں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کر۔ اس نے کہا امانت کا ضیاع کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب معاملہ نا اہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کر۔

ربط باب:

امام بخاریؒ اب یہاں سے علم کے آداب واحکام بیان فرمار ہے ہیں۔ جس کیلئے مختلف آداب تعلیم وتعلم بیان فرمائے ہیں۔ یہاں یہ ادب بیان فرمایا گیا جب تک مسئول اپنی گفتگو سے فارغ نہ ہوتو سوال سے احتراز کیا جائے۔ اگر کوئی شدۃ ضرورت یانادانی کی وجہ سے سوال کرلے تو مجیب کو اختیار ہے اپنی بات پوری کرلے یا درمیان میں ہی اس کو جواب دیدے۔ یا اس کا مدار سوال پر ہے اگر سائل کا سوال شدۃ ضرورت پر ہے تو فوری جواب دے ــــ اگر کم علمی ونادانی سبب ہے تو پھر بعد میں بھی دے سکتا ہے۔ اگر سوال ناپسندیدہ ہو تو جواب دینا ضروری بھی نہیں۔

ربط۲: باب سابق میں آیات قرآنیہ سے فضیلت وزیادۃ علم کا بیان تھا اب تحصیل علم کا طریقہ بتاتے ہیں متعلم کو چاہیے درمیان میں بات نہ کرے اگر معلم فوری جواب نہ دے تو یہ کبر نہیں... مصلحت فوری جواب کی مقتضی ہو تو فوری جواب دینا چاہیے.. تاہم یہ فیصلہ معلم کی رائے پر ہے لیکن متعلم بے جامداخلت کی غلطی کرے تو معلم تحمل سے کام لے مستفیدین اولین کے حق تقدم کوقدر کی نگاہ سے دیکھا جائے بعد میں آنے والے نظم وآداب مجلس کا پاس رکھیں۔ (فضل ج ۱ ص ۵۶۷)

جس سوال کا تعلق عمل سے نہ ہو اس کا جواب دیا جانا ضروری نہیں۔ (درس شامزئی 218)

تشریح حدیث

اراہ: راوی کوشک ہے کہ استاذ محترم نے صرف "این" کہا یا این السائل ــ عن الساعۃ فرمایا۔

دوران گفتگو سائل کے جواب سے اہل مجلس کا نقصان نہ ہو تو فوری جواب دیا جاسکتا ہے۔..امر مؤقت کا جواب دیا جائے ورنہ جواب لاحاصل ہے سوال کی نوعیت غیر ضروری ہے تو جواب مؤخر کیا جاسکتا ہے اگر اہم معاملہ یا کسی بنیادی عقیدے کا سوال ہے تو تاخیر کی قطعاً گنجائش نہیں کیونکہ خیالات کے بدل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے حضرت ابوذرؓ کو دوران خطبہ جواب مرحمت فرمایا سوال تھا دین کیا ہے؟ فضول، مبنی برعناد اور باعث تشویش وانتشار سوال کا جواب نہ دیا جائے (فضل الباری ج ۱ ص ۵۶۶)

نداء بالرسول کی صورتیں:

یارسول اللہ: نداء بالرسول میں چار صورتیں ہیں: -

(۱) حکایۃً کہنا جائز ہے جیسے احادیث میں بکثرت ہے۔ (۲) اس عقیدے سے جائز ہے کہ فرشتے میرا اسلام وکلام روضۃ شریفہ پر پہنچاتے ہیں۔ (۳) آپ ﷺ کیلئے حضور فی التصور کے لحاظ سے بھی گنجائش ہے۔ (۴) عقیدۂ حاضر وناظر کے

ــ۱ دوران خطبہ سائل حضرت ابورفاعہ عدویؓ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر چھوڑ کر کرسی پر تشریف فرما ہوئے جس کے پائے غالباً لوہے کے تھے تا کہ آواز سب تک پہنچ سکے۔ (مسلم شریف)

ساتھ نہ صرف ناجائز بلکہ بے ادبی کی وجہ سے بھی قابل ترک ہے۔

جاء اعرابی: بقول حافظ: اعرابی نا معلوم الاسم ہے۔ تاہم ارشاد الساری میں "رفیع" ہے۔ واللہ اعلم (درس شامزئی 217)

کیف اضاعتها: سوال: سائل نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا متی الساعة؟ آپ ﷺ نے جواب دیا جب اضاعت امانت شروع ہو جائے تو اس کا انتظار کرو۔

جواب: آپ ﷺ نے جواب علی اسلوب الحکمت دیا ہے کہ یہ سوال ہی درست نہیں قیامت کب آئے گی۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ تو سوال یہ ہونا چاہیے کہ علامات قیامت کیا ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اسی تناظر میں ایک علامت بیان فرمادی۔

اذا ضیعت الامانة

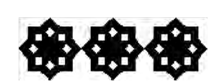
ا: امانت سے مراد اناعرضنا الامانة تدبیر زمین کا انتظام ہے۔

۲: امانت صفت القلب مراد ہے جو ایمان سے مقدم ہے، پہلے قلب میں اول الامانة جمتا ہے پھر اول الایمان۔ (درس شامزئی 219)

اذا وسد الامر: ؤسِدو سادة سے ماخوذ ہے جس کا معنی تکیہ ہے۔ حاصل یہ ہے جو جس ذمہ داری کا اہل نہ ہو وہ ذمہ داری اس کو دی جائے تو قیامت ہی ہے ــــ اس سے معلوم ہوا اگر کوئی بے جا فضول سوال کرے تو اس کا جواب علی اسلوب الحکیم دینا چاہیے۔ نیز مفتی کے ذمہ فرض نہیں ہر سوال کا جواب دے۔ ناپسندیدہ سوال پر کوئی حکیمانہ ارشاد فرمادے۔

امانت کے مقابلہ میں فتنہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے فتنہ ایسی حالت وکیفیت کو کہتے ہیں جو سچ کو غلط اور غلط کو سچ بتلائے۔ (درس بخاری 335) امانت، اکثر علماء نے امانت کو مفعول کے معنی میں لیکر اس سے تکالیف شرعیہ مراد لی ہیں۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ اسی طرح قولی ہوں یا فعلی یا اعتقادی ــــ لیکن محققین علماء امانت کو نوعیت اور حالت کے معنی میں لیتے ہیں ــــ

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ ہے۔ خلافت کیلئے قوۃ علمیہ وعملیہ بنیاد واساس ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ انسان میں قوۃ ملکیہ وبہیمیہ بھی ہے جن میں برابر تزاحم وتخالف رہتا ہے۔ اسی وجہ سے علم کے باوجود ترک امر اور عمل نہی کر گزرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قوۃ علمیہ وعملیہ کی تقویت کیلئے قوۃ ملکیہ رکھی تاکہ اپنے ارادہ وقدرت سے قوۃ ملکیہ کے ذریعہ امور خیر کو اختیار کرے۔ اسی کا نام امانت ہے۔ جس کی دوسری تعبیر "فطرت" ہے یہی مدارِ تکلیف ہے اسی میں ایک نیت نہیں دیگر ملکات کی طرح اس کو اسباب ظاہری کے ذریعہ ترقی دینا اس کو موذی ومفسد چیزوں سے بچانا ضروری ہے اسی استعداد کسبی پر ثواب وعذاب موقوف ہے ــــ ایمان کیلئے وحی الٰہی اگر بمنزلہ علت فاعلی ہے تو امانت (فطرت) بمنزلہ علتِ حادی۔ امانتِ صحیح علم صحیح کی متابعت کا نام ہے۔ (درس بخاری 333)



03بَاب مَتٰی رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ

علم کی بات اونچی آواز سے کہنے کا بیان

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا الصَّلَاةُ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں ایک سفر میں نبی ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے (جو ہم نے مکہ سے مدینہ کی طرف کیا تھا) پھر ہمیں پالیا اور آپ نے نماز کو مؤخر کردیا تھا۔ (اس لئے) ہم وضوء کررہے تھے اور (جلدی سے) اپنے پاؤں پر ہاتھ پھیر رہے تھے تو آپ نے بلند آواز سے (دو یا تین) دفعہ فرمایا کہ ہلاکت ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے۔

ربط: باب سابق میں انفرادی سوال کے سلسلہ میں حسب مصلحت فوری یا تاخیر سے جواب کا ذکر تھا۔ باب ھذا میں عمل میں اجتماعی نقص دیکھ کر از خود فوری رفع صوت کے ساتھ تصحیح عمل کے لیے فرمایا جارہا ہے تاکہ وعید سے تحفظ ہو۔ . رفع صوت سے وعید کا پہنچانا اور آواز کے لہجے سے اہمیت بتلانا مقصود تھا (انعام الباری ج ۲ ص ۴۳)

غرض ترجمہ: ضرورت کے وقت بلند آواز سے تعلیم جائز ہے۔ اصل میں امام بخاریؒ نے یہ باب دفع تعارض کیلئے قائم فرمایا۔ کیونکہ بعض دلائل سے یہ سامنے آتا ہے کہ بلند آواز پسندیدہ نہیں ہے۔ جب کہ اس حدیث میں بلند آواز سے پکارنے کا تذکرہ ہے۔

تشریح حدیث

رفع صوت کی ناپسندیدگی کے دلائل:۔

(۱) واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔

(۲) حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ کے بارے میں ہے: "ولا صخاب فی الاسواق۔" بازاروں میں اونچی آواز سے آپ ﷺ نہیں بولتے تھے۔

(۳) وقار علمی اور عظمت کا تقاضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ تو امام بخاریؒ یہ باب قائم فرما کر رفع تعارض یوں فرمارہے ہیں کہ رفع صوت عند الضرورت جائز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: ولا صخاب، صخب سے مراد لہو ولعب میں رفع صوت ہے ____ لیکن رفع الصوت بالعلم صخب میں داخل نہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار فرماتے تھے۔ (درس شامزئی 220)

نیز متعلم کی حالت، مخاطب کی دوری مخاطبین کی زیادتی حجیت یا خطیب و معلم کی بات بلا رفع نہ پہنچ سکتی ہو.. تو رفع صوت مستحسن ہے... الغرض فرائض یا سنن کی تضیع یا کوتاہی پر شدۃ تنبیہ ورفع صوت درست ہے۔(فضل الباری ج ۱ص ۵۶۸)

ویل: دوزخ کا ایک طبقہ ہے۔ویل اور ویح دونوں ہم معنیٰ ہیں۔فرق یہ ہے اگر مستحق ہلاکت ہے تو لفظ ویل بولتے ہیں۔اگر مستحق ہلاکت نہیں تو لفظ ویح بولتے ہیں۔وَیحٌ لِلعَمَّارِ تَقتُلُہُ الفِئَۃُ البَاغِیَۃُ

للاعقاب من النار: اعقاب عقب کی جمع ہے۔یہاں مراد صاحب عقب ہے ان ایڑیوں والوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا جنہوں نے ایڑیوں تک پانی نہیں پہنچایا۔

ایڑیوں کے خشک رہنے پر وعید دلیل ہے کہ باقی پاؤں دھوتے تھے۔

ویل للاعقاب من النار میں مجاز بالحذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے :ویل للمقصرین فی غسل اللاعقاب من النار۔(تحفہ ج۱ص ۳۱۲)

نادی باعلی صوتہ: اس سے ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا۔

یوسف بن ماھک: ماھک، یہ عربی ہے یا عجمی ہے؟ اگر عربی ہو تو پھر یہ ماضی کا صیغہ ہے یا اسم فاعل۔اگر ماضی ہو تو پھر یہ غیر منصرف ہوگا اور اگر اسم فاعل ہو تو یہ منصرف ہوگا____

اور اگر یہ عجمی کلمہ ہو تو اس میں ماہ کا لفظ الگ ہے۔جس کے معنیٰ چاند کے ہیں___ اور ک تصغیر کیلئے ہے۔معنیٰ چھوٹا سا چاند۔

اَرھقتنا الصلوۃ: نماز کا وقت آپہنچا تھا تاخیر نماز کا خطرہ تھا تو سرعتِ وضو کا منشا تاخیر صلوۃ تھا____

فجعلنا نمسح علی ارجلنا: یہاں مسح سے اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں بلکہ لغوی مسح مراد ہے یعنی ہاتھ کا پھیرنا گویا غسل خفیف مراد ہے۔جلدی میں ہلکا سا دھو دیا اور راوی نے اسی کو مسح سے تعبیر کر دیا۔اس لئے کہ مسح میں استیعاب کا کوئی بھی قائل نہیں، یہ غسل خفیف کیلئے قرینہ ہے۔

ویل للاعقاب من النار: بعض روایات میں یہاں بطون الاقدام کا لفظ بھی آیا ہے جس کا معنیٰ پاؤں کے تلوے اور ایڑیاں خشک نہ رہ جائیں۔

اس سے اہلسنت والجماعت نے استدلال کیا کہ پاؤں کا وظیفہ جب موزے نہ پہنے ہوئے ہوں غسل ہے اور اس میں بھی استیعاب ہے____ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کر کے فرمایا ہے:"فقہ ھذا الحدیث انہ لا یجوز المسح علی الرِّجلین۔"

فائدہ: عند البعض یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے واپسی کا ہے مگر یہ تعیین نہیں کہ صلح حدیبیہ سے واپسی میں عمرۃ القضاء یا فتح مکہ سے واپسی کا ہے۔(درس شامزئی 221)

04 باب قَوْلِ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا أَوْ أَخْبَرَنَا وَ أَنْبَأَنَا

محدث کا حدثنا، اخبرنا اور انبأنا کہنے کا بیان

وَقَالَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ كَانَ عِنْدَ ابْنِ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا وَأَخْبَرَنَا وَأَنْبَأَنَا وَسَمِعْتُ وَاحِدًا وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ وَقَالَ شَقِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةً وَقَالَ حُذَيْفَةُ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ وَقَالَ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ

ترجمہ: امام بخاری کہتے ہیں: ہمیں حمیدی نے کہا حضرت سفیان بن عیینہؒ کے نزدیک حدثنا، اخبرنا، انبأنا اور سمعت ان سب کا مطلب ایک ہی تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا حدثنا یعنی ہمیں بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے اور آپ صادق اور مصدوق تھے۔ شقیقؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نقل کیا میں نے حضور ﷺ سے فلاں بات سنی۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دو باتیں بیان کیں۔ ابوالعالیہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا انہوں نے حضور ﷺ سے نقل کیا اس چیز کے بارے میں جو آپ اپنے رب سے نقل کرتے ہیں حضرت انسؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا آپ ﷺ اپنے رب سے نقل کر رہے تھے۔ حضرت ابوہریرۃؓ نے حضور ﷺ سے نقل کیا آپ ﷺ ہمارے رب سے نقل کر رہے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مثال ہے مجھے بیان کرو وہ کون سا درخت ہے؟۔ چنانچہ ہم لوگ جنگلوں اور دیہاتوں کے درختوں میں پڑ گئے (سوچنے لگے)۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے حیا کیا۔ پھر صحابہؓ نے کہا: یارسول اللہ! آپ ہی بتائیں وہ کونسا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

ربط: باب سابق میں علم کے ابلاغ کے لئے رفع صوت کی اجازت کا ذکر تھا اور باب ہذا میں یہ بتلایا جا رہا ہے ابلاغ علم کیلئے صیغے کون کون سے اور کن کن مواقع پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

غرضِ بخاریؒ

حدثنا، اخبرنا اور انبانا وغیرہ یہ الفاظ مشترک المعانی ہیں۔ راوی کو اختیار ہے کوئی سا بھی لفظ استعمال کرے۔ حضرات متقدمین کے ہاں یہ مروج ہیں، ان میں کوئی باہمی فرق نہیں۔

البتہ متاخرین کے ہاں ان کے محل استعمال کا فرق ہے۔ اور سب سے پہلے اس کو جس نے واضح کیا وہ عبداللہ بن وہبؒ ہیں۔ جو حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے ہم عصر ہیں۔ انہوں نے فرق کیا۔ نیز امام شافعیؒ، امام نسائی، اور امام مسلمؒ بھی فرق کے قائل ہیں۔ اگر استاذ پڑھے شاگرد سنے۔ ایک ہی شاگرد ہو تو "حدثنی" کہا جائے گا اور اگر بڑی جماعت ہو تو پھر حدثنا کہیں گے۔ اگر ایک شاگرد نے استاذ کے سامنے حدیث پڑھی اور استاذ نے تصدیق کی تو اخبرنی اور بہت ساری جماعت کے اندر شاگرد نے حدیث پڑھی اور استاذ نے تصدیق کی تو پھر اخبرنا کہیں گے۔

اگر شیخ نے ایک فرد کو بالمشافہ اجازت دی تو وہ "انبئنی" کہے گا اور اگر ایک سے زائد کو بالمشافہ اجازت دی تو پھر انبانا کہیں گے۔ ایک شاگرد نے استاذ کے سامنے پڑھا دیگر لوگ بھی مجلس میں شریک تھے تو سننے والے آگے روایت کرتے ہوئے یوں کہیں: قرئ علینا و انا اسمع اور اگر استاذ نے حدیث لکھوا کر بھیجی تو کتب الیّ کا لفظ استعمال ہوگا ___ اگر استاذ محترم کی یا کسی محدث کی لکھی ہوئی روایات مل جائیں تو اس کو "وجادہ" کہتے ہیں ___

امام مسلمؒ ان اصطلاحات میں اتنا فرق ملحوظ رکھتے ہیں کہ ان صیغوں کے اختلاف پر سند میں تحویل کر دیتے ہیں۔

قال لنا الحمیدی:

سوال: قال لنا ___ الحمیدی کیوں فرمایا حدثنا یا اخبرنا کیوں نہیں کہا؟ حالانکہ حضرت حمیدیؒ تو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں درمیان میں انقطاع بھی نہیں۔

جواب ۱: بلاواسطہ نہیں سنا ہوگا، بالواسطہ سنا ہوگا۔ اسلئے حدثنا و اخبرنا نہیں کہا۔

جواب ۲: مجلس تعلیم میں نہیں سنا ہوگا بلکہ مجلس مذاکرہ میں سنا ہوگا۔

وحی جلی اور حدیث قدسی میں وجوہِ فرق

فیمایروی عن ربہ: آپ ﷺ جو بات اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔ جو حدیث پاک کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔

سوال: جب اس حدیث کے الفاظ من جانب اللہ ہیں تو اس کو قرآن کریم میں کیوں نہ ذکر فرمایا؟

جواب: حدیث قدسی اور قرآن کریم میں تین فرق ہیں:

(ا) قرآن کریم مصاحف میں محفوظ ہے۔اور حضرات صحابہؓ نے مابین الدفتین اس کو جمع کیا ہے۔اس میں حدیث قدسی نہیں لہذا یہ قرآن کا حصہ نہ ہوا۔

جواب ۲: حدیث قدسی روایت عن اللہ ہے۔اور قرآن کریم روایت کردہ نہیں بلکہ قرآن کریم نقل کلام اللہ ہے۔

جواب ۳: ثبوتِ قرآن کریم کیلئے نقل متواتر ہونا ضروری ہے جبکہ حدیث قدسی میں نقل متواتر ضروری نہیں۔

فائدہ: فیما یروی عن ربہ: سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ حدیث قدسی کو اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں ___ حالانکہ آپ ﷺ براہ راست ہمکلامی صرف شب معراج میں ثابت ہے ___ تو روایت قدسی میں گویا ارسال فرما رہے ہیں۔اور وہ واسطہ صرف اور صرف حضرت جبریلؑ ہی ہوسکتے ہیں۔ان کا ارسال ہے۔معلوم ہوا ارسالِ ثقہ حجت ہے۔ اسی سے یہ دلیل اخذ کی جاسکتی ہے ارسالِ صحابی احکام میں حجت ہے۔البتہ اخبار و قصص میں حجت نہیں۔اس لئے کہ امکان ہے وہ کسی تابعی کا منکر قصہ بیان کر رہے ہوں جبکہ احکام تو بذریعہ شارع ﷺ آئیں گے۔

حدثنا قتیبہ بن سعید

روایت الباب کا ترجمۃ الباب سے انطباق

انطباق کے بارے میں دو تقریریں ہیں: (ا) تحت الکتاب تقریر (۲) حدیث الباب کے تحت تقریر

تحت الکتاب تقریر یہ ہے امام بخاریؒ نے اس روایت کو اپنی اس کتاب میں بہت جگہ ذکر فرمایا۔یہاں حدثونی کے الفاظ دیگر مقامات پر اخبرونی کے الفاظ بھی آتے ہیں۔معلوم ہوا "تحدیث و اخبار" برابر ہیں۔

حدیث الباب کے تحت تقریر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے فرمایا: حدثونی ___ جب حضرات صحابہؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا تو حدثنا کہا۔اس سے معلوم ہوا جو استاذ بولے، گفتگو کرے یا طالب بھی استاذ کے سامنے بولے یا معلوم کرے تو اس وقت بھی تحدیث کا لفظ استعمال ہوسکتا ہے۔تو اخبرنا ضروری نہیں ___ اس لئے ان حضرات کی تردید ہوگئی جو یہ فرماتے ہیں جب شاگرد پڑھے تو پھر اخبرنا ہی استعمال ہوگا۔

تشریح حدیث

سوال: اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک پہیلی پوچھی۔جبکہ ابوداؤد شریف میں ہے نھی النبی ﷺ عن الأغلوطات (چیستان)

جواب ا: ان اغلوطات سے منع فرمایا جو تضییع اوقات کا باعث ہوں اور جن سے کوئی علمی فائدہ متعلق ہو تو وہ منع نہیں۔ کیونکہ وہ تعلیم کی مانند ہیں۔

جواب ۲: ان اغلوطات کو پوچھنے کیلئے منع کیا جن کا کوئی قرینہ نہ ہو۔جن کا قرینہ ہو تو وہ جائز ہے ___ تفصیلی روایات

میں ہے آپ ﷺ نے جس وقت یہ سوال فرمایا کہ کونسا درخت انسان کے مشابہ ہے تو کھجور کا جمار آپ ﷺ خدمت میں پیش کیا گیا تھا ___ تو عین اسی موقع پر آپ ﷺ نے سوال فرمایا کیونکہ جواب کا قرینہ موجود تھا۔

جواب ۳: وہاں منع ہے جہاں تشحیذ اذہان کا فائدہ نہ ہو۔

انھامثل المسلم:

آپ ﷺ نے کھجور کو مسلمان کے ساتھ تشبیہ دی ___ تشبیہ کے بارے میں دو قسم کی روایات ہیں۔(۱) بعض روایات میں تشبیہ بالانسان ہے اور بعض میں تشبیہ بالمسلم ہے ___ اگر تشبیہ بالانسان ہے تو وجہ تشبیہ یہ ہے:

(۱) جیسے انسانی کمالات سارے سر میں ہیں اور سر نہ رہے تو باقی کچھ نہیں۔اسی طرح کھجور کے فوائد بھی اوپر والے حصہ میں ہیں اگر اوپر سے کاٹ دیا جائے تو تمام ثمرات وفوائد ختم ہو جاتے ہیں۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کھجور کا درخت انسان کی پھوپھی ہے کیونکہ بعض روایات میں آتا ہے حضرت آدمؑ سے بچی ہوئی مٹی سے کھجور کو بنایا گیا۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں اس میں انسان کی طرح تذکیر و تانیث ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں جیسے انسان پانی میں ڈوب جائے تو مرجاتا ہے اسی طرح یہ درخت بھی اگر پانی میں ڈوب جائے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔

اگر تشبیہ بالمسلم ہو تو پھر وجہ تشبیہ کی دو صورتیں ہیں:

(۱) جیسے کھجور کے تمام اجزا سر، تنا، پتے، گودا، پھل اور ثمرات سب نافع ہیں۔اسی طرح مسلمان کے تمام افعال جو ایمانِ کامل سے ناشی ہوں سب کے سب مفید اور نافع ہیں۔

(۲) جیسے کھجور کے پتے نہیں گرتے ___ اسی طرح مسلمان کی دعا بھی رد نہیں ہوتی۔البتہ قبولیت کی صورتیں مختلف ہیں۔ کبھی دنیوی چیز بعینہ مل گئی۔اور کبھی کوئی مصیبت ٹل گئی۔ورنہ آخرت میں ثواب کا ذخیرہ تو ہے ہی۔

بعض روایات میں تشبیہ کے سوال میں آپ ﷺ آیت شریفہ پڑھنا بطور قرینہ ہے۔ **الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء۔**

جس طرح نخلہ کی جڑ زمین میں اور فرع آسمان کی طرف ہے اسی طرح ایمان دل میں مضبوط ہے گویا تصدیق ایمان کی جڑ اور اعمال بمنزلہ شاخ کے ہیں۔(فضل الباری ج ۱ ص ۵۷۲)

فاستحییت:

یعنی میں شرما گیا۔اس کی وجہ ایک اور مقام پر خود ہی بیان فرمائی کہ میں اصغر القوم تھا۔حضرات شیخین مکرمینؓ جیسے حضرات تشریف فرما تھے۔اس لئے بتانے سے شرم آئی ___ لیکن یہ بات حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ کو بتلائی تو اس پر انہوں نے فرمایا: اگر تم بتا دیتے تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی وجہ یہ تھی کہ بتلانے پر یہ توقع تھی کہ آپ ﷺ کیلئے دعا فرمادیتے گویا مقصود حصولِ دعاء نبوی ﷺ تھا۔

فائدہ ا: امتحان کا سوال متعلم کے دائرہ استعداد سے باہر نہ ہو چنانچہ لا یسقط ورقھا وفی روایۃ لا ینقطع نفسھا نیز جُمار کا پیش کیا جانا اور آیت کریمہ الم تر کیف ضرب اللہ الخ کی تلاوت یہ حل سوال میں معین قرائن ہیں۔۔۔ تاہم اس قدر آسان سوال نہ ہو کہ نظر وفکر سے کام ہی نہ لینا پڑے، (فضل الباری ج ا ص ۵۷۳)

فائدہ ۲: بڑوں کا سوال بھی اعطائے علم ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اللہ ورسولہ اعلم کے ذریعہ اپنی طلب علم کا اظہار فرماتے۔ (درس شامزئی)

05 بَابُ طَرْحِ الْإِمَامِ الْمَسْأَلَةَ عَلَى أَصْحَابِهِ لِيَخْتَبِرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

استاد کا شاگردوں سے سوال کرنا ان کا امتحان لینے کے لئے

حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُونِي مَا هِيَ قَالَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللهِ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلم کی مثال ہے مجھے بیان کرو وہ کونسا درخت ہے؟۔ چنانچہ سب لوگ جنگلوں کے درختوں میں پڑ گئے (سوچنے لگے) حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں میرے دل میں آیا وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے حیا کیا۔ پھر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی بتائیں وہ کون سا درخت ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

ربط:

سابقہ باب میں یہ تھا شاگرد استاذ سے سوال کرسکتا ہے۔ اس باب میں یہ ہے استاذ بھی امتحاناً شاگرد سے سوال کرسکتا ہے۔

غرضِ بخاریؒ:

(ا) امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں شاگردوں سے وقتاً فوقتاً پوچھنا چاہیے اور امتحان لینا آدھا علم ہے۔

(۲) غرض بخاریؒ اس باب سے مقصود اہتمام شانِ علم کا بیان ہے۔ کہ علم کو یاد رکھنا چاہیے چنانچہ امتحان اس کا ذریعہ ہے۔

(۳) استاذ شاگرد سے تشحیذ اذہان کیلئے کوئی مسئلہ ان کے سامنے رکھ سکتا ہے۔

تشریحِ حدیث

قال فوقع فی نفسی:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: میرے دل میں آیا تھا کہ وہ "نخلہ" ہے اور اس کی وجہ بھی انہوں نے دوسری روایت میں بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ سوال کے وقت آپ ﷺ کے پاس "جمار" لایا گیا تھا ___ جمار آپ ﷺ نے تناول کرتے ہوئے سوال کیلیے بھی قرینہ تھا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مثلاً کلمۃ طیبۃ الخ تلاوت بھی فرمائی تھی۔ (درس شامزئی 226)

کھجور کے درخت کے تنے کے اوپر والا حصہ کھود کر اس میں جو گودا نکالا جاتا ہے اس کو جمار کہتے ہیں۔ کھجور ایسا مبارک درخت ہے کہ لوگ اس کے ہر جز سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کا ذہن نخلہ کی طرف اس لیے منتقل نہ ہوا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس درخت کے پتے نہیں جھڑتے جبکہ کھجور کے پتے ہی نہیں ہوتے تو جھڑنے کا سوال نہیں . . بلکہ ٹہنیاں ہوتی ہیں اردو میں بھی اس کو پتے نہیں کہتے . . . عربی میں اس کو سعف کہتے ہیں ورق نہیں کہتے . . . جب آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا تو پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے ورق کا لفظ مجازاً استعمال فرمایا۔ (تحفۃ القاری ج ا ص ۳۱۶)

ایک طریقہ اس سے فائدہ اٹھانے کا یہ ہے کہ اس سے نیرہ نکالا جاتا ہے یعنی کھجور کے درخت کے اوپر کھود کر ہنڈیا باندھ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کا رس ہنڈیا میں آتا رہتا ہے۔ اس رس کو نیرہ کہتے ہیں۔ یہ بڑا ہی لذیذ ہوتا ہے۔ اس کو آفتاب نکلنے سے پہلے پی لے تو ٹھیک ورنہ اس میں نشہ آجاتا ہے۔

اس سے حضرات محدثین اور فقہاء کرامؒ نے استدلال کیا ہے جب استاذ محترم طلباء سے کوئی سوال کرے تو بہتر ہوگا سوال کے اندر جواب کی طرف کوئی لطیف اشارہ موجود ہو اگر آدمی ذرا غور کرے تو آدمی جواب کی طرف پہنچ پائے۔

06 باب الْقِرَاءَةِ وَالْعَرْضِ عَلَى الْمُحَدِّثِ

وَرَأَى الْحَسَنُ وَالثَّوْرِيُّ وَمَالِكٌ الْقِرَاءَةَ جَائِزَةً وَاحْتَجَّ بَعْضُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ بِحَدِيثِ ضِمَامِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَذِهِ قِرَاءَةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَ ضِمَامٌ قَوْمَهُ بِذَلِكَ فَأَجَازُوهُ وَاحْتَجَّ مَالِكٌ بِالصَّكِّ يُقْرَأُ عَلَى الْقَوْمِ فَيَقُولُونَ أَشْهَدَنَا فُلَانٌ وَيُقْرَأُ ذَلِكَ قِرَاءَةً عَلَيْهِمْ وَيُقْرَأُ عَلَى الْمُقْرِئِ فَيَقُولُ الْقَارِئُ أَقْرَأَنِي فُلَانٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ عَوْفٍ عَنْ الْحَسَنِ قَالَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْفَرَبْرِيُّ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيُّ قَالَ

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ إِذَا قُرِئَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَقُولَ حَدَّثَنِي قَالَ وَسَمِعْتُ أَبَا عَاصِمٍ يَقُولُ عَنْ مَالِكٍ وَسُفْيَانَ الْقِرَاءَةُ عَلَى الْعَالِمِ وَقِرَاءَتُهُ سَوَاءٌ.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ هُوَ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ فَأَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْنَا هَذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَبْتُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْأَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ فَقَالَ أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ آللّٰهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ نَصُومَ هَذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هَذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلَى فُقَرَائِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ آمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهِ وَأَنَا رَسُولُ مَنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي وَأَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ أَخُو بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ.

رَوَاهُ مُوسَى وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا.

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَ ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ قَالَ ثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ نُهِينَا فِي الْقُرْآنِ أَنْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ - صلی اللہ علیہ وسلم - وَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ أَتَانَا رَسُولُكَ فَأَخْبَرَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ فَقَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟ قَالَ: اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالْجِبَالَ؟ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِيهَا الْمَنَافِعَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيهَا الْمَنَافِعَ آللّٰهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: قَالَ: زَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَزَكٰوةٍ فِي أَمْوَالِنَا قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: بِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِي سَنَتِنَا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: بِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، قَالَ: صَدَقَ، قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَوَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ فَقَالَ النَّبِيُّ - صلی اللہ علیہ وسلم -: إِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: استاد کے سامنے پڑھنے اور سنانے کا بیان

حضرت حسن، ثوری اور امام مالکؒ نے قراءۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور بعض حضرات نے عالم پر قراءۃ کے بارے میں ضمام بن ثعلبہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں؟

آپ نے فرمایاہاں پھر ضمام نے اپنی قوم کو اس بات کی جا کر خبر دی اور انہوں نے اس کو جائز رکھا۔امام مالکؒ نے کتاب کے ساتھ دلیل پکڑی ہے جو قوم پر پڑھی جاتی ہے پھر وہ کہتے ہیں" اشهد نا فلان "ہمیں فلاں آدمی نے گواہ بنایا اور مقری(استاذ) پر پڑھی جاتی ہے پھر پڑھنے والا(طالب) کہتا ہے مجھے فلاں نے پڑھایا۔اس سے معلوم ہوا یہ طریقہ درست ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاد سن کر تصدیق کرے۔حضرت حسنؒ کہتے ہیں عالم پر قراءۃ میں کوئی حرج نہیں۔سفیانؒ کہتے ہیں جب محدث پر پڑھے تو کوئی حرج نہیں کہ یوں کہے حدثنی۔امام مالکؒ اور سفیانؒ فرماتے ہیں عالم پر پڑھنا اور عالم کا پڑھنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی اونٹ پر سوار داخل ہوا اور اس کو مسجد میں بٹھا دیا پھر اس کے گھٹنے باندھ دیے۔اور اس نے پوچھا تم میں محمد کون ہیں؟(اس وقت آپ ﷺ ہمارے درمیان تکیہ لگائے بیٹھے تھے) ہم نے کہا یہ سفید آدمی جو تکیہ لگائے ہوئے ہے(یہ محمد ہیں)۔پس آدمی نے آپ ﷺ سے کہا: اے ابن عبدالمطلب! آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تیری بات سن لی۔آدمی نے کہا میں آپ ﷺ سے سوال کرتا ہوں اور سوال کرنے میں آپ پر سختی بھی کروں گا اس لئے دل میں مجھ پر غصے نہ ہونا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جو پوچھنا چاہتا ہے پوچھو۔اس نے کہا میں آپ ﷺ آپ کے رب کی اور ان لوگوں کے رب کی جو آپ سے پہلے تھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھیں آپ نے فرمایا ہاں۔اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ سال کے اس مہینے(رمضان) میں روزے رکھیں آپ نے فرمایا ہاں۔

اس آدمی نے کہا میں ایمان لایا اس چیز پر جس کو آپ لائے اور میں اپنی قوم کا جو میرے ورے ہے قاصد ہوں اور میں ضمام بن ثعلبہ ہوں بنو سعد بن بکر کا آدمی ہوں۔

موسیٰ اور علی بن عبدالحمید نے سلیمان سے انہوں نے ثابت سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں قرآن کریم میں ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا۔اور ہمیں یہ بات بہت اچھی لگتی تھی کہ دیہات والوں میں سے کوئی سمجھدار آدمی آئے اور آپ سے سوال کرے اور ہم سنیں۔چنانچہ اہل بادیہ میں سے ایک آدمی آیا اور کہا(حضور ﷺ) ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے اور اس نے ہمیں بتایا آپ کہتے ہیں اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔پھر اس آدمی نے کہا: آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ نے۔اس نے کہا زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا اللہ نے۔اس نے کہا اس(زمین میں) منافع کس نے رکھے؟ فرمایا اللہ نے۔

اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آسمان زمین اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور جس نے اس میں منافع رکھے کیا اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔پھر اس نے کہا آپ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر پانچ نمازیں ہیں اور ہمارے مالوں میں زکوٰۃ ہے۔آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔اس نے کہا(آپ کو) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔اس نے کہا آپ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر سال میں ایک مہینے کے روزے فرض

ہیں۔ آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

اس نے کہا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں ان پر کسی چیز کی نہ زیادتی کروں گا نہ کمی۔ آپ نے (اس کے جانے کے بعد) فرمایا کہ اگر یہ سچا ہے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

غرض وربط

باب سابق میں ضمناً قرأت علی الشیخ کا بیان ہو چکا ہے اب اس باب میں اس کو مستقلاً علیحدہ بیان کیا جا رہا ہے تا کہ ان حضرات کا رد ہو جائے جو اس کو معتبر نہیں مانتے۔ امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ

قراءة علی الشیخ یعنی طالب علم کا پڑھنا جائز ہے اگرچہ محدثین کے نزدیک شاگرد کا سننا اور استاذ محترم کا پڑھنا افضل ہے ــــ فقہاءؒ کے نزدیک اس کے برعکس ہے ــــ

پہلے قرأت شیخ اور باب ھذا میں قرأت علی الشیخ ہے جو قابل اعتماد ہے نیز باب سابق میں اختبار و امتحان کا ذکر تھا۔ . . اب بعد از امتحان صلاحیت سامنے کے بعد پڑھنے کی اجازت ہے۔ (نصر الباری)

امام بخاریؒ نے اس باب میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) قراءة علی الشیخ یعنی شاگرد پڑھے اور استاذ سنے۔ احادیث باب سے یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ سوال کرنے والا اپنی بات کہتا جا رہا ہے اور آپ ﷺ نے نعم فرما کر تصدیق کر رہے ہیں تو یہ قراءة علی الشیخ ہے ــــ

امام بخاریؒ نے اس کو مستقلاً اس لئے ذکر فرمایا کہ سلف کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ قراءت علی الشیخ جائز نہیں ــــ ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ احادیث بیان فرماتے تھے۔ حضرات صحابہؓ سنتے تھے لہٰذا محدث پڑھے اور شاگرد سنیں یہی سنت ہے۔ تو قراءت علی الشیخ اور عرض علی المحدث خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ تاہم اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس نہ تو کتاب تھی نہ کوئی مجموعہ، ابتداء تعلیم تھی۔ اسلئے یہ لازم تو نہیں کہ طالب علم کا قراءت علی الشیخ یا عرض علی الشیخ ہی ناجائز ہو جائے۔

ــــ لیکن حضرت حسن بصریؒ، امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے نزدیک یہ جائز ہے ــــ امام مالکؒ سے اگر کوئی کہتا کہ آپ ذرا سنائیے تو ناراض ہو جاتے کہ قرآن کریم اگر کوئی پڑھ کر سنائے تو تم تصدیق کرتے ہو تو حدیث کی کیوں تصدیق نہیں کرتے ــــ؟ تاہم کبھی کبھی خود بھی سناتے تھے۔ چنانچہ امام محمد بن حسن الشیبانیؒ تلمیذ اجل حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو پندرہ سو احادیث خود پڑھ کر سنائیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے۔

عرض علی المحدث

امام بخاریؒ قراءت علی الشیخ اور عرض علی الشیخ کو مترادف سمجھتے ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ استاذ اگر بغیر کتاب ضبط سے بیان کرے تو تحدیث کو ترجیح دی جائیگی ــــ اور اگر سامنے کتاب سے بیان ہو تو پھر عرض اور قرأت راجح ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں قراءت علی المحدث تو یہ ہے کہ شاگرد پڑھے استاذ سنے۔ اور عرض علی المحدث یہ ہے ایک شاگرد پڑھے اور تمام سنیں۔ تو جو شاگرد سن رہے ہیں ان پر عرض علی المحدث کا اطلاق ہوتا ہے۔

عرض اور قراءت میں فرق ہے یا نہیں ___؟

اس بارے میں آراء مختلف ہیں:- (۱) عند البعض لا فرق۔

(۲) عند البعض فرق ہے۔ قراءت عام ہے اور عرض خاص ہے۔ قراءت یہ ہے کہ شاگرد پڑھے خواہ کتاب سے خواہ زبانی ___ خواہ زبانی پہلے سے سنی ہوئی ہو یا نہ ___ اور عرض یہ ہے کہ کتاب پیش کرے اور اجازت چاہے۔

بالصک:

صک سے استدلال اس طور پر ہے کہ معاملات، دینیات کی نسبت اہم ہیں اس لیے گواہی کی ضرورت معاملات میں پیش آتی ہے دینیات میں نہیں، روایت حدیث دیانت کے قبیل سے ہے۔ پس جب معاملات میں قرآت علی الشھود معتبر ہے تو قرآت علی المحدث کیوں معتبر نہیں؟ وہ بدرجہ اولیٰ معتبر ہونی چاہیے۔ (تحفۃ القاری ج ا ص ۳۲۰)

دوسری دلیل: دستاویز جو لکھی ہوتی ہے جس پر مہریں اور دستخط بھی ہوں۔ اگر یہ پڑھ کر شاہدین کو سنائی جائیں تو وہ کہتے ہیں اَشھَدَنا فلان۔ قراءت علی المحدث کا خلاصہ بھی یہی ہے۔

دلیل ۳: ویقرا علی المقری: قاری کو قرآن سنانے والا سناتا ہے تو وہ نعم کہہ دیتے ہیں۔ یا غلطی کی اصلاح کرتے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ مجھے فلاں نے پڑھایا ہے۔ حالانکہ اس نے پڑھایا نہیں صرف اصلاح و تصحیح کی ہے۔ تو اسی طرح قراءت علی الشیخ یا عرض علی الشیخ میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مجھے فلاں نے بیان کیا۔

واحتج بعضھم: بعض کا مصداق عند البعض حُمیدی ہیں جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔ اور عند البعض ابو سعید حداد ہیں۔

تشریحِ حدیث

حدثنا عبد اللہ بن یوسف الخ:

ماکول اللحم کے بول و براز نجس ہیں یا نہیں؟

فاناخه فی المسجد:

بعض مالکیہ حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے۔ ماکول اللحم کے بول و براز دونوں پاک ہیں ___ اس لئے کہ مسجد میں ناپاک چیز کا لانا جائز نہیں ہے۔ یہاں آپ ﷺ کے پاس آنے والا آپ کے سامنے مسجد میں اونٹ کو باندھ رہا ہے۔

جواب: استدلال درست نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ معاملہ مسجد کا یہ تھا کہ مسجد میں اگر کوئی تھوک بھی دیتا تو اس کو

حک وصاف فرماتے تھے زعفران ملتے تھے۔اظہار ناراضگی بھی فرماتے۔جب تھوک جو متفق علیہ پاک ہے تو بول وبراز بالفرض پاک بھی ہوں تو اس کو مسجد کے اندر کیسے پسند فرماتے؟ اس لئے صحیح بات یہ ہے جو مجموعہ روایات سے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ مسجد کے اندر (سجدہ گاہ) نہیں بٹھایا تھا۔ بلکہ مسجد کے بالکل متصل بٹھایا تھا۔۔۔۔ چنانچہ بعض روایات میں عند باب المسجد کا لفظ بھی آیا ہے۔اور حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت جو مسند احمد میں ہے اس کے یہ الفاظ ہیں: نو اناخ بعیرہ علی باب المسجد ثم عقلہ ثم دخل المسجد۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے بخاری ص 335 میں صراحتاً ایک باب قائم فرمایا: باب من عقل بعیرہ علی البلاط او باب المسجد۔ اس سے معلوم ہوا اونٹ کو مسجد سے باہر بٹھایا گیا تھا۔

رہی یہ بات کہ فی المسجد کا لفظ روایت میں کیوں ہے؟۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ جگہ جو مسجد کے متعلقہ کاموں کیلئے ہوتی ہے مثلاً وضوخانہ یا پارکنگ وغیرہ اس کو مجازاً مسجد کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے آپ سے پوچھا جائے کہاں سے آرہے ہو؟ آپ کہیں مسجد سے تو پوچھنے والا پوچھے کیا کرنے گئے تھے۔ آپ کہیں پیشاب کرنے گیا تھا۔

مالکیہ کی دلیل ثانی: آپ ﷺ نے اونٹنی پر طواف فرمایا۔ تو مسجد حرام میں اونٹنی لیکر گئے ۔۔۔۔ جواب: یہ آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ آپ کی اونٹنی مسجد میں بول وبراز نہیں کرتی تھی۔ آپ کی صحبت مبارکہ کا اثر تھا۔

سوال: <u>ایکم محمد:</u>
اس شخص نے نام لیکر پکارا۔ حالانکہ یا محمد کہنا تو صحیح نہیں۔
جواب ۱: بدو (اعرابی) تھا۔ حکم سے واقف نہیں تھا۔
جواب ۲: ندا بالاسم کی ممانعت ابھی نہیں ہوئی تھی۔

هذا الرجل الابيض المتكي:

ابیض سے خالی سفید مراد نہیں بلکہ ایسی سفیدی جو سرخی کی طرف مائل ہو۔ چونکہ سفید رنگ کا غلبہ تھا اس لئے صرف الابیض کا ذکر فرمایا۔

سوال: آنے والے کو ضرورتِ سوال کیوں پیش آئی۔ حالانکہ آپ ﷺ تو ازیں معنیٰ تھے کہ صحابہ میں سے ابیض اور متکی بھی تھے۔

جواب ۱: اگرچہ آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ اسطرح گھل مل کر بیٹھے تھے آنے والا اس امتیاز کو نہیں پہچان سکتا تھا۔

جواب ۲: صحابہ کرامؓ بھی چونکہ بسا اوقات وضع قطع میں آپ ﷺ کی مکمل مشابہت اختیار کرتے تھے اس لئے پہچان نہ سکے۔

جواب ۳: ہوسکتا ہے سائل کو تشخص ہو گیا ہو لیکن تثبیت چاہتا ہو۔

جواب ۴: مسجد شریف میں آتے ہی انوارات کی بارش اسقدر ہوتی تھی کہ اس کے آثار صحابہ کرامؓ پر بھی آجاتے تھے تو آنے والے کی آنکھیں کثرتِ نورانیت سے چندھیا جاتی تھیں اس لئے پوچھنا پڑتا تھا: ایکم محمد؟

(کما قال سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ)

بین ظهرانیهم:

ظهران؛ یہ ظہر کا تثنیہ ہے۔ پھر ظہران تثنیہ کو خلاف قیاس مفرد کے حکم میں قرار دیکر دوبارہ اس کے ساتھ تثنیہ کی علامت لگادی تا کہ کثرت پیدا ہوجائے۔ اور یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب مجمع کثیر ہو اور ایک دوسرے کو پیٹھ کئے ہوئے ہو۔ (ظهر انین بنا تو اضافت کی وجہ سے علامتِ تثنیہ گرادی ظهر انیهم ہوگیا۔)

یاابن عبدالمطلب:

دادا کی طرف نسبت اہلِ عرب کے ہاں محمود تھی۔ شاید یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا تھا نبی آئیں گے ـــــ خود آپ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع پر اپنے بارے میں فرمایا:

انا النبي لا كذب　　　انا ابن عبد المطلب

عند البعض چونکہ حضرت ضمامؓ نے یارسول اللہ کی بجائے یاابن عبدالمطلب کہا، کافروں کے سوا اور کوئی نام نہیں لیتا تھا۔

قداجبتک:

سوال: سائل نے ابھی سوال ہی نہیں کیا تو قداجبتک کا کیا مطلب ہوا ـــــ؟

جواب ۱: اجبتک بمعنیٰ سمعتک یعنی میں نے تیری بات سمجھ، سن لی۔

جواب ۲: یہ مجاز پر محمول ہے۔ مطلب یہ ہے میں جواب دینے کیلئے تیار ہوں تم بات کرو۔

جواب ۳: اس میں کمالِ بلاغت ہے جواب دینے کیلئے انتہائی طور پر تیار ہوں اتنا تیار ہوں گویا جواب دے چکا ہوں۔

فمشدد علیک:

عام طور پر دیہات کے لوگ اور شہری پڑھے لکھے لوگوں کے کلام میں فرق ہوتا ہے۔ دیہاتی کا لب ولہجہ ذرا سخت ہوتا ہے اس لئے اس نے پہلے معذرت کرلی۔ یارسول اللہ! میری کلام میں کچھ سختی ہوگی آپ محسوس نہ فرمائیں گے۔ یا سختی سے مراد یہ ہے کہ سوالات اگر آپ کی شان کے خلاف بھی ہوجائیں ـــــ تو کمالِ لطافت کہ پہلے معذرت خواہی اختیار کرتے ہوئے ناگواری کے خوف سے بچنے کیلئے رکاوٹ ڈال دی۔

فلاتجد علیّ فی نفسک:

یہ لاتجد ماخوذ ہے مَوْجَدَۃٌ (مصدر میمی) بمعنیٰ غصہ ہونا ـــــ وجد یجد باب تو ایک ہے مگر اس کے مصادر بہت آتے ہیں۔ کبھی مصدر ''موجوذ'' ہوتا ہے بمعنیٰ موجود ہونا۔ کبھی وجدان آتا ہے جس کے معنیٰ لینے کے ہیں۔ کبھی وجد آتا ہے محبت کرنا۔ اور کبھی مَوجودۃٌ بمعنیٰ غصہ ہونے کے آتے ہیں۔ ساری بات کا حاصل یہ ہے کہ مصدر کے بدلنے سے معنیٰ بدل جاتے ہیں ـــــ یہاں پر غصہ کے معنیٰ میں ہے۔

ضمام بن ثعلبہ کا قول اتانا رسلک محل استدلال اس طور پر ہے کہ آپ ﷺ نے وفود صلح حدیبیہ کے بعد روانہ فرمائے... نیز عام طور پر وفود کی حاضری صلح حدیبیہ کے بعد ہوئی... اور ان کی قوم بنو سعد شوال المکرم ۸ھ بعد غزوہ حنین مسلمان ہوئی... اس لیے ان کی آمد سنۃ الوفود ۹ھ میں ہوئی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۱۶۲)

حضرت ضمام بن ثعلبہؓ نے اسالک بربک ورب من قبلک آللہ ارسلک الی الناس کلھم..؟ اس بھاری بھر کم قسم سے حضرت ضمام نفسیاتی طور پر اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ اس قدر عظیم منصب کے لحاظ سے جھوٹا آدمی ثبات لسانی سے بات نہیں کر سکتا.. لیکن صادق ومصدوق ﷺ نے فرمایا اللھم نعم۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۱۶۷)

اللّٰھم نعم: اللھم اصل میں یا اللہ تھا۔ اس کا استعمال تین طریقوں سے ہوتا ہے۔

(۱) ندا کیلئے جیسے اللھم مالک الملک۔

(۲) بسا اوقات معنٰی کے عجیب ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے اللّٰھم الا ان یکون۔

(۳) یا مطلب یہ ہوتا ہے اس جواب کو اتنا یقینی سمجھتا ہوں کہ اس جواب پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں۔ یعنی تاکید کیلئے ہوتا ہے ــــ اس جملہ سے قراءت علی الشیخ ثابت ہوگئی کہ جو وہ بولتا جارہا ہے آپ ﷺ تصدیق فرمارہے ہیں۔ ظاہر ہے آپ ﷺ بات کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنی قوم کو بتلائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ کچھ بتلایا۔ اسی کا نام قراءۃ علی الشیخ ہے۔

سوال: حج کا ذکر کیوں نہیں ــــ

جواب: اس وقت فرضیت حج نہیں ہوئی تھی۔

جواب ۲: اختصار راوی ہے۔ ورنہ بعض روایات میں حج کا ذکر ہے اور یہی صحیح جواب ہے۔

ورواہ موسی وعلی بن عبدالحمید الخ

یہ تعلیق ہے اس سے امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث ثابت بنانی کے طریق سے بھی ہے۔

نُھینا:

یہ وہ نہی ہے جو قرآن کریم میں پ ۷ ع ۴ میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ الخ ہے مقصود اصلی یہ تھا کہ بلا ضرورت سوال مت کرو۔ حضرات صحابہ کرامؓ غلبہ خوف سے ڈرتے تھے کہیں سوال نہ ہو جائے اس لئے متمنی رہتے تھے کہ کوئی بدو آئے۔ لیکن ہو ذرا سمجھدار کیونکہ بدو کی غلطیاں آپ ﷺ برداشت کرلیا کرتے تھے ــــ آپ ﷺ نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ایسا کوئی سائل نہیں دیکھا کہ ضروری اور مفید باتیں اتنے مختصر وقت میں دریافت کرے۔

فائدہ: حدیث میں زعم اور تزعم کا متعدد بار ذکر آیا ہے ــــ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں اس کو بہت سی جگہ قال کے معنٰی میں لیا گیا ہے۔ اور یہاں پر بھی قال کے معنٰی میں ہے۔

فمن جعل فیھا المنافع:

فیہا کی ضمیر یا زمین کی طرف راجع ہے یا پہاڑوں کی طرف۔ اگر پہاڑوں کی طرف راجع ہے تو مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں میں مختلف قسم کے منافع کی مختلف چیزیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً پھل، بوٹیاں، جراد وغیرہ۔ بڑی چیز یہ ہے کہ وہاں پر برف پگھل کر دریاؤں کی شکل بنتی ہے۔ تو پہاڑوں میں بھی نفع کی چیزیں ہیں۔

انا ضمام بن ثعلبہ:

سوال: یہ شخص مومن تھا یا اب ایمان لایا۔

جواب یہ ہے کہ دو روایتیں ہیں۔ ا: اب ایمان لایا مومن نہ تھا۔ ۲: محققین کے ہاں امنت بما جئت بہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پہلے مومن تھے۔ یہ الفاظ تجدید ایمان کیلئے ہیں۔ کیونکہ صیغہ ماضی ہے امنت۔

بعد والی روایت میں فو الذی بعثک بالحق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے یہ ایمان لائے ہوئے تھے اور آمنت اخبار و تاکید کیلئے ہے۔ نیز امام بخاریؒ کا عرض علی المحدث کے مسئلہ کیلئے استدلال کرنا بھی اسی طرف مشعر ہے۔ (درس بخاری 346)

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے مومن ہونے کا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے توحید کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب معجزہ کیا... بلکہ تمام تر سوالات تعمیم الرسالتہ اور ارکان اسلام سے متعلق ہیں... کافر کی قرآت بالاتفاق معتبر نہیں۔ (فضل الباری ج ا ص ۵۷۹)

نیز عند البعض ان تاخذ ھذہ الصدقہ من اغنیائنا الخ اغنیاء مسلمانوں سے زکوٰۃ لے کر فقراء مسلمانوں میں خرچ ہو سکتی ہے۔ جس کا یہ قرینہ ہے کہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۵۹)

دلائل کا جواب:

امنت بما جئت بہ یہ کلمات انشاء ایمان کے لیے نہیں بلکہ اخبار بالایمان کے لیے ہیں کہ میں ایمان لا چکا ہوں...

جہاں تک اس کا طرزِ خطاب ہے تو ابتداء اسلام میں اسلامی اور شہری آداب سے واقف نہیں تھے۔ انعام ج ۲ ص ۶۰

سوال: ضمام بن ثعلبہ کب آئے؟ **جواب:** اس میں دو قول ہیں۔

(۱) علامہ واقدیؒ فرماتے ہیں یہ پانچ ہجری کو آئے۔

(۲) ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ۹ ھ میں آئے۔

علامہ ابن حجرؒ نے ابن اسحاق کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور وجوہ ترجیح بھی بیان کی ہیں۔ ا: نہی سوال ۷ ھ میں ہوئی۔ جس کا حدیث شریف میں ذکر آیا ہے۔ ۲: یہ اس وقت آئے جب حج فرض ہو چکا تھا اور حج سنہ ۹ ھ میں فرض ہوا۔ لہٰذا پانچ ہجری والی رائے مرجوح ہے۔

۳: یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: دخل علینا ضمام بن ثعلبہ الخ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۸ھ کے بعد ہی مسلمان ہوئے ہیں۔ اور مکہ مکرمہ سے اپنے والد کے ساتھ آنے کے بعد کا واقعہ نقل فرمارہے ہیں۔ لہٰذا حافظ ابن حجرؒ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ضمام بن ثعلبہ کی آمد ۹ھ میں ہے۔

07 بَاب مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ

وَكِتَابِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ إِلَى الْبُلْدَانِ

وَقَالَ أَنَسٌ نَسَخَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَبَعَثَ بِهَا إِلَى الْآفَاقِ وَرَأَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَمَالِكٌ ذَلِكَ جَائِزًا وَاحْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْحِجَازِ فِي الْمُنَاوَلَةِ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ كَتَبَ لِأَمِيرِ السَّرِيَّةِ كِتَابًا وَقَالَ لَا تَقْرَأْهُ حَتَّى تَبْلُغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ الْمَكَانَ قَرَأَهُ عَلَى النَّاسِ وَأَخْبَرَهُمْ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَنَسٌ.

ترجمہ: یہ باب ہے اس چیز کے بیان میں جو ذکر کی جاتی ہے لینے دینے میں اور اہل علم کے علم کو لکھنے میں شہروں کی طرف

حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کئے اور ان کو آفاق کی طرف بھیج دیا۔ اور جائز سمجھا ہے اس کو حضرت ابن عمرؓ یحییٰ بن سعید اور امام مالکؒ نے اور بعض اہل حجاز نے مناولہ کے بارے میں حضور ﷺ اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے امیر سریہ کو ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا اس کو نہ پڑھنا حتی کہ فلاں جگہ تک پہنچ جائے (پھر پڑھنا) جب وہ امیر اس جگہ تک پہنچا تو وہ خط لوگوں کے سامنے پڑھا اور ان کو آپ ﷺ کے حکم کی خبر دی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خط دے کر ایک آدمی کو بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ یہ خط سردار بحرین کے حوالے کردے۔ حاکم بحرین نے وہ خط کسریٰ کو بھیج دیا۔ جب کسریٰ نے اس کو پڑھا تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

(زھریؒ) کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے سعید بن مسیبؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان (اہل کسریٰ) پر بددعا کی کہ ان کو مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ایک خط لکھا یا لکھنے کا ارادہ فرمایا آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ بغیر مہر کے خط نہیں پڑھتے تو آپ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نقش تھا محمد رسول اللہ۔ گویا کہ میں اب بھی اس کی سفیدی آپ کے دست مبارک میں دیکھ رہا ہوں۔

(شعبہؒ کہتے ہیں) میں نے قتادہؒ سے کہا یہ کس نے کہا تھا نقشہ محمد رسول اللہ تو قتادہؒ نے کہا کہ حضرت انسؓ نے۔

ربط ۱: گذشتہ باب میں ابلاغ بالقول تھا اس باب میں بالتحریر ابلاغ کا حکم ہے۔

ربط ۲: آپ ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ کو مکتوب دے کر ارشاد فرمایا عظیم البحرین کو یہ بتا دیں کہ یہ مکتوب رسول اللہ ﷺ ہے... حالانکہ حضرت السہمیؓ نے نہ اس کو پڑھا نہ اس کو سنا یہی مناولہ ہے۔

ربط ۳: مکاتبت کا مرتبہ مشافہت سے کسی صورت بھی کم نہیں ہوتا ورنہ تو آپ ﷺ کتابت نہ فرماتے۔ (فضل الباری ج ص ۵۸۴)

غرضِ ترجمہ: اس باب میں امام بخاریؒ نے دو مسائل بیان فرمائے ہیں۔ ۱: مناولہ۔ ۲: مکاتبہ۔ عند البخاریؒ دونوں برابر ہیں۔ لا فرق بینھما۔

تاہم معمولی سا فرق ہے۔ مناولہ کا اصل معنیٰ آپس میں لینے دینے کا ہے۔ جبکہ اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ ایک شخص کسی محدث کی خدمت میں جائے وہ اپنی روایات کا مجموعہ اٹھا کر اس کو دیدیتا ہے۔ ۲: مکاتبہ کا معنیٰ لکھنے کے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی کے پاس اپنی مرویات لکھ کر بھیجدے ـــــ مناولہ میں شاگرد سامنے ہوتا ہے مکاتبہ میں نہیں ہوتا ـــــ پھر امام بخاریؒ نے لفظ ''کتاب'' لکھ کر اسمیں عموم پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ سے جتنا مکاتبہ واضح ہے اتنا مناولہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ الھندؒ نے ابواب البخاری کے سلسلہ میں قیمتی بات ارشاد فرمائی بار بار اس کی ضرورت پیش آئے گی اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ امام بخاریؒ کبھی ایک باب قائم فرماتے ہیں پھر وہ تنگی محسوس کرتے ہیں پس باب بڑھا دیتے ہیں کیونکہ جو بات بڑھائی ہے اس کے دلائل احادیث میں ہیں اور پہلی بات کے دلائل نہیں ہیں جب دوسرے جز کو دلائل سے ثابت کریں گے تو پہلا جز خود بخود ثابت ہو جائے گا (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۵)

اقسامِ مناولہ:

اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مقرون بالاجازۃ: اپنی مرویات کا مجموعہ دینے کے بعد یہ بھی شیخ فرمادے میں اس کی روایت کی اجازت دیتا ہوں ـــــ اس صورت میں طالب علم حدثنا اور اخبرنا کہہ کر روایت کر سکتا ہے۔

(۲) غیر مقرون بالاجازۃ ـــــ اس کی پھر آگے دو صورتیں ہیں۔

۱: اعطائے مرویات کے بعد سکوت اختیار کرلیا۔ ۲: بالفعل روایت سے منع کردیا ہو۔ بصورت سکوت دو رائے ہیں۔
۱: اخبرنا و حدثنا سے روایت جائز ہے۔ ۲: عند البعض جائز نہیں ــــ لیکن جمہور جواز کے قائل ہیں۔

مرویات دینے کا مقصد اجازت بالروایت ہے ــــ الا یہ کہ صراحۃً منع فرمادیں۔ مکاتبہ کے احکام و اقسام مناولہ ہی کی طرح ہیں۔ اس باب میں امام بخاریؒ مناولہ اور مکاتبہ کی قسم اول یعنی مقرون بالاجازۃ کا حکم بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ دونوں برابر ہیں یا ان کے حکم میں کوئی فرق ہے۔ نیز ایک راجح دوسرا غیر راجح ہے ــــ امام بخاریؒ کے نزدیک دونوں برابر ہیں ــــ لیکن عند البعض مناولہ راجح ہے۔

نسخ عثمان رضی اللہ عنہ مصاحف فبعث الی الآفاق:

اس سے معلوم ہوتا ہے مکاتبت جائز ہے ــــ سیدنا عثمانؓ نے پانچ یا سات نسخے بنوا کر مختلف علاقوں میں بھیجے تھے ــــ

وجہ استدلال یہ ہے کہ سب نے اسے معتبر قرار دیکر پڑھا پڑھایا ــــ اس سے معلوم ہوا کہ مکاتبت معتبر ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ مناولہ بطریق اولیٰ معتبر ہے۔ کیونکہ مکاتبت میں مکتوب الیہ سامنے نہیں۔ پھر بھی معتبر ہے تو مناولہ میں مرویات لینے والا سامنے ہوتا ہے۔

حضرت حفصہؓ کے پاس دور صدیقی کے جمع شدہ نسخ کے مطابق جو لغت قریش پر ترتیب نزولی پر تھا رسم الخط کی تعیین کے ساتھ مع اختلاف الاقوال چار پانچ نسخے لکھوائے تھے۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۸۲)

(ترتیب قرآنی میں اختلاف کا سبب یہ تھا ترتیب نزولی، ترتیب لوح محفوظ یا کچھ حضرات نے حاشیہ میں تفسیری کلمات لکھے ہوئے تھے۔ تحفہ ج ۱ ص ۳۲۷)

دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن عمرؓ، یحییٰ بن سعیدؒ، امام مالکؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بعض اهل الحجاز: اس سے مراد استاذ امام بخاریؒ حضرت حمیدی ہیں۔

مناولہ کے جواز کی دلیل

کتب لامیر السریۃ کتاباً:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بطن نخلہ کی طرف احوال قریش کی تفتیش کیلئے بھیجا تھا اور ان کو ایک خط دیا اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب مدینہ طیبہ سے تم دو منزل دور ہو جاؤ تو یہ خط کھول کر اپنی جماعت کو سنا دینا۔ تاکہ منافقین کو پتہ نہ چلے۔ چنانچہ انہوں نے حسب الحکم خط پڑھ کر سنایا سب صحابہؓ نے اس کو صحیح تسلیم کیا یہی مناولہ ہے اور جواز بھی معلوم ہوا۔

جماعت کے امیر حضرت عبدالرحمان بن جحشؓ جو حضرت زینب بنت جحشؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ دو دن کی مسافت کے بعد حسب امر پڑھا گیا تو ہدایت یہ تھی کہ مقام نخلہ پر جو طائف اور مکہ مکرمہ کے درمیان واقع ہے قیام کریں قریش کی جاسوسی کر کے مرکز سے رابطہ میں رہیں یہ واقعہ بدر سے پہلے جمادی الثانی ۲ھ کا ہے (کفار مکہ جنگ بدر کی تیاری میں تھے) ۱۲ اشرکا مہاجرین تھے۔ (فضل الباری ج ۱ ص ۵۸۳)

حضرت امام بخاری نے اس مناولہ کا اثبات کیا ہے۔۔ لیکن یہ صورت اصطلاحی مناولہ کی نہیں۔۔۔ کیونکہ سلسلہ روایت نہیں بلکہ ایک تحریر مبارک کی عنایت تھی نہ پڑھ کر سنائی نہ ہی مضمون بتایا، اس لیے یہ مناولہ مقرون بالاجازۃ کی صورت ہوگی اسی میں مکاتبہ کے معنیٰ بھی پائے جاتے ہیں۔۔۔ (یاد رہے کہ اصطلاحات موجودہ کا تعلق دورِ نبوت سے نہیں) [فضل الباری ج ۱ ص ۵۸۳]

تشریحِ حدیث

حدثنا اسمٰعیل بن عبداللہ الخ

عظیم البحرین: اس کا منذر بن ساویٰ نام تھا یہ کسریٰ کی طرف سے گورنر تھا ــــ اس دور میں بلا واسطہ خط وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

مکتوب نبوی ﷺ بنام کسریٰ:

یہ 'ک' کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ مگر کسرہ کے ساتھ (کِسریٰ) افصح ہے۔

کسریٰ یہ خسرو کا معرب ہے اس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا ــــ ایران کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ یا خسرو ہوتا تھا ــــ خط لے جانے والے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ تھے۔ جب اس کے پاس والا نامہ پہنچا تو دیکھتے ہی اس کو آگ لگ گئی کہ آپ ﷺ نے اپنا نام پہلے کیوں لکھا ــــ؟ چنانچہ اس نے وہ خط پھاڑ دیا ــــ وہ خط کاغذ پر نہیں تھا ــــ اس دور میں چمڑے یا میدے کے اوپر جھلی ہوتی ہے تو اس کو خشک کر کے بطور کاغذ استعمال کرتے تھے۔ اول اول یہ منکرِ حدیث ہوا۔

بہر حال خط پھاڑنے کے بعد قاصد بھی باہر نکال دیا گیا۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور معجزۂ نبوت ہے کہ وہ خط پچھلی صدی میں (۱۴۰۰ھ) میں پروفیسر حمید اللہ صاحب جو فرانس میں رہتے تھے نے حاصل کیا اور ہر طرح کی تحقیق و اعتماد کے بعد شائع کیا۔ اب کسی ملک کے عجائب گھر میں موجود ہے ــــ لیکن اس کی نقول علمی کتب اور عام مارکیٹ میں اس کی تصویر دستیاب ہے۔

پروفیسر صاحب نے اس کے ملنے کی پوری تفصیل لکھی ہے کہ ایک عیسائی اپنے آباء و اجداد کی یادداشتیں اپنے گھر میں دیکھ رہا تھا تو اسے یہ خط مل گیا۔ جب اہل علم کو دکھایا تو پتہ چلا یہ آپ ﷺ ہی کا خط ہے۔ بہر حال آپ ﷺ نبوت کا کرشمہ و معجزہ ہے کہ خط کا پھاڑنے والا نہ رہا البتہ وہ خط پھٹنے کے باوجود بحمد اللہ اب بھی موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوا مکاتبت حجت ہے۔

فدعا علیھم: آپ ﷺ کی یہ دعاءِ بد تھی کہ اس کی مملکت تمزیق کا شکار ہوئی یعنی ایسے ٹکڑے ٹکڑے ہوئی کہ آگے اس کی تقسیم بھی نہ ہو سکے۔ یہ دعاءِ بد کسریٰ کے حق میں قبول ہوئی اور اس کی تکمیل کی صورت یہ بنی کہ اس کا بیٹا شیرواں کسریٰ کی بیوی یعنی باپ کی بیوی شیریں پر عاشق ہو گیا۔ باپ پرویز کو جب اس کمینگی اور باپ کے ارادۂ قتل کا علم ہوا تو اس نے اس سے انتقام لینے کیلئے اپنے کمرۂ خاص میں ایک شیشی میں زہر بھر کر اس کے اوپر لکھا ''مقوی باہ معجون'' کہ جب یہ کھائے گا تو مر جائے گا۔ چنانچہ اس نے باپ کو راستہ سے ہٹانے کیلئے قتل کیا اور جب شیریں نے شوہر کا قتل سنا تو اس نے خودکشی کر لی اسنے ''مقوی باہ'' کھایا وہ بھی زہر سے مر گیا تو یہ خاندان راہِ عدم کو سدھار گیا۔

پھر اس کے بعد وہاں کے لوگوں نے پرویز کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا جب آپ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس کی سربراہ عورت ہو۔ بالآخر حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں اس سپر پاور کا بالکل ہی نام ونشان ختم ہوگیا ــــ اور نمونۂ عبرت بن گیا۔

ع اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا اذاھلک کسری فلا کسری بعدہ

کسریٰ تین واقعات سے بوکھلایا ہوا تھا والا نامہ سے پہلے ایک ہزار سال جلنے والا آتش کدہ اچانک بجھ گیا جوان کے اعتبار سے بڑی نحوست تھی، دو خواب ایک خواب جو بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے محل کی چودہ برجیاں گر پڑیں دوسرا خواب جو باذان نے دیکھا تھا کہ عرب کی طرف سے اونٹ آرہے تھے اور وہ ایران کے گھوڑوں کو روندتے جارہے ہیں نیز دریائے دجلہ سے پار ہوکر تمام ممالک میں پھیل گئے۔۔۔ اس دوران آپ ﷺ والا نامہ پھاڑتے ہی اس کا زوال شروع ہوگیا برجیوں کے گرنے کی تعبیر یہ تھی کہ دو نسلوں تک ان کی حکومت رہے گی چنانچہ دور عثمانی میں ایران فتح ہوگیا۔ (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۸)

خسرو پرویز کا بیٹا شیرویہ چھ ماہ تک زندہ رہا اس دوران بلاشرکت غیرے حکومت کرنے کے نشے میں خاندان کے سب مرد تہہ تیغ کردیئے اس لیے خاندان کی ایک لڑکی بوران کو تخت پر بٹھایا گیا۔۔ اس تناظر میں ارشاد نبی ﷺ لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃ عند الطبر انی اس کی ایک بہن آزرمیدخت نے بھی کچھ عرصہ حکومت کی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۰۵)

نقشہ محمد رسول اللہ:

محمد نیچے، رسول درمیان میں اور لفظ اللہ اوپر۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کیلئے چار ماشے سے کچھ اوپر کی چاندی کی انگشتری جائز ہے۔ پھر مہر پر اپنا نام لکھنا بھی ضروری نہیں۔ کوئی بھی علامت مقرر کرسکتا ہے۔

آپ ﷺ نے انگوٹھی ۶ھ عند البعض اور ابن سید الناس کے نزدیک جزماً ۷ھ میں بنوائی انگوٹھی بنانے والے یعلی بن امیہؓ ہیں۔

روایت سے مقصود:

اس سے مکاتبت ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو خط لکھتے تو وہ اس کے حق میں حجت ہوتا۔ نیز یہ مقصود ہے جو بعض حضرات استدلال کرتے ہیں کہ حدیث میں مکاتبت اس وقت حجت ہوتی ہے جب لکھنے والا اس پر اپنی مہر لگائے۔ اگر مہر ہی نہیں تو کوئی حجت نہیں۔ یقین کا ذریعہ کوئی نہیں۔

امام بخاریؒ اس باب کو کتاب العلم کے باب میں ذکر کرکے فرمانا چاہتے ہیں ــــ اس روایت میں حصول اعتماد کے سلسلہ میں اگرچہ مہر کا ذکر ہے لیکن مہر فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ ایک ذریعۂ توثیق ہے کہ یہ روایات فلاں شیخ کا مجموعہ ہے اگر یہی مقصد کسی بھی اور ذریعہ سے حاصل ہوجائے۔ مکتوب الیہ خط پہچانتا ہے یا قاصد گواہی دیتا ہے کہ اس کے سامنے یہ خط لکھا گیا ہے یا کسی بھی اور ذریعہ سے تو مکتوب الیہ کو اس کا روایت کرنا جائز ہوگیا۔

وجادہ کی تعریف وحکم:

یہاں تک جتنے طرقِ حدیث آئے ہیں: حدثنا، انبانا، اخبرنا پھر مکاتبت ومناولہ جو طریقے ہیں یہ سب فی الجملہ مقبول ہیں ___ البتہ ایک طریقہ ایسا ہے جس کو تمام محدثین نے رد کیا وہ "وجادہ" ہے۔ وجادہ کہتے ہیں کوئی مجموعۂ روایات مل جائے لکھنے والے کی طرف سے اجازت نہیں۔ نہ اس نے لکھ کر دیا نہ اجازت دی ___ بس ایک تحریری مجموعہ مل گیا ___ اس کو وجادہ کہتے ہیں ___ تمام محدثین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وجادہ کی تمام مرویات مردود ہیں۔ اس کی کوئی حیثیت وقیمت نہیں۔

فائدہ: یہی وجہ ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند جو آپ اکثر وبیشتر دیگر کتب میں دیکھتے ہیں وہ بخاری میں نہیں ___ بعض محدثین کرام نے وہ روایات رد کی ہیں۔ کہ درحقیقت شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے صحیفے سے روایت کرتے تھے اور یہ صحیفہ ان کو بطور وجادہ مل گیا تھا ___ ان کے دادا نے ان کو از خود نہیں دیا تھا۔ اور نہ اجازت دی تھی۔ صحیفہ مل گیا اور عن سے روایت کردی۔ اس لئے یہ عمرو بن شعیب والا طریق قبول نہیں کرتے۔

البتہ جو حضرات قبول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں حضرت شعیب جو اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ دائما اسی صحیفہ سے نہیں کرتے بلکہ شعیب نے اپنے دادا سے سماع بھی کیا ہے۔ لہٰذا اس طریق کو بالکل رد نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال اس میں کلام نہیں جب کسی مجموعہ کا وجادہ ہونا ثابت ہو جائے تو وہ قابلِ حجت نہیں ہے۔

وجادہ کی سطح پر کچھ مخطوطات مستشرقین یا حکومتوں کے پاس ہیں وہ شائع کردیں تو ان کی توثیق وتائید نہیں کی جاسکتی جب تک ان کی تائید پہلی متداول کتب سے نہ ہو۔ (انعام ج ۲ ص ۷۲)

08 بَاب مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَمَنْ رَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ فَآوَاهُ اللَّهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللَّهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ

ترجمہ: اس شخص کا بیان جو مجلس کے اخیر میں بیٹھے اور جو حلقہ میں جگہ پا کر اس میں بیٹھ جائے

ابو واقد لیثیؓ سے روایت ہے بے شک نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اتنے میں تین آدمی باہر سے گذرتے ہوئے آئے ان میں سے دو حضور کی طرف آگئے اور ایک چلا گیا۔ وہ دونوں آپ کی مجلس کے پاس کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک نے حلقہ میں تھوڑی سی خالی جگہ دیکھی وہ وہاں بیٹھ گیا، دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھا اور تیسرا پیٹھ موڑ کر چل دیا۔ جب رسول اللہ فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا میں تمہیں تینوں کے حالات کی خبر نہ دوں ایک نے اللہ کی پناہ لی اسے اللہ نے پناہ دی۔ دوسرے کو حیاء آئی تو اللہ نے بھی اس سے حیاء کی تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔

ربط: امام بخاریؒ نے پہلے باب میں مناولہ کا ذکر فرمایا ہے جو مجلس علم میں ہوتا ہے اب اس باب میں مجلس علم میں بیٹھنے کا طریق بتا دیا۔ مجلس علم وذکر وخطبہ سب کا ایک ہی حکم ہے۔ جب وہاں پہنچو تو اعراض نہ کرو جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جاؤ ــــــ اگر کہیں خلا ہو تو وہاں جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ گردن کا پھلانگنا نہ ہو۔

تشریح حدیث

حلقۂ درس میں آنے والے اصحاب ثلاثہ

اما احدھما فاوی الی اللہ: ایک اللہ کی طرف جھکا تو اللہ نے بھی اس کو جگہ دیدی ثواب بھی عطا فرمایا۔

واما الآخر فاستحیی: دو مطلب ہیں۔

حیا اختیار کی، کوشش کر کے آگے نہیں بڑھا پیچھے بیٹھ گیا تو اللہ نے بھی حیا کی یعنی اس کو حیا کا بدلہ دے گا یعنی ثواب۔

یا یہ مطلب ہے کہ دوسرے نے حیا کی یعنی وہ تیسرے کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن جلد ہی واپس آ گیا اس مجلس سے جاتے ہوئے حیا آئی۔ تو منجانب اللہ اس کا بدلہ ثواب ملیگا۔

واما الآخر فاعرض: تیسرا شخص چلا گیا۔ اعراض کیا تو اللہ نے بذریعہ عدم ثواب اعراض فرمایا۔ گویا محروم کر دیا گیا۔

ترغیب ہے۔ علمی مجالس میں آداب کی رعایت کے ساتھ شمولیت کرو اعراض نہ کرو۔ جو شخص مجلس علم کو برا سمجھتے ہوئے اعراض کر کے جائے یہ تو گناہ ہے ــــــ اگر برا نہیں سمجھتا بدشوقی کی وجہ سے اعراض کیا تو اگرچہ گناہ گار نہیں لیکن پھر بھی انوار وبرکات سے محروم ہے ــــــ اور اگر وہ عذر کی وجہ سے محروم رہے تو وہ ان شاء اللہ برکات سے محروم نہیں۔ اسی تناظر میں طلباء کرام اپنی حاضری محل درس، طریق آمد، طبعی لگاؤ، عذر لنگ اور عذر حقیقی کا فرق خود کر سکتے ہیں ــــــ اسی پر منجانب اللہ تین وعدوں کا ترتب ہے ــــــ اسی لئے اگر ایسی مجلس سے کسی دینی ذمہ داری کی وجہ سے جائے تو وہ باعث ثواب بھی ہے۔

حلقہ درس سے معرض عند البعض منافق تھا اعراض خداوندی اسکی دلیل ہے۔ لیکن بات دلیل سے ثابت نہیں۔

تاہم یہ سوال ہے کہ ایک شخص چلا جائے ہوسکتا ہے کوئی ضرورت ہو اسے اعراض کرنے والا کیسے کہہ دیں گے؟
آپ ﷺ نے بذریعہ وحی معلوم ہونے کے بعد اسے معرض قرار دیا کہ بلا عذر طبعاً حلقہ درس میں شامل نہ ہونے والا مراد نہیں تھا۔ (انعام الباری ج۲ ص۷۶)

اعراض کی حیثیت

اگر درجہ واجب کے علم سے اعراض ہے تو اعراض عن الواجب کا گناہ ہوگا۔ درجہ فرض کا علم پہلے سے حاصل تھا تو مزید تحصیل اجر وثواب کا باعث تھی اس کو برا سمجھتے ہوئے اعراض کرے تو اس کا بھی گناہ ہوگا۔ (انعام الباری ج۲ ص۷۷) طلبہ کی بلا عذر اسباق میں غیر حاضری باعث گناہ ہے داخلہ فارم میں کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی ہے۔ (انعام الباری ج۲ ص۷۷)

صنعت مشاکلۃ

حدیث الباب میں ایواء استحیاء اور اعراض کا استعمال بطور صنعت مشاکلت ہے ایسے الفاظ کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن نہ ہو تو ان کے ثمرات ولوازم مراد لیے جاتے ہیں۔ (نصر الباری ج۱ ص۳۸۸)

حضرت شیخ الھند ؒ فرماتے ہیں استحیاء کے معنی استحیاء من المزاحمت لیے جائیں تو دوسرے شخص کا مرتبہ اس پہلے سے بلند ہو جو آگے جا کر بیٹھ گیا اور دوسرے احتمال یعنی استحیاء من الذھاب کی صورت میں پہلے شخص سے تو ادنی مرتبہ ہوگا، البتہ تیسرے شخص سے اعلی ہوگا جو مجلس میں بیٹھا ہی نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ ؒ فرماتے ہیں یہ جملہ مدح وذم دونوں کا احتمال رکھتا ہے اگر اس کا معنی استحیا من تخطی الرقاب و المزاحمۃ ہوں تو یہ مدح پر دلالت کرتا ہے اگر اس کے معنی استحیاء من اخذ العلم ہوں تو یہ مذمت پر دال ہے۔ (کشف الباری ج۳ ص۲۱۸)

اس باب سے حلقہ علم وذکر کے التزام کی فضیلت، عالم وشیخ کے مسجد میں بیٹھنے کا جواز مجلس کے کنارے پر بیٹھنا بھی باعث خیر وبرکت، حیا کرنے والے کی تعریف ہے البتہ جو حیا ترک تعلیم پر آمادہ کرے وہ قابل مذمت ہے، نیز اہل معاصی کے احوال کی خبر دینے کا جواز تاکہ لوگ معاصی ہی ترک کردیں۔

نیز معلوم ہوا یہ خبر دینا غیبت میں شامل نہیں۔ (فضل الباری ج۲ ص۳۴)

سوال: ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں تو علم کا لفظ تک نہیں تو پھر اس روایت کو کتاب العلم میں کیوں لائے____؟

جواب: حدیث الباب میں "فی الحلقۃ" سے مراد علمی حلقہ ہے۔ اگرچہ حلقۂ ذکر وخطبہ بھی ہوسکتا ہے تاہم مناسبت من حیث المجلس حکم میں تسویہ ہے۔ چنانچہ فلما فرغ سے عند البخاری ؒ وہ تعلیم سے فراغت ہی تھی۔

09 بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ ذَكَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدَ عَلَى بَعِيرِهِ وَأَمْسَكَ إِنْسَانٌ بِخِطَامِهِ أَوْ بِزِمَامِهِ قَالَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوَى اسْمِهِ

قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا لِيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ

ترجمہ: حضور ﷺ کا فرمان بسا اوقات جس کو میرا کلام پہنچایا جائے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہؓ سے روایت ہے حضرت ابوبکرہؓ نے آپ ﷺ ذکر کیا آپ اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے اور ایک آدمی اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا دن ہے؟ ہم خاموش ہو گئے حتی کہ ہم یہ سمجھنے لگے آپ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں؟

آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم خاموش ہو گئے حتی کہ ہم سمجھنے لگے کہ اس مہینہ کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ پھر فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے خون، مال اور آبروئیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں۔ حاضر غائب کو پہنچا دے اس لئے کہ ممکن ہے حاضر شخص کسی ایسے شخص کو پہنچا دے جو اس بات کو پہنچانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا اور سمجھنے والا ہو۔

ربط ۱: باب گذشتہ میں حلقہ علم میں بیٹھنے والوں کا حال مذکور تھا۔ اس باب میں حالِ مبلغ کا ذکر ہے۔

ربط ۲: باب سابق میں حصولِ علم کی ترغیب تھی۔ اس باب میں اشاعت و تبلیغ علم کی تاکید ہے۔

ربط ۳: سابقہ باب میں مبلغ بفتح اللام کا بیان کیا گیا ہے، اس باب میں حلقہ مبلِّغین کا ذکر ہے جو علوم دین سیکھنے اور غیر موجود تک پہنچانے پر مامور تھے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۳۶)

غرض ترجمہ: جو شخص بھی کسی عالم سے کچھ سنے تو اسے چاہیے دوسروں کو پہنچائے۔ ایسا ممکن ہے سننے والا محفوظ نہ رکھ سکے اور جس کو سنائے وہ اس سے زیادہ بہتر طور پر محفوظ کر سکے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی شخص معانی نہ سمجھتا ہو تو لفظ محفوظ کر کے دوسروں کو پہنچائے، ہو سکتا ہے وہ زیادہ افقہ ہو۔

تحقیق رُبّ

ربّ تقلیل کیلئے آتا ہے، حرف جار ہے کبھی کبھی تکثیر کیلئے بھی۔ پ 14 میں بالتخفیف تکثیر کیلئے ہے۔ یہاں حدیث الباب میں ربّ تقلیل کیلئے ہے۔ گویا ادب بتلایا علمی سنی ہوئی بات کو آگے پہنچاؤ ہوسکتا ہے آگے سننے والے افقہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات شاگرد استاذ سے برتر ہوسکتا ہے لیکن یہ فضیلت جزئی ہے کلی فضیلت استاذ ہی کو حاصل ہے چنانچہ جو روایت حضرات صحابہؓ نے تابعین کو سنائی ہوسکتا ہے ان میں کوئی افقہ ہو، تاہم فضیلت کلی صحابی کو حاصل ہے۔ علماء کرام کہتے ہیں کہ تین اشخاص پر حسد نہیں ہوتا۔ استاذ کو شاگرد پر، باپ کو بیٹے پر، پیر کو مرید پر۔ اس طرح یہ تینوں باہم سوال سے عار محسوس نہیں کرتے۔ اسی سے معلوم ہوا تابعی صحابی سے زیادہ فقیہ ہوسکتا ہے جیسے حضرت علقمہ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے؛ تابعی تھے۔ لیکن فقہ میں بہت سے صحابہؓ ان سے رجوع کرتے تھے۔ اس لئے امام اعظمؒ کی طرف منسوب یہ بات کہ حضرت علقمہؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کم نہیں۔ یہ تفقہ کی بات ہے۔ باقی ان کی صحابیت کے شرف کا مقابلہ تو کوئی نہیں کرسکتا۔

ترجمہ میں اوعی ہے اس سے ترجمہ ثابت ہوا۔ اس کے دو معنی ہیں: احفظ و افہم۔

اوعیٰ کی دو صورتیں ہوئیں ایک احفظ ہونا دوسرے افہم ہونا تو تبلیغ علم میں دونوں فائدے ہیں اور عدم تبلیغ میں دونوں نقصان ہوں گے تبلیغ نہ کرنے کا بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ علم محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ (فضل الباری ج۲ ص۳۶)

انّ دمائکم الخ۔۔۔ یا اس کی تبلیغ کررہے ہیں یا تمام احکام شرعیہ مراد ہیں لیبلّغ یہ صیغہ امر ہے جو وجوب تبلیغ پر دلالت کرتا ہے۔ (فضل الباری ج۲ ص۳۵)

مقاصد باب

(۱) محدث اگر غیر عارف اور غیر محقق بھی ہو مگر صحت حفظ ہے تو اس کی حدیث قابل قبول ہے (۲) یہ رد مقصود ہے کہ استاذ شاگرد سے کم ہی رہتا ہے۔ (۳) اس بات کی ترغیب ہے کہ اپنے سے کم تر سے بھی علم حاصل کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات بلاواسطہ سننے والوں سے بالواسطہ سننے والے احفظ و افہم ہوتے ہیں۔ (کشف الباری ج۳ ص۲۲۱)

علی بعیرہ: اپنے اونٹ پر یا ابوبکرہ کے اونٹ پر دونوں احتمال ہیں۔

امسک انسان:

مراد بلالؓ یا ابوبکرہؓ ہیں۔ راوی کو شک ہے کہ خطام کا لفظ ہے یا زمام۔ حاصل دونوں کا ایک ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرق کے قائل نہیں ــــ تاہم عند البعض خطام چھوٹی رسی کو جو ناک کے پاس ہوتی ہے اور زمام لمبی رسی کو کہتے ہیں۔

"او" شک راوی کیلئے ہے۔ اور تنویع کیلئے بھی ہوسکتا ہے ــــ تنویع سے مراد یہ ہے کہ دونوں رسیاں تھیں

فسکتنا: خاموشی سے تثبیت مقصود تھی۔ یا اسلئے کہ شاید آپ ﷺ تبدیل فرمائیں۔

کحرمۃ یومکم:

چونکہ ان اشہر، ایام مقامات کی حرمت کا بہت زیادہ خیال کرتے تھے تو سمجھانا مقصود ہے کہ اس سے کہیں زیادہ دماء، اموال واعراض کی دائمی حرمت عند اللہ مطلوب ہے۔ اگر کوئی مسلمان کی آبرو، جان ومال پر حملہ کرتا ہے تو وہ ان تمام حرمتوں کو پامال کرتا ہے۔ جن کا کفار بھی لحاظ کرتے تھے۔

اشکال: حرمت دماء وغیرہ کو حرمت یوم، حرمت شہر سے تشبیہ دی حالانکہ حدیث ہے مسلمان کے خون کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے زیادہ ہے ___ تو یہاں پر مشبہ بہ سے مشبہ حرمت میں اقویٰ ہے۔ جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ سے قوی ہوتا ہے، یہاں اس کا عکس ہے؟

ج: یہ تشبیہ بنا بر شہرت ہے ان کے ہاں اس دن اس مہینہ اور بلد کی حرمت مشہور اور مسلّم تھی لہٰذا حرمتِ خون کو اس سے تشبیہ دی۔ (درس شامزئی 238)

10 بَاب الْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَ الْعَمَلِ

یہ باب اس بارے میں کہ علم قول اور عمل سے پہلے ہوتا ہے

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى {فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ} فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَرَّثُوا الْعِلْمَ مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ {إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ} وَقَالَ {وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ} {وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ} وَقَالَ {هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ} وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَهِّمْهُ وَإِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلَى هٰذِهِ وَأَشَارَ إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ أَنِّي أُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُجِيزُوا عَلَيَّ لَأَنْفَذْتُهَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ {كُونُوا رَبَّانِيِّينَ} حُكَمَاءَ فُقَهَاءَ وَيُقَالُ الرَّبَّانِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ تو جان لے کہ نہیں ہے معبود مگر اللہ (سورۃ محمد) پس اللہ نے علم کے ساتھ ابتداء کی (معلوم ہوا علم مقدم ہے) (۲) اور یہ کہ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں اور انبیاءؑ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں پس جس نے علم حاصل کیا اس نے حظِ وافر حاصل کر لیا اور جس نے وہ راستہ اختیار کیا جس سے علم حاصل کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوائے اس کے نہیں اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں (سورت فاطر آیت نمبر ۲۸)

اور فرمایا ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے مگر علم والے (سورت عنکبوت آیت نمبر ۴۳)

اور فرمایا جہنمی کہیں گے اگر ہم کسی کی سن کر مان لیتے یا خود سمجھ لیتے تو ہم اہل جہنم میں سے نہ ہوتے۔ (سورت ملک آیت نمبر ۱۰)

اور فرمایا کیا برابر ہیں علم والے اور جو علم نہیں رکھتے (سورت زمر آیت نمبر ۹)

اور نبی ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطاء کردیتے ہیں۔ اور سوائے اس کے نہیں علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر تم اس پر تلوار رکھ دو پھر میں گمان کروں کہ میں نافذ کرلوں گا ایک بات جو میں نے حضور ﷺ سے سنی ہے قبل اس کے کہ تم مجھ پر تلوار پار کرو تو میں نافذ کردوں گا۔ اور حضور ﷺ یہ ارشاد چاہئے کہ حاضر غائب کو پہنچادے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "کونوا ربانیین" کی تفسیر میں فرمایا ہوجاؤ تم حکمت والے، علم والے، فقاہت والے۔ اور ربانی اس کو کہا جاتا ہے، جو مشکل مسائل سے پہلے آسان مسائل کے ذریعے لوگوں کی تربیت کرے۔

ربط:

باب سابق میں رب مبلغ اوعی من سامع کا تذکرہ تھا۔ اس باب میں فرمان ہے تبلیغ کیلئے علم کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد فضائل علم بیان فرمائے۔ تو علم وہ ہے جس سے تقویٰ وخشیت پیدا ہو جب خشیت ہوگی تو عمل بھی اس کے مطابق ہوگا۔

بہت سے شراح حضرات نے قبلیت زمانی مراد لیا ہے کہ عمل وعظ ونصیحت اور تعلیم سے پہلے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، بعض نے تقدم ذاتی مراد لیا ہے کہ قول وعمل کی صحت کے لیے علم شرط ہے بعض نے شرف ومرتبہ کے اعتبار سے قبلیت مراد لی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے قبلیت کی کوئی تعیین نہیں کی۔۔۔ اس لیے بہتر یہ ہے قبلیت کو عام رکھا جائے۔۔ زمانی ہو یا ذاتی یا درجہ ومرتبہ کے اعتبار سے ہو، چونکہ علم بلا عمل پر بہت سی وعیدیں آئی ہوئی ہیں۔۔ جس کی وجہ سے شبہ ہوسکتا ہے کہ عمل میں کوتاہی کرنے والا علم ہی حاصل نہ کرے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے مصنف رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ منعقد کیا ہے جاہل دو فرض ترک کرتا ہے ایک علم کا دوسرا عمل کا جبکہ عالم ایک ہی فرض عمل کو ترک کرتا ہے۔

جاہل جو لوگوں کی نظر میں معذور سمجھا جاتا ہے یہ صرف اس جگہ ہے جہاں اس علم کا حاصل کرنا ضروری نہ ہو۔۔۔ اور اگر اس علم کا حاصل کرنا ضروری ہے تو پھر وہ جاہل زیادہ مطعون ہوتا ہے جیسے کوئی اپنے باپ کو نہ پہچانے اس سے نوکروں کا معاملہ کرے یا ماں کو نہ پہچانے اس سے لونڈیوں والا معاملہ کرے۔۔ عالم کے بارے میں جو زیادہ ملامت کی اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جاہل کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔۔۔ جیسے کافر دین کے انکار کی وجہ نماز، روزہ حج، زکوٰۃ کے مواخذہ سے چھٹکارا پا گیا مگر اس کے کفر پر عذاب واجبات کے ترک سے ہزار درجہ زیادہ ہوگا اسی پر جاہل وعالم کو قیاس کرلیا جائے۔ (درس بخاری از حضرت شیخ الاسلام ص ۳۵۶)

اقسام تقدم

(۱) تقدم ذاتی میں مقدم مؤخر سے ذاتاً پہلے ہوتا ہے اگرچہ دونوں کا زمانہ ایک ہو جیسے کہ تالا کنجی کی حرکت۔۔۔ کہ زماناً اتحاد ہے لیکن ذاتاً کنجی کی حرکت تالا کی حرکت سے مقدم ہے (۲) تقدم زمانی میں مقدم مؤخر ہے۔ زمانہ کے اعتبار سے پہلے ہوتا ہے جیسے باپ کا زمانہ بیٹے کے زمانے سے مقدم ہے (۳) تقدم رتبی میں مقدم مؤخر ہے مقام ومرتبہ میں فائق ہوتا ہے چاہے

زمانے کے اعتبار سے مؤخر ہی کیوں نہ ہو جیسے عمر کے لحاظ سے کبار صحابہ پر آپ ﷺ فوقیت۔ کما قال عباس ؓ ھو اکبر منی وانا اسن منہ۔ (کشف الباری ج۳ ص ۴۳۳)

ذاتی اعتبار سے علم کو عمل وقول پر شرافت حاصل ہے اس لیے کہ قول وعمل کی صحت نیت پر موقوف ہے اور نیت کی صحت علم پر موقوف ہے اسی طرح علم کو عمل پر زمانا بھی تقدم حاصل ہے۔ نیز علم کو عمل پر شرفاً ورتبۃً تقدم حاصل ہے۔ (کشف الباری ج۳ ص ۴۳۴)

تشریح حدیث

قول سے مراد تبلیغ اور عمل

غرض ترجمہ۔۔ علم کی اتنی اہمیت ہے کہ یہ ہر قول وعمل پر مقدم ہے۔ (دلیل القاری ص ۲۳۸)

عقلی طور پر ہر عمل (لسانی وجسمانی) میں علم ہی محرک ہوا کرتا ہے علم جتنا بھی صحیح وقوی ہوگا تو عمل بھی صحیح و درست ہوگا ۔۔۔ امام بخاریؒ نے یہ باب رکھ کر بتا دیا کہ علم عمل سے مقدم ہوتا ہے۔۔ ترجمہ میں قبلیت سے مراد تقدم زمانی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔۔۔ یا تقدم بالشرف والمرتبہ ہے جیسا کہ اکثر نصوص واقوال مذکورہ فی الباب سے معلوم ہوتا ہے۔۔۔ اچھا یہ ہے کہ قبلیت مذکورہ کو دونوں سے عام رکھا جائے۔ (فضل الباری ج۲ ص ۳۷)

فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ۔۔۔ یہاں بھی حصول علم کی تاکید پہلے اور عمل استغفار کا حکم بعد میں ہے خواہ لسانی ہو یا قلبی۔

من سلک طریقاً یطلب بہ علماً:

فضائل علم کے حصول کیلیے سفر شرط نہیں۔ مراد مطلق جدوجہد ہے۔ جس سے جنت کا راستہ سہل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علم ہی ذریعہ عمل وخُلق ہے۔ اور انابت الی اللہ ہے۔ یہی امور مفضی الی الجنۃ ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں طالب علم دین ہو اسی میں مر جائے وہ شہید ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو اور علم بھی صحیح وقوی ہو۔ اسی لئے شہید کا خون اور کتابت علم کی سیاہی برابر ہے۔

علم صحیح وہ ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور قوی وہ ہے جو اس کے اعضاء وجوارح پر اثرانداز ہو ـــــ امام غزالیؒ نے ایک مثال سے سمجھایا۔ ایک شخص نے دیکھا کوئی جانور ہے وہ گھوڑا تھا اس نے شیر سمجھ کر بھاگنا شروع کر دیا تو یہ بےفائدہ ہے۔ یہ علم قوی ہے مگر صحیح نہیں ـــــ اگر پہچان لے کہ شیر ہے مگر بھاگا نہیں تو یہ شیر اسکو کھا جائے گا یہ علم صحیح ہے مگر قوی نہیں۔

ورثوا العلم:

ورثوا کو باب تفعیل سے لیں تو متعدی ہوگا اور ضمیر راجع الی الانبیاء ہوگی۔ مجرد سے ہو تو لازمی ہوگا، ضمیر راجع الی العلماء ہوگی مقام نبوت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کر کے آگے پہنچائے تو جو ایسا کرے وہ انبیاء کا وارث ہوگا۔ انبیاء کا علم قوی ہوتا ہے جو طاعت کی طرف مفضی اور اجتناب نواہی کرواتا ہے۔ جو علماء علم قوی رکھتے ہیں وہی وارث انبیاء ہوتے ہیں۔

علم کی دو قسمیں ہیں وہبی (فطری) اور کسبی۔۔ وھبی مقدم ہے اسی لیے مجنون اور بچے ایمان کے مکلف نہیں۔۔ اکتسابی علم وہ

ہے جو بندہ خود حاصل کرتا ہے یہ ایمان سے مؤخر ہے۔۔ باب کا مقصد یہ ہے تبلیغ سے پہلے علم حاصل کرو۔(تحفۃ القاری ج ا ص ۳۴۳)

وان العلماء ورثۃ الانبیاء:

حدیثِ مرفوع ہے لیکن امام صاحبؒ کے معیار کی نہیں اس لئے ترجمۃ الباب میں لائے ___ وراثت میت سے اقرب کیلئے منتقل ہوتی ہے۔اور علماء شرافت میں انبیاء کی طرف اقرب ہیں۔

ورثہ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے جیسے میراثِ مالی میں تفاوت ہوتا ہے اسی طرح وراثتِ علمی میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔و فوق کل ذی علم علیم۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، ان الفاظ سے روایت ثابت نہیں۔البتہ یہ روایت ہے کہ انبیاءؑ وراثت میں دراہم ودنانیر کی بجائے علم چھوڑتے ہیں اور اس سے مراد وہی علم ہے جو صحیح اور قوی ہو کر راہِ عمل پر ڈال دے ___ اس لئے کتابیں رٹ لینے کا نام علم نہیں۔کما قال فی الحدیث القرآن حجۃ لک او علیک۔

لو کنا نسمع او نعقل:

نسمع سے علم تقلیدی اور نعقل سے علمِ تحقیقی ثابت ہوتا ہے۔مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ فرماتے ہیں: نسمع تقلید ہے اور نعقل فکرو اجتہاد ہے۔تیسرا کوئی راستہ نہیں۔تو نجات کے یہی دو راستے ہیں۔

ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون: مفعول محذوف ہے ای علم الدین۔

کبھی فاعل کو اس کے ماخذ کے ساتھ موصوف کرنا مقصود ہوتا ہے تو مفعول حذف کر دیتے ہیں۔معنیٰ ہوگا عالم غیر عالم برابر نہیں۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلمآء... یہاں خشیت کا لفظ ہے خوف عام اور خشیت خاص ہے خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو عظمت سے ناشی ہو۔۔اور عظمت معرفت وعلم کا نتیجہ ہوتی ہے اس سے علماء وعارفین کی فضیلت ثابت ہوگی۔۔خوف کا اطلاق عظمت شی اور طبعی ڈر پر بھی ہوتا ہے۔(دلیل القاری ص ۳۳۸)

جب علم خشیت کا منشاء ہوا تو منشاء ناشی سے مقدم ہوتا ہے جو خشیت بندہ سے مطلوب ہے اس کا تعلق علم سے ہے مدار خشیت علم اس لیے ہے کہ علم کے بعد ہی وہ کیفیت انسان پر طاری ہو سکتی ہے جو عمل کی محرک ہو یہاں بھی مدار خشیت علم کو قرار دیا گیا ہے عمل کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ عمل تو خشیت کا نتیجہ ہے پھر خشیت کا موقوف علیہ کیسے ہو سکتا ہے؟(فضل الباری ج ۲ ص ۳۸)

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

ا۔وجہ خشیت علم کا اثر ہے ___ قراءت حفص میں لفظ اللہ مفعول اور العلماء فاعل ہے ___ لیکن دوسری قراءت امام ابو حنیفہؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہے کہ لفظ اللہ مرفوع فاعل اور العلماء مفعول ہے۔اس صورت میں یخشی اللہ رعایت کے معنیٰ میں ہوگا ___ اس سے علماء اور علم کا مقام معلوم ہوتا ہے۔(درس شامزئی 240)

انما العلم بالتعلم:

جس طرح قول وعمل کا مدار علم ہے اسی طرح علم تعلّم پر موقوف ہے جس میں تکلیف ہے آرام سے گھر بیٹھے نہیں آتا۔ علمِ معتبر وہ ہے جو ورثہ انبیاءؑ سے حاصل کیا جائے۔ محض لٹریچر ومطالعہ کافی نہیں عند الشامیؒ: اس کا فتویٰ قابل اعتبار نہیں۔

قال ابو ذر رضی اللہ عنہ:

شام کے علاقہ میں حضرت ابوذرؓ نے اپنے نظریہ کے مطابق مال نہ رکھنے کی تبلیغ شروع کی۔ لوگ پریشان ہوئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے یہ صورت حال حضرت عثمان غنیؓ کو لکھی تو انہوں نے مدینہ طیبہ بلوالیا۔ یہاں بھی انہوں نے فرمایا: زائد از ضرورت مال نکالو اور صدقہ کرو۔ اس پر اہل مدینہ پریشان ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے فتویٰ دینے سے روک دیا، مقام ربذہ پر انہیں قیام کا فرمایا اور مال کے بارے میں فتویٰ دینے سے منع فرمادیا۔ تاہم موسم حج کے موقع پر دیگر مسائل کے بارے میں لوگوں کو بتاتے اور اس میں اس قدر حریص تھے فرماتے کہ اگر تلوار گردن پر ہو اور میں سمجھتا ہوں گردن قلم ہونے سے پہلے میں ایک مسئلہ بتلاسکوں گا تو ضرور بتلاؤں گا۔ امیر وقت کے حکم کی خلاف ورزی اس لئے نہیں کہ وہ مال کے بارے میں ممانعت ہے مطلقاً نہیں۔

حضرت ابوذرؓ سے گفتگو کے لیے حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت کعب احبار کو تیار کیا چنانچہ حضرت ابوذرؓ سے پوچھا دنانیر ودراہم جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جائز نہیں۔۔۔ فرمایا پھر زکوٰۃ کس چیز پر فرض ہوگی؟ اس کے لیے حولان حول ضروری ہے، حضرت ابوذرؓ ڈنڈا لے کر کھڑے ہوگئے۔ حضرت کعب کو مارنے لگے وہ حضرت عثمان غنیؓ کے ارد گرد گھوم رہے تھے بالآخر ڈنڈا ماری دیا آدھا حضرت کعب کو لگا اور آدھا حضرت عثمان غنیؓ کو۔ (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۳۶)

(۱) حضرت ابوذرؓ کو علی الاطلاق فتوی سے منع نہیں کیا تھا بلکہ جس سے مسلمانوں میں اختلاف رونما ہو اس سے منع کیا تھا اس لیے حج کے موقع پر مسائل بتاتے رہے

(۲) اطاعت اولی الامر اس وقت واجب ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف نہ ہو اور آپ ﷺ کا تو حکم ہے فلیبلغ الشاھد الغائب ان کا خیال یہ تھا کہ اس لیے مجھ پر اطاعت واجب نہیں۔ (انعام ج ۲ ص ۸۴)

فائدہ: بقول حافظؒ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے فتویٰ پر پابندی کو پورا کرنا اور اس پر عمل ضروری نہیں ___ گویا حضرت ابوذر غفاریؓ کی رائے میں حکومت کو یہ اختیار حاصل ہی نہیں۔ (درس شامزئی 241)

سوال: امام بخاریؒ نے فضیلت علم کا باب باندھا مگر کوئی روایت نہیں لائے۔

جواب ۱: آیات قرآنیہ اور احادیث ترجمہ میں لے آئے۔ فضیلت کیلئے کافی ہیں۔

جواب ۲: ممکن ہے اپنی شرائط کے مطابق روایت نہ ملی ہو۔

فائدہ: یہ ترجمہ مجردہ عن الحدیث ہے۔ امام بخاریؒ اس کو ثابت کرنے کیلئے مستند روایت نہیں لائے۔

کونوا ربانیین۔۔۔ ربانی کسے کہتے ہیں؟ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں علم، تفقہ، حکمت۔۔۔ علم

عمیق ہو محض سطحی نہ ہو۔ تفقہ فہم خوب ہو حکمت وسیع المعانی ہونے کے باوجود سب سے بہتر اس کا معنی وضع الشی وفی محلہ ہے یعنی بات کی جائے تو ٹھکانے کی اور کام کیا جائے تو بر محل اسکا بہترین مصداق ہیں کہ ہر بات درست اور ہر عمل بر محل بے تکے پن کا امکان ہی نہیں۔ ۔ ۔ نیز منصب رسالت کے لحاظ سے امت کو قولاً ومحلاً مناسب حال اور بر محل ہی تفصیل بتائیں گے۔

غرض حکمت ایسا نور بصیرت ہے جس سے موقع شناسی حاصل ہو۔ ح، ک، م کا جو مادہ ہے اس کا معنی ہے کسی کو اصلاح اور صحیح راستہ پر چلانے کے لیے روکنے اور تھامنے کا مضمون اس میں بنیادی طور پر ہو۔ اسی تناظر میں حکمت شرعی گویا عقل ونفس کو لگام دیتی ہے جو صحیح راستہ پر تھامے رہتی ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۴۰)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حکیم کا معیار یہ لکھا ہے کہ صوفی بھی ہو، فقیہ بھی، محدث بھی ہو۔ (انفاس عیسیٰ 359/1)

ربانی کی دوسری تفسیر ربانی بمعنی مربی ہے یعنی ربانی اس عالم کو کہیں گے جو لوگوں کی تربیت بالتدریج کرے اولاً چھوٹی باتیں دین کی سکھائے

صغار العلم (۱) کلیات سے پہلے جزئیات کا علم (۲) مسائل کا علم دقائق سے پہلے (۳) مبادی مراد ہیں۔ حدیث سے پہلے اصطلاحات حدیث کا علم۔ ۔ ۔ ترتیب یہ ہے علم، عمل، تبلیغ (الخیر الساری ج ۱ ص ۳۸۳)

11 بَاب مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لَا يَنْفِرُوا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا

ترجمہ: حضور کا صحابہ کو موقع دیکھ کر نصیحت اور علم کی باتیں بتانا تاکہ وہ متنفر نہ ہو جائیں

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ مختلف دنوں میں نصیحت فرمانے کے لئے ہمارے احوال کی رعایت کرتے تھے اس خیال سے کہ ہمیں ملال نہ ہو۔

حضرت انسؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا آسانی پیدا کرو، تنگی میں نہ ڈالا کرو، بشارتیں دیا کرو، متنفر نہ کیا کرو۔

ربط: باب گذشتہ میں فضیلت علم کا بیان تھا۔ فضائل کے پیش نظر ہوتے ہوئے ہر وقت پڑھنے پڑھانے میں لگا رہے۔ امام بخاریؒ یہ باب لا کر فرمانا چاہتے ہیں کہ مزاج شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں بھی اعتدال مطلوب ہے۔ ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جو مفضی الی الملال اور موجب نفرت ہو۔ ہر وقت ایک ہی کام کرنے سے دل اکتا جاتا ہے۔

تشریح حدیث

یتخوّل: یہ تخولا سے ہے اس کا معنیٰ ہے: موقع تلاش کرنا۔ خائل نگران کو کہتے ہیں۔ یعنی اصلاح کیلئے نگہداشت ونگرانی کرنا۔

کراھیۃ السامۃ علینا:

السامۃ مصدر ہے جس کے معنیٰ اکتا جانے کے ہیں ـــــ آپ ﷺ اس بات کو ناپسند سمجھتے تھے کہ سامہ لاحق ہوجائے۔ ہر روز ہر وقت نصیحت نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے نشاط کے موقع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اس میں واعظ وناصح کیلئے گویا اسوہ حسنہ ہے۔

وعظ وتعلیم میں فرق: تعلیم وتعلم کیلئے چونکہ اوقات فارغ کیے جاتے ہیں اس میں زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام کیلئے لگانا طے شدہ ہوتا ہے تو یہ حدیث کی مخالفت نہیں۔ کہ وہ موقع وعظ ہے۔ چنانچہ اصحاب صفہ دوسرا کوئی کام بھی نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ انہیں بکثرت علم کی باتیں بتاتے تھے۔ اور وہ خود بھی نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل از خود مشاہدہ کرتے تھے اس سے علم حاصل کرتے تھے۔

نیز اس میں اوقات مدرسہ کا اجارہ ہوتا ہے۔ طلبہ کرام پابندیٔ وقت کا معاہدہ کرچکے ہوتے ہیں۔ نیز نصاب، کتب کا خاص دورانیہ میں پورا کرنا عرفاً معاہدہ ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم دیگر ہے۔

یسروا ولا تنفروا:

داعی کیلئے ہدایت ہے وہ آسان پہلو اختیار کرکے ترغیب کو سامنے رکھے۔ شریعت نے جہاں گنجائش وسہولت دی ہو وہ راستہ اپنانے کو کہا جائے۔ تیسیر، تبشیر اور ترغیب کو غالب رکھا جائے۔ انذار کا غلبہ نہ ہو تاہم مداہنت سے احتراز ضروری ہے۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی کی رعایت کرتے ہوئے حکم شرعی نہ بتایا جائے یا اسے چھپایا جائے یہ مذموم ہے ـــــ کسی فرد کی تیسیر کیلئے حکم شرعی نہ بدلا جائے۔

بالتدریج سمجھانے کا مطلب مداہنت یا کتمان حق نہیں۔ نہ یہ کہ بدعات و رسومات پر نکیر ہی نہ کرے... بلکہ تیسیر کا مطلب یہ ہے دین پیش کرنے میں طرز وطریقہ ایسا اختیار کرے کہ لوگ اسے دائرہ قدرت میں سمجھیں... جیسے آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا... اول عقائد بعدہ نماز پھر زکوٰۃ کا حکم دینا... یا حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے قبول اسلام کے وقت تمام امور ممنوعہ کے ترک پر بیعت کرلی... مگر جب نوحہ کا سلسلہ آیا تو کہا۔

یا رسول اللہ الا آل فلان... صرف فلاں خاندان میں نوحہ کروں گی ان کا بدلہ چکانا ہے... آپ ﷺ نے الا آل فلان... فرما کر استثنیٰ فرما دیا، آپ ﷺ نے وقتی حکمت ومصلحت کے تحت اس رسم جاہلیت کی اجازت دے دی... آپ نے سمجھ لیا کہ اصلاح ہوگئی ہے... لیکن تھوڑی سی ڈھیل کی ضرورت ہے، تو نفع کثیر کے لیے اس ضرر قلیل کا تحمل کرلیا گیا۔ لیکن ہر شخص کا منصب نہیں کہ حدود وقیود کا خیال رکھ سکے دونوں سرحدوں کے درمیان خط فاصل بہت باریک ہے۔

فائدہ: اس تناظر میں ملحوظ رہے کہ حفاظت دین پہلے ہے اور اشاعت دین بعد میں ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں یسروا کے بعد لا تعسروا اس کی تصریح ہے۔ فائدہ یہ ہے اگر کسی کے ساتھ صرف ایک مرتبہ یسر کا معاملہ ہوا اور کئی دفعہ عسر کا۔۔ تو اس پر بھی یسروا صادق آئے گا۔۔ اب لا تعسروا فرما کر تعسیر فی جمیع الاحوال کی نفی فرمادی یہی بات بشروا کے بعد لا تنفروا کے اضافہ میں ہے (کشف الباری ج ۳ ص ۲۶۳)

مداہنت کا مفہوم یہ ہے کہ شخصی رعایت کے پیش نظر حکم شرعی نہ بتایا جائے اور کتمان حق کیا جائے جبکہ تیسیر وتبشیر محمود ہے۔۔ تطبیق یہ ہے تیسیر کے پیش نظر حلال کو حرام نہیں کرسکتے یا حرام پر غیر مشروع سکوت نہیں کرسکتے۔

تربیت میں پہلے ہی مرحلہ پر بہت بوجھ ڈال دیا تو تنفیر کا اندیشہ ہے۔ مخاطب کی استطاعت وتحمل کو پیش نظر رکھا جائے۔

(انعام ج ۲ ص ۸۷)

اشکال: یسر وعسر کا تقابل تو درست ہے مگر یسروا و لا تنفروا کا درست نہیں۔۔ جبکہ امام بخاریؒ کتاب الادب میں لا تنفروا کے مقابلہ میں سکنوا لائے ہیں۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ابتداء تعلیم میں عام طور پر انذار سبب نفیر ہوجاتا ہے، سکون کے ذریعہ مانوس کرنے سے خود بخود اس کی طرف بڑھتا ہے اس لیے لا تنفروا فرمایا گیا۔

اشکال: یسروا کے لفظ سے عسر کی نفی خود بخود ہوگئی تو لا تعسروا کی ضرورت نہیں؟

جواب: یسروا صیغہ امر ہے مامور کا تکرار مقتضائے صیغہ نہیں البتہ دوام کے معنی کے لیے خارج سے مدد حاصل کی جاتی ہے، یسروا کے بعد لا تعسروا فرمانے سے عسر کی دائمی ممانعت سے یسر دائمی کا مقصد پورا ہوگیا۔

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں تبشیر و انذار باہم متقابل نہیں بلکہ انذار بشارت کا آخری فرد ہے، یسروا کے بعد لا تعسروا فرما کر بشروا کے ساتھ لا تنفروا۔ واضح ہے کہ مقصد یسر وآسانی ہے کیونکہ شدۃ تنفر کا راستہ ہے۔۔ حسن تدبیر سے کام لیا جائے مشکلات حائل کرنے سے مقصد فوت ہوجاتا ہے چونکہ طبائع مختلف ہیں۔ اس لیے بعض کے لیے مختصریات بعض کے لیے شاباش بعض کو احسانات خداوندی کی یاد دھیانی مقصد پر لے آتی ہے۔۔ جبکہ بعض کو تخویف، انذار اور وعیدات سے مقصد پر لایا جاتا ہے اس تناظر میں جب انذار بھی تبشیر کا کام دیتا ہے تو اس کا مقابل نہ ہوا۔۔ تاہم اس میں تعمیم ہے یہ طریق جیسے دعوت ایمان کے لیے اختیار کیا جائے ایسے ہی تعلیم وتربیت کے لیے بھی۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: یسروا و لا تعسروا کا مفہوم یہ ہے کہ انذار وتبشیر کو ساتھ رکھا جائے صرف بشارت رحمت سے لوگ تعطل اور بے عملی کا شکار ہوجائیں گے اور صرف تخویف وانذار سے مایوس۔۔ پیرائیہ بیان میں دونوں ہوں، تبلیغ ہو یا تعلیم درمیانی راہ اختیار کی جائے (فضل الباری ج ۲ ص ۴۶)

جب علم حاصل کرے گا خود اور دوسروں کو بھی عمل کرائے گا یہ دونوں باتیں جنت میں جانے کا سبب ہیں اور سبب کا سبب بھی سبب ہوتا ہے پس عمل موقوف ہوا علم پر اور علم موقوف تحصیل علم پر اسی طرح تبلیغ موقوف ہے علم پر علم موقوف ہے تحصیل علم پر۔۔۔ پس جو فضیلت علم کی ہے وہی فضیلت تحصیل علم کی بھی ہے (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۳۴)

علم کا محل قلب وہ افضل ہے جبکہ عمل کا محل اعضاء جوارح ہیں۔ (نصر الباری ج ۱ ص ۳۹۱)

12 بَاب مَنْ جَعَلَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً

علم سیکھنے والوں کے لئے دن مقرر کرنا

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ ہر جمعرات لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے ان سے ایک آدمی نے کہا: اے ابوعبدالرحمنؓ میری خواہش ہے آپ ہمیں روزانہ نصیحت فرمایا کریں۔ فرمایا میرے لئے مانع یہ ہے مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تمہیں اکتاہٹ میں مبتلا کردوں۔ میں نصیحت کرنے میں وقت کی رعایت کرتا ہوں جیسا کہ نبی ﷺ دیکھ کر ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے اس ڈر سے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔

ربط: باب گذشتہ میں تخول بالعلم کا ذکر تھا کہ اکتاہٹ نہ ہو۔ اس باب میں ملال دور کرنے کا طریقہ ہے کہ نشاط کا خیال رکھتے ہوئے اوقات تعلیم و تعلم مقرر کرلیں۔

ماقبل میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے صغار علوم سے اولاً تربیت کی جائے باب ھذا میں یہ ہے کہ تربیت میں سہولت کو بنیادی طور پر پیش نظر رکھا جائے یعنی پہلے خوگر کرے پھر بتدریج ترقی کرے (فضل الباری ص ا ۱۳ ج ۲)

ربط: شاید اشارہ ہو کہ تعلیم و تذکیر کے لیے تعیین ایام تقصیر فی التبلیغ نہیں۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۶۶)

اس باب میں اکتاہٹ کو دور کرنے کا طریقہ ہے کہ نشاط کا خیال رکھتے ہوئے تعلیم و تعلم (وعظ) کا وقت متعین کرلیا جائے ۔۔۔ یاد رہے امام بخاریؒ ارشاد فرما رہے ہے کہ علم دین کی عظمت و اہمیت اپنی جگہ ہے مگر دنیوی مشاغل کو بالکلیہ ترک کر کے اسمیں مصروف ہونا آنحضرت ﷺ و صحابہ کرامؓ کے عمل سے منافات رکھتا ہے۔ (فضل الباری ص ۴۲)

یہ تعیین انتظامی ہے اس لئے جب چاہیں بدلی جاسکتی ہے ۔۔۔ ایسی تعیین جس پر ثواب کا مدار رہو اور اس کے خلاف کرنے پر نکیر کی جائے تو یہ تعیین دائرہ بدعت میں داخل اور واجب الترک ہے۔ جیسے تیجہ، چہلم جیسی رسوم اس لئے قابل مذمت ہیں ۔۔۔ الغرض تعیین انتظامی میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ تعیین قانونی و شرعی منع ہے۔ یاد رہے بدعتی در پردہ ''مدعی نبوت'' ہے کہ ایک واجب کام کو شارع بھول گئے اور یہ بتلا رہا ہے۔ نقص شریعت تھا جس کو یہ پورا کررہا ہے ۔۔۔ العیاذ باللہ ۔۔۔

تمہارا ذوق و شوق حضرات صحابہ کرامؓ سے زیادہ نہیں ہوسکتا جب رسول اللہ ﷺ نے وہاں نشاط کا خیال فرمایا تو میں کیوں نہ کروں جبکہ اتباع کا بھی حکم ہے (کشف الباری ج ۳ ص ۲۷۳)

سامۃ معنیٰ مشقت کو متضمن ہے اس کو علی سے متعدی کیا گیا ہے اور صلہ محذوف ہے۔ علی الموعظۃ ۔ ۔ ۔ سامۃ کا معنی یہ بھی ہے کہ موقع تلاش کیا جائے۔ (انعام ص ۸۶ ج ۲)

یہ حکم نصیحت کے لیے ہے تعلم کے لیے نہیں۔۔۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فعل نبوی ﷺ سے استدلال کی وجہ سے امام بخاریؒ پر اعتراض نہ ہوگا کہ وہ حدیث موقوف لائے ہیں۔(انعام الباری ج۲ ص۸۶)

عمل صالح میں اگرچہ دوام مطلوب ہے اگر اکتا جانے کا اندیشہ ہو تو ترک دوام کیا جاسکتا ہے۔۔۔ اس کی دو صورتیں (۱) روزانہ بلاناغہ جبکہ تکلف نہ ہو۔۔۔ یا ایک دن چھوڑ کر۔۔۔ تو صورت ثانی میں یوم ترک راحت کے لیے ہوگا۔۔۔ گویا عمل اور ترک میں فاصلہ ہوا اسی کو تخول سے تعبیر کیا گیا ہے۔۔۔ اس میں فعل نبوی ﷺ استدلال ہے(فضل الباری ج۲ ص۴۲)

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ غیر رواتب پر دوام کر کے ان کو رواتب کے مشابہ کرنا مکروہ ہے۔ روی عن مالک ھکذا (فضل الباری ج۲ ص۴۲)

فائدہ: مستحب کے بارے میں عقیدۃً تو عدم دوام کا ہونا چاہیے مگر عملاً دوام رکھے۔

13 بَاب مَنْ يُرِدْ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يُرِدْ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ

ترجمہ: اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطاء کرتے ہیں

حمید بن عبدالرحمنؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت معاویہؓ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ فرمارہے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دیتا اللہ ہے۔ اور یہ جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اس کے مخالفین اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے تا آنکہ اللہ کا حکم آپہنچے۔

ربط:

باب سابق میں تعلیم و وعظ کا تذکرہ تھا۔ باب ہذا میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ وعظ و تعلیم بلا تفقہ سرانجام نہیں دیئے جاسکتے۔ اس لئے فقہ کی اہمیت اور اس کے حصول پر تحریض ہے۔

غرضِ ترجمہ:

فہم علم دین اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ نیز فضیلت علم بھی واضح ہورہی ہے۔ بطورِ خاص فقہ کی اہمیت اور اس کے تعلم پر تحریض ہے۔ نیز حصولِ علم کیلئے محض جدو جہد کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ خیر کا مورد بننے کیلئے اعمالِ شرعیہ و مرضیہ پر چلنے کی ضرورت ہے۔

تشریح حدیث

مناسب یہ ہے کہ لفظ خیراً کی تنوین کو تعظیم وتفخیم کے لیے لیں یعنی فقیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر عظیم کا ارادہ فرماتے ہیں۔۔۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تفقہ فی الدین کا مقام خیر محض سے بہت بلند ہے کیونکہ غیر فقیہ بھی خیر محض کا مورد ہوسکتا ہے (فضل الباری ج ۲ ص ۴۸)

یفقه في الدين:

فقہ لغۃً فہم کے معنیٰ میں ہے۔ اور اصطلاحی طور پر احکام شرعیہ فرعیہ کو دلیل کے ساتھ جاننے کا نام ہے ــــ یہاں ''تفقه في الدين''لغوی معنیٰ میں ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق علم عقائد، علم تصوف وغیرہ پر ہوگا۔

نیز فقہ کہتے ہیں دوسرے کے کلام کو سمجھ لینا۔ یہ علم سے زائد درجہ ہے کہ منشاء متکلم کیا ہے ــــ فقہ، علم، فہم، فکر، تصدیق یہ الفاظ مترادفہ نہیں بلکہ متقاربہ ہیں۔ علم کا معنیٰ جاننا، فہم کا سمجھنا، تصدیق کا یقین واذعان اور فکر کا معنیٰ سوچنا ہے۔

انما انا قاسم و الله يعطي:

یہ کلام عرف پر محمول ہے۔ مقصد یہ ہے ہر ایک کو سکھا سکتا ہوں جو اس کے لائق ہو ــــ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کے علم میں فہم وتفکر اور تفقہ پیدا فرمادیتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں۔۔۔ حدیث الباب سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) تفقہ فی الدین خیر عظیم ہے (۲) یہ عطیہ خداوندی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو انما انا قاسم فرما کر اعطائے تفقہ کو مخصوص بالباری فرمارہے ہیں (۳) اس امت میں بعض لوگ ہمیشہ حق پر قائم اور باقی رہیں گے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۴۸)

حدیث الباب میں تین چیزیں جمع ہوگئیں علم، عمل اور تعلیم۔۔۔ ایسے شخص کو عالم ملکوت میں کبیر کے لفظ سے مشرف کیا جاتا ہے یعنی بڑا عالم (نصر الباری ج ۱ ص ۴۰۲)

اشکال: اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو معطی آپ ﷺ اور قاسم بھی۔ اگر حقیقت پر محمول کیا جائے تو معطی بھی اللہ تعالیٰ اور قاسم بھی اللہ تعالیٰ۔ تو ان میں تقسیم کیوں کی ــــ ؟

جواب ۱: کلام عرف پر محمول ہے۔ معطی عرف میں مالک کو کہتے ہیں۔ اور قاسم بانٹنے والے کو۔ لہٰذا عرف میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اعطاء کی نسبت اللہ کی طرف کی اور تقسیم کی نسبت آپ ﷺ کی طرف۔

جواب ۲: علم کو عطیۂ الٰہی سمجھا جائے۔ اور اترائے نہیں۔ عجب وغرور سے بچے۔ یہ معطی میں اشارہ ہے ــــ اور قاسم میں اس طرف اشارہ ہے حصول علم کے بعد جو بذریعہ اعطائے الٰہی ہے پھر پڑھائے اور قاسم بنے ــــ

حاصل یہ ہے کہ معطی حقیقی علم کے تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ تاہم دنیا میں ہم تقسیم کا ذریعہ بنیں۔

آپ ﷺ عطائے علوم الٰہیہ میں مساوات وانصاف کو ملحوظ فرماتے ہیں حسب مراتب فہم صحابہ کرامؓ میں اس کا ظہور ہوتا جو عطیہ خداوندی ہے جس کے درجات کا فرق قسام ازلی کی حکمت ہے غیر صحابہؓ فہم حدیث میں سبقت لے گئے یہ فضل باری کا مظہر ہے (فضل الباری ج ۲ ص ۴۹)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قاسم سے مراد مالِ غنیمت کی تقسیم ہے کہ اس کا دینا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میں تقسیم کنندہ ہوں۔
نیز یہ حصر اضافی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں ہی علوم کا معطی حقیقی ہوں بلکہ قاسم ہوں۔ یہ مطلب نہیں میری اور کوئی حیثیت نہیں۔ میں قاسم ہونے کے علاوہ شارع، داعی اور دیگر بہت سی حیثیتیں بھی رکھتا ہوں۔
کتاب العلم اور علم کے فضائل کے ساتھ انما انا قاسم الخ کو بیان کرنا ماسبق و مابعد کے حوالہ سے تقسیم سے مراد تقسیم علم تشریعی ہے۔ اگر عموم مراد لیکر تکوینیات کی مراد لیں جس میں رزق و اولاد وغیرہ بھی داخل ہوں گی ـــــ یہ عموم مراد نہیں۔ رضاخانی لوگوں کو بھی مغالطہ لگا ہے۔ جو صراحۃً خلافِ اسلوب بھی اور عقائد حقہ کے خلاف بھی ہے۔ اور امام بخاریؒ کی ذکر کردہ ترتیب کے بھی خلاف ہے وہ بھی کتاب العلم میں ذکر کر رہے ہیں نہ کہ تکوینیات میں۔

لن تزال هذه الامة:

امة: کا مصداق کیا ہے؟ متعدد اقوال ہیں۔ فقہاء، مجاہدین، صوفیاء، محدثین۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: اگر محدثین نہیں تو پھر کون ہے۔ میں نہیں جانتا ـــــ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: بعض روایات میں یقاتلون کا لفظ آیا ہے اس لئے اولاً اس کا مصداق مجاہدین ہیں۔ ثانیاً تمام طبقات داخل ہوجائیں گے۔ الغرض ظاہری مصداق اور باعتبار عمل فقہ و جہاد یا تصوف وتحدیث ہوا گروہ "ما انا علیه و اصحابی" کو سامنے رکھ کر آداب وشرائط کے ساتھ ہے تو بس وہی حقیقی مصداق ہے۔ طبقاتی اختصاص ضروری نہیں۔ صحتِ عقیدہ کے ساتھ صحتِ عمل بھی ضروری ہے۔
حضرت العلامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں حدیث میں چونکہ مجاہدین کی تصریح موجود ہے پھر امام احمد اس سے اہل الحدیث یعنی اہل السنۃ کو مراد لیتے ہیں؟ مجھے تعجب تھا۔ . پھر تاریخ سے معلوم ہوا اہل السنۃ اور مجاہدین کے مفہوم تو الگ الگ ہیں مگر مصداق خارجی ایک ہی ہے۔ . دیگر کوئی فرقہ جہاد نہیں کرتا بلکہ رافضی تو اسلامی سلطنتوں میں سازشوں میں ہی الجھے رہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۲۹۳)
یاد رہے کہ جہاد بالسیف والسنان یا بالقلم وللسان سب ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۲۹۴)
امر اللہ: اس سے مراد وہ دور ہے جب یمن سے ہوا چلے گی، تمام امت مسلمہ مرجائے گی اور یہ قرب قیامت ہوگا۔
لا یضرھم: اس سے مراد ان کے عقیدہ میں مضرت ہے۔ اور دلائل سے غلبہ مراد ہے۔ جسمانی، دنیوی نقصان و مضرت پہنچا سکتے ہیں۔

14 بَاب الْفَهْمِ فِي الْعِلْمِ ـــ علم کے لئے فہم کی ضرورت کا بیان

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ فَإِذَا أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ.

ترجمہ: مجاھدؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مدینہ تک رہا۔ میں نے ایک حدیث کے سوا ان سے رسول اللہ ﷺ کوئی اور حدیث نہیں سنی۔ وہ کہتے تھے ہم حضور ﷺ خدمت میں حاضر تھے آپ کے پاس کھجور کا مغز لایا گیا۔ آپ نے فرمایا درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کی مثال مسلمانوں کی طرح ہے۔ پس میں نے ارادہ کیا عرض کروں کہ کھجور ہے مگر چونکہ میں سب میں چھوٹا تھا اس لئے خاموش رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

ربط

باب اول میں تفقہ فی الدین کا ذکر تھا اور تفقہ کا معنی فہم فی العلم ہے۔ اس سے دونوں ابواب میں مناسبت ظاہر ہوگئی۔

غرض ترجمہ

:(ا) تھوڑے علم کیلئے کثیر عقل کی ضرورت ہے۔ ورنہ فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ امام بخاریؒ فرمانا یہ چاہتے ہیں جیسے علم مطلوب ہے۔ اسی طرح فہم بھی مطلوب ہے۔ گویا اس باب کی غرض ''فضل فھم العلم'' ہے۔

فہم وتفقہ میں فرق

فقہ خاص یعنی دین کے اندر سمجھ پیدا کرنے کا نام فقہ ہے۔ جبکہ فہم عام ہے۔ خواہ دین میں ہو یا غیر دین میں۔ عموم خصوص کی نسبت ہے۔

اگر دونوں میں فرق کیا جائے تو یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہوگا لفظ علم کے اضافہ سے یہ ارشاد مقصود ہے کہ حکمت کا حصول علم کے حصول پر موقوف ہے۔ (کشف الباری ج۳ ص ۳۱۳)

مقصود حدیث

(۱) اس باب کا حاصل یہ ہے حصول علم کی کوشش کرتا رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تفقہ فی الدین کا مقام عطا ہوگا۔ یا کم از کم فہم فی العلم تو حاصل ہو ہی جائے گا۔ یہ بھی انعام خداوندی ہے کہ فہم فی العلم حاصل ہو جائے۔

(۲) حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ مطالعہ کا طریقہ بتلا رہے ہیں۔ صحیح نہج پر مطالعہ کرے۔ مناسبات علم پر غور کرے۔ جیسے آپ ﷺ جمار رکھا رہے تھے اور سوال فرما رہے تھے کہ وہ کونسا درخت ہے جو انسان یا مسلم کے مشابہ ہے۔ اس میں غور کرنے سے جواب معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی کا نام فہم ہے۔ ''یک من علم را دہ من عقل باید''

امام بخاریؒ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں کہ مجمل اور مختصر حدیث پر مفصل حدیث کا ترجمہ رکھ دیتے ہیں اور اپنی کتاب میں دوسری جگہ اس مفصل حدیث کو ذکر کر دیتے ہیں۔۔۔ جو لوگ امام بخاریؒ کے اس طرز سے واقف نہیں انہیں اشکال پیش آتے ہیں۔۔۔ حدیث میں کوئی لفظ ترجمہ باب الفھم فی العلم کی فضیلت پر دال نہیں۔

لیکن امام بخاریؒ کتاب العلم کے آخر میں تفصیلاً روایت لائے تو اس میں یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے نقل فرمائے... لان تکون قلتها احب الی من ان کون فی کذا و کذا... چنانچہ حضرت عمرؓ کے یہی الفاظ فہم فی العلم کی فضیلت پر دال ہیں کہ آپ ﷺ حضرت ابن عمرؓ کے جواب سے ان کے فہم فی العلم پر خوش ہو کر دعا دیتے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۵۱)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ایک تشریح خود آپ ﷺ نے فرمائی ہے۔ لا یسقط له دعوۃ جس طرح نخلہ کے پتے نہیں گرتے مسلمان کی دعا بھی بے کار نہیں جاتی۔ (انعام ج ۲ ص ۴۸)

ایک وجہ تشبیہ یہ ہے کہ دنیا کے ہر درخت کا پھل اس کے موسم میں کھایا جاتا ہے... لیکن نخل کا ہر موسم میں کھایا جاتا ہے... اسی طرح اعمال صالحہ کا کوئی موسم مقرر نہیں۔ (انعام ج ۲ ص ۴۹)

کھجور کے اوپر والے سرے کے درمیان گودا نکلتا ہے جیسے گھوبی کے پھول کو چھیل لیا جائے تو گودا نکلتا ہے اسی طرح یہ کھجور کے سرے میں ہوتا ہے بڑا لذیذ شیریں ہوتا ہے.. لیکن اس کے نکلنے کے بعد درخت بے کار ہو جاتا ہے اس لیے جب درخت گر جائے اور کسی کام کا نہ رہے تو پھر یہ نکال لیتے ہیں۔ (دلیل القاری ص ۳۵۰)

15 بَابُ الِاغْتِبَاطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ۔ علم اور حکمت کی باتوں میں رشک کرنا

وَقَالَ عُمَرُ تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَبَعْدَ أَنْ تُسَوَّدُوا وَقَدْ تَعَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ كِبَرِ سِنِّهِمْ.

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهْرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا.

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے فرمایا علم دین حاصل کرو بزرگ بننے سے پہلے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں بزرگ بننے کے بعد بھی حاصل کرو۔ سرورِ کائنات ﷺ کے صحابہ نے بڑھاپے میں علم حاصل کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد صرف دو باتوں میں جائز ہے: ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے دولت دی ہو اور وہ اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے حکمت کی دولت سے نوازا ہو وہ اس کے ذریعے سے فیصلہ کرتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ربط: یہ ہے کہ جس آدمی کے علم و فہم میں جس قدر زیادتی ہوگی اسی قدر غبطہ کے قابل زیادہ ہوگا۔

غرض ترجمہ: امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں لفظ اغتباط لا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ حدیث الباب میں جو "حسد" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد "غبطہ" ہے۔ گویا یہ ترجمہ شارحہ ہے۔

حاصل یہ کہ اغتباط سے اشارہ ہے کہ وہ سیادت قابل رشک ہے جس میں تفقہ قبل از سیادت ہوتا کہ لوگ رشک کرنے

میں حق بجانب ہوں مطلق سیادت نہیں۔نتیجہ یہ کہ اصلاح خلق سے پہلے اپنی اصلاح کرے۔(انعام ج ۲ ص ۹۲)

فی العلم والحکمۃ:

"و" عاطفہ ہے عطف میں دو احتمال ہیں: ۱۔عطف تفسیری ہے کہ علم سے مراد حکمت ہے۔ ۲۔عطف غیر تفسیری۔

(۱) حکمت کے مختلف معانی ہیں۔حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں بعلم اسرار یعنی احکام کی علل بیان کرنا اس کو حکمت کہتے ہیں۔

(۲) ہر چیز کو اس کا مقام دینا۔(۳) حکمت کا مشہور معنی سنت بھی ہے۔جیسے کہا جاتا ہے: قرآن و سنت۔ویسے حضرات علماء کرام نے چھبیس کے قریب معنی بیان فرمائے ہیں۔

یہاں حکمت کا ذکر ہے بعض روایات میں قرآن کا تذکرہ ہے رجل علمہ اللہ القرآن...معلوم ہوا حکمت سے مراد یہاں قرآن ہے۔سوال: ان دو چیزوں کی تخصیص کیوں ہے؟(۱) اہمیت کی وجہ سے تخصیص ہے کہ قابل غبطہ یہی دو ہیں مبالغۃ (۲) انسان میں خوبیاں داخلی ہوں گی یا خارجی...خارجی خوبی مال ہو جو امور خیر میں خرچ کرے...داخلی خوبی اہم ترین یہ ہے کہ علم و حکمت پاس ہو۔(کشف الباری ج ۳ ص ۳۲۱)

تفقھوا قبل ان تسودوا:

حضرت عمرؓ کے ارشاد مبارک کا حاصل یہ ہے اس مرحلہ کے آنے سے پہلے کہ قوم کی قیادت کی ذمہ داری سر پر آئے۔اس سے پہلے تفقہ حاصل کرو۔ظاہر ہے بے علم و بے تفقہ قائد خود تو برباد ہے ہی اپنی قوم کو تباہی کے گڑھے میں ڈالے گا____ نیز قائد بننے کے بعد شاگرد بنتے ہوئے عار آتی ہے۔ورنہ کم از کم حصول علم کی راہیں دشوار تو ہو ہی جائیں گی۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے سیادت سے پہلے علم حاصل کرو____ ورنہ بعد میں جب اہل علم کی طرف لوگوں کا رجوع دیکھو گے تو حسد پیدا ہوگا____ اور عین ممکن ہے لوگوں کے سامنے تمہاری خامیاں ظاہر ہو جائیں اور سیادت سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔(درس شامزئی 249)

و بعد ان تسودوا:

امام بخاریؒ کا مقصود حضرت عمرؓ کے ارشاد مبارک کی شرح ہے کہ اس میں قید قبلیت اتفاقی ہے بعد ان تسودوا کی نفی نہیں ہے۔البتہ حضرت عمرؓ کا قول مبارک اولویت پر محمول ہے کہ قبل از سیادت علم حاصل کرنا اولیٰ ہے۔

شمر لغوی نے تسودوا کا ترجمہ تزوجوا کیا ہے لہٰذا بعد از نکاح اولاد و امور خانہ داری درد سر بن جاتے ہیں...اس لیے قبل از نکاح علم حاصل کرو۔(کشف الباری ج ۳ ص ۳۱۴) عند البعض "سواد اللحیۃ" سے ماخوذ ہے کہ داڑھی کی سفیدی سے پہلے ہی علم حاصل کر لو۔(کشف) مگر حافظؒ فرماتے ہیں بتزویج سیادت کا جز تو ہو سکتا ہے مگر مکمل سیادت نہیں۔(درس شامزئی 249)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد مبارک کا ترجمۃ الباب سے ربط:

امام بخاریؒ فرمانا یہ چاہتے ہیں عامۃ الناس کے ہاں سیادت و قیادت قابل رشک ہوتی ہے اگرچہ وہ کیسی ہی ہو۔

غرض بخاریؒ یہ ہے کہ اگر آپ سیادت سے قبل علم وتفقہ حاصل کر چکے ہو اور پھر سیادت مل گئی تو یہ سیادت جامع العلم والتفقہ ہوگی جو حقیقۃً قابلِ رشک ہوگی۔

وقد تعلم اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اس سے امام بخاریؒ نے اپنے قول "بعدان تسودوا" پر استدلال کیا ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کا اسوہ سامنے ہے کہ بڑے بڑے حضرات نے بڑی عمر میں تفقہ حاصل کیا۔

غبطہ: اس کا معنی رشک کرنے کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں تمنی مثل نعمت الغیر۔ امور دنیا میں غبطہ مباح ہے اور امور دینیہ میں مستحسن ہے۔

حسد کی تعریف: تمنی زوال نعمت الغیر۔ یہ حرام ہے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے جب اس کی تمنا ہی حرام ہے تو بالفعل کوشش کرنا کتنا بڑا سنگین جرم ہوگا۔

آسمان پر بھی سب سے پہلی نافرمانی حسد کی شکل میں ہوئی کہ شیطان نے حسد کیا اور زمین پر بھی سب سے پہلی نافرمانی حسد کی شکل میں ہوئی کہ قابیل نے حسد کیا یہ حقیقت میں اللہ کی تقدیر پر اعتراض ہے۔ (دلیل القاری 352)

لا حسد الا فی اثنین میں حصر اضافی ہے دوسری چیزیں بھی اس میں داخل ہو سکتی ہیں۔ (انعام ج۲ ص ۹۴)

علی غیر ما حدثنا الزھری:

حضرت سفیان فرماتے ہیں مجھے مندرجہ بالا روایت زہری کے طریق کے علاوہ اسماعیل بن خالد کے طریق سے بھی پہنچی ہے۔ دونوں میں کچھ الفاظ کا فرق ہے۔ گویا بتلانا یہ مقصود ہے اس روایت میں تعدد طرق ہے۔ اضطراب نہیں ہے۔

لا حسد الا فی اثنتین: سوال: اثنتین صیغہ تانیث ہے اس کے بعد رجل اتاہ ہے یہ مذکر ہے تو اجمال وتفصیل میں مطابقت نہ ہوئی۔

جواب: تفصیل کی جانب حذفِ مضاف ہے تقدیر عبارت ہے: خصلۃ رجل اتاہ ____ حذفِ مضاف کے بعد مضاف الیہ (رجل) کو اس کے قائم مقام کردیا۔

س ۱: روایت الباب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں ہے کیونکہ ترجمۃ اغتباط فی العلم ہے اور روایت میں حسد کا ذکر ہے۔

جواب: یہ ترجمہ شارحہ ہے۔ امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہاں حسد بمعنی غبطہ ہے۔

رجل اخر میں غبطہ کے قابل تین چیزیں ہیں۔

۱: حصولِ علم۔ ۲: فھو یقضی بھا ای لنفسہ ولغیرہ یعنی علم کے مطابق خود بھی عمل کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرواتا ہے۔ ۳: تیسری چیز و یعلمھا لوگوں کو علم بھی سکھاتا ہے۔

16 بَاب مَا ذُكِرَ فِي ذَهَابِ مُوسَى (عيه السلام) فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ

باب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جانا سمندر میں خضر علیہ السلام کی طرف

وَقَوْلِهِ تَعَالَى {هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا}

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا بیان کہ: حضرت موسیٰ نے حضرت خضرؑ سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھادیں؟

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَهُ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُوَ خَضِرٌ فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ مُوسَى لَا فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ وَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ لِمُوسَى فَتَاهُ {أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ} {قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا} فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ.

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے خبر دی وہ اور حر بن قیسؒ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے بارے میں محو گفتگو ہوئے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا خضرؑ تھے پھر ان کے پاس سے ابی بن کعبؓ گذرے تو ابن عباسؓ نے کہا میں اور میرا ساتھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جس سے موسیٰؑ نے ملاقات کی سبیل چاہی تھی کیا آپ نے حضور ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ ایک دن حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی جماعت میں موجود تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے موسیٰؑ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ کوئی آپ سے بھی بڑھ کر عالم ہے؟ موسیٰؑ نے فرمایا نہیں۔ اس پر اللہ نے موسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارا بندہ خضرؑ ہے (جس کا علم تم سے زیادہ ہے)

تو موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اس سے ملنے کی کیا صورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملاقات کی علامت قرار دیا۔ اور ان سے فرمادیا کہ جب تم اس مچھلی کو گم کردو تو واپس لوٹ جاؤ تب خضرؑ سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ تب موسیٰؑ دریا میں مچھلی کی تلاش کرتے رہے اس وقت ان کے ساتھی نے کہا جب ہم پتھر کے ساتھ تھے کیا آپ نے نہیں دیکھا تھا؟ میں اس وقت مچھلی کا کہنا بھول گیا تھا اور شیطان نے مجھے اس کا ذکر بھلا دیا تھا۔ موسیٰؑ نے کہا اسی مقام کی تو ہمیں تلاش تھی تب وہ اپنے نشانات

قدم پر باتیں کرتے ہوئے لوٹے وہاں انہوں نے خضرؑ کو پایا آگے وہی قصہ ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا۔

ربط ۱: باب سابق سے معلوم ہوا تھا علم وحکمت میں غبطہ ورشک کرنا چاہیئے۔ اس باب میں یہ بتلایا جارہا ہے قابل غبطہ چیز کیلئے مشقت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے ــــــ حتی کہ حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی سفر کی صعوبت ومشقت برداشت کر رہے ہیں۔

ربط ۲: ماقبل میں بعد از سیادۃ حصول علم کے لیے اسوۂ صحابہؓ کرام کا ذکر کیا تھا مگر یہ دلیل نہیں بن سکتی اس لیے کہ ان کا قبول اسلام ہی بعد از کبرسنی ہے۔ ۔ ۔ عالم جوانی میں اسباب علم بھی نہ تھے۔ ۔ ۔ اس لیے امام بخاریؒ نے حضرت موسیٰؑ کے واقعہ سے استدلال کیا۔ نبوت کی سیادت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ایک ہمارا بندہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ ۔ فوری ملاقات کا اشتیاق (وداخلہ) کا اظہار کیا اور کڑی شرائط۔ ۔ نیز تشریعی سیادۃ کے باوجود حصول علم کے لیے طویل بری وبحری سفر فرمایا۔

غرض ترجمہ: ۱: امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں علم کی عظمت اس درجہ کی چیز ہے اس کے حصول کیلئے اگر سمندر کا بھی سفر کرنا پڑے تو کرنا چاہیے۔

۲: یہ علم اتنی عظمت رکھتا ہے اس کی خاطر مصائب ومشقت برداشت کرنا پڑے تو کرو۔

۳: یہ پہلے باب کا تتمہ ہے قیادت وسیادت ملنے کے باوجود حصول علم کرو۔ ایک دلیل تو اسی باب میں اور ایک دلیل یہاں بیان فرمادی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ بعد از نبوت بھی علم کے حصول کیلئے سفر فرمارہے ہیں۔ جو بعدان تسودوا کی دلیل ثانی ہے۔

۴: اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصود یہ ہے اگر علم چھوٹے سے بھی حاصل کرنا پڑے تو گریز نہ کرے۔

فائدہ: مدارس میں داخلہ کی شرائط کے واضح اشارات موجود ہیں "طالب علم" کو چاہیے خلاف طبیعت ہونے کے باوجود "علمی مفاد" کے لئے قبول کرے تاکہ علم سے محرومی نہ ہو۔ اجمالی طور پر نظم تعلیم کے لئے "مبارک اسوہ" ہے۔

فی البحر الی الخضر:

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر میں تو سفر نہیں کیا تھا۔ ساحل سمندر میں کیا تھا۔ یہاں عنوان میں فی البحر کا لفظ کیسے آیا؟

جواب ۱: مقصد اس حصہ سفر کو بیان کرنا ہے جو حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ کے ساتھ ہوا تھا۔ اس صورت میں الی بمعنی مع کے ہوگا۔

جواب ۲: یہاں پر ساحل کا لفظ محذوف ہے اصل میں اس طرح ہے: ای فی ساحل البحر۔

جواب ۳: ساحل سمندر کے سفر کو بھی عرف میں سمندری سفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جواب ۴: مچھلی نے جو راستہ اختیار کیا وہاں سے پانی ہٹ گیا اور ایک کھلی سرنگ کی صورت اختیار کرلی، موسیٰؑ مچھلی کے پیچھے اس سرنگ میں داخل ہوگئے۔ ۔ حتیٰ کہ حضرت خضرؑ سے جا ملے، یہ سفر موسوی فی البحر ہے (کشف الباری ج ۳ ص ۳۲۸)

جواب ۵: حدیث میں ہے کہ ملاقات جزیرۃ من الجزائر میں ہوئی۔ ظاہر ہے جزیرہ تک پہنچنے کے لئے بحر میں سفر کرنا پڑے گا۔ (درس شامزئی 251)

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں چار ابحاث ہیں

(۱) البحث الاول: خَضِر، خِضْر، خَضْر تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ مشہور خَضِر ہے۔

ان کا نام بلیا بن ملکان ہے۔ خِضر ان کا لقب ہے۔

خِضر کا معنیٰ سبزہ کے ہیں۔ اس لقب کی کئی وجوہات ہیں۔

۱: جہاں بیٹھتے تھے وہاں سبزہ اگ آتا تھا۔ ۲: کثرۃ سے سبز لباس میں ملبوس رہتے تھے۔

البحث الثانی: ان کا دور حیات کب ہے ؟

۱: بعض حضرات کہتے ہیں بلاواسطہ حضرت آدمؑ کے بیٹے ہیں۔

۲: عند البعض حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں سے تھے۔

۳: عند البعض حضرت ابراہیمؑ کی چوتھی پشت میں سے تھے۔

۴: عند البعض ذوالقرنین کے زمانے میں تھے۔

البحث الثالث: یہ نبی تھے یا ولی تھے۔ دونوں قول موجود ہیں۔ دونوں طرف دلائل اور مرجح بھی ہیں۔ لیکن راجح یہ ہے کہ نبی تھے ـــ نبی مرسل یعنی تشریعی نبی نہیں تھے بلکہ تکوینیات کے نبی تھے۔ بہرحال کوئی نبی غیر نبی سے تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام سے صادر شدہ بعض واقعات خلاف شرع ہیں جو استثنائی احکام کے تحت، صرف وحی سے معلوم ہوسکتے ہیں اور و ما فعلته عن امری بھی نبوت پر دال ہے۔

البحث الرابع:

حضرت خضرؑ حیات ہیں یا نہیں ـــ؟ اصحاب ظواہر کے نزدیک وصال فرما چکے ہیں۔ جبکہ اصحاب بواطن کہتے ہیں حیات ہیں۔ اور معمر ہو کر محجوب عن ابصار نا ہیں۔

عند البعض خروج دجال کے وقت دجال جس شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا ـــ جب دوبارہ زندہ ہوگا تو دجال اسے کہے گا کہ اب تو تجھے یقین ہوگیا میں خدا ہوں ـــ وہ کہے گا اب تو مجھے اور زیادہ یقین ہوگیا کہ تو مسیح دجال ہے ـــ یہ شخص حضرت خضرؑ ہوں گے۔ دونوں میں اس مناسبت سے ترجیح ہوتی ہے کہ حضرت خضرؑ اور دجال دونوں عجمی ہیں۔ اور دونوں محجوب عن ابصار ہیں۔

ویسے بھی چونکہ یہ معاملہ تکوینیات کا ہے۔ اس لئے حضرات صوفیاء کرام، اصحاب بواطن کا قول معتبر ہونا چاہیے جیسا کہ امور تشریعیہ میں فقہاء و محدثین کا قول معتبر قرار دیا جاتا ہے۔

حضرت خضرؑ کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ آپ فرشتہ ہیں یا انسان۔ (فضل الباری ۵۹)

تشریح حدیث

انہ تماریٰ ھو والحر بن قیس ــــــ الخ

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے حضرت حر اور حضرت ابن عباسؓ میں یہ بحث ہوئی کہ "صاحب موسیٰ" کون ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ خضر ہیں۔ اور حضرت حر اس کا رد فرماتے ہیں۔ تاہم ان کے نزدیک پھر اس کا مصداق کون ہے۔ روایات میں اس کا تذکرہ نہیں ــــــ پھر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے فیصلہ کرایا تو ان کی تائید ہوئی۔

فدعاہ ابن عباسؓ: اختلاف کے وقت اعلم سے معلوم کرے۔ (درس شامزئی 253)

جبکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے تنازع و اختلاف صاحب موسیٰ میں نہیں بلکہ بذات خود حضرت موسیٰ (صاحب خضر) کے بارے میں ہے کہ مراد موسیٰ بن عمران ہیں۔ یا کوئی اور موسیٰ مثلاً موسیٰ بن یوسف یا موسیٰ بن میشا ہیں ــــــ

جواب: تعارض نہیں بلکہ تعدد واقعہ پر محمول ہے ــــــ تفصیل یہ ہے صاحب موسیٰ میں جو اختلاف ہوا ہے یہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حر بن قیس ﷺ کے درمیان ہوا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے: اور بذات خود حضرت موسیٰ کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے یہ حضرت سعید بن جبیرؓ اور نوف بکالی کے درمیان ہوا۔

حضرت حر بن قیس حضرت عمرؓ کے مقربین میں سے تھے اور مشیر بھی۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۳۶)

نوف بن فضالہ بکالی یہ کعب احبار کی بیوی کے لڑکے تھے۔ ان سے نوف نے یہ بات نقل کی حضرت خضرؑ کے رفیق سفر موسیٰ بن عمران نہیں تھے کیونکہ یہود اس واقعہ کو اپنے پیغمبر کیلئے کسر شان سمجھتے تھے ــــــ اس لئے فرضی طور پر اور موسیٰ کے ساتھ واقعہ کو جوڑ دیا۔ (تحفہ 419/1)

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوا حضرت موسیٰ کو حضرت خضرؑ کے پاس بھیجا گیا تو حضرت خضرؑ کی فضلیت معلوم ہوتی ہے۔

جواب ا: فضیلت جزئی ہے۔

جواب ۲: حضرت موسیٰ علم تشریعی کے عالم ہیں اور حضرت خضرؑ کے پاس علم تکوینی تھا۔ تو حضرت خضرؑ کی افضلیت نہیں۔

سوال: جب حضرت موسیٰ ہی افضل ہیں پھر حضرت موسیٰ کو حضرت خضرؑ کے پاس کیوں بھیجا گیا ــــــ؟

جواب: چونکہ دوران خطبہ یہ فرمایا میرے سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اگرچہ یہ بیان حقیقت تھا۔ تاہم صورۃً یہ دعویٰ تھا یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ اس لئے بھیجا گیا۔ چاہیے تھا کہ حضرت موسیٰ اللہ اعلم کہتے اس لئے حسنات الابرار سیئات المقربین کے تحت حضرت موسیٰ سے منجانب اللہ یہ معاملہ کیا گیا۔

حضرت موسیٰ و اللہ اعلم کہنا بھول گئے تو سفر بحر و بر الی الخضر کرایا گیا اور آپ کے خادم یوشع بن نون نے کہا کہ میں مقام مقصود اور علامت کہ مچھلی زندہ ہو کر سمندر جانے کو یاد دلاؤں گا... یہ بھی ان شاء اللہ کہنا بھول گئے ...اس لیے مقام مقصود پر پہنچنے کے باوجود مزید مشقت ہوئی...

اعلم الناس ہونے کا دعویٰ ہے پوری احتیاط کے باوجود مچھلی چلی گئی اور علم نہ ہوسکا۔ (فضل الباری ص ۵۸ ج ۲)
یہ چونکہ مقام شفقت نہ تھا، عتاب کا تھا تو راستہ متعین نہیں فرمایا، صرف علامت بتلادی کہ مچھلی ساتھ لے لو۔ (درس شامزئی 252)

فمر بهما ابی ان کعب رضی اللہ عنہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انکو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ بعد از سلام مسئلہ دریافت فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اساتذہ کرام کا خوب ادب و احترام فرماتے تھے۔ (دلیل القاری 356)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے ۱۶۴ احادیث مروی ہیں متفق علیہ تین ہیں امام بخاری رحمہ اللہ تین میں اور امام مسلم رحمہ اللہ سات احادیث میں متفرد ہیں۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۳۴۰)

مجمع البحرین کی تعیین مشکل ہے اگر یہ واقعہ قیام مصر کے زمانہ میں پیش آیا تو سوڈان میں خرطوم شہر کے پاس دریائے نیل کی دوشاخیں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہے.. بلکہ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وادئ سینا کی اسارت کے زمانے کا ہے... پس بحر قلزم کی دو شاخیں خلیج عقبہ اور خلیج سویز جہاں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہے۔ (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۴۹)

عبدنا خضر:

یہاں حضرت خضر علیہ السلام کی صفت "عبدیت" بیان کی گئی ہے۔ گویا اشارہ ہے جس قدر عبدیت و عجز بڑھتا چلا جائے گا اسی قدر علم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا ____ ورنہ تکبر سے برباد ہوتا چلا جائے گا۔ مشاہدہ ہے بعض ذہین فطین طلبہ تکبر کی وجہ سے برباد ہو گئے۔

وما انسانیه الا الشیطٰن:

یہاں پر بھولنے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ اس لئے کہ حضرت یوشع علیہ السلام ان خیالات کی وجہ سے بھولے تھے جو دل میں آرہے تھے۔ اور دل میں خیالات شیطان نے ڈالے۔ تو اس کی طرف نسبت کر دی گئی ____

فائدہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تکان محسوس ہوا جب منزل مقصود سے آگے بڑھے.. مقصد یہ کہ بامقصد کام سے آدمی نہیں تھکتا بے مقصد محنت تھکا دیتی ہے یعنی نفس الامری بات کا قلب نبوت پر عکس پڑا۔ (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۴۹)

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب بطور استدلال قائم فرمایا۔ جب نفل اور دنیوی علم کیلئے مشقت اٹھائی جاسکتی ہے تو فرض اور دینی علم کیلئے کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی۔

17 بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اے اللہ اسے علم کتاب عطاء فرما

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا اے اللہ اسے علم کتاب (قرآن) عطا فرما۔

ربط۱: باب سابق میں حصول العلم من الصغیر کا ذکر تھا۔ باب ہذا میں حصول العلم من الکبیر کا ذکر ہے۔

ربط۲: باب سابق میں حضرت ابن عباسؓ کے صحت فہم اور بلندیٔ فہم کا ذکر تھا۔ جبکہ باب ہذا میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ یہ فہم کا معیار آپ ﷺ کی دعا کی برکت تھی۔

ربط۳: حضرت شیخ الھندؒ فرماتے ہیں طلب علم کے لیے اسوہ ابن عباسؓ خدمت وادب کو ملحوظ رکھا جائے تاہم امام بخاریؒ کا مقصد یہاں یہ ہے کہ علوم قرآن کے لیے خصوصی طور پر عاجزانہ تضرع وزاری کی بہت ضرورت ہے۔ (فضل الباری ج۲ ص۶۲)

غرض بخاریؒ: حصول علم کیلئے صرف سفر اور محنت کافی نہیں۔ بلکہ اکابر کی دعاء بھی ضروری ہے ــــ حضرت ابن عباسؓ کو جو کمال علمی حاصل ہوا وہ دعاء سے ہی ہوا۔ لہٰذا اساتذہ ومشائخ کی خدمت ایسے طور پر کرنی چاہیے کہ خود بخود ان کے دل سے دعائیں نکلیں ــــ ایسے ہی اساتذہ کرام کو بھی آپ ﷺ کا اسوۂ مبارک سامنے رکھنا چاہیے۔ باصلاحیت وخدام بچوں کیلئے خوب سے خوب دعائیں کریں ــــ بلکہ دیں۔

شانِ ورود: آپ ﷺ قضاء حاجت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ کو خیال ہوا واپسی پر استنجاء کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ اپنے فہم کی بنیاد پر از خود پانی کا لوٹا بھر کر رکھ دیا ــــ واپسی پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے ــــ؟ جس پر آپ ﷺ کو بتلایا گیا تو آپ ﷺ خوش ہوئے اور دعا دی۔

آپ بیت الخلاء تشریف لے گئے تو تین صورتیں حضرت ابن عباسؓ کے سامنے تھیں

(۱) پانی لے کر بیت الخلاء جائیں

(۲) آپ کے طلب فرمانے پر پانی حاضر کریں

(۳) بیت الخلاء کے باہر پانی تیار رکھ دیں۔ ۔ پہلی میں بے پردگی دوسری میں عمل خدمت میں تاخیر تھی تیسری مناسب تھی جو ذکاوت ابن عباسؓ پر دال ہے تو جزاء من جنس العمل کے اصول پر دعاء نبوی ﷺ کی گئی۔ (فضل الباری ص۶۰ ج۲)

سیدنا ابن عباسؓ کو سینہ نبوی ﷺ سے علوم منتقل ہوئے اور سیدنا ابوہریرہؓ کو سینہ اقدس سے بواسطہ رداء علوم منتقل ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بواسطۂ ید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فضل الباری ج۲ ص۶۱)

سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کو دعا نبوی ﷺ ملنے کا وہ ادب واحترام بھی سبب ہے جبکہ تہجد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ کھڑا فرمایا مگر وہ برابر کھڑے نہیں ہوئے استفسار پر عرض کیا۔ او ینبغی لاحد ان یصلی حذاء ک وانت رسول اللہ۔ ۔؟ یہ واقعہ احترام اور سابقہ واقعہ خدمت کے قبیل سے ہے۔ (کشف الباری ج۳ ص۳۷۳)

آپ ﷺ کے وصال شریف کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی۔

اللھم علمہ الکتٰب:

بعض روایات میں الحکمۃ کالفظ بعض میں الکتب کالفظ ہے۔اور بعض میں اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل یعنی اے اللہ ان کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ دعا قبول فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فقیہ بھی اور مفسر بھی ہیں ـــــ آج جس قدر کتب تفسیر ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی محتاج ہیں۔فقہ شافعی کا تو مکمل مدار ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات پر ہے ـــــ اس لئے ان کو رئیس المفسرین سمجھا جاتا ہے۔

فائدہ: آجکل مارکیٹ میں جو تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے۔

(از علوم القرآن، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

18 بَاب مَتَى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيرِ ـــ صغیر کا سماع کب صحیح ہے؟

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الِاحْتِلَامَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ فَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكَرْ ذَلِكَ عَلَيَّ

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ عَقَلْتُ مِنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِي وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ مِنْ دَلْوٍ

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ گدھی پر سوار ہو کر چلا اور میں اس زمانے میں بلوغ کے قریب تھا۔ رسول اللہ ﷺ منیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے سامنے دیوار نہ تھی تو کچھ صفوں کے سامنے سے گذرا اور گدھی کو چھوڑ دیا تو وہ چرنے لگی۔ میں صف میں داخل ہو گیا مگر کسی نے مجھے اس پر ٹوکا نہیں۔

محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈول سے منہ میں پانی لے کر میرے چہرے پر کلی فرمائی اور اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔

اس فعل (کلی کرنے سے) خوش طبعی سے بچے کو مانوس کرنے اور اس پر برکت ڈالنے کے علاوہ بچے کے والدین کی تطییب قلب بھی مقصود تھی اور یہ تعبیر ہے علم سے۔ حضرت علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ایک شخص نے خواب دیکھا آپ ﷺ نے اس کے منہ میں لعاب مبارک ڈالا مگر اس نے تھوک دیا تو معبر نے کہا تم علماء کی مخالفت کرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (دلیل 361)

ربط: باب سابق میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بچپن میں آپ ﷺ سے دعائیں لی تھیں۔ اور بلوغ کے بعد ان کے آثار کو نقل فرمایا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس نقل پر اظہار اعتماد کیا گیا ـــ باب ہذا میں قبل از بلوغ کی ایک روایت نقل فرمائی ہے جس کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت میں قریب البلوغ تھا۔ اس سے معلوم ہوا نابالغ کا تحمل حدیث صحیح ہے۔

غرضِ بخاریؒ اور سماع صغیر کے بارے میں اقوال:

امام بخاریؒ کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ ادائے حدیث کے وقت بلاشبہ راوی کا بالغ ہونا بالاجماع شرط ہے۔ لیکن تحمل حدیث کے وقت بالغ ہونا شرط نہیں۔

امام بخاریؒ نے یہ ترجمہ استفہام کے ساتھ قائم فرمایا۔ کیونکہ سماع صغیر کے بارے میں حضرات محدثین کرام کا اختلاف ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں بالغ کے سماع کے معتبر ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔ خواہ عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو ـــــ

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عمر پندرہ سال سے کم تھی تو جہاد میں شامل نہ ہو سکے تو تحمل حدیث ہی نہیں ہو سکتا۔ . تاہم اس کا جواب یہ ہے پندرہ سال سے کم عمر قوائے جسمانی مضبوط نہیں ہوتے تو جہاد نہیں کر سکتے۔ . . جبکہ تحمل حدیث میں ذہنی صلاحیت کی ضرورت ہے لہذا قیاس معتبر نہیں۔ . . ورنہ عبداللہ بن عباسؓ نعمان بن بشیرؓ سمرہ بن جندبؓ اور براء بن عازبؓ جیسے حضرات اکابر کے بڑے بڑے ذخیرے مروی ہیں جن کا تحمل حدیث پندرہ برس سے کم عمر میں ہے ناقابل اعتبار ہو جائیں گے۔ (انعام ج ۲ ص ۹۸)

البتہ یحییٰ ابن معینؒ سے مروی ہے ان کے نزدیک پندرہ سال سے کم والے کا سماع معتبر نہیں خواہ وہ بالغ بھی ہو۔

لیکن اس قول کی تردید خود امام احمدؒ نے کی ہے اور فرمایا: بئس القول هذا۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں بلوغ شرط نہیں۔ بلکہ تمیز شرط ہے۔ بعض حضرات چار سال کے قائل ہیں۔ بعض پانچ سال کے بھی قائل ہیں۔ یہ دونوں قول محمود بن الربیع کی عمر میں اختلاف کی وجہ سے ہیں۔

بعض حضرات سات سال کی قید لگاتے ہیں۔ کیونکہ سات سال کا بچہ نماز کا مامور ہے ـــــ بعض حضرات نے ایک لطیفہ قائم کیا۔ عرب کا چار سال اور عجم کا سات کا ـــــ بہر حال راجح یہی ہے کہ عقل وتمیز والا ہو۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: سال اور حالات کے اعتبار سے کوئی عمر متعین کرنا مشکل ہے۔ اس واسطے کوئی اصول کلی نہیں بنایا جا سکتا۔ ہر حدیث میں یہ دیکھا جائے کہ اس روایت کا تحمل اس خاص واقعہ میں یہ بچہ جو کر رہا ہے آیا اس واقعہ کی روایت کے وقت یہ تحمل حدیث کے قابل تھا یا نہیں۔ جیسے محمود بن الربیعؓ کا واقعہ حدیث الباب میں ہے۔

یہ ایسا واقعہ ہے اگر پانچ سال کے بچہ کو یاد رہ جائے تو بعید نہیں کہ آپ ﷺ نے ڈول سے پانی لیکر میرے اوپر کلی فرمائی تھی۔ نہ ایسا کوئی دقیق نکتہ یا مسئلہ کا حکم یا علمی مسئلہ ہے۔ لہٰذا اس میں تحمل معتبر ہے ـــــ لیکن اگر پانچ سال کی عمر میں ایک بچہ بیع سلم کا مسئلہ بیان کرنے لگے تو یہ مسئلہ معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ پانچ سال کا بچہ بیع ہی کو نہیں سمجھتا تو سلم کو کہاں سے جانے گا۔

تشریحِ حدیث

حدثنا اسمٰعیل

علی حمار اتان: حمار کا لفظ مذکر و مونث دونوں کو عام ہے ـــــ لیکن اکثر چونکہ مذکر کیلئے استعمال ہوتا ہے یہاں تذکیر کا شبہ دور کرنے کیلئے اتان کا لفظ بڑھایا۔

یصلی بمنی: منیٰ کا لفظی معنیٰ "بہانا" ہے جو چیز بہائی جائے اس کو منی کہتے ہیں۔ منیٰ میں چونکہ قربانیاں کر کے خون بہائے جاتے ہیں اس لئے اس کو منیٰ کہتے ہیں۔

الی غیر جدار: اس کی تفسیر میں محدثین کا اختلاف ہوا ہے۔

۱: علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بغیر سترے کے نماز پڑھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ نے باب صلوٰۃ بغیر سترۃ قائم کر کے اس میں اس حدیث کو نقل کیا۔

۲: **دوسری تفسیر:** امام بخاریؒ اور علامہ کرمانیؒ کی رائے یہ ہے الی غیر جدار کا مطلب یہ ہے کہ سترہ تو تھا بصورت دیوار نہیں تھا ــــ اس لئے امام بخاریؒ نے ص ۷۱ پر باب باندھا ہے سترۃ الامام سترۃ من خلفہ اور اس میں پھر یہی روایت نقل کی ہے۔ معلوم ہوا کہ سترہ تھا۔ تو امام کے سترہ ہونے کی وجہ سے بے تکلف گذرا جا سکتا ہے اور اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی۔ کیونکہ امام کا سترہ مقتدیوں کا بھی شمار ہوتا ہے۔

فلم ینکر ذلک علی: ضمیر کا مرجع خواہ آپ ﷺ ہوں یا کوئی اور۔ حاصل یہ ہے کسی نے بھی نکیر نہیں کی۔

شان ورود:

حضرات صحابہ کرام کے دور میں ایک حدیث کے پیش نظر اختلاف ہو گیا۔ حدیث یہ تھی:

تقطع الصلوٰۃ امرأۃ و حمار و کلب۔

اس پر حضرت عائشہؓ ناراض ہو گئیں کہ ہمیں گدھے اور کتے کے برابر کر دیا ــــ ام المومنینؓ کی ناراضگی دور کرنے کیلئے حضرت ابن عباسؓ نے یہ روایت سنائی۔ حدیث ابن عباسؓ سے جمہور کا بھی مسلک ثابت ہوا کہ یہ چیز مفسدِ نماز نہیں۔ ظاہر یہ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کا رد ہوا جو ان چیزوں کو مفسد صلوٰۃ قرار دیتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک قطع صلوٰۃ سے مراد قطع خشوعِ صلوٰۃ ہے۔

سوال: دونوں روایات میں "سماع" کا ذکر تو کہیں بھی نہیں۔ ترجمۃ الباب سے یہ روایات کیسے مربوط ہوں گی۔

جواب: سماع سے مراد تحمل حدیث ہے۔ اور تحمل حدیث کیلئے قول ضروری نہیں۔ بلکہ تحمل حدیث میں اقوال و احوال اور تقاریر بسب طریقے ہو سکتے ہیں۔ البتہ خاص سماع کیلئے قول ضروری ہے۔

من دلو: بعض روایات میں فی دار ہے اور بعض میں من بئر ھم ہے۔

تو اس میں کوئی تعارض نہیں۔ مفہوم یہ ہے گھر میں جو کنواں تھا اس کے ساتھ جو ڈول لٹکا ہوا تھا وہ مراد ہے۔ تو یہ تعارض نہیں ہے۔



19 بَاب الْخُرُوجِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ ۔۔۔ علم کی طلب میں نکلنے کا بیان

وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُنَيْسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ

جابر بن عبد اللہؓ نے سفر کیا ایک مہینہ کی مسافت کا عبد اللہ بن انیس کی طرف ایک حدیث کے بارے میں۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ

إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ فَقَالَ أُبَيٌّ نَعَمْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ شَأْنَهُ يَقُولُ بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَتَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ قَالَ مُوسَى لَا فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ

فَكَانَ مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ يَتْبَعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ فَتَى مُوسَى لِمُوسَى {أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ} قَالَ مُوسَى {ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا} فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ

ترجمہ: جابر بن عبد اللہؓ نے سفر کیا ایک مہینہ کی مسافت کا عبد اللہ بن انیس کی طرف ایک حدیث کے بارے میں۔

عبید اللہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے خبر دی کہ وہ اور حر بن قیسؓ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے بارے میں محو گفتگو ہوئے تو ان کے پاس سے ابی بن کعبؓ گذرے تو ابن عباسؓ نے ان کو بلایا اور کہا میں اور میرا ساتھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جس سے موسیٰؑ نے ملاقات کی سبیل چاہی تھی۔ کیا آپ نے حضور ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟

ابیؓ نے کہا ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ایک دن موسیٰؑ بنی اسرائیل کی جماعت میں موجود تھے۔ اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کیا آپ جانتے ہیں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے؟ موسیٰؑ نے کہا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارا بندہ خضرؑ ہے۔ تو آپ نے پوچھا کہ اس سے ملاقات کی کیا صورت ہوگی؟۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملاقات کی علامت قرار دیا اور فرمایا جب تم مچھلی کو گم کردو تو واپس لوٹ جاؤ تو اس سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ تب موسیٰؑ دریا میں مچھلی کی علامت تلاش کرتے رہے۔ اس وقت ان کے ساتھی نے کہا: جب ہم پتھر کے ساتھ تھے کیا آپ نے نہیں دیکھا تھا؟ میں اس وقت مچھلی کا کہنا بھول گیا تھا اور شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا۔ تو موسیٰؑ نے کہا اسی مقام کی تو ہمیں تلاش تھی۔ تب وہ اپنے نشانات قدم پر باتیں کرتے ہوئے لوٹے۔ وہاں انہوں نے خضرؑ کو پایا آگے وہی قصہ ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا۔

ربط:

باب سابق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ خدمت میں حاضری کا ذکر تھا اور مقصد طلب علم تھا ــــ باب ہذا میں طلب علم کیلئے سفر کا ذکر ہے۔ خواہ بری ہو یا بحری۔

غرضِ ترجمہ:

علم حدیث کی تحصیل کیلئے سفر

حضرات محدثین کرام میں علم حدیث کی تحصیل کیلئے سفر کا عام رواج تھا۔ جو کہ صحابہؓ وتابعینؒ کے دور میں نہ تھا ــــ امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تحصیل علم کیلئے سفر عمل بدعت نہیں بلکہ ایک نبی اور ایک صحابی کا عمل ذکر کیا ہے جو بطور دلیل ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ خود صحابی ہیں۔ انہوں نے ایک حدیث جو عبد اللہ بن انیسؓ کی تھی انہوں نے وہ ایک واسطہ سے سنی تھی تو یہ ایک ماہ کی مسافت طے کر کے شام گئے۔ تا کہ بلا واسطہ ان سے روایت سن کر اپنی سند عالی کریں ــــ بعض نے اس کی تعیین کی ہے وہ یہ حدیث ہے: من ستر مومنا فی الدنیا علی عورۃ سترہ اللہ یوم القیامۃ۔

جبکہ امام بخاریؒ نے اس طرح نقل کی ہے:

عن جابر بن عبد اللہ ﷛ عن عبد اللہ بن انیس ﷛ سمعت رسول اللہ ﷺ یحشر اللہ العباد فینادیھم بصوت یسمعہ من بَعُد کما یسمعہ من قرُب۔

انا الملک انا الدیان: ــــ (کما فی حاشیۃ البخاری ص ۱۷)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے جا کر جب دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی ــ مَن ــ کون ہے؟ انہوں نے کہا: جابر بن عبد اللہ من اصحاب رسول اللہ ﷺ۔

اندر سے آواز آئی: نعم ــــ اور باہر آ کر چمٹ گئے ــــ بڑا خیر مقدم کیا اور بیٹھنے کو کہا۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا: صرف حدیث سننے کیلئے آیا ہوں۔ تا کہ مقصد میں فرق نہ آئے۔ اس لئے واپس ہو گئے بیٹھے بھی نہیں۔ اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس مصر کا سفر فرمایا جو محض سماعت حدیث کیلئے تھا۔

حضرت عبید اللہ بن عدیؓ نے حضرت علیؓ سے سماعت حدیث کیلئے عراق کا سفر فرمایا (کشف 402ج3)

حضرت ضمام بن ثعلبہ کا بھی قصہ گذر چکا۔

جب علو سند کے لیے سفر جائز ہے تو اصل علم حاصل کرنا تو اس سے بھی کہیں اہم ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۶۵)

20 بَاب فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ
اس شخص کی فضیلت کے بیان میں جو علم سیکھے اور سکھائے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنْ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتْ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتْ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتْ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ قَالَ إِسْحَاقُ وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَيَّلَتْ الْمَاءَ قَاعٌ يَعْلُوهُ الْمَاءُ وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِي مِنْ الْأَرْضِ

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اس چیز کی مثال جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے یعنی ہدایت اور علم اس بہت زیادہ بارش کی طرح ہے جو زمین کو پہنچی پس زمین کے بعض حصے تو صاف تھے انہوں نے پانی کو قبول کیا گھاس اور بہت زیادہ سبزہ اگایا اور بعض حصے سخت تھے انہوں نے پانی کو روک لیا پس اللہ نے ان کے ذریعے لوگوں کو نفع دیا کہ خود بھی پیا (جانوروں کو) بھی پلایا اور کھیتیاں بھی سیراب کیں اور زمین کے بعض حصے چٹیل میدان ہیں نہ پانی روک سکتے ہیں نہ گھاس اگا سکتے ہیں۔ یہ مثال ہے اس آدمی کی جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور نفع دیا اس کو اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا۔ پس اس نے سیکھا اور (آگے) سکھایا اور مثال ہے اس شخص کی جس نے اس کے ساتھ سر نہیں اٹھایا اور نہیں قبول کیا اللہ کی اس رہنمائی کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اسحاق نے کہا: اور تھا ایک حصہ اس زمین سے، اس نے پانی کو اپنے اندر جذب کیا، قاع بلند ہو جائے اس سے پانی اور صفصف، جو برابر ہو زمین سے۔

ربط:

باب سابق میں تحصیل علم کا ذکر تھا۔ باب ہذا میں فضیلت علم کا بیان ہے۔

غرضِ ترجمہ:

ترغیب علم اور تعلیم و تعلم دونوں کے مجموعے کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ بقائے علم بذریعہ تعلیم و تدریس ہوتا ہے۔ اس لئے عالمِ معلّم کو عالم مجرد پر فضیلت حاصل ہے۔

تشریحِ حدیث

کَلَأ: خشک اور تر دونوں گھاس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

عشب: صرف تر گھاس کو کہتے ہیں۔

حدیث الباب میں تقسیم ثنائی ہے یا ثلاثی۔۔۔؟

مثل ما بعثنی اللہ بہ:

آپ ﷺ نے حدیث الباب میں اپنی تعلیمات مبارکہ کو بارش کے پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ اس میں ہریالی اورانبات کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ اس حدیث میں علم کو بارش اور حاملین علم کو زمین سے تشبیہ دی ہے۔

یہاں پر آپ ﷺ نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ایک وہ جنہوں نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی پہنچایا اور ایک وہ جنہوں نے کوئی دھیان ہی نہیں دیا۔ بیچ میں تیسری قسم خود بخود نکل آئی کہ جس نے علم حاصل کیا لیکن خود عمل کرنے کی بجائے محفوظ کرلیا اور دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا۔ پھر بھی غنیمت ہے لیکن تیسری قسم بالکل تباہ حال ہے۔ (انعام الباری ج ۲ ص ۱۰۵)

سوال: زمین کی تین اقسام بتلائی ہیں جو کہ مشبہ بہ ہے اور مشبہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مشبہ بہ کی پہلی قسم نقیہ (زمین کی اعلیٰ قسم) اس کے مقابلے میں مشبہ کی قسم مثل من فقہ فی دین اللہ ہے۔ اور مشبہ بہ کی جانب تیسری زمین کی قسم ہے انما ھی قیعان (یعنی بالکل بیکار زمین) اس کے مقابلہ میں مشبہ کی جانب مثل من لم یرفع بذلک راسہ کی قسم بیان کی ہے ___ لیکن مشبہ بہ کی جانب جو دوسری قسم اجادب والی ہے (یعنی پانی روکنے والی سخت زمین) اس کے مقابلہ میں مشبہ کی کوئی قسم بیان نہیں کی۔ حاصل یہ ہے کہ مشبہ بہ کی جانب تین صورتیں زمین کی ہیں اور مشبہ کی جانب حاملین کی دو صورتیں ہیں درمیانی صورت کا ذکر نہیں۔

جواب: حضرات محدثین شراح کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس حدیث میں تقسیم ثنائی ہے یا ثلاثی ہے؟

علامہ عینیؒ کی رائے یہ ہے تقسیم ثنائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مشبہ بہ کی جانب دو ہی چیزیں ہیں کہ زمین نافع ہے یا غیر نافع۔ اسی طرح انسانوں کی بھی (مشبہ کی جانب) دو قسمیں ہیں۔ نافع یا غیر نافع۔ پہلی دونوں اقسام نافع ہیں تیسری قسم غیر نافع۔

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں یہ تقسیم ثلاثی ہے۔ مشبہ بہ کی جانب تین چیزیں ہیں۔ ۱: منتفع اور نافع۔ ۲: نافع غیر منتفع۔ ۳: غیر نافع غیر منتفع ___ اسی طرح مشبہ کی جانب بھی لوگ تین قسم پر ہیں۔ ۱: وہ جو علم حاصل کرکے عمل بھی کرتے ہیں اور غور وفکر کرکے اخذِ مسائل بھی کرتے ہیں۔ اس سے مراد فقہاء کرام ہیں۔ جب علم حاصل کرتے ہیں بعینہ ویسا ہی آگے نہیں دیتے بلکہ اپنے قلب کے اندر سمو کر ضروریات زندگی کے تمام مسائل کا استنباط کرتے ہیں جس سے عامۃ الناس کو انتہائی آسانی ہوتی ہے اور راہِ عمل متعین اور صاف شفاف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر ہر کسی کو صلوٰۃ، وضو، نکاح وغیرہ کے مسائل از خود اخذ کرنے پڑتے تو حرج شدید لازم آتا۔ خلاصہ یہ ہے مشبہ بہ یعنی زمین کے اس بہترین حصہ کی طرح یہ حضرات بھی بہترین ہوئے کہ نافع بھی ہوئے اور منتفع بھی ہوئے۔

مشبہ کی جانب دوسری قسم وہ ہے، جو علم حاصل کرکے عمل کرتے ہیں لیکن غور وفکر کرکے مسائل مستنبط نہیں کرتے۔ اس سے مراد حضرات محدثین کرام ہیں جو صرف یاد کرکے آگے پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح حفاظ وقراء ہیں تو یہ علم کو سنبھال لیتے ہیں، ضائع نہیں کرتے۔ تاہم جیسا لیتے ہیں ویسا ہی آگے پہنچا دیتے ہیں۔ بہر حال یہ قسم نافع غیر منتفع ہوئی یعنی اپنے اندر سمو نہ سکے لیکن دوسرے کو دیدیا۔

______ مشبہ کی جانب تیسری قسم وہ ہے جو علم کی طرف دھیان ہی نہیں دیتی۔ جو مثل من لم یرفع بذلک راسہ سے مراد ہے۔ آپ ﷺ نے صرف پہلے اور تیسرے طائفہ کو مشخص کیا بیچ والے طائفہ کو چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ جو مؤمن دین پڑھے ہوئے ہیں دوسروں تک پہنچاتے بھی ہیں مگر خود اس عمل نہیں کرتے۔۔۔ اگران کا تذکرہ کیا جاتا تو ان کے عمل کا استحسان ثابت ہوتا حالانکہ شریعت کی نظر میں ان کا عمل قابل ستائش نہیں۔ (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۶۳)

قال اسحاق:

اسحاق جب مطلق ذکر کریں اور کوئی نسبت نہ ہو اس سے مراد اسحاق بن راھویہ ہوتے ہیں۔ یہ حنفی ہیں امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔

قیعان: یہ قاع کی جمع ہے۔ معنی چٹیل اور ہموار میدان جس میں گھاس نہ ہو۔

صفصف: الشی بالشیء یذکر کے قبیل سے ہے۔

قاعاً کی مناسبت سے امام بخاریؒ نے صفصف کے معنی بھی بیان کردیے۔ کیونکہ قرآن کریم میں سورۃ طٰہٰ میں دونوں اکٹھے ہیں۔

قاعاً صفصفاً: اس کا ترجمہ: وہ زمین جس کی سطح برابر ہو۔

فائدہ: سند میں حضرت حماد بن اُسامہ ہیں ____ جبکہ تعلیق میں ابو اسامہ ہیں۔ دونوں سے مراد ایک ہی شخص ہیں۔ کیونکہ حماد کے بیٹے کا نام بھی اسامہ اور والد کا نام بھی اسامہ ہے۔ تو ابن اسامہ بھی ہوئے اور ابو اسامہ بھی ہوئے۔ کذا قالہ العینی رحمہ اللہ

21 بَاب رَفْعِ الْعِلْمِ وَظُهُورِ الْجَهْلِ علم کا اٹھ جانا اور جہل کا پھیل جانا

وَقَالَ رَبِيعَةُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ الْعِلْمِ أَنْ يُضَيِّعَ نَفْسَهُ

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا.

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ.

ترجمہ: حضرت ربیعہؓ کہتے ہیں جس کے پاس علم کا کچھ حصہ ہے اس کے لئے مناسب نہیں وہ اپنے آپ کو ضائع کردے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہل قائم ہوجائے گا اور شراب پی جائے گی اور زنا پھیل جائے گا۔

ضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میرے بعد تم سے کوئی نہیں بیان کرے گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے ہوئے سنا علامات قیامت میں سے ہے کہ علم کم ہوجائے گا، جہل پھیل جائے گا، زنا بکثرت ہوگا، عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور مرد کم ہوجائیں گے حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا نگران صرف ایک مرد ہوگا۔

ربط: یہ باب سابق کا تکملہ ہے۔ کیونکہ باب گذشتہ میں تعلیم وتعلم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس باب میں یہ بتلایا گیا ہے حصول علم ضروری ہے ورنہ یہ اٹھ جائے گا کیونکہ دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ اس سے شرافت علم ثابت ہوگئی۔ کیونکہ بقائے علم پر بقائے عالم موقوف ہے۔ جبکہ رفع علم فنائے عالم کو مستلزم ہے۔ کیونکہ حدیث الباب میں رفع علم کو قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔ اور قیام قیامت فنائے عالم کی علامت ہے۔

فائدہ: رفع العلم میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ اور ظھور الجھل میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے

غرضِ بخاریؒ:

تحصیل علم واشاعت علم مقصود ہے اس لئے کہ علم تبھی اٹھے گا جب اس کی اشاعت نہ کی جائے۔

سوال: کتاب العلم میں ثبوت العلم کا بیان ہونا چاہیے نہ کہ رفع العلم وظھور الجھل کا۔

جواب: کبھی کسی شی کے ثبوت کیلئے اس کی ضد کو لاتے ہیں۔ و بضدھا تتبین الاشیاء

قال ربیعۃ: ان کا پورا نام ابوعثمان بن ابی عبدالرحمٰن فروخ ہے اور لقب الرائی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے استاذ ہیں۔ رائی پہلے دور میں مدح کا لفظ تھا ___ کیونکہ اس دور میں حضرات محدثین کرام روایت کم کرتے تھے اور تحقیق زیادہ کرتے تھے۔

تشریح حدیث

تفسیر ان یضیع نفسہ:

اس کی بہت تفاسیر ہیں۔

۱... پڑھے پڑھائے نہیں۔
۲... نااھلوں کو پڑھائے جنکی استعداد ہی نہیں یا وہ قدردان نہیں۔
۳... بندۂ درہم ودینار بنے کہ تنخواہ کی وجہ سے پھرتا رہے۔
۴... علم پر عمل نہ کرے۔
۵... حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں اتنی تواضع کرے کہ کوئی استفادہ ہی نہ کر سکے۔

سوال: پہلی حدیث میں ہے علم اٹھالیا جائے گا دوسری میں ہے علم کم ہوجائے گا تو بظاہر تعارض ہے ___!

جواب ۱: علم بالتدریج اٹھایا جائے گا یکدم نہیں اٹھایا جائے گا پہلے کم ہوگا پھر اٹھالیا جائے گا۔

جواب ۲: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: دوسری حدیث میں قلت بمعنی عدم ہے جو رفع علم ہی کے مترادف ہے۔ دونوں میں مطابقت ہوگئی۔ باب کی دونوں حدیثوں میں چار علامات قیامت ہیں فقدان علم کے سبب جہالت (۲) علانیہ زناکاری (۳) عورتوں کی کثرت۔ . بعض روایات میں فتنہ کا ذکر بھی ہے۔

جبکہ نظام عالم کا تعلق پانچ چیزوں سے ہے، دین، عقل، نسب، مال اور نفس۔ ۔ ۔ ان کا زوال علامت قیامت ہے۔

دین کی بقا علم سے ہے اور علم سے نظام دنیا وابستہ ہے شراب نوشی سے زوال عقل ہے نسب سے اقوام وقبائل کا نظام قائم ہے جب کہ زنا یہ نظام قائم ہی نہیں ہونے دیتا۔ ۔ ان اشیاء کے پیدا ہوجانے پر مال ونفس بھی غیر محفوظ ہوجاتے ہیں۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۷۶)

کیفیت رفع علم

سوال: اس باب میں رفع علم کا ذکر ہے ــــــ لیکن کیفیت رفع کا ذکر نہیں ــــ؟

جواب: اس سلسلہ میں امام بخاریؒ نے ص ۲۰ پر ایک باب قائم کیا ہے: باب کیف یقبض العلم، اس میں یہ کیفیت مذکور ہے کہ ان اللہ تعالیٰ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد لکن یقبض العلم بقبض العلماء ــــ یعنی علماء کرام کی رحلت کے بعد ان جیسے علماء کرام پیدا نہیں ہوں گے۔

سوال: ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے: ان اللہ ینزع العلم من الصدور فی لیلۃ یعنی ایک ہی شب میں سینوں سے ہی علم اٹھا لیا جائے گا بظاہر ان میں بھی تعارض ہے۔

جواب: تطبیق یہ ہے کہ بخاری شریف ص ۲۰ والی روایت اول دور پر محمول ہے ــــ اور ابن ماجہ والی روایت بالکل قرب قیامت کے آخری دور پر محمول ہے۔

سوال: حدیث الباب میں یہ ہے قرب قیامت میں علم اٹھ جائے گا جبکہ بعض روایات میں ہے علم ظاہر ہوجائے گا تو یہ بھی تعارض ہے۔

جواب ۱: ایک ہے حقیقت علم اور ایک ہے ظاہر علم۔ حقیقت علم یہ ہے کہ علم مع العمل ہو۔ تو مقصود یہ ہے کہ حقیقت علم ختم ہوکر صرف ظاہر باقی رہ جائے گا علم بلا تفقہ رہ جائے گا تو تعارض نہ رہا۔

جواب ۲: ایک ہے تحریری علم اور ایک ہے علم کا فہم۔ تحریری علم یعنی کتب تو زیادہ ہوجائیں گی ــــ لیکن فہم علم ختم ہوجائے گا اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے علم ظاہر ہوجائے گا۔

ایک جواب یہ ہے کہ انشاء سوال اور کثرت علم سے مراد یہ ہے کہ ذرائع علم بہت ہوجائیں گے جیسے پریس اور الیکٹرک میڈیا وغیرہ۔ علم کے کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ حقیقت علم رخصت ہوجائے گی اس لیے آج کثرت ذرائع کے باوجود حقیقت علم کے حامل ماضی قریب کے متاخرین کی طرح بھی نہیں ملتے (انعام ج ۲ ص ۱۰۷)

لا یحدثکم احد بعدی:

مطلب یہ ہے سمعت رسول اللہ ﷺ کا جملہ بول کر کوئی بیان کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت انسؓ نے اس قدر لمبی

عمر پائی ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ فوت ہو چکے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس روایت کو روایت کرنے والا میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔ کان آخرھم موتاًبالبصرۃ ____ ورنہ حقیقۃً آخری صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ دوسیؓ ہیں۔

ابن بطالؒ فرماتے ہیں حضرت انسؓ فرمانا چاہتے ہیں کہ جس بے خوفی سے میں حدیث بیان کر رہا ہوں بادشاہوں کے جور و ظلم کی وجہ سے اور لوگ اس طرح بیان نہیں کریں گے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۴۴۷)

کثرۃ نساء

تکثر النساء:

اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) لڑکیاں زیادہ پیدا ہوں گی اور لڑکے کم۔

(۲) جنگیں کثرت سے ہوں گی۔ مرد مارے جائیں گے عورتیں باقی رہ جائیں گی۔

ایک قول ابوعبدالملک کا ہے کثرت فتوحات کی وجہ سے کثرۃ جاریات ہوں گی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں تصریح ہے۔ ویری الرجل الواحد یتبعہ اربعون امرأۃ یلذن بہ من قلۃ الرجال و کثرۃ النساء

ظاہر یہ ہے کہ ایک مستقل آیت وعلامت ہے جو کسی سبب پر مبنی نہیں بامر اللہ قرب قیامت میں کثرۃ نساء کی علامت کو رفع علم اور ظہور جہل کے ساتھ زبردست مناسبت ہے۔ (کشف الباری ج ۳ ص ۴۴۹)

بخمسین امرأۃ:

سوال: ترمذی کی ایک روایت میں چالیس کا ذکر ہے تو تعارض ہے۔ جواب: عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

خمسین سے مراد عدد اور کثرت دونوں ہوسکتے ہیں ____ بعض نے کہا: ایک مرد پچاس بیگمات بنالے گا یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ بعض روایات میں قیم کا لفظ موجود ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی پچاس کا نگران ہوگا۔ تو صالح آدمی تو چار سے تجاوز نہ کریگا۔

قیم واحد سے مراد ہے امانت دار اور اچھا آدمی ___ النساء سے مراد بیویاں نہیں بلکہ خاندان کی عورتیں مراد ہیں۔ مطلب یہ ہوگا اخلاق کا فساد اتنا آجائے گا کہ ایسے آدمی جو عورتوں کی ذمہ داری محسوس کریں بہنوں کی، بیٹیوں کی، بھانجیوں بھتیجیوں کی ___ جن کی تعداد بہت ہوگی۔ (دلیل 371) ایک مطلب یہ ہے کہ حدود شریعت کا لحاظ نہیں رکھیں گے۔ پچاس عورتیں رکھے گا اور یہ بھی سمجھے گا کہ نکاح میں تو ہیں۔ (کشف 448/3)

فائدہ: (۱۴۳۱ھ) حضرت استاذنا المحترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے ہیں:

پاکستان کی پچھلی مردم شماری ہوئی اس میں عورتیں ۵۲ فیصد تھیں اور مرد ۴۸ فیصد تھے ___ ایران وعراق کی جنگ ختم ہونے کے بعد ایران کی مردم شماری ہوئی تو مرد وعورت کے درمیان، 1 اور 6 کی نسبت تھی۔ کوریا اور ویت نام کی جنگ سے جب امریکہ نکلا تو وہاں کی مردم شماری میں ایک اور نو کی نسبت تھی۔

ادائیگی نماز کے بعد دیکھا ایک شخص مسند نشین ہے جس کے سامنے امام مالک حسن بصریؒ اور ان کے ہمعصر اجلہ حضرات ان

کے شاگردان ہیں، رشک آنے پر دریافت کیا یہ کون ہے؟ بتایا گیا ربیعہ ہیں مسرت کے ساتھ گھر آ کر اہلیہ کے پاس خوشی کا اظہار کیا، اہلیہ نے کہا تیس ہزار دینار بہتر ہیں یا یہ منصب علم؟ کہنے لگے لا و اللہ بل ھذا فقالت انفقت المال کلہ علیہ قال فو اللہ ما ضیعتہ۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۷۰)

22 بَاب فَضْلِ الْعِلْمِ --- علم کی فضیلت کا بیان

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْعِلْمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے میں سو رہا تھا مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا میں نے پی لیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ تازگی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے پھر میں اپنا باقی ماندہ عمر بن خطابؓ کو دیدیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر لی؟ فرمایا علم۔

ربط: باب سابق کی طرح یہاں بھی فضل علم کا بیان ہے۔

سوال: یہ باب پہلے بھی آیا ہے۔ ص 14 پر تو یہ تکرار ہے۔ حالانکہ امام بخاریؒ کی عادت مبارکہ تکرار کی نہیں ہے۔

جواب ۱: ص ۴ پر بیانِ فضل علم کلی ہے اور ص ۱۸ پر بیانِ فضل علم جزئی ہے۔ یعنی یہاں پر خاص طور پر علم نبوت کی فضیلت کا بیان ہے۔

جواب ۲: ماسبق میں فضیلت علماء اور یہاں فضیلت علم کا بیان ہے۔

جواب ۳: ماسبق میں فضل بمعنی فضیلت کے تھا۔ اور یہاں فضل بمعنی زیادتی ہے۔

غرضِ بخاریؒ:

(۱) اس طرف اشارہ کرنا مقصد ہے کہ جو علم تمہاری ضرورت سے زائد ہو یعنی اس پر عمل نہ ہو مثلاً آپ تاجر نہیں مگر تجارت کے مسائل کا علم حاصل ہے تو دوسرے کو بتادو اسے فائدہ حاصل ہو جائے۔ جیسے آپ ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو دیا۔

(۲) اس باب سے غرض یہ ہے ضرورت سے زائد علم حاصل کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعثِ فضیلت بھی ہے۔

دلیل اس کی یہ ہے آپ ﷺ خواب میں دیکھ رہے ہیں دودھ لایا گیا اور نوش فرمانے کے بعد ناخن تک جو بدن کا سخت حصہ ہے آثار ظاہر ہو گئے۔ گویا پیالہ کا دودھ آپ کی ضرورت سے زائد تھا تو آپ ﷺ نے اسے حضرت عمرؓ کو دیدیا۔ تو زائد علم کا مصرف بھی بتادیا کہ دوسروں کو دیدو۔

دودھ اور علم میں مناسبت:

وہ یہ ہے جس طرح دودھ انسان کیلئے غذا کا کام دیکر تقویتِ بدن کا باعث بنتا ہے اسی طرح علم روح کو غذا اور تقویت

دیتا ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا سبب ہے۔

تشریحِ حدیث

ثم اعطیت فضلی:

اس کے تحت حضرات علماء کرام فرماتے ہیں سیدنا عمرؓ کے علم کو علوم نبوت سے خاص مناسبت ہے اسی لئے ارشاد گرامی ہے: لو کان بعدی نبی لکان عمر ﷺ۔ بہت سے امور جو بذریعہ وحی بعد میں ظاہر ہوئے حضرت عمرؓ کے قلب پر پہلے وارد ہو گئے۔

فائدہ: خواب کے اندر دودھ علم کی تعبیر ہے۔

مہلبؒ فرماتے ہیں خواب میں دودھ کا دیکھنا سنت، فطرت علم اور قرآن کریم پر دال ہے۔ پیدا ہوتے ہی بچے کا مدار زندگی دودھ ہے یہی کیفیت وصف علم میں بھی ہے جس پر حیاتِ قلوب کا مدار ہے۔ (کشف 461/3)

علم کی صرف مقدار ضرورت پر اکتفا کرنے کی بجائے زیادہ حاصل کیا جائے جیسے آپ ﷺ مقدار ضرورت علم حاصل تھا پھر بھی ارشاد ہے۔ رب زدنی علما (انعام ج ۲ ص ۱۰۹)

23 بَابُ الْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ وَغَيْرِهَا

جانور وغیرہ پر سوار ہو کر دین کا مسئلہ بتانا

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُونَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَقَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

ترجمہ: 84 عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے منقول ہے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کے مسائل دریافت کرنے کے لئے منیٰ میں ٹھہر گئے تو ایک شخص آیا اس نے کہا میں نے نادانستگی میں ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا اب ذبح کر لے کچھ حرج نہیں ہوا۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے کہا: میں نے نادانستگی میں رمی سے پہلے قربانی کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب رمی کر لے کچھ حرج نہیں ہوا۔ ابن عمروؓ کہتے ہیں اس دن آپ ﷺ سے جس چیز کا بھی سوال کیا گیا جو کسی نے مقدم و مؤخر کر لی تھی تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا اب کر لے اور کچھ حرج نہیں۔

ربط:

ماسبق میں فضیلت علم کا بیان تھا اس باب میں فتویٰ کا بیان ہے کہ فتویٰ دینا بھی علم ہی ہے۔

فُتیا: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں فتیا اور فتویٰ افتاء کا اسم ہے ــــ اس کا معنی لغوی جواب الحادثہ ہے۔ اور عرف شرعی میں بھی یہی مراد ہوتا ہے۔

غرضِ ترجمہ

(۱) ایک حدیث کی توجیہ بتلانا مقصود ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لاتتخذوا ظهور دوابکم منابر۔ امام بخاریؒ یہ باب قائم کرکے بتلانا چاہتے ہیں کہ طویل خطبات ظہور دواب پر نہیں ہونے چاہییے۔، البتہ فتویٰ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ مختصر ہوتا ہے محض حکم بتلانا ہوتا ہے۔

(۲) حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا امام مالکؒ سے حالتِ رکوب میں فتویٰ دینے یا حدیث سنانے کی کراہت منقول ہے۔ امام بخاریؒ نے مواقع ضرورت کو اس باب سے مستثنیٰ کیا ہے۔

(۳) فتویٰ اور قضا میں فرق کرنا مقصود ہے۔ فتویٰ تو سواریوں پر جائز ہے مگر قضا نہیں۔

(۴) معلمین کرام کو بتلانا ہے اگر ضرورت مندراستہ میں مسئلہ پوچھ لیں تو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔

(۵) طلباء کرام کو بتلانا ہے کہ عند الضرورت راہ چلتے ہوئے بھی سوال کر لینا چاہیے۔

سوال: روایت الباب سے ترجمۃ الباب ثابت نہیں۔ اس لئے کہ روایت میں وقوف کا تو ذکر ہے مگر علی ظهر الدابه کا ذکر نہیں۔

جوابا: ترجمۃ الباب کے دو جز ہیں۔ ۱: وقوف علی ظهر الدابه۔ ۲: وقوف علی غیرها۔ حدیث الباب سے مطلق وقوف یعنی جز ثانی ثابت ہو گیا اس پر قیاس کرتے ہوئے وقوف علی دابۃ کو ثابت کر لیا جائے گا۔

جواب ۲: حدیث میں وقوف عام ہے جو دونوں وقوف کو شامل ہے۔

جواب ۳: تشحیذ اذہان ہے کہ طلباء کرام تلاش کرتے ہوئے کتاب الحج میں پہنچیں گے تو وقف علی ناقته کے الفاظ مل جائیں گے۔ لہٰذا اشارہ الی بعض الطرق کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ترجمہ قائم فرمایا۔

مسئلہ بتاتے وقت سائل اور مسئول کا ایک لیول پر ہونا ضروری نہیں سائل زمین پر ہو مفتی اونٹ پر اس میں کوئی حرج نہیں۔

(تحفۃ القاری ج ا ص ۳۵۸)

تشریحِ حدیث

لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح:

مسئلہ: دس ذی الحجہ میں ترتیبِ رمی، قربانی اور حلق؟

ایام منیٰ میں دس ذی الحجہ کو پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی پھر قربانی پھر حلق ہے۔ احناف و مالکیہ کے نزدیک ان میں ترتیب واجب ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہے۔

فریق ثانی کی دلیل حدیث الباب: افعل و لا حرج ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے لا حرج میں حرج اخروی کی نفی ہے۔ لہذا دنیوی احکام کے لحاظ سے دم واجب ہوگا۔ ان صحابہ پر دم تھا یا نہیں۔ اس سے حدیث مسکوت عنہ ہے۔ کیونکہ پہلا حج تھا لاعلمی کی وجہ سے لوگوں سے غلطیاں ہورہی تھیں۔ آپ ﷺ کے افعال کو دیکھنا سب کیلئے ممکن نہ تھا۔ ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ اس لئے حرج اخروی کی نفی مراد ہے۔ لیکن اب جبکہ علم وقول کے ذریعہ وجوب ترتیب سامنے آچکا ہے آج اسکے خلاف کوئی کرے گا تو دم لازم آئے گا۔ آج لاعلمی اور جہالت حجت یا عذر نہ ہوگی۔

احناف کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے موقوف روایت ہے:

عن ابن عباس ﷺ انہ قال من قدم شیئا من حجہ او اخرہ فلیھرق لذلک دماً ـــــ معلوم ہوا تقدیم وتاخیر سے دم ہے حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہی ہے۔ حدیث الباب کا مضمون حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ لیکن ان کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حرج سے مراد اخروی حرج ہے۔ اور دنیوی طور پر جو دم ہے حج کیلئے بمنزلہ سجدہ سہو کے ہے وہ واجب ہوگا نماز میں سجدہ واجب ہوجائے تو حرج اخروی (گناہ) نہ ہوگا ـــــ لیکن سجدہ سہو سب کے نزدیک واجب ہوگا۔ اور ترک واجب پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ ـــــ یا پھر یہ روایت منسوخ ہے۔ کیونکہ راوی کا اپنا فتویٰ اس روایت کے خلاف ہے۔

حدیث بالا میں یہ تاویل ہے کہ یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے جب کوئی نیا مسئلہ بتایا جاتا ہے تو فوری طور پر جو الجھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے۔ (تحفۃ القاری ج ۱ ص ۳۶۴)

24 بَاب مَنْ أَجَابَ الْفُتْيَا بِإِشَارَةِ الْيَدِ وَ الرَّأْسِ

جس نے ہاتھ یا سر کے اشارہ سے مسئلہ کا جواب دیا

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ قَالَ وَلَا حَرَجَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ وَلَا حَرَجَ.

حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْهَرْجُ فَقَالَ هَكَذَا بِيَدِهِ فَحَرَّفَهَا كَأَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ.

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا شَأْنُ النَّاسِ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللَّهِ قُلْتُ آيَةٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتَّى عَلَانِي الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ

فَحَمِدَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي حَتَّى الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيبَ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ يُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ لَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَأَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُوقِنًا بِهِ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ سے حج میں پوچھا گیا پس سائل نے کہا: میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ دوسرے نے کہا: میں نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کوئی حرج نہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا علم قبض کرلیا جائے گا، جہالت اور فتنے ظاہر ہوجائیں گے، ہرج زیادہ ہوجائے گا۔ کہا گیا یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کو حرکت دی گویا آپ ارادہ کررہے تھے قتل (کی طرف اشارے کا)

ضرت اسماء ؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے کہا: لوگوں کو کیا ہوا؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا دیکھا تو لوگ کھڑے ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے کہا سبحان اللہ! میں نے کہا کیا کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے سر ہلا کر کہا ہاں اتب میں بھی (نماز میں) کھڑی ہوئی۔ حتیٰ کہ مجھ کو غشی آنے لگی میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔

حضور ﷺ نے اللہ کی تعریف کی اور خوبی بیان کی پھر فرمایا: جو چیز مجھے نہیں دکھائی جاسکتی تھی ان سب کو میں نے (آج) اس جگہ دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور جہنم بھی۔ پھر مجھ پر وحی بھیجی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں اس طرح یا اس کے قریب آزمائے جاؤ گے (فاطمہ کو یاد نہیں اسماء نے کونسا کلمہ کہا) مسیح دجال سے آزمائے جاؤ گے۔ کہا جائے گا اس شخص کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہو (حضور ﷺ کے بارے میں) ایماندار یا یقین رکھنے والا (معلوم نہیں اسماء نے مؤمن کہا یا موقن کہا) کہے گا وہ محمد ﷺ، وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، ہمارے پاس کھلی نشانیاں اور ہدایات لے کر آئے، ہم نے ان کی بات کو تسلیم کیا اور ان کی اتباع کی، وہ محمد ﷺ تین بار ایسا ہی کہے گا۔

پھر اس سے کہا جائے گا تو سکون سے سوجا ہم تو (پہلے ہی) جان چکے تھے کہ تو ان پر یقین رکھتا ہے اور منافق یا شک کرنے والا (معلوم نہیں اسماء نے ان دونوں میں سے کون سا لفظ کہا) یوں کہے گا میں کچھ نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا وہی میں بھی کہنے لگا۔

ربط:

باب سابق میں اور باب ہٰذا میں بھی تذکرۃ الفتویٰ ہے۔

غرضِ بخاریؒ:

اس باب سے دو غرضیں مقصود ہیں۔

(۱) آپ ﷺ عادت طیبہ تھی آپ دورانِ گفتگو ایک لفظ کو بسا اوقات تین مرتبہ ادا فرماتے۔ اشارہ بالید تو اس کے خلاف ہے اس لئے امام بخاریؒ باضابطہ باب قائم کرکے اس کا جواز اور ثبوت بیان فرما رہے ہیں۔ جس طرح الفاظ سے فتویٰ دینا جائز ہے اسی طرح اشارہ سے بھی جائز ہے تاہم شرط یہ ہے اشارہ مبہمہ نہ ہو بلکہ مُفہمہ ہو۔

(۲) امام بخاریؒ فتویٰ اور قضا میں فرق بتلانا چاہتے ہیں کہ ہاتھ اور سر کے اشارے سے فتویٰ دینا اثباتاً ونفیاً جائز ہے مگر قضا جائز نہیں ہے۔

(۳) تعلیم اتنی ضروری ہے اگر بیٹھ کر نہیں پڑھا سکتے تو اشارہ ہی سے تعلیم دیدو بشرطیکہ اشارہ مُفہمہ ہو۔

نمبر ۴: مقصد باب یہ ہے؛ لکل مقال مقام ولکل مقام مقال، ہر سخن نکتہ وہر نکتہ مقامے دارد۔ مقام تصریح پر تصریح اور مقام اشارہ پر اشارہ مستحسن ہے۔ (درس شامزئی 264)

فائدہ: امام بخاریؒ نے اشارہ بالید کی دو روایات نقل کی ہیں۔ اور ایک اشارہ بالراس کی۔

تشریحِ حدیث

سوال: فاشارت الی السماء۔ اشارہ بالراس حضرت عائشہؓ کا ہے تو فتیا اشارہ بالراس حضرت عائشہؓ کے فعل سے ثابت ہوا جبکہ امام بخاریؒ حدیث موقوف سے استدلال نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ ان کی شرط کے خلاف ہے۔ (حدیث مرفوع شرط ہے۔)

جواب: اس میں تقریر نبوی ﷺ ہے صرف حدیث موقوف نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اقتدا میں سیدہ عائشہؓ نماز ادا فرما رہی ہیں اور آپ ﷺ فرماتے ہیں:

انی اراکم من خلفی ـــــ جیسے میں سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے بھی دیکھتا ہوں تو فتیا بالراس آپ ﷺ کی تقریر سے ثابت ہوا۔ تو یہ حدیث مرفوع ہوگئی۔

امام بخاریؒ نے اومأ کے لفظ سے استدلال کیا ہے مگر بظاہر یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نطق واشارہ دونوں جمع فرمائے گئے تھے گو احتمال بھی ہے کہ قال لاحرج یہ بیان اس اشارہ کا اور ترجمہ کے ساتھ بھی انسب والیق ہے۔ (فضل الباری ج ۲ ص ۸۳)

علانی الغشی:

سوال: غشی سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے پھر نماز میں کیسے ہوئیں؟

جواب: غشی دو قسم پر ہے مثقل، غیر مثقل۔ مثقل وہ ہے جس میں ہوش نہ ہو اور طویل بھی ہو اس سے نماز ٹوٹتی ہے۔ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں تو غیر مثقل ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ غشی کے غیر مثقل ہونے پر آگے آنے والے الفاظ قرینہ ہیں وہ یہ: جعلت اصب علی راسی الماء۔

فائدہ:　تنبیہ کے طور پر اگر دوران نماز سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کہے تو فساد نیت پر موقوف ہے سیدہ عائشہؓ نے تنبیہ فرمائی کہ میں نماز میں ہوں اور تم سوال کر رہی ہو نیز حضرت اسماء کے سوال کے جواب میں اشارہ سے جو نعم فرمایا وہ فاسد صلوٰۃ نہیں۔

(فضل الباری ج ۲ ص ۸۳)

سوال:　اس پر سوال یہ ہے کہ یہ عمل کثیر ہے جو ناقض صلوٰۃ ہے۔

جواب:　پانی قریب ہوگا دو چار چھینٹیں ڈال لی ہوں گی۔

سوال:　نماز کونسی تھی؟

جواب:　کسوف کا واقعہ ہے۔ ازواجِ مطہرات اپنے حجرات میں آپ ﷺ اقتدا کر رہی تھیں اور آپ ﷺ مع الجماعت مسجد میں تھے۔

۱۰ھ ربیع الاول میں آپ ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی۔ اتفاق سے اسی روز سورج میں گرہن لگا آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ نماز کسوف پڑھائی۔ (نصر الباری 430/1)

مامن شیء لم اکن اریتہ الا رایتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار:

اس روایت کے پیش نظر جنت وجہنم دونوں فی الحال موجود ہیں عند اہل السنت والجماعت۔ معتزلہ اور بعض قدریہ قیامت کے روز پیدا ہونے کے قائل ہیں۔ نیز جنت و دوزخ کے اس جہان میں ہونے کا دعویٰ نہیں۔ اگر کسی کو سائنسی ترقی کی بنیاد پر وہ نظر نہ آئے تو ان کے عدم وجود کو مستلزم نہیں۔ آئے روز کے جدید انکشافات سے ماضی کی جہالت کھلتی ہے تو احاطۂ اشیاء کے علم پر دعاوی سے شرم آنی چاہیے۔ (کشف 492/3)

سوال:　حدیث الباب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ نے اس سے پہلے جنت و دوزخ نہیں دیکھی تھی حالانکہ لیلۃ المعراج میں دیکھ چکے تھے۔

جواب ۱: لیلۃ المعراج میں عالم بالا میں دونوں دیکھی تھیں تاہم عالم دنیا میں جنت و دوزخ پہلی مرتبہ دیکھی۔

جواب ۲: لیلۃ المعراج میں جس کیفیت وحالت کے ساتھ دیکھا تھا آج اس کے علاوہ دوسری کیفیت وصفت سے دیکھا۔ اس اعتبار سے فرمایا حتی الجنۃ والنار۔

جواب ۳: حتی الجنۃ والنار کو فعل محذوف کی غایت قرار دیا جائے تقدیر عبارت یہ ہے: ورایت الامور العظام فی ھذا المقام حتی الجنۃ والنار۔

جب جنت سامنے آئی تو میں آگے بڑھا کہ تمہارے لئے انگور کا ایک خوشہ لے لوں اگر میں لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو کھاتے، پھر جب میرے سامنے جہنم آئی تو مجھے اتنی گرمی محسوس ہوئی کہ میں پیچھے ہٹ آیا۔ (تحفۃ القاری 368/1)

فاوحی الی انکم تفتنون فی قبورکم

اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک مرتے ہی حیاتِ برزخی شروع ہوجاتی ہے زمینی قبر میں، بصورتِ دیگر جہاں بھی ہو۔ خوارج ومعتزلہ عذابِ قبر کے منکر ہیں۔(کشف 494/3)

تفتنون فی قبورکم مثل فتنۃ الدجال: فتنہ دجال کرشماتی کرتبوں کے لحاظ سے سخت ہوگا کہ ایمان بچانا مشکل ہوگا ____ اسی طرح فتنہ قبور بھی سخت ہوگا تشبیہ محض شدت میں ہے۔(درس شامزئی 265)

فرقہ رضاخانیہ پر رد

مامن شیء لم اکن اریتہ الا رایتہ: فرقہ رضاخانیہ اس سے استدلال کرتا ہے کہ اس سے آپ ﷺ کیلئے علم کلی ثابت ہورہا ہے ____ تقریر اس کی یہ ہے کہ نکرہ تحت النفی واقع ہے جو عموم واستغراق کیلئے ہوتا ہے۔ اور نفی واستثناء جوکہ حصر کیلئے آتے ہیں انہوں نے تاکید پیدا کردی۔ گویا علم کلی کا اثبات ہوگیا۔

جواب ۱: من شیء میں شیء مبہم مراد ہے یعنی اشیاء مبہمہ دکھلائی گئیں۔ نہ کہ مطلق اشیاء۔ اس پر قرینہ حتی الجنۃ والنار کے الفاظ ہیں مطلق اشیاء مراد نہیں ہیں۔

جواب ۲: اس کے بعد آگے فاوحی الی کے الفاظ ہیں ____ اگر دیکھنے سے علم کلی اور غیب ثابت ہوگیا تو پھر وحی کی کیا ضرورت باقی تھی۔

جواب ۳: رؤیت سے مراد رؤیتِ اجمالی ہے جیسے بجلی کی چمک۔ اس سے تفصیلی رؤیت لازم نہیں آتی۔

جواب ۴: اس روایت میں بہت سے احتمالات ہیں اور یہ قطعی الثبوت بھی نہیں۔(کیونکہ خبر واحد ہے۔) اور قطعی الدلالۃ بھی نہیں ہے، عقائد کیلئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونا ضروری ہے۔

جواب ۵: اگر یہ استدلال صحیح ہوتا تو حضرات متقدمین بھی اسی علم کلی کی روشنی میں تشریح وتوجیہ فرماتے۔

جواب ۵: علم غیب کلی کی نفی قطعی دلائل سے ثابت ہے اور یہ خبر واحد ظنی اس کے معارض نہیں ہوسکتی ____

ماعلمک بھذا الرجل:

جواب سے معلوم ہوتا ہے فرشتہ نام لیکر سوال نہیں کرے گا۔ ورنہ ھو محمد کہنے کی کیا ضرورت ہے؟(کشف 499)

قبر میں رفعِ حجاب سے جو مشاہدہ کرا کر پوچھا جائے ماعلمک بھذا الرجل۔ حافظ ابن حجرؒ وعلامہ قسطلانیؒ محض احتمال سے ماننے کو تیار نہیں۔ بالخصوص جب کہ یہ مقام امتحان ہے۔ مشاہدہ سے امتحان کی نفی لازم آتی ہے۔ بہرحال عند البعض شبیہ، عند البعض نام، عند البعض اوصاف مدونہ کے حوالہ سے پوچھا جائے گا۔(کشف 498/3)

اس سے رضاخانی فرقہ نے آپ ﷺ حاضر ناظر ہونا ثابت کیا ہے۔ "ھٰذا" سے محسوس ومبصر کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو جہاں بھی کوئی دفن ہوتا ہے آپ ﷺ وہاں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہوتے ہیں۔

جواب ۱: ھذا کااشارہ ہمیشہ مبصر ومحسوس کیلئے نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ حاضر فی الذہن کیلئے بھی ہوتا ہے تنزیل المعقول بمنزلۃ المحسوس جیسے ہر کتاب کے شروع میں اما بعد فھذا۔ یا ہرقل نے کہا تھا انی سائل عن ھذا۔

جواب ۲: ھذا کا اشارہ اگر محسوس ومبصر کیلئے بھی ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ عالم برزخ میں حجابات ہٹا دیئے جائیں گے جو پردے عالم شہود میں ہوتے ہیں وہ دور کر دیئے جائیں گے یا پھر یہ کہ جسم مثالی پیش کیا جائے گا اس کو ٹیلی ویژن نے تفہیم کیلئے آسان کر دیا ــــ ورنہ جو ٹی وی میں آئے سب کو حاضر ناظر ماننا پڑے گا۔

جواب ۳: متقدمین نے اس سے آخر کیوں نہ استدلال کیا۔ کہ آپ ﷺ حاضر ناظر ہیں۔

جواب ۴: ثبوت عقیدہ کیلئے ظنی روایت (خبر واحد) کافی نہیں۔

یقولون شیئا فقلتہ

منافق ظاہراً مومن باطناً کافر اور مرتاب جو چند وجوہ سے اسلام پسند کرتا ہو مگر جذر قلب سے مومن نہیں۔ غرض ومفاد کے تحت محمد رسول اللہ تسلیم کر لیا۔ (501)

فائدہ: قبر میں کافر سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کے ذریعہ جو دین بھیجا ہے یہ اگلی دنیا میں داخلہ امتحان ہے کہ آدمی اس دین کو لیکر آیا یا تہی دست آیا ہے۔ پس ہر شخص سے سوال ہوگا۔ واللہ اعلم (تحفۃ القاری 368/1)

نم: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ارشاد ہے یہاں معنی نیند ہے ہی نہیں بلکہ مطلق استراحت واکرام کے معنیٰ میں ہے۔

قد علمنا ان کنت اموقنا

ممکن ہے فرشتہ حالات سے پہلے ہی باخبر ہوں یا چہرے سے اندازہ کر رہے ہوں کہ یہ ایمان بالرسول رکھتا ہے۔ (کشف 500/3)

25 بَاب تَحْرِيضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى أَنْ يَحْفَظُوا الْإِيمَانَ وَالْعِلْمَ وَيُخْبِرُوا مَنْ وَرَاءَهُمْ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ الْوَفْدُ أَوْ مَنْ الْقَوْمُ قَالُوا رَبِيعَةُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى قَالُوا إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ وَلَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرٍ حَرَامٍ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهُ قَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحْدَهُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَتُعْطُوا الْخُمُسَ مِنْ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ عَنْ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ قَالَ شُعْبَةُ

رُبَمَا قَالَ النَّقِيرِ وَرُبَمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ قَالَ احْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوهُ مَنْ وَرَاءَكُمْ

ترجمہ: حضور ﷺ کا وفد عبدالقیس کو ایمان وعلم کی حفاظت پر برانگیختہ کرنا اور اس بات کی تاکید کہ اپنے پیچھے والوں کو اس کی خبر دیں۔ اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہمیں حضور ﷺ نے فرمایا اپنے اہل کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو یہ دین سکھاؤ۔

حضرت ابو جمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے درمیان مترجم تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا عبدالقیس کے بھیجے ہوئے لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ کس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں یا (فرمایا) کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ والے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا مرحباً ان لوگوں کو یا (فرمایا) ان بھیجے ہوئے لوگوں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کے پاس دور کا سفر کر کے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کے کافروں کا یہ قبیلہ ہے۔ اور ہم احترام والے مہینوں کے علاوہ آپ کے پاس نہیں آسکتے۔ پس آپ ہمیں ایسی بات بتا دیجئے جس کی خبر ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی کر دیں اور اس کے ذریعے ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔

آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم کیا اور چار باتوں سے منع کیا ان کو حکم دیا ایک اللہ پر ایمان لانے کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہوئے کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا چیز ہے؟۔ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا گواہی دینا اس بات کی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔ اور ان کو منع کیا کدو کے برتن سے اور سبز مرتبان اور روغنی برتن سے۔

شعبہ بسا اوقات النقیر فرماتے اور بسا اوقات المقیر فرماتے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو یاد کر لو اور اپنے پیچھے والوں کو اس کی خبر دو۔

ربط: باب سابق میں فتویٰ پوچھنا اور جواب دینا مذکور تھا باب ہٰذا میں بھی اسی کو بالصراحت بیان کیا ہے۔

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا زاد بھائی نے بیس روز مدینہ طیبہ قیام کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

تم نے علم حاصل کیا اب گھر جا کر قبیلہ والوں کو وہ علم سکھاؤ۔ (369/1)

غرضِ ترجمہ

(۱) باب ہٰذا سے مقصود یہ ہے مدرس تاکید کرتے رہیں کہ پڑھا ہوا تو یاد کر لیں اور آگے پڑھائیں۔

(۲) طلباء کرام کو پڑھا ہوا یاد کرنا چاہیے مزید تعلیم حاصل کریں۔

(۳) تبلیغ قرآن کریم کی طرح تبلیغ حدیث بھی کرنی چاہیے۔

(۴) باب ہٰذا سے اہمیتِ تبلیغ کی طرف اشارہ ہے۔

تشریحِ حدیث

احفظوھو اخبروھمن ورائکم:

اس سے ترجمۃ الباب ثابت ہوا۔

وربماقال النقیر وربماقال المقیّر الخ:

اس عبارت کا حل یہ ہے کہ شعبہ کو یہاں دو تردد لاحق ہیں۔ ۱: راوی نے تین چیزوں کا ذکر کیا یا چار کا۔ چنانچہ کبھی تو دبا، حنتم اور مزفت کا ذکر کر دیا اور کبھی ساتھ نقیر کا بھی ذکر کیا۔ تو بما قال النقیر کا یہی مطلب ہے۔ دوسرا تردد یہ ہے کہ کبھی مزفت کا لفظ بولا ہے جیسے روایت الباب میں ہے ــــ اور کبھی اس کی جگہ المقیر ذکر کیا ہے۔ گویا ربما قال المقیر دوسرے جملے کا تعلق المزفت کے ساتھ ہے۔ یعنی کبھی راوی المزفت اور کبھی المقیر ذکر کرتے ہیں۔ گویا پہلی تعلیق میں تعیین عدد کا اور دوسری تعیین میں لفظ کا تردد ہے۔

فائدہ ۱: حدیث الباب سے معلوم ہوا اگر آدمی پورا عالم نہ بھی ہو تب بھی وہ تبلیغ کر سکتا ہے۔ (شرط یہ ہے کہ حدِ نمبر سے باہر نہ نکلے۔)

فائدہ ۲: اہل علم حفظ قرآن کریم کی بھی ترغیب دیں۔

26 بَاب الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ وَتَعْلِيمِ أَهْلِهِ

خاص پیش آئے ہوئے مسئلے کے لئے سفر کرنے کا بیان

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ.

ترجمہ: عقبہ بن حارث نے ابو اھاب بن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا (لہٰذا ان کا نکاح درست نہیں) عقبہؓ نے کہا کہ میں تو نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہو اور نہ ہی تو نے (پہلے کبھی) بتایا۔ پھر سوار ہو کر رسول اللہ کی طرف مدینہ گئے اور آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیسے (تو اس کو رکھے گا؟) حالانکہ ایک بات کہی جا چکی ہے۔ تو عقبہ نے اس کو علیحدہ کر دیا (طلاق دیدی) اور دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔

ربط:

باب سابق میں کلی حصول علم کیلئے ترغیب وتاکید تھی باب ہٰذا میں ایک جزئی مسئلہ کاذکر ہے اگر کوئی چھوٹا سا مسئلہ پیش آجائے تو اس کیلئے بھی سفر کرنا چاہیے۔

سوال: بخاری شریف ص ۱۷ پر باب الخروج فی طلب العلم گذرا ہے تو باب ہٰذا سے اس کا تکرار لازم آتا ہے۔

جواب: عمومی علم حاصل کرنے کیلئے عمومی خروج پچھلے باب میں اسی کا بیان تھا۔ باب ہٰذا میں خاص مسئلہ درپیش ہونے کی صورت میں خروج خاص کا بیان ہے۔ لہٰذا تکرار لازم نہیں۔

حضرت گنگوہیؒ نے اس کو یوں تعبیر فرمایا ہے کہ یہ باب جزئی علم حاصل کرنے کیلئے جبکہ باب سابق علم کلی کیلئے تھا۔ بہر حال اس سے ضرورت علم حدیث اور عظمت علم حدیث بھی ثابت ہوگئی۔

تشریح حدیث

کیف وقد قیل: ای کیف تتزوجها وتباشرها وقد قیل انها اختک:

آپ ﷺ نے ایک عورت کی خبر رضاعت پر جدائی کرادی۔

اگر آپ ﷺ نے قضاءً یہ فیصلہ فرمایا ہوتا تو حضرت عقبہؓ کے خبر دینے کے بعد اعراض نہ فرماتے بلکہ فوراً فیصلہ فرماتے۔ جبکہ روایات میں ہے آپ ﷺ نے خبر سننے کے بعد اعراض فرمایا جب انہوں نے دوبارہ بلکہ تیسری اور چوتھی مرتبہ باصرار عرض کیا تو آپ نے فرمایا: کیف وقد قیل؟ (کشف 521/3)

فائدہ: ونکحت زوجا غیرہ۔ ان کی بیوی نے کسی اور شخص سے نکاح کرلیا اس شخص کا نام "ظریب" بتایا گیا۔ (ایضاً 522)

عقبہ بن الحارث نے مکہ مکرمہ میں ابواہاب بن عبدالعزیز کی لڑکی غنیۃ سے نکاح کیا جس کی کنیت ام یحییٰ تھی۔۔ نکاح کے بعد ایک عورت نے اپنی رضاعی ماں ہونے کا دعویٰ کردیا۔۔۔ یہ مدینہ طیبہ پہنچے۔

حضرات فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے ایسی صورت میں دیانۃً بھی تفریق ضروری نہیں البتہ تنزہ افضل ہے۔

بعض فقہاء نے خبر قبل العقد اور بعد العقد میں فرق کیا ہے۔۔ بعد العقد تفریق ضروری نہیں، قبل العقد ثقہ کی خبر کی وجہ سے عقد جائز نہیں خواہ مرضعہ ہو یا کوئی اور (فضل الباری ج ۲ ص ۸۹)

فارق میں دونوں احتمال ہیں آپ ﷺ یا حضرت عقبہؓ خود (فضل الباری ج ۲ ص ۸۹)

فقہی مسئلہ:

امام احمدؒ کے نزدیک ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک دو عورتیں گواہی دیں تو رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت پر ثابت ہوگی۔ البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک ایک مرد اور

دو عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ الحاصل عند الجمہور نصاب شہادت ہے۔ صرف ایک عورت کی گواہی کافی نہیں۔
عند الجمہور رضاعت مآلاً معاملہ مالی ہے۔ تو نصاب شہادت ضروری ہے۔ (درس شامزئی 267)
حدیث الباب امام احمدؒ کی دلیل ہے ـــــ
جواب: حدیث الباب میں حکم مفارقت یہ تورع اور دیانت پر محمول ہے۔ یہ حکم بطور قضا نہیں تھا۔ بلکہ بطور دیانت تھا ـــــ نیز امام بخاریؒ روایت الباب کو تفسیر المشتبہات کے باب میں بھی لائیں گے جس سے یہ تعین ہوجائے گا کہ یہ تقویٰ پر محمول ہے۔
لہٰذا کیف وقد قیل کے جملہ کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ تو اس سے کیسے جماع اور مباشرت کرے گا جبکہ یہ فضا میں بات گونج رہی ہے کہ تو اس کا بھائی ہے اور وہ تیری بہن ـــــ یعنی ہر کسی کو مسئلہ معلوم نہیں ہوتا ایک دفعہ بات نکل گئی تو اب کس کس کا منہ بند کرے گا۔ یا مطلب یہ ہے تیرے دل میں شک تو پیدا ہو گیا کہ یہ تیری بہن ہے جب بہن کا تصور آئے گا تو اس کے ساتھ کیسے رہے گا۔

الفرق بین الدیانۃ والقضا

عام طور پر دیانت کی تعریف فیما بیننا و بین اللہ کے حوالہ سے کی جاتی ہے۔ جبکہ قضا کی تعریف فیما بینہ و بین الناس سے کی جاتی ہے۔ یعنی اگر معاملہ کی شہرت نہ ہو تو دیانت ہے ورنہ قضا ہے ـــــ لیکن یہ صحیح نہیں اگرچہ مشہور یہی ہے ـــــ صحیح یہ ہے قضا اس وقت ہوگی کہ قاضی کی طرف معاملہ کا مرافعہ ہو مجلس قضا قائم ہو۔ مدعی، مدعیٰ علیہ اور شاہد بھی ہوں تو پھر اس کو قضا کہیں گے ـــــ مرافعۃ الی القاضی سے پہلے اس کو دیانت کہیں گے۔ چاہے ساری دنیا میں بات مشہور ہوجائے۔

الفرق بین القضا والفتویٰ

(۱) قاضی وہ ہوتا ہے جس کو امیر نے فصل خصومات کیلئے مقرر کر رکھا ہو ـــ اور امیر کی طرف سے مقرر نہ ہو تو مفتی ہوتا ہے۔
(۲) قاضی مقدمہ دائر کرنے پر فیصلہ کرتا ہے مفتی بغیر کسی کے کہے کے فتویٰ دے سکتا ہے۔
(۳) مفتی کا فتویٰ بر تقدیر صحتِ واقعہ ہوتا ہے۔ قاضی کا فیصلہ تحقیقِ واقعہ پر ہوتا ہے۔
(۴) قضا کیلئے گواہ کا حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ فتویٰ کیلئے ضروری نہیں ـــــ
(۵) قاضی کبھی مفتی ہوسکتا ہے۔ جبکہ مفتی کبھی قاضی نہیں ہوسکتا۔
(۶) مسند قضا پر جو فیصلہ ہوتا ہے وہ تو قضا ہے اور جو اس سے باہر ہے وہ فتویٰ ہے۔ آپ ﷺ کو دونوں حیثیتیں حاصل تھیں۔ اس لئے آپ ﷺ کبھی قضاءً فیصلہ فرماتے تھے اور کبھی دیانۃً۔ یہاں پر جو فیصلہ فرمایا وہ دیانت پر محمول ہے ـــــ
اس پر قرینہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کی گواہی بھی طلب نہیں فرمائی۔

فرکب الی رسول اللہ ﷺ:

اس سے ترجمۃ الباب صراحۃً ثابت ہوا۔

27 باب التَّنَاوُبِ فِي الْعِلْمِ ۔۔۔ علم حاصل کرنے کے لئے باری مقرر کرنا

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ فَنَزَلَ صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهِ فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا فَقَالَ أَثَمَّ هُوَ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي فَقُلْتُ طَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَا أَدْرِي ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ قَالَ لَا فَقُلْتُ اللّٰهُ أَكْبَرُ.

ترجمہ: حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں عوالی مدینہ کے ایک گاؤں بنی امیہ بن زید میں رہتے تھے اور ہم دونوں باری باری رسول اللہ ﷺ خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ آتا اور ایک دن میں آتا۔ جس دن میں آتا تو اس دن کی وحی اور دیگر باتوں کی اس کو اطلاع دیتا تھا اور جب وہ آتا تھا تو وہ بھی اسی طرح کرتا تھا۔ ایک دن میرا وہ انصاری رفیق (عتبان بن مالکؓ) اپنی باری کے روز حاضر خدمت ہوا۔ (جب واپس آیا) تو میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور پوچھا کیا وہ یہاں پر ہے؟ میں گھبرا کر اس کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگا کہ ایک بڑا معاملہ پیش آ گیا (یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی)۔ پھر میں حفصہؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دیدی ہے وہ کہنے لگی میں نہیں جانتی۔ پھر میں نبی ﷺ خدمت میں حاضر ہوا، میں نے کھڑے کھڑے آپ ﷺ سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تب میں نے (تعجب سے) کہا اللہ اکبر۔

غرض وربط:

امام بخاریؒ فرماتے ہیں اگر فرصت نہ ہو یا عذر مانع ہو تو تحصیل علم میں باری مقرر کر لینی چاہیے پھر ایک دوسرے سے تکرار کریں۔

تشریحِ حدیث

وھی من عوالی المدینۃ: مدینہ سے مشرق کی طرف جو حصہ ہے اس کو عوالی اور جو مغرب کی طرف حصہ ہے اسکو سوافل کہتے ہیں ــــــ دور نبوی ﷺ سارا مدینہ اب مسجد نبوی میں داخل ہو گیا۔

قد حدث امر عظیم:

یہاں پر اختصار ہے ــــــ تفصیلی روایت یہ ہے کہ یہ بات مشہور تھی کہ غسان کا بادشاہ مدینہ طیبہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ جس سے مدینہ طیبہ میں خوف وہراس تھا۔ یہ غسانی لوگ نسباً عرب اور مذہباً نصرانی تھے ــــــ ایک دن انصاری زور

سے میرا دروازہ پیٹنے لگا اور کہنے لگا: افتح افتح۔ اور کہا کہ بڑا حادثہ پیش آ گیا ــــ جس سے میں یہ سمجھا غسانی حملہ آور ہو گئے؟ اس نے کہا بل اشد من ذلک۔ اس سے بڑا حادثہ ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ازواجِ مطہرات نے منافست میں آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائی تھی۔

قریشی لوگوں پر زمانۂ جاہلیت میں عورتیں حکم نہیں چلایا کرتی تھیں۔ انصار کے ہاں عورت کی بالادستی کا کچھ تصور تھا ــــ مدینہ طیبہ آنے کے بعد قریشی عورتوں نے بھی انصاری عورتوں کا طریقہ سیکھ لیا ایک دن حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کو ڈانٹ دیا تو بیوی نے پلٹ کر جواب دیا کہ ذرا سی بات سے آپ اسقدر ناراض ہو گئے۔ جبکہ آپ کی بیٹی حفصہؓ حضور ﷺ کو ناراض کر دیتی ہے دن بھر گفتگو نہیں ہوتی ــــ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں حفصہؓ کے پاس گیا تو کہا میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ ناراض کر دیتی ہو۔ دن بھر گفتگو نہیں کرتیں۔ تم کو اللہ سے ڈرنا چاہیے کہیں رسول اللہ ﷺ ناراضگی کی وجہ سے تم لوگ ہلاک نہ ہو جاؤ ــــ آئندہ آپ ﷺ سے کوئی مطالبہ نہ کرو۔ جو ضرورت کی چیز ہو مجھ سے لے لو۔

جب انصاری نے یہ بات سنائی تو میں نے کہا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا کہیں ایسا ہو نہ جائے۔ انصاری نے شام گذشتہ میں یہ بات سنائی۔ میں نے اگلے روز صبح کی نماز آپ ﷺ کے ساتھ پڑھی۔ آپ ﷺ اپنے بالاخانہ میں تشریف لے گئے۔ میں حفصہؓ کے گھر گیا تو وہ رو رہی تھیں میں نے اس کو ڈانٹا۔ اب رونے کا کیا فائدہ ــــ؟ میں نے تو پہلے تجھے سمجھایا تھا۔ حضرت حفصہؓ سے فرمایا تجھے یہ دھوکہ نہ ہو کہ آپ ﷺ جس طرح عائشہؓ کو محبوب رکھتے ہیں مجھے بھی رکھیں، جو ضرورت ہو مجھ سے لو۔

پھر میں نے پوچھا آپ ﷺ نے طلاق دیدی ہے؟ تو اس نے کہا یہ تو معلوم نہیں البتہ آپ ﷺ بالاخانہ میں ہم لوگوں سے الگ تھلگ ہیں۔

میں مسجد نبوی ﷺ منبر کے پاس آیا۔ وہاں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت بیٹھی رو رہی تھی۔ وہاں سے اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا تو دربان سے کہا: میرے لئے اجازت طلب کرو ــــ جس کے ذریعہ اجازت طلب کی وہ رباح نامی غلام تھے۔

بار بار اجازت طلبی کے دوران غلام سے یہ بھی کہا میں حفصہؓ کی طرفداری میں نہیں آیا۔ اگر حکم ہو گا اس کا سر پیش کروں گا۔ یہ بات زور سے کہی تا کہ آپ ﷺ سن لیں چنانچہ اجازت مل گئی۔ (تحفہ 373/1)

تین بار طلبِ اجازت کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا اور کھڑے کھڑے پوچھا آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟ آپ ﷺ نے نظر اٹھائی، فرمایا: نہیں۔

بلند آواز سے اللہ اکبر کہا تا کہ مسجد میں جو لوگ رو رہے ہیں ان کو تسلی ہو جائے اور وہ مطمئن ہو کر گھر جائیں۔ (تحفہ 374,373/1) آپ ﷺ نے ایلاء لغوی کیا تھا۔ جاہلیت میں اسے طلاق شمار کیا جاتا تھا اس لئے حضرت عتبانؓ نے طلاق سے تعبیر کیا۔ (نصر الباری 439/1)

اس قصہ کی روشنی میں امام بخاریؒ یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ تعیین ایام للتعلیم بغرضِ طلب علم درست ہے۔ اس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حصولِ علم میں لاپرواہی درست نہیں ہے۔

یہ ترجمۃ الباب خبر واحد کی حجیت پر بھی دال ہے۔ ورنہ ایک دوسرے کی خبر و تعلیم قبول نہ کرتے۔

کنا نتناوب النزول:

اس جملہ سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ہے۔

غرض بخاریؒ امام بخاریؒ دین سیکھنے کیلئے دنیوی مشاغل کے سلسلہ میں تعاون و اشتراک قائم کرنے کی شکل بتا رہے ہیں۔

(فضل الباری 90/2)

حضرت عمرؓ جس روز حاضر خدمت نہ ہوتے اس کا سبب ان کا تجارتی عمل تھا۔ آپؓ کے دوسرے رفیق عتبان بن مالکؓ تھے جو آپ کی مواخات اسلامی کی وجہ سے بھائی تھے۔ (ایضا 528/3)

عند البعض حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر واحد حجت نہیں، استدلال حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث استیذان سے کرتے ہیں، حدیث الباب ان کے نزدیک بھی خبر واحد کی حجیت پر دال ہے۔ حدیث استیذان تثبیت پر محمول ہے۔ (فضل الباری 91/2)

فائدہ ۱:　ینزل یوما وانزل یوما، یوما نکرہ ہے اس لئے ثانی غیر اولیٰ ہے۔

فائدہ ۲: آپ ﷺ نے بالاخانہ میں دو مرتبہ قیام فرمایا ایک موقع گذشتہ پر اور ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ٹخنے میں تکلیف ہوئی تھی۔

28 بَابُ الْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ

وعظ اور تعلیم کے دوران بری بات دیکھنے پر غصہ کرنا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلَاةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ وِكَاءَهَا أَوْ قَالَ وِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ قَالَ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوْ قَالَ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَمَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ فَذَرْهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ

حُذَافَةُ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص لمبی نماز پڑھاتا ہے اس لئے میں نماز میں شریک نہیں ہوسکتا۔ ابو مسعودؓ کہتے ہیں اس دن سے زیادہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ دوران نصیحت غضب ناک نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو تم (لوگوں کو دین سے) نفرت دلاتے ہو۔ سن لو جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے کیونکہ ان میں بیمار کمزور اور ضرورت مند سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

زید بن خالد جہنیؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ سے ایک آدمی نے لقطے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو پہچان لے اس کی رسی اور تھیلی کو پھر اس کی ایک سال تک تشہیر کر پھر اس کے ساتھ نفع اٹھا اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو واپس کردے۔ اس آدمی نے کہا کہ گم شدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے (اس کو بھی پکڑلیں؟) تو آپ ﷺ غصے ہوئے حتیٰ کہ آپ کے رخسارے یا آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تیرا اس سے کیا تعلق؟ اس کے ساتھ اس کے پینے کی چیز ہے اور اس کا جوتا ہے، وہ پانی پر وارد ہوتا ہے اور درخت چرتا ہے تو اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کا مالک اس کو پالے۔ اس آدمی نے کہا گم شدہ بکری کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ تیرے لئے یا تیرے بھائی کے لئے ہے یا پھر بھیڑیے کے لئے ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا۔ جب آپ ﷺ سے سوال زیادہ کئے گئے تو آپ غصے ہوگئے اور لوگوں سے فرمایا تم مجھ سے جو چاہو پوچھو ایک آدمی نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ دوسرا اٹھا اور کہا میرا باپ کون ہے فرمایا: تیرا باپ سالم ہے شیبہ کا مولی۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے میں غصہ محسوس کیا تو عرض کیا یا رسول اللہ ہم اللہ کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

غرض وربط:

امام بخاریؒ کے اس عنوان پر بہت سی تقاریر ہیں۔

(۱) عند البعض قضا اور تعلیم کا فرق بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ آپ ﷺ سے مروی ہے: لایقضی القاضی وھو غضبان۔ یہاں تک کہ جس فریق کے خلاف فیصلہ ہوا گروہ یہ ثابت کردے کہ قاضی حالتِ غضبان میں تھا اور اسی دوران اس نے فیصلہ کیا ہے تو فیصلہ ختم ہوسکتا ہے ــــ امام بخاریؒ فرق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تعلیم حالتِ غضب میں بھی ہوسکتی ہے۔

(۲) یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ واعظ و معلم اگر سامعین یا تلامذہ کرام میں کوئی ناپسندیدہ حرکت دیکھے تو اس پر اظہارِ ناراضگی کرسکتا ہے۔

(۳) مقصود یہ ہے متعلمین اور سامعین کو ایسی چیزوں سے محتاط رہنا چاہیے جس سے استاذ یا واعظ کو غصہ آئے۔ آداب کو ملحوظ رکھیں۔

(۴) امام بخاریؒ ایک اصول میں تخصیص کرنا چاہتے ہیں۔ اصول یہ ہے تعلیم اطمینان و وقار اور بشاشت و فرحت کے ساتھ ہونی چاہیے نہ کہ غصہ کی حالت میں ــــ

اس باب کو قائم فرما کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اگر ضرورت پیش آجائے تو حالتِ غضب میں وعظ اور تعلیم کرسکتے ہیں۔

تشریح حدیث

قال رجل :یارسول اللہ کا مصداق حضرت عمرو بن کعبؓ زمیندار آدمی تھے۔(درس شامزئی 271)

سالہ رجل عن اللقطۃ

رجل کا مصداق؟ حافظؒ فرماتے ہیں چونکہ حضرت سوید جہنیؓ حضرت زید بن خالد جہنیؓ راوئ حدیث کے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں تو غالب گمان یہ ہے کہ حدیث باب میں رجل مبہم یہی ہوں۔(کشف 546/3)

فائدہ: حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابن عباسؓ باندھ دیا کرتے تھے۔ بوقت ضرورت استاذ محترم کا غصہ طلب علم کے جذبہ کا امتحان ہوتا ہے کہ طلب صادق بھی ہے یا نہیں ___ طلب صادق ہو تو یہ سب کچھ برداشت کرتا ہے۔ برداشت کرنا اور دروازہ پر پڑے رہنا یہ بننے کی علامت ہے اگر عدمِ برداشت ہے اور چھوڑ کر چلا جاتا ہے یہ اس کے بگڑنے اور آئندہ دینی خدمات سے محروم ہونے کی دلیل ہے ___

بہر حال اس میں یہ ملحوظ رہے یہ تمام تر غصہ تعلیم کی وجہ سے اور خیر خواہی کے ساتھ ہو نفسانی غصہ سے خود استاذ کا نقصان ہے ___

لا اکاد ادرک الصلوٰۃ مما یطول بنا فلان:

سوال: تطویل قراءت کی وجہ سے عدم ادراک صلوٰۃ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے تخفیف قراءت میں نہ پاسکے تو ٹھیک ہے بظاہر علت و معلول میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: میں کام کرنے والا ہوں اتنی طویل قراءت برداشت نہیں کرسکتا۔اس وجہ سے میں جماعت ترک کردیتا ہوں۔

فائدہ: تخفیفِ صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ مسنون سورتیں پڑھی جائیں وہ منہی عنہ تطویل میں داخل نہیں (کشف 541/3)

انہوں نے سورۃ بقرہ شروع کردی اس زمانہ میں قرآن میں رکوع نہیں تھے اس لئے جب سورۃ ختم ہوگی تبھی رکوع کریں گے۔(تحفہ 375/1)

یطول بنا فلان:

فلان کا مصداق کون ہے ___؟ عند البعض حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں اور بعض حضرت ابی ابن کعبؓ بھی فرماتے ہیں۔روایات میں دونوں حضرات کا ذکر ہے ___ لیکن یہاں کون مراد ہے۔اس کیلئے حضرات علماء کرام نے ایک ضابطہ تحریر فرمایا۔اگر نماز مغرب ہو تو حضرت معاذؓ متعین ہیں اور اگر فجر کی نماز مراد ہو تو حضرت ابی ابن کعبؓ متعین ہیں۔اور اگر نماز متعین نہیں تو پھر تعیین بھی مشکل ہے۔

فلان

فلان کا مصداق صحیح قول کے مطابق حضرت ابی بن کعبؓ ہیں واقعہ فجر کی نماز کا ہے اور مسجد قباء سے متعلق ہے۔جبکہ حضرت معاذ کا واقعہ عشاء کے وقت اور مسجد بنی سلمہ کا ہے۔(کشف 539/3)

لیکن صحیح یہ بات ہے یہاں حضرت ابی بن کعبؓ مراد ہیں۔ جو حضرت معاذ کے واقعہ سے الگ واقعہ ہے حضرت معاذؓ کے بارے میں مشہور ہے انہوں نے ایک ہی رکعت میں پوری سورۃ بقرہ پڑھ دی تھی۔(انعام 124/2)

حزم بن ابی کعبؓ نے آپ ﷺ سے امام کے طول قراءت کی شکایت کی اور شمولیت صلوٰۃ سے عذر پیش کیا۔(فضل الباری 93/2)

چونکہ آپ پہلے تطویل صلوٰۃ سے منع کر چکے تھے اور بتا چکے تھے کہ اس سے لوگ متنفر ہوں گے ___ اس کے باوجود شکایت ہورہی تھی اس لئے سخت ناراض ہوئے۔(کشف 541/3)

حدثنا عبد اللہ بن محمد: اللقطہ:

لقطہ گری پڑی چیز کو کوئی اٹھالے تو اس کو لقطہ کہتے ہیں اور اٹھانے سے پہلے سقطہ کہتے ہیں ___

لقطہ: کالقفظ قرآن پاک میں باب افتعال سے آیا ہے فالتقطہ آل فرعون (392)

مسائل لقطہ تعریف و استمتاع

دو مسئلے ہیں۔ ۱: تعریف ۲: استمتاع

تشہیر و اعلان کا مدار اشیاء کی نوعیت پر ہے۔ اور وہ تین قسم ہیں۔ (۱) انتہائی معمولی چیز جیسے ایک آدھ کھجور، گندم کا دانہ یا اتنی مالیت کی کوئی چیز۔ اس کے اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے اعلان پر تعزیر ہے۔ کیونکہ یہ غیر مطلوب اور غلو فی الدین ہے۔

(۲) انتہائی قیمتی چیز: جس کے گم ہونے کا افسوس باقی رہے اور جب بھی مل جائے تو اس کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو۔ جیسے سونے کی ڈلی یا بھاری رقم۔ جس کا تعین افراد کی حیثیت سے بھی ہوسکتا ہے ___ اس کا حکم یہ ہے ایک سال تک اعلان و تشہیر کی جائے۔ ذرائع ابلاغ جدید و قدیم استعمال میں لائے جائیں ___

حضرت ابی بن کعبؓ کو ایک تھیلی میں سو دینار ملے۔ آپ ﷺ نے ان کو تین سال تک تشہیر کا حکم فرمایا۔(تحفہ 377/1)

(۳) متوسط درجہ کی چیز:

اس میں لاقط کا اجتہاد ہے کہ ہفتہ، مہینہ یا چند ماہ۔ اندازہ کا معیار یہ ہے فاقد نے گم شدہ چیز کی تلاش موقوف کر دی ہوگی۔

(۴) اگر ایک ایسی چیز ہے اگرچہ وہ قیمتی ہے مگر اس کے ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس کا اعلان اس وقت تک کریں گے جب تک ضیاع کا خطرہ نہ ہو اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو اس کو اس کے مصرف میں لگا دیا جائے گا۔

مسئلہ استمتاع

امام شافعیؒ کے نزدیک لاقط یعنی اٹھانے والے کیلئے استمتاع جائز ہے۔(بعد از تشہیر و اعلان) خواہ فقیر ہو یا غنی۔ امام اعظم فرماتے ہیں خود فقیر ہو تو استعمال کر سکتا ہے۔ غنی ہو تو کسی فقیر کو دیدے ___ لیکن لقطہ دونوں صورتوں میں مضمون ہوگا۔ یعنی مالک کے ظہور پر اگر وہ مطالبہ کرے تو ضمان ادا کرنا ہوگا ___ البتہ اگر مالک نہ لینے پر راضی ہو تو فقیر لاقط پر تاوان نہیں ہے۔ اگر غنی تھا اور اس نے فقیر کو دیدیا تھا تو صدقہ کا ثواب دونوں کو ملے گا ___ اور اگر راضی نہ ہو تو ثواب صرف لاقط کو ملے گا۔ کیونکہ تاوان

لے گا اور لاقط کیلئے صرف ثواب ہوگا۔ لقطہ سال کی تشہیر کے بعد غنی بھی باجازۃ حاکم استعمال کر سکتا ہے۔ (فضل الباری 93)

اعرف و کائها:

وکاء اس دھاگے یا رسی کو کہتے ہیں جس سے کسی برتن کا منہ باندھا جاتا ہے۔

وعاء: یہ ظرف یعنی برتن کو کہتے ہیں۔

وعقاصها: اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) اگر تھیلی کپڑے کی ہے تو عقاص کہیں گے اگر دھات کی ہے تو وعاء کہیں گے (وعاء اخیه) (۲) عند البعض اس سے مراد وہ کپڑا ہے جس کو کسی چیز کے منہ کے اوپر دیکر پھر دھاگا باندھ دیا جاتا ہے۔

سقاؤها و حذاؤها: سقا یعنی مشک اور حذا اصل معنی موزہ ہے مراد اس سے جوتا ہے۔

فائدہ: حدیث الباب میں گم کردہ راہ اونٹ کو لقطہ نہیں شمار کیا ــــ لیکن یہ ماسبق کے دور کے لحاظ سے ہے۔ آجکل اونٹ کو بھی لقطہ میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ امانت کا فقدان ہے اور تغیر احوال ہو چکا ہے۔

بکریوں کا ریوڑ بڑا ہوتا ہے اتفاق سے کوئی بکری پیچھے رہ گئی تو پتہ نہیں چلے گا اور اونٹ ایک بھی کم ہوگا تو مالک تلاش کرنے جنگل آجائے گا۔ (تحفہ 377)

فلما أكثر عليه غضب:

یہ سوالات مسائل نہیں تھے اور علم دین سے متعلق نہیں تھے۔ اصل میں کشف کونی سے متعلق شریعت سے ہٹ کر لوگوں نے سوالات شروع کردیئے۔ چنانچہ ایک نے سوال کیا: میرے والد کون ہیں ــــ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حذافہ ــــ اس سے معلوم ہوا غیر متعلقہ سوالات پر معلم کو ناراضگی کا حق ہے۔

کشف کونی حضرات انبیاء اور اولیاء کرام دونوں کو ہوتا ہے ــــ مگر دائماً نہیں ہوتا۔ اس لئے علم غیب کا ثبوت نہیں ہو سکتا، جیسے حضرت یعقوبؑ کا قصہ کہ قریبی کنویں میں ڈال دیا گیا تھا تو پتہ نہ چل سکا ــــ اور کنعان مصر سے حضرت یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ اس پر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: ہماری مثال تو ایسی ہے بجلی چمکی اجالا ہوا تو پھر ختم ہوگئی۔ یعنی ایک وقتی سی چمک ہوتی ہے۔ وہی جو نظر آجائے۔

نیز کشف کونی مطلقاً کمالات میں سے نہیں ہے ــــ البتہ کشف علمی کمالات میں سے ہے ــــ جس کا تعلق حقائق علم کے ادراک سے ہے۔ جو منجانب اللہ قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ جیسے الغیبة اشد من الزنا۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ فرماتے ہیں: اشدیت اس لحاظ سے ہے کہ غیبت جاہی گناہ اور زنا باہی۔ زانی نادم اور غیبت کرنے والا خود کو متقی سمجھتا ہے وغیرہ۔

لاتسئلوا عن اشیاء: اشیاء واقعات واحکام دونوں کو شامل ہے۔ تسوء کم جو برا لگنے کے معنی پر مشتمل ہے اس میں تعمیم کی جائے۔ حاصل یہ نکلا نہ احکام کے باب میں نہ واقعات کے سلسلہ میں فضول سوال کیا کرو ایسا نہ ہو کہ جواب ناگوار یا پھر فضیحت کا سامنا ہو ــــ ضروری بات یا شبہ ناشی عن دلیل کے رفع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر منافقین تعنت واستہزاء سے سوال کرتے تھے۔ (فضل الباری 95/2)

مواقع اظہارِ غضب:

باب ہٰذا میں تین روایات ہیں جن میں اظہار غضب کا ذکر آیا ہے۔ اور روایات کے تتبع سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ آپ ﷺ صرف دو مقام پر اظہارِ غضب فرمایا کرتے تھے۔

(۱) ایک جب کسی شرعی حکم کی مخالفت کی جائے۔ جس کو ایک روایت میں الا تنتھک محارمہ سے ظاہر کیا گیا۔

(۲) اس مقام پر جہاں امر بدیہی یا فطرت سلیمہ کے خلاف معاملہ ظاہر ہو۔ چنانچہ پہلی روایت میں چونکہ سارے دن کی محنت ومشقت کے بعد ان کی طبائع طویل عبادت کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی تو تطویل صلوٰۃ پر اظہارِ غضب فرمایا کہ حکم شرعی کو ملحوظ رکھ کر تخفیف صلوٰۃ کی جائے۔ چونکہ یہاں امر شرعی ملحوظ نہیں رکھا گیا تو اظہارِ ناراضگی فرمایا۔

اور روایت ثانیہ میں بھی امر بدیہی کے خلاف تھا کہ اس دور میں اونٹ کو کوئی لقطہ سمجھنے لگے تو مجموعی ماحول سے صرف نظر کرنے پر غصہ کا اظہار فرمایا۔ کیونکہ امانت ودیانت کا غلبہ تھا۔ نیز تیسری روایت میں بھی چونکہ امر بدیہی کے خلاف سوال تھا کہ میرے والد کون ہیں، اس کا منصب رسالت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلئے اظہار ناراضگی فرمایا۔ جس چیز کا وہ صاحب سوال کررہے تھے صحابہ کرام ؓ میں وہ بدیہی تھی۔ اسی حقیقت کا اظہار فرمایا گیا۔ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم:

سلونی:

یہ لفظ ناراضگی کے لب ولہجہ میں فرمایا تھا لوگ اس کا مطلب نہ سمجھ سکے اور پھر بھی سوال کردیا۔ حضرت عمر ؓ نے عرض کیا: انا نتوب الی اللہ عزوجل۔ مزاج شناسی بھی ہر آدمی کا کام نہیں۔ اصحاب مجلس میں صرف عمر ؓ سمجھ پائے۔

قال رجل من ابی:

ان صاحب کا یہ سوال بلاوجہ نہیں تھا۔ لوگوں میں یہ مشہور تھا ان کے والد حضرت حذافہ ؓ کے علاوہ کوئی اور ہے اور یہ پریشان رہتے تھے جب آپ ﷺ نے حذافہ ؓ کے حوالہ سے تعیین فرمادی ان کو اطمینان ہوگیا۔

29 بَاب مَنْ بَرَكَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الْإِمَامِ أَوْ الْمُحَدِّثِ

امام یا محدث کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھنا

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِي فَقَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا فَسَكَتَ.

ترجمہ: حضرت انس ؓ فرماتے ہیں ایک دن حضور ﷺ نکلے تو عبداللہ بن حذافہ ؓ کھڑے ہوگئے اور پوچھنے لگے میرا

باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ۔ پھر آپ ﷺ نے بار بار فرمایا مجھ سے پوچھو۔ تو حضرت عمرؓ نے دوزانو ہو کر عرض کیا ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔

یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

ربط: باب سابق میں استاذ کے غضب کا ذکر تھا جو طالب علم کی بے ادبی یا بدعنوانی کی وجہ سے ہوتا ہے اس باب میں اس ادب واحترام کو بتایا جا رہا ہے جو متعلم استاذ کیلئے اختیار کرے۔

غرضِ بخاریؒ ۱: باب ہٰذا سے مقصود متعلم کیلئے اسباق میں نشست کا طریقہ اور ادب بتانا ہے کہ طالب علم استاذ محترم کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے۔ چارزانو ہو کر بیٹھنا خلاف ادب ہے۔

۲: قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ نماز کی یہ چار حالتیں ہیں۔ رکوع اور سجدہ کی حالت غیر اللہ کیلئے جائز نہیں۔ خیال ہو سکتا تھا کہ قعدہ کی حالت و ہیئت بھی جائز نہ ہو۔ بتا دیا با ادب کھڑے ہونا یا دوزانوں بیٹھنا جائز ہے۔ (تحفہ 380)

تشریحِ حدیث

فبرک عمر رضی اللہ عنہ: بروک کی دو صورتیں ہیں:

(۱) جسم کا نصف اعلیٰ قائم ہو اور رکبتیہ کے بل کھڑا ہو جائے۔ بروک جمل کی یہی صورت ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ نشست خلاف ادب ہے۔ البتہ بوقت ضرورت اس کا جواز بھی ہے۔

(۲) جس طرح قعدۂ نماز میں بیٹھا جاتا ہے اس طرح بیٹھے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ یہ نشست طالب علمانہ ہیئت پر ہے اور با ادب ہے۔

نمبر ۳: امام ربانی حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں: برک علی رکبتیہ سے یہ صورت مراد ہے تشہد کی صورت میں بیٹھ کر پچھلا حصہ تھوڑا سا اٹھائے ــــ غرضِ ترجمہ یہ ہے کہ یہ صورت اگرچہ خلاف ادب ہے ــــ لیکن بوقت ضرورت جائز ہے۔ (درس شامزئی 273)

سوال: روایت الباب سے برک رکبتین عند الامام ثابت ہوا عند المحدث تو ثابت نہ ہوا۔

جواب ۱: جب عند الامام ثابت ہو گیا تو قیاساً عند المحدث بھی ثابت ہو گیا۔

جواب ۲: اسی حدیث سے دونوں اصالۃً ثابت ہیں کیونکہ حضور اقدس ﷺ شان محدث کی بھی ہے اور امام کی بھی۔

فائدہ: عبداللہ بن حذافہؓ کے گھر پہنچنے پر والدہ ناراض ہوئیں کہ جاہلیت کے دور میں فجور عام تھا آپ ﷺ اور کا نام کہہ دیتے تو پھر ــــ ؟ عرض کیا میں اپنا نسب اسی سے ملا لیتا۔ [بہر حال ان کا یہ سوال ناقہی کی بنا پر تھا۔] (95/2)

ایک روایت میں ہے کہ ان کا جب بھی کسی سے جھگڑا ہوتا تو ان کو لوگ ان کے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے والد کے بارے میں سوال کیا۔ دوسرے سائل کا نام حضرت سعد بن سالمؓ تھا۔

یہاں غلطی دوسروں سے ہوئی لیکن یہ حضرت عمرؓ کی فہم وفراست اور شفقت علی الاصحاب کی دلیل ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی ناراضگی کو اس طرح دور کرنے کی کوشش کی گویا کہ غلطی ان سے ہوئی ــــــ (کشف 568/3)

حضرت عمرؓ کے قول: رضیت باللہ رباً و بالاسلام دینا و بمحمد رسولاً و نبیاً بعض روایات میں و بالقرآن اماماً بھی ہے۔ (فضل الباری 96/2)

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کتاب عطا فرمائی اور اپنے نبی کے واسطے سے جو سنت مرحمت فرمائی اس کے ہوتے ہوئے کسی سوال کی ضرورت نہیں۔ فسکت بعض روایات میں ہے فسکن غضبہ یعنی آپ کا غصہ فرو ہو گیا۔ (کشف 572/3)

فائدہ: علامہ عینیؒ نے اسی مسئلہ کی روشنی میں فرمایا: اگر استاذ ناراض ہو جائے تو ترضیہ کی مناسب صورت اختیار کرے۔ (درس شامزئی 273)

30 بَاب مَنْ أَعَادَ الْحَدِيثَ ثَلَاثًا لِيُفْهَمَ عَنْهُ

سمجھانے کے لئے ایک بات کو تین بار کہنا

فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تُفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تَخَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الصَّلَاةَ صَلَاةَ الْعَصْرِ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا

ترجمہ: آپ نے ارشاد فرمایا: خبردار جھوٹی بات سے بچو پس آپ اس کو دھراتے رہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ھل بلغت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب کوئی کام ارشاد فرماتے تو اسے تین بار لوٹاتے حتیٰ کہ خوب سمجھ لیا جاتا اور جب کچھ لوگوں کے پاس آپ تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ پیچھے رہ گئے پھر آپ ہمارے قریب پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت

آ گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے تو اپنے پیروں پر (جلدی سے) پانی کا ہاتھ پھیرنے لگے تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے کہا کہ آگ کا عذاب ہے ایڑیوں کے لئے یہ دو مرتبہ فرمایا۔

ربط:

باب سابق میں متعلم کیلئے ادب واحترام کی تلقین تھی باب ہذا میں یہ بتایا گیا ہے معلم کو چاہیے کہ متعلم کی رعایت کرتے ہوئے تفہیم میں تکرار سے گریز نہ کرے۔

غرضِ بخاریؒ

۱:ابن المنیرؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصود اس فرقہ کی تردید ہے جو اعادۂ حدیث کو مکروہ قرار دیتا ہے۔

۲:حضرت امام گنگوہیؒ فرماتے ہیں مقصودِ بخاریؒ ان روایات کی علت بیان کرنا ہے جن میں تکرار کلام وارد ہوا ہے اور علت "لیفھم" ہے

۳:ایک حدیث کی توجیہ مقصود ہے۔حدیث: اذا تکلم بکلمة اعادھا ثلاثاً ـــ امام بخاریؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں یہ ضرورت پر محمول ہے۔ورنہ تو تکلم ہی ضروری نہیں۔اشارہ سے بھی تعلیم ہوسکتی ہے۔

۴:امام بخاریؒ نے ترجمہ میں لیفھم کی قید لگا کر اسی کو سمجھایا ہے۔تکرار کبھی تو مشکل امر سمجھانے کیلئے ہوتا ہے اور کبھی نہ سنا ہو تو سنانے کیلئے ہوتا ہے جیسے ویل للاعقاب من النار۔تین مرتبہ آواز لگوائی ـــ اور کبھی بات کی اہمیت کی وجہ سے تکرار ہوتا ہے جیسے الا وقول الزور۔اس کلمہ کو آپ ﷺ نے تین مرتبہ دھرایا ـــ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے اتنی بار دھرایا ہم کہنے لگے :لیتہ سکت.

۵:امام بخاریؒ اس ترجمہ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بلید (غبی) کی وجہ سے زیادہ زیادہ تین بار دھرایا جاسکتا ہے۔(نصر الباری 445/1)

فسلم علیھم سلم علیھم ثلاثاً:

سوال: آپ ﷺ کے ان کلمات سے تو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔

جواب ۱: یہاں بیک وقت تین سلام پر محمول نہیں ہیں بلکہ تین سلام تین وقتوں پر محمول ہیں۔۱: سلام استیذان؛ جو وقتِ دخول ہوتا ہے۔۲:اس کے بعد سلام تحیہ ہے۔۳:لوٹنے کے وقت۔

جواب ۲: مجمع کثیر پر محمول ہے جیسے کبھی مجلس میں جاتے تھے تو شروع میں سلام۔درمیانِ مجلس میں، پھر انتہاء میں کیا کرتے۔

جواب ۳: تین اطراف پر محمول ہے۔یہ تین طرف دائیں، بائیں اور سامنے۔

جواب ۴: یہ تینوں سلام سلام استیذان ہوتے تھے آپ ﷺ تین بار فرماتے: السلام علیکم أأدخل ـــ؟ اس کے بعد جواب نہ آتا تو لوٹ جاتے۔

جواب ۵: حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: یہ تکرار اس شخص کیلئے جس نے پہلے سلاموں کو نہیں سنا لہٰذا اب لیفہم سے اس کی مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔

31 بَاب تَعْلِيمِ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ ... اپنی لونڈی اور گھر والوں کو علم سکھانا

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ قَالَ عَامِرٌ الشَّعْبِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ أَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ.

ترجمہ: ابو بردۃؓ اپنے باپ کے واسطے سے روایت نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں ایک وہ جو اہل کتاب ہو اور اپنے نبی اور محمد ﷺ ایمان لائے اور دوسرا وہ مملوک جو اپنے آقا اور اللہ دونوں کے حقوق ادا کرے۔ اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس سے شب باشی کرتا ہو، اسے تربیت دے تو اچھی دے، تعلیم دے تو عمدہ دے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔

پھر عامر شعبی نے کہا کہ یہ حدیث ہم نے تمہیں کسی عوض کے بغیر دی ہے ورنہ اس سے کم حدیث کے لئے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔

ربط:

باب سابق میں عمومی تعلیم کا ذکر تھا باب ہذا میں خاص افراد کی تعلیم کا بیان ہے۔

غرضِ بخاریؒ:

مقصد یہ ہے ہر مومن اپنے متعلقین کو علم دین سکھانے کا پابند ہے۔ خاص کر جب متعلقین میں عورتیں اور باندیاں ہوں۔ صنفِ نازک کی تعلیم اس لئے ضروری ہے معاشرہ میں ابھرنے والے رجال کار کیلئے سب سے پہلی درس گاہ آغوش مادر ہے۔ امام بخاریؒ فرمانا چاہتے ہیں انسان اپنی لونڈی اور بیوی کی تعلیم کا مامور ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔ (نصر الباری 447/1) مرد سیکھے تو فرد میں دین آتا ہے اور عورت سیکھے تو گھر میں دین آتا ہے۔

سوال: روایت الباب میں صرف تعلیم امۃ کا ذکر ہے اور ترجمۃ الباب میں "واھلہ" بھی ہے۔

جواب ا: قیاساً علی الامۃ۔ یہ بھی ثابت ہے۔

جواب ۲: امام بخاریؒ نے ترجمہ میں واھلہ کا ذکر کر کے اشارہ فرمادیا کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو امۃ کا ہے۔ کیونکہ جب لونڈی کی تعلیم ضروری ہے تو حرہ کی اور گھر والوں کی تعلیم بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں کبھی اظہارِ اہمیت کیلئے تقدیم ماحقہ التاخیر کرتے ہیں۔ بیوی کی طرف تو آدمی شاید توجہ دے مگر باندی کی طرف کون توجہ کرتا ہے وہ گھر کی نوکرانی ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کیا تاکہ تعلیم کی اہمیت ظاہر ہو۔ (اسی کی برکت ہے خاندانی غلام امامتِ علم کے مقام پر پہنچے) [تحفہ 383/1]

تشریحِ حدیث

ثلاثۃلھم اجران: ثلاثہ سے مراد تعداد نہیں بلکہ نوع ہے یعنی تین طرح کے لوگوں کیلئے دوہرا اجر ہے۔

فاحسن تادیبہ: ان الفاظ سے حدیث الباب کو ترجمۃ الباب سے مطابقت ہے۔

رجل من اھل الکتاب: (مصداق کون ہے؟)

اہل کتاب سے کیا مراد ہے۔ اس میں دو قول ہیں: (۱) نصاریٰ۔

دلیل ۱: بعض روایات میں امن بعیسی کے الفاظ ہیں ـــــ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ نصاریٰ و یہود دونوں مراد ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے نزدیک یہی راجح ہے۔ امن بعیسی ہیں ذکر بطور مثال ہے۔ احتراز مقصود نہیں۔

دلیل ۲: سوال: دوسرے قول پر سوال ہے اہل کتاب سے مراد یہود نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان کا حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں امن بنبیہ کا مصداق ہونا صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ بھی بنی اسرائیل کے نبی ہیں اور ان پر ان کا ایمان نہیں۔

جواب: جب کافر اسلام لے آئے تو اس کے کفر کے زمانہ کی نیکیاں معتبر ہوجاتی ہیں۔ اس لئے انکارِ عیسیٰؑ حائل نہیں رہے گا تو موسیٰؑ اور محمد ﷺ جو یہود ایمان لے آئے وہ اجران کا مصداق ٹھہریں گے۔

تاہم تحقیقی جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں تو اس کی بعثت من وجہ عامۃ ہوتی ہے اور من وجہ خاصہ ہوتی ہے۔ یعنی توحید ورسالت کی وجہ سے بعثت عامہ، مگر شرائع کے لحاظ سے خاصہ ہوتی ہے ـــــ من کل الوجوہ بعثتِ عامہ آپ ﷺ خصوصیت ہے ـــــ اس لئے نبی کا شرائع کی دعوت دینا اس قوم کو جس کی طرف اس کی بعثت ہے ان میں سے جن کو پہنچ گئی اگر وہ رد کریں گے تو وہ کافر قرار دیئے جائیں گے ـــــ لیکن جن کو دعوت نہیں پہنچے گی اگرچہ وہ ان کی طرف بھی مبعوث ہیں ـــــ لیکن ان کو اس نبی کا منکر نہیں قرار دیا جائیگا۔

اب سمجھئے کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے پھر حضرت عیسیٰؑ ان کی طرف مبعوث ہوئے۔ عیسیٰؑ کی بعثت سے قبل کچھ بنی اسرائیل نے مدینہ طیبہ کا سفر کیا اور وہیں آباد ہوگئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان تک اپنا سفیر و ایلچی بھیجا تھا لیکن وہ مدینہ طیبہ پہنچے سے قبل راستہ میں انتقال کر گیا لہٰذا مدینہ طیبہ کے یہودیوں کو دعوتِ عیسیٰ نہیں پہنچی۔ جب وہ دعوت ہی نہیں پہنچی تو وہ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے کا مصداق بعثتِ عمومی کے حوالہ سے ہوگئے۔ اور شرائع کے تو مکلف ہونے کا وقت نہیں آیا۔ (لیکن وہ یہود جنہوں نے قتلِ عیسیٰؑ کا منصوبہ بنایا وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے۔) لہٰذا امن بنبیہ پایا گیا یعنی امن بعیسیٰؑ ـــــ الغرض امن بعیسیٰؑ کے بعد امن بمحمد ﷺ پایا جائے تو اجران کے مستحق ہوں گے ـــــ

لھم اجران:

بعض حضرات فرماتے ہیں: چونکہ عمل بھی دو ہیں۔ اس لئے اجر بھی دو ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے اس میں انہی تین لوگوں کی کیا خصوصیت ہے۔ جو شخص کسی نوع کے دو عمل کرے گا تو اس کے لئے بھی اجوان مرتب ہوگا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں دو گنا اجر کا معیار یہاں دو عمل نہیں بلکہ ایک ایک عمل پر دو گنا اجر ہے۔ اس کی وجہ مشقتِ نفس ہے کیونکہ ایک خالی الذہن آدمی کیلئے ایک نبی پر ایمان لانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کسی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا گراں ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ گرانی اور مشقت اجران کا باعث ہے۔ اسی طرح ایک آزاد آدمی عبادت کرے تو یہ مشقت نہیں ـــــ لیکن غلام ہو کر اپنے مولی کی بھی پوری خدمت کرے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے تو یہ ازدیادِ مشقت اجران کا باعث ہے۔ اسی طرح تعلیم امہ کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ تعلیم دے پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرے جو معاشرے میں انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے ـــــ اگر بعد از تعلیم اس کے ساتھ اس کا آقا نکاح کرے تو یہ عار کو برداشت کرنا یہ مشقت اجران کا باعث ہے ـــــ اس حدیث کے تناظر میں اس کو سمجھنا اور آسان ہوسکتا ہے جس میں فرمایا گیا ایک شخص تلاوت کرتے ہوئے اٹکنے کی مشقت اٹھاتا ہے تو اس روایت میں بالتصریح آیا ہے اس کی تلاوت کے ساتھ مشقت کا ثواب دیا جائے گا تو ایک ہی عمل میں بوجہ مشقت اجران کا مستحق ہوا۔

ان تینوں کو صرف ایک عمل پر دوہرا ثواب ملے گا یعنی اہلِ کتاب کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کا کیونکہ یہ کام ان کیلئے بھاری ہے۔ اسی طرح غلام کو حق اللہ ادا کرنے پر اور باندی کے مالک کو باندی سے نکاح کرنے پر دوہرا اجر ملیگا۔ (تحفہ 384/1)

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کے آباء و اجداد اصل میں شام کے باشندے تھے۔ حضرت یوسفؑ کی اولاد میں سے ہیں ـــــ بخت نصر کے حملہ کے بعد یہ مدینہ طیبہ آگئے۔ ازاں بعد حضرت عیسیٰؑ کی بنی اسرائیل کی طرف بعثت ہوگئی ان کے کچھ حواری تبلیغ کے حوالہ سے روم، ترک اور انطاکیہ تک پہنچے۔ نیز مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں پہنچنا بھی ثابت ہوتا ہے مگر عبد اللہ بن سلامؓ کی تکذیب عیسیٰ علیہ السلام ثابت نہیں۔ امکانِ تصدیق ہے مگر التزام اطاعت نہ کیا ہو جو ان کے ذمہ ضروری نہ تھا۔ (نصر الباری ج1 ص 450)

ورجل کانت عندہ امۃ الخ:

سوال: حدیث الباب میں چار اعمال کا ذکر ہے تادیب، تعلیم، اعتاق، تزویج ـــــ اس کا تقاضا یہ ہے اس کو چار ثواب ملیں جبکہ حدیث پاک میں "اجران" کا ذکر ہے۔

جواب ۱: تعلیم و تادیب دونوں سے مقصود تکمیل ذات ہے اس لئے یہ دونوں بمنزلہ امر واحد کے ہیں۔ اور اعتاق و تزویج آپس کی مناسبت کی وجہ سے امر واحد ہے۔ فلا اشکال

جواب ۲: عند البعض یہاں تعلیم و تادیب بطور تمہید کے ہے۔ مقصود اصل اعتاق و تزویج ہے اسی پر اجران مرتب ہے۔ جب باندیوں کا دور تھا تو آقا ہر باندی سے صحبت نہیں کرتا تھا بلکہ کسی ایک کو صحبت کیلئے خاص کرتا تھا ایسی باندی کو سُرِیَّۃ کہتے تھے مذکورہ حدیث میں ایسی سریہ باندی کا ذکر ہے۔ (تحفہ 385/1)

ثم قال عامر:

عامر سے مراد حضرت شعبیؒ ہیں ـــــ بقول حضرت علامہ کرمانیؒ کے۔ یہ خطاب انہوں نے ایک خراسانی شخص سے کیا۔ جس نے ان سے کہا ہمارے علاقے کے لوگوں میں یہ مشہور ہے جو شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے وہ ایسے ہے جیسے ہدی یا قربانی کے جانور پر سوار ہو جائے جبکہ یہ منع ہے۔ (بوقت اضطرار گنجائش ہے۔) اس لئے کہ یہ ایک طرح سے اپنا صدقہ واپس کرتے ہیں۔ یہ تمتع صحیح نہیں تھا۔ جواباً حضرت عامر شعبیؒ نے یہ حدیث سنا کر اس حدیث کی قدر کرنے کی تعلیم فرمائی ـــــ اور فرمایا: لوگ غلط کہتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ فرماتے ہیں ایسے شخص کو دو اجر ملیں گے۔ اس لئے ان کی بات کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اور تمہیں اس لئے قدر نہیں کہ یہ حدیث مبارک مفت میں مل گئی ہے ـــــ

32 بَاب عِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ وَتَعْلِيمِهِنَّ

امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور ان کو دین کی باتیں سکھانا

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ عَطَاءٌ أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعْ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتْ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ وَقَالَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں یا عطاء نے کہا میں ابن عباسؓ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ عید کے موقع پر لوگوں کی صفوں میں نکلے اور آپ کے ساتھ بلالؓ تھے تو آپ کو خیال ہوا کہ عورتوں کو (خطبہ) سنائی نہیں دیا تو آپ نے انہیں نصیحت فرمائی۔ اور صدقے کا حکم دیا تو (یہ وعظ سن کر) کوئی عورت بالی اور (کوئی) انگوٹھی ڈالنے لگی اور یہ چیزیں بلالؓ اپنے کپڑے کے دامن میں لینے لگے۔

اسماعیل نے کہا عن ایوب عن عطاء سے یا فرمایا عن ابن عباس، میں قسم کھاتا ہوں نبی کریم ﷺ۔

مقصد ترجمہ: عظة النساء و تعليمهن سے مقصد تعلیم نسواں کی ترغیب نہیں بلکہ تعمیم تعلیم ہے۔ ہر عام و خاص، معذور و غیر معذور سب کی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔ ترجمہ میں للنساء کی قید احترازی نہیں بلکہ اسکا ذکر بطور مثال ہے۔ (درس بخاری 410)

ربط و غرض بخاریؒ: امام بخاریؒ کا مقصود ازالۂ شبہ ہے ـــ وہ یہ کہ باب گذشتہ میں اہل و عیال کی تعلیم کا ذکر تھا ـــ اس سے شبہ ہوتا تھا کہ صرف اہل و عیال کو تعلیم دینا جائز ہے غیر کو نہیں ـــــ یہاں سے اس کا ازالہ فرمایا ـــــ امام اور امیر پر یہ لازم ہے عورتوں کیلئے تعلیم و تعلم کا بندوبست کرے۔ نیز غیر محرم عورتوں کو تعلیم دینا جائز ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا خالص مجالس اصلاح للنساء اور جلسہ للبنات بھی جائز ہے۔ اور عورتوں کے جلسہ میں تقریر کرنا بھی درست ہے۔

او قال عطاء: اَوْ شک راوی کیلئے ہے۔ کیونکہ راوی کو شک ہے کہ یہ شہادت وقسم حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ پر کھائی ہے یا حضرت ابن عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ پر کھائی ہے۔ پہلی صورت میں یہ عطاءؒ کا مقولہ ہے اور دوسری صورت میں یہ حضرت ابن عباسؓ کا مقولہ ہوا ــــ لیکن تعلیق میں امام بخاریؒ نے نئی سند لاکر تعیین فرمادی یہ حضرت ابن عباسؓ کا مقولہ ہے۔

تشریح حدیث

ولم یسمع النساء: اگر یہ لفظ لم یسمَع ہو یعنی فعل لازم ہو تو پھر اس لئے یہ مذکر ہے کہ فاعل جمع مکسر ہے۔ جب فاعل جمع مکسر ہو تو فعل کو مذکر لانا بھی جائز ہے۔ جیسے وقال نسوۃ۔ اور اگر یہ لفظ یسمّع بتفعیل سے متعدی ہے اس صورت میں اس کا فاعل ضمیر ہے اور اس کا مرجع حضور اقدس ﷺ مطلب یہ ہے آپ نے خیال کیا کہ وہ عورتوں کو نہیں سنا سکے ــــ اور آپ ﷺ کے اس گمان کی وجہ یہ تھی عورتیں پیچھے ہوتی ہیں اور آواز پہنچانے کے آلات اس وقت نہ تھے۔

فجعلت المرأۃ تلقی: عورتوں نے فوراً زیورات پیش کرنے شروع کردیئے۔ کیونکہ عورتیں نرم دل اور بات کا اثر جلد قبول کرنے والی ہوتی ہیں اور خاص طور پر آپ ﷺ کے وعظ میں منجانب اللہ ہی بہت تاثیر تھی۔ (تاہم شوہر کے مال سے بغیر اذن کے صدقہ نہیں کرسکتی مگر جو عرف پر محمول ہو۔)

وبلال یاخذ: حضرت بلالؓ اپنے کپڑے میں یہ سب کچھ جمع فرما رہے تھے۔ یہاں سے اہل مدارس کے چندے کے جواز کی اصل ثابت ہوتی ہے۔ بلالؓ جمع کر رہے تھے اور فرما رہے تھے اعطین فداکن بابی وامی۔ (دلیل 402)

باب ہٰذا سے ثابت ہوتا ہے عورتوں کو وعظ امام یا نائب امام کہے گا۔ (تحفۃ القاری 386/1)

مردوں کے ذریعہ لڑکیوں کو تعلیم دینا صحیح نہیں۔ اسلامی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔

فائدہ: عورتوں نے مردوں کو پڑھایا ازواج مطہرات سے حضرات صحابہ کرامؓ استفادہ کرتے تھے۔ مگر مردوں نے عورتوں کو پڑھایا اس کی کوئی مثال نہیں ــــ اسی طرح لڑکیوں کا دارالاقامہ بھی بے اصل ہے۔ دن میں آئیں شام کو گھر۔ لڑکے آٹھ سال میں کمال حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ پانچ سال میں کیا کریں گی ــــ پس پردہ تعلیم وہ نصف تعلیم ہے جیسے خط اور فون کی ملاقات نصف ہے۔ پوری تعلیم بالمشافہ ہے اس لئے معلمات خواتین ہوں۔

33 بَاب الْحِرْصِ عَلَى الْحَدِيثِ ــ حدیث کے لئے حرص کرنا

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلُنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ حصہ کس کو ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوہریرہ! مجھے خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس سے بارہ میں مجھ سے دریافت نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں نے حدیث کے بارے میں تمہاری حرص دیکھ لی تھی۔ قیامت میں سب سے زیادہ فیضیاب میری شفاعت سے وہ شخص ہوگا جو سچے دل سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہے گا۔

غرضِ بخاریؒ اور ربط: اس ترجمۃ الباب کی غرض اور ماقبل سے ربط یہ ہے پہلے علم مطلق کی ترغیب تھی اور اب حدیث شریف کی تعلیم و تعلم کی ترغیب ہے یعنی تخصیص بعد التعمیم ہے ـــــ نیز حدیث پاک کی خصوصی مدح اور اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

تشریح حدیث

قیل یا رسول اللہ: سوال: سوال کرنے والے بھی حضرت ابوہریرہؓ ہیں اور حدیث بیان کرنے والے بھی حضرت ابوہریرہؓ ہیں تو قیل کی بجائے قلتُ ہونا چاہیے تھا۔

جواب ۱: بعض نسخوں میں قلتُ ہے۔ راوی کو استحضار نہ ہوا تو قیل کہہ دیا۔

جواب ۲: تواضعاً اپنے آپ کو چھپا رہے ہیں ـــــ لیکن کہاں چھپے رہتے ہیں۔

قیل: سائل اگر ابوہریرہؓ نہیں ہیں تو مفہوم یہ ہوگا: ابوہریرہؓ تمہارے اشتیاقِ حدیث کی بناء پر مجھے امید تو یہ تھی یہ بات تم ہی مجھ سے پوچھو گے مگر تم نے ایسا نہ کیا۔ یا پھر قرینہ سے جیسے معلوم ہوتا۔ سائل حضرت ابوہریرہؓ ہی ہیں۔ پہلے مفہوم پر تنبیہ اور دوسرے پر تعریف ہے۔ (فضل الباری 112/2)

ظننت یا ابا هریرہ:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اندازہ تھا سب سے پہلے مجھ سے ایسا سوال اور کوئی نہیں کرے گا ـــــ! اس سے معلوم ہوا استاذ محترم کو ایسے سوالات سے جو علمی اور نافع ہوں سنکر خوش ہونا چاہیے اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

یہاں رسول اللہ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حریص علی الحدیث قرار دیا اور اس پر تنقید نہیں فرمائی بلکہ معرض مدح میں ذکر فرمایا۔ (انعام الباری 138/2)

اول منک:

یہ احد سے بدل یا صفت ہے۔ ان دونوں صورتوں میں مرفوع ہوگا۔ یا پھر احد سے حال ہے۔ اس صورت میں منصوب ہوگا۔ احد نکرہ تحت النفی ہونے کی وجہ سے ذوالحال بن سکتا ہے ـــــ یا اول اس وجہ سے منصوب ہے کہ ظننت کا مفعول ثانی ہے۔

خالصاً من قلبہ:

یعنی جس میں نفاق و شرک اور گناہوں کی آمیزش نہ ہو۔

من اسعد الناس:

سوال: اسعد اسم تفضیل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کچھ تھوڑا بہت فائدہ شفاعتِ نبوی ﷺ سے وہ لوگ بھی اٹھائیں گے جنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا ــــ یعنی کافر۔

جواب ۱: شفاعت کی دو قسمیں ہیں شفاعتِ کبریٰ اور شفاعتِ صغریٰ۔ شفاعتِ کبریٰ حساب و کتاب شروع کروانے کیلئے ہے اس کا فائدہ مسلم و غیر مسلم سب کیلئے۔ شفاعتِ صغریٰ؛ اس کا فائدہ صرف مسلمان کو پہنچے گا۔

جواب ۲: شفاعت دو قسم پر ہے۔(۱) شفاعتِ منجیہ من النار۔(۲) شفاعتِ مخففہ للعذاب۔ پہلی مسلمانوں کیلئے اور دوسری غیر مسلم لوگوں کیلئے ہے۔

جواب ۳: اسعد اور سعید کا فرق درجاتِ خلوص کے فرق کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے درجات بہت زیادہ ہیں۔ جتنا زیادہ خلوص ہوگا اسی درجہ کا اسعد بھی ہوگا ــــ تو یہ اسعد اور سعید ہونا یہ مؤمن اور کافر ہونے کے لحاظ سے نہیں۔

جواب ۴: اگر اسعد کو تفضیلی معنیٰ میں لیا جائے تو جوابِ نبوی ﷺ اسلوب الحکیم ہوگا اور سائل کو تنبیہ۔ کہ تمہارا سب سے زیادہ شفاعت کے حقدار کے بارے میں سوال کرنا مناسب نہیں۔ مطلق سوال کرو کہ شفاعت کس کو نصیب ہوگی ــــ پس ہر کلمہ گو مسلمان میری شفاعت سے محروم نہیں رہے گا۔ (تحفۃ القاری 388/1)

فائدہ: یہ ساری تقریر اس وقت تک ہے کہ اسعد میں تفضیل کے معنیٰ باقی رکھے جائیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اسم تفضیل کو اس کے معنیٰ سے خالی کر لیا جاتا ہے تو اسعد بمعنیٰ سعید ہو جائے گا۔ اس صورت میں سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

سوال: اسعد بمعنیٰ سعید؛ اس پر اعتراض یہ ہے ایک روایت میں تو ہے: شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ (ترمذی) معلوم ہوا شفاعت مخصوص لاھل الکبائر ہے۔ جبکہ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے ہر کلمہ گو کیلئے شفاعت ہے۔ حدیث الباب میں تعمیم ہے جبکہ اہل الکبائر میں تخصیص ہے۔

جواب: نوعیت شفاعت مختلف ہے جہنم سے نکالنے کیلئے اہل کبائر کی شفاعت ہے اور بلندیٔ درجات کیلئے بھی شفاعت ہوگی۔ حدیث الباب میں اسی دوسری شفاعت کا بیان ہے۔ خواہ وہ اہل کبائر میں سے ہو یا نہ ہو ــــ گویا ہر کلمہ گو فائدہ اٹھائے گا۔

سوال: حدیث پاک میں ہے: کچھ لوگ قُبضۂ رحمٰن سے جہنم سے نکالے جائیں گے تو حدیث الباب کی روشنی میں جو ہر کلمہ گو کو سفارش کا ملنا تھا وہ نہ پایا گیا۔

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ترجیح دی ہے یہاں اسعد بمعنیٰ سعید ہے۔ یہاں درجات مقصود نہیں۔ جو شخص بھی خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہے مستحق شفاعت ہوگا ــــ لیکن علامہ ابن المنیر اور علامہ سندھیؒ کا فرمانا یہ ہے کہ یہاں صیغہ اسم تفضیل ہی مراد ہے اور درجات میں خلوص کے تفاوت کے لحاظ سے تفاوت ہے ــــ چونکہ خالصاً من قلبہ فرمایا تو خلوص میں تفاوت ہو سکتا ہے ایک وہ ہے جو سو فیصد اخلاص کے ساتھ کہہ رہا ہے یہ اسعد الناس ہے اور اس سے کم درجہ وہ ہے جس میں اتنے درجہ کا اخلاص نہیں لیکن فی نفسہ اخلاص ہے اور آپ ﷺ نے یہ اسلئے فرمایا کہ آپ ﷺ شفاعت مختلف لوگوں کو مختلف جہتوں

سے حاصل ہوگی۔ بعض کو شفاعت بلا حساب جنت میں دخول کیلئے بعض کو جو جہنم کے بعد چھٹکارے کیلئے اور بعض کو دخول جہنم کے بعد رہائی کیلئے۔ اس لئے کچھ اسعد ہیں اور کچھ سعید ہیں۔ (انعام الباری 139/2)

انواع شفاعت

جواب: علامہ کرمانی فرماتے ہیں: شفاعت کی بہت انواع ہیں۔ وہ سب ثابت ہیں:-

(۱) شفاعتِ منفردہ: یہ شفاعت آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) شفاعت بالشرکت: یہ سارے انبیاءؑ اور صلحاء جو باہم ملکر سفارش کریں گے۔ وہ بھی آپ ﷺ حاصل ہوگی۔

(۳) شفاعتِ اجمالی: جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا ہے اس کی سفارش ہو یہ بھی آپ ﷺ حاصل ہوگی۔

(۴) شفاعتِ تفصیلی: خود تشریف لے جائیں گے اور نکالیں گے۔ غرض کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو آپ ﷺ شفاعت سے منتفع نہ ہو۔ جو قبضۂ رحمن سے نکالے جائیں گے اور آپ ﷺ اجمالی شفاعت سے وہ منتفع ہیں۔ اگرچہ وہ آپ ﷺ کے علم میں نہ آسکے۔ اس لئے کہ ان کا ایمان اس درجہ ضعیف ہوگا اس کا ادراک نہ ہو سکے گا۔ تو عدمِ ادراک سے نفی شفاعت لازم نہیں آتی۔

۱: شفاعتِ کبریٰ کے ضمن میں مسلمان اسعد اور کافر سعید ہوگا۔ (درس بخاری 406)

۲: خالصاً من قلبہ۔ ایک اخلاص وہ ہے جو نفسِ ایمان میں ضروری ہے اور ایک وہ جو ایمان کامل میں ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں ایک اسعد دوسرا سعید ہے۔ (درس بخاری 406)

''خالصاً من قلبہ'' کے حوالہ سے علامہ زمخشری فرماتے ہیں جس عضو سے جو فعل صادر ہوتا ہے اگر فعل کی نسبت اس کی طرف کردی جائے تو یہ مفید مبالغہ ہوتا ہے ــــــ یہاں خلوص کی نسبت قلب کی طرف کرنے میں مبالغہ ہوگا جو زیادتِ فعل کو مستلزم ہوگا۔ (کشف 61/4)

علامتِ ایمان ''عمل'' نہ ہونے کی وجہ سے سفارشِ نبوی ﷺ بنا پر ہی قائلینِ لا الٰہ الا اللہ کو بھی نار سے نکالا جائے گا اگرچہ وہ بدستِ قدرۃ ہی ہو۔ (فضل 112/2)

فائدہ ۱: اس سے آپ ﷺ کیلئے علم غیب کلی کی بھی نفی ہوئی۔ اس لئے کہ خروج کیلئے آپ تشریف لے گئے۔ مگر معلوم نہ ہو سکے۔ ان کو جہنم سے نہ نکال سکے۔

فائدہ ۲: شفاعت کی تین اقسام اور بھی ہیں۔ (۱) شفاعت بالجاہ۔ یعنی اپنے علو مرتبہ یا رعب ودبدبہ کی وجہ سے کسی سے کوئی چیز منوالینا۔ (۲) شفاعت بالقرابت رشتہ داری کی بنا پر۔ (۳) شفاعت بالاذن۔ اجازت سے شفاعت۔ ان تینوں میں سے پہلی دونوں دربار خداوندی میں منتفی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر نہ تو کسی کا رعب چلتا ہے اور نہ ہی رشتہ داری کا شائبہ ہے۔

البتہ شفاعت بالاذن ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ: من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔

اقسامِ شفاعت۔ ۱: شفاعتِ عظمیٰ، ۲: بلا حساب دخولِ جنت۔ ۳: استحقاقِ نار کے بعد بلا عذاب دخولِ جنت۔ ۴: بعد از

دخولِ نار نجات۔ ۵: درجات فی الجنۃ کیلئے۔ ۶: نیکی اور برائی کے برابر ہونے پر دخولِ جنت کیلئے۔ ۷: اپنی امت کیلئے دیگر امم سے پہلے دخولِ جنت۔ (کشف 58/4)

خوارج اور بعض معتزلہ منکر شفاعت ہیں فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین، ولا شفیع یطاع۔ ایسی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ تاہم یہ آیات نفی شفاعت کفار کیلئے ہیں۔ اہلسنت والجماعت مذنبین کے لئے شفاعت کے قائل ہیں نیز احادیث شفاعت صریح اور متواتر ہیں۔ (کشف 57/4)

تنبیہ: لا الہ الا اللہ کے الفاظ در جہ عنوان میں ہیں مراد پورا کلمہ ہے۔ البتہ لا الہ الا اللہ کی قید سے مشرک اور خالصاً من قلبہ کی قید سے منافق سے احتراز ہو گیا۔ (ایضا 61)

34 بَاب كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ ــــ علم کیسے اٹھایا جائے گا

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ انْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْتُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْتَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ بِذَلِكَ يَعْنِي حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى قَوْلِهِ ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ.

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا قَالَ الْفِرَبْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ قَالَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ.

ترجمہ: عمر بن عبد العزیزؒ نے ابوبکر بن حزمؒ کی طرف لکھا دیکھو جو رسول اللہ ﷺ حدیث ہو وہ لکھ لو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے کا اور علماء کے ختم ہو جانے کا ڈر ہے۔ اور قبول نہ کی جائے مگر نبی ﷺ حدیث۔ اور چاہئے کہ علم کو پھیلائیں اور مجالس قائم کریں تا کہ اس آدمی کو علم سکھائیں جو نہیں جانتا کیونکہ علم جب تک چھپ نہ جائے ہلاک نہیں ہوتا۔

عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے منقول ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو موت دے کر علم اٹھالے گا حتی کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے ان سے سوالات کئے جائیں گے اور وہ علم کے بغیر جواب دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ربط ۱: باب سابق میں حرص حدیث کا اور باب ہذا میں رفع علم کا ذکر ہے دونوں میں ضدیت کی نسبت ہے۔ (کشف 62/4)

ربط ۲: باب سابق میں ضرورت علم اور بطور خاص علم حدیث پر زور دیا گیا تھا۔ باب ہذا میں امام بخاریؒ علم کی بقا کی صورتیں بتلارہے ہیں۔

فائدہ: امام بخاریؒ نے کیف کے لفظ سے تیس باب شروع فرمائے ہیں۔ بیس جلد اول میں ہیں۔ دس جلد ثانی میں ہیں۔ جلد اول کے لحاظ سے یہ باب دوسرا ہے۔

غرضِ بخاریؒ: (۱) علم کی نشرواشاعت کی ترغیب مقصود ہے کوشش کرو کہ علماء، اہل کمال پیدا ہوں تو علم باقی رہے گا ورنہ ختم ہوجائے گا۔

(۲) علم کے ختم ہونے کے تین اسباب ہیں:-۱ عدمِ تدریس۔

-۲ قبض العلماء۔ -۳ سینوں سے محو ہوجائے اور کتب سے نقوش محو ہوجائیں۔

امام بخاریؒ نے اس باب میں ختم علم کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں۔ عدم تدریس اور قبضِ علماء کرام ــــ بعض حضرات نے کہا ہے امام بخاریؒ کا مقصد ابن ماجہ کی روایت جس میں تیسرے طریقے کا ذکر ہے اس کو ضعیف قرار دینا ہے ــــ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان دو طریقوں کو بیان کرنا مقصود ہے تیسرے کی نفی مراد نہیں ہے ــــ

الی ابی بکر بن حزم:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۹۹ھ میں ان کو خط لکھ کر مامور فرمایا۔ جس قدر احادیث نبویہ مل جائیں ان کو لکھ کر محفوظ کرلو۔ ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے۔ یہ مدینہ کے قاضی تھے۔

سوال: پہلے یہ بتلایا گیا تھا کہ ابن شہاب زہریؒ مامور تھے۔ اس تعارض کا کیا حل ہے؟

جواب: دونوں ہی مامور تھے ــــ لیکن ابن شہاب زہریؒ کامیاب ہوگئے۔ اس لئے ان کو "مدون اول" کہا جاتا ہے۔

فان العلم لایھلک:

یعنی اگر علم راز بن جائے تو ہلاک ہوجاتا ہے جیسے طب یونانی بہت کامل، مفید اور سستی چیز تھی ــــ اس کے زوال کی وجہ یہ ہے کہ حکماء واطباء قیمتی نسخے سینے میں رکھ کر مرجاتے تھے مگر کسی کو بتاتے نہیں تھے۔

لایقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

سوال: شبہ ہوتا ہے آثار واقوالِ صحابہؓ حجت نہیں ہیں۔

جواب ۱: امتیاز مقصود ہے تاکہ آگے جاکر خلط نہ ہوجائے۔ نفی حجت نہیں ہے۔

جواب ۲: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ "ولا یقبل" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا مقولہ ہی نہیں۔

تشریحِ حدیث

بقبض العلماء:

اس سے حضرات اہل علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے حق تعالیٰ شانہ ان کو ذلیل نہ فرمائیں گے ــــ بلکہ وہ عزت کے ساتھ اٹھالیے جائیں گے ــــ پھر بعد میں لوگ ان کو حسرت کے ساتھ یاد کریں گے۔ گویا یہ تکریم علماء ہے۔

اتخذالناس رؤ ساجهالا:

زمانۂ حال میں اس کا بہت ظہور ہورہا ہے اسمبلی میں پہنچ کر ہر کس وناکس عالم ومفتی ہونے کا بھی مدعی ہے۔اسی طرح میڈیا کے حوالہ سے گمراہ لوگ مزید گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

قال الفِرَبری:

فِربر بخاریٰ کے مضافات میں ایک بستی کا نام ہے جوجیحون کی سمت میں ہے۔یہ امام بخاریؒ کے شاگرد یوسف فِرَبری ہیں۔ یوسف فربری فرماتے ہیں یہی روایت جیسے مجھے استاذ مکرم حضرت امام بخاریؒ کے واسطہ سے پہنچی ہے اسی طرح حضرت عباس (استاذ) کے بھی واسطے سے پہنچی ہے۔مقصود امام بخاریؒ کی روایت کی توثیق وتائید ہے۔اسی کا نام استخراج ہے۔گویا دو استاذوں سے ایک ہی روایت پہنچی ہے۔

35 بَاب هَلْ يُجعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ

کیا امام عورتوں کی تعلیم کے لئے کوئی علیحدہ دن مقرر کرسکتا ہے؟

حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَتْ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنْ النَّارِ فَقَالَتْ امْرَأَةٌ وَاثْنَتَيْنِ فَقَالَ وَاثْنَتَيْنِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ثَلَاثَةً لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ.

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے عورتوں نے رسول اللہ ﷺ خدمت میں عرض کیا (آپ سے مستفید ہونے میں) مرد ہم سے بڑھ گئے۔ اس لئے آپ ﷺ اپنی طرف سے ہمارے لئے بھی کوئی دن مقرر فرمادیں۔تو آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ کرلیا۔اس دن آپ عورتوں سے ملے اور انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں مناسب احکام دیئے۔ جو کچھ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا اس میں یہ بھی تھا جو کوئی عورت تم سے تین لڑکے آگے بھیجے گی تو وہ اس کے لئے دوزخ کی آڑ بن جائیں گے۔اس پر ایک عورت نے کہا اگر دو (لڑکے بھیج دیے؟) تو آپ نے فرمایا اور دو کا بھی یہی حکم ہے۔

ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے یہی روایت کرتے ہیں اور دوسری سند میں عبدالرحمن بن الاصبہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابوحازم سے سنا وہ ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ایسے تین لڑکے جو ابھی بلوغ کو نہ پہنچے ہوں۔

ربط: باب سابق میں علم کی اشاعت کی احادیث بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ ایک صورت ان میں سے اس باب میں بایں طور بیان کی جارہی ہے کہ صنفِ نازک کیلئے بھی علیحدہ وقت مقرر کرکے ان کو تعلیم دی جائے۔ نیز عورتوں کی تبلیغ کا ذکر صراحۃً قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔ کما قال تعالیٰ: والمومنون والمومنٰت بعضھم اولیاء بعض۔ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ اس لئے تبلیغ دین جیسے کہ مردوں کی ذمہ داری ہے اسی طرح عورتوں کی بھی ذمہ داری ہے۔

غرضِ بخاریؒ ا: امام بخاریؒ یہاں سے تعلیم النساء کا جواز ثابت فرمارہے ہیں۔ گویا تعلیم کی اتنی اہمیت ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کیلئے بھی تعیین اوقات کرکے اہتمام کیا جائے۔ پردہ کے اہتمام سے ایک ہی مقام پر وعظ ہوسکتا ہے لیکن مفاسد سے بچنا ضروری ہے۔ پردہ اور سادگی شرط مجلس ہو۔

۲: ھل کے ساتھ ترجمہ لانے کی غرض یہ ہے واقعہ جزئی سے عمومی قاعدہ اخذ کیا جاسکتا ہے؟ نیز ضرورت دینی اور فتنہ سے تحفظ ہو تو بوقت ضرورت بعد از درخواست تعیین یوم ہے یہ دائمی چیز نہیں (کشف الباری ج ۴ ص ۹۱)

بعض روایات میں مکان کی تخصیص کا بھی ذکر ہے، موعدکن بیت فلانۃ۔ (درس شامزئی 280)

فائدہ: غندر شور مچانے والا: ایک مرتبہ حضرت عبدالملک بن جریج بصرہ آئے انکی مجلس حدیث میں انہوں نے بہت سوالات کئے حضرت ابن جریج نے فرمایا: اسکت یا غندر، ان کا یہ لقب مشہور ہوگیا، یہ شعبہ کے خاص شاگرد ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے جلسہ نساء کا ثبوت ملتا ہے ـــ پہلے ایک حدیث آئی ہے۔ وہ عیدگاہ میں جلسہ تھا اور مخلوط تھا ـــ یہ خالص نسائی ہے

سوال: حدیث میں عورتوں کیلئے تعیین ایام کی تصریح ہے پھر ہل سے کیوں ذکر فرمایا۔

جواب: حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں اگرچہ حدیث میں عورتوں کیلئے دن مقرر کرنے کی تصریح ہے ـــ اور عورتوں کا گھر سے باہر نکل کر باہر جمع ہونا جائز ہے۔ لیکن بہرحال نازک ہے۔ پردہ کے تقاضے الگ ہیں۔ اس لئے فی نفسہ تعیین ایام کے باوجود اگر کہیں شرعی طور پر مفسد پایا جائے تو پھر ترک ضروری ہوگا۔ اس "ھل" سے نزاکت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے پوری طرح شرعی افادیت کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرے۔

تشریحِ حدیث

غلب: یعنی آپ ﷺ کے ارد گرد ہر وقت مرد حضرات رہتے ہیں۔ ہمیں دینی بات سننے کا موقع نہیں ملتا۔

"امرأۃ" کی تخصیص اس لئے ہے کہ عورت کو صدمہ زیادہ اور قوتِ برداشت کم ہوتی ہے ان کو تسلی کی زیادہ ضرورت ہے ورنہ یہ فضیلت والد کو بھی حاصل ہے۔ (فضل الباری 118/2)

واثنین: یہ عطف تلقینی ہے (کشف الباری ج ۴ ص ۹۵) اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے کلام پر عطف ڈال دیا جائے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "واحدہ" کی روایت بھی ذکر فرمائی ہے۔

امرأۃ سے مراد ام سلیم ام مبشر انصاریہ ہیں۔ نیز سائلہ کا نام ام ایمن سیدہ عائشہؓ اور ام ھانیؓ کا آیا ہے (کشف الباری ج ۴ ص ۹۵)

نیز ترمذی شریف میں ایک بچہ کا بھی ذکر آیا ہے... اول تین پھر انعام مزید دو پھر مزید بر مزید ایک بچہ پر بھی یہ تبشیر منجانب اللہ بالتدریج ہے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ سے آگے بڑھ گئے کہ وہ بچہ جو نا تمام ہو جسے "سقط" کہتے ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (انعام الباری 124/2)

شروع سے ہی ایک بچہ کا یہ حکم آپ ﷺ نے بیان نہیں کیا اشتیاق پیدا کرنے کیلئے تین بچے، پھر دو بچے پھر ایک کا اظہار فرمایا، اول اول مشکل کام بتا کر آسان بتایا جائے تو اوقع فی القلب اور اس کی قدر و منزلت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (انعام الباری 145/2)

فائدہ: بالغ اولاد کا صدمہ کفارہ سیئات کے قبیل سے ہے۔ حدیث الباب بھی از قبیل شفاعت ہے نابالغ ہی سفارش کرے گا نیز طبعاً نابالغ کو ہی والدین کو جنت میں لے جانے کیلئے ضد مناسب ہے، بالغ کو نہیں ___ (انعام الباری ج 2 ص 145)

اولاً تین نابالغ بچوں کے مرنے پر امید شفاعت دلائی ___ تو عورتوں کو سوال کرنے کا موقع ملنے سے ان کی شرافت کا اظہار ہوا کہ سوال پر ہی اجر ہے دو کو پھر ایک کو پھر سقط پر ملا۔ (فضل الباری 117/2)

لم یبلغ الحنث: سوال: یہ قید کیوں لگائی حالانکہ بالغ کی موت کا تو صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔

جواب ۱: بعض حضرات فرماتے ہیں: نابالغ سے عقوق متصور نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا صدمہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ قید لگائی۔

جواب ۲: صحیح جواب یہ ہے کہ دو مسئلے جدا جدا ہیں۔

ایک معصیت کا کفارہ بننے کا۔ اور دوسرے شفاعت کا۔ ان احادیث میں بچے کی شفاعت کا بیان ہے اس کیلئے عدم بلوغ کی قید ہے۔ باقی کفارہ سیئات کیلئے بلوغ، عدم بلوغ کی قید نہیں۔ جتنا صدمہ زیادہ ہوگا اتنا ہی کفارہ سیئات زیادہ ہوگا۔

فائدہ ۱: وعدہ مغفرت والدین دونوں کیلئے ہے۔ صرف والدہ کے ساتھ مخصوص نہیں چنانچہ بخاری کتاب الجنائز میں یہ الفاظ ہیں: ما من الناس من مسلم۔ گویا لفظ من سے عموم مراد ہے۔ جس سے والدین دونوں مراد ہیں ___ اگرچہ حدیث الباب میں ما منکم ہے جس کی تخصیص بالوالدہ معلوم ہوتی ہے۔

فائدہ ۲: احتجاب من النار کا تعلق مخصوص مرتبہ صبر سے ہے اس تک رسائی ایک بچہ سے ہو جائے، دو سے ہو جائے یا پھر تین سے۔ یہ طبائع کے اختلاف پر ہے۔ چنانچہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اگر سالہا سال کی امیدوں کے بعد ایک بچہ تھا ___ اور وہ چلا جائے تو کیا گذرے گی ___ ؟

شرائط احتجاب:

لم یبلغوا الحنث، (۱) گناہ (بلوغ) کی عمر کو نہ پہنچا ہو یا (۲) قسم توڑنے کی عمر کو نہ پہنچا ہو مراد ایک ہی ہے ___ ملا علی قاریؒ کا ارشاد ہے یہ قید اکملی ہے کیونکہ بڑے بچے کے مرنے پر بھی صبر کی وجہ سے ثواب ملے گا ___ مگر یہ قید "احترازی" ہے بالغ بیٹا تو اپنی فکر میں ہوگا دوسرے کی سفارش کیا کرے گا؟ نیز یہ رضا بالقضا "رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ" احتساباً کو ملحوظ رکھ کر ہو۔ اس لئے وہ احادیث مقید بالاحتساب ہیں جن میں احتساب کا ذکر نہیں۔ (کشف 97/4)

حدثنی محمد بن بشار:

اس روایت کو لانے کے دو فائدے ہیں۔(۱) پہلی روایت میں جو ابن الاصبہانی تھے وہ متعین کر دیا گیا کہ ان سے مراد عبدالرحمن بن الاصبہانی ہیں۔(۲) لم یبلغوا الحنث کی قید لگا کر نابالغ کو متعین کر دیا۔

36 بَاب مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَلَمْ يَفْهَمْهُ فَرَاجَعَ فِيهِ حَتَّى يَعْرِفَهُ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ أَوَلَيْسَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى {فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا} قَالَتْ فَقَالَ إِنَّمَا ذَلِكِ الْعَرْضُ وَلَكِنْ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكْ

ترجمہ: کوئی شخص ایک بات سنے اور نہ سمجھے تو سمجھنے کے لئے دوبارہ پوچھے

ترجمہ: ابن ابی ملیکہؒ نے بتایا رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہؓ جب کوئی ایسی بات سنتیں جس کو سمجھ نہ پاتیں تو وہ دوبارہ اس کو معلوم کر لیتیں تا کہ سمجھ لیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا۔ تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا آسان حساب؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ صرف پیشی ہے لیکن جس کے حساب میں جانچ کی گئی وہ ہلاک ہو گیا۔

ربط ا: عورتوں میں قصور فہم کی وجہ سے مراجعت کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور باب ہذا میں عدم فہم کی وجہ ضرورت مراجعت ہے۔ ۲: طالب علم کی اعادہ کی مواظبت یہ بلادت وحماقت نہیں۔ ۳: مراجعت کی فضیلت اور مراجعتِ عالم کی سوء ادبی اور معلم کی تحقیر نہیں۔ نیز اشکال میں الجھے رہنے کی بجائے سوال کرے جیسا کہ حدیث مبارک میں اسوۂ مبارکہ سامنے ہے۔ (کشف 104/4)

ربط ۲: باب سابق میں تعلیم النساء کا بیان تھا چونکہ ان میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس لئے باب ہذا سے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئی ہو تو اچھی طرح سمجھ لی جائے۔

غرض: امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حصول علم میں حیا کو مانع نہیں ہونا چاہیے۔ جو سمجھ میں نہ آئے اسے پوچھا جائے ـــــ یہ خیال نہ ہو کہ لوگ کہیں گے اتنی آسان بات اس کو نہیں آتی ـــــ تاہم استاذ محترم کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ بعض اوقات سوال کرنے کا منشا غلط ہوتا ہے جس میں استاذ کی بے توقیری ہو تو اس بنا پر سوال ناجائز ہے۔

غلط منشاء کی صورتیں: (۱) ظہور علم، اپنا عالم ہونا بتلانا مقصود ہو۔ (۲) ملالِ استاذ۔ (۳) تضییع اوقات۔ (۴) امتحانِ استاذ۔ کہیں حاشیہ وغیرہ میں کچھ دیکھ لیا اب استاذ سے اس بارے میں سوال کرے۔

سوال: قرآن کریم میں لاتسئلوا عن اشیاء ہے تو باب ہذا آیت قرآنی کے خلاف ہے۔

جواب: مخالفتِ قرآن کا تعلق ضد کے طور پر پوچھنے سے ہے۔

تشریحِ حدیث

لا تعرفه الا راجعت فیه:

حضرت عائشہؓ سے کثرۃ محبت کے جہاں اور اسباب ہیں اور آپ ﷺ از دیاد تعلق تھا وہاں اس کی ایک وجہ تحقیق اور تحصیل علم کا وافر ذوق تھا۔ یہی چیز ان کے کمالِ درایت اور تفقہ کے بلند مقام پر پہنچنے کا باعث بنی۔

حدیث الباب سے مستنبطہ دو اصول

فقلت او لیس یقول اللہ عز وجل فسوف یحاسب الخ:

گویا حضرت عائشہؓ نے آیتِ قرآنیہ کو معارضہ کے طور پر پیش فرمایا کہ یہ تو نص قرآنی اور آپ ﷺ کے ارشاد مبارک میں تعارض ہے ــــ آپ ﷺ جواب دینے کیلئے متوجہ ہوئے۔ اس سے دو اصول سمجھ میں آتے ہیں:۔

(ا) عام اور خاص دونوں قطعی ہوتے ہیں۔ کیونکہ قطعی اور ظنی کا کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ لہذا جواب دینے کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے۔ متوجہ ہونا دلیل ہے کہ عام اور خاص دونوں قطعی ہیں ــــ البتہ اگر عام سے کوئی فرد خاص کرلیا جائے تو عام بھی ظنی ہو جائے گا۔

دوسرا اصول: قرآن وحدیث میں بظاہر کبھی تعارض ہو جاتا ہے استاذ کی ضرورت پڑتی ہے جو لوگ بغیر استاذ خود مطالعہ کرلیتے ہیں انہوں نے خود معارضات ڈالے ہیں اور گمراہ ہوئے ہیں۔

من حوسب عذب: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کا حساب ہو گیا وہ عذاب الٰہی کا شکار ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ کا اس پر اشکال ہے کہ قرآن کریم میں تو حساب یسیر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حساب دینے والا معذب نہیں ہوگا۔ ایک حساب ایسا بھی ہے جو یسیر ہو گا بظاہر قرآن کی آیت اور حدیث میں تعارض ہے۔

جواب: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انما ذلک العرض۔ حساب یسیر سے تو مراد "عرضِ محض" ہے اور عرض تفصیل کو نہیں چاہتا۔ اس میں اجمال ہوتا ہے اور حدیث میں تفصیلی حساب مراد ہے۔

دلیل: ملائکہ کو جب علم دیا گیا تو فرمایا: عرضھم علی الملائکۃ۔ چونکہ علم اجمالی دیا گیا تھا ــــ اور جب آدمؑ کو دیا گیا تو فرمایا: وعلم آدم الاسماء کلھا۔ اسی طرح پیر اور جمعرات کو آپ ﷺ کی خدمت میں جو اعمال پیش کیے جاتے ہیں اس میں لفظ تُعرض ہے۔ اس سے تفصیلی احوال کا پیش کیا جانا لازم نہیں آتا۔

نوقش: یہ مناقشہ سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ اخراج الشیء بالمناقش ہے۔ مناقش بمعنیٰ "موچنا" ہے مو بمعنیٰ بال اور چنا بمعنیٰ چننے والا ہے تو مناقشہ کہتے ہیں باریک باتوں کو نکالنا اور ذرا سی بات کو پکڑنا۔

نتائج حدیث: دانشمندی حضرت سیدہ عائشہؓ تفہیمِ معانی حدیث اور تعلم وتحقیق پر حرص، استفسار پر آپ ﷺ ناگواری محسوس نہ کرنا۔ وفیہ جواز المناظرۃ ومقابلۃ السنۃ والکتاب ــــ (فضل الباری 120/2)

37 باب لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

جو شخص حاضر ہے وہ علم کی بات غائب تک پہنچادے

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے کہی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدٌ هُوَ ابْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ مَا قَالَ عَمْرٌو قَالَ أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ.

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ ذُكِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ وَكَانَ مُحَمَّدٌ يَقُولُ صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ ذَلِكَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابو شریح نے عمرو بن سعید سے کہا جب وہ مکہ کی طرف فوج بھیج رہے تھے اے امیر! مجھ کو اجازت دو میں آپ کو ایک حدیث سناؤں جو رسول اللہ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمائی، میرے کانوں نے اس کو سنا میرے دل نے اسے محفوظ رکھا اور میں اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جب آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

آپ نے اللہ کی تعریف کی اور خوبی بیان کی پھر فرمایا اللہ نے مکہ کو حرام کیا ہے لوگوں نے حرام نہیں کیا۔ حلال نہیں ہے کسی شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے کہ اس میں خون ریزی کرے اور اس کے درختوں کو کاٹے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے رسول کے قتال کی وجہ سے دلیل پکڑے تو تم کہو کہ اللہ نے تو اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی۔ اور مجھ کو صرف دن کی ایک گھڑی کے لئے اجازت دی تھی۔ اس کی حرمت آج پھر ویسے ہی لوٹ آئی ہے جیسے کل تھی۔ اور جو حاضر ہے وہ یہ بات غائب تک پہنچادے۔

لوگوں نے ابو شریح رضی اللہ عنہ سے کہا عمرو نے اس کا کیا جواب دیا؟ ابو شریح نے کہا کہ انہوں نے کہا اے ابو شریح میں تجھ سے

زیادہ علم رکھتا ہوں مکہ گناہ گاروں کو خون اور چوری کر کے بھاگنے والوں کو پناہ نہیں دیتا۔

حضرت ابوبکرہؓ نے ذکر کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور محمد (بن سیرین) نے کہا میں سمجھتا ہوں یہ بھی کہا اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے اس دن (یوم النحر) کی حرمت اس مہینہ میں۔ سن لو! جو شخص حاضر ہے تم میں سے وہ غائب تک پہنچادے۔ اور محمد (بن سیرین) نے کہا رسول اللہ کا یہ فرمان سچ ہوا (حاضرین نے غائبین تک یہ حدیث پہنچادی) اور آپ نے فرمایا سنو! کیا میں نے تم تک پہنچا دیا ہے؟ دوبار فرمایا۔

تعارف رواۃ

حضرت ابوشریح خزاعی جلیل القدر صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے۔ واقدی کہتے ہیں آپ عقلاء مدینہ میں سے تھے (نصر الباری 465/1) آپ سے تقریباً بیس احادیث مروی ہیں دو متفق علیہ ایک میں امام بخاری متفرد ہیں۔ (کشف 117/4)

ربط: باب سابق میں یہ بتایا کہ دین کی بات کوشش کر کے سمجھنا چاہیے اور اس مقصد کیلئے بار بار سوال کرنے کی بھی اجازت دی تھی۔ اب اس باب میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ علم کو غائبین تک پہنچاؤ۔ اس سے بھی دین کی حفاظت ہوتی ہے۔

غرض ترجمہ: مقصد یہ بتانا ہے کہ اہل علم پر حصول علم کے ساتھ ساتھ علم کی اشاعت اور تبلیغ بھی لازم ہے۔

چنانچہ اس انتظار میں نہ رہے کہ میرے سے اگر کوئی خود پوچھے تو پھر دین کی بات بتلاؤں ــــ بلکہ ایک مسلسل عمل کے طور پر تبلیغ دین جاری رکھے۔

کوئی متعلم یا سائل دین کی بات سمجھ لے تو تبلیغ و نشر اسپر واجب ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: شاہد اگر بات نہ سمجھ سکے تو کالغائب ہے اس کو مراجعت کا حکم ہے اگر بالکل ہی موجود نہ ہو تو اس تک دین پہنچانا تو موجود دین کیلئے ضروری ہے ــــ تبلیغ دین کو سوال یا ضرورت کے اوقات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ یہ فریضہ دائمی ہے۔ (فضل الباری 121/2 ج ا)

نیز تبلیغ آیت قرآنی کے ساتھ خاص نہیں مطلقاً تبلیغ علم مقصود ہے۔ جو سوال کے انتظار کئے بغیر ہونی چاہیے جیسا کہ حضرت ابوشریح خزاعی عدوی کا طرز عمل ہے۔ عمرو بن سعید کیلئے اس کے سوال وطلب کے بغیر از خود مسئلہ بتایا۔

تشریح حدیث

ان مکة حرمها الله۔ حقیقی حرمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور مجازی حضرت ابراہیمؑ کی طرف ہے نیز ابراہیمؑ کی تحریم حصول معیشت کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی تحریم سفک دماء کی ممانعت کے قبیل سے ہے۔ (دلیل القاری 415)

وہ نباتات جس میں انسانی محنت کو دخل ہے ان کا کاٹنا جائز ہے ــــ خودرو نباتات کے بحالت صحیحہ اذخر کے علاوہ کاٹنے پر جزاء واجب ہوگی ــــ الا یہ کہ جھاڑ جھنکار ہو جائیں۔ (کشف 132/4)

قال ابن عباس ﷺ: هذا التعليق و لكنه اسنده في كتاب الحج في باب الخطبة ايام المنى عن على بن يحى الخ

قال لعمرو بن سعید:

عمرو بن سعید کے دو لقب تھے ایک اشدق (منہ پھٹ) دوسرا لطیم الشیطان (شیطان کا تھپڑ رسیدہ) ان لقبوں سے اس کی حیثیت کا اندازہ ہوسکتا ہے بعد میں اسی حکومت نے اس کو قتل کیا جس کا وہ آلۂ کار تھا۔ (تحفہ 398/1)

طرزِ استدلال: حضرت ابو شریحؓ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا مگر عمرو بن سعید نے خاص سمجھا کہ مجرم اور عاصی کو حرم میں پناہ نہیں۔ اسی تناظر میں علامہ طیبیؒ کے نزدیک عمرو بن سعید کا کلام "قول بالموجب" کے قبیل سے ہے کہ حرم کو عدم پناہ سے متعلق حدیث مجھے تسلیم ہے لیکن میری بات خلافِ حدیث نہیں۔ حدیث کا تعلق مکہ پر عنوۃً فتح کی نیت سے چڑھائی کرنے سے ہے جبکہ میری لشکر کشی باغی اور خطا کار کے خلاف ہے۔

ظاہر ہے یہ تاویلات باطلہ ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نہ باغی نہ عاصی نہ قاتل ـــــ نیز یزید اور عبدالملک کے مقابلہ میں خلافت کے حقدار تھے اور صحابیٔ رسولؐ ہیں۔ (کشف 137/4)

فائدہ: اس قصہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام بخاریؒ عمرو بن سعید کی توثیق کر رہے ہیں ـــــ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: لیس بصحابی و لا من التابعین باحسان ـــــ قرآن کریم میں جن تابعین کی مدح و الذین اتبعوھم باحسان کے ساتھ آئی۔ اس کو بہر حال یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔ جیسا کہ یزید تابعی ہے لیکن تابعی باحسان نہیں ہے بلکہ عند الجمہور فاسق و فاجر ہے۔

حدیث الباب کا پس منظر

حضرت معاویہؓ نے ۱۵ رجب ۶۰ ھ میں اپنی وفات سے قبل اہل حل وعقد کے کہنے پر یزید کی نامزدگی کر کے بیعت لی تھی آپ کے وصی دو تھے۔ ا:ضحاک بن قیس۔ ۲:مسلمہ بن عقبہ ـــــ یزید شکار پر تھا اس کو اپنے جلیل القدر والد کا جنازہ تک نصیب نہ ہوسکا ـــــ فرمایا: یزید کو میرا اسلام اور یہ پیغام دینا کہ اہل حجاز و شام کا خیال رکھے۔ ابن عمرؓ سے کوئی خوف نہیں البتہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کی اہمیت نظر انداز نہ ہو۔

یزید نے پیغام سنتے ہی والی مدینہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا ـــــ اس نے دونوں کو بلایا حضرت ابن زبیرؓ تو ٹال گئے البتہ حضرت حسینؓ مع حشم وخدم آئے مگر خدام کو باہر بٹھا دیا فرمایا: خطرہ ہو تو اندر آجانا۔ اکیلے ملاقات کی۔ بیعت کے تقاضے پر فرمایا: مجمع عام میں ہوگی۔ مروان نے کہا: جو بھی ہو ابھی ہو ـــــ "بیعت یا قتل" ـــــ لیکن حضرت حسینؓ واپس گھر آگئے ولید نے حضرت حسینؓ کے خون کے جوابدہی کے احساس سے انتہائی اقدام سے گریز کیا ـــــ ادھر ابن زبیرؓ حالات پر نگاہ رکھے ہوئے تھے چپکے سے مکہ مکرمہ چلے گئے اور حضرت حسینؓ بھی ـــــ

یزید نے سیخ پا ہو کر ولید کو معزول کر کے عمرو بن سعید کو گورنر مدینہ بنا دیا (اس نے ذی قعدہ ۶۰ ھ میں فرائض امارت سنبھالے) حضرت حسینؓ اہل کوفہ کے خطوط پر حضرت ابن عباسؓ کے منع کرنے کے باوجود کوفہ تشریف لے گئے ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ھ کو

سانحۂ کربلا پیش آ گیا۔اس پس منظر میں حضرت ابن زبیرؓ نے شاہوں کے اس ظلم وستم پر اہل مکہ سے بیعت لینا شروع کردی ـــــ

عمرو بن سعید نے خلافتِ ابن زبیر کو چیلنج کیا اور مقابلے کیلئے لشکر تیار کیا مگر مروان نے منع کیا اور وہ رک گیا ـــــ مگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے باپ شریک بھائی عمرو بن زبیر جو مدینہ پولیس کا سربراہ تھا ـــــ اپنی ذاتی پرخاش کی بنا پر کہنے لگا:

ہم جوف کعبہ میں بھی لڑنے سے گریز نہیں کریں گے۔اس لشکر کشی کے موقع پر حضرت ابوشریح خزاعیؓ نے حدیث الباب سنائی مگر یزید کے تاکیدی حکم کی وجہ سے یہ اقدام ناگزیر ہو گیا تھا۔

ـــــ اولاً حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن صفوان کی سرکردگی میں مقابلہ کرا دیا نتیجۃً عمرو بن زبیر شکست کھا کر گرفتار ہو کر کوڑے کھاتے ہوئے خود بھی اور بیٹا بھی جاں بحق ہو گیا۔

اسی ۶۱ ھ میں یزید نے عمرو بن سعید کو معزول کر کے دوبارہ ولید بن عقبہ کو گورنر نامزد کر دیا مگر وہ مکہ کے حالات پر قابو نہ پاسکا ـــــ عین اس دوران حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کو لکھا ولید نااندیش احمق ہے۔اس کی جگہ کوئی نرم اخلاق ہو تو بہت سی مشکلات ختم ہو سکتی ہیں ـــــ یزید نے اس کو معزول کر کے ناتجربہ کار نوجوان عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو گورنر بنا دیا اس نے اشراف مدینہ کا ایک وفد شام بھیجا جس نے واپس آ کر بیچ چوراہے بھانڈا پھوڑ دیا کہ یزید شرابی کبابی اور تارک صلوٰۃ ہے ـــــ لوگوں نے فسخ بیعت کر کے شام سے تعلق توڑ لیا عثمان بن محمد کو نکال کر عبداللہ بن حنظلہؓ (غسیل ملائکہ) کے ہاتھ پر بیعت جدید کرلی جو ۶۲ ھ میں ہوگئی۔

یزید نے نئے حالات کی روشنی میں مسلم بن عقبہ کے ذریعہ مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کا ارادہ کیا اس کی بیماری اور بڑی عمر کے باعث یہ بھی حکم جاری کر دیا کہ اسکی حادثاتی موت پر حصین بن نمیر کو امیر بنایا جائے اور یہ کہ

اہل مدینہ کو تین روزہ مہلت کے بعد ان کے خون کو مباح سمجھا جائے ـــــ اہل مدینہ نے استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا، مگر "بنو حارثہ" نے اہل شام کو مدینہ میں داخل ہونے کا موقع دیدیا ـــــ شامیوں نے سات سو کے قریب مہاجرین وانصار اور دس ہزار موالی تہہ تیغ کر دیے اور ایک ہزار باکرہ عورتیں حاملہ کر دیں۔

ازاں بعد اہل مدینہ نے بصد جبر واکراہ خواہی نخواہی بیعت کرلی۔یہ ۶۳ ھ کا واقعہ ہے۔

مسلم بن عقبہ کو مکہ مکرمہ کے راستہ میں موت نے گھیر لیا ـــــ اس نے فوج کی کمان حصین بن نمیر کو سونپ دی حصین ۶۴ ھ میں محرم کے آخر میں مکہ مکرمہ پہنچا۔محاصرہ ومقابلہ ہوا ـــــ لیکن اسی ربیع الاول میں ہی یزید راہی عدم ہوا۔حضرت ابن زبیرؓ کو خبر پہنچی تو ان شامیوں کو بتایا جس نے تمہیں بھیجا وہ مر گیا ـــــ خبر پر یقین کے بعد یہ لشکر بھی نامراد، ربیع الثانی میں واپس ہو گیا ـــــ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا جیسا کہ شام میں معاویہ بن یزید کی بیعت ہوگئی مگر وہ چند ماہ میں مر گیا اس کے بعد مروان بن حکم خلیفۃ بنا ـــــ ازاں بعد عبدالملک خلیفۃ بنا اس نے آہستہ آہستہ دار الاسلام کے تمام علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد ۷۳ ھ میں اپنے سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل (شہید) کرایا [کشف 122-118]

فائدہ: تاریخی تسلسل کی وجہ سے یہ تمام کڑیاں ملائی گئیں ____ ورنہ اصل ربط صرف عمرو بن سعید کے مکہ مکرمہ لشکر بھیجنے پر حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی نصیحت ہے ____

حدیث پاک میں اگرچہ صراحۃً سفک دماء کی خبر نہیں دی گئی مگر آپ ﷺ تاکیدات وقوع کے اندیشے کا اظہار ہے جو ہو کر ہی رہا۔ (کشف 144/4)

سمعتہ اذنای: تثبیت مقصود ہے ورنہ ہر کوئی کانوں سے ہی سنتا ہے۔

ساعۃ من نھار: ساعت سے مراد وقت قلیل ہے۔ اور من نھار اس کا بیان ہے۔ صبح سے لیکر عصر تک تقریباً ایک دن ہی ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر سے لیکر عصر تک اجازت تھی۔

انا اعلم منک: اس نے متکبرانہ طریق اختیار کیا ____ اسی وجہ سے فرماتے ہیں یخاف علیہ الکفر ____ کیونکہ حدیث کا معارضہ کیا۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں اور عمرو بن سعید گورنر یزید ہے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کا ارادہ کرلیا ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو باغی سمجھ رہا ہے ان کبائر کے باوجود دعوت دین کے آداب کو ملحوظ رکھ کر خطاب کیا: اءذن لی ایھا الامیر!

کوئی دوسرا ہوتا تو حق گوئی کے جوش میں دو چار گالیاں سنا تا لیکن طرزِ عمل میں اس کے منصب اور عزت ملحوظ رکھ کر اور دل شکنی بھی نہ ہو ایسا اسلوب اختیار کیا۔ (انعام الباری 149/2)

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ ترک کر کے حرم مکہ میں پناہ لی۔ ان کا لقب "عائذ البیت" ہے یزید کے طیش پر حاکم مکہ یحیٰ بن حکیم نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت لیکر اسے مطلع کر دیا انکار بیعت نہ تھا۔ مگر متکبر یزید کو ضد تھی کہ انکو ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ پیش کیا جائے اس پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں حرم میں پناہ گزیں ہوں میری گرفتاری کیسی؟ (نصر الباری 467/1)

مسئلہ قصاص فی الحرم

لا تُعیذ عاصیاً:

امام صاحب اور جمہور کا اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں

(۱) اگر کوئی شخص جنایت کر کے حرم میں پناہ لے لے تو حرم میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا ____ بلکہ باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ حتی کہ اس کا کھانا بند کر دیا جائے گا ____

لیکن (۲) اگر وہ اتنی طاقت پکڑ جائے کہ مجبور کرنے سے بھی باہر نہ نکلے تو پھر حرم میں ہی قصاص لیا جائے گا ____

(۳) اور اگر قتل حرم میں ہی کیا ہے تو پھر حرم میں قصاص لیا جا سکتا ہے۔

(۴) اور اگر اطراف بدن یعنی ہاتھ، کان، ناک وغیرہ ان میں جنایت کر کے حرم میں داخل ہو جائے تو بھی حرم میں قصاص لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مالی جنایت کے حکم میں ہے۔

مذہب جمہور: امام صاحبؒ کا جمہور کے ساتھ اختلاف صرف پہلی صورت میں ہے کہ حرم سے باہر جنایت کرکے حرم میں پناہ لے ــــــ جمہور مطلقاً حرم میں قصاص کے قائل ہیں۔

دلیل جمہور: عمرو بن سعید کا قول ہے: ان مکۃ لاتعیذ عاصیاً و لا فاراً ابدم۔

احناف کی طرف سے جواب: یہ ہے کہ عمرو بن سعید خود عاصی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ ہرگز عاصی نہیں ہو سکتے ــــــ نیز یہ حدیث نہیں عمرو بن سعید کا قول ہے جو صحابی بھی نہیں اور تابعی بصفتِ احسان بھی نہیں۔ بخاری شریف میں ضمناً اس کا ذکر ہے بطور راوی حدیث نہیں۔ (نصر الباری 468/1)

امام اعظمؒ کی دلیل: ایک تو حضرت ابوشریح صحابیؓ کی حدیث۔ کیونکہ حضرت ابوشریح اس کو ناجائز سمجھ کر منع کررہے ہیں۔

دوسری دلیل: ومن دخلہ کان امنا۔

من دخلہ کان امناً اگرچہ یہ خبر ہے مگر مراد امر ہے۔

داخل فی الحرم مامون ہے مگر آیت کے عموم سے بالاجماع دو شخص مخصوص ہیں۔ (۱) مالی جرم کرنے والا (۲) مادون النفس جنایت کرنے والا ــــــ اب اگر خارج حرم کے قاتل عمد کی بھی تخصیص کی جائے تو آیت کا مصداق باقی نہ رہے گا۔ احناف کے نزدیک جس نص کا ایک فرد باقی رہ جائے تو تخصیص جائز نہیں نیز ارشاد مبارک ہے: لایحل لامرأیؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسفک بہا دماً ــــــ اس لئے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا البتہ اسکا "حقہ پانی بند کردیا جائے" ــــــ تاہم ائمہ ثلاثہؒ نے عمرو بن سعید کے قول: ولا فاراً بدم سے استدلال کیا ہے۔

ع　　　ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجا

(تحفۃ القاری 394/1)

اہل حل کو جس طرح ارتکابِ جرائم سے روکنے کی ضرورت ہے اسی طرح اہل حرم کو بھی ہے ان پر نفاذِ حدود نہ ہوں تو حقوق اللہ معطل ہوجائیں گے۔ حرم میں ارتکابِ جنایت سے انتہاکِ حرم ہوا لہٰذا حرم کے ذمہ صیانت نہیں ــــــ اگر بیرونِ حرم قتل کیا جائے تو حرم اس کے لئے عائذ ہوگا۔ مادون النفس اور اطراف کا معاملہ اموال کی طرح ہے اس کا تصفیہ حرم میں ہوسکتا ہے۔ (کشف 131/4)

ولا فاراً بخربتہ: (۱) خربتہ بفتح الخاء چوری، (۲) بضم الخاء فساد۔ (درس شامزئی 286)

حدثنا عبداللہ عن محمد بن ابی بکرہؓ:

یہاں بظاہر انقطاع معلوم ہوتا ہے ــــــ کیونکہ محمد بن سیرین کا سماع حضرت ابوبکرہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ لیکن انقطاع نہیں ہے۔ اصل میں تقدیر عبارت اس طرح ہے: عن محمد عن ابن ابی بکرہ عن ابی بکرہؓ یہ عبارت چھوٹ گئی۔ اصل سندوں میں اتصال ہے۔ چنانچہ بعض نسخوں میں بلا انقطاع ذکر ہے۔

طوفانِ نوح کے بعد حدود حرم علامتیں زائل ہونے کی وجہ سے مخفی ہوگئیں حضرت ابراہیمؑ نے بحکمِ الٰہی تجدید تحدید فرمائی کہ یہ

حصہ حرم ہے۔ گویا اعلان ان کی طرف سے ہے حقیقی حرمت مکہ منجانب اللہ ہے اسے کوئی ختم نہیں کرسکتا۔ (نصر الباری 467/1)

فکان محمد یقول: صدق رسول اللہ کان کذالک:

یہ جملہ معترضہ ہے۔ امام محمد بن سیرینؒ حدیث کے درمیان یہ فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ ایسے ہی ہوگیا کہ شاہد نے غائب تک پہنچادیا ـــــ اپنی طرف اشارہ فرمارہے تھے کہ میں شاہد ہوں میں نے غائب تک پہنچادیا۔

ھل بلغت:

یہ ہل استفہامیہ ہے۔ یا قد کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی تحقیق میں نے پہنچادیا۔ لیبلغ الشاھد الغائب میں ہر فرد صحابی کو غائب تک تبلیغ کا حکم ہے، جو خبر واحد کی حجیت پر دال ہے ورنہ حکم دینا صحیح نہیں۔ (کشف 141/4)

38 بَاب إِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور ﷺ پر جھوٹ بولنے والے کا گناہ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ قَالَ سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجْ النَّارَ.

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أُفَارِقْهُ وَلَكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ أَنَسٌ إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ مت بولو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ آگ میں داخل ہوگا۔

عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد زبیرؓ سے کہا میں آپ کو رسول اللہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنتا جیسا کہ فلاں اور فلاں بیان کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں نے آپ ﷺ سے جدائی اختیار نہیں کی لیکن وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کثرت سے حدیث بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے جس نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی پس چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت ابوہریرہؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے نام کے ساتھ نام رکھو اور میری کنیت کے ساتھ کنیت نہ رکھو۔ اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا پس چاہئے کہ وہ جہنم میں ٹھکانہ بنالے۔

ربط: ابواب سابقہ میں تبلیغ کی تلقین کا ذکر تھا۔ اس باب میں اس پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ تبلیغ کرتے ہوئے اس بات کا خاص طور پر خیال ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب نہ ہو۔ خواہ ترغیب وترہیب میں ہی کیوں نہ ہو ــــــ ورنہ اس طرح دین بے سند ہو کر رہ جائے گا۔

غرضِ بخاریؒ: علمِ صحیح کی ترغیب کیلئے یہ باب قائم فرمایا۔ گویا تعلیمِ صحیح دینا چاہیے اس میں کذب نہیں شامل کرنا چاہیے۔

حضرت انسؓ مکثرین فی الحدیث ہیں 226 روایات مروی ہیں جبکہ وہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں: میں زیادہ احادیث بیان نہیں کرتا ــــــ (۱) ابتدائی زمانہ میں کم روایت فرماتے تھے۔ طول عمر ہونے کی وجہ سے امت کیلئے ضرورت ہوگئی تو کتمانِ علم نہیں فرمایا۔ (۲) ذخیرۂ احادیث ہونے کے باوجود کم ہی روایت کی ہیں۔ (کشف 180/4)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اہل سنت کے ہاں ہر خلاف واقعہ بات کو "کذب" کہتے ہیں تعمد شرط نہیں ــــــ البتہ مواخذہ صرف تعمد پر ہوگا ــــــ (درس شامزئی 287)

تشریحِ حدیث

حکم کذب علی النبی ﷺ

(۱) ابن المنیر اور ابو محمد الجوینی ــــــ ان حضرات کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفر ہے۔

(۲) جمہور فقہاء کے نزدیک کذب علی النبی ﷺ اشد الکبائر میں سے ہے۔ کفر بہر حال نہیں ــــــ یہی مسلک امام بخاریؒ کا ہے۔ کیونکہ ترجمہ میں اثم کا لفظ ہے۔

بعض جاہل صوفیا اس کے قائل ہیں کہ ترغیب وترہیب کیلئے وضع احادیث بھی صحیح ہے ـــــ کیونکہ یہ کذب علی النبی ﷺ نہیں ہے یہ کذب للنبی ﷺ ہے ـــــ تاہم حضرات محققین صوفیا کرام اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ کذب للنبی ﷺ بھی کذب علی النبی ﷺ ہے۔ کیونکہ اس میں نسبتِ کذب آپ ﷺ طرف ہے۔ جو کسی حال میں درست نہیں ہے۔

علامہ عینیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ حدیث کی عبارت میں اعراب کی غلطی بھی اس میں شامل ہے۔ کیونکہ اس اعراب کے ساتھ بہرحال آپ ﷺ نے نہیں فرمایا۔ اگرچہ اس کا گناہ وضعِ حدیث سے کم ہے۔ مگر نسبت اس اعراب کے ساتھ نہ تھی۔

فائدہ ۱: احادیث بیان کرنے میں سب سے پہلا درجہ حضرات محدثین کرام کا ہے۔ (۲) دوسرا درجہ فقہاء کرام کا ہے۔ (۳) تیسرا درجہ اہلِ لغت کا ہے۔ جن کو غریب الحدیث سے لگاؤ رہا ہے۔ جیسے امام ابوعبیدؒ مگر ان کو بے کھٹکے آگے بیان نہیں کرسکتے۔ (۴) چوتھے نمبر پر جاکر صوفیا کا درجہ ہے ـــــ کیونکہ ان پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے۔

فائدہ ۲: حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث تیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ بعض نے پچاس کا قول کیا ہے۔ بہرحال یہ روایات متواترہ میں سے ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا: یہ حدیث بیس صحابہ کرام عند البعض پچاس اور عند البعض ستر سے مروی ہے اور متواتر ہے۔

(دلیل القاری 419، تحفۃ القاری 401/1)

کما یحدث فلان و فلان

ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فلان کا مصداق عبداللہ بن مسعودؓ ہیں دوسرے کا علم نہیں۔ شاید حضرت ابوہریرہؓ ہوں۔ (نصر الباری 473/1)

حضرات صحابہؓ تکثیر روایت سے محتاط تھے نہ کہ نفسِ حدیث کی روایت سے۔ اس لئے کہ وہ تبلیغِ حدیث پر مامور بھی تھے۔ (فضل الباری 126/2)

روایت بالمعنیٰ میں صرف مفہوم بعینہ کی نسبت آپ ﷺ طرف ہے الفاظ کی نہیں ـــــ لیکن روایت باللفظ نقل کرنا ان کے ہاں بھی اولیٰ ہے۔ روایت بالمعنیٰ کے الفاظ کی نسبت آپ ﷺ طرف ہو تو وعید کا مصداق ہوگا۔ (فضل الباری 127/2)

من یقل: اگرچہ قول کا ذکر ہے فعل کا ذکر نہیں ـــــ لیکن فعل بھی قول میں داخل ہے کیونکہ ممانعت کی علت میں دونوں شریک ہیں۔ (کشف 187/4)

فلیلج النار: یہ صیغۂ امر بمعنیٰ خبر کے ہے۔

فلیتبوأ مقعدہ من النار کے معانی:

۱: امر بمعنیٰ خبر جہنم ٹھکانہ ہوگا۔

۲: تہدید: بیانِ سزا مقصود ہے۔
۳: بالقصد ارتکابِ کذب سے بالقصد جہنم تلاش کرے۔
۴: بددعاء نبوی ﷺ پہنچے گی۔ (کشف 178/4)
حضرات صحابہ کرامؓ پر اس وعید کا یہ اثر تھا کہ نقل روایت کے بعد آخر میں مثلہ او قریباً منہ کہہ دیتے تھے۔ (ہمارے ہاں او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام متداول ہے۔) [فضل الباری 128/2]

تعارفِ رواۃ

حدثنا المکی بن ابراھیم:

یہ حدیث امام بخاریؒ کی ثلاثیات میں سے ہے۔ صحیح بخاری میں ۲۲ روایات ثلاثی ہیں۔ جس میں سے ۲۰ راویان حنفی ہیں۔ حضرت مکی مذکور سے گیارہ روایات ثلاثی ہیں ___ اس سے امام اعظمؒ کی فقہ کا علو مرتبت ہونا ظاہر ہو گیا ہے کیونکہ امام اعظمؒ کی احادیث تو ثنائیات ہیں۔ امام صاحبؒ روایۃ ورؤیۃ تابعی ہیں۔

22 ثلاثیاتِ بخاری میں سے 20 کے مشائخ حنفی ہیں گویا صحیح بخاری شریف کی سند میں علوِ شان امام اعظمؒ کے شاگردوں کے شاگردوں سے پیدا ہوئی تعجب بالائے تعجب ہے کہ اساتذہ بخاری تو امام اعظمؒ تسلیم کریں دوسرے نہ مانیں۔ (نصر الباری 474/1)

حضرت ابو سلمہ، سلمہ بن اکوعؓ نے بھیڑیے کا تعاقب کر کے اس سے ہرن چھڑا لیا اس نے کہا یہ تیرا نہیں تھا تو نے مجھ سے چھین لیا میں نے حسرت سے کہا: لوگو! عجیب بات ہے کہ بھیڑیا بول رہا ہے ___ اس پر وہ بولا: اس سے زیادہ تعجب کی بات ہے کہ کھجوروں کے باغات والے شہر میں رسول اللہ تمہیں اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور تم بتوں کی عبادت پر مصر ہو۔ میں حاضرِ خدمت ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔ ۷۴ھ اسی (80) برس میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔

تشریحِ حدیث

حدثنا موسیٰ قال حدثنا ابو عوانہ الخ:

تسموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی:

کنیت اب اور ابن کی طرف نسبت کر کے ہوتی ہے۔

شانِ ورودِ حدیث

آپ ﷺ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ کسی نے کہا: یا ابا القاسم! آپ ﷺ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس نے کہا میں نے آپ کو نہیں بلایا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تکتنوا بکنیتی۔

مسئلہ: عند البعض آپ ﷺ کے نام پر نام اور کنیت پر کنیت رکھنا مطلقاً منع ہے ــــــ عند البعض آپ ﷺ کے دور میں بوجہ اختلاط منع تھا۔ اکثر محدثین و محققین کا مذہب یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے محدثین اور صحابہؓ کی اولاد کے نام محمد تھے۔

بعض حضرات فرشتوں کے ناموں کے ساتھ نام رکھنے سے منع کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی منع فرماتے تھے۔ یہ ادب کے درجہ میں ہے نہ کہ مسئلہ کے درجہ میں۔ اس پر اجماع ہے کہ انبیاءؑ کے نام پر نام رکھنا جائز ہے۔ البتہ بے حرمتی اور بے ادبی سے بچے۔

ابوالقاسم کنیت کی ممانعت لغیرہ ہے اور جہاں لغیرہ ممانعت ہوتی ہے فی نفسہ جواز ہوتا ہے اس لئے ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔ (تحفۃ القاری 402/1)

من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی:

یہ جملہ درمیان میں آپ ﷺ بطور تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جھوٹا خواب بھی آپ ﷺ کے بارے میں بیان نہ کیا جائے۔ نیز اگر واقعی کسی نے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا۔

خواب کی حقیقت یہ ہے کہ نفسِ انسانی جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس کی قوتِ خیالیہ کی راہ سے اس کو کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اسی کا نام خواب ہے۔ (کشف 195/4)

اقسامِ خواب: ۱: حالتِ بیداری کے دیکھے ہوئے احوال نیند میں متشکل ہوجائیں۔ ۲: یا شیطانی تصرف سے کچھ نظر آئے۔ خواب کی یہ دونوں اقسام غیر معتبر ہیں۔ پہلی حدیث النفس دوسری تسویلِ شیطانی کہلاتی ہے۔ تیسری قسم الہام ربانی ہے جو بندہ کی تنبیہ یا تبشیر کیلئے ہوتی ہے۔ (کشف 194/4)

فائدہ: آپ ﷺ صرف رشد و ہدایت کے مظہر ہیں اور شیطان صرف صفتِ ضلال کا اس لئے شیطان آپ ﷺ کی صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا۔ (نصر الباری 479)

سوال: حدیث کے جملہ میں شرط و جزا متحد ہیں حالانکہ ان میں تغایر ہوتا ہے۔

جواب: اس جملہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں: ایک حدیث الباب۔ دوسری فسیرانی فی الیقظۃ۔ اور ایک روایت میں ہے: فکانما رانی فی الیقظۃ۔ اور ایک روایت میں: من رانی فقد رانی الحق ــــــ اعتراض صرف روایت الباب پر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جزا رؤیتِ صادقہ یا رؤیتِ حقہ سے کنایہ ہے۔ جبکہ شرط میں رؤیت مطلقہ ہے تو مغایرت بھی پائی گئی۔ فلا اشکال

من رانی فی المنام۔ اس جملہ میں چند ابحاث ہیں:-

۱... اس جملہ کے معنیٰ ثابت کرنے کیلئے تین تقریریں ہیں:- (۱) رؤیت سے مراد رؤیتِ مستقبلہ ہے۔ یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے آخرت میں دیکھ لے گا۔ اس پر سوال ہے کہ اس میں خواب دیکھنے والے کی کیا خصوصیت ہے آخرت میں تو سب کو ہی آپ ﷺ کی رؤیت ہوجائے گی۔

جواب: رؤیت خصوصی اور محبت خصوصی مراد ہے۔

(۲) رؤیت مستقبلہ فی الدنیا مراد ہے ۔۔۔ اس صورت میں یہ رؤیت آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص ہوگی۔ مطلب یہ کہ جو خواب میں مجھے دیکھ لے وہ فی الیقظہ بھی دیکھ لے گا ۔۔۔ یعنی ایمان لے آئے گا۔ زیارت وصحبت نصیب ہوگی۔

(۳) یعنی اس کا خواب سچا ہے کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ یہ کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۲...دوسری بحث: جس نے آپ ﷺ خواب میں دیکھا یہ رؤیت صادقہ تو ہے لیکن یہ رؤیت کیسی ہے ۔۔۔؟ اس کے بارے میں تین اقوال ہیں: (۱) عند البعض یہ رؤیت عینی ہے پردے چھٹ جاتے ہیں۔ (۲) بعض رؤیت مثالی کے قائل ہیں اور عند البعض رؤیت خیالی میں آپ ﷺ کے خیال میں متصور ہو کر تشریف لاتے ہیں۔ (۳) حضرات محدثین کرام نے اس میں بحث کی ہے کہ جس طرح آپ ﷺ دنیا میں تھے اسی حلیہ مبارکہ میں دیکھا تو رؤیت صادقہ ہے یا جس طرح بھی مطلقاً دیکھا رؤیت صادقہ ہے ۔۔۔ بعض حضرات پہلی صورت کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور محمد ابن سیرینؒ: ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو بتلایا جاتا کہ آپ ﷺ خواب میں زیارت ہوئی ہے تو وہ حلیہ کے بارے میں دریافت کرتے۔ اگر مطابق بتاتے تو فرماتے رؤیت حقہ ہے ورنہ نہیں۔

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شاہ رفیع الدینؒ حضرت محمد بن سیرینؒ کے موافق تھے ۔۔۔ لیکن شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ کسی بھی حالت میں رؤیت ہو تو وہ زیارت مبارکہ ہی ہے۔ چاہے حلیہ کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ دل میں یہی ہو کہ حضور ﷺ کی زیارت ہو رہی ہے یہی جمہور علماء دیوبند کا مسلک ہے ۔۔۔ البتہ اگر حالت منکرہ میں دیکھا تو اس میں رائی کی رؤیت کی کمزوری یا اس رائی کی غلطی کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: مولانا عبدالحئیؒ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ کوٹ پتلون میں ملبوس ہیں۔ تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: اس میں تمہاری ذات کا مسئلہ نہیں بلکہ تعبیر یہ ہے کہ آج کل دین پر نصاریٰ کا غلبہ ہے۔ دین کی مغلوبیت کی طرف اشارہ ہے۔

تیسری بحث: اگر آپ ﷺ خواب میں دیکھے اور آپ ﷺ سے کچھ ارشاد فرمائیں وہ حجت ہے یا نہیں ۔۔۔؟

جواب: جو ارشاد فرمایا گر وہ شرع کے مطابق ہے تو حجت ہے اور یہ تائید مزید ہے اور اگر کوئی تطبیق ممکن نہ ہو تو خلاف شرع حجت نہیں۔

اس کی عدم حجیت کی چند وجوہ ہیں:-

(۱) محدثین فرماتے ہیں: مغفل کی روایت معتبر نہیں۔ تو نائم کی کیسے معتبر ہوگی۔

(۲) اس کی ممانعت تو ہے کہ شیطان تمثل نبوی کی قدرت نہیں رکھتا مگر اس کی تو کوئی ممانعت نہیں کہ ابلیس تلبیس نہیں کرسکتا۔

(۳) نیز بیداری کی رؤیت رؤیت قویہ ہے دیکھنے والا صحابی ہوتا ہے نیند کی رؤیت اس درجہ کی نہیں ہے تو روایت کا بھی وہ درجہ نہیں ہوگا۔ جو حالت بیداری کا ہے۔

(۴) آپ ﷺ کی رؤیت فی المنام ایک بشارۃ رحمانی ضرور ہے تاہم بیان شریعت کا مقام تو نہیں ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اگر حدیث شدید ضعیف ہو فضائل اعمال میں بھی مقبول نہیں، اگر معمولی ضعیف ہو تو پھر اگر کوئی حکم پہلے

کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے تو اس ضعیف حدیث کے ذریعہ مزید تاکید و تقویت ہو سکتی ہے لیکن کوئی نیا حکم مسنون ہونا، مستحب ہونا وغیرہ فضائلِ اعمال میں بھی ثابت نہیں ہوتا۔ (انعام الباری 155/2)

البحث الرابع:

آپ ﷺ بیداری میں زیارت ممکن ہے یا نہیں؟

حضرات محدثین اور علامہ ابن تیمیہؒ اس کے منکر ہیں حضرات صوفیا اور اولیا کرام اس کے قائل ہیں۔

حضرت شاہ علامہ انور کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ ممکن ہے اور انکار جہل ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں میں نے بائیس مرتبہ حالتِ بیداری میں آپ ﷺ زیارت کی ہے اور فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے میں امراء وسلاطین کے پاس نہیں جاتا تھا۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے بیداری میں بخاری شریف پڑھی ہے۔ شیخ میرائیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فرمایا: میں نے حالت بیداری میں آپ سے آٹھ رفقاء کرام کے ساتھ بخاری شریف پڑھی ہے۔

حالتِ بیداری میں زیارت نصیب ہو یہ کشف ہے تاہم حجیت کے لحاظ سے اس کا حکم بھی خواب ہی کی طرح ہے۔

39 بَاب كِتَابَةِ الْعِلْمِ ۔۔۔ علم کی باتیں لکھنا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ.

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوْ الْفِيلَ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ كَذَا قَالَ أَبُو نُعَيْمٍ وَاجْعَلُوهُ عَلَى الشَّكِّ الْفِيلَ أَوْ الْقَتْلَ وَغَيْرُهُ يَقُولُ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ

فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ اكْتُبُوا لِأَبِي فُلَانٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْإِذْخِرَ إِلَّا الْإِذْخِرَ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ يُقَالُ يُقَادُ بِالْقَافِ فَقِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ أَيُّ شَيْءٍ كَتَبَ لَهُ قَالَ كَتَبَ لَهُ هَذِهِ الْخُطْبَةَ.

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ عَنْ أَخِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قَالَ ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللَّهِ حَسْبُنَا فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ قَالَ قُومُوا عَنِّي وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ.

ترجمہ: ابوجحیفہؓ کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی (خاص) کتاب ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں مگر اللہ کی کتاب یا وہ فہم جو مسلمان آدمی کو دیا جاتا ہے یا وہ جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے احکام، قیدیوں کو چھوڑنے کے احکام اور یہ بات کہ نہ قتل کیا جائے مسلمان کافر کے بدلے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں خزاعہ نے فتح مکہ والے سال بنی لیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا اپنے ایک مقتول کے بدلے جو بنی لیث نے قتل کیا تھا۔ اس کی خبر حضور کو دی گئی تو آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اللہ نے مکہ سے روک دیا قتل کو یا فرمایا ہاتھیوں کو (امام بخاریؒ فرماتے ہیں ابونعیم نے کہا اس کو اسی طرح شک پر ہی رکھو۔ باقی حضرات کہتے ہیں آپ نے ہاتھی کا لفظ بولا تھا) اور ان پر مسلط کر دیا گیا رسول اور مؤمنین کو۔ خبردار! یہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ خبردار میرے لئے بھی دن کی صرف ایک گھڑی حلال ہوا تھا اور اب اس وقت بھی حرام ہے نہ اس کا کانٹا کاٹا جائے نہ درخت اور نہ اس کی گمشدہ چیز کو اٹھایا جائے مگر تعریف کرنے والے (تشہیر کرنے والے کے لئے جائز ہے) اور جو قتل کیا گیا اب اس کے بارے میں دو چیزوں میں سے ایک میں اختیار ہے یا اس کی دیت لی جائے یا مقتول کے ورثا قصاص لے لیں۔ اہل یمن میں سے ایک آدمی آیا اور کہا یا رسول اللہ یہ باتیں مجھ لکھ کر دے دیں آپ نے فرمایا کہ ابی فلاں (ابی شاہ) کو لکھ کر دے دو۔ قریش میں سے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ سوائے اذخر کے (اس کو آپ ﷺ مستثنیٰ کر دیں) کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں اور قبور میں ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (ٹھیک ہے) سوائے اذخر کے سوائے اذخر کے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں صحابہ میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والا نہیں ہے سوائے عبداللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ کی تکلیف بہت زیادہ ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی لکھنے کی چیز یعنی کاغذ لے آؤ میں تمہیں ایک چیز لکھ کر دے دوں اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا حضور ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو کافی ہے۔ پس ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور شور زیادہ ہو گیا۔ آپ

ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ میرے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (اپنی مجلس حدیث سے) نکلے اور فرمار ہے تھے بہت بڑی مصیبت ہے جو حائل ہوگئی رسول اللہ ﷺ اور ان کے لکھنے کے درمیان۔

ربط ا: باب سابق میں اشاعت علم کا اہتمام اور آپ ﷺ طرف غلط نسبت کی نفی تھی ــــ تو اس کی حفاظت کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ کتابت کرلی جائے۔ یہ بھی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے۔

۲: باب سابق میں احتراز عن الکذب فی النقل کی تعلیم تھی اس باب میں احتراز عن ضیاع الکلام کا بیان ہے۔ اس کی ضرورت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب حفظ وضبط کیلئے ہمیشہ قاصر ہوں اور نقل میں تقصیر آجائے۔ (فضل الباری 137/2)

۳: حدیثِ سابق میں حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کے عہد میں کتابتِ حدیث کا ذکر تھا اس روایت میں آپ ﷺ طرف سے لکھنے کا حکم ہے۔ (انعام 182/2)

غرضِ ترجمہ:

امام بخاریؒ اس باب میں علم کی اہمیت بتلاتے ہیں کہ اتنا اہم ہے اگر بھولنے کا خوف ہو تو لکھ لینا چاہیے۔

لان الکتابۃ وسیلۃ الحفظ کما قیل العلم صید والکتابۃ قفسہ:

اگر علم سے مراد خاص علم حدیث ہے تو غرض الباب ایک اختلافی مسئلہ میں جمہور کی تائید ہے۔ کیونکہ بعض حضرات کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل نہیں۔ جبکہ جمہور قائل ہیں۔ تو اس سے جمہور کی تائید ہوگئی ہے۔

غرضِ بخاری حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں مقصود بخاری یہ ہے کہ تمام دھندوں کو چھوڑ کر ہمہ تن علم میں لگ جانے سے ہی علم آتا ہے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ﷺ سب کچھ قربان کر کے پوری طرح علم میں لگ گئے۔ (دلیل 437)

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

علمائے امت نے علوم نبوت سے متعلق علوم کی تبلیغ واشاعت کیلئے "کتابۃ العلم" ہی کے طریق کو اختیار کیا جس کے نتیجہ میں آج دنیا میں علمی سرمایہ باعثِ فیضان بنا ہوا ہے۔ (فضل الباری 153/2)

تشریحِ حدیث

ھل عند کم کتاب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ابن سبا نے کچھ غلط باتیں پھیلائی تھیں۔ ابن سبا اصل میں یہودی تھا۔ سازش کے تحت مسلمان ہوا۔ ایران کا باشندہ تھا مزاج کا خاندانی تھا اس نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے خاندان میں سے تھے۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے بہت سی غلط باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی گئیں ــــ اس زمانہ میں ایسے لوگوں کو روافض (چھوڑنے والے) کہا جانے لگا۔ جو ان غلط باتوں کو منسوب کرتے تھے ــــ

توان لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کریم کے چالیس پارے تھے۔ آخری دس پارے میں حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل تھے اور حضرات شیخینؓ نے نعوذ باللہ ان دس پاروں کو ختم کرا دیا ــــ اس لئے لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آپؓ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خصوصی علم دیا گیا ہے جس کی کتاب آپ کے پاس ہے ــــ؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ خیال باطل ہے۔ کتاب تو کتاب اللہ ہی ہے جو بین الدفتین ہے۔

هل عندکم کے مخاطب حضرت علیؓ ہی ہیں مگر تعظیم کیلئے ہے۔ یا اہل بیت کو خطاب ہے مراد حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنین کریمینؓ ہیں۔ یہ صحیفہ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت علیؓ کے پاس آیا۔

الا کتاب اللہ ــــ

مستثنیٰ مفرغ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ یعنی صرف کتاب اللہ ہے اور فہم ہے۔ یہ کوئی لکھنے کی چیز نہیں ہے۔

قلت وما في هذه الصحيفة:

سائل کو شبہ ہوا تھا کہ اس صحیفے میں شاید کوئی خاص بات ہو۔ اس لئے اس کی وضاحت پوچھ لی۔

حضرت علیؓ سے ابوجحیفہؓ اور بروایت نسائی قیس بن عبادہؓ اشتر نخعی کچھ دیگر حضرات نے بھی یہی سوال کیا ــــ هل عندکم کتاب؟ فرمایا: ــــ لا الا کتاب اللہ او فهم اعطیه رجل مسلم۔

علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجرؒ استثناء منقطع مانتے ہیں جبکہ ابن منیر اور علامہ ابوالحسن سندھی فرماتے ہیں یہ استثناء متصل ہے۔ اس لئے کہ لو کان الاستثناء من غیر الجنس لکان منصوبا گویا حضرت علیؓ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے پاس دو مکتوب چیزیں ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے اعطاء فہم خداوندی سے مستنبطہ مسائل ــــ جب کہ ابوجحیفہؓ کے سوال میں مکتوب کی تصریح ہے تو جواب میں اس کی رعایت ضروری ہے۔ (یعنی جو بھی ہے وہ مکتوب ہے۔) کما قال ابن منیر رحمہ اللہ

نیز استثناء متصل ہونے کی ایک اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ ابوجحیفہؓ کے سوال کی حقیقت پر غور کر کے اس کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کرنی ہوگی کہ آپ کے پاس کوئی مخصوص علم ہے مکتوب یا غیر مکتوب ــــ جواب میں فرمایا: ہمارے پاس مکتوب یا غیر مکتوب مخصوص علم نہیں ــــ مگر ہاں ایک فہم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی اور ایک وہ جو اس صحیفہ میں ہے ــــ اس صورت میں استثناء متصل مطلق علم سے ہوگا اور مستثنیٰ وہ تمام چیزیں ہوں گی جن کا ذکر فرمایا۔ ۱: کتاب اللہ۔ ۲: نتیجہ فہم۔ ۳: صحیفہ ان میں بعض مکتوب اور بعض غیر مکتوب ہیں۔

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ استثناء منقطع فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں:

والظاهر ان الاستثناء فيه منقطع ــــ والمراد بذكر الفهم امكان الزيادة على مافي الكتاب، جو استنباط، قیاسات اور دوسرے (اجتہادی) طریقوں سے مخفی معانی مستخرج ہوتے ہیں ــــ دو استدلال ہیں۔ ایک اس روایت کے ذریعہ جو امام بخاریؒ کتاب الدیات میں لائے ہیں۔ ماعندنا الا مافي القرآن الا فهما يعطى رجل في الكتاب ــــ یہاں پہلا استثنا مفرغ اور دوسرا منقطع ہے۔ مفہوم یہ ہے: بلکن اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنی کتاب (قرآن کریم) میں فہم عطاء فرمائے تو

یہ قرآن میں جو اشیاء منصوصہ ہیں وہ ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے استنباط پر قدرت پالیتا ہے۔

دوسرا استدلال اس روایت سے ہے جو امام احمدؒ نے طارق بن شہاب کے طریق سے باسناد حسن نقل کی ہے: شهدت علياً على المنبر و هو يقول: و الله ما عندنا كتاب نقرءه عليكم الا كتاب الله و هذه الصحيفة ___ اس سے تائید ہوتی ہے کہ لفظ فہم سے حضرت علیؓ کی مراد کوئی لکھی ہوئی چیز نہیں اگرچہ استنباط کے مسائل حضرت علیؓ نے لکھ لئے تھے تو منبر پر اس اعلان میں ضرور ذکر فرماتے ___ لیکن ان کا ذکر نہیں آیا۔ (فضل الباری 139/2)

لا يقتل مسلم بكافر

مسئلہ اختلافیہ:

ائمہ ثلاثہؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ مطلقاً کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ خواہ وہ مقتول ذمی ہو یا حربی ہو یا مستامن ہو۔ ان کا مستدل یہ حدیث ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ذمی اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے دیگر دلائل موجود ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) ذمیوں کے بارے میں آپ ﷺ ارشاد گرامی ہے: اموالهم كاموالنا و دمائهم كدمائنا و اعراضهم كاعراضنا ___ معاہدہ کی وجہ سے ان کی تمام چیزیں محفوظ ہوگئیں۔

(۲) نظر طحاوی یہ ہے: جب مسلم ذمی کی چوری کرتا ہے تو مسلم کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے جب مال میں بدلہ ہے تو جان میں بھی بدلہ ہوگا۔

(۳) عقد ذمہ مال و جان اور عزت کے تحفظ کیلئے ہوتا ہے جب مسلمان کو اس کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا تو عقدِ ذمہ باطل ہو جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل آیت کریمہ: ان النفس بالنفس الخ ہے۔

اس میں "نفس" کا مطلق ذکر ہے مسلم و کافر کی کوئی قید نہیں۔ (انعام 171/2)

حدیث الباب کا جواب:

یہاں کافر سے مراد کافر حربی ہے۔ مستامن کو بعض حضرات ذمی کے ساتھ اور بعض حربی کے ساتھ ملاتے ہیں۔ مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے حدیث الباب کی تخصیص کی گئی ہے۔ اور کافر سے مراد حربی کافر ہے۔

جواب ۲: حدیث الباب کا ایک جواب علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا کہ یہ حدیث زمانۂ جاہلیت کے بارے میں ہے ___ یعنی اگر دورِ جاہلیت میں کسی کو قتل کیا ہو اور قاتل اسلام لے آیا ہو تب اس مسلمان کو اس کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے: لا يقتل مسلم میں مسلم و من فی حكمه مراد ہے یعنی لفظ مسلم حقیقی اور حکمی دونوں کو شامل ہے حکمی سے مراد ذمی ہے اس لئے کہ انہوں نے حفاظت مال و دم کیلئے جزیہ قبول کیا۔ (نصر الباری 485/1)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: قصاص کے باب میں عند ابی حنیفہؒ قاعدہ کلی یہ ہے جس شخص کا خون عصمت مقومہ کے ساتھ علی التابید معصوم ہو اور اس کو عمداً قتل کیا جائے اور قصاص لینا متعذر نہ ہو تو قصاص واجب ہوگا ان میں سے کوئی قید یا شرط معدوم ہو تو قصاص نہیں ہوگا۔ (کشف 420/1) اسی طرح یہ اصل بھی پیش نظر رہے کہ اگر کوئی نص کسی اصل کلی کے معارض ہو جائے اور اس نص میں کوئی تاویل نہ چل سکتی ہو تو اصل کلی میں نص کی وجہ سے تخصیص ہوگی اگر نص میں تاویل کا احتمال ہو تو نص میں تاویل کی جائے گی ــــــ ان احوال کے پیشِ نظر ذمی کا قصاص واجب ہے حربی کا نہیں اور لا یقتل مومن بکافر کی نص محتمل التاویل ہے اس لئے اس میں کافر حربی کی تاویل کی جائے گی۔ (کشف 261/4)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: دل میں ابھی تک یہ ایک چیز ذرا کھٹکتی ہے کہ لا یقتل مسلم بکافر۔ یہ حدیث جو باعتبار ظاہری مفہوم کے ذمی کو بھی شامل ہے اس کے ہوتے ہوئے اور علتِ اباحتِ دم کی موجودگی میں ایک مسلمان کی جان لے لینا ـ ـ ـ حالانکہ حدود شبہات سے ساقط ہوجاتی ہیں ـ ـ ـ یہ ایک قابلِ تامّل چیز ہے هکذا قاله الحافظ ابن حجر ؒ ــــ ہاں اتنی بات میں کلام نہیں کہ دنیاوی انتظام کو ٹھیک رکھنے کیلئے مسلک حنفیہ نہایت ہی اوفق بنظام السیاست ہے۔

اتنی بات اور بھی واضح ہے حنفیہ کا مسلک دلیل کے اعتبار سے بہت ہی قوی ہے۔ خزاعی اور لیثی کا واقعہ اس پر اول دلیل ہے جس میں تاویل کی گنجائش ہی نہیں ــــ باقی حدیث لا یقتل مسلم بکافر کے جو جوابات دیئے گئے ہیں خصوصاً امام طحاویؒ کا جواب بہت ہی معقول ہے اس کے مقابلے میں حافظ ابن حجرؒ نے جو احتمال ذکر کیا ہے کہ و لا ذو عهد فی عهده میں واؤ استینافیہ ہے عاطفہ نہیں۔ اس کو قبول کرنا محلِ تامّل ہے ــــ کیونکہ ہر شخص استعمالات عربیہ کے اعتبار سے وجدان وذوق کی طرف رجوع کر کے دیکھے کہ لا یقتل مسلم بکافر و لا ذو عهد فی عهده میں واؤ عاطفہ ہونا چاہیے یا استینافیہ؟ ظاہر یہی ہے کہ و لا یقتل ذو عهد میں اگر واؤ استینافیہ ہو تو یقتل اس جگہ کہاں سے لایا جائے گا۔؟ یہاں تو فقط ''لا'' ہے استعمالات میں ایسا ہی دیکھا جاتا ہے کہ جہاں فعل کو حذف کر کے محض حرف نفی کی تکرار کی جائے۔ حالانکہ نفی کے ساتھ ساتھ فعل بھی مراد ہے ہو وہاں جو واؤ آتی ہے وہ عاطفہ ہی ہوتی ہے ــــ اگر اس کے خلاف کوئی دعویٰ کرتا ہو تو استعمالات میں اس کی نظیر پیش کرے۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ واؤ کو عاطفہ نہ ماننے سے اس جگہ یقتل فعل کہاں سے لایا جائے گا اور لا کونسی لا ہوگی؟ ترکیب کس طرح کی جائے گی؟ لہٰذا حافظؒ کی تاویل کو میں سمجھا نہیں اور اگر یہاں واؤ عاطفہ ہو کافر سے کافر حربی ہونا متعین ہے تو قتل مسلم بالذمی میں اس حدیث سے کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ زائد از زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ قتل مسلم بالذمی سے یہ حدیث ساکت ہے۔ مخالفین کے پاس تو اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں۔ حنفیہ کے پاس علاوہ عموماتِ قرآنیہ اور حدیث ''لهم مالنا'' کے خاص اس واقعہ میں آپ ﷺ کا اعلان مذکورہ موجود ہے (فضل الباری 144/2)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حنفیہ یہ کہتے ہیں کافر ذمی کے عوض مسلمان کو قتل کیا جائے گا ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ عہد ذمہ کی وجہ سے قتل کیا جائے گا قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ (مسلمان نے بادشاہ کے عہد ذمہ کو توڑا تو قتل کیا جائے گا۔) [امداد الباری 375/5]

تشریح حدیث

حدثنا ابو نعیم الخ

ان خزاعة: یہ آپ ﷺ کے حلیف تھے ــــ

حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ سرزمین مکہ میں مقیم تھے۔ تو قبیلہ بنو جرہم کو بھی وہاں قیام کی اجازت دیدی ــــ حضرت اسماعیلؑ کی شادی بنو جرہم میں ہوئی ــــ پھر بنو خزاعہ اور بنو جرہم کی لڑائی ہوئی تو بنو خزاعہ غالب آگئے۔ اور بیت اللہ شریف پر بنو خزاعہ نے قبضہ کرلیا۔

پھر بنو خزاعہ اور قریش کی لڑائی ہوئی تو قریش نے بیت اللہ شریف پر قبضہ کرلیا۔ اور بنو خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا ــــ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کو اختیار دیا کہ جس کے ساتھ مل کر چاہو حلیف بن جاؤ۔ بنو خزاعہ عداوتِ قریش کی وجہ سے آپ ﷺ کے حلیف بن گئے۔ اور بنو لیث کفار کے حلیف بن گئے ــــ یہ معاہدہ ہوا کہ کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ طے پایا کہ قتلِ حلیف قتلِ اصل ہے۔ دو سال بعد بنو لیث نے بنو خزاعہ کا آدمی قتل کردیا انہوں نے آکر آپ ﷺ اطلاع دی ــــ آپ ﷺ نے قریش سے فرمایا: قاتل حوالہ کرو ورنہ معاہدہ ختم۔ انہوں نے قاتل سپرد کرنے سے انکار کردیا ــــ آپ ﷺ نے نقضِ عہد کا اعلان فرما کر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کردی اور فتح حاصل کرلی بعد از فتح بنو خزاعہ نے بنو لیث کا آدمی قتل کردیا۔ آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ قصاص یا دیت دی جائے۔

فتح مکہ کے سال خزاعہ نے بنو لیث کے کسی آدمی کو قتل کیا تھا بنو لیث پہلے خزاعہ کا آدمی مار چکے تھے آپ ﷺ اطلاع ہوئی تو تقریر فرمائی کہ اس قتل کی دیت میں دیتا ہوں مگر آئندہ قتل ہوگا تو قاتل مقتول کے ورثاء کو سونپ دیا جائے گا پھر ان کو دیت اور قصاص کے درمیان اختیار ہوگا۔ (تحفہ 405/1)

جاہلیت میں ابن الاکوع نے خزاعہ کے احمر نامی شخص کو قتل کیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر خراش بن امیہ خزاعی نے اس کا بدلہ لیا اور ابن الاثوع ہذلی کو قتل کر ڈالا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے قتل وقتال سے منع فرمایا اور خون بہادیا۔ (کشف 270/4)

ولا تلتقط ساقِطُهَا الا لمنشد:

یعنی حرم میں کوئی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے سوا اس کے جو تعریف اور اعلان کرنا چاہے۔

علامہ ابن القیمؒ نے بعض حضرات سے نقل کیا کہ مکہ مکرمہ کی تخصیص اس لئے کہ وہی شخص یہاں کے لقطہ کو اٹھا سکتا ہے جو لوگوں کے متفرق ہونے اور چلے جانے سے پہلے تعریف کرسکتا ہو یہاں لوگ چلے جاتے ہیں اس لئے بسا اوقات ایک تعریف مفید نہیں ہوگی۔ (کشف 285/4)

نیز ذہن میں رہے فاقد گم شدہ چیز کو طبعی طور پر گمشدگی کی جگہ پر تلاش کرنے آتا ہے تو یہ تاکید ہے کہ اس کو وہاں سے مت

اٹھاؤ تا کہ فاقد آکر خود وہاں سے اٹھالے ـــــ مگر ایسا منشد جو یقینی طور پر مالک کو پہنچانے تک تمام مراحل شرعیہ طے کر سکے ـــــ (انعام الباری 174/2)

سوال: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غیر حرم کا لقطہ تعریف نہ کرنے والے کے لئے بھی اٹھانا جائز ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

جواب ۱: حرم میں عام طور پر مشاغل ایسے ہو جاتے ہیں کہ لقطہ کی تعریف مشکل ہو جاتی ہے اس لئے خصوصیت سے فرمایا کہ تعریف کرنے والا ہی اٹھائے۔ چونکہ یہاں مواقع تعریف موجود ہیں۔

جواب ۲: حرم میں چونکہ تعریف انتہائی مشکل ہے۔ دراصل یہاں اٹھانے سے ہی منع کرنا ہے نہ کہ استثناء ہے۔

فھو بخیر النظرین: مرجع قتل ہے اور مراد اہل من قتل ہے یعنی ورثاء۔ امام شافعیؒ کے ہاں مرجع قاتل ہے۔

اما ان یعقل و اما ان یقاد: مراد یہ ہے کہ دونوں میں ورثاء مختار ہیں خواہ دیت لیں اور چاہے قصاص لیں۔

فھو بخیر النظرین:

فھو یہاں ظاہر میں ضمیر مقتول کی طرف راجع ہے لیکن معنیٰ مقتول کے اولیاء کی طرف ہے کہ اولیاء مقتول کو دو اختیار ہیں۔ ایک ملے گا اما ان یعقل میں مقتول کی دیت کا و اما ان یقاد یا پھر قاتل کو برائے قصاص اولیائے مقتول کے سپرد کر دیا جائے۔

ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ یقاد کا نائب فاعل بظاہر اھل القتل ہے لیکن اس صورت میں معنیٰ بگڑ جاتے ہیں کیونکہ معنیٰ یہ ہوں گے "اہل القتیل" سے قصاص لیا جائے ـــــ اس لئے کچھ حضرات نے کہا کہ یہاں یقاد یمکّن لنا القود کے معنیٰ میں ہے کہ اہل قتیل کو قصاص لینے کی طاقت دی جائے ـــــ

تاہم اس کی دوسری ترکیب جو مجھے زیادہ بہتر لگی ہے وہ یہ ہے کہ آپ شروع میں فرمایا: فھو بخیر النظرین الخ۔ اس میں سوال پیدا ہوا کہ ھو کا مرجع و مصداق کون ہے: تو آپ ﷺ نے اما ان یعقل و اما ان یقاد کے بعد اھل القتیل فرما کر ھو کا مرجع و مصداق متعین فرما دیا۔ (انعام 174/2)

مسئلہ اختلافیہ: اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اہل قتیل کو اختیار ہے کہ خواہ دیت لے خواہ قصاص۔ یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔ قاتل کو عند الجمہور اختیار ہے خواہ دیت دے یا قصاص۔ دونوں میں تساوی ہے۔ امام اعظمؒ تساوی کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قاتل کو اختیار نہیں۔ اصل حکم قصاص ہے ـــــ تاہم ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ قصاص معاف کر کے دیت لے لیں۔

امام صاحبؒ کی دلیل: و لکم فی القصاص حیوۃ الخ

دوسری دلیل: حدیث میں ہے: کتاب اللہ القصاص۔ ای حکم کتاب اللہ القصاص۔

دلیل شوافع: حدیث الباب میں تقابل ہے۔ اما ان یعقل و اما ان یقاد۔ اس لئے قاتل کو اختیار ہے۔ فھو کا مرجع قاتل ہے۔

حدیث الباب کا جواب: دیت کا حکم مصالحت پر مبنی ہے یا تو قصاص دو یا پھر دیت پر مصالحت کرلو۔

حدیث الباب فھو بخیر النظرین حضرات شوافع کا مستدل ہے جس سے مراد وہ فھو مخیر بخیر النظرین لیتے ہیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: بخیر جار مجرور ہے اس کیلئے ایسے متعلق کی ضرورت ہے جسے باء جارہ کے ذریعہ متعدی بنایا گیا ہو۔

جیسے عامل، مرضیٔ یا ماموز ــــ یہاں مخیر کی تقدیر پر متعدی بذریعہ باء نہ ہونے کی وجہ سے مناسب نہیں۔ لیکن مرضی بخیر النظرین کا مصداق یہ ہوگا کہ مقتول کے ولی کو خیر النظرین پر راضی کیا جائے اور اسے سمجھا جائے کہ حزن وغم عارضی بات ہے اس کی شدت کچھ عرصہ بعد جاتی رہے گی دیت تمہارے اور قاتل دونوں کے حق میں ''خیر النظرین'' ہے ــــ اسی طرح قاتل کو بھی راضی کیا جائے گا ــــ اب جبکہ مخیر کے ساتھ مرضی وغیرہ کی تقدیر کا احتمال ہے تو حضرات شوافع حدیث باب کو اپنے مدعیٰ پر نص نہیں کہہ سکتے۔

اس احتمال کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فھو بخیر النظرین کے صحیح معنیٰ کیا ہیں ــــ؟ اصل میں آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد شریعت اسلامیہ کی وسعت کو بیان کرنا ہے۔ قتل کی صورت میں قصاص اور دیت دونوں کی آزادی نہ شریعت عیسوی میں تھی نہ موسوی میں۔ عیسوی میں صرف دیت اور موسوی میں صرف قصاص تھا ــــ ان کے تقابل سے شریعت اسلامیہ کی وسعت دیکھئے اس میں نہ قصاص پر مجبور کیا جاتا ہے نہ دیت پر۔ قاتل اور اولیائے مقتول کے حق میں جو صورت مناسب ہو اسی کو اختیار کیا جاتا ہے ــــ اب رہی یہ بات کہ قصاص اور دیت دونوں میں ہی سے اولیاء مقتول جو چاہیں قاتل کی مرضی کے بغیر اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ مقصد مراد حدیث سے زائد چیز ہے۔ (والتفصیل فی کتاب الدیات) [فضل الباری 147/2]

اکتبوا لابی فلان: بعض روایات میں تصریح ہے: اکتبوا لابی شاہ۔ اس سے کتابت حدیث کا جواز نکل آیا۔ اور ترجمۃ الباب سے مطابقت ہوئی۔ (یہ ابوشاہ نابینا تھے)

حضرت عباسؓ کی درخواست پر الا الاذخر کا استثناء فوری طور پر منجانب اللہ یا بحیثیت شارع آپ ﷺ نے فرما دیا۔ (انعام 177/2)

حدثنا علی ابن عبد اللہ: اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ جو کبار صحابہؓ میں سے ہیں وہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال لکھا کرتے تھے۔ اس سے بھی کتابت کا جواز معلوم ہوا۔ اگر جائز نہ ہوتا تو وہ نہ لکھتے۔

ترجمہ سے مطابقت

باب کی پہلی حدیث سیدنا علیؓ سے تھی۔ ان کے صحیفہ کے بارے میں امکان تھا کہ انہوں نے وہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد از خود لکھا ہو روایت ہٰذا اکتبوا لابی فلان سے جوازِ کتابت بحکم النبی ﷺ ثابت ہے۔ حضرت ابوشاہ یمنی نابینا اور امی آدمی تھے مگر پھر بھی یہ شبہ کا امکان تھا یہ حکم کتابت عذر کی وجہ سے ہے کہ وہ نابینا تھے ــــ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت سے اجازۃ نبوی ﷺ سے عمل کتابت کا جواز بلاعذر ہے۔ (فضل الباری 147/2)

سوال: یہاں سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایات زیادہ ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی کم ہیں جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

جواب: روایات کے طریق سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایات زیادہ ہیں۔ البتہ لکھنے کے اعتبار سے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی زیادہ ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمروؓ پر ذوق علم کی بجائے شوقِ عبادت غالب تھا۔ اسلئے کم روایت کی۔

(۲) باقاعدہ حلقۂ درس وتلامذہ نہ تھا اس لئے نقلِ روایت کم ہوئیں۔

(۳) مصر اور طائف میں آمدورفت رہی وہاں طالبانِ حدیث کم تھے۔

جبکہ سیدنا ابوہریرہؓ مرکز علم مدینہ طیبہ میں تھے جہاں ہر جہت سے طالبان کشاں کشاں آتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوہریرہؓ کی تحمل روایات زیادہ ہیں سیدنا ابوہریرہؓ کی مرویات پانچ ہزار تین سو بہتر (5372) اور حضرت ابن عمروؓ کی سات سو سے زیادہ نہیں۔

(۴) سیدنا ابوہریرہؓ نے اپنی مرویات کی کمی جزماً نہیں کی کیونکہ حضرت ابن عمروؓ کے بارے میں ان کا خیال ہے چونکہ وہ لکھتے تھے تو ہوسکتا ہے ان کا مجموعۂ احادیث زیادہ ہو ___ اسلئے کہ الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو کے لفظ ہیں یہ تعبیر عام طور پر اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب مستثنیٰ کے بارے میں کامل جزم وبھروسہ نہ ہو ___ اور یہ تعبیر ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات زیادہ ہوں۔ (انعام الباری 179/2)

اسباب کثرۃ روایات ابی ہریرہؓ

اس کے دو سبب ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو کچھ اسرائیلیات یاد تھیں اس لئے خلط کے خوف سے وہ خود روایت کرنے اور لوگ ان سے روایت لینے میں احتیاط کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کو حفظ روایات زیادہ تھا اور حافظ کہیں بھی سنا سکتا ہے کیونکہ اس کو لکھے ہوئے کی احتیاج نہیں ہوتی۔

سوال: حضرت ابوہریرہؓ کو زیادہ کیوں یاد تھیں ___؟

جواب: اس کے دو سبب ہیں: ۱: کثرتِ ملازمہ۔ ہر وقت آپ ﷺ کے دربار شریف میں پڑے رہتے تھے۔ ۲: دوسرا استاذ یعنی دعاء نبوی ﷺ۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: میں نے ایک موقع پر عرض کیا کہ مجھے احادیث بھول جاتی ہیں۔ فرمایا: چادر بچھاؤ۔ میں نے چادر پھیلادی۔ تو آپ ﷺ نے لپ بھر کر اس میں کچھ ڈالا۔ اور فرمایا لپیٹ لو تو میں نے اس کو لپیٹ لیا اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا۔ یہ ایک امتیازی طریق اعطاء علم کا تھا تو اشاعت بھی امت میں امتیازی ہوئی۔

روایات کا تعارض دور کرنے کیلئے یہ توجیہ پیشِ نظر رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ تو احادیث سنتے ہی فوراً لکھ لیتے ___ لیکن حضرت ابوہریرہؓ بکثرت احادیث جمع ہونے کے بعد لکھتے۔ اسی لئے مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ کے صحیفہ کا ان کے پاس ہونے کا ثبوت ہے۔ (انعام الباری 180/2)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہؓ سے آٹھ سو تابعین نے روایت کی ہے۔ (نصر الباری 490/1)

حدیث قرطاس

حدثنا یحیی بن سلیمان الخ

حدیث قرطاس کا واقعہ وصال مبارک سے چار روز قبل یوم الخمیس کا ہے۔ آپ ﷺ کو اس وقت بہت تکلیف تھی۔ اسی حالت میں ارشاد فرمایا: کاغذ قلم دوات لاؤ۔ تا کہ میں تمہیں لکھوادوں کہ تم میرے بعد بہک نہ جاؤ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ پر اس وقت تکلیف غالب ہے اس لئے ہمیں چاہیے کہ اس وقت آپ ﷺ کو تکلیف نہ دیں۔ جیسے شفیق استاذ حالتِ مرض میں کہے کہ میں پڑھاتا ہوں مگر شاگرد عرض کرے کہ اس وقت رہنے دیجئے۔

ایتونی بکتاب:

آپ ﷺ نے جو کتاب منگوائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں لکھنے کا رواج تھا۔ اس لئے مرض الوفات میں کاغذ لانے کا ارشاد فرمایا۔ روافض نے حضرت عمرؓ پر جو مطاعن قائم کئے ہیں ان میں سے ایک بہت بڑا طعن یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے آخر کیوں منع فرمایا ____؟

جواب ۱: آپ ﷺ نے صحت و تخفیفِ مرض کا ارادہ فرمایا کہ جوں ہی طبیعت بحال ہوتی ہے لکھوالیں گے۔

جواب ۲: کیا صرف عمرؓ ہی اس امر کتابت کے مخاطب تھے۔ صیغۂ جمع دلیل ہے کہ سب موجودین اس کے مخاطب تھے۔ کیا حضرت عمرؓ کا اتنا رعب و دبدبہ تھا کہ کوئی بھی اور کتاب قلم نہ لا سکا۔ پھر جب حضرت عمرؓ نماز وغیرہ کیلئے جاتے تو ان کی عدم موجودگی میں بھی لکھوایا جا سکتا تھا ____ مگر کسی نے بھی نہ لکھوایا۔ یہ سب حضرات کا حضرت عمرؓ سے اتفاق تھا۔

جواب ۳: ان کلمات کے بعد آپ ﷺ زندہ رہے مگر کسی نے بھی ہمت نہ کی کہ لکھوالیا ہوتا۔

جواب ۴: جو آپ ﷺ لکھوانا چاہتے تھے وہ درجۂ استحباب کی کوئی چیز تھی ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ نے حق تبلیغ نہ ادا کیا۔ اور درجۂ واجب کی چیز نہ لکھوا کر تکمیل دین کے بغیر دنیا سے تشریف لے گئے ____ نعوذ باللہ من ذلک ____

جواب ۵: آپ ﷺ بھی امتحاناً سوال فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی امتحان تھا ____ صحابہ کرامؓ سمجھ گئے کہ امتحاناً سوال ہے اور آپ ﷺ اپنے اصحاب کا تثبت دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا ان کو یقین ہے کہ تکمیل دین ہو چکی ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے کہہ دیا کہ کتاب اللہ حسبنا جو صیغۂ جمع کے ساتھ ہے تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

جواب ۵: حضرت عمرؓ کی موافقتِ رائے والی خصوصیت تھی ____ بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ کے نازل کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ پہلے ہی حضرت عمرؓ کی زبان پر آجاتی تھیں ____ اسی طرح حضرت عمرؓ کے مشورہ پر آپ ﷺ نے اپنے مشورہ کو بدل دیا ____ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق فرمالیا۔

جیسے وہ حدیث مشہور ہے کہ آپ ﷺ باغ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ تلاش کرتے وہاں پہنچ گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا جوتا عطا فرمایا اور حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا: تجھے جو ملے اس کو بتادو۔ جو شخص لا الٰہ الا اللہ

کہدے وہ جنت میں جائے گا۔حضرت عمرؓ سے راستہ میں ملاقات ہوئی تو یہ خوشخبری ان کو دی۔تو انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ خوشخبری مزید دینے سے روک دیا۔جب آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: لوگ تو اس پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں گے تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو قبول فرما کر مزید تبشیر بشریٰ سے روک دیا۔تو حضرت عمرؓ کی رائے سے موافقت فرمادی۔جبکہ اس کام پر حضرت ابوہریرہؓ کو مامور فرمادیا تھا اور وہ تکمیل امر شروع کرچکے تھے۔

جواب ۷: فتح الباری میں مسند احمد سے نقل فرمایا کہ حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ کاغذ قلم لاؤ اور مناسب حال بھی وہی معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ اہل بیت نبوی ﷺ سے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ جب براہِ راست مخاطب تھے اور مناسب حال بھی یہی تھا وہ کیوں رک گئے ــــ؟ اس لئے روافض کو کہا جائے گا: فماھو جوابکم فھو جوابنا۔

جواب ۸: اگر دین کی کوئی ضروری چیز لکھوانی ہوتی تو خود حضور اقدس ﷺ ہرگز نہ رکتے ــــ بلکہ حضرت عمرؓ کو ڈانٹ کر کاغذ منگوا کر لکھوادیتے ــــ مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔معلوم ہوا آپ ﷺ حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی۔

جواب ۹: کوئی نیا حکم دینا مقصود نہیں تھا بلکہ احکام گذشتہ کی تاکید مقصود تھی۔اور اس کی دلیل وہ روایت ہے، جو حضرت علیؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے مجھے اپنی بیماری میں قلم دوات لانے کا حکم دیا تو میں نے عرض کیا آپ فرمائیے میں اس کو محفوظ رکھوں گا۔

اس پر آپ ﷺ نے احکام الصدقات، اخراج کفار من جزیرۃ العرب، اجازتِ وفود اور وصیۃ بالانصار کو ذکر فرمایا، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کوئی حکم جدید مقصود نہیں تھا۔

جواب ۱۰: حضرت عمرؓ کا منع کرنا غلبہ محبت میں تھا اور شفقۃ تھا کہ اس تکلیف کے عالم میں مزید تکلیف دینا بہتر نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے علم میں تھا کہ آپ ﷺ زندگی میں بخار بھی دوگنا ہوتا تھا۔تو موجودہ تکلیف کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

اگر بالفرض یہ غلبہ محبت میں روکنا بھی مخالفتِ رسول ہے تو یہی اعتراض حضرت علیؓ پر وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے کیوں نہ لکھا ــــ اسی طرح صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ نے حکم دیا علی! لفظ رسول اللہ مٹادو جو کفار کا مطالبہ تھا لیکن حضرت علیؓ نے غلبہٗ محبت میں عرض کیا میں تو نہیں مٹاؤں گا۔چنانچہ نہیں مٹایا۔تو کیا معاذ اللہ یہ مخالفتِ رسول اللہ ہے؟ فماھو جوابکم فھو جوابنا۔

فائدہ: اہل سنت والجماعت کے ہاں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کا طرزِ عمل محبت نبوی ﷺ مبنی تھا۔

فخرج ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول: ان الرزیۃ کل الرزیۃ:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفہ اثنا عشریہ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ان الرزیۃ محض ایک شبہ کا اظہار تھا ــــ کیونکہ اسی مجلس میں کبار صحابہؓ حضرات شیخینؓ تھے، جو مزاج نبوت کو حضرت ابن عباسؓ سے بدرجہا بہتر جانتے تھے۔ اس وقت حضرت ابن عباسؓ بالکل نوعمر تھے اور کل عمر ۱۳ برس تھی لہٰذا اس امر کا وجوبی یا استحبابی ہونا حضرات شیخینؓ اچھی طرح سمجھتے تھے۔

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے ان الفاظ کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے حضرت ابن عباسؓ مجلس واقعہ قرطاس سے یہ فرماتے ہوئے چلے گئے۔حالانکہ یہ حقیقت کے مطابق بالکل نہیں ہے ــــ بلکہ اس خروج کا تعلق مجلسِ درسِ تلامذہ سے ہے۔نہ کہ اس مجلس

واقعۂ قرطاس سے۔یعنی اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد حضرت ابن عباس ؓ نے اپنے تلامذہ کو واقعۂ قرطاس سنایا اور اس سے فارغ ہو کر مجلس سے اٹھے اس وقت ان الرزیۃ کل الرزیۃ فرماتے ہوئے نکل گئے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام میں اس روایت کی تخریج کی ہے۔اس میں مخرج ابن عباس ؓ کی جگہ "و کان ابن عباس ؓ یقول" آتا ہے۔اور ابو نعیمؒ نے اس روایت کی تخریج کرتے ہوئے فرمایا:

قال عبید اللہ فسمعت ابن عباس ؓ یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ۔

عبید اللہ تابعی ہیں۔جو بالیقین مجلس قرطاس میں نہیں تھے۔لہٰذا لامحالہ یہ کہا جائے گا ابن عباس ؓ کے قول اور خروج کا تعلق مجلس تلامذہ سے ہے۔

فائدہ: بعض محدثین کرام کے نزدیک آپ ﷺ ایسے اصول وضوابط لکھوانا چاہتے تھے جن سے امت کے اندر اختلاف ختم ہوجائے پھر آپ ﷺ نے اجتہاد کو جاری رکھنے کیلئے یہ ارادہ ترک فرمادیا۔

یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر ؓ کا یہ اعتقاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے جائیں گے جب تک سارے منافقین ختم نہیں ہوجاتے ____ (وصال نبوی ﷺ کے وقت اسی کیفیت کا اظہار تھا) اسی لئے مجلس قرطاس میں ہی لکھوانے کی ضرورت نہیں۔آپ ﷺ ٹھیک ہوجائیں گے تو لکھوالیں گے (کیونکہ منافقین کا علم بلا وحی ممکن نہیں تو صاحب وحی کا بقا ضروری ہے۔) [انعام الباری 186/2]

حضرت عمر ؓ کا خیال تھا ایسے موقع پر تحریر لکھوانے سے منافقین سے تلبیس کا اندیشہ تھا کتاب اللہ موجود ہے لہٰذا فی الحال تحریر کی ضرورت نہیں۔(کشف 335-336/4)

یہ بھی امکان ہے اس موقع پر آپ ﷺ وصایا لکھوانا چاہتے ہوں جو بعد میں فرمائیں: (۱) اخراج مشرکین عن جزیرۃ العرب۔ (۲) اکرام وانعام وفود۔ (۳) عمل بالقرآن (۴) جیش اسامہ کی حتمی روانگی۔ (۵) اہتمام صلوٰۃ۔ (۶) غلاموں کے حقوق کی رعایت۔ (۷) قبر مبارک پر شرک نہ ہو۔ (کشف 334/4)

کیا خلافت علی ؓ لکھوانا مقصود تھا؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں حضرت علی ؓ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے ____ لیکن تمام احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکر ؓ کی خلافت کے تو اشارے ملتے ہیں نہ کہ حضرت علی ؓ کے ____ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے اوائل مرض میں حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا: ادعی اباک واخاک۔حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمنٍ ویقول قائل ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر تو یہ تصریح ہے چہ جائیکہ اشارہ۔

نیز ایک روایت میں ہے حضرت عباس ؓ نے حضرت علی ؓ سے کہا بنو ہاشم کے وصال کے وقت جو آثار ان کے چہرے پر

آتے ہیں وہ آثار میں نبی اکرم ﷺ کے چہرے پر دیکھ رہا ہوں آپ ﷺ وفات ہونے والی ہے اور تین دن کے بعد تو ڈنڈے کے نیچے آجائے گا یعنی محکوم بن جائے گا۔ اس لئے میرے ساتھ چل اور ہم جا کر رسول اللہ ﷺ سے بات کریں: یارسول اللہ! اگر آپ کے بعد حکومت ہمارے حصہ میں آنی ہے تو ابھی لوگوں کو صراحت کر دیں اور اگر ہمارے حصہ میں نہیں ہے تو بعد میں جو حاکم بننے والا ہے اس کو کہیں کہ ہمارا خیال رکھے۔

حضرت علیؓ نے جواب میں کہا ــــ میں تو نہیں جاتا۔ کیونکہ اگر حضور اقدس ﷺ نے فرمادیا کہ تمہارا حق نہیں تو پھر ہمیشہ کیلئے حکومت میں آنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ یہ روایت صراحۃً دلالت کرتی ہے حضرت علیؓ کو اپنے متعلق کوئی امید نہیں تھی کہ آپ ﷺ مادیں یہ حاکم ہے۔

آپ ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں قیاس آرائیوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ جب آپ ﷺ نے نہ لکھوایا نہ بتلایا اب کوئی یہ بات کیسے جان سکتا ہے ــــ؟ ایک ظاہری احتمال حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی صراحت ہے وہ بھی اس لئے کہ آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ (تحفۃ القاری 408/1)

اہل تشیع کے نزدیک مدارِ خلافت قرابت اور علاقۂ مصاہرت ہے اس لئے حضرت علیؓ قریبی رشتہ دار اور داماد تھے تو مستحق خلافت بھی ہوئے ــــ اہل سنت کے ہاں مدار تقرب خدا اور رسول ہے ــــ خلافتِ نبوۃ کو رشتہ داری سے کیا واسطہ؟ لیکن اگر قرابت نسبی کو مدنظر رکھا جائے تو یا آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ خلیفہ ہوتیں۔ حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ دوم اور ان کے بعد حضرت حسینؓ خلیفہ سوم اور ان کے بعد حضرت علیؓ حیات ہوتے تو پھر خلیفہ چہارم ہوتے ــــ حاصل یہ کہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہوتا تو شیعوں کے ہاں اس قاعدہ کی بنیاد پر بھی حضرت علیؓ کو خلیفہ چہارم ہی بنتے تو اہل سنت تو پھر بے قصور ٹھہرے ــــ؟ نیز حضرات انصار و مہاجرین کی بیعت سے حضرت علیؓ کو خلافت ملی اس میں شیعوں کا دور دور تک کوئی کردار نہیں ــــ

اگر مدارِ خلافت مصاہرت کو قرار دیا جائے تب بھی حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت عثمان غنیؓ سب سے زیادہ خلافت بلافصل کے مستحق تھے اس لئے کہ وہ دوہرے داماد اور ذی النورین تھے۔ اگرچہ دونوں صاحبزادیاں دور نبوت میں ہی انتقال کر گئیں یہ امر خلافت کو زائل نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ شرف کی بنیاد نکاح ہے جیسے سیدنا فاطمہؓ کے انتقال کے باوجود حضرت علیؓ کا شرف باقی ہے

نوٹ: بناتِ اربعہ کا ثبوت اصولِ کافی کلینی (ص 278) میں موجود ہے۔ (کشف 382/4)

40 بَاب الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ ــــ رات کو علم اور نصیحت کی باتیں کرنا

حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَعَمْرٍو وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنْ الْفِتَنِ وَمَاذَا فُتِحَ مِنْ الْخَزَائِنِ أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ

ترجمہ:حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے ایک رات نبی ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ! اس رات کتنے فتنے اتارے گئے اور کتنے خزانے کھولے گئے، حجرے والیوں کو جگاؤ۔ پس بہت سی دنیا میں کپڑا پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی۔

ربط۱: باب سابق میں علمی مضامین کی حفاظت وتبلیغ کیلئے بذریعہ تحریر محنت پر دلیل تھی ــــ اب رات کے اوقات میں وعظ وتعلیم، حصول تعلیم میں محنت شدید کی دلیل ہے ــــ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں بعض نسخوں میں العظة کی بجائے الیقظة آیا ہے یہ حدیث الباب کے لفظ ایقظوا سے زیادہ انسب ہے ایقاظ زیادتی محنت پر بخوبی دال ہے۔(فضل الباری 154/2)

ربط۲: امام بخاریؒ سفینہ کے بعد سینہ میں حفاظت کا طریق بتلا رہے ہیں۔ مشہور ہے: خواندن شب بردل نقش می شدن۔ (نصر الباری 499/1)

غرض ترجمہ: عِظَۃٌ کا معنیٰ نصیحت ہے اس ترجمہ سے مقصد یہ ہے تذکیر وتعلیم میں سامعین کے نشاط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم وتذکیر میں یسر وسہولت کا حکم دیا ہے۔

لیکن اس سے یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ تعلیم وتذکیر کیلئے رات میں وعظ کی مجلس منعقد کرنا پسندیدہ نہ ہو امام بخاریؒ نے اس شبہ کو دور فرمایا: عند الضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے سونے والوں کو بیدار فرما کر تعلیم دی اور وعظ فرمایا ــــ نیز بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے عشاء سے پہلے نہیں سونا چاہیے تا کہ عشاء فوت نہ ہو۔ مگر عشاء کے بعد فوراً سوجانا چاہیے۔ باتیں کرنا پسندیدہ نہیں ہے کہیں تہجد یا صبح کی نماز فوت نہ ہوجائے۔

امام بخاریؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں علمی گفتگو اور وعظ ونصیحت اس سے مستثنیٰ ہے ــــ ممانعت غیر ضروری باتوں کی ہے۔

ایقظوا صواحب الحجر بعض روایات میں صواحبات الحجر ہے یہ کلمات مبارکہ حضرت ام سلمہؓ کی باری میں ارشاد فرمائے۔

ترجمۃ الباب کے دو جز ہیں۔ ۱:علم ۲:نصیحت۔ انزل اللیلة سے پہلا جز ثابت ہوا کہ ان چیزوں کا علم آپ کو عطا کیا گیا۔ ایقظوا صواحب الحجر سے دوسرا جز یعنی وعظ ونصیحت کا ثبوت ہوا۔(نصر الباری 500/1)

تشریح حدیث

ماذا أنزل اللیلة:

انزال کے حقیقی معنیٰ اوپر سے نیچے اتارنا ہے بعض لوگوں نے اس کو حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے اور اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم الغیب سے اس رات عالم مثال میں فتن وخزائن کا نزول ہوا اور آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ماذا انزل اللیلة فرمایا۔

''عالم مثال'' عالم غیب اور عالم شہادۃ کے درمیان ہے اس میں کچھ خصوصیات عالم غیب کی پائی جاتی ہیں جیسے غیر مادی ہونا،

اور کچھ خصوصیات عالم شہادت کی پائی جاتی ہیں جیسے شکل وصورت اور مقدار، جہت وحدود کا ہونا ___ اور بعض حضرات نے ''انزال'' کے معنیٰ مجازی مراد لئے ہیں ___ یعنی فرشتوں کو بتلانا ___ جن خزائن وفتن کا واقع ہونا مقدر کیا گیا ان کو جاری کرنے اور نافذ کرنے کیلئے فرشتوں کو بتلانا مقصود ہے۔

علامہ واقدیؒ فرماتے ہیں ماذا انزل اللیلۃ من الفتن اور ماذا فتح من الخزائن دونوں ایک ہی ہیں دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہے کیونکہ خزائن مفتوحہ سبب فتنہ بن جاتے ہیں۔ (کشف 399/4)

لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ الگ الگ ہیں اولاً خواب دیکھا کہ وقوع فتن اور حصول خزائن ہوں گے ___ بیداری کے بعد تعبیر یا وحی کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ (کشف 399/4)

فتن سے مراد وہ فتنے جو آپ ﷺ کے بعد مسلمانوں میں ظاہر ہوئے ___ اور خزائن سے مراد یا تو رحمت ہے یا روم وفارس کے خزانے ہیں۔ پہلا معنیٰ ہو تو انزال بالفعل مراد ہوگا ___ بعض حضرات نے خزائن وفتن کو ایک قرار دیتے ہوئے فارس وروم کے خزانوں کو مراد لیا ہے کہ جن لوگوں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے حقوق ادا کئے ان کیلئے رحمت ثابت ہوئے ___ اور جنہوں نے ناشکری کی ان کیلئے وہ زحمت اور فتنے بنے۔

فتن وخزائن کا ایک ساتھ جمع کرنے کا یہ منشا ہوسکتا ہے اگرچہ ظاہری نظر میں فتوحات خوشی کی چیز ہیں لیکن ان کے نتیجے میں بعض لوگ دنیا طلبی میں پڑ گئے اس واسطے فتنے اور ان کے اسباب کو ایک ساتھ ذکر کیا۔ (انعام الباری 190/2)

یہاں فتن سے مراد عذاب ہے اور خزائن سے مراد رحمت ہے۔ عذاب کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا کیونکہ فتنے دراصل عذاب تک پہنچانے والے اسباب ہیں۔ (کشف 398/4)

فائدہ: آپ ﷺ کے حسب ارشاد دور عثمانی کے آخر میں بکثرت فتنے بھی رونما ہوئے اور روم وفارس کے خزانے بھی ہاتھ لگے۔ معجزۂ نبوی کا ظہور کہ حسب خبر سب کچھ ظہور پذیر ہوا۔ (نصر الباری 501/1)

رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الاٰخرۃ

اس کی چند تفسیریں ہیں:

(۱) بہت سی عورتیں اس دنیا میں اعمال کرنے والی ہوں گی لیکن آخرت میں ان سے خالی ہوں گی۔

(۲) بہت سی عورتیں لباس پہننے والی ہوں گی لیکن لباس چونکہ غیر شرعی ہوگا تو آخرت میں ننگا ہونے کی سزا ہوگی ___ یعنی تکریم لباس سے محروم ہوں گی۔ غیر شرعی ہونے کی تین صورتیں ہیں: ۱:- نامکمل لباس۔ ۲: باریک اسقدر کہ لباس سے نظر گذر جائے۔ جسم یا اس کا رنگ نظر آئے۔ ۳: موٹا مگر ٹائٹ اس قدر کہ جسم کے اعضا کی ساخت نمایاں ہو۔ گویا ناپ لینے کی بجائے جسم کے اوپر رکھ کر سیا گیا ہے۔

(۳) بہت سی عورتیں دنیا میں نعمتوں والی ہوں گی لیکن ناشکری کی وجہ سے آخرت میں نعمتوں سے خالی ہوں گی۔

دنیا میں تو عالی اور نفیس لباس پہنتی تھیں مگر حسنات اخروی کے اعتبار سے گناہوں سے پرہیز نہ کرتی تھیں ان کو چاہیے تھا کہ دنیا میں اسراف سے اجتناب کرتے ہوئے کفایت شعاری کر کے صدقہ کریں۔لباس ظاہری سے تو اپنے کو آراستہ رکھا مگر لباس باطنی (عمل) سے عاری رہیں۔(فضل الباری 156/2)

(۱) کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ کا معنی لباس پہن کر چست اور پتلا ہو کر بے ستر ہو اس عمل معصیت سے عذاب ہوگا۔(۲) لباس بیش قیمت ہے مگر اعمال خراب ہیں تو آخرت میں عریاں اٹھائی جائیں گی۔پہلی صورت میں کاسیہ ہی عاریہ ہونے کا سبب ہے دوسری صورت میں اپنے برے اعمال کی وجہ سے عاریہ ہوں گی ـــــ یہ فتنہ چونکہ خواتین سے متعلق ہے ان کو بطورِ خاص بیدار کر کے رجوع الی اللہ کی تلقین کی گئی۔امہات المؤمنین امت کیلئے اسوہ ہوں گی۔(انعام 189/1)

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں اس باب کے بعد باب السمر فی العلم آ رہا ہے یہ دونوں متقارب ہیں لیکن دونوں میں فرق ظاہر کرنے کیلئے یہ دو باب الگ الگ لائے گئے ہیں باب ہٰذا کی غرض اس پر تنبیہ ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد بات چیت ''سمر'' میں داخل نہیں ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں لفظ سمر ذکر نہیں کیا۔اگلے ترجمۃ الباب کا حاصل یہ ہے عام سمر تو ممنوع ہے البتہ سمر فی العلم منہی عنہ نہیں۔(کشف 386/4)

مطابقت: ترجمۃ الباب میں دو جز ہیں (۱) پہلا جز ماذا انزل سے ثابت ہوا کہ فتنوں کا علم اتارا گیا معلوم ہوا کہ رات کو تعلیم و تعلم ہو سکتا ہے اور اس سے بڑی دلیل انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ہے۔(۲) دوسرا جز العظۃ باللیل: ایقظوا سے ثابت ہے جگانے کا حکم نصیحت کرنے کیلئے ہے کہ توبہ و استغفار کرو۔

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے ازواج مطہرات کو صرف نسبت پر ہی اکتفا نہیں بلکہ عمل بھی کرو جیسے اہلیہ حضرت لوطؑ کو نسبت حاصل تھی مگر ان کے کام نہ آئی۔یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا اللہ تعالیٰ نے ایک لباس نسبت عطا کیا ہے اس کی قدر کرو۔

فوائد حدیث:

۱: اوقات شب میں خود اور اہل خانہ کو ذکر اللہ کی تلقین بالخصوص غیر معمولی واقعہ پیش آجائے یا خوفناک خواب دکھائی دے۔ ۲: موقع تعجب میں سبحان اللہ کہنا چاہیے۔ ۳: موقع حوادث سے تحفظ کیلئے طریق کار سے آگاہ کیا جائے۔ ۴: بالباس بے ستر عورتوں کا مصداق آج کے دور میں محتاج دلیل نہیں۔(کشف 402/4)

41 بَاب السَّمَرِ فِي الْعِلْمِ ـــ رات کو علم کی باتیں کرنا

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ.

حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ

خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ ثُمَّ قَالَ نَامَ الْغُلَيِّمُ أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا ثُمَّ قَامَ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے اپنی اخیر زندگی میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا تم مجھے خبر دو اپنی اس رات کی۔ اس رات کے بعد سو سال کے آخر میں نہیں باقی رہے گا ان میں سے کوئی جو زمین پر ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ میمونہ بنت حارثؓ زوجہ نبی ﷺ کے گھر ایک رات گزاری۔ اور اس رات نبی کریم ﷺ کے پاس تھے پس آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر اپنے گھر کی طرف آئے اور چار رکعتیں پڑھیں پھر سو گئے پھر کھڑے ہوئے پھر فرمایا لڑکا سو گیا (یا اس قسم کا کوئی لفظ کہا) پھر کھڑے ہوئے پس میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوا پس آپ نے مجھے دائیں جانب کر دیا پھر پانچ رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر سو گئے حتی کہ میں نے آپ ﷺ کے سانس کی آواز (خراٹے) سنی پھر آپ نماز کی طرف نکلے۔

ربط: ابواب سابقہ میں اشاعت علم کی ترغیب تھی اس سلسلہ میں علم کی کتابت کی ترغیب دی پھر رات کے اوقات استراحت میں تعلیم وتعلم کی ترغیب دی اور اس باب میں سونے سے قبل تعلیم وتعلم کو ثابت فرما رہے ہیں۔

غرض بخاری: حدیث میں عشاء کے بعد سمر سے جو نہی وارد ہوئی ہے، علم دین اور اس کی تعلیم وتعلم اس نہی سے مستثنیٰ ہے۔

سَمَر: لفظ سمر روایۃً یہ لفظ بفتح المیم ہے اگرچہ بسکون المیم لغۃً بھی ہے۔ اس کے معنی گندمی رنگ کے بھی آتے ہیں اور ضوء القمر کے بھی آتے ہیں۔ پھر چاندنی رات میں بیٹھ کر لوگ قصہ گوئی کرتے تھے تو رات کی قصہ گوئی کو ہی سمر کہنے لگے ــــــ پھر توسع ہوا تو گھر والوں کے ساتھ بات چیت اور رات کے پڑھنے کو بھی سمر کہہ دیتے ہیں۔

نام الغُلَيِّمُ بچونگڑا سو گیا۔ (فضل 2/161) حضرت میمونہؓ نے فرمایا: جی ہاں سو گیا (ان دنوں نماز نہیں پڑھتی تھیں۔) [تحفہ 413/1] لیکن حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: اس جملہ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنے گھر والوں کے سامنے کچھ ملاعبت وغیرہ کرنا چاہتے تھے ظاہر ہے کہ اس کے لئے تسترکی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے فرمایا: نام الغلیم۔ (کشف 422/4) پھر آپ ﷺ حضرت میمونہؓ کے تکیہ کی لمبائی میں سر رکھ کر لیٹ گئے اور باتیں کرتے ہوئے سو گئے یہ سمر ہے۔ (تحفہ 413/1)

ابن المنیر اور ان کے متبعین کا کہنا ہے کہ ترجمۃ الباب نام الغلیم کے جملہ سے ثابت ہے۔ نیز فرماتے ہیں: سیدنا ابن عباسؓ کا آپ ﷺ کے احوال کا رات بھر مشاہدہ کرنا یہی سمر ہے یہ اور بات ہے کہ یہ سمر قولی نہیں فعلی سمر ہے ــــــ نیز آپ ﷺ حضرت ابن عباسؓ کو نماز میں بائیں طرف سے دائیں طرف کرنا اگرچہ یہ فعل ہے مگر کہا جا سکتا ہے گویا آپ ﷺ نے فرمایا: قف عن یمینی اور ان کا دائیں طرف ہونا اس کا قائم مقام ہے کہ انہوں نے کہا: وقفت ــــــ دوسری توجیہ اجتماع اقارب کے ماحول میں مکمل خاموشی قرائن کے بالکل خلاف ہے۔ عشاء کے بعد حضرت ابن عباسؓ کو ساتھ لیکر آپ ﷺ

تشریف ﷺ آوری ہو کوئی بات قولاً فعلاً ہو جائے یہ بات علمی فائدہ ہے اس سے "سمر" ثابت ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں پہلی توجیہ کی بنیاد پر ثبوت سمر اس لئے نہیں کہ کلام معتد بہ نہیں۔ دوسری سے ثبوت سمر اس لئے نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے رات بھر مشاہدہ کو "رت جگا" تو کہیں گے مگر سمر کیلئے قول وگفتگو چاہیے جو نہیں ہے، اسے سہر تو کہہ سکتے ہیں سمر نہیں۔ نیز آپ ﷺ بیداری کے بعد کا عمل حضرت ابن عباسؓ کو نماز میں دائیں طرف کھڑا کرنا یہ سمر میں داخل ہی نہیں کیونکہ سمر کا تعلق قبل از نوم سے ہے ___ نیز حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ عشاء کے بعد تشریف آوری کے وقت حدیث میں گفتگو کی تصریح نہیں، محض قیاس سے "ثبوت سمر" نہیں ہو سکتا۔ تاہم حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کے دیگر طرق میں وارد الفاظ کی طرف اشارہ کیا جس میں واضح طور پر ہے فتحدث رسول اللہ مع اھلہ ساعۃً یہی سمر فی العلم ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں حافظ ابن حجرؒ کی بات مضبوط اور طرزِ بخاری کے مناسب بھی ہے۔ (کشف 427/4)

علامہ بدرالدین عینیؒ یہاں بھی حافظ ابن حجرؒ پر ناراض نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ترجمہ یہاں پر ہے اور اس کے ثبوت کیلئے دوسرے طریق کی ایک اور روایت پیش کر رہے ہیں یہ نرالی اور بعید تر بات ہے ___ حقیقت یہ ہے کہ یہاں حافظ ابن حجرؒ کی بات میں کوئی تکلف نہیں ___ کیونکہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ وہ طالب علم کو طرقِ حدیث پر متنبہ کرنے کیلئے ایسا کرتے ہیں جس سے مقصود تشحیذِ اذہان ہے کہ طالب علم محدث سے دوسرے طریق کی روایت کو دیکھ کر ترجمہ سمجھے۔ (فضل الباری 162/2)

تشریحِ حدیث

أرأیتم لیلتکم ھذہ:

پہلی روایت میں اس جزو سے ترجمۃ الباب کی مطابقت ثابت ہوتی ہے۔ یہ بعد از عشاء روایت سامرہ ہے۔

بخاری شریف میں دوسری جگہ صلوٰۃ اللیل میں اس روایت میں یہ اضافہ ہے: فصلی اربع رکعات فتحدث مع اھلہ ساعۃً ___ اور سامرہ کے ثبوت کیلئے طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ تو اس سے ترجمۃ الباب سے مطابقت ہوگئی۔ گویا امام بخاریؒ نے تشحیذ اذہان فرمائی کہ دوسری جگہ کی روایت کو سامنے رکھ کر ترجمہ قائم فرمایا ___

آپ ﷺ نے کیا خواب دیکھا؟ معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے یہی دیکھا ہو خزانوں اور فتنوں کے دروازے کھول دیئے گئے ___ مال اور فتنے میں چولی دامن کا ساتھ ہے ___ ممکن ہے خواب کچھ اور دیکھا ہو البتہ یہ تعبیر ہو ___

___ حجرات ازواج مطہرات الگ الگ تھے نیند سے بیدار کر کے بذریعہ رجوع الی اللہ تحفظِ فتن کا بتایا ___ اس میں یہ گہرا اشارہ ہے سب سے پہلے مال آنے کے بعد فیشن کے ذریعہ عورتیں فتنے میں مبتلا ہوتی ہیں۔ نیز مال کے ذریعہ عورتوں میں سب سے بڑا فتنہ لباس کے حوالہ سے آتا ہے۔ عورتوں کا مشہور جملہ ہے: کھائیے مَن بھاتا پہنے جگ بھاتا جس کا ترجمہ یہ بھی ہے کھائیے اپنی مرضی کا پہنے دوسروں کی مرضی کا ___ اب یہ فتنہ مغربیت کے حوالہ سے آیا ہوا ہے عورت تو عورت مرد بھی بے لباسی کا شکار ہے ___ آخرت میں سزا کے حوالہ سے سابق میں تفصیل آچکی ہے۔ (ماخوذ تحفۃ القاری 411)

فان راس مائة سنة منها الخ:

راویٔ حدیث حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک مطلب یہ ہے ایک صدی پر "قرن" ختم ہوگا۔ یہ نہیں کہ قیامت آجائے گی___اس حدیث کے ذیل میں حیاتِ عیسیٰؑ، حیاتِ خضرؑ (یا دجال) یا جنات کے مسائل چھیڑنا درست نہیں یہ منطق کا کلیہ نہیں جس سے کوئی جزئیہ خارج نہ ہو یہ خطابی ارشاد ہے۔ جو اکثری احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ (تحفۃ القاری 412/1)

سوال: یہ حدیث آپ ﷺ وفات سے ایک ماہ قبل کی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک سو دس ہجری تک سب کو ختم ہونا چاہیے۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے حضرت عیسیٰؑ کا اب تک زندہ ہونا ثابت ہے اور بہت سے حضرات حیاتِ خضر علیہ السلام کے قائل ہیں۔ اور بعض حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ دجال بھی زندہ ہے تو یہ تعارض ہوگیا۔

جواب ۱: یہ حدیث اکثر افراد کے اعتبار سے ہے۔

جواب ۲: اگر حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے تو جواب یہ ہے کہ دوسرے دلائل کے ہونے کی وجہ سے تخصیص ہے۔

جواب ۳: حدیث میں علی ظهر الارض کے لفظ ہیں تو حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اور حضرت خضرؑ کا سمندر میں اور دجال کا سمندر میں زندہ ہونا حدیث کے منافی نہیں ہے۔ لہٰذا مراد وہ مخلوق ہے۔ جو محجوب عن الابصار نہ ہو۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے وصال سے ایک ماہ قبل یہ حدیث بیان فرمائی آپ ﷺ کی وفات ۱۰ھ ربیع الاول میں ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں ۱۱۰ھ کو عامر بن طفیل اور مدینہ میں حضرت جابرؓ اسی سال اور غالباً حضرت انسؓ بھی اسی کے قریب اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ الغرض طولِ عمر کے باوجود یہ حضرات بھی سو سال کے اندر ہی وصال فرما گئے۔ مقصود یہ کہ امم سابقہ کی طرح تمہاری عمریں زیادہ نہیں بلکہ کم ہیں اور ذمہ داری زیادہ۔ لہٰذا غفلت و کوتاہی سے بچا جائے۔ (فضل الباری 159/2)

غطیط: سخت خراٹے۔ اور خطیط ہلکا خراٹا___ گھر تشریف لا کر آپ ﷺ نے جو چار رکعت پڑھی ہیں یہ وہ ہیں جو وتر سے پہلے صلوٰۃ اللیل کے طور پر پڑھا کرتے تھے___ یہ عشاء کے فرض کے بعد دو سنت اور دو نفل نہیں ہیں۔

نام الغلیم (چھوکرا سو گیا؟) غلام کی تصغیر ہے بمعنیٰ بچوا۔ مشہور قول یہی ہے کہ ہمزہ استفہام محذوف ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے پوچھا لیکن اخبار کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہؓ کو بتایا کہ ابن عباس سو گیا ہے___ ابن عباسؓ نے سکوت اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ بلا تکلف اپنے معمولات پورے فرمائیں۔ (نصر الباری 505/1)

فصلی خمس رکعات: یہاں اختصار راوی ہے یعنی تین وتر اور بعد والے دو نفل۔ تفصیلی روایات کے مطابق کتاب التفسیر میں ۱۱ (گیارہ) رکعات کا ذکر ہے۔ الفاظ یہ ہیں: ثم فصلی احدعشر رکعة تو آٹھ تہجد اور تین وتر مراد ہیں۔

فائدہ: جنات کی عمر چونکہ لمبی ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی دعویٰ صحابیت کرے تو جائز اور ممکن ہے___ لیکن انسانوں کیلئے جائز نہیں۔

ہندوستان کا ایک علاقہ بھٹنڈا ہے وہاں ایک رتن بابا گذرے ہیں جس نے صحابیت کا دعویٰ کیا___ مگر علماء کرام نے اس کا رد کیا ہے۔

اقسام قیامت

حدیث الباب سے اقسام قیامت بیان کرنا مقصود ہے۔

۱: قیامت صغریٰ اور وہ من مات فقد قامت قیامته ہے۔

۲: قیامت وسطیٰ ایک قرن ختم ہوجائے اور ایک نسل اختتام کو پہنچے جیسے پاکستان بنتے وقت جو موجود تھے وہ سب ختم ہوجائیں تو کہا جائے گا ایک قرن ختم ہوگیا۔

۳: تیسری قیامت کبریٰ اجتماعی اہل جہان وجہان کی قیامت۔

سمر اس وقت منع ہے جب اس کے نتیجے میں صبح کی نماز متاثر ہوا گر نماز متاثر نہ ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے۔ یہی قول عدل ہے۔ (انعام الباری 191/2)

اشکال: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مرفوعاً نقل فرماتے ہیں لاسمر الا لمصل او مسافر۔ اس طرح سمر کی رخصت اور نہی عن السمر کی احادیث کے درمیان ظاہر اً تعارض ہے: جواب صحت حدیث کے ثبوت کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ سمر فی العلم کرنے والا مصلی کے حکم میں ہے جیسے حضرت عمرؓ کو ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا: الصلوٰۃ، اب نماز پڑھتا ہوں آپؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ انا فی الصلوٰۃ پھر ہم فجر کی نماز تک بیٹھے رہے۔ (کشف 430/4)

42 بَاب حِفْظِ الْعِلْمِ ۔۔۔ علم کو یاد رکھنا

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا ثُمَّ يَتْلُو {إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنْ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى إِلَى قَوْلِهِ الرَّحِيمُ} إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنْ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمْ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنْ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبَعِ بَطْنِهِ وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُونَ وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ.

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَبُو مُصْعَبٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ قَالَ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ بِهَذَا أَوْ قَالَ غَرَفَ بِيَدِهِ فِيهِ

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں ابوہریرہؓ حدیثیں کثرت سے بیان کرتا ہے اگر قرآن کریم کی دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کبھی بھی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر ان آیتوں کی تلاوت کرتے (جن کا ترجمہ یہ ہے) بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم نے اتاری یعنی بینات اور ہدایت الرحیم تک (اور فرمایا) بے شک ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں تجارت میں مشغول رہتے تھے اور ہمارے انصاری بھائی اپنی زمین اور اموال کے کام میں مشغول رہتے تھے ۔ اور ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا پیٹ سیراب کرکے اور حاضر ہوتا تھا اس وقت جب وہ حاضر نہیں ہوتے تھے اور محفوظ کرلیتا تھا وہ چیزیں جو وہ محفوظ نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ سے بہت زیادہ حدیثیں سنتا ہوں پھر بھول جاتا ہوں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلا میں نے چادر پھیلائی آپ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ چلو بھرا (اشارہ کیا) پھر فرمایا اس کو ملالے میں نے اس کو سینے سے لگالیا اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو بورے (علم کے) محفوظ کئے ہیں ایک تو میں نے پھیلا دیا دوسرے کو اگر پھیلا دوں تو یہ شہ رگ میری کٹ جائے۔

ربط ا: باب سابق میں سمر فی العلم کا ذکر تھا۔ سمر فی العلم؛ یہ حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس کے بعد "باب حفظ العلم" قائم کیا تاکہ معلوم ہوجائے سمر کا مقصد حفظ العلم ہے۔

ربط ۲: حضرت ابوہریرہؓ نے آپ ﷺ سے نسیان کی شکایت کی اور نسیان حفظ کی ضد ہے وبضدها تتبین الاشياء تو ترجمۃ الباب ثابت ہوگیا۔ (نصر الباری 508/1)

غرضِ ترجمہ: اس باب کو قائم کرکے عظمتِ علم بیان فرماتے ہیں کہ علم پڑھ کر یاد کرنا چاہیے اور روایت الباب میں علم محفوظ رکھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ تو اس باب سے مقصود بخاریؒ دو باتیں ہیں: ۱- علم کو یاد رکھنا چاہیے۔ ۲- حفاظت اور یاد کرنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ اور اس کے دو طریقے ہیں: ۱- کثرت ملازمت۔ ۲: اور دعاءِ استاذ محترم۔ صرف محنت پر ہی بھروسہ نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی کل مرویات ۵۳۷۴ ہیں۔

باب ہذا میں صرف حضرت ابوہریرہؓ کا ذکر ہے کیونکہ وہ احفظ الصحابۃ للحدیث ہیں۔ ویحفظ ما لا یحفظون ہیں اور اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ کے لفظ سے اس حدیث کی ترجمہ سے مطابقت ثابت ہوگئی ۔ کیونکہ حفظ کے بغیر کثرۃ روایت نہیں ہوسکتی ۔ معلوم ہوا انسان علم کے ساتھ جس قدر محبت و مشغولیت رکھتا ہے اسی قدر علم میں ترقی ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مدتِ مصاحبت قلیل ضرور ہے لیکن کسبِ فیض کیلئے شغف و مشغولیت بہت زیادہ تھی دوسری حدیث میں اعطائے علم کا اعجازی طریق ہے فما نسیت بعدہ شیئا اسی کی تعبیر ہے۔

گویا حضرت ابوہریرہؓ اپنا کمال نہیں بلکہ آپ ﷺ فیض اور آپ کی دعا کی برکت بتا رہے ہیں (نیز آپ ﷺ وفات کے بعد حدیثیں یاد کرکے حضرت عائشہؓ کو سنایا کرتے تھے [تحفہ 415/1])

تشریحِ حدیث

ان الناس یقولون الخ:

یہ لوگوں کا حضرت ابوہریرہؓ پر اعتراض ہے کہ ابوہریرہؓ احادیث بہت کثرت سے بیان کرتے ہیں۔۔۔۔ حالانکہ ان کو حضور ﷺ کے پاس رہنے کا وقت بہت کم ملا۔ صرف تین سال خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔۔۔۔ جب کہ دیگر صحابہؓ جو سالہا سال سے خدمت میں تھے ان کی مرویات اتنی نہیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اس کا جواب دیا کہ قرآن کریم میں چونکہ کتمانِ علم پر وعید ہے اس لئے میں بیان کرتا ہوں۔۔۔۔ پھر فرمایا لوگ یہ اعتراض کیوں کرتے ہیں۔۔۔۔ اس لئے کہ ہم لوگ علم میں مشغول رہتے تھے۔ جبکہ مہاجرین بازاروں اور حضراتِ انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے۔ (اور ابوہریرہؓ کو کیا چاہیے تھا؟ دو روٹی اور دو بوٹی جو آپ ﷺ کے دسترخوان پر مل جاتی تھیں۔ [تحفۃ القاری 415/1])

بشبع بطنه:

۱: یہ قناعت سے کنایہ ہے۔ یعنی کھانے کو تو کچھ نہیں ہوتا تھا لیکن قناعت اور سیر چشمی کی وجہ سے "بشبع بطن" کی کیفیت میں رہتے تھے۔ اس صورت میں یہ کلام حقیقی معنوں پر محمول ہے۔

۲: دوسرا معنی مجازی ہے کہ شبع بطن سے مراد شبع بطن من العلم ہے۔ اور اس مطلب کی تائید اس خواب سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر دودھ پیا اور علم سے تعبیر دی۔۔۔۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے جو غیر متبادر ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔ فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ آپ ﷺ مجلس میں جمے رہے تھے وہاں اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب ان کو ان کا پورا حصہ نہیں مل جاتا تھا اور ان کا علم سے پیٹ نہیں بھر جاتا تھا۔ کقولهم: فلان یحدث شبع بطنه یسافر شبع بطنه۔ فلاں پیٹ بھر کر بات چیت کرتا ہے اور فلاں پیٹ بھر کر سفر کرتا ہے۔ (کشف 437/4)

سندآخر (۱) حدیث اول میں بیدہ تھا یہاں ببدیه ہے۔ (۲) وہاں فیه نہ تھا یہاں فغرف ببدیه فیه ہے۔ (درس شامزئی 297)

<u>فمانسیت بعد:</u>

اس کے بعد میں کبھی کوئی چیز نہ بھولا۔۔۔۔ اگر کسی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کی طرف نسیان کی نسبت آجائے تو اس کے دو جواب ہیں:

۱: ایک آدھ بات بھول جانا؛ یہ اس کے منافی نہیں آخر انسان ہیں۔

۲: یا حضرت ابوہریرہؓ کی بھول کو نقل کرنے والا بھول گیا۔ چنانچہ مشکوۃ شریف کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک حدیث بیان فرمائی تو شاگرد نے اس پر کہا پہلے تو آپ نے کچھ اور فرمایا تھا اب اس کے علاوہ کچھ اور

فرمارہے ہیں ـــــ آپ نے فرمایا مجھے یاد نہیں۔ تو اس کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ روایت بھولے نہیں تھے۔ بلکہ جب دیکھا شاگرد کم فہم ہے اور روایات میں ٹکراؤ پیدا کرتا ہے تو انکار فرمادیا کہ جاؤ مجھے یاد نہیں۔

فما نسیت شیئاً بعد:

روایت الباب میں مطلقاً نسیان کی نفی ہے جبکہ کتاب البیوع کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت کو جو کچھ کہا اس میں سے کچھ نہیں بھولا۔ تعارض ہوا۔

جواب: یہ ہے کہ تعدد واقعہ پر محمول ہے ـــ لیکن یہ جواب درست نہیں اس لئے کہ دونوں واقعات کا سیاق ایک ہی ہے اور یہ دلیل ہے واقعہ کے ایک ہونے کی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں میری رائے یہ ہے کہ ایک کتاب البیوع والی روایت میں من مقالہ کے الفاظ ہیں، من اجلیہ ہے اور اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس دعا کی برکت کی وجہ سے اس کے بعد پھر میں کچھ نہیں بھولا۔ (دلیل 438)

نیز من ابتداء غایت کیلئے ہو یعنی میرے سے روایات کو نہ بھولنے کا آغاز ہو گیا جو پہلے نہ تھا۔ (کشف 452/4)

تنبیہ: حضرت ابوہریرہؓ نے اکثار فی الحدیث کے سلسلہ میں اظہار حقیقت فرمایا خدانخواستہ حضرات مہاجرین وانصار کی ہرگز تنقیص مقصود نہیں تھی۔ (کشف 437/4)

قُطعَ هٰذا البلعوم:

دو قسم کے علوم حاصل کئے۔ ایک کو تو میں نے پھیلا دیا، دوسرے کو اگر میں پھیلاؤں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے۔

ـــ جس تھیلے میں احکام شریعت تھے اس کے کتمان کے سلسلہ میں آیات بقرہ تلاوت فرمائیں اور وعید کے پیش نظر اسے نشر فرمایا البتہ فتن کی وہ تفصیلی روایات جن میں اسماء منافقین، یزید، حجاج بن یوسف وغیرہ تھے ان کے ذکر سے اندیشہ جان کا اظہار فرمایا اسی لئے اس دعا کا معمول تھا۔ اعوذ باللہ من رأس الستین و امارۃ الصبیان۔ میں سن ۶۰ھ اور بچوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہ خلافت یزید کی طرف اشارہ تھا جو ۶۰ھ میں قائم ہوئی اور قبولیت دعا کی وجہ سے آپ کا وصال پہلے ہی ہو گیا۔ (فضل الباری 165/2)

ایک روایت میں ثلاثہ اجربۃ ہے یعنی تین بورے تو حدیث الباب سے تعارض ہوا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث باب کے مخالف نہیں کیونکہ جو احادیث ابوہریرہؓ نے بیان فرمائی ہیں وہ بہت زیادہ تھیں ان سے جنہیں نشر نہیں فرمایا۔ حدیث باب میں بیان کردہ ذخیرہ حدیث کے دو چند ہونے کی رعایت نہیں فرمائی اور جہاں اس کی رعایت کی گئی وہاں تین بوجھ فرمایا۔ (فضل الباری 165/2)

سوال: اس علم سے کونسا علم مراد ہے حضرات صوفیا علم تصوف مراد لیتے ہیں اور عند البعض اسرار و رموز شریعت مراد ہیں۔

جواب: صاحب خدمت لوگ کہتے ہیں احوال تکوینیہ مراد ہیں ـــ صحیح یہ ہے کہ فتنوں کا علم مراد ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ دعاء مانگا کرتے تھے: اعوذ بک من راس ستین سنۃ۔ اور ساٹھ ہجری میں خلافت یزید ہوئی، تو اس سے یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔ معلوم ہوا کہ ہر بات بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ نیز وہ باتیں یا علم جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کو

چھپانا ہی چاہیے۔ لہذا صوفیا کرام کو چاہیے کہ کوئی ایسی بات جس سے لوگوں کے اعتقاد بگڑنے کا اندیشہ ہو تو نہیں بتانی چاہیے۔

حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں اس سے طریقت کے حقائق و معارف مراد ہیں کیونکہ ان کا ظاہری معنیٰ کچھ ہوتا ہے اور باطنی معنیٰ کچھ اور ہوتے ہیں ظاہری معنیٰ سے بعض اوقات یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید ارتداد یا کفر کی بات کہہ دی حالانکہ کفر کی بات مقصود نہیں ہوتی جیسے منصور نے "انا الحق" کہہ دیا اب ظاہر اً یہ کفر کی بات تھی اگرچہ مقصود کفر نہیں تھا____

یہاں تک کہ "باطنیہ" اسی کو آگے بڑھا کر یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن و سنت کے ایک ظاہری معنیٰ ہوتے ہیں اور ایک باطنی ہوتے ہیں پھر انہوں نے اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی کہ اصل مقصود ظاہری احکام نہیں بلکہ باطنی تعلیمات ہیں (انعام الباری 198/7)

اشراط ساعت بہت حضرات صحابہ کرام کو معلوم تھیں لیکن بعض علامات قیامت ایسی ہیں جن کا تحمل ہر کوئی نہیں کر سکتا اس لئے مخصوص حضرات کو بتائی گئیں جن میں حضرت ابوہریرہؓ شامل ہیں اور عامۃ الناس سے اخفاء کیا گیا۔ (کشف 466/4)

فائدہ ۱: گردن میں دو رگیں ہیں ایک سے سانس آتا جاتا ہے وہ حلقوم ہے اور دوسری سے کھانا پانی آتا جاتا ہے وہ بلعوم ہے مگر یہاں گردن مراد ہے۔ (تحفۃ القاری 417/1)

فائدہ ۲: دونوں تھیلیوں کا برابر ہونا ضروری نہیں ایک میں پانچ ہزار اور ایک میں صرف پانچ احادیث ہی ہوں۔ (تحفہ 417/1)

سوال: یہ کتمان علم ہے جو جائز نہیں۔

جواب: چونکہ یہ علم علوم الحلال و الحرام میں سے نہیں تھا۔ جس سے غرضِ عام اور احکام شرعیہ متعلق ہوتے ہیں، اس لئے یہ کتمانِ علم کی وعید میں داخل نہیں۔

43 بَاب الْإِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ ۔۔۔ علماء کی بات سننے کے لیے خاموش رہنا

حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ جَرِيرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ان کو حجۃ الوداع میں فرمایا لوگوں کو خاموش کرا پھر آپ نے فرمایا میرے بعد کافر بن کے نہ لوٹنا کہ تمہارا بعض بعض کی گردنیں مارنے لگ جائے۔

ربط: باب سابق میں حفظِ علم کا ذکر تھا____ اب اس باب میں طریقہ حفظ علم بتلایا جارہا ہے کہ علماء کی بات توجہ اور دھیان سے سنے۔

غرضِ ترجمہ: اس کی چار اغراض ہیں:

۱: طلباء کرام کو دورانِ سبق آپس میں باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

۲: حفاظتِ علم کیلئے ادب سے سننا ضروری ہے۔

۳: ایک غرض یہ ہے کہ ایک حدیث لا تقطع مع الناس کلامهم کی تخصیص مقصود ہے۔ کوئی علم کی بات کرنا چاہے یا وعظ

کرنا چاہے تو پھر لوگوں کو خاموش کراتے ہوئے ان کی بات کاٹنا جائز ہے۔ سننے کا حق ادا کرنے سے عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔

۴: انصات کے معنیٰ متکلم کی جانب تمام حواس کو معطل کرنے کے آتے ہیں۔ ابن بطالؒ نے فرمایا اس باب سے مقصودِ بخاریؒ یہ ہے کہ طالب علم کو چاہیے ہر وقت ہمہ تن استاذ اور شیخ کی گفتگو کی طرف متوجہ رہے۔ اور اس کی مجلس میں شور و شغب نہ کرے۔ کیونکہ علماء کرام حضرات انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ حق نبی میں لاترفعوا اصواتکم کا حکم آیا ہے لہٰذا یہی حکم علماء کرام کا ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں "للعلماء" میں "لام اجلیہ" ہے۔ اور مقصود یہ ہے اہل علم کے احترام کی وجہ سے ان کے سامنے خاموش رہیں اس میں مجلس درس کی قید نہیں ____ بلکہ عموم احوال مراد ہیں۔

تنبیہ: متعلمین کے لئے یہ ہے کہ اہل علم کے سامنے انصات مع التوقیر ہو رفع صوت نہ ہو قلب و ذہن سے شیخ کی طرف کامل التفات ہو۔

اسی طرح وعظ و نصیحت کے موقع پر خاموش کرانا جائز ہے ____ اگرچہ لوگ ذکر و تلاوت وغیرہ میں ہی کیوں نہ مشغول ہوں اس لئے تعلیم و تبلیغ کی ضرورت سے اوقاتِ خاصہ میں انصات مباح اور مستحسن ہے۔ (کشف 471/4)

تشریحِ حدیث

استنصت الناس:

آپ ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہؓ سے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا لوگوں کو چپ کرادو۔

اسی سے ترجمۃ الباب کی مطابقت ثابت ہوئی۔

علماء لغت کے بقول صحیح یہ ہے کہ انصات خاص ہے اور استماع عام ہے استماع مطلق کان لگانے کو کہتے ہیں چاہے سکوت ہو یا نہ ہو جبکہ انصات ایسے سکوت کو کہتے ہیں جس میں استماع بھی ہو۔

قال سفیان ثوری رحمہ اللہ اول العلم الاستماع ثم الانصات ثم الحفظ ثم العمل ثم النشر۔ (کشف 475/4)

قالہ فی حجۃ الوداع:

سوال: یہ روایت حضرت جریرؓ سے ہے۔ "لہ" کی ضمیر بھی حضرت جریرؓ کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت جریرؓ حضور پاک ﷺ وفات سے چالیس روز قبل مسلمان ہوئے۔ تو ان کو استنصت الناس کیسے کہہ دیا۔ کیونکہ حجۃ الوداع تو دو ماہ قبل ہوا ہے اس وقت یہ مسلمان نہیں تھے۔

جواب ۱: شراح حدیث یہاں حیران ہوگئے ہیں۔ اکثر شراح کہتے ہیں کہ روایت میں حذف ہوگیا ____ جس کی طرف ضمیر لوٹتی ہے وہ محذوف ہے۔ اس لئے ضمیر کا مرجع جریرؓ نہیں ہوسکتے۔

جواب ۲: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ چالیس روز قبل مسلمان ہونے کی روایت غلط ہے یہ تو رمضان شریف میں مسلمان

ہوئے تھے توان کا حج میں شرکت کرنا ثابت ہے۔لہٰذا ضمیر کا مرجع یہی ہیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں یہ بہت خوبصورت تھے،طویل القامت تھے۔ایک ذراع کا جوتا تھا،اونٹ کی کوہان تک ان کا قد تھا۔

حضرت جریرؓ کو جب آپ ﷺ دیکھتے تو اکرام یا انبساط کیلئے مسکراتے جب وہ پہلی مرتبہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کیلئے چادر بچھائی۔حدیث الباب کے دوجملوں کے درمیان واؤ عاطفہ نہیں کمالِ اتصال ہے۔اس لئے دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہے۔(تحفۃ القاری 418/1)

لاترجعوا بعدی کفاراً

ا: مستحل پر محمول ہے۔یہ مشہور توجیہ ضعیف ہے۔آپ ﷺ نے لفظ ''کفر'' کا اطلاق مخصوص جرائم پر کیا ہے اور استحلال معصیت میں کسی جرم کی کوئی خصوصیت نہیں جس معصیت کو بھی کوئی شخص حلال سمجھے گا وہ کافر ہوجائے گا۔

۲: ارتکاب قتل سے کافروں کے مشابہ نہ ہوجاؤ۔ ۳: لاترجعوا کفاراً کے معنیٰ لاترتدوا ہے یعنی مرتد نہ ہوجانا۔

۴: کفر بمعنیٰ کفران ہے،میرے بعد نعمتِ اسلام کی ناشکری کرنے والے نہ ہو۔ ۵: اسلام سلم سے ماخوذ ہے مسالمت کی بجائے مقاتلہ کرنے لگو۔ ۶: کافر سے مراد اصطلاحی کافر نہیں بلکہ متکفر بالسلاح مراد ہے یعنی ہتھیار باندھ کرایک دوسرے کے مدمقابل نہ آنا_____ دوسری توجیہ متبادر ذہنی کے لحاظ سے راجح ہے۔(کشف 476/4)

یہاں حقیقی کفر مراد نہیں بلکہ دین کا عملی انکار مراد ہے۔فتنے جب سر اٹھاتے ہیں تو قتل وقتال کی نوبت آتی ہے جو عملی طور پر دین کا انکار ہے۔(تحفۃ القاری 418/1)

بعض روایات میں بجائے کفاراً کے ضلالاً آیا ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ قتل سے اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

(نصر الباری 512/1)

فائدہ: لاترجعوا بعدی کفاراً سے ظاہر ہوتا ہے امت معصوم نہیں تو امت کا اجماع بھی حجت نہیں_____

ج: اجماعِ امت کی حجیت حدیث لاتجتمع امتی علی ضلالۃ سے ثابت ہے۔حدیث الباب میں امکانِ کفر کا ذکر ہے جو اجتماعی معصومیت کے خلاف نہیں جیسے آپ ﷺ کے معصوم ہونے کے باوجود نفسِ امکان پر فرمایا گیا لئن اشرکتَ، حالانکہ اشراک کا امتناع قطعی الثبوت ہے____(کشف 477/4)

44 بَاب مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ إِذَا سُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَيَكِلُ الْعِلْمَ إِلَى اللَّهِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ فَعَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ

أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ يَا رَبِّ وَ كَيْفَ بِهِ فَقِيلَ لَهُ احْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ فَإِذَا فَقَدْتَهُ فَهُوَ ثَمَّ فَانْطَلَقَ وَ انْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ وَحَمَلَا حُوتًا فِي مِكْتَلٍ حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا وَنَامَا فَانْسَلَّ الْحُوتُ مِنَ الْمِكْتَلِ {فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا}

وَ كَانَ لِمُوسَى وَ فَتَاهُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَ يَوْمَهُمَا فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ {آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا} وَ لَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ {أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ} قَالَ مُوسَى {ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا}

فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ أَوْ قَالَ تَسَجَّى بِثَوْبِهِ فَسَلَّمَ مُوسَى فَقَالَ الْخَضِرُ وَ أَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَى فَقَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ {هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رَشَدًا} قَالَ {إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا} يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لَا أَعْلَمُهُ {قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَ لَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا} فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَ عِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذَا الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا {قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ}

فَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسَى {أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ} {قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا} قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَهَذَا أَوْكَدُ {فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ} قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى {لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَ بَيْنِكَ} قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا

ترجمہ: جب کسی عالم سے سوال کیا جائے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو اسے علم کو اللہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے

حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا نوف بکالی کہتا ہے وہ موسیٰؑ (جو خضرؑ کے ساتھ گئے تھے) وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے موسیٰ ہیں۔ انہوں نے کہا جھوٹا ہے اللہ کا دشمن۔ ہمیں ابی بن کعبؓ نے بیان کیا

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو موسیٰ نے فرمایا میں بڑا عالم ہوں۔ تو اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر میرا ایک بندہ ہے وہ تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

موسیٰ نے عرض کی اے پروردگار میں اس تک کیسے پہنچوں گا؟ تو حکم ہوا مچھلی زنبیل میں رکھ لے جہاں وہ مچھلی گم ہو گی وہاں وہ ملے گا۔ پھر موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون تھے۔ اور انہوں نے مچھلی زنبیل میں اٹھائی حتیٰ کہ چٹان کے پاس پہنچے اور اپنا سر رکھا اور سو گئے اور مچھلی زنبیل سے نکلی اور دریا میں راستہ بنا لیا۔ موسیٰ اور ان کے خادم کو تعجب ہوا اور دونوں چلتے رہے ایک رات، دن میں جتنا باقی رہا تھا۔ جب صبح ہوئی تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہم تو اس سفر سے تھک گئے۔ اور موسیٰ کو تھکان نے چھوا بھی نہیں مگر جب اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جہاں جانے کا حکم ہوا تھا۔ اسی وقت ان کے خادم نے کہا کیا آپ نے نہیں دیکھا جب ہم صخرہ کے پاس پہنچے تھے تو (مچھلی نکل گئی تھی) میں اس کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔[1]

موسیٰ نے کہا ہم تو اسی کی تلاش میں تھے پھر وہ دونوں کھوج لگاتے ہوئے اپنے نشانات قدم پر لوٹے۔ جب اس صخرہ کے پاس پہنچے تو دیکھا ایک شخص کپڑا لپیٹے ہوئے ہے۔ موسیٰ نے اس کو سلام کیا تو خضرؑ نے کہا: تیرے ملک میں سلام کہاں سے آیا۔ موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ خضرؑ نے کہا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر مجھے بھی وہ علم سکھاؤ جو آپ کے پاس ہے۔

خضرؑ نے کہا: آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ اے موسیٰ بات یہ ہے اللہ نے مجھے ایک علم دیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کو اللہ نے ایک علم دیا ہے جو میرے پاس نہیں ہے۔ موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ ضرور مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ تمہاری کسی کام میں نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے پر روانہ ہوئے اور ان کے پاس کشتی نہ تھی۔ اتنے میں ایک کشتی ادھر سے گزری انہوں کشتی والوں سے کہا ہم کو سوار کرلو خضرؑ کو انہوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔

اتنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر اس نے ایک یا دو چونچیں سمندر میں ماریں۔ خضرؑ نے کہا موسیٰ! میرے اور تیرے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا لیا ہے جتنا اس چڑیا کی چونچ نے سمندر میں سے۔ اس کے بعد خضرؑ کشتی کے تختوں میں سے ایک کی طرف چلے اور اس کو اکھیڑ ڈالا۔ موسیٰ نے کہا ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کیا اور تم ان کی کشتی کو نقصان پہنچا کر ان کو ڈبونا چاہتے ہو۔ خضرؑ نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کریں گے۔ موسیٰ نے کہا میری بھول پر میری گرفت نہ کرو اور میرے کام کو مشکل میں نہ پھنساؤ۔

حضور ﷺ نے فرمایا یہ پہلا اعتراض تو موسیٰ کا بھول سے تھا۔ پھر وہ دونوں چلے تو ایک لڑکا دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضرؑ نے اوپر سے اس کا سر پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کا سر اکھیڑ لیا۔ موسیٰ نے کہا: تو نے ایک معصوم جان کا ناحق خون کیا۔

---

[1] حضرت یوشع بن نون بتلانا اس لئے بھول گئے انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ مچھلی کے بارے میں بتا دوں گا، ان شاء اللہ نہیں کہا تھا۔

خضرؑ نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے۔ ابن عیینہؒ نے کہا یہ پہلے کام سے زیادہ ہے۔ پھر دونوں چلے اور ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے۔ ان سے کھانا مانگا تو انہوں نے کھانا کھلانے سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے دیکھا اس میں ایک دیوار ہے جو گرنے کے قریب ہے۔ تو خضرؑ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور دیوار کو سیدھا کردیا۔ تو پھر موسیٰؑ نے کہا تم چاہتے تو اس کی مزدوری لے سکتے تھے۔ خضرؑ نے کہا بس اب میرے اور تیرے درمیان جدائی کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ موسیٰؑ پر رحم کرے۔ کاش صبر کرتے تو ان کے اور حالات بھی ہم سے بیان کیے جاتے۔

فیکل العلم الی اللہ تعالیٰ:

ربط: باب سابق میں متعلم کو حفاظتِ علم کا طریقہ بتلایا تھا کہ استاذ کی بات غور سے سنے۔ باب ہذا میں عالم کو یہ نصیحت فرمارہے ہیں عالم میں تواضع وانکساری ہونی چاہیے ـــــــ اس کے منہ سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکلے جس سے تکبر کی بو آئے۔

غرضِ بخاریؒ ۱: غرض، ربط کی تقریر سے واضح ہے کہ بڑے سے بڑے عالم کو تواضع اختیار کرنی چاہیے اور کمالِ علم کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔

۲: یہاں امام بخاریؒ کا مقصد علماء کو یہ بات سکھانا ہے کہ انہیں اپنا جہل بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اپنی محدود معلومات کو سامنے رکھ کر غیر محدود مجہولات سے قطع نظر مناسب نہیں۔ (فضل الباری 170/2)

۳: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ کا مقصود غیر اللہ سے علمِ غیب کلی کی نفی ہے اور ہر ایسے موقع پر جس کا عالم کو علم نہ ہو اس کو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے یہی مطلب فیکل العلم الی اللہ تعالیٰ کا ہے۔

۴: اللہ اعلم کی بجائے انا اعلم کہنے پر موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر معتوب ہوئے تو عام علماء کسی بھی طرح قابلِ عفو نہیں ہوسکتے اس لئے علماء کو پوری احتیاط کرنی چاہیے۔ (فضل الباری 169/2)

تعارفِ رواۃ

محمد المسندی:

مسند احادیث بہت تلاش کرتے تھے۔ اس لئے ان کا لقب یہی شہرت اختیار کرگیا۔

نوف البکالی:

قبیلہ بکال جو دمشق میں تھا اس میں پیدا ہوئے۔ یہ کعب احبار کے ابن المرأۃ (سوتیلے بیٹے) یا ابن الاخت یعنی بھانجے ہیں۔ اولاً یہودی تھے پھر مسلمان ہوگئے ـــــــ یہ توراۃ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ ان کو یہ شبہ پیش آیا کہ حضرت خضرؑ سے سفر میں شریک ہونے والے موسیٰ بن عمران نہیں ہیں۔ جو بنی اسرائیل کی جانب مبعوث ہوئے۔ بلکہ یہ موسیٰ بن عیسیٰ بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ یعنی حضرت یوسفؑ کے پوتے اور یہ بھی نبی تھے ـــــــ تورات میں چونکہ حضرت موسیٰؑ اور

حضرت خضرؑ کے واقعہ کا بالکل ذکر نہیں اس لئے ان کو شبہ ہوا نبی کا دوسرے کے پاس جا کر علم حاصل کرنا؛ یہ اولوالعزم پیغمبر کے شایانِ شان نہیں ـــــ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے ان کو موسیٰ بن عمران ہی قرار دیا ہے اور احادیثِ صحیحہ سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ نیز ایک نبی کا دوسرے نبی کی طرف حصولِ علم کیلئے جانا منصبِ نبوۃ کے خلاف بھی نہیں ـــــ بالخصوص جبکہ دونوں کے علوم کی انواع مختلف ہوں کہ حضرت خضرؑ کو علمِ تکوینی دیا گیا تھا۔ و علّمنٰہ من لدنّا علماً سے یہی مراد ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو علمِ تشریعی عطا کیا گیا تھا۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا علمِ تکوینی اور علمِ تشریعی میں اتحاد ضروری نہیں ـــــ بلکہ ان میں تضاد ہوسکتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا تشریع کو تکوین پر فضیلت حاصل ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضرؑ پر فضیلت حاصل تھی۔

ترشی لہجہ

كذب عدو الله:

بعض حضرات فرماتے ہیں یہ نوف البکالی بھی مسلمان نہیں تھے۔ یا حضرت ابن عباسؓ کو ان کے ایمان میں شک تھا۔ اس لئے عدو اللہ کا سخت جملہ ارشاد فرمایا۔

لیکن یہ بات بالکل غلط ہے۔ یہ صحیح، پختہ ایمان والے اور جلیل القدر مسلمان تابعی ہیں۔

سوال: حضرت ابن عباسؓ نے "عدو اللہ" کیوں فرمایا؟

جواب ۱: اہلِ حق جو قلوبِ صافیہ رکھتے ہیں، جب غیرِ حق سنتے ہیں تو ان کے دل میں بہت گھٹن ہوتی ہے۔ اس لئے زجراً ایسے سخت الفاظ کا صدور ہو جاتا ہے۔

نمبر ۲ کذب عدوّ اللہ ـــــ اگر اتنا سخت لہجہ استعمال نہ کرتے تو لوگ ابن عباسؓ کے بجائے نوف کی بات پر اعتماد کرتے کیونکہ نوف واعظ تھے اور لوگوں میں واعظ زیادہ مشہور ہوتا ہے بخلاف علماء کے۔ (درس شامزئی 299)

كذب عدو الله۔ ابن عباسؓ نے حر بن قیس کے بارے میں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ حالانکہ اختلاف ان سے بھی تھا ـــــ لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کیونکہ حر بن قیس سے اختلاف دوسری نوعیت کا تھا وہ یہ کہتے تھے کہ جن صاحب کے پاس حضرت موسیٰؑ گئے تھے وہ حضرت خضرؑ نہ تھے چونکہ قرآن کریم میں حضرت خضر کے نام کی صراحت نہیں اس لئے یہ اختلاف اتنا سنگین نہ ہوا ـــــ اس کے برخلاف نوف البکالی سے جو اختلاف تھا وہ زیادہ سنگین تھا کیونکہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے نام کی صراحت ہے۔ (انعام الباری 201/2)

حضرت ابن عباسؓ اور حر بن قیس کے مابین گفتگو کے وقت حضرت ابن عباسؓ کو حدیث ابی بن کعبؓ معلوم نہ تھی ـــــ لیکن جب سعید بن جبیرؒ اور نوف بکالی کے درمیان گفتگو ہوئی تو حضرت ابن عباسؓ کو حدیث معلوم تھی اور نوف بکالی کی بات خلافِ حدیث تھی تو جوش آیا اور فرمایا: كذب عدو الله۔ (کشف 484/4)

سبب عتاب خداوندی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کو مطلق جواب نہیں دینا چاہیے تھا ــــــ لیکن ابن المنیرؒ کا کہنا یہ ہے: اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف بات کو لوٹانا متعین تھا اگر انا اعلم کے ساتھ و اللہ اعلم بھی کہہ دیتے تو عتاب نہ ہوتا (کشف 487/4)

تشریح حدیث

فی البحر سربا:

سربا کا ترجمہ دو طرح سے ہے۔ ۱: چلنا جیسے قرآن کریم میں بھی ہے۔ ۲: سرب سرنگ کو بھی کہتے ہیں۔ مچھلی نے پانی میں جو راستہ اختیار کیا تھا وہ سرنگ کی شکل کا تھا۔

الا کنقرۃ ھذہ العصفور:

تقریب الی الفہم کیلئے قلت میں تشبیہ ہے۔ نقص محض تمثیل اور تشبیہ کے طور پر ہے ــــــ ورنہ حقیقت میں بندوں کا علم متناہی اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے۔ یہاں چونچ کا پانی بھی متناہی اور سمندر کا پانی بھی متناہی ہے۔

حضرت خضرؑ کا یہ فرمانا کہ آپ کو جو علم دیا گیا ہے اسے میں نہیں جانتا اور جو علم مجھے دیا گیا ہے اسے آپ نہیں جانتے ــــــ یہاں میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حضرت خضرؑ انسان نہیں تھے رجال الغیب میں سے تھے۔ رجال الغیب زمینی فرشتوں کو کہتے ہیں جو عام طور پر نظر نہیں آتے اور کبھی نظر بھی آتے ہیں۔ انکو تکوینیات کا علم دیا جاتا ہے۔ (تحفۃ القاری 421/1)

حتی اذا اتیا اھل قریۃ استطعما اھلھا:

سوال: اھلھا دوبارہ کیوں فرمایا؟ جبکہ پہلے اہل قریہ آچکا ہے۔

جواب: اس میں نکتہ یہ ہے کہ انہی لوگوں سے کھانا طلب کیا تھا۔ جو اس بستی کے باشندے تھے ــــــ ارد گرد سے جو لوگ آئے ان سے کھانا طلب نہیں کیا تھا۔ ضمیر نہ لاتے تو بات واضح نہ ہوتی کہ بستی والے مراد ہیں یا باہر سے آنے والے مراد ہیں۔ اس لئے اھل کا لفظ لائے تا کہ مراد متعین ہو جائے کہ بستی والوں نے ہی کھانا نہیں دیا۔

حضرت خضرؑ کا دیوار کو سیدھا کرنا بامر خداوندی تھا اور جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہو اس پر مزدوری لینا جائز نہیں ــــــ یہیں سے یہ ضابطہ بنا ہے کہ طاعات مقصودہ پر اجارہ باطل ہے۔ (تحفۃ القاری 427/1)

مجمع البحرین:

اس سے کونسا مقام مراد ہے ــــــ مختلف اقوال ہیں: جن میں بعض اقوال جغرافیائی حالات پر منطبق نہیں ہوتے۔ مثلاً بعض نے کہا: بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ مراد ہے حالانکہ یہ دونوں کہیں بھی جا کر نہیں ملتے۔ لہذا وہاں مجمع البحرین کہنا ممکن نہیں۔

کسی نے کہا یہ فرات کی کوئی جگہ ہے حالانکہ فرات سمندر ہی نہیں بلکہ دریا ہے ــــــ دوسری بات یہ ہے فرات کا تعلق حضرت موسیٰؑ کی جگہ سے نہیں۔ اس میں صحیح اور محقق بات یہ ہے کہ مجمع البحرین خلیج عقبہ ہے جو مصر اور اردن کے درمیان ہے۔ بحر

احمر آگے جا کر بحر روم میں گر رہا ہے۔ اور اس سے پہلے خلیج عقبہ آتی ہے تو خلیج عقبہ کا وہ حصہ جہاں آگے جا کر خلیج عقبہ بحر احمر کے ساتھ مل رہی ہے اس کو مجمع البحرین سے تعبیر کیا گیا ہے ــــ تو فرمایا: مجمع البحرین کی جگہ پر میرا ایک بندہ ہے جو تم سے علم زیادہ رکھتا ہے کذا قاله الشیخ تقی عثمانی مدظلہ۔

سوال: حضرت خضرؑ نے بچے کو قتل کیوں کیا؟ حالانکہ قتل انسان تو حرام ہے۔

جواب: آپؑ کو یہ معلوم تھا یہ بچہ کافر ہوگا اور کبھی بھی مسلمان نہیں ہوگا بلکہ ابداً کفر پر ہی رہے گا۔ اس قتل غلام کے واقعہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت خضرؑ نبی تھے، کیونکہ اگر ان کی نبوت تسلیم نہ کی جائے تو ان کا یہ فیصلہ ظن پر مبنی ہوگا اور ظن سے حاصل شدہ علم ظنی ہوتا ہے اور اس پر اتنی بڑی بنیاد رکھتے ہوئے قتل جائز نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا ان کا یہ فیصلہ علم الہامی پر مبنی تھا جو کہ یقینی علم اور قطعیت پر مبنی ہے۔

گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا ــــ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بچوں نے شور کیوں نہیں مچایا اور ان کا پیچھا کیوں نہیں کیا؟ معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا یہ عمل کسی نے نہیں دیکھا موسیٰؑ کو دکھلانا مقصود تھا انہوں نے دیکھا باقی کسی نے نہیں دیکھا۔ بظاہر ایسا نظر آیا کہ کوئی حادثہ پیش آیا جس سے بچہ کا سر کٹ گیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت خضرؑ انسان نہیں تھے۔ (تحفۃ القاری 424/1)

یہاں پھر ایک بار سوال پیدا ہوتا ہے اگر حضرت خضرؑ فرشتے تھے تو ان کو کھانے کی کیا ضرورت تھی ــــ؟ جواب یہ ہے کہ ساتھی کی موافقت منظور تھی پھر جب کھانا مل جائے گا تو کھانے والا کھالے گا اور دوسرا کوئی عذر کر دے گا ــــ غرض آیت پاک سے حضرت خضرؑ کا کھانا مانگنا ثابت ہوتا ہے اور اتنی بات ان کے فرشتہ ہونے کے منافی نہیں۔ کھانا کھانا ثابت نہیں ہوتا جو فرشتہ ہونے کے منافی ہو۔ (تحفۃ القاری 426/1)

مقتول حضرت خضر علیہ السلام کا نام عند البعض جیسور ہے۔ (فضل الباری 172/2)

حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے بچے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو پاکیزہ فطرت بچی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک امت چلی۔

لو ددنا: اس حدیث میں حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰ دونوں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر کسی کا علم نہیں اور آپ ﷺ لو ددنا فرما کر اس شوق کا اظہار فرما رہے ہیں کہ ساتھ چلتے رہتے تو اور باتوں کا بھی انکشاف ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا انبیاءؑ کو علم غیب کلی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ان تینوں حضرات کے احوال اس پر دال ہیں۔

مستنبط فوائد:

۱: ہر حال میں ادب ملحوظ رکھے، اعتراض کی بجائے سمجھ میں آنے پر تاویل کی جائے۔

۲: دو مفاسد میں سے اخف کو اختیار کیا جائے۔

۳: شرائع و احکام ہر حال میں قابل تسلیم اور عقول پر حجت ہیں۔ (کشف 506/4)

۱... باب سابق میں حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ سے سوال اور علم سیکھنا مذکور ہے۔

45 بَاب مَنْ سَأَلَ وَهُوَ قَائِمٌ عَالِمًا جَالِسًا

عالم سے جو بیٹھا ہو کھڑے کھڑے سوال کرنا

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ قَالَ وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ کیونکہ ہم میں سے ایک قتال کرتا ہے غصہ دکھانے کے لئے اور ایک قتال کرتا ہے غیرت کی خاطر۔ تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ روای کہتے ہیں آپ ﷺ نے اس کی طرف سر نہیں اٹھایا مگر اس وجہ سے کہ وہ کھڑا تھا اور فرمایا جو قتال کرے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔

غرض و ربط ما قبل میں یہ تھا سوال یا تحصیل علم کیلئے اطمینان و وقار کی نشست اختیار کرنی چاہیے، اس سے یہ گمان ہو سکتا تھا شاید کھڑے ہو کر سوال درست نہ ہو، اس باب میں یہ بات ذکر کی جارہی ہے عند الضرورت کھڑے کھڑے بھی مسئلہ دریافت کیا جاسکتا ہے۔

بعض حضرات علماء فرماتے ہیں چونکہ روایات میں اس پر وعید ہے کہ کوئی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے پاس کھڑے ہوں۔

چنانچہ ارشاد مبارک ہے: لاتقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضها بعضاً۔

تو امام بخاریؒ نے اس ممانعت سے عند الضرورت قائماً سوال کو مستثنیٰ فرمادیا۔

تشریح حدیث

الا انه قائماً: اس سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ تشریف فرما تھے اور سائل کھڑے تھے۔

حدیث الباب اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے: الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل يقاتل ليرى مكانه۔ دونوں روایات کے پیش نظر سبب قتال پانچ چیزیں ہیں: غضب، حمیت، غنیمت، شہرت، ریاکاری۔

حافظ فرماتے ہیں غضب کا مآل جلب منفعت اور غیرت وحمیت کا مآل دفع مضرت ہے۔ اللہ کے کلمہ کی بلندی کیلئے لڑے تو وہ "فی سبیل اللہ" ہے۔

پانچ اسباب میں سے آپ ﷺ نے کسی کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک صورت میں مدح کا پہلو بھی نکلتا ہے اور ذم کا بھی۔ اگر آپ اثبات میں جواب دیتے تو جو ذم کا پہلو تھا وہ "فی سبیل اللہ" میں داخل ہو جاتا اور اگر آپ نفی میں جواب دیتے تو مدح کا پہلو بھی منفی ہو جاتا ____ اس لئے آپ ﷺ نے مستقلاً ارشاد فرمایا کہ کسی وجہ کو بھی سامنے رکھ کر قتال کرے۔ ضروری ہے کہ اللہ جل جلالہ کے کلمہ کی سر بلندی مقصود ہو اور نیت خالص ہو۔ حاصل یہ کہ قتال کا سبب کبھی قوت عقلیہ

ہوتی ہے کبھی قوتِ غضبیہ اور کبھی قوتِ شہوانیہ۔ ان میں سے فی سبیل اللہ ہونے کی صلاحیت صرف قوتِ عقلیہ میں ہے____ (کشف 513-514/4)

اب حمیت وغضب کی دو صورتیں ہوگئیں، یہ حمیت وغضب اللہ کیلئے ہے یا نفس کیلئے۔ اگر اللہ کیلئے ہو تو یقیناً وہ فی سبیل اللہ قتال ہوگا۔ (فضل الباری 174/2)

فائدہ: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم جواب میں لام تاکید بانون تاکید قائم مقام قسم کے ہے جب ہم دیکھیں لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا نتیجہ نہ نکلے تو سمجھنا چاہئے کہ مجاہدین کی نیتوں میں فتور ہے۔ (درس شامزئی 300)

46 بَاب السُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

کنکریاں مارتے وقت مسئلہ پوچھنا اور جواب دینا

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْأَلُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ قَالَ انْحَرْ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ جمرہ عقبہ کے پاس دیکھا اور لوگ آپ سے مسئلہ پوچھ رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کردی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اب کنکریاں مار لے کوئی حرج نہیں۔ دوسرے شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اب قربانی کرلے کوئی بات نہیں۔ پھر آپ ﷺ سے اس دن جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا گیا جس کو مقدم یا مؤخر کردیا گیا تھا آپ ﷺ نے یہی فرمایا اب کرلو کوئی حرج نہیں۔

غرضِ ترجمہ وربط: امام بخاریؒ کا اس باب سے مقصود یہ ہے اگر کوئی شخص کسی طاعت میں مشغول ہو اور اس سے کوئی سوال کرتا ہے وہ جواب دے یا نہ دے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں جواب دے۔ لیکن اس میں تفصیل ہے اگر وہ کسی ایسی طاعت میں مشغول ہو جو استغراق کا تقاضا کرتی اور توجہ الی الغیر سے مانع ہے ایسی صورت میں جواب نہ دے۔ مثلاً کوئی شخص نماز میں مشغول ہے تو اتمام صلوٰۃ کے بعد جواب دے۔ اور ایسا نہیں ہے تو پھر جواب دینے سے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ مثلاً رمی جمار اگرچہ یہ بھی ذکر کا موقع ہے اس وقت جواب دیدیا تو اس سے متعلقہ عمل کے ثواب میں کمی نہیں آئے گی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ ابوداؤد کی روایت انما السعی والرمی ذکر پر بحیثیت کتاب العلم تنبیہ فرما رہے ہیں کہ علم کا مرتبہ ذکر اللہ سے مقدم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی رمی جمار کے وقت مسئلہ پوچھے تو ذکر قطع کرکے جواب دے۔ بعض جاہل صوفیوں کی طرح نہ کرے کہ سورج طلوع ہونے والا ہے اگر کسی نے ان سے طلوع آفتاب کا وقت پوچھ لیا تو

وظیفہ قطع کر کے منہ سے بتانے کی بجائے اشارے سے بتاتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ مسئلہ بتانے سے وظیفہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فائدہ ۱: اس باب میں فتویٰ کا ذکر کیا ہے قضا کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ قضا کیلئے اطمینان شرط ہے۔ دیگر کوئی مشغولیت اس دوران نہیں ہونی چاہیے۔ قاضی کیلئے ضروری ہے ہمہ تن متوجہ ہو کر مدعی، مدعی علیہ اور گواہوں کا بیان سنکر پھر فیصلہ کرے۔

(۲) آپ ﷺ جمرہ کے پاس موجود تھے۔ اب دو صورتیں ہیں اسی کی رمی کر رہے ہوں دوسرے یہ کہ رمی نہ کر رہے ہوں ویسے کھڑے ہوں تو عموم سے دونوں صورتوں کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ (انعام الباری 211/2)

(۳) حدیث الباب کے پانچ رجال ہیں یہ سب حضرات کوفی ہیں۔ (کشف 515/4)

47 بَاب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ تم کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے

حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَرِبِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ لَا يَجِيءُ فِيهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْأَلَنَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ فَسَكَتَ فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ قَالَ {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي} {وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا} قَالَ الْأَعْمَشُ هَكَذَا فِي قِرَاءَتِنَا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ویران علاقے میں چل رہا تھا۔ آپ ﷺ لاٹھی کے ساتھ سہارا لگائے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ یہود کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے۔

پس ان میں سے بعض نے بعض کو کہا تم اس سے روح کے بارے میں سوال کرو۔ بعض نے کہا تم سوال نہ کرو کہیں اس میں ایسی چیز نہ لائے جس کو تم ناپسند کرو۔ بعض نے کہا ہم ضرور سوال کریں گے پس ان میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا اے ابا القاسم روح کیا ہے؟ تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے میں نے سوچا آپ ﷺ کی طرف وحی آرہی ہے تو میں ٹھہر گیا جب وحی کا آنا آپ سے ہٹا تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے۔ اور وہ نہیں دیئے گئے علم مگر تھوڑا۔ اعمشؒ کہتے ہیں ہماری قراءت یہی ہے "وما اوتوا"

ربط: باب سابق میں تھا دین کی بات معلوم کرنے میں تاخیر نہ کرے اس باب میں بتایا جا رہا ہے دین کی بات معلوم کرنے میں عار محسوس نہ کرے۔

فائدہ: عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وارادبایرادھذاالباب المترجم بہذہ الآیۃ التنبیہ علی ان من العلم اشیاء لم یطلع اللہ علیہا نبیا ولا غیرہ۔ اس سے معلوم ہوا علامہ عینیؒ دیوبندی تھے، بریلوی نہ تھے۔

غرضِ بخاریؒ: یہ ہے جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں قلیل علم دیا گیا لہٰذا اپنے کو علامہ مت سمجھو۔ بلکہ علم کو اللہ کی طرف سپرد کرو۔

روح اور اس کا مصداق

روایت الباب میں آیت روح کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت اس بارے میں نص ہے کہ آیت شریفہ مدنی ہے اگرچہ ابن عباسؓ سے مکی ہونا مروی ہے ــــــ اس میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ مکہ میں یہود نے یہ سوال بواسطہ قریش کیا تھا اور مدینہ میں براہِ راست سوال کیا تھا۔ یسئلونک عن الروح ــــــ قرآن کریم میں روح کا اطلاق بہت سے معانی کے لحاظ سے کیا گیا ہے:

روح سے مراد: (۱) حضرت جبریلؑ ہیں۔ جیسا کہ ارشاد مبارک: نزل بہ الروح الامین، تنزل الملائکۃ والروح، وغیرہ۔

(۲) روح کا اطلاق حضرت عیسیٰؑ پر بھی ہوتا ہے جیسے القاھا الی مریم وروح منہ۔

اس وجہ سے مفسرین میں اختلاف ہوا

ابن القیمؒ نے لکھا ہے بعض مفسرین کے نزدیک روح سے مراد یہاں فرشتہ ہے۔ قرآن کریم میں روح بمعنیٰ المدبر للبدن کہیں نہیں آیا۔ اس پر قرینہ یہ ہے سیرت ابن اسحاق میں مروی ہے کہ جب یہود نے آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اتعلمون جبریل؟ لہٰذا اب مطلب یہ ہوگا یہود نے فرشتوں اور جبریلؑ کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے کلمہ سے ایک مخلوق پیدا کی گئی ہے جس کی حقیقت کا تم ادراک نہیں کر سکتے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں بعض مفسرین نے روح سے مراد حضرت عیسیٰؑ کو بھی لیا، اور بعض نے اس سے مراد قرآن کریم بھی لیا ہے۔ البتہ جمہور مفسرین کے نزدیک روح سے مراد روح حیوانی یعنی المدبر للبدن ہی ہے ــــــ یہی مطلب عرف عام میں شائع اور ذائع ہے۔ نیز توراۃ میں اس روح کے متعلق مذکور ہے کہ انسان اس کی حقیقت نہیں پا سکا۔ علامہ عینیؒ نے حقیقت روح پر کلام کرتے ہوئے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں چنانچہ فرمایا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ان الروح من مخلوقات اللہ تعالیٰ ولہ عینان واذنان ویدان ورجلان ــــــ

جبکہ بعض علماء کرام نے جنسِ ملائکہ سے روح کو ایک مخلوق قرار دیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں فلاسفہ اور حکماء کا بھی اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ علامہ مناویؒ نے حکماء کے ایک ہزار اقوال بیان فرماتے ہیں۔

عند البعض روح بمعنیٰ دم ہے (یعنی فلاسفہ کے نزدیک) یہ گویا روح کے منکر ہیں۔ انہوں نے خون ہی کو روح قرار دیدیا۔ اور اس سے زندگی ہونا مانتے ہیں۔ الگ سے روح کوئی چیز نہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے کرامت دکھائی اور فرمایا کہ میرا خون نکالو چنانچہ خون نکالا گیا پھر بھی زندہ رہے۔ اکثر حکماء کے نزدیک یہ ایک مستقل بالذات شیء ہے۔ چنانچہ ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا: هو النفس الداخل و الخارج۔

(۱) روح جوہر مجردہ ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: مادہ سے ماوراء ایک شیء ہے۔ یہی قول امام غزالی اور امام رازی کا بھی ہے۔ امام غزالیؒ نے اس پر بارہ دلائل قائم فرمائے ہیں۔

(۲) دوسرے فریق کے نزدیک روح کی تعریف یہ ہے هو جسم لطیف سار فی البدن ــــ اس کو متکلمین نے اختیار کیا ہے۔ ابن القیم نے اس کے ایک سو سولہ دلائل بیان کئے ہیں۔ کیونکہ نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ روح کو پکڑا بھی جاسکتا ہے اور نکالا بھی جاتا ہے۔ اور ملائکہ اس کو دیکھ بھی سکتے ہیں ــــ

بعض حکماء نے روح کو صورتِ لطیفہ قرار دیا ہے۔ اس کے اعضاء جسم مادی کے اعضاء کے ساتھ مشترک ہیں۔

روح اور نفس کا فرق

پھر حکماء میں اختلاف ہے کہ روح اور نفس شیءواحد ہیں یا اسمیں فرق ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: صحیح قول یہی ہے کہ اسمیں فرق ہے ــــ جس کا مطلب یہ ہے کہ نفس بھی روح کی طرح هو جسم لطیف سار فی البدن ہے۔ فرق اتنا ہے کہ نفس کے اندر سیئات اور روح کے اندر حسنات کا مادہ ہے ــــ یہی وجہ ہے قرآن وحدیث میں سیئات کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی۔

ــــ لیکن نفس، ایمان، عمل صالح اور ریاضت ومجاہدہ سے روح کا مطیع اور فرمانبردار ہوجاتا ہے ــــ اس لئے قرآن کریم نے نفس کی اقسامِ ثلاثہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) نفس امارہ۔ یہ بالکل ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس پر روح کی گرفت مضبوط نہیں ہوتی۔

(۲) نفس لوامہ۔ وہ یہ کہ انسان کو ارتکابِ سیئات پر ملامت کرے۔ یہ کیفیت نفس پر روح کے تسلط کے بعد ہوتی ہے۔

(۳) نفس مطمئنہ۔ یہ ہر اعتبار سے روح کے تابع ہو کر پاکیزہ اور مطہر ہوجاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے حقیقتِ روح پر بہترین کلام فرمایا اور ہمارے اکثر مشائخ نے اس کو پسند فرمایا ہے۔

وہ فرماتے ہیں روح دو قسم پر ہے۔ ایک علوی، دوسری سفلی۔ روح علوی مجرد من المادہ، اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور اس کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں۔ اور اہل کشف کو روح علوی کا مقام عرش کے اوپر نظر آیا ہے۔ کیونکہ الطف من العرش ہے۔ پھر اہل کشف کو روح علوی کے اوپر نیچے پانچ طبقات نظر آئے۔ جن کو وہ لطائف خمسہ کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: ۱۔ قلب۔ ۲: روح۔ ۳: سر۔ ۴: خفی۔ ۵: اخفی۔

اس کے بعد فرمایا روحِ علوی روح سفلی کے ساتھ تعلق قائم کرتی ہے۔ اور اپنے آثار وکیفیات کا فیضان روحِ سفلی پر کرتی ہے۔ جیسے آفتاب مسافتِ بعیدہ کے باوجود آئینہ میں آپنے آثار کا فیضان کرتا ہے اور وہ آئینہ اس آفتاب کی روشنی اور حرارت کو جذب کرلیتا ہے۔ اسی

طرح روحِ سفلی روحِ علوی کا آئینہ ہے۔ اور روحِ علوی کا فیضان سب سے پہلے مضغۂ قلب پر ہوتا ہے اس فیضان کو مضغۂ قلب سے لیکر سُرّہ کے ذریعہ پورے جسم میں پھیلا دیتی ہے۔ پھر فرمایا انسان دس اشیاء کا مجموعہ ہے۔ پانچ کا تعلق عالمِ روح سے ہے۔ جن کو لطائف خمسہ کہا جاتا ہے۔ اور پانچ کا عالم مادہ سے ہے جو عناصر اربعہ اور ان کی ترتیب سے پیدا ہونے والا ابخار لطیف (غالب قوۃ غریزیہ) ہے۔

تشریحِ حدیث

قل الروح من امر ربی:

اس میں اختلاف ہے کہ اس کلمہ سے یہود کے سوال کا جواب دیا گیا ہے یا جواب دینے کی ضرورت سے گریز کیا گیا ہے۔ مفسرین کے دونوں قول ہیں:

امام غزالیؒ نے قولِ ثانی کو اختیار کیا ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ "امور بی" سے کیا مراد ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں: اس سے عالم خلق اور عالم امر کی طرف اشارہ ہے۔ عالم خلق تکوین کو کہتے ہیں۔ اور عالم امر تشریع کو کہتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ روح امر خداوندی میں سے ایک امر ہے۔ جب خدا کا حکم ہوا تو داخل ہوئی اور جب حکم ہوا تو خارج ہوگئی۔

بعض کے نزدیک عالمِ خلق سے مشاہدہ مراد ہے۔ اور عالم امر سے عالم غیب مراد ہے۔ شیخ اکبرؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو براہِ راست حکم کن سے پیدا فرمائیں تو وہ عالم امر ہے اور اگر کوئی مادہ اور واسطہ درمیان میں ہو جیسے طین (مٹی) انسان کیلئے تو وہ عالم خلق ہے۔

بعض کے نزدیک تکوین وتخلیق عالم خلق ہے اور اس میں تدبیر وتصرف عالم امر ہے۔ جیسے کوئی کارخانہ بنایا جائے اور اس کے اندر مشین و پرزہ جات درست مقامات پر نصب کردیئے جائیں جب یہ کارخانہ مکمل ہو جائے تو یہ عالم خلق کی مثال ہے اور اس کو چلانے کیلئے انرجی پاور کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد یہ کارخانہ اس مقصد کو پورا کرسکے گا جس کیلئے یہ بنایا گیا۔ اس میں پاور جاری کرنا حکم کن کی طرح ہے اور اس میں مقصد کو پیدا کرنا یہ عالم امر ہے ــــــ

اکثر سلف بلکہ سب کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ "روح" یعنی عظیم فرشتہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ دیگر فرشتوں کے سامنے قیامت کے روز کھڑا ہوگا ــــ بنی آدم کی ارواح مراد نہیں ــــ

وجہ اس کی یہ کہ یہودیوں نے جو سوال کیا ہے اس کا مبنیٰ یہ ہے کہ وہ ایسی بات پوچھنا چاہتے تھے جس کا علم بدون وحی الٰہی نہ ہوسکے اور وہ وہی "روح" ہے جس سے اللہ تعالیٰ واقف ہے ــــ جبکہ بنی آدم کی ارواح کوئی غیب کی چیز نہیں ہیں۔ اور مختلف لوگوں اور مختلف اہل ملل نے ان پر کلام کیا ہے لہٰذا ارواح بنی آدم کے متعلق جواب دینا کوئی علامات نبوت میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کا ذکر سورۃ شعراء اور آیت یوم یقوم الروح الخ میں ہے۔

حافظ ابن القیمؒ کی مندرجہ بالا رائے بظاہر بہت قوی ہے تاہم علی الاطلاق روح حیات یا روح انسانی کا انکار بہت مشکل ہے۔ ممکن ہے یہ سوال ہو کہ یہ روح بدنِ انسانی میں کس طرح سمائی ہوئی ہے گویا عند البعض امتزاج الروح بالبدن ہی کا سوال تھا؟ عند البعض روح کی حقیقت کا علم آپ ﷺ کو نہیں دیا گیا بلکہ اس کا اختصاص بالباری ہونا بتایا گیا ہے ــــ عند البعض آپ ﷺ

کا منصب و مقام کا تقاضا ہے کہ حقیقت روح سے واقف ہوں و علمک مالم تکن تعلم اسی کی طرف مشعر ہے۔ (کشف 536,538/4)

بہت سے سائنسدانوں نے قریب الموت شخص کو اٹھا کر شیشے کے گلوب میں رکھا جو چاروں طرف سے بند تھا تا کہ جب انتقال ہو جائے تو دیکھیں اس میں سے کیا چیز نکلتی ہے ـــــ لیکن پھر بھی کچھ پتہ نہ لگا تو یہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں پتہ لگانا مشکل ہے اس لئے اس تحقیق میں پڑنا فضول ہے۔ (انعام الباری 212/2)

وما اوتیتم من العلم:

سوال: روایت الباب میں وما اوتوا من العلم ہے اور ترجمۃ الباب میں وَما اُوتیتم من العلم ہے تو ترجمۃ الباب کیسے ثابت ہوا؟ جواب: دونوں قرأتیں ہیں۔ امام بخاریؒ نے مشہور قراءت کو لیا۔

فائدہ: ممکن ہے کہ امام بخاریؒ یہ بتلانا چاہتے ہوں کہ وما اوتوا قراءت شاذہ ہے اور قراءت شاذہ اگرچہ قوی السند ہی کیوں نہ ہو متواتر کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔ اس لئے ترجمۃ الباب میں مشہور قراءت کو لیا۔

48 بَاب مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الِاخْتِيَارِ مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ فَيَقَعُوا فِي أَشَدَّ مِنْهُ

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيرًا فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ قُلْتُ قَالَتْ لِي قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْلَا قَوْمُكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِكُفْرٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُونَ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ.

ترجمہ: یہ باب ہے اس بارے میں کہ بعض پسندیدہ چیزیں چھوڑ دے بعض لوگوں کے فہم کے قاصر ہونے کی وجہ سے کہیں اس سے زیادہ نقصان دہ چیز میں نہ پڑ جائیں

126 اسودؒ کہتے ہیں ابن زبیرؓ نے مجھے کہا حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ راز کی باتیں بہت کرتی ہیں۔ کعبہ کے بارے میں آپ سے کیا بیان کیا ہے؟ میں نے کہا انہوں نے مجھے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیری قوم نئے نئے زمانے والی نہ ہوتی (ابن زبیرؓ نے فرمایا کفر کے ساتھ نئے زمانے والی نہ ہوتی) تو میں کعبہ کو توڑ کر اس کے دو دروازے بناتا ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے دوسرے سے نکلتے چنانچہ ابن زبیرؓ نے ایسا ہی کیا۔

یکے از عبادلہ اربعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے تقریباً تینتیس احادیث مروی ہیں متفق علیہ صرف ایک جبکہ امام بخاری چھ اور امام مسلمؒ دو میں متفرد ہیں۔ (کشف 168/4)

ربط:

باب سابق میں یہ بیان کیا گیا کہ انسان کو بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔ باب ہٰذا میں یہ بیان ہے جب علم کم دیا گیا تو بے احتیاطی (کہ ہر بات ہر جگہ بیان کر دی جائے۔) کو دیکھ کر لوگ فتنہ میں مبتلا اور علماء کرام سے بدظن نہ ہو جائیں۔

غرضِ ترجمہ:

اس کی غرض یہ ہے کہ عالم کو ایسے قول و فعل سے احتراز کرنا چاہیے جس سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اور اس سے پھر فتنوں کے دروازے کھل جائیں ـــــ اس کے بعد جو آگے باب "باب من خص بالعلم قوماً دون قوم" اس سے بھی یہی مقصود ہے ـــــ لیکن علماء کرام نے دونوں کے درمیان فرق کرتے ہوئے فرمایا ہے پہلے باب کا تعلق افعال سے ہے اور دوسرے کا تعلق اقوال سے ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے یہاں فعلی حدیث (بناء کعبہ) نقل کی ہے اور باب اٰتی میں قولی حدیث نقل کی ہے۔

بخاری کے بعض نسخوں میں فی اشدّ منہ اور بعض میں فی شرّ منہ ہے۔

مطابقت حدیث یہ ہے قریش بیت اللہ کا انتہائی احترام کرتے تھے آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ اگر میں نے اپنے اختیارات سے کام لیا تو قریش نومسلم ہونے کی وجہ سے اس کو تفرد بالفخر اور ناموری پر محمول کر کے ایک بڑے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ (فضل الباری 182/2)

تشریحِ حدیث

لولا ان قومکِ:

اے عائشہ! اگر تمہاری قوم نومسلم نہ ہوتی اور یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ کعبہ شریف کے انہدام پر اعتراض کریں گے تو میں اس کو ازسرِ نو تعمیر کرتا اور اس میں دو دروازے: ایک داخلی اور ایک خارجی رکھتا۔ اس سے معلوم ہوا جیسے مصلح کا قول باعث فتنہ ہو سکتا ہے ایسے ہی مصلح کا فعل بھی باعث فتنہ ہو سکتا ہے۔

اصل مقصد یہ ہے قریش کے دور میں جب بیت اللہ شریف کی عمارت کمزور ہوئی انہوں نے ازسرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا تو مالِ حلال سے بنانے کا عہد کیا۔ آپ ﷺ اس وقت کم عمر تھے۔ حلال جمع شدہ کم پڑ گیا تعمیر کعبہ کی تکمیل نہ ہو سکی۔ تو چھوٹا کمرہ تعمیر کر دیا اور تین تبدیلیاں کر دیں:

(۱) کعبہ شریف کا گھیراؤ کم کیا۔ حطیم کا حصہ باہر چھوڑ دیا۔

(۲) پہلے بیت اللہ شریف کے دو دروازے تھے ایک مشرق کی طرف اور ایک مغرب کی طرف۔ مغرب والا دروازہ بند کر دیا۔

(۳) دہلیز اونچی کر دی کہ ہماری اجازت کے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہ ہو۔ تو آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا دہلیز نیچی کر دوں اور دروازے بھی دو کر دوں نیچے بھی کر دوں ـــــ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آپ ﷺ

کی خواہش کے مطابق تعمیر جدید فرمادی۔

حصین بن نمیر کے محاصرہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کی تعمیر جدید کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ سمیت بہت سے حضرات کی رائے تھی کہ کعبہ کو علی حالہٖ باقی رکھا جائے آپ ﷺ یگر صحابہؓ کی نظریں جہاں پڑی ہوئی تھیں اس میں تغیر کی بجائے اصلاح وترمیم کی جائے۔

حضرت ابن زبیرؓ اپنے ہاتھ میں کدال لیکر کعبہ پر چڑھ گئے اور اس کے پتھر گرانے شروع کر دیئے تو دیگر حضرات بھی شریک ہوگئے حتی کہ حضرت ابراہیمؑ کی بنیادیں مل گئیں اور اسی کے مطابق تعمیر کی۔ تاہم حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی تائید کے سلسلہ میں حضرت اسود بن یزیدؒ سے پوچھا کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے کچھ فرمایا ہے؟ اسی حدیث کی روشنی میں حسب خواہش رسول اللہ تعمیر فرمائی۔ حجاج بن یوسف نے اپنے غلبہ کے بعد دوبارہ سابقہ بنا پر تعمیر کی لیکن عبدالملک بن مروان نے افسوس کیا اور کہا: کاش ہم کعبہ کو ابن زبیرؓ نے جس طرح تعمیر کیا تھا اس حال میں چھوڑ دیتے۔ (کشف 557-558/4)

پھر حجاج بن یوسف کے قبضہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوگئے۔ اس نے جب حملہ کیا تھا تو منجنیق کے بہت سارے گولے بیت اللہ شریف پر لگے تھے۔ جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی چھت اور دیواروں میں شگاف پڑ گئے تھے۔ لہذا جب حجاج بن یوسف نے اس کو دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا۔ تو اس کو یہ علم نہیں تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ میں تبدیلی کیوں فرمائی تھی۔ چونکہ وہ ابن زبیرؓ کا مخالف تھا ــــ اس نے اس کی تعمیر بدل کر پہلے خطوط کے مطابق دوبارہ بنادی۔

بعد میں جب بنو عباس کا زمانہ آیا تو ان میں سے خلیفہ ہارون رشید نے ارادہ کیا دوبارہ بناء ابراہیمی پر تعمیر کریں جیسے آپ ﷺ کی خواہش تھی۔ اور جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کیا تھا ــــ لیکن جب امام مالکؒ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے ہارون رشید کو اس سے روکا اور فرمایا

خدا کیلئے اب یہ اقدام نہ کرنا ــــ ورنہ بادشاہ کعبہ کو کھلونا بنالیں گے۔
ہر ایک اپنا نام پیدا کرنے کیلئے نئی نئی تعمیر کرے گا۔

علم کا عظیم باب

یہ باب علم کا عظیم باب ہے۔ جس کی طرف امام بخاریؒ نے توجہ مبذول کرائی ہے۔ ایک صورت یہ ہوتی ہے ایک طرف حلال، جائز اور دوسری طرف حرام ناجائز ہو تو کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن بعض اوقات صورت حال یہ ہوتی ہے ایک طرف مباح اور دوسری طرف مستحب ہے یا ایک طرف راجح دوسری طرف مرجوح۔ یعنی معصیت کسی جانب میں نہیں ہوتی ــــ ایسی صورت میں اگر مستحب پر عمل کرنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو کہ لوگ اس کی حکمت سے باخبر نہیں ہوسکیں گے اور اس کے نتیجہ میں بڑی برائی میں مبتلا ہو جائیں گے ــــ ایسی صورت میں مستحب اور راجح کام چھوڑ دینا چاہیے۔

مثلاً صبح کی سنت گھر پر پڑھنا اگرچہ مستحب ہے تاہم آج کے دور میں چونکہ عامۃ الناس کو عدد رکعات کا علم نہیں تو کوئی مقتدی

شخص اگر سنت گھر ہی میں پڑھے اور مسجد میں آ کر نہ پڑھے تو عام لوگ یہی سمجھیں گے کہ صرف صبح کے دو فرض ہیں ـــــ لہٰذا اگر گھر پڑھنے کے استحباب پر عمل کرتے ہوئے دوسرے لوگ ترک سنت کا ذریعہ بنالیں گے تو مسجد آ کر سنت ادا کرنی چاہیے۔

یا عرس کے روز حافظ محمد صالح کو حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو کیا علم کہ آپ مجھے ملنے آئے ہو یا گنگوہ کے عرس میں آئے ہو۔ تو صبح تہجد کے وقت ہی اندھیرے میں واپس فرمایا۔ یا ارشاد فرمایا کہ محرم میں حضرات اہل سنت والجماعت کیلئے ذکر حسین و کربلا کا محرم کے موقع پر بیان بھی تہذیبی ماتم میں داخل ہے۔ جس وقت شیعان بیان کرتے ہوں اس وقت احتراز ضروری ہے۔ علاوہ ازیں دیگر مواقع پر ان کی عظمت وفضائل بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تعلیم کبھی قولی ہوتی ہے اور کبھی عملی اگر عملی تعلیم کے اندر کسی خاص مسئلہ میں یہ خطرہ ہو کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس کو کرنے کی بجائے چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں "من ترک بعض الاختیار" میں اقوال وافعال دونوں داخل ہیں۔ (کشف 545/4)

فعل مستحب کس حالت میں قابل ترک ہے ایسی باتیں فہم سلیم اور تفقہ فی الدین چاہتی ہیں یہ محض کتابوں سے حاصل نہیں ہوتیں اس کیلئے کسی کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ (انعام الباری 214/2)

فوائد

(۱) جب قوم بے عمل ہو چکی ہو تو صرف رجائی احادیث بیان نہیں کرنی چاہییں۔

(۲) بادشاہ ظالم ہو تو احادیث تخویف نہیں بیان کرنی چاہئیں۔

(۳) بادشاہ عادل ہو تو بغاوت کی احادیث نہیں بیان کرنی چاہییں۔

(۴) یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ کتمانِ علم کا گناہ کس وقت ہے۔ اس کی تعیین ایک باریک مسئلہ ہے۔ اس کا مصداق وانطباق کہاں ہے۔ یہ ظاہر الفاظ حدیث کو دیکھ کر متعین نہیں ہو سکتا۔ جیسے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: جاؤ مجھے نہیں آتا۔ اسلئے کہ طالب علم کج فہم تھا۔

مستنبط مسائل:

۱. . . قوم جس امر سے مانوس نہ ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو امر بالمعروف قدرے ترک کر دیا جائے گا۔

۲. . . مصلحت ومفسدہ میں تعارض کے وقت جو زیادہ اہم ہو اس پر پہلے عمل کرے ـــ مصلحت کعبہ کی بنا ابراہیمی پر تعمیر تھی ـــ مگر بڑا مفسدہ نومسلم لوگوں کا اسلام سے برگشتہ ہونے کا اندیشہ تھا آپ ﷺ نے مفسدہ سے بچنے کیلئے مصلحت پر نہیں عمل فرمایا۔

۳: والی ریاست کو اپنی رعایا کی صلاح وفلاح پیش نظر رکھنی چاہیے ان کو مضرت دینی ودنیوی سے بچائے۔ (فضل الباری 183/2)

بکفر: یہ ابن زبیرؓ کا قول ہے۔

ففعلہ ابن زبیر ؓ: یہ بیان حالت ہے۔ حدیث کا جز نہیں ہے۔

سوال: یہاں صرف ایک ترک فعل (یعنی تعمیر قبلہ ابراہیمی بنیاد پر نہ کرنا) کا ذکر ہے۔ اس کا کتاب العلم سے کیا تعلق ہے؟

جواب: علم جیسے افعال سے ہوتا ہے اسی طرح کبھی ترک فعل سے بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا مفہوم واضح ہے۔

49 بَاب مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ كَرَاهِيَةَ أَنْ لَا يَفْهَمُوا

وَقَالَ عَلِيٌّ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُولُهُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ مَعْرُوفِ بْنِ خَرَّبُوذَ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ عَلِيٍّ بِذَلِكَ.

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا قَالَ إِذًا يَتَّكِلُوا وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا.

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ ذُكِرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمُعَاذٍ مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ أَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ لَا إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَّكِلُوا.

ترجمہ: بعض لوگوں کو علم کی باتیں بتانا اور بعض کو اس خیال سے نہ بتانا کہ وہ سمجھ نہ سکیں گے

حضرت علیؓ نے فرمایا لوگوں کو دین کی وہی باتیں بتاؤ جو وہ سمجھ سکیں کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا جب آپ ﷺ سواری پر آپ ﷺ کے ردیف تھے اے معاذ!۔ انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ!۔ انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ (تین بار آپ ﷺ نے معاذ کو پکارا) پھر فرمایا جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ دوزخ اس پر حرام کردے گا۔

معاذؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر دوں وہ خوش ہوجائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تب تو وہ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ اور معاذ نے مرتے وقت گناہگار ہونے کے ڈر سے لوگوں کو اس کی خبر دی (تاکہ کتمان علم کا گناہ لازم نہ آئے)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا جو شخص اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوجائے گا۔ معاذؓ نے عرض کیا کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں خوف کرتا ہوں کہیں وہ بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔

ربط ا: باب سابق میں اقتضائے حکمت سے کسی سوال کے جواب نہ دینے کا ذکر تھا اس باب میں کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے بعض مختار و پسندیدہ امور کو ترک کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ (فضل الباری 181/2)

ربط ۲: باب سابق میں اس حکمت کا ذکر تھا جو ترک فعل سے متعلق تھی یہاں اس حکمت کا ذکر ہے جو ترکِ اقوال سے وابستہ ہے۔

۳: باب سابق میں تعلیم و تبلیغ میں موقع کی رعایت کا ذکر تھا باب ہذا میں مخاطبین و سامعین کی فہم کی رعایت ضروری قرار دی ہے۔ (فضل الباری 184/2)

غرضِ بخاری: باب سابق میں گذر چکا ہے اور مقصود بخاریؒ واضح ہے کہ ذکی وغبی کے درمیان فرق کرنا۔ اگر غبی سے وہ علم پوشیدہ رکھیں جو اس کے فہم سے بالاتر ہے تو یہ کتمانِ علم کے گناہ میں داخل نہیں۔ یہی حضرت علیؓ کے قول مبارک: حدثوا الناس بمایعرفون الخ یعنی کلموھم علی قدر عقولھم۔ اور روایت الباب کی مناسبت ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو ایک علم کے ساتھ مخصوص فرمایا اور دوسرے لوگوں کو اس کی تبلیغ سے روک دیا۔

سوال: حضرت علیؓ کے اثر کو مقدم کیا اور سند کو مؤخر کیوں کیا؟

جواب ۱: سند میں ضعف کی طرف اشارہ ہے۔

جواب ۲: اثر اور مرفوع روایت کا فرق بیان کرنے کیلئے بعد میں لائے۔

جواب ۳: اثر کو ترجمۃ الباب کا جز بنانے کیلئے سند کو مؤخر کیا۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں حضرت علیؓ کے قول کے بعد پھر اس کی سند پیش فرمائی ــــ یہ ان روایات میں سے ہے جن میں امام بخاریؒ کو علو سند حاصل ہے ــــ یعنی ثلاثیات بخاری کے ساتھ ملحق ہے۔ ثلاثی وہ ہے کہ تیسرا راوی صحابیؓ ہو جو حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہؓ صحابی ہیں جو غزوۂ احد کے سال ۳ھ میں پیدا ہوئے اور وفات صحیح قول کے مطابق ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ وفات کے لحاظ سے آخری صحابیؓ ہیں۔ (نصر الباری 528/1)

آپؓ سے تقریباً بیس احادیث مروی ہیں۔ بخاری شریف میں ایک جبکہ مسلم شریف میں دو روایتیں ہیں۔ (کشف 570/4)

تشریحِ حدیث

یامعاذ! قال لبیک الخ: تین مرتبہ تکرار سے مقصود تیقظ و بیداری ہے یہ بھی سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

قال اذاً یتکلوا:

حضرت معاذؓ کو سنا رہے ہیں لیکن دیگر حضرات کو سنانے سے روک رہے ہیں ــــ اس سے ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا۔

و سعدیک: یہ تثنیہ ہے اس کا معنی ہے: اسعاداً بعد اسعادک یعنی انا مسعد لطاعتک اسعاداً بعد اسعادک۔

الاحرمہ علی النار:

سوال: اس سے تو مرجئہ کا مذہب ثابت ہو گیا کیونکہ طاعت کی عدم افادیت اور گناہ کی عدم مضرت ثابت ہوتی ہے۔

جواب ۱: نار کی دو اقسام ہیں:- ۱۔ نار موبدہ۔ ۲: نار غیر مؤبدہ۔ یہاں نار مؤبدہ کا حرام ہونا مراد ہے۔

جواب ۲: نار کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: نار معدہ للکافرین۔ ۲: نار معدہ للعصاۃ،

حدیث الباب میں نار معدہ للکافرین مراد ہے۔

جواب ۳: کوئی شیء جب ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازم و قیود اور فوائد کے ساتھ ثابت ہوتی ہے ــــ جب سب

احکام بتلائے جاچکے ہیں۔ لہٰذا صدقِ دل سے کلمہ پڑھنے کا مطلب بھی یہ ہوگا کہ تمام فرائض واحکام سے کلمہ کے تقاضے کو پورا کرے ـــــ لیکن چونکہ لوگ اتنی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے اور ظاہر الفاظ تک ہی ان کی فہم محدود ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو آگے نشر واشاعت سے منع فرمادیا گیا۔

جواب ۴: کلمہ کی اصل تاثیر کا بیان ہے۔ اصل تاثیر تو اس کی یہی ہے کہ اس سے دخول فی النار کی حرمت ہوجائے ـــــ لیکن جب معاصی ساتھ مل جائیں تو پھر تاثیر کا یہ ظہور نہ ہو تو اس حدیث کے منافی نہیں۔ جیسے پانی اس کا اصل خاصہ تو برودت ہے لیکن جب آگ سے مل جائے حرارت پکڑلے تو پھر اس کی تاثیر گرم ہوجاتی ہے، گناہ کو زائل کرنے کیلئے یا تو اللہ کا فضل ومعافی مل جائے یا سفارش مل جائے یا پھر آگ میں ڈالنا پڑے گا۔

جواب ۵: ایک معنٰی یہ ہے کہ یہ حکم غالب احوال کے اعتبار سے ہے کیونکہ موحد عموماً اطاعت کرتا اور معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔ (کشف 582/4)

جواب ۶: مومن کا دخول فی النار تو ہوسکتا ہے لیکن خلود نہیں ہوسکتا۔ ایمان کا طبعی اثر بالآخر ظاہر ہوکر اسکو جنت میں داخل کرکے رہے گا۔ بخلاف کفار وہ مخلد فی النار دائماً ابداً ہیں۔ ان کا کفر نجس العین ہے اور وہ ان کی ذات سے مفارق نہیں ہوسکتا۔ اسلئے دائماً ابداً نہ وہ کبھی پاک ہوسکتے ہیں اور نہ دخول جنت کے قابل ہوسکتے ہیں۔ (فضل الباری 187/2)

جواب ۷: ان احادیث میں ان اعمال کے اثرِ اصلی اور طبعی کا بیان ہے جو عوارض وموانع کی وجہ سے محجوب ومستور ہوسکتا ہے مگر معدوم نہیں، یا یوں کہئے یہ سب (اعمال) مغفرت کی تائید ہے جو ترکیب کے وقت علی حالہ باقی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ مفرد کی تاثیر الگ ہوتی ہے اور مرکب کی الگ۔ (جیسے معجونِ مرکب کی تاثیر الگ اور مفرد ادویہ کی تاثیر الگ ہوتی ہے۔) احادیث مذکورہ میں انفرادی تاثیر کا ذکر ہے مثلاً کلمہ کی تاثیر دخولِ جنت اور ایذاء جار یا چغل خوری کی سزا یہ کہ اس کا مرتکب ہرگز جنت میں نہیں جائے گا لیکن مرکب کی تاثیر بدل سکتی ہے۔ ثقلت موازینہ بھی اسی طرف مشعر ہے۔ (فضل الباری 188/2)

جواب ۸: آپ ﷺ "زبانِ مبارک" سے ادا شدہ اقوال صفاتِ خداوندی کا مظہر ہوتے ہیں۔ شانِ رحمت وکرم کا قلبِ مبارک پر انعکاس ہوتا ہے تو محض لا الٰہ الا اللہ سے دخولِ جنت کی بشارت اور جب شانِ انتقام وغضب کا قلب پر انعکاس ہوا تو فرمایا: لا یدخل الجنۃ قتات ولا نمام۔

اس لئے رحمتِ الٰہیہ کا مقتضی تو یہی ہے کہ ہر عبد موحد مقر باللہ والرسالۃ بلا تاخیر جنت میں داخل ہوجائے اور ان احادیث الباب میں اسی کا ذکر ہے ـــــ اور اللہ کے غضب وقہر کا مقتضی یہ ہے کہ جو ادنیٰ سے ادنیٰ بھی گناہ ونافرمانی کا مرتکب ہو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنائے ـــــ بہرحال ہر دو قسم کی احادیث دونوں قسم کی صفات کے فی نفسہٖ مقتضی پر محمول ہیں۔ باقی قیامت میں جب دونوں صفات ظاہر ہوں گی تو کسی کا بیڑا مغفرت سے پار ہوجائے گا اور کسی کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر صفائی کی جائے گی۔ (فضل الباری 189/2)

بشارت مذکورہ کی بنا پر بعض لوگ عمل میں کوتاہ واقع ہوئے ہیں ــــ اور بعض ترقی کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ فرق محل استعداد کا ہے جیسے حضرات عشرہ مبشرہ، تبشیر کے بعد مزید مستعد ہو گئے۔ نیز آپ ﷺ ارشاد مبارک: افلا اکون عبداً شکوراً کے تناظر میں تفہیم بشارت مزید آسانی ہو جاتی ہے تاہم یہ کاہلوں کیلئے مزید سستی کا باعث ہو جاتی ہے اس لئے اس کی عمومی نشر و اشاعت سے روک دیا گیا۔ جیسے اچھی غذا صحت مند کیلئے مزید تقویت کا باعث اور ہیضہ کے مریض کیلئے مزید مرض کا باعث ہوتی ہے یہ محل استعداد کا فرق ہے، غذا ایک ہے۔ (فضل الباری 191/2)

اخبر بها معاذ رضی اللہ عنہ عند الموت:

سوال: حضرت معاذؓ نے منع کے باوجود کیوں بتلایا؟

جواب ۱: حضرت معاذؓ سمجھ گئے تھے عام لوگوں کو بتانے سے روکا گیا ہے خواص سے نہیں ــــ اس لئے کتمانِ علم کے گناہ سے بچنے کیلئے خواص کو مرنے سے پہلے بتا دیا۔

جواب ۲: ابتداء میں اتکال کے خوف سے اعمال میں کوتاہی کا اندیشہ تھا اس کے بعد یہ خطرہ جاتا رہا حضرت معاذؓ سمجھ گئے جس علت کی وجہ سے منع کیا گیا تھا وہ علت باقی نہیں رہی، اب اگر یہ حدیث بیان نہ کی گئی تو کتمانِ علم کے گناہ کا خطرہ ہے۔ (کشف 587/4)

جواب ۳: حدیث الباب حضرت معاذؓ نے زندگی بھر بیان نہ فرمائی اس لئے کہ یہ سمجھتے رہے کہ ممانعت علی العموم ہے۔ پھر قریب المرگ یہ سمجھے کہ ممانعت علی العموم نہیں جو ذی شعور اور فہم و استعداد کے حامل ہوں ان کو سنا سکتے ہیں گویا خواص میں عام نصوص کے مطابق اس حدیث کی تبلیغ ضروری ہو گئی اس لئے عند الموت ذی استعداد حضرات کو بلا کر بلغوا عنی و لو آیۃ کے امتثال کے تحت یہ حدیث سنائی۔ بہر حال حضرت معاذؓ یہ سمجھتے تھے کہ یہ منع تحریم کیلئے نہیں بلکہ مصلحتِ عامہ کے لحاظ سے شفقۃ ہے فی نفسہ اس حدیث کی تبلیغ ممنوع اور ناجائز نہیں اذاً یتکلوا کا لفظ اسی پر دال ہے ــــ (فضل الباری 193/2)

فائدہ: امام مالکؒ سے منقول ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کی وہ احادیث جن میں تجسم کا ایہام ہو وہ عوام کے سامنے ہرگز نہ بیان کی جائیں ورنہ وہ صفات الٰہیہ کو اپنے اوپر قیاس کرنے لگیں گے جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں جن احادیث کی ظاہری سطح موہم ہو کسی بدعت کی طرف یا موجب ہو جرأت علی المعصیۃ پر اور آپ ﷺ وہ مراد نہ ہو ایسی احادیث کم فہم کے سامنے بیان کرنے سے تحرز و اجتناب چاہیے۔ (فضل الباری 185/2)

50 بَاب الْحَيَاءِ فِي الْعِلْمِ ــــ علم کی باتوں میں حیا کرنا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ

عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِي وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِينُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَاسْتَحْيَيْتُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخْبِرْنَا بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ النَّخْلَةُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي فَقَالَ لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا۔

ترجمہ: اور مجاھدؒ نے فرمایا جو شخص شرم کرے یا تکبر کرے وہ علم حاصل نہیں کرسکتا اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا انصار کی عورتیں کتنی ہی اچھی تھیں ان کو شرم نے دین کی سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکا۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں ام سلیم حضور ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! اللہ حق بات سے شرم نہیں کرتا کیا عورت کو اگر احتلام ہوجائے تو اسکو غسل کرنا چاہئے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا (ہاں) جب وہ تری دیکھے۔ (یہ سن کر) ام سلمہؓ نے اپنا منہ چھپالیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں پھر بچہ ماں کے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی مثال ہے مجھے بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ تو لوگ جنگلوں کے درختوں میں پڑ گئے اور میرے دل میں آیا وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا لیکن مجھے شرم آئی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی بتادیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا میرے دل میں جو خیال آیا تھا وہ میں نے اپنے والد کے سامنے بیان کیا۔ انہوں نے کہا اگر تو اس وقت کہہ دیتا تو مجھے اتنا اور اتنا مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔

ربط: باب سابق میں بعض علمی باتوں کو ایک جماعت اہل فہم کیلئے خاص کرنے کا ذکر تھا یہاں پر فرمارہے ہیں کہ علم کو خاص جماعت کے لئے مخصوص سمجھ کر سوال سے حیا نہ کیا جائے ــــــ بلکہ علمی ضرورت پیش آئے معاملہ دینی ہو یا دنیوی ــــ اس کے دریافت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

غرض بخاریؒ: امام بخاریؒ فرمارہے ہیں حیا اگرچہ شعب ایمان میں سے ہے تاہم علم کے حصول میں حیا محمود نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: حیا کرنے والا اور متکبر علم حاصل نہیں کرسکتا۔ مستحیی شرم کی وجہ سے نہیں پوچھتا اور متکبر اس لئے کہ لوگ کہیں گے کہ اس کو ابھی تک یہ مسئلہ بھی نہیں آتا ــــ اس لئے دونوں جاہل رہ جاتے ہیں ــــ

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: امام بخاریؒ نے کوئی یقینی اور قطعی بات نہیں فرمائی ــــ بلکہ متعلم کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیا صفت محمودہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الحیاء خیر کلہ الحیاء لایاتی الا بخیر ــــ صفت محمودہ اختیار کرنے کا نتیجہ بھی محمود اور اچھا نکلے گا ــــ بعض دفعہ اس صفت کا درست استعمال نہیں ہوتا نتیجہ غلط نکلتا ہے تو آدمی سمجھتا ہے

کہ یہ غلط نتیجہ اس صفت کی وجہ سے نکلا۔ جیسے حیا ہے بعض دفعہ آدمی طلب علم حیا کی وجہ سے سوال نہیں کرسکتا ـــــ حالانکہ یہ حیا نہیں بلکہ فطری بزدلی ہے۔ تو جب محروم رہ جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ حیا کی وجہ سے ہوا۔ حالانکہ یہ فطری بزدلی کا نتیجہ ہے ـــــ حدیث الباب میں ایسی تمہید باندھی جو حیاء کے منافی نہیں تھی۔ (درس شامزئی 309)

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کسی نے پوچھا آپ کو ازدیاد علم کیسے حاصل ہوا ـــــ؟ فرمایا:

ما بخلتُ عن الافادۃ و ما استحییت عن الاستفادۃ ـــــ

قال مجاھد لا یتعلم العلم مستحیی و لا متکبر:

حیا سے مراد حیا طبعی ہے۔ حیا طبعی میں جب غلو ہو تو استفادہ سے مانع ہوجاتی ہے ـــــ متکبر اپنے کو حاجت مندی نہیں سمجھتا۔ بلکہ مستغنی سمجھتا ہے تو محروم رہے گا۔

چنانچہ مقولہ ہے: ذلۃ السوال خیر من ذلۃ الجھالۃ۔

ان اللہ لا یستحیی من الحق: حیا کی نسبت جب حق تعالیٰ شانہ کی طرف ہو تو ترک کے معنیٰ ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا بوجہ حیا سکوت یہ حیا بھی مستحسن ہے۔ یہ آیت شریفہ ان اللہ لا یستحیی اور لا یتعلم العلم مستحی و لا مستکبر کے خلاف نہیں۔ نیز یہ حیا مانع عن سوال میں داخل نہیں بلکہ یہ سکوت عن الجواب میں داخل ہے نیز آپ ﷺ کے جواب سے سب کیلئے حصول علم ہو گیا۔ باقی حضرت عمرؓ کا ارشاد مسرت قلبی کا اظہار ہے اس سے سکوت ابن عمرؓ کی کراہت اور وہ بھی شرعی سمجھنا مستبعد ہے۔ (کشف 602/4)

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

ان اللہ لا یستحیی من الحق سے مؤلف کا مقصود یہ ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں بوجہ حیا علم اور تفقہ سے محروم نہ رہ جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ حیا نہ کرے اور تعلم و تفقہ کے وقت حیا کو پاس نہ آنے دے جو کچھ لینا ہو تو بے تامل کہے۔ حاصل یہ کہ دو امور پیش نظر ہوں۔ ۱: بوجہ حیا علم و تعلم سے محروم نہ رہے۔ ۲: تعلیم و تعلم میں بھی حتی الوسع حیا مستحسن ہے۔

اس باب میں دو حدیثیں بیان کیں۔ وہ دونوں اس جز کی دلیل ہیں۔ اول حدیث میں جو حضرت ام سلیمؓ کا قصہ مذکور ہے اس سے تو بالبداہت ثبوت حیا مکرر اور سہ مکرر ہو رہا ہے۔ چنانچہ قبل از سوال انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ان اللہ لا یستحیی من الحق یہ تمہیدی کلمات حیا نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ام سلیمؓ کی نسبت "فغطت ام سلمہ وجھھا" ہے ـــــ آپ ﷺ نے فرمایا: تربت یمینک فبم یشبھھا ولدھا ارشاد تربت یمینک سے حیا نبوی کی نہایت لطیف خوشبو مہک رہی ہے ـــــ مگر اس حالت حیا میں تعلیم و تعلم کے فرض کو جس طرح ہوسکا ادا فرمایا اور مقصود کو فوت نہ ہونے دیا۔ (کشف 601/4)

فغطت ام سلمہ:

اس کا فاعل تو حضرت ام سلمہؓ ہیں۔ قائل یا تو حضرت زینبؓ ہیں یا خود حضرت ام سلمہؓ ہی ہیں۔ قائل اور فاعل دونوں خود ہیں۔ اور اپنے آپ کو صیغۂ غائب سے تعبیر فرما رہی ہیں۔

اَوَ: یہ ہمزہ استفہامیہ اور واؤ عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے۔ زجر وتنبیہ کے وقت یہ لفظ بولے جاتے ہیں۔ مگر لفظی معنی مراد نہیں ہوتے۔

ابوداؤد شریف میں ہے حضرت ام سلمہؓ نے کہا: فضحت النساء یا ام سلیم۔ ام سلیم تو نے عورتوں کو رسوا کر دیا۔ اس لئے کہ ایسا سوال پوچھا جس سے عورتوں کی کثرت شہوت پر دلالت ہوتی ہے کیونکہ احتلام کی کثرت شہوت کی وجہ سے ہوتی ہے ___ تو حضرت ام سلمہؓ نے شرم کی وجہ سے منہ چھپا لیا ___ لیکن ساتھ خود ہی آپ ﷺ سے پوچھ بھی لیا کہ یارسول اللہ! اَوَ تحتلم المرأۃ؟ (شرم کا تو یہ غلبہ کہ آنکھ نہیں اٹھ رہی چہرہ بھی چھپا رہی ہیں۔ حضرت ام سلیمؓ کو کتنا فکر انگیز جملہ بھی فرما دیا ___ لیکن علمی تحقیق کا یہ پاک جذبہ کہ اسی دوران خود ہی ایسا سوال فرما رہی ہیں جس کا حیا سے کتنا گہرا تعلق ہے؟ حیا طبعی کی بقا اور مانع افادہ حیا کے ترک کو کیسے جمع فرمایا۔ سبحان اللہ)

(آپ ﷺ نے فرمایا: نعم تربت یمینک کے الفاظ میں کائنات کے سب سے بڑے وصف حیا کے حامل نے کس طرح حیا کی معنویت کو اس عرفی جملہ میں سمو دیا۔ جو حیا کی وجہ سے چہرے کو چھپا رہی ہوں انہیں کس لطیف انداز میں اثبات میں جواب مرحمت فرمایا ___ اور اس حقیقت کو سمجھانے کیلئے ایک الزامی ومشاہداتی جملہ سے ساری بحث کو ہی سمیٹ دیا: فبم یشبھھا ولدھا؟ ___)

مطلب یہ ہے کہ اگر عورت میں مادہ منویہ نہ ہوتا تو بچہ کو والدہ سے مشابہت کیسے حاصل ہوتی ___؟ ___ کیونکہ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ماں باپ میں سے جس کا مادہ سبقت کر جاتا ہے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے جب مادہ موجود ہے پھر احتلام بھی ہوسکتا ہے اگرچہ طبعی طور پر یہ عورتوں میں کم ہوتا ہے لیکن بڑی عمر کی عورتوں میں احتلام ہونا ثابت بھی ہے۔ (انعام الباری 222/2)

مندرجہ بالا معروضات کی تائید میں ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ اس باب کے بعد دوسرا باب من استحیی فامر غیرہ بالسوال منعقد فرما کر حضرت علیؓ کی روایت کنت رجلاً مذاء بیان کی ہے جس سے معلوم ہو گیا بوجہ حیا ترک سوال میں کچھ حرج نہیں البتہ یہ چاہیے کہ دوسرے کے واسطے سے حکم شرعی سے واقف ہو جائے اور علم سے محروم نہ رہ جائے۔ (کشف 601/4)

زینبؓ بنت ام سلمہؓ

ان کی بحیثیت مجموعی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے جب حضور اقدس ﷺ غسل کرنے کیلئے تشریف لے جاتے تو حضرت ام سلمہؓ اپنی بیٹی سے کہتیں کہ حضور اکرم کے پاس چلی جاؤ وہ وہاں داخل ہوتیں تو آپ ﷺ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈال دیتے اور پھر لوٹا دیتے کہتے ہیں کہ معمر اور ضعیف ہو چکی تھیں ___ لیکن ان کے چہرے کی شادابی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ (کشف 610/4)

فائدہ: اس روایت کی بنیاد پر بعض حضرات نے کہا ہے کہ ازواج مطہرات کو بدخوابی واحتلام نہیں ہوتا تھا جبھی تو تعجب سے پوچھا۔ حضرات انبیاءؑ کے بارے میں یہ بحث وکلام ہے کہ آیا ان کو خواب کی وجہ سے ضرورت غسل پیش آسکتی ہے یا نہیں ــــــ؟ اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات یہ ہے بدخوابی کا سبب کیا ہے؟ غلط قسم کے افکار کا ہجوم یا وساوس شیطانیہ کے سبب ہے تو ان انفاس قدسیہ کو یہ بدخوابی نہیں ہوتی ــــــ البتہ برتن نطفہ انسان کے پر ہو جانا سبب ہو جائے تو اس کا امکان ہے اور یہ عظمت وشرافت کے منافی بھی نہیں ہے ــــــ دوسری حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد مبارک۔

اے ابن عمر! بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہوئے نخلہ آپ بتا دیتے اور علم میں حیا نہ کرتے تو میرے ہاں یہ بہت پسندیدہ چیز ہوتی ــــــ باقی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حیا کا منشا چونکہ ادب تھا اور قرائن یہ بتلا رہے تھے آپ ﷺ نے یہ بتلا دینا تھا تو علم سے محرومی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حیا ابن عمر رضی اللہ عنہ مذموم نہیں۔ غلبہ حیا سے اگر ترک سوال کرے تو بالواسطہ پوچھ کر علمی وعملی غلطی کا ازالہ کرلے۔ غافل وجاہل باحیا بھی ہو تو بھی شریعت کی نظر میں قابل مذمت ہے۔

51 بَاب مَنْ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ

جو شخص شرم کی وجہ سے خود نہ پوچھے تو وہ دوسرے شخص کو پوچھنے کے لئے کہے

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ فِيهِ الْوُضُوءُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میری مذی بہت نکلا کرتی تھی۔ تو میں نے مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا تم رسول اللہ ﷺ سے پوچھو۔ انہوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں وضو ہی کافی ہے۔

ربط: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: دونوں ابواب میں ربط ظاہر ہے۔ دونوں ابواب میں مابہ الاشتراک حیا ہے باب سابق سے بظاہر حیا کا قبح ثابت ہوتا ہے ــــــ لیکن اس باب میں تفصیل کردی۔

غرض بخاریؒ: یہ ہے جو حیا حصول علم سے مانع ہو وہ تو مذموم ہے اگر کسی عارض کی وجہ سے خود پوچھنے میں کوئی مانع ہو تو ایسی صورت اختیار کرے کہ حیا بھی ملحوظ رہے اور علمی فائدہ سے بھی محرومی نہ ہو۔ بلا ضرورت اس قسم کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اور ضرورت کے وقت شرم وحیا بھی مانع نہیں ہونا چاہیے۔

تشریح حدیث

كنت رجلاً مذاءً:

مذی: وہ لیس دار پانی جو اہلیہ کے ساتھ ملاعبت کے وقت منی سے پہلے نکلتا ہے ــــــ

منی اور مذی دونوں میں فرق یہ ہے مذی کے نکلنے سے شہوت اور جوش میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ خروج منی سے ارتعاش ختم ہوجاتا ہے۔اور ٹھنڈک وسکون ہوجاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے خروج مذی کی صورت میں صرف موضع اصابتِ مذی کو دھویا جائے گا دیگر اعضا کو نہیں۔جمہور نے اصل موجب خروج خارج کو سمجھا، تو حکم بھی کسی اور محل کی طرف متجاوز نہیں ہوگا۔تائید مزید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں اغسلہ کے الفاظ ہیں جس کی ضمیر مذی کی طرف لوٹتی ہے۔

جن روایات میں ذکر وانثیین کے دھونے کا ذکر ہے وہ استحباب پر یا علاج پر محمول ہیں (پانی کے چھڑکاؤ سے خروج مذی کا انقطاع ہوجاتا ہے۔) یا احتیاط پر محمول ہیں کیونکہ لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ مذی کا معاملہ بول سے اخف ہے۔(کشف 647/4)

عندالاحناف تطہیر کیلئے صرف احجار کا استعمال کافی ہے۔

جب آدمی میں قوت رجولیت زیادہ ہوتی ہے تو ذراسی حرکت سے مذی خارج ہوجاتی ہے ــــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قوۃ وطاقت مشہور ہے۔جب آپ گھر جاتے تو کوئی صورت ابتدائی طور پر ہی پیش آجاتی تو خروجِ مذی ہوجاتا۔تو ان کے ذہن میں یہ تھا یہ بھی منی کی طرح موجبِ غسل ہے حتیٰ کہ بعض روایات میں ہے کہ سردی کی وجہ سے نہاتے نہاتے ان کی کمر پھٹ گئی تھی۔

اسی لئے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے توسط سے اسی کے بارے میں دریافت فرمایا۔حدیث الباب میں یہی ہے۔

سوال: مذی کے دریافت کے سلسلہ میں تین طرح کے الفاظ ہیں جو موجبِ تعارض ہیں۔ ۱-امرت المقداد۔ ۲:امرت عماراً(ابن یاسر رضی اللہ عنہ) ۳:سئلت (ای بنفسی)

جواب ۱: حافظ ابن حجرؒ نے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ سئلت سے مراد بالواسطہ سوال کرنا ہے۔باقی دونوں حضرات کے سلسلہ میں یہ توجیہ ہے کہ ایک سے کہا تھا مگر انہوں نے پوچھنے میں تاخیر کی تو دوسرے سے فرمادیا کہ آپ پوچھیں۔

جواب ۲: دوسری توجیہ ہے دونوں حضرات نے مندرجہ سوال پوچھنے میں تاخیر کی تو پھر حضرت علیؓ نے براہِ راست آپ ﷺ سے دریافت کرلیا۔

یہ تطبیق مناسب ہے بعض طرق میں چونکہ حضرت علیؓ کا استحیاء مذکور ہے اس لئے خود حضرت علیؓ کے پوچھنے کو مجاز پر حمل کیا جائے گا چونکہ آمر حضرت علیؓ تھے اس لئے بعض راویوں نے سوال کی نسبت ان کی طرف کردی۔(کشف 642/4)

52 بَاب ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ مسجد میں علم کی باتیں کرنا اور فتویٰ دینا

حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نُهِلَّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَيُهِلُّ أَهْلُ الشَّأْمِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ

وَيَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ لَمْ أَفْقَهْ هَذِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے مسجد میں کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں کہ ہم احرام کہاں سے باندھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والے جحفہ سے احرام باندھیں اور نجد والے قرن سے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگ کہتے ہیں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا یمن والے یلملم سے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ بات میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی۔

غرضِ بخاریؒ: مقصود ایک حدیث میں تخصیص ہے۔ وہ حدیث ہے: ایاکم وھیشاۃ الاسواق فی المساجد۔ مساجد کو بازاری شور شرابے سے بچاؤ۔

امام بخاریؒ نے فرمایا: ویسے شور و شغب تو جائز نہیں لیکن تعلیم و تعلم اور کتب کا تکرار وغیرہ یہ مسجد میں ہو سکتا ہے۔

فائدہ: سمندری راستہ سے ہماری (اہل پاکستان) کی میقات یلملم ہے اور فضائی راستے سے قرن منازل ہے۔

53 بَاب مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ

سائل کو اس کے سوال سے زیادہ جواب دینا

حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ أَوِ الزَّعْفَرَانُ فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا محرم احرام کی حالت میں کیا پہنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قیص، عمامہ، پائجامہ اور ٹوپی نہ پہنے اور نہ وہ کپڑا جس میں ورس یا زعفران لگی ہوئی ہو اور اگر جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے۔

غرضِ بخاریؒ: قاعدہ وضابطہ تو یہی ہے جواب سوال کے مطابق ہو ___ لیکن اگر نادان سائل غیر ضروری سوال کرے یا ضرورت سے کم کرے اور صورتِ مسئلہ صحیح ذکر نہ کر سکے تو دانا مجیب ضروری چیز کا جواب دے گا ___ یعنی جواب عندالضرورت زیادہ دینا بھی صحیح ہے۔ یا جو ضروری بات ہو وہی بتا دینا کافی ہے۔ جیسے یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت میں منافع اہلال بتادیے مگر اھلہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس لئے کہ وہ سوال ہی غیر ضروری ہے۔

تشریحِ حدیث

لایلبس القمیص:

پہننے والی چیزیں تو بہت ہیں اس لئے نہ پہننے والی بتادیں اس لئے کہ احرام ممانعت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں اشارہ کردیا ممنوعات کے بارے میں پوچھو۔

تحت الکعبین:

اگر نعلین نہ ہوں تو خفین پہن سکتا ہے۔ مگر کعبین سے کاٹ دے۔ کعب وہ ہڈی ہے جو پاؤں کی پشت پر ابھری ہوتی ہے۔

فان لم یجد النعلین فلیبس الخفین الخ: بایں طور پر ہے کہ سائل نے اس بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔

آپ ﷺ نے اسلوبِ حکیمانہ کے طور پر سائل کو اس مسئلہ کی بھی ضرورت ہوگی از خود بتلا دیا۔

سائل نے آپ ﷺ سے ملبوسات کے بارے میں سوال کیا تھا جو محرم پہن سکتا ہو مگر آپ ﷺ نے غیر ملبوسات کو ذکر فرمایا۔ جن چیزوں کے پہننے کی اجازت ہے ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں اور جن کے پہننے کی اجازت نہیں ان کے پہننے سے ضرر ہوتا ہے بتادیا کہ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے۔ لہٰذا غیر ملبوسات کے متعلق سوال کرنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ ملبوسات کی تو کوئی حد نہیں۔ غیر ملبوسات محدود ہیں۔ آپ ﷺ نے محدود کو بیان فرمایا تو جب یہ معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں چیز استعمال کرنا ناجائز ہے تو باقی تمام چیزوں کا استعمال جائز ہے۔

ترجمۃ الباب سے مطابقت:

سائل نے صرف ملبوسات کا سوال کیا تھا آپ ﷺ نے غیر ملبوسات کو منطوقِ حدیث اور ملبوسات کو مفہوم حدیث سے بیان فرمادیا۔ نیز سائل نے حالتِ اختیار کا سوال کیا تھا آپ ﷺ نے حالتِ اضطرار کا بھی مسئلہ بیان فرمادیا کہ اگر کسی کو نعلین نہ ملیں تو خفین کاٹ کر پہن لے۔ (کشف 667/4)

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ نے ترجمۃ الباب سے مسئلہ نکالا اگر سائل مفتی سے کوئی خاص سوال کرے اور مفتی سمجھتا ہے اگر میں خاص جواب دوں تو اس سے غلط فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ تفصیلی جواب دے اور ناجائز فائدہ کا راستہ بند کردے۔ (درس شامزئی 312)



فائدہ: براعتِ اختتام

امام بخاریؒ نے آخر میں یہ باب باندھ کر اشارہ فرمادیا

اے طلباء کرام!

کتاب العلم میں جتنی باتیں ضروری تھیں میں نے اس سے زیادہ بتادیں۔

نیز ولیقطع کے لفظ سے اختتامِ کتاب کی طرف اشارہ فرمایا ایسے ہی اختتام حیاۃ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فرق یہ ہے کہ احرام خود باندھتا ہے کفن دوسرے پہناتے ہیں۔ اس سے گویا انسان کے اس دنیا سے کوچ کرنے کی طرف اشارہ ہے تو کوچ کے فکر سے علم وعمل سے مزین ہو کر جانا چاہیے ـــــ

فائدہ:

آنے والے ابواب سے پہلے بنیادی ابواب واحادیث وحی، ایمان اور علم پڑھنے کے بعد آپ کی قلبی کیفیت حب نبوی ﷺ کے بارے میں کیا ہے تو یہ شعر آپ کے باب قلب پر دستک دے رہا ہے۔ ؎

بے عشق نبی جس نے لیا درس بخاری
آتا ہے بخار اسکو بخاری نہیں آتی

★.........★.........★

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات



ضمیمہ از صفحہ 238

حقیقتِ ایمان سے متعلق مذاہب کی وجہ حصر

ایمان کا تعلق فقط زبان سے ہوگا یا فقط دل سے۔ اگر زبان سے ہو تو وہ کرامیہ کا مذہب ہے اور اگر دل سے تعلق ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ تصدیق اختیاری ہوگی یا غیر اختیاری بھی کافی ہوگی۔ اگر غیر اختیاری ہو تو جہمیہ کا مذہب اور اگر اختیاری ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ اعمالِ صالحہ ضروری ہوں گے یا نہ ہوں۔ اگر نہ ہوں تو یہ مرجئہ کا مذہب ہے اور اگر اعمالِ صالحہ ضروری ہوں تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ ان کے ترک سے ایمان سے خروج لازم آئے گا یا نہیں۔ اگر لازم آئے تو وہ معتزلہ وخوارج کا مذہب ہے۔ خروج کی صورت میں دو حال سے خالی نہیں کہ ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر نہ ہو تو یہ معتزلہ کا مذہب اور اگر داخل ہو تو یہ خوارج کا مذہب ہے اور اگر اعمالِ صالحہ کے ترک سے خروج عن الایمان لازم نہ آئے تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ عبارت وتعبیر میں ان کو جزء قرار دیں گے یا نہیں۔ اگر تعبیر میں جزو ایمان قرار دیں تو یہ ائمہ ثلاثہ اور محدثین کا مذہب ہے اور اگر تعبیر وبیان میں جزء قرار نہ دیں تو یہ متکلمین اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

عنایۃ الباری ____ مشائخ حدیث کی نظر میں

"بندہ نے بالاستیعاب شرح کا مطالعہ کیا۔ الحمدللہ ہر لحاظ سے شرح کو کامل ومکمل پایا۔ تمام ضروری مباحث تحت الحدیث ذکر کردی گئیں۔ لغوی تحقیقات، مشکل تراکیب، فنی مباحث، راویوں کے حالات اور مذاہب باطل کا خوب تعاقب فرمایا۔"

(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن جامی مدظلہ) [مدیر و شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ]

"عنایت الباری کی مبادیات سے باب من اعاد الحدیث ثلاثا (کتاب العلم) تک تفصیلی مطالعہ کیا ہے حشو وزوائد سے مبرا، تدریسی ضرورت کے ضروری مواد سے مزین ہے۔"

(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا منیر احمد منور مدظلہ) [شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا]

"طلبہ کو عنایت الباری کی صورت میں ایسا مجموعہ دیا جو مشہور و معروف محدثین، مدرسین، محققین کی شبانہ روز محنتوں، عرق ریزیوں، شب بیداریوں سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے ماخوذ عنہ کی مثل محقق، معتمد، مدلل، مسہل اور مربوط ہے۔"

(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمد مدظلہ) [مدیر و شیخ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیر والا]

"کوئی صاحب ذوق استاذ، طالب علم اپنے یومیہ سبق کے حصہ کا اس کتاب سے مطالعہ کرے تو سینکڑوں صفحات کے مطالعہ کا جوہر اسے مل جائیگا۔"

(شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ) [مرکزی رہنما عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان]

"دور حاضر کے ممتاز شیوخ حدیث اور صف اول کے صاحب بصیرت محدثین کرام کی مساعی مشکورہ میں سے ہر ایک کی خصوصیت کو لے لیا اور یوں یہ عجیب گلدستۂ علم وحکمت "العطور المجموعة" بن گیا۔"

(حضرت اقدس مولانا محمد عابد مدنی مدظلہ) [جامعہ خیر المدارس ملتان]

"عنایت الباری کا انداز بڑا سلیس، رواں دواں، معلمانہ اور مدرسانہ ہے بلکہ اپنے اہداف کے حوالہ سے خالص طالب علمانہ ہے۔"

(حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ) [جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ]

"ان کے علمی ذوق نے انہیں یہ حوصلہ بخشا کہ صحیح بخاری کے اسرار ورموز کے وہ بکھرے موتی جو مختلف شروح وحواشی میں پھیلے ہوئے ہیں انہیں یکجا جمع کرکے صحیح بخاری کی شرح ترتیب دیں۔" (حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہ) [مدیر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد]

